

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ)

جلد اوّل ————— دفترِ اوّل

ترجمہ، تخریج آیات و احادیث و تعلیقات

ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کنڈیاں، ضلع میانوالی

©

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

اشاعت اول ۱۴۳۶ھ / ۲۰۱۵ء

ران رانجھا، محمد نذیر

مکتوبات امام ربانی / محمد نذیر رانجھا۔

میانوالی: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، جلد اول، ۲۰۱۵ء

۶۴۰ ص

RAN Ranjha, Muhammad Nazir

Maktobaat e Imam e Rabbani/ by Muhammad Nazir Ranjha.- Mianwali: Khanqah

Sirajia Naqshbandiyah Mujaddadiyah, vol. 1, 2015

640 p.

ISBN 978-969-9951-08-4

قیمت: 1900 روپے (مکمل سیٹ)

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں، ضلع میانوالی

0300 - 6091121

6-A، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

0300 - 8099774, 0321 - 4650131

دارالکتاب

تقسیم کار

انتساب

بہ نامِ نامی قطبِ عالم زبدۃ العارفین و قدوۃ الکاملین شیخ المشائخ خواجہ خواجگان مخدوم زمان سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد نور اللہ مرقدہ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کنڈیاں، ضلع میانوالی:

تا جان دارم در غمت آویزم	تا اشک بود بر سر کویت ریزم
چون صبح قیامت بدمد با عشقت	از خاکِ درت نعرہ زنان بر خیزم
مرشد مہربان چنین باید	تا در فیض زود بکشاید
آنکہ بہ تبریز دید یک نظر شمس دین	سحرہ کند بر دہہ طعنہ زند بر چلہ

اور

بہ نامِ نامی آفتابِ آسمانِ ولایت، بلجا و ماویٰ نیازمندان، فیضِ مآب و عالی مراتب سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا خواجہ ابوالسعد خلیل احمد صاحبِ بطن اللہ ظہم العالی سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کنڈیاں، ضلع میانوالی:

اے دادہ رخ تو ماہ را زیبائی	خاکِ قدم تو دیدہ را بینائی
در خدمتِ تو جان و دل و دیدہ و تن	می در بازم اگر قبولِ بنمائی
اگرچہ طاقت یک گردشِ نگاہم نیست	خدا کند ہمہ نازش بجان من باشد
یک چشمِ زدن غافل از ان ماہ نباشی	شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

خاکِ پائے اولیائے عظام

احقر محمد نذیر رانجھا

اجمالی فہرست

جلد اوّل

۲۹	تقریظ
۳۰	عرضِ مترجم
۳۵	مکتوباتِ دفترِ اوّل
۶۱۷	حواشی و تعلیقاتِ دفترِ اوّل

جلد دوم

۱۹	مکتوباتِ دفترِ دوم
۲۶۷	مکتوباتِ دفترِ سوم
۵۴۹	حواشی و تعلیقاتِ دفترِ دوم
۵۵۷	حواشی و تعلیقاتِ دفترِ سوم
۵۶۵	فہرستِ رجال

فہرست

دفترِ اول

- مکتوب نمبر مضمون صفحہ نمبر
- (۱) ان حالات کے بیان میں جو اسم ظاہر سے مناسبت رکھتے ہیں اور توحید کی ایک خاص قسم کے ظہور، نیز ان عروجات کے بیان میں جو عرش کے اوپر واقع ہوئے ہیں، بہشت کے درجات کے انکشاف اور اہل اللہ کے بعض مراتب کے ظہور میں اپنے پیر بزرگوار کو لکھا ہے۔ اور وہ کامل مکمل شیخ، درجاتِ ولایت کے واصل، طریقہ جس کی ابتداء میں انتہا شامل ہے، کی رہنمائی کرنے والے، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و امام (حضرت) شیخ محمد باقی نقشبندی احراریؒ ہیں۔ ۳۵
- (۲) ترقیوں کے حاصل کرنے اور اللہ جل سلطانہ کی عنایتوں پر فخر کرنے کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کو تحریر فرمایا۔ ۳۷
- (۳) دوستوں کے ایک خاص مقام میں رک جانے اور بعض کا اس سے گزر کر تجلی ذاتی کے مقام میں پہنچنے کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کو تحریر فرمایا۔ ۳۸
- (۴) بڑی شان والے مہینے رمضان کے فضائل کے بیان میں اور حقیقت محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کو تحریر فرمایا۔ ۳۹
- (۵) خواجہ برہان الدین، جو مخلص دوستوں میں تھے، کی سفارش میں۔ ان کے بعض حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کو تحریر فرمایا ہے۔ ۴۱
- (۶) جذبہ و سلوک کے حاصل ہونے کے بیان میں، جمال و جلال کی دونوں صفات کے تربیت پانے اور فنا و بقا اور جو کچھ اُن سے متعلق ہے، کے بیان میں اور نسبتِ نقشبندیہ کی فوقیت کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کو تحریر فرمایا۔ ۴۱
- (۷) اپنے بعض عجیب حالات (اور) ان سے متعلق سوالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کو تحریر فرمایا ہے۔ ۴۳
- (۸) ان حالات کے بیان میں جو صحو و بقا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ۴۵
- (۹) ان حالات کے بیان میں جو نیچے آنے کے مقام (نزول) سے مناسبت رکھتے ہیں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ۴۷
- (۱۰) غیر مشہور معانی کی رُو سے قرب و بعد اور وصل کے حاصل ہونے اور ان کے مناسب بعض علوم کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ۴۹
- (۱۱) بعض مکاشفات، اپنے دیدِ قصور کے مقام کو پانے، اپنے تمام اعمال و اقوال میں خود کو تہمت زدہ جاننے اور (حضرت) شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے کلام کا راز ظاہر ہونے کے بیان میں، جو انہوں نے فرمایا ہے: ”عین نہیں رہتا تو اثر کہاں رہے“۔ نیز بعض احباب کے حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ۵۰

- (۱۲) مقام فنا و بقا کے حاصل ہونے، ہر چیز کی خاص وجہ کے ظہور کے حاصل ہونے، سیر فی اللہ اور تجلی ذاتی برقی اور اس کے جز کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ۵۵
- (۱۳) راستے کی بے انتہائی اور علوم حقیقت کے علوم شریعت کے مطابق ہونے کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ ۵۶
- (۱۴) ان واقعات کے حاصل ہونے کے بیان میں جو راہ (سلوک) میں ظاہر ہوئے تھے اور بعض مسترشدین (طالبین رشد و ہدایت) کے حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ ۵۷
- (۱۵) ہبوط و نزول کے مناسب حالات اور اس کے ساتھ بعض مخفی اسرار کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ ۵۹
- (۱۶) عروج و نزول وغیرہ کے حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ ۶۱
- (۱۷) بعض ان حالات کے بیان میں جو عروج و نزول وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔ ۶۳
- (۱۸) تمکین کے بیان میں جو تلویں کے بعد حاصل ہوتی ہے، تین قسم کی ولایتوں کے مراتب کے بیان اور اس بیان میں کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے، وغیرہ۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ ۶۳
- (۱۹) بعض حاجتمندوں کی سفارش میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ ۶۹
- (۲۰) یہ بھی بعض حاجتمندوں کی سفارش میں اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔ ۶۹
- (۲۱) شیخ محمد کی ولد الحاج قاری موسیٰ لاہوری کی جانب تحریر فرمایا ہے، ولایت کے درجات، خاص کر ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقیت کے درجات کا بیان اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف، نیز ان بزرگوں کی نسبت کی بلندی اور اس (طریقہ) کی دوسرے تمام طریقوں پر فضیلت اور اس بیان میں کہ ان (حضرات نقشبندیہ) کا حضور دائمی ہے۔ ۶۹
- (۲۲) شیخ عبدالحجید ولد شیخ محمد مفتی لاہوری کی جانب ارسال فرمایا۔ روح و نفس کے درمیان تعلق کی وجہ کے بیان میں۔ ان کے عروج و نزول کا بیان، جسم اور روح کی فنا اور ان کی بقا کا بیان، مقام دعوت کا بیان، اولیاء میں سے جو صاحبان فنا ہیں اور جو مقام دعوت کی جانب لوٹنے والے ہیں، ان کا بیان۔ ۷۱
- (۲۳) عبدالرحیم مشہور بہ خان خانا کو ان کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔ ناقص پیر سے طریقہ اخذ کرنے سے منع کرنے اور اس کے نقصان کے بیان میں۔ نیز اہل کفر سے مشابہت رکھنے والے القاب پر سرزنش کرنے کے بیان میں۔ ۷۴
- (۲۴) محمد قلیج خان کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ صوفی کائن اور بائن (ہوتا) ہے (ظاہر میں مخلوق اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ)، بلاشبہ دل ایک سے زیادہ کے ساتھ تعلق نہیں پکڑتا، یقیناً محبت ذاتیہ کا ظہور محبوب سے پہنچنے والے دکھ اور انعام کو برابر سمجھنا ہے، مقررین (درگاہ) کی عبادت اور ابراہار کی عبادت کے درمیان فرق، اسی طرح فنا فی اللہ اولیاء اور مخلوق کو دعوت حق دینے والے اولیاء کے درمیان فرق کا بیان۔ ۷۶
- (۲۵) خواجہ جہاں کی طرف تحریر فرمایا۔ سید المرسلین اور خلفائے راشدین کی متابعت کی ترغیب پر ابھارنے کے بیان میں۔ ۷۷
- (۲۶) شیخ عالم مولانا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شوق البتہ ابراہار کو ہوتا ہے نہ کہ مقررین کو۔ اس مقام کے مناسب علوم کے (بیان کے) ساتھ۔ ۷۸

- (۲۷) خواجہ عمک کی طرف تحریر فرمایا۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور ان بزرگوار حضرات کی نسبت کی بلندی کے بیان میں۔ ۸۰
- (۲۸) خواجہ عمک کو تحریر فرمایا۔ بلندی حال میں، لیکن ایسی عبارت میں لکھا گیا ہے، جس سے نزول اور بعد کا گمان ہوتا ہے۔ ۸۱
- (۲۹) نظام تھانیسری کو تحریر فرمایا۔ فرائض کی ادائیگی، سنتوں اور مستحبات کی رعایت کرنے کی ترغیب، فرائض کے مقابلہ میں نوافل کے ادا کرنے کی طرف توجہ نہ دینے کے بیان میں۔ عشاء کی نماز کو آدھی رات کے نصف آخر میں ادا کرنے سے منع کرنے، وضو کے مستعمل پانی کے پینے کے جائز سمجھنے سے روکنے اور مریدوں کے سجدہ کرنے کو جائز سمجھنے سے منع کرنے کے بیان میں۔ ۸۲
- (۳۰) ملا محمد صدیق، جو اس درگاہ (مجددیہ) کے قدیم خدام میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ مکتوب بھی شیخ نظام الدین تھانیسری کو تحریر فرمایا۔ شہود آفاقی و انفسی اور شہود انفسی و تجلی صوری کے درمیان فرق کے بیان میں، مقام عبدیت کی بلندی شان، اس مقام کے علوم کی شرعی علوم کے ساتھ مطابقت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔ ۸۳
- (۳۱) شیخ صوفی کو تحریر فرمایا۔ توحید و جود کی ظہور اور حق تعالیٰ و تقدس کے قرب و معیت ذاتی کی حقیقت کے بیان میں۔ نیز اس مقام سے گزر جانے (اور) اس مقام کی تحقیق سے متعلق بعض سوالات و جوابات کا بیان۔ ۸۷
- (۳۲) مرزا حسام الدین احمد کی جانب تحریر فرمایا۔ اس کمال کے بیان میں جو صاحبہ کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اولیاء میں سے بہت کم اشخاص اس کمال سے مشرف ہوئے ہیں اور حضرت مہدی (رضوان اللہ علیہ) میں وہ کمال نہایت مکمل درجہ پر ظہور کرے گا۔ وہ کمال جذبہ و سلوک کی نسبت کے اوپر ہے۔ نیز اس بیان میں کہ صنعت کا کمال بہت سے افکار کے آپس میں ملنے پر (ہوتا) ہے اور اس کی زیادتی کا انحصار کئی افکار کی پیروی (کرنے) پر ہے۔ مرشد کی نسبت اگر اسی خالصیت (اصلیت) پر رہے تو وہ نقصان کا سبب (غنی) ہے۔ مرید رشید اس کو کامل بنا سکتا ہے اور جو کچھ اس کے لائق ہے (اس کے بیان میں)۔ ۹۲
- (۳۳) ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ علمائے سو کی مذمت کے بیان میں جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور انہوں نے علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا اور پرہیزگار علماء کی مدح میں جو دنیا سے بے رغبت ہو گئے ہیں۔ ۹۵
- (۳۴) ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ عالم امر کے جواہر خمسہ کی حتی الامکان شرح و تفصیل کے ساتھ بیان میں۔ ۹۷
- (۳۵) میاں حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ محبت ذاتی کے بارے میں۔ (یہ) کہ اس مقام میں انعام اور دکھ دینا برابر ہے۔ ۹۹
- (۳۶) یہ بھی ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شریعت دنیا اور آخرت کی سبب سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مقصد نہیں ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے سوا (کسی اور چیز) کی ضرورت پڑے۔ طریقت اور حقیقت (دونوں) شریعت کی خادم ہیں۔ نیز جو کچھ اُس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔ ۱۰۰
- (۳۷) شیخ محمد چتری (خیری) کے نام تحریر فرمایا۔ نبی کریم علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام و اتحیہ کی روشن سنت کی پیروی پر آمادہ کرنے اور نسبت نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے حاصل کرنے کا شوق دلانے کے بیان میں۔ ۱۰۱
- (۳۸) یہ بھی شیخ محمد چتری (خیری) کو تحریر فرمایا۔ ذات محض تعالیٰ و تقدس کے ساتھ، جو اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات سے منزہ ہے، تعلق قائم کرنے کے بارے میں اور ناقص لوگوں کے گروہ کی مذمت میں جو مثل کو بے مثل تصور کر کے اس میں گرفتار ہو چکے ہیں اور اہل فنا کے مراتب کے مختلف ہونے کے بارے میں کہ جن پر علوم و معارف کا تفاوت مترتب ہے۔ ۱۰۲
- (۳۹) یہ بھی شیخ محمد چتری (خیری) کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ کام کا دار و مدار دل پر ہے، صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادات سے کوئی کام نہیں بنتا اور اسی طرح کے دوسرے امور۔ ۱۰۵
- (۴۰) یہ بھی شیخ محمد چتری (خیری) کو تحریر فرمایا۔ مقام اخلاص حاصل کرنے کے بیان میں جو شریعت کے تین اجزاء میں سے ایک جزو

- ہے اور اس جزو کے کامل کرنے میں طریقت اور حقیقت (دونوں) شریعت کی خادم ہیں اور اسی قسم کے دوسرے امور۔ ۱۰۶
- (۴۱) شیخ درویش کی جانب تحریر فرمایا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اور روشن سنت کی پیروی کرنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کو کامل کرنے والی ہیں۔ نیز اس بیان میں کہ علوم شرعیہ اور علوم صوفیہ کے درمیان جو کہ مقام صدیقیت میں اور ولایت کے مراتب میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، فائز ہوتے ہیں، ہرگز مخالفت نہیں ہے۔ ۱۰۶
- (۴۲) یہ شیخ درویش کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب کی حقیقت جامعہ سے حق سبحانہ کے غیر کی محبت کے زنگ کو دور کرنے والی چیز نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اتباع ہے۔ ۱۰۹
- (۴۳) سرداری کی پناہ والے اور شرافت کے سرمایہ والے شیخ فرید بخاری کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ توحید کی دو قسمیں ہیں: شہودی اور وجودی۔ اور جو ضروری ہے وہ توحید شہودی ہے جس کے ساتھ فنا وابستہ ہے۔ (توحید) شہودی عقل اور شرع کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی بخلاف توحید وجودی کے۔ اور ان مشائخ کے اقوال کی جو کہ توحید (وجودی) کو دیکھنے والے ہیں توحید شہودی کی طرف تاویل کرنی چاہیے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے۔ توحید وجودی عین الیقین کے مرتبہ میں ہے جو کہ حیرت کا مقام ہے اور جب اس مقام سے گزر کر حق الیقین کے مقام میں پہنچتے ہیں تو اس قسم کے احوال سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔ اس مضمون کو مناسب سوالات و جوابات اور وضاحت کرنے والی مثالوں کے ساتھ بیان کرنے میں۔ ۱۱۰
- (۴۴) یہ بھی سرداری اور تعریف کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کی طرف تحریر فرمایا۔ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح (نعت) میں اور اس بیان میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہترین اور اس کے جھٹلانے والے بنی آدم میں بدترین لوگ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی پیروی کی ترغیب (کے) بیان میں۔ ۱۱۳
- (۴۵) یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کی جانب تحریر فرمایا۔ یہ مکتوب آپ نے اپنے پیر دنگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ) کے اس فانی دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد تحریر فرمایا تھا۔ چونکہ خانقاہ کے فقراء کی ظاہری تقویت شیخ موصوف (شیخ فرید) سے منسوب تھی، لہذا اس کے شکر کا اظہار فرمایا ہے اور انسان کی جامعیت کی وجہ بیان فرمائی ہے، جو کہ انسان کے کمال کا سبب ہے اور اس کے نقصان کا بھی موجب ہے۔ نیز اس کے ساتھ رمضان مبارک کے مہینے کے فضائل اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، وہ بھی بیان فرمائے ہیں۔ ۱۱۵
- (۴۶) یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ باری تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اسی طرح اللہ سبحانہ کی وحدت، بلکہ (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، بلکہ تمام جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، وہ بدیہی ہیں اور وہ کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں، نیز ان سب کی وضاحت میں دلائل بیان کیے ہیں۔ ۱۱۸
- (۴۷) یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ سابقہ صدی کی شکایت (کے بیان) میں جس میں کافروں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اہل اسلام رسوا اور بے اعتبار ہو گئے اور اس (بات) کی ترغیب میں کہ اگر بادشاہت کی ابتداء میں دین کی ترقی میں سر ہو جائے تو بہتر ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا درمیان میں آکر اہل اسلام کے کارخانہ میں خلل ڈال دے اور سابقہ صدی کی صورت میں کر دے۔ ۱۲۰
- (۴۸) یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید بخاری کی جانب تحریر فرمایا۔ علماء اور طالب علموں کی تعظیم پر ابھارنے کے لیے جو کہ حاملان شریعت ہیں۔ ۱۲۱
- (۴۹) نیز سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا جو کہ ان دونوں دولتوں کے اکٹھا کرنے یعنی ظاہر کو شرعی احکام کے ساتھ مزین

- ۱۲۳ کرنے اور باطن کو ماسوائے حق سبحانہ کی گرفتاری سے آزاد کرنے کی ترغیب میں ہے۔
- ۱۲۳ (۵۰) یہ بھی سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کی جانب تحریر فرمایا۔ کمینی دنیا کی مذمت میں۔
- ۱۲۴ (۵۱) یہ بھی سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ نبی کریم ﷺ کی روشن شریعت کے رواج دینے کی ترغیب میں۔
- ۱۲۴ (۵۲) یہ بھی سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ نفس امارہ کی مذمت، اس کی ذاتی بیماری اور اس بیماری کے دور کرنے کے علاج کے بیان میں۔
- ۱۲۴ (۵۳) یہ بھی سرداری کی نسبت والے شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ علمائے سُو (برے علما) کا اختلاف دنیا کی خرابی کا باعث ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔
- ۱۲۶ (۵۴) یہ بھی شیخ فرید کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بدعتی کی صحبت سے بچنا ضروری ہے۔ بدعتی کی صحبت کا نقصان کافر کی صحبت کے ضرر سے زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سے بدترین شیعہ شنیعہ ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔
- ۱۲۸ (۵۵) سرداری کی پناہ شیخ عبدالوہاب بخاری کو تحریر فرمایا۔ محبت کے اظہار میں۔
- ۱۲۹ (۵۶) یہ بھی شیخ عبدالوہاب (بخاری) کی طرف تحریر فرمایا۔ ایک سید (صاحب) کی سفارش میں۔
- ۱۳۰ (۵۷) شیخ محمد یوسف کی جانب تحریر فرمایا۔ نصیحت کے بارے میں۔
- ۱۳۰ (۵۸) سید محمود کی طرف تحریر فرمایا گیا۔ اس بیان میں کہ یہ راستہ جس کے طے کرنے کے عزم میں ہم (مشغول) ہیں، کل سات قدم ہے۔ نیز اس بیان میں کہ نقشبند یہ مشائخ نے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے برخلاف سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور ان بزرگواروں کا طریقہ صحابہ کرام کا طریقہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
- ۱۳۰ (۵۹) یہ بھی سید محمود کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی کو تین چیزوں سے چارہ نہیں ہے، تاکہ نجات ابدی حاصل ہو جائے، اور اہل سنت و جماعت کی پیروی کے بغیر نجات متصور نہیں ہے، نیز اس بیان میں کہ علم و عمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص صوفیہ کے طریقہ پر چلنے سے وابستہ ہے، نیز اس بیان میں کہ اولیاء (اللہ) کو تمام کاموں، اعمال اور حرکات و سکنات میں اخلاص حاصل ہے۔
- ۱۳۲ (۶۰) یہ بھی سرداری کی پناہ سید محمود کو تحریر فرمایا۔ خواطر کی نفی اور وسوسوں کے مکمل دور کرنے کے بیان میں۔
- ۱۳۳ (۶۱) یہ مکتوب بھی سیادت مآب سید محمود کی جانب تحریر فرمایا گیا۔ کامل مکمل شیخ کی صحبت کا شوق دلانے اور ناقص کی صحبت سے پرہیز کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔
- ۱۳۶ (۶۲) جناب مرزا احسام الدین احمد کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو جذبہ سلوک سے پہلے ہے وہ اصلی مقصد نہیں ہے، بلکہ وہ سلوک کی منازل کو آسانی سے طے کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور جو جذبہ سلوک کے بعد ہے وہ اصلی مقصد ہے۔
- ۱۳۷ (۶۳) سرداری کی پناہ والے شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیما علیہم دین کے اصول میں متفق ہیں اور ان بزرگواروں کا اختلاف صرف فروغ دین میں ہے اور ان (انبیاء) کے بعض متفق علیہ کلمات کے بیان میں۔
- ۱۳۸ (۶۴) یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید کی جانب تحریر فرمایا۔ جسمانی و روحانی لذت اور رنج کے بیان میں اور مصیبتوں اور جسمانی دکھوں کو برداشت کرنے کی ترغیب اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، اس کے بیان میں۔
- ۱۴۰ (۶۵) خان اعظم کو تحریر فرمایا۔ اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی خودی پر افسوس کرنے، اہل اسلام کو قوت دینے اور (شرعی) احکام جاری کرنے کی رغبت اور شوق دلانے کے بارے میں۔
- ۱۴۱

(۶۶) یہ بھی خان اعظم کو تحریر فرمایا۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تعریف اور اس طریقہ کی صحابہ کرام علیٰ صاحبہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ سے مناسبت کے بیان میں اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی دوسروں پر افضلیت اگرچہ وہ (حضرت) ادیس قرنی (رضی اللہ عنہ) یا عمر مروانی (حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ) ہوں۔ ۱۳۳

(۶۷) یہ بھی خان خانان کو ایک محتاج کی سفارش کے لیے تحریر فرمایا۔ ۱۳۵

(۶۸) یہ بھی خان خانان کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ تو وضع دولت مندوں کو زیب دیتی ہے اور بے نیازی فقر کے لیے زیبا ہے، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس) کے بیان میں۔ ۱۳۵

(۶۹) یہ بھی خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تو وضع دونوں جہانوں کی عزت کا ذریعہ ہے اور اس بیان میں کہ نجات فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی اتباع پر وابستہ ہے۔ ۱۳۶

(۷۰) یہ بھی خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کے لیے جس طرح اس کی جامعیت اس کے قرب کا ذریعہ ہے، اسی طرح یہ جامعیت اس کے بعد کا موجب بھی ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۳۷

(۷۱) میرزا داراب ابن خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ منعم (انعام کرنے والے) کا شکر منعم علیہ (جس پر انعام کیا گیا ہو) پر واجب ہے اور شکر کا حصول شریعت کی ادائیگی پر ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ ۱۳۹

(۷۲) خواجہ جہاں کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ دین کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے۔ پس آخرت کے طالب کے لیے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور اگر حقیقی ترک حاصل نہ ہو تو ترک حکمی ضروری ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۱۵۰

(۷۳) قلیج بن قلیج خان کی جانب تحریر فرمایا۔ دنیا اور اہل دنیا کی مذمت میں اور بے فائدہ علوم حاصل کرنے کی برائی، فضول مباهات سے بچنے اور خاص طور پر جوانی میں خیرات اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب۔ ۱۵۱

(۷۴) میرزا بدیع الزمان کے نام تحریر فرمایا۔ فقراء کی محبت اور ان پر توجہ کی ترغیب میں اور صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی نصیحت کے بیان میں۔ ۱۵۶

(۷۵) یہ بھی میرزا بدیع الزمان کی طرف تحریر فرمایا۔ سید کو نین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر ترغیب دلانے کے لیے اول عقائد کی اصلاح کرنے اور دوم ضروری فقہی احکام کے جاننے کے بیان میں، اور اس بیان میں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ سے وسیلہ یا بلا وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہیے۔ ۱۵۷

(۷۶) قلیج خان کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ترقی و ریع و تقویٰ سے وابستہ ہے اور فضول مباهات کے ترک کی ترغیب کے بیان میں، اور اگر (یہ) میسر نہ ہو تو محرمات سے پرہیز کر کے فضول مباهات کے دائرہ کو زیادہ تنگ کرنا چاہیے اور اس بیان میں کہ محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے۔ ۱۵۸

(۷۷) جباری خان کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بے مثل و بے مثال اللہ تعالیٰ کی عبادت کب میسر ہوتی ہے۔ ۱۶۰

(۷۸) یہ بھی جباری خان کو تحریر فرمایا۔ سفر و وطن اور سیر آفاقی و انفسی کی حقیقت کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اس دولت کا حاصل ہونا صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع سے وابستہ ہے۔ ۱۶۲

(۷۹) یہ بھی جباری خان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ روشن شریعت تمام پہلی شریعتوں کی جامع ہے اور اس شریعت کے مطابق عمل کرنا سب شریعتوں کے موافق عمل کرنا ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔ ۱۶۳

(۸۰) میرزا فتح اللہ حکیم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تہتر فرقوں میں فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کا گروہ ہے، نیز بدعتی فرقوں کی مذمت

۱۶۵

اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

(۸۱) لالہ بیگ کی طرف تحریر فرمایا۔ اسلام کی ترقی پر ترغیب دینے اور مسلمانوں کی کمزوری و پستی اور گونسا رکافروں کے غلبہ کے

۱۶۹

بیان میں۔

(۸۲) سکندر خان لودھی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی ماسویٰ اللہ کو بھلائے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور اس بھلانے کو فنا

۱۷۰

سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۸۳) بہادر خان کو تحریر فرمایا۔ ظاہری و باطنی جمعیت کو شریعت و حقیقت کے ساتھ جمع کرنے پر ترغیب دینے (کے بیان) میں۔ ۱۷۱

(۸۴) سید احمد قادری کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچنے

۱۷۱

کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا شریعت کے علوم و معارف کے ساتھ مطابق ہونا ہے۔

۱۷۲

(۸۵) میرزا فتح اللہ حکیم کو تحریر فرمایا۔ اعمال صالحہ کے بجالانے، خاص کر نماز کو باجماعت ادا کرنے کی ترغیب میں۔

۱۷۳

(۸۶) جرک کے علاقہ کے حکام میں سے کسی کو تحریر فرمایا۔ اللہ سبحانہ کے غیر سے دل کو سلامت رکھنے کے بیان میں۔

۱۷۴

(۸۷) پہلوان محمود کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ کیسی سعادت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دوست کسی کو قبول فرمائیں۔ ۱۷۴

(۸۸) یہ بھی پہلوان محمود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی شخص نے ایمان و نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بال سفید کیے

۱۷۴

ہوں اور جوانی میں اس پر خوف اور بڑھاپے میں امید غالب رہی ہو۔

۱۷۵

(۸۹) میرزا علی جان کی طرف تحریر فرمایا۔ تعزیت کے بیان میں۔

(۹۰) خواجہ قاسم کی طرف تحریر فرمایا۔ اس کی ترغیب دینے میں کہ پوری طرح اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور آج اس دولت کا

۱۷۵

حاصل ہونا اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے حضرات قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ توجہ و اخلاص پر وابستہ ہے۔

(۹۱) شیخ کبیر کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عقائد کی تصحیح اور نیک اعمال کا بجالانا دونوں عالم قدس کی طرف اڑنے کے لیے پُر

۱۷۶

ہیں۔ شریعت کے اعمال اور حقیقت کے احوال سے مقصد نفس کا پاک کرنا اور دل کا صاف کرنا ہے۔

۱۷۷

(۹۲) یہ بھی شیخ کبیر کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ دل کا اطمینان ذکر سے وابستہ ہے، نہ کہ نظر اور دلائل سے۔

۱۷۷

(۹۳) سکندر خان لودھی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سب اوقات میں اللہ جل شانہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔

(۹۴) خضر خان لودھی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی کو عقائد کی تصحیح اور نیک اعمال کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے، تاکہ (ساک) ان

۱۷۸

دوپروں کے ساتھ حقیقت عالم کی جانب پرواز کرے۔

(۹۵) سید احمد بجواڑی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی ایک نسخہ جامع ہے اور اس کا قلب بھی جامعیت کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے۔

بعض مشائخ کے اقوال جو سکر کی حالت میں قلب کی وسعت وغیرہ کے بارے میں بیان ہوئے ہیں، وہ مختلف توجیہات پر محمول

۱۷۸

ہیں۔ نیز اس بیان میں کہ صحرے سے افضل ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

(۹۶) محمد شریف کی طرف تحریر فرمایا۔ آج کا کام کل پر ڈالنے اور تاخیر سے روکنے اور اس پر جھڑکنے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی

۱۸۰

شریعت کی پیروی کرنے کا شوق دلانے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

۱۸۲

(۹۷) شیخ درویش کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جن عبادتوں کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مقصود یقین حاصل کرنا ہے۔

(۹۸) عبدالقادر ولد شیخ زکریا کو تحریر فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں نرمی اختیار کرنے اور سختی کو ترک

۱۸۳

کرنے کا شوق دلانے (کے بیان) میں۔

- (۹۹) ملا حسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو آپ نے دوام آگاہی کی کیفیت اور حالت خواب کے ساتھ اس کے جمع کرنے، جو کہ سراسر غفلت اور بیکاری ہے، کے بارے میں کیا تھا۔ ۱۸۷
- (۱۰۰) یہ بھی ملا حسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے کیا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یحییٰ نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔ ۱۹۰
- (۱۰۱) یہ بھی ملا حسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس گروہ کے رد میں جو کالمین کو ناقص تصور کر کے ان پر اعتراض کی زبان کھولتے ہیں۔ ۱۹۲
- (۱۰۲) ملا مظفر کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سودی قرض میں صرف اضافہ والی رقم ہی حرام نہیں بلکہ کل رقم حرام ہے۔ مثلاً کسی شخص نے دس لکے بارہ لکے کے عوض قرض لیے تو اس صورت میں کل بارہ لکے حرام ہیں، نہ کہ دو لکے اضافہ والے۔ ۱۹۲
- (۱۰۳) شیخ فریدی کی طرف تحریر فرمایا۔ عافیت کے معنی اور سر ہند کے لیے قاضی طلب کرنے کے بیان میں۔ ۱۹۵
- (۱۰۴) پرگنہ مستکن کے قاضیوں کو تحریر فرمایا۔ ماتم پرسی کے بیان میں۔ ۱۹۵
- (۱۰۵) حکیم عبدالقادر کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ مریض جب تک بیماری سے صحت نہ پائے، اس کے لیے کوئی غذا فائدہ مند نہیں ہوتی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔ ۱۹۶
- (۱۰۶) محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس گروہ (اولیائے عظام) کی محبت جو ان کی معرفت سے نصیب ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ ۱۹۷
- (۱۰۷) یہ بھی محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ چند سوالات کے جوابات میں جو اس طرح لکھے گئے تھے کہ ان سے طعن (و تعصب) کی بُر آتی تھی، اور یہ مکتوب ان ضروری فوائد پر مشتمل ہے جو اس بلند گروہ (اولیائے عظام) پر ایمان رکھنے میں نفع بخش ہیں۔ ۱۹۷
- (۱۰۸) میاں سیّد بجواڑی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اس کے خلاف جو لوگوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ۲۰۱
- (۱۰۹) حکیم صدر کو تحریر فرمایا۔ قلب کی سلامتی اور ماسویٰ اللہ سبحانہ کے نسیان (بھلا دینے) کے بیان میں۔ ۲۰۲
- (۱۱۰) شیخ صدر الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کی پیدائش سے مقصود بندگی کے وظائف کی ادائیگی اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب میں کامل توجہ رکھنا ہے۔ ۲۰۳
- (۱۱۱) شیخ حمید سنبھلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ توحید سے مراد قلب کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا (دوسری سب) چیزوں سے خالی کرنا ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۰۴
- (۱۱۲) شیخ عبدالجلیل تھانیسری ثم جو پوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ (اصل) کام یہ ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مضبوط ہو جائیں۔ اگر احوال و مواجید عطا فرمائیں تو ہم احسان مند ہوں گے، ورنہ اسی دولت کو کافی جانیں گے، جب یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ ۲۰۴
- (۱۱۳) جمال الدین حسین کو لابی کو تحریر فرمایا۔ مبتدی کے جذبہ اور منتہی کے جذبہ میں فرق کے بیان میں اور یہ کہ مجذوبوں کے جذب کا اظہار روح کے آغاز سے ہوتا ہے جو (مقام) قلب کے اوپر ہے اور روح کے اس شہود کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا شہود تصور کر لیتے ہیں۔ ۲۰۵
- (۱۱۴) صوفی قربان کو تحریر فرمایا۔ (حضرت) سیّد المرسلین ﷺ کی پیروی کی ترغیب (کے بیان) میں۔ ۲۰۶
- (۱۱۵) ملا عبدالحق دہلوی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ راستہ جس کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں، صرف سات قدم ہے۔ ۲۰۷

- (۱۱۶) ملا عبدالواحد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی قلب سے ماسویٰ اللہ کو بھلا دینے پر موقوف ہے، اور دنیا کے کاموں میں کثرت سے مشغول ہونے سے منع کرنے میں، (تا کہ) ایسا نہ ہو کہ دنیا میں رغبت پیدا ہو جائے۔ ۲۰۸
- (۱۱۷) ملا یار محمد قدیم بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ابتدا میں قلب حس کے تابع ہے اور انتہا میں یہ تابع داری نہیں رہتی۔ ۲۰۸
- (۱۱۸) ملا قاسم علی بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان لوگوں کے نقصان کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ۲۰۹
- (۱۱۹) میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ شیخ مقتدا کی صحبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کبھی یوں ہوتا ہے کہ کامل بزرگ اپنے بعض ناقص مریدوں کو بھی نیک نیت کے لیے طریقہ کی تعلیم دینے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ۲۰۹
- (۱۲۰) یہ بھی میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب دینے میں۔ ۲۱۰
- (۱۲۱) یہ بھی میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ سارا راستہ سات قدم کا قرار پایا ہے۔ دوستوں میں سے بعض چھ قدم تک پہنچ گئے ہیں۔ ۲۱۱
- (۱۲۲) ملا طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی کی ترغیب دینے میں اور جو چیز بھی ہاتھ لگے، اس پر توجہ نہ کرنے کے (بیان) میں۔ ۲۱۱
- (۱۲۳) یہ بھی ملا طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ نفل کا ادا کرنا خواہ حج ہی ہو، اگر وہ فرائض میں سے کسی فرض کے فوت ہونے کا لازمی سبب بنے تو لایعنی (بے فائدہ شے) میں داخل ہے۔ ۲۱۲
- (۱۲۴) ملا طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ راستے کی استطاعت حج کے واجب ہونے کی شرطوں میں سے ہے، استطاعت نہ رکھنے کے باوجود حج کی ادائیگی، مطلب کے حاصل کرنے کے مقابلے میں اوقات کو ضائع کرنے میں داخل ہے۔ ۲۱۲
- (۱۲۵) میر صالح نیشاپوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ خواہ عالم صغیر ہو یا عالم کبیر، وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں اور عالم کو اپنے بنانے والے کے ساتھ سوائے مخلوقیت اور مظہریت کے کوئی نسبت نہیں ہے۔ ۲۱۳
- (۱۲۶) یہ بھی میر صالح نیشاپوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ طالب کو چاہیے کہ وہ باطل معبودوں کی، خواہ وہ آفاقی ہوں یا انفسی، نفی کا اہتمام کرے اور معبود حق جل سلطانی کے اثبات کی جانب میں جو کچھ سمجھ کے حوصلہ اور ادراک کے احاطہ میں آئے، اسے بھی نفی کے تحت لا کر صرف (حق تعالیٰ کے) موجود ہونے پر اکتفا کرے، اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔ ۲۱۴
- (۱۲۷) میر صفر احمد رومی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ والدین کی خدمت اگرچہ حسنات میں سے ہے، لیکن مطلوب حقیقی تک پہنچنے تک کے مقابلے میں محض بیکاری اور خالص معطلی ہے، بلکہ برائی میں داخل ہے: حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْرِّقِينَ۔ ۲۱۵
- (۱۲۸) خواجہ مقیم کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی پر ترغیب دینے اور مطلب بے مثل کے علاوہ کسی پر اکتفا نہ کرنے کے بیان میں۔ ۲۱۶
- (۱۲۹) سید نظام کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت اس کے تفرقہ کا باعث ہے اور یہی جامعیت ہے جو اس کی جمعیت کا سبب ہے: کَمَا نَبِلَ مَاءٌ لِّلْمَحْبُوبِينَ وَبَلَاءٌ لِّلْمَحْجُوبِينَ۔ ۲۱۷
- (۱۳۰) جمال الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حالات کے تغیر و تبدل (تلوینات) کا اتنا اعتبار نہیں ہے۔ بے مثلی اور بے مثالی کے مقصد کو حاصل کرنا چاہیے۔ ۲۱۸
- (۱۳۱) خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی شان کی بلندی اور اس جماعت کے حال کی شکایت جس نے اس طریقہ میں نئی نئی باتیں نکال لی ہیں اور انہوں نے ان کو اس طریقہ کی تکمیل سمجھ لیا ہے۔ ۲۱۸
- (۱۳۲) ملا محمد صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ دو متمندوں کی صحبت سے پرہیز کرنے اور فقر کی صحبت پر شوق دلانے (کے بیان) میں، کیونکہ فقر کی خاک رو بہی دو متمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ ۲۲۰

- ۲۲۱ (۱۳۳) یہ بھی ملا محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور وقت کو عزیز رکھنا چاہیے۔
- ۲۲۱ (۱۳۴) یہ بھی ملا محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ تَسْوِیْف (میں عنقریب اس کام کو کروں گا) سے منع کرنے (کے بیان) میں۔
- ۲۲۱ (۱۳۵) (یہ بھی) مخلص دوست محمد صدیق (بدخشی) کو تحریر فرمایا۔ ولایت کے بیان میں، (ولایت) عامہ ہو یا (ولایت) خاصہ۔ ولایت خاصہ کے بعض خصائص کے بیان میں۔
- ۲۲۲ (۱۳۶) یہ بھی ملا محمد صدیق (بدخشی) کو تحریر فرمایا۔ مطلوب حقیقی کے حاصل کرنے میں تسویف و تاخیر سے منع کرنے میں۔
- ۲۲۳ (۱۳۷) حاجی خضر افغان کو تحریر فرمایا۔ نماز کی ادائیگی کی بلند شان کے بارے میں جس کا کمال نہایت النہایت سے وابستہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔
- ۲۲۳ (۱۳۸) شیخ بہاء الدین (سرہندی) کو تحریر فرمایا۔ کمینی دنیا کی مذمت اور دنیا والوں کی صحبت سے بچنے (کے بیان) میں۔
- ۲۲۳ (۱۳۹) جعفر بیگ نہانی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بے نصیبوں کی جو جماعت اہل اللہ پر طعنہ زنی کرتی ہے، ان کی ہجو و مذمت کرنا جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے۔
- ۲۲۵ (۱۴۰) ملا محمد معصوم کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔
- ۲۲۶ (۱۴۱) ملا محمد قلیچ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس کام (سلوک) میں عمدہ ترین چیز محبت و اخلاص ہے۔
- ۲۲۶ (۱۴۲) ملا عبدالغفور سمرقندی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ان بزرگواروں کی اگر تھوڑی سی نسبت ہاتھ آجائے تو وہ کم نہیں ہے۔
- ۲۲۶ (۱۴۳) ملا شمس کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جوانی کے زمانے کو غنیمت سمجھیں اور اسے لہو و لعب (کھیل کود) میں نہ گزاریں۔
- ۲۲۷ (۱۴۴) حافظ محمود لاہوری کو تحریر فرمایا۔ سیر و سلوک کے معنی کے بیان میں، اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور دوسری دوسروں کے بیان میں جو ان دوسروں کے بعد ہیں۔
- ۲۲۷ (۱۴۵) ملا عبدالرحمن مفتی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سیر کی ابتداء عالم امر سے اختیار کی ہے اور اس طریقہ کے بعض مبتدیوں کو جلدی تاثیر نہ ہونے کے راز کے بیان میں۔
- ۲۲۹ (۱۴۶) شرف الدین حسین بدخشی کو تحریر فرمایا۔ سبق کے تکرار پر نصیحت (کے بیان) میں۔
- ۲۲۹ (۱۴۷) خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ خلقت سے توڑنا حق سے جوڑنے پر مقدم ہے یا جوڑنا توڑنے پر؟
- ۲۳۰ (۱۴۸) ملا محمد صادق کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سیراب ہونے والا بے حاصل ہے، نیز اس بیان میں کہ خبردار مشائخ کی روحانیت اور ان کی امدادوں سے ہرگز مغرور نہ ہوں، کیونکہ مشائخ کی صورتیں درحقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں۔
- ۲۳۱ (۱۴۹) یہ بھی ملا صادق کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اگرچہ اسباب کو پیدا کرنے والے (اللہ سبحانہ و تعالیٰ) نے چیزوں کو اسباب پر مرتب بنایا ہے، لیکن کیا فائدہ کہ نظر سبب پر ہی لگی رہے۔
- ۲۳۱ (۱۵۰) خواجہ محمد قاسم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ مطلوبیت کے لائق واجب والوجود تعالیٰ و تقدس کے سوا کوئی نہیں ہے۔
- ۲۳۲ (۱۵۱) میر مومن بلخی کو تحریر فرمایا۔ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بزرگی کے بیان میں، نیز یادداشت کے معنی کے بیان میں جو ان اکابر سے مخصوص ہے۔
- ۲۳۲ (۱۵۲) سرداری و قیادت کی پناہ شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اطاعت رسول ﷺ عین اللہ سبحانہ کی اطاعت ہے۔
- ۲۳۳ (۱۵۳) میاں شیخ منزل کو تحریر فرمایا۔ ماسویٰ کی غلامی سے کامل طور پر رہائی کے بیان میں جو کہ فنائے مطلق سے تعلق رکھتی ہے۔
- ۲۳۴ (۱۵۴) میاں منزل کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اپنے آپ سے گزرنا چاہیے اور اپنے آپ میں جھانکنا چاہیے۔

- (۱۵۵) یہ بھی میاں شیخ منزل کو تحریر فرمایا۔ اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب (کے بیان) میں۔ ۲۳۶
- (۱۵۶) یہ بھی میاں منزل کو تحریر فرمایا۔ اہل اللہ کی صحبت کی ترغیب میں۔ ۲۳۷
- (۱۵۷) حکیم عبدالوہاب کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جب کوئی آدمی درویشوں کے پاس جائے تو اس کو چاہیے کہ خود کو خالی کر کے جائے تاکہ بھرا ہوا واپس جائے اور اس بیان میں کہ پہلے عقائد کو صحیح کرنا چاہیے۔ ۲۳۷
- (۱۵۸) شیخ حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ کمال کے مراتب میں استعداد کے فرق کے مطابق فرق ہوتا ہے۔ ۲۳۸
- (۱۵۹) شرف الدین حسین بدخشی کو تحریر فرمایا۔ تعزیت (کے بیان) میں۔ ۲۳۹
- (۱۶۰) اس اپنے مقررین بندہ یعنی یار محمد جدید بدخشی طالقانی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں طریقت کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم تین گروہ ہیں، ان میں سے ہر ایک گروہ کے احوال اور کمال و نقصان کی شرح و تفصیل کا بیان۔ ۲۴۰
- (۱۶۱) ملا صالح بدخشی کو لابی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کا مقصد ایمان حقیقی کا حاصل کرنا ہے، جو اطمینانِ نفس سے وابستہ ہے۔ ۲۴۱
- (۱۶۲) خواجہ محمد صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ رمضان مبارک کی فضیلت کے بارے میں اور اس کی قرآن مجید کے ساتھ مناسبت، کہ اس کے نازل ہونے کا سبب اس ماہ میں ہوا ہے اور کجھور کی جامعیت کا بیان جس سے افطار (کرنا) مستحب ہے۔ ۲۴۲
- (۱۶۳) سرداری اور قیادت کی پناہ والے شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دوزخوں کے جمع ہونے کا گمان محال ہے۔ ایک کو عزت دینے سے دوسرے کی ذلت لازم آتی ہے۔ مکتوب شریف کے آخر تک حضرت مجدد و سلمہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ذلیل کرنے، ان سے میل جول نہ رکھنے اور ان کے اس میل جول کے نقصان (کے بارے) میں تحریر فرمایا ہے اور اس بیان میں کہ دنیا و آخرت بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ۲۴۶
- (۱۶۴) حافظ بہاء الدین سرہندی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اللہ سبحانہ کا فیض ہمیشہ خاص و عام پر وارد (ہوتا) ہے، اس کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا فرق بندہ کی جانب سے پیدا ہوتا ہے۔ ۲۴۹
- (۱۶۵) سرداری اور قیادت کی پناہ والے شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ صاحب شریعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کی ترغیب اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے مخالفوں کے ساتھ دشمنی اور بغض رکھنے اور ان پر سختی کرنے (کے بیان) میں۔ ۲۵۰
- (۱۶۶) ملا محمد امین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ چند روز کی فانی زندگی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور اس تھوڑی سی فرصت میں زیادہ ذکر کے ساتھ قلب کی بیماری کو دور کرنا چاہیے جو انتہائی ضروری کاموں میں سے ہے۔ ۲۵۲
- (۱۶۷) ہر دے رام ہندو کو تحریر فرمایا جس نے اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ سب جہانوں کے پروردگار کی عبادت کی ترغیب میں جو بے مثل و بے مثال ہے، اور ہندوؤں کے باطل معبودوں کی پرستش سے بچنے کے بیان میں۔ ۲۵۲
- (۱۶۸) مخدوم زادہ (خواجہ) الملکی یعنی (حضرت) خواجہ محمد قاسم کو تحریر فرمایا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بلندی اور اس جماعت کی شکایت کے بیان میں جنہوں نے اس طریقہ عالیہ میں نئی باتیں اور چیزیں شامل کر لی ہیں۔ ۲۵۴
- (۱۶۹) شیخ عبدالصمد سلطانپوری کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے ایک مرید کے حال کے بارے میں کیا۔ جس نے اپنے پیر سے کہا کہ اگر میرے وقت میں جب میں حق سبحانہ کے ساتھ ہوتا ہوں، آپ درمیان میں آجائیں تو میں آپ کا سرتن سے جدا کر دوں۔ پیر کو اس کی بات پسند آئی اور اس کو بغل میں لے لیا۔ ۲۵۶
- (۱۷۰) شیخ نور کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جس طرح آدمی کو حق جل و علا کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ہے، اسی طرح

- مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی رعایت اور ان کے ساتھ غمخواری کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ۲۵۷
- (۱۷۱) ملا طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو کچھ فقر پر لازم ہے وہ ہمیشہ کی عاجزی و فقر ہے اور بندگی کے وظائف کی ادائیگی، شرعی حدود کی حفاظت، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن سنت کی پیروی، گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ اور غیب کی باتوں کو جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کے انتقام کا خوف۔ نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۲۵۷
- (۱۷۲) شیخ بدیع الدین کی طرف تحریر فرمایا۔ بعض ایسے خاص اسرار کے بیان میں جو خاص حضرات میں سے بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں، نیز اس بیان میں کہ اس مقام میں عارف خود کو شریعت کے دائرہ سے باہر پاتا ہے، اس کے سبب کے ذکر، اس کی روشن شریعت کے ظاہر کے ساتھ مطابقت کرنے اور جو کچھ اس سے متعلق ہے (اس کے بیان میں)۔ ۲۵۹
- (۱۷۳) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ایک سوال کے جواب میں جو انہوں نے کیا تھا۔ بعض عجیب اسرار کے بیان کے ساتھ جو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی نفی و اثبات سے متعلق ہیں۔ ۲۶۰
- (۱۷۴) خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس راستے کے دیوانے اس معیت کے ساتھ مطمئن نہیں ہوتے اور اس قرب جیسے بعد (دوری) سے تسکین نہیں پاتے۔ وہ ایک ایسا قرب چاہتے ہیں جو بعد جیسا ہو اور ایک (ایسا) وصل تلاش کرتے ہیں جو بھر جیسا ہو۔ نیز اس بیان میں کہ انہوں نے جو واقعہ لکھا تھا وہ جن کا ظاہر ہونا اور اس کا باطل تصرف تھا۔ ۲۶۲
- (۱۷۵) حافظ محمود کو تحریر فرمایا۔ احوال کی تلویحات (تبدیلیوں) تمکین (دل جمعی) کے حاصل ہونے، نیز حدیث (قدسی) ”لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقُتْ“ کے بیان میں۔ ۲۶۳
- (۱۷۶) ملا محمد صدیق کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اوقات کی حفاظت اس راستے کی ضروریات میں سے ہے، تاکہ وہ بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ ہوں۔ ۲۶۴
- (۱۷۷) جمال الدین حسین بدخشی کی طرف تحریر فرمایا۔ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ کی صائب رائے کے مطابق عقائد کی تصحیح کرنے کی ترغیب میں۔ ۲۶۵
- (۱۷۸) مرزا مظفر کو تحریر فرمایا۔ کسی شخص کی سفارش میں اور جہانوں کے سردار اور انسانوں کے خلاصہ (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب میں۔ ۲۶۵
- (۱۷۹) میر عبد اللہ بن میر محمد نعمان کی طرف تحریر فرمایا، نصیحت کے بیان میں۔ ۲۶۶
- (۱۸۰) مخدوم زادہ ملکنی یعنی خواجہ ابوالقاسم کی طرف تحریر فرمایا۔ بعض پیروں کے ناموں کے دریافت کرنے میں، جن کے بارے میں تردید پیدا ہو گیا تھا۔ ۲۶۶
- (۱۸۱) حضرت مخدوم زادہ یعنی میاں خواجہ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا سبب ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں، جو قرب الہی جل شانہ کے مراتب میں ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں، جبکہ زہد و توکل وغیرہ کے مقامات میں ان کے درجات بلند ہیں۔ نیز میں مشائخ کے ایک دوسرے گروہ کو دیکھتا ہوں جو قرب کے مراتب میں برتری رکھتے ہیں اور مذکورہ مقامات (زہد و توکل وغیرہ) میں تنزل۔ ۲۶۸
- (۱۸۲) ملا صالح کولابی کو تحریر فرمایا۔ اس حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ان صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو، جنہوں نے اپنے برے خطرات (وسوسوں) کی شکایت کی تھی، فرمایا تھا کہ ذَلِکَ مِنْ کَمَالِ الْإِيْمَانِ (یہ ایمان کے کمال میں سے ہے)۔ ۲۶۹

- ۲۷۰ (۱۸۳) ملا معصوم کابلی کو تحریر فرمایا۔ نصیحت (کے بیان) میں۔
- ۲۷۱ (۱۸۴) قلیج اللہ کی طرف تحریر فرمایا۔ سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی ترغیب (کے بیان) میں۔
- ۲۷۱ (۱۸۵) منصور عرب کو تحریر فرمایا۔ ایک شخص کی سفارش (کے بیان) میں۔
- ۲۷۲ (۱۸۶) خواجہ عبدالرحمن مفتی کابلی کو تحریر فرمایا۔ سنت کی پیروی اور بدعت سے بچنے کی ترغیب میں، نیز ہر بدعت گراہی ہے۔
- ۲۷۳ (۱۸۷) خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ رابطہ کا طریقہ (اللہ تک) پہنچانے والے طریقوں میں سب سے قریب ترین راستہ ہے، نیز اس بیان میں کہ رابطہ مرید کے لیے اس کے ذکر کرنے سے زیادہ مفید ہے۔
- ۲۷۵ (۱۸۸) خواجہ محمد صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان مسائل کے حل میں جو انہوں نے پوچھے تھے۔
- ۲۷۵ (۱۸۹) شرف الدین حسین بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فضول مصروفیات کے باوجود فقر کو یاد کرنا۔ ان کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت (کی علامت) ہے۔ کمینی دنیا کی تروتازگی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے اور باطنی سبق کو محبوب رکھنا چاہیے۔ نیز اس بیان میں کہ شریعت کے حکموں سے سرکشی نہیں کرنی چاہیے اور مکمل منت اور زاری سے (ان کو) قبول کرنا چاہیے۔
- ۲۷۵ (۱۹۰) میر محمد نعمان بدخشی کے صاحبزادگان میں سے ایک صاحبزادے کو تحریر فرمایا۔ ذکر الہی جل سلطانہ کے دوام کی ترغیب میں اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو اختیار کرنے کا شوق دلانے میں، ذکر کے طریقہ کے بیان کے ساتھ۔
- ۲۷۶ (۱۹۱) خان خانان کو تحریر فرمایا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب میں، نیز اس بیان میں کہ شرعی احکامات میں آسانی کی خوب رعایت کی گئی ہے اور خوب کمی فرمائی گئی ہے۔
- ۲۷۹ (۱۹۲) شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے پوچھا تھا۔
- ۲۷۹ (۱۹۳) سیادت پناہ شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اہل سنت و جماعت کی آراء کے مطابق عقائد کو درست کرنے کی ترغیب میں، نیز حلال و حرام، فرض و واجب اور سنت و مندوب کے فقہی احکام کو سیکھنے کا شوق دلانے میں، اسلام کی غربت اور اس کی ترقی و تائید پر ابھارنے کے بیان میں۔
- ۲۸۲ (۱۹۴) صدر جہاں کو تحریر فرمایا۔ ملت کی ترقی اور دین کی تائید کی ترغیب میں اور جو کچھ اس سے متعلق ہے۔
- ۲۸۳ (۱۹۵) یہ بھی صدر جہاں کو تحریر فرمایا۔ روشن شریعت کی ترقی کے لیے ابھارنے اور ترغیب دینے اور اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری پر اظہارِ افسوس (کے بیان) میں۔
- ۲۸۳ (۱۹۶) منصور عرب کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ وہ راستہ جس کے طے کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں، کل سات قدم ہے اور ہر قدم پر سالک خود سے دور ہوتا جاتا ہے اور حق سبحانہ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔
- ۲۸۷ (۱۹۷) پہلوان محمود کے نام تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سعادتمند وہ آدمی ہے جس کا دل دنیا سے سرد اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے گرم ہو گیا ہو اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔
- ۲۸۶ (۱۹۸) خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فقیروں کی دوستی امیروں کے ساتھ اس زمانے میں بہت مشکل ہے۔
- ۲۸۷ (۱۹۹) ملا محمد امین کابلی کو تحریر فرمایا۔ درد و وظائف سے جو کچھ انہوں نے طلب کیا تھا، اس کو قبول فرمانے کے بیان میں۔
- ۲۸۷ (۲۰۰) ملا شکیبی اصفہانی کو تحریر فرمایا۔ نفحات (الانس) کی مشکل عبارت کے حل میں، جس کی انہوں نے شرح طلب کی تھی۔
- ۲۹۱ (۲۰۱) کوچک بیگ حصاری کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوال کے جواب میں۔
- ۲۹۲ (۲۰۲) میرزا فتح اللہ حکیم کو تحریر فرمایا۔ اس جماعت کے حال پر افسوس میں کرنے جنہوں نے خود کو ان اکابر کی سلک ارادت میں شامل کیا

۲۹۱

اور پھر بلاوجہ ان بزرگواروں سے تعلق توڑ لیا۔

(۲۰۳) ملا حسین کو تحریر فرمایا۔ اس بلند گروہ (صوفیہ) کی محبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ان کا ہم نشین بدقسمتی سے محفوظ ہے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

۲۹۳

(۲۰۴) میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اہل خسارہ کے اعتراضات سے غمزہ نہ ہوں اور جو کام درپیش ہے (اس میں) مشغول رہیں، نیز دوستوں کی جمعیت اور ان کی ترقیوں کے حاصل ہونے میں۔

۲۹۴

(۲۰۵) خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ صاحب شریعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی متابعت اصلی مقصود ہے۔

۲۹۵

(۲۰۶) ملا عبدالغفور سمرقندی کو تحریر فرمایا۔ دنیا کی مذمت اور اس کے عیش و عشرت میں گرفتاری کی برائی (کے بیان) میں۔

۲۹۵

(۲۰۷) میرزا حسام الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر حاصل ہے، نیز اس بیان میں کہ وجد اور حال کو جب تک شرع کے ترازو سے نہ تولیں تو اس کی آدھا پیسہ بھی قیمت نہیں لگاتے۔

۲۹۷

(۲۰۸) حضرت مخدوم زادہ یعنی میاں محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے کیا تھا کہ اس طریقہ کا سالک کبھی خود کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مقام میں پاتا ہے، بلکہ بعض اوقات میں دیکھتا ہے کہ ان مقامات سے بھی

۲۹۷

بالا گیا ہے۔ اس معنی کا راز کیا ہے؟

(۲۰۹) میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ رسالہ ”مبدأ و معاد“ کی بعض مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں جو انہوں نے پوچھا تھا، نیز بعض دوسری عبارتیں جو اس کی تائید میں لکھی گئی ہیں، اور اس راستے کی بعض ضروری باتوں پر مشتمل جواب۔

۳۰۰

(۲۱۰) ملا شکیبی اصفہانی کی طرف تحریر فرمایا۔ نجات (الانس) کی عبارت کے حل میں جو انہوں نے پوچھا تھا اور بعض ضروری نصیحتوں کے بیان میں جن کے بارے میں انہوں نے دریافت کیا تھا۔

۳۰۶

(۲۱۱) مولانا یار محمد بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے مولوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقولہ کے بارے میں کیا تھا، نیز تکمیل و ارشاد کے مقام کی ضروری شرائط کے بیان میں۔

۳۰۹

(۲۱۲) مولانا محمد صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان کے بعض سوالوں کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے، اور اس واقعہ کا حل جو انہوں نے دیکھا اور لکھا تھا۔

۳۱۰

(۲۱۳) سیادت پناہ شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ مواعظ اور نصائح کے بیان میں اور علمائے اہل سنت و جماعت جو کہ فرقہ ناجیہ ہیں، کی پیروی اور علمائے سوجنہوں نے علم کو دنیا کی حقیر چیزوں (کے حصول) کا ذریعہ بنایا ہے، ان کی صحبت سے بچنے کی ترغیب میں۔

۳۱۱

(۲۱۴) خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس مشہور سوال کے جواب میں کہ کافروں کو کُفْر مَوْقُوت کے سبب ابدی عذاب کیوں ہوگا، نیز ایک حاجتمند کی سفارش۔

۳۱۳

(۲۱۵) میرزا داراب کو تحریر فرمایا، دنیا کی مذمت میں۔

۳۱۴

(۲۱۶) میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ بعض اولیاء سے کثرت کے ساتھ خوارق کے ظاہر ہونے اور بعض دوسروں سے اس کے کم ظاہر ہونے کے بیان میں اور تکمیل و ارشاد کے مقام کی زیادہ کاملیت کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

۳۱۵

(۲۱۷) ملا طاہر بدخشی کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ نسبت باطن جس قدر جہالت و حیرت کی جانب لے جائے، وہ اتنی ہی زیادہ خوبصورت ہے، اور اس بیان میں کہ کیا سبب ہے کہ اولیاء اللہ کے بعض کشف میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے؟ نیز قضائے معلق (لکھی ہوئی قضا) اور قضائے مبرم (نہ ٹلنے والی قضا) کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک

کا حکم، اور اس بیان میں کہ جو چیز قطعی اور اعتماد کے شایانِ شان ہے، وہ کتاب و سنت ہے، اور اس بیان میں کہ بعض مخلصین کو طریقہ کی تعلیم دینے کی اجازت دینا، ان کے کمال و تکمیل کی علامت نہیں ہے، اور جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے۔ ۳۱۷

(۲۱۸) ملا داؤد کو تحریر فرمایا۔ پھر طریقت کے آداب کی رعایت کے بیان میں۔ ۳۲۱

(۲۱۹) میرزا ایرج کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی اپنی نادانی سے اپنی ظاہری مرض کے دور کرنے کی فکر میں (مصرف) ہے اور

باطنی مرض جس سے مراد دل کی گرفتاری ہے، سے غافل ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔ ۳۲۲

(۲۲۰) شیخ حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ صوفیہ کی بعض غلطیاں اور ان غلطیوں کے منشا کے بیان میں۔ ۳۲۳

(۲۲۱) سید حسین مانک پوری کو تحریر فرمایا۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے خصائص اور کمالات کے بیان میں، مثلاً اس طریقہ کی افضلیت،

(دوسروں کی) انتہا کا اس کی ابتدا میں درج ہونا، اس طریقہ کی انتہا کے بیان کے ساتھ۔ نیز سفر در وطن، خلوت در انجمن، سلوک

پر جذبے کا تقدّم، اور عالمِ امر سے سیر کی ابتدا ہونا۔ نیز اس طریقہ کا (سب طریقوں سے) اقرب ہونا جو یقیناً موصل (الی

اللہ) ہے، نیز اس طریقہ کا یوں ہونا کہ اس کی ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزیگی و فقدان ہے جو ناامیدی کے

لوازمات میں سے ہے۔ اس طرح اس طریقہ کی ابتدا میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان۔ نیز اس طریقہ عالیہ کے

اکابر نے احوال و مواجید کو شرعی احکام کے تابع بنایا ہے اور اذواق و معارف کو دینی علوم کا خادم رکھا ہے، اس طریقہ میں پیری و

مریدی سیکھنے اور سکھانے میں ہے، نہ کہ پگڑی اور شجرہ (طریقت) میں۔ نیز اس طریقہ میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور

مجاہدے شرعی احکام کو بجالانا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحِ انتہی کی روشن سنت کی متابعت کو لازم پکڑنا ہے، نیز اس طریقہ

میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف سے وابستہ ہے، اور یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے کی کامل طاقت رکھتے

ہیں، اسی طرح اس کے سلب کرنے کی مکمل طاقت رکھتے ہیں۔ نیز اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ سکوت (خاموشی)

میں ہے اور یہ سکوت ان کے طریقہ کے لوازمات میں سے ہے۔ ۳۲۷

(۲۲۲) خواجہ محمد اشرف کالپی کو تحریر فرمایا۔ احوال کی خرابی، دید قصور، اپنی نیکیوں پر الزام لگائے رکھنا، اس دید قصور کا ولایت کے کمالات

کے ساتھ جمع ہونا، بلکہ یہ دید ان کمالات کا اثر ہے، کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۳۳۴

(۲۲۳) خواجہ جمال الدین حسین کولابی کو تحریر فرمایا۔ احوال و واقعات کو اپنے شیخ بزرگوار کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب کے

بیان میں۔ ۳۳۶

(۲۲۴) میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ آداب کی رعایت اور آزار کے (اس) گمان کو دور کرنے کے بیان میں جس کا وہم کیا تھا۔ نیز

احتیاط کا حکم، طریقت کی تعلیم کی تاکید اور فقر و نامرادی کی سختی کو برداشت کرنے کے بیان میں۔ اور بعض نصائح و تنبیہات کے

بیان میں جو ملا محمد یار قدیم کو اس مکتوب کی پشت پر لکھی گئیں۔ ۳۳۶

(۲۲۵) ملا طاہر لاہوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس طریقہ عالیہ کی ابتدا میں وہ احوال میسر ہو جاتے ہیں جو دوسروں کو انتہا میں میسر

ہوتے ہیں، لیکن (یہ) انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے طریقہ سے (میسر ہوتے ہیں) جو اس طریقہ عالیہ کے لوازمات میں

سے ہے۔ نیز ابتدا میں اس طرح کے احوال کے ظہور سے لازم نہیں آتا کہ ان احوال کے صاحب کو کامل اور مکمل کہیں اور (اس

کو) طریقہ کی تعلیم کی اجازت دے دیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۳۳۸

(۲۲۶) اپنے برادرِ حقیقی میاں شیخ محمد مودود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ابدی عذاب اسی سے تعلق رکھتا

ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۳۳۹

- (۲۲۷) ملاطہر لاہوری کو تحریر فرمایا۔ بعض نصیحتوں اور وعظوں کے بیان میں جوشی اور تکمیل کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۳۴۰
- (۲۲۸) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ بعض نصیحتوں کے بیان میں جو مقام تکمیل اور طریقت کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں۔ ۳۴۱
- (۲۲۹) میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ہمارا طریقہ وہی حضرت عالی (خواجه باقی باللہ) کا طریقہ ہے اور ہماری نسبت وہی نسبت ہے، لیکن صناعت کی تکمیل اور نسبت کا مکمل ہونا افکار کی شمولیت اور نظروں کے تسلسل پر موقوف ہے۔ ۳۴۲
- (۲۳۰) شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی کے بارے میں، اور جو کچھ حاصل ہو جائے اس پر اکتفا نہ کرنے، بلکہ جو کچھ مشہود و معلوم ہو جائے، اس کی نفی کرنے اور بے مثل و بے مثال معبود جو دید و دانش سے بالاتر ہے، کا اثبات کرنے کے بارے میں۔ ۳۴۳
- (۲۳۱) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالوں کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے اور دریافت کیا تھا کہ حصول اور وصول کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور جو اسماء انبیاء علیہم السلام کے تعینات کے مبادی ہیں، وہی اسماء اولیاء کے تعینات کے مبادی ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو فرق کیا ہے؟ نیز انہوں نے پوچھا تھا کہ (مشائخ نقشبندیہ) ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے، جبکہ ذوق و شوق بخشا ہے۔ پھر جو دوسری چیزیں آنسور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھیں، ان سے منع کیوں نہیں کرتے؟ مثلاً لباس فرجی (خرقہ)، شال اور شلواریں۔ ۳۴۴
- (۲۳۲) (عبدالرحیم) خان خاناں کو تحریر فرمایا۔ مینی دنیا کی حقیقت، اس کی دھوکہ دینے والی فضول زینت کی قباحت اور اس مینی کی محبت کو مٹانے کے علاج کے بیان میں، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ ۳۴۶
- (۲۳۳) عالی جناب شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ بعض عمدہ نصیحتوں کے بیان میں۔ ۳۴۷
- (۲۳۴) حقائق کو جاننے والے، معارف کو پہچاننے والے، عالم ربانی، عارف سبحانی مخدوم زادہ کلاں، یعنی (حضرت) شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ واجب الوجود تعالیٰ کی حقیقت ”وجود محض“ ہے، جو ہر خیر و کمال کا منشاء ہے اور ممکنات کے حقائق عدمات ہیں جو ہر شر و نقص کے مبادی ہیں۔ نیز مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کے معنی اور تجلی ذاتی کے بیان میں جو نسبتوں اور اعتبارات سے برتر ہے اور (آیت) کریمہ: اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کے تاویلی معنی۔ اس کے ساتھ وہ سوالات و جوابات جو اس مقام کی توضیح سے متعلق ہیں، نیز ان تنبیہات کے ساتھ جو اس کی تشخیص کے لائق ہیں۔ ۳۴۸
- (۲۳۵) ملا عبدالغفور سمرقندی، حاجی بیگ فرقتی اور خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ صوفیہ کی محبت دنیا و آخرت کی سعادتوں کا سرمایہ ہے اور شرعی احکام کی بجا آوری اور باطنی جمیعت کے حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کے ثمرات ہیں۔ ۳۵۹
- (۲۳۶) مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ بعض اسرار کے بیان میں۔ ۳۶۰
- (۲۳۷) ملا محمد طالب بیانی کو تحریر فرمایا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی روشن سنت کی پیروی کی ترغیب میں اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے (اکابر) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ستائش میں۔ ۳۶۱
- (۲۳۸) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ (طریقہ کے) بھائیوں کے اضافے میں بڑی امیدیں ہیں۔ نیز اس تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف (رکاوٹ) کا باعث بن جائیں اور عجب کا موجب بن جائیں اور اس بیان میں مریدوں کے احوال حیا کا موجب ہونے چاہئیں، تاکہ ترقیوں کی ترغیب کریں۔ ۳۶۲
- (۲۳۹) ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا، ان کے خط کے جواب میں اور جو سوالات انہوں نے پوچھے تھے (ان کے بارے میں)۔ ۳۶۳
- (۲۴۰) شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ اس راستے کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ کے بعض فوائد کے بیان میں۔ ۳۶۴
- (۲۴۱) مولانا محمد صالح کی جانب تحریر فرمایا۔ بعض دوستوں کی ترقی کے بیان میں۔ ۳۶۵

- (۲۴۲) ملا بدیع الدین کی جانب تحریر فرمایا۔ ان کے بعض سوالوں کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے۔ ۳۶۶
- (۲۴۳) ملا ایوب محاسب کی جانب تحریر فرمایا۔ (اکابر) نقشبندیہ کے طریقہ عالیہ پر استقامت کی ترغیب۔ ۳۶۷
- (۲۴۴) ملا محمد صالح لکولابی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس خط کے جواب میں جو انہوں نے اپنی خرابی کے بارے میں لکھا تھا۔ ۳۶۹
- (۲۴۵) سید انبیاء (ملا صالح) کو تحریر فرمایا۔ ان سوالات کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے۔ ۳۶۹
- (۲۴۶) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس مقام کے حاصل ہونے کے بیان میں جس کے وہ کمال و تکمیل کے مراتب میں امیدوار اور منتظر تھے اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات میں طاری ہو جاتی ہے۔ ۳۷۰
- (۲۴۷) عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ و تقدس کے وجود پر حق جل سلطانہ کا (اپنا) وجود ہی دلیل ہے، نہ کہ اللہ سبحانہ کا ماسویٰ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۳۷۱
- (۲۴۸) یہ بھی عالی جناب میرزا حسام الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کامل پیروکاروں کو ان کے تمام کمالات میں پیروی کرنے کے طریقے سے حصہ نصیب ہے۔ نیز اس بیان میں کہ کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کی تحقیق کہ تجلی ذاتی جو آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہے، اس کے کیا معنی ہیں۔ ۳۷۲
- (۲۴۹) میرزا داراب کو تحریر فرمایا۔ سید الاولین والآخرین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کے فضائل اور اس پر مرتب ہونے والے کمالات اور اس کے مخصوص مراتب کے بیان میں۔ ۳۷۴
- (۲۵۰) ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے بعض سوالات کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے۔ ۳۷۵
- (۲۵۱) مولانا محمد اشرف کو تحریر فرمایا۔ خلفائے راشدینؓ کے فضائل، حضراتِ شیعینؓ (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی فضیلت اور حضرت امیر (علیؓ) کے بعض خصائص کے بیان میں، نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم و توقیر کے بیان میں اور ان کے جھگڑوں اور لڑائیوں کے بارے میں درست موقف کے بیان میں اور جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے (اس کا بیان)۔ ۳۷۶
- (۲۵۲) جناب شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ جو سوالات کیے گئے تھے ان کے جواب میں۔ ۳۸۵
- (۲۵۳) مشیخت مآب شیخ ادریس سامانی کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں اور اس راستے کی بے نہایتی اور رمرز و اختصار کے طور پر بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں۔ ۳۸۶
- (۲۵۴) ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے۔ ۳۸۷
- (۲۵۵) ملا محمد طاہر لاہوری کو تحریر فرمایا۔ روشن سنت کے زندہ کرنے اور ناپسندیدہ بدعت کو مٹانے کی ترغیب میں۔ ۳۸۸
- (۲۵۶) میاں بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں، اور پوچھا تھا کہ قطب، قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کے معنی کیا ہیں؟ نیز انہوں نے حدیث ”لَوْ اِتَزَنَ اِيْمَانُ اَبِي بَكْرٍ الخ“ وغیرہ کی تحقیق کے بارے میں پوچھا تھا۔ ۳۸۹
- (۲۵۷) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ مختصر طور پر طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) کے بیان میں۔ ۳۹۲
- (۲۵۸) شریف خان کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کی اقربت کے بیان میں۔ ۳۹۴
- (۲۵۹) خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا، جو جامع علوم عقلی و نقلی اور صاحب نسبت عالیہ ہیں۔ رسولوں کے بھیجنے کے فائدے، واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت میں عقل کا استقلال نہ ہونے اور اس خاص حکم کے بیان میں جو پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے (بت پرست)، رسولوں کی فترت کے زمانہ کے مشرکوں اور دارِ حرب کے مشرکوں کے (نابلغ) بچوں کے بارے میں فرمایا ہے اور ہندوستان کی سرزمین میں پہلی امتوں کے درمیان اہل ہند میں سے نبیوں کے مبعوث ہونے کی تحقیق کے بیان میں۔ ۳۹۵

(۲۶۰) حقائق سے آگاہ، معارف کی پناہ، فیض الہی کے مظہر، بے انتہار رحمت کے سرچشمہ شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ اس طریقہ کے بیان میں جس سے حضرت عالی کو ممتاز فرمایا گیا ہے۔ اس بیان میں تین ولایتوں کا بیان درج ہے، جن میں (پہلی) ولایت صغریٰ ہے اور یہ ولایت اولیاء ہے، (دوسری) ولایت کبریٰ ہے اور یہ ولایت انبیاء ہے اور (تیسری) ولایت علیا ہے جو ولایت ملأ علیٰ ہے اور یہ ہر قسم کی ولایت پر نبوت کے افضل ہونے کے بیان پر مشتمل ہے۔ نیز دس انسانی لطائف کا بیان، جن میں سے پانچ عالم امر میں سے ہیں اور دوسرے پانچ عالم خلق میں سے ہیں جو نفس اور عناصر اربعہ ہیں، ان کمالات کے ساتھ جو ان لطائف میں سے ہر ایک سے مخصوص ہیں۔ نیز عالم امر پر عالم خلق کی افضلیت کے بیان میں، ان کمالات کے بیان کے ساتھ جو عنصر خاک سے مخصوص ہیں، نیز نادر علوم و معارف کا بیان جو ہر مقام کے مناسب ہیں۔ ۳۹۸

(۲۶۱) سیادت مآب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ نماز کے فضائل اور معارف بلند و حقائق ارجمند کے ضمن میں نماز کے مخصوص کمالات کے بیان میں۔ ۴۱۹

(۲۶۲) مولانا محبت علی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ہمارا تعلق جی ہے اور ہماری نسبت انکاسی ہے۔ (یہ) قرب اور دوری میں کوئی فرق نہیں رکھتی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔ ۴۲۲

(۲۶۳) معارف آگاہ جناب میاں شیخ تاج کو تحریر فرمایا۔ ان معارف کے بیان میں جو کعبہ ربانی سے تعلق رکھتے ہیں اور نماز کے فضائل اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ ۴۲۳

(۲۶۴) میر سید باقر سارنگپوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت و جہالت پر محمول کرنا چاہیے اور احوال و کشف پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ نیز ایک واقعہ جو گرد و نواح کے بعض مشائخ نے ظاہر کیا تھا، کا ذکر آیا ہے اور اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ ۴۲۵

(۲۶۵) شیخ عبدالہادی بدایونی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ گوشہ نشینی اختیار کرنے میں مسلمانوں کے حقوق ضائع نہیں ہونے چاہئیں، حقوق کے بیان کے ساتھ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ ۴۲۶

(۲۶۶) حضرات پیر زادگان یعنی (حضرت) خواجہ عبداللہ اور (حضرت) خواجہ عبداللہ کو تحریر فرمایا۔ بعض کلامیہ عقائد کے بیان میں جو آپ کو اہل سنت و جماعت کی آراء کے مطابق الہام و فراست کے ذریعے حاصل ہوئے، نہ کہ تقلید اور اندازے سے۔ احوال کے شروع میں آپ کو حضرت نبی کریم علیہ وعلی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی زیارت ہوئی تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما رہے تھے: ”تو علم کلام کے مجتہدوں میں سے ہے۔“ آپ نے اس واقعہ کو اپنے حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اسی روز سے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں الگ رائے اور جدا حکم ہے، لیکن آپ اکثر مسائل میں مشائخ ماتریدیہ سے موافقت رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ فلاسفہ کا رد اور ان کی مذمت و برائی، ملحدوں اور زندقہ کی کارڈ جو صوفیہ کی مراد کو نہ سمجھتے ہوئے گمراہ ہو گئے ہیں، نیز بعض فقہی احکام کا بیان جو نماز سے متعلق ہیں، اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے کمالات اور اس میں سنت کی پیروی کو لازم پکڑنے کا بیان، نیز سرود (وسماع) کے سننے سے منع کرنے اور ناپنے والوں کی مجلس میں حاضر ہونے سے منع کرنے کے بیان میں۔ ۴۲۸

(۲۶۷) میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ جن اسرار و دقائق سے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) ممتاز ہوئے ہیں اُن میں سے ذرا سا بھی ظاہر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ رمز اور اشارہ سے بھی اس بارے میں بات نہیں کی جاسکتی۔ وہ اسرار نبوت کے چراغ دان سے ماخوذ ہیں۔ ملائکہ علیین بھی اس دولت میں شریک ہیں۔ ۴۶۰

(۲۶۸) (عبدالرحیم) خان خاناں کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی وراثت کا علم کونسا ہے؟ اور جو علماء

حدیث ”عُلِّمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَآئِيلَ“ میں آئے ہیں اُن سے مراد کون سے (علماء) ہیں؟ نیز اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی وراثت سے جو علم اسرار باقی رہ گیا ہے وہ علم توحید و جود کی ان اسرار کے علاوہ ہے جس کے بارے میں امت کے اولیاء نے کلام کیا ہے اور احاطہ و سر بیان اور قرب معیت کے بیان میں۔

۴۶۲

(۲۶۹) مرتضیٰ خان (شیخ فرید) کو تحریر فرمایا۔ دین کے دشمنوں کی اہانت کرنے اور بیوقوفوں اور بد بختوں کے باطل خداؤں کی توہین و خرابی کی ترغیب دینے اور ایک عظیم الشان کام کے لیے اپنی تمنا کا اظہار کرنے میں۔

۴۶۴

(۲۷۰) شیخ نور محمد کو تحریر فرمایا۔ بعض صحبتوں کی گوشہ نشینی پر ترجیح کے بیان میں۔

۴۶۵

(۲۷۱) شیخ حسن برکی کو تحریر فرمایا۔ انہوں نے جو واقعہ دیکھا (اور اس کا) حل پوچھا تھا، اس کے بارے میں۔

۴۶۶

(۲۷۲) میر سید محبت اللہ مانکپوری کو تحریر فرمایا۔ ایمان بالغیب اور ایمان شہودی کے بیان میں، اور ان میں سے ہر ایک کے اصحاب کے بیان میں اور ایمان بالغیب کو ایمان شہادت پر فضیلت دینے کا بیان اور توحید و جود کی اور توحید و جود کے بیان میں اور جو چیز فنا کے حاصل کرنے میں درکار ہے، وہ توحید شہودی ہے اور توحید و جود بالکل درکار نہیں ہے، نیز اس بیان میں کہ پہلا آدمی جس نے توحید و جود کا اظہار کیا ہے اور اس کی تصریح کی ہے، وہ فتوحات مکیہ کا مصنف ہے، پہلے مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید اور اتحاد کی خبر دیتی ہیں، لیکن وہ توحید شہودی پر محمول ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

۴۶۶

(۲۷۳) میرزا احسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سالک کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے طریقہ کا پابند رہے اور دوسرے مشائخ کے طریقوں کی طرف التفات نہ کرے اور اگر واقعات اس کے برخلاف ظاہر ہوں تو اعتبار نہ کرے کیونکہ شیطان ایک طاقتور دشمن ہے، اس کے مکر و فریب سے غافل نہیں ہونا چاہیے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

۴۸۰

(۲۷۴) شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی (کی ترغیب) اور سفلی شہودات جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتے ہیں، کی طرف التفات نہ کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

۴۸۴

(۲۷۵) ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے اپنی قبولیت کے بارے میں کیا تھا اور اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے حالات میں لکھا تھا اور شرعی علوم کی تعلیم اور فقہی احکام کی اشاعت کی ترغیب دینے کے بیان میں۔

۴۸۵

(۲۷۶) شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ قرآن مجید کی محکم اور متشابہ آیات، اور علمائے راسخین اور ان کے کمالات کے بیان میں۔

۴۸۷

(۲۷۷) ملا عبدالحی کو تحریر فرمایا۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے بیان میں۔ یہ علوم ان سابقہ علوم میں سے ہیں جو آپ نے حال کے وسط میں لکھے تھے۔ اس معرفت میں شہود کی نہایت شہود انفسی ہے اور جو معارف آپ نے آخر (حال) میں لکھے ہیں، ان میں شہود انفسی کو شہود آفاقی کی مانند لا حاصل سمجھ کر انفس و آفاق سے شہود کو بالاتر ثابت کیا ہے، بلکہ انفس شہود کو وصول کا دروازہ سمجھ کر اُس کے علاوہ علوم و معارف لکھے ہیں، جیسا کہ آپ کی کتب اور رسائل سے یہ چیز واضح ہے۔

۴۹۰

(۲۷۸) ملا عبد الکریم سنائی کے نام تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ہر شخص کے لیے عقائد کو درست کرنے اور روشن شریعت کے تقاضا کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے قلب کو حق جل و علا کے غیر سے سلامت رکھنا جو کہ نسیان ماسوا (کہلاتا) ہے، ضروری ہے، نیز

۴۹۳

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی ایک تعریف اور مردوں کی امداد و اعانت کی ترغیب دینے میں۔

۴۹۳

(۲۷۹) ملا حسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے بیان میں کہ انہوں نے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی جانب رہنمائی کی تھی اور حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ) قدس سرہ الاقدس کی صحبت و خدمت کا شوق دلایا تھا اور اس کے ضمن میں اللہ جل سلطانی کی ان نعمتوں کا اظہار ہوا ہے جو ان کے توسط سے نصیب ہوئی ہیں۔

۴۹۴

(۲۸۰) حافظ محمود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت سعادتمندوں کا سرمایہ ہے اور جس شخص کو اس نعمت سے مشرف کریں اور استقامت بخشیں، اسے سب کچھ عطا فرمادیتے ہیں۔

۴۹۵

(۲۸۱) سیادت مآب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے منتسب ہونے کی نعمت کے شکر میں اور یہ کہ اس طریقہ میں تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر کمالات نبوت کی جانب راستہ کھول دیتے ہیں اور جو شخص اس طریقہ میں اپنے خوابوں اور واقعات کو بنیاد (بنائے) اور (ان پر) بھروسہ کرے اور نئے امور پیدا کرے اور اس کے آداب کی رعایت نہ کرے، وہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہے۔ نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

۴۹۶

(۲۸۲) میاں شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کے بیان میں اور تھوڑا سا ان کے حالات کے بیان میں۔

۴۹۷

(۲۸۳) صوفی قربان بیگ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ معراج کی رات حضرت خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی رویت (باری تعالیٰ) دنیا میں واقع نہیں ہوئی ہے، بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔

۴۹۸

(۲۸۴) ملا عبدالقادر انبالوی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں احوال و مواجید عالم امر کا حصہ ہیں اور ان احوال کا علم عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ معرفت پہلے معارف میں سے ہے۔ معاملے کی حقیقت وہ ہے جو حضرت مخدوم زادہ کلاں (حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کے نام مکتوب (نمبر ۲۶۰) میں طریقت کے بیان میں تحریر ہوئی ہے۔

۴۹۹

(۲۸۵) میر سید محبت اللہ مانگپوری کو تحریر فرمایا۔ سماع و وجد اور رقص کے احکام اور روح سے متعلق معارف کے بیان میں۔

(۲۸۶) مولانا امان اللہ فقیہ کو تحریر فرمایا۔ صحیح اعتقاد جو اہل سنت و جماعت کی صائب آراء کے مطابق کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، کے بیان میں اور اس جماعت کا رد جنہوں نے کتاب و سنت سے اہل سنت و جماعت کے اعتقادات کے برخلاف سمجھ لیا ہے، یا جنہوں نے کشف کے ذریعے اہل حق کے خلاف معلوم کیا ہے۔

۵۰۷

(۲۸۷) حقائق سے آگاہ برادر حقیقی حضرت میاں غلام محمد کو تحریر فرمایا۔ جذبہ و سلوک اور ان معارف کے بیان میں جو ان دو مقامات کے لائق ہیں۔

۵۱۲

(۲۸۸) سید انبیاء سارنگپوری کو تحریر فرمایا۔ عاشورا، شب قدر اور شب برأت وغیرہ میں نفل نمازوں کو باجماعت ادا کرنے سے منع کرنے کے بیان میں، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

۵۳۰

(۲۸۹) مولانا بدر الدین کو تحریر فرمایا۔ اسرار قضا و قدر کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

(۲۹۰) ملا محمد ہاشم کو تحریر فرمایا۔ اس طریقہ کے بیان میں جس کے ساتھ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کو ابتدائے حال میں مخصوص فرمایا تھا اور جس پر طالبین کو چلانے کی آپ کو توفیق دی اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بیان میں اور انتہا کا ابتدا میں درج ہونا جو اس طریقہ کے لوازمات میں سے ہے، اور وہ حضور جو اس طریقہ کے اکابر کے ہاں معتبر ہے اور جس سے مراد نسبت نقشبندیہ ہے، اس کے ساتھ بعض احوال و اذواق اور علوم و معارف کا بیان جو طریقہ نقشبندیہ وغیرہ میں حاصل ہوئے ہیں اور ان بزرگواروں کے جذبات کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

۵۳۳

(۲۹۱) مولانا عبدالحی کو تحریر فرمایا۔ توحید و جود و شہودی اور ان کے متعلقہ معارف کے بیان میں۔

(۲۹۲) شیخ عبدالحمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ مریدوں کے لیے ضروری آداب اور ان کے بعض شبہات کو دور کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

۵۳۹

(۲۹۱) مولانا عبدالحی کو تحریر فرمایا۔ توحید و جود و شہودی اور ان کے متعلقہ معارف کے بیان میں۔

(۲۹۲) شیخ عبدالحمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ مریدوں کے لیے ضروری آداب اور ان کے بعض شبہات کو دور کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

۵۵۸

(۲۹۳) شیخ محمد چتری کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے کہ لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقُتْ حَدِيثِ نَبِيِّ عَلَيْهِ وَعَلَيْ آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ میں آیا ہے اور (حضرت) ابو ذر غفاری (رضی اللہ عنہ) نے بھی اسی طرح کہا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے پوچھا تھا کہ قَدَمِيْ هَذِهِ عَلَيَّ رَقَبَةً كُلُّ وَلِيٍّ اللّٰهِ شَيْخُ عَبْدِ الْقَادِرِ (جیلانی قدس سرہ) نے فرمایا ہے اور ایک دوسرے (ولی اللہ) نے بھی اسی طرح کہا ہے، اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟ اور انہوں نے پوچھا تھا کہ جن اولیاء کی گردن پر اُن کا قدم ہے، یہ اسی زمانے کے اولیاء ہیں یا مطلقاً اولیاء مراد ہیں؟

۵۶۲

(۲۹۴) علوم ظاہری اور معارف و اسرار باطنی کے جامع مخدوم زادہ مجدد الدین (حضرت) خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا، ان معارف کے بیان میں جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی آٹھ صفات سے تعلق رکھتے ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے مبادی تعینات اور تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کی تحقیق (کے بیان) میں، نیز جزئیات کے اپنی کلی کے ساتھ ملے ہوئے ہونے اور جزئیات کے ایک کلی سے دوسرے کلی کی طرف ہونے کے عدم جواز کے بیان میں، اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی نجی اور شہود کے فرق کے بیان میں، نیز انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے توسط کے باوجود کامل تابعداروں کو وصل عریاں حاصل ہونے کے بیان میں، اور لفظ محو و اضمحلال کی تحقیق (کے بیان) میں جو مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تحریر میں آئی ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

۵۶۱

(۲۹۵) حاجی یوسف کشمیری کو تحریر فرمایا۔ نظر بر قدم، ہوش دردم، سفر در وطن اور خلوت در انجمن کے بیان میں جو طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار مشائخہ کے مقررہ اصول ہیں۔

۵۷۲

(۲۹۶) حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاۃ کو تحریر فرمایا۔ حق جل و علا کی صفات کے بسیط ہونے اور چیزوں کے ساتھ کثرت تعلق کی نفی کے بیان میں۔

۵۷۳

(۲۹۷) مولانا بدر الدین سرہندی کو تحریر فرمایا۔ حق سبحانہ کے احاطہ و سر بیان کی تحقیق میں اور مثالوں کے ساتھ اس کی تشریح اور وجوبی و امکانی مراتب کی حفاظت کی رعایت (کے بیان) میں۔

۵۷۵

(۲۹۸) میر سید محبت اللہ مالکپوری کو تحریر فرمایا۔ خفیہ اشارات اور لطیف عبارات کے ذریعہ کام کی انتہا تک پہنچنے کے بیان میں اور اس معما کے راز میں جس سے حضرت خواجہ محمد صادق کے سوادوستوں میں سے کسی نے اطلاع نہیں پائی۔

۵۷۶

(۲۹۹) شیخ فرید انہونی کو تحریر فرمایا۔ مصیبت کے آنے اور اس پر صبر کرنے اور قضا پر راضی رہنے کی تلقین اور طاعون کی موت کی فضیلت، نیز اس بیان میں کہ طاعون کی جگہ سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے اور جہاد کے روز میدان جنگ سے بھاگنے کی طرح ہے۔

۵۷۷

(۳۰۰) جامع علوم عقلی و نقلی، مجدد الدین مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ رمز اور اشارہ کی زبان میں دقیق اسرار اور عجیب معارف کے بیان میں۔ نیز مقام قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَذْنِيْ سے بھی ایک اشارہ تحریر کیا گیا ہے۔

۵۷۸

(۳۰۱) مولانا امان اللہ کو تحریر فرمایا۔ قرب نبوت، قرب ولایت اور جو راستے قرب نبوت تک پہنچانے والے ہیں، ان کے بیان میں۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

۵۸۰

(۳۰۲) جامع علوم ظاہری اور اسرار و معارف باطنی مخدوم زادہ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ ولایت کی تین قسموں کے بیان میں، جو ولایتِ اولیاء، ولایتِ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور ولایتِ ملائِ علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات ہیں، نیز اس بیان میں نبوت و ولایت سے افضل ہے، اور بعض خصوصی معارف جو نبوت سے متعلق ہیں۔

۵۸۳

(۳۰۳) حاجی یوسف مؤذن کے نام تحریر فرمایا۔ اذان کے کلمات کے معانی کے بیان میں۔

۵۸۸

(۳۰۴) مولانا عبدالحی کو تحریر فرمایا۔ اعمال صالحہ کے بیان میں جن سے اللہ تعالیٰ و تقدس نے قرآن مجید کی اکثر آیات میں بہشت میں داخل ہونے کا وعدہ وابستہ کیا ہے۔ نیز شکر کی ادائیگی کے بیان میں اور نماز کے بعض معانی اور اسرار کے بیان میں۔ ۵۸۹

(۳۰۵) میر محبت اللہ کو تحریر فرمایا۔ نماز کے اسرار، مبتدی اور عام آدمی کی نماز اور منتہی کی نماز کے درمیان فرق کے بیان میں۔ ۵۹۰

(۳۰۶) مولانا صالح کو تحریر فرمایا۔ حقائق آگاہ معارف دستگاہ مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ والغفر ان اور دونوں چھوٹے مخدوم زادوں مرحوم و مغفور محمد فرخ اور محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے بعض مناقب و کمالات کے بیان میں۔ نیز اس مکتوب کے

آخر میں ارباب ولایت کی فنا کا بیان ہے اور اس چیز کا بیان کہ قرب نبوت میں اس فنا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ۵۹۲

(۳۰۷) مولانا عبد الواحد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ کے معنی کے بیان میں۔ ۵۹۵

(۳۰۸) مولانا فیض اللہ پانی پتی کو تحریر فرمایا۔ حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام: کَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي

الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ کے معنی کے بیان میں۔ ۵۹۶

(۳۰۹) مولانا حاجی محمد فرحتی کو تحریر فرمایا۔ دن رات کے محاسبہ کے بیان میں، جیسا کہ آیا ہے: حَاسِبُوا قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا۔ ۵۹۷

(۳۱۰) مولانا محمد ہاشم کو تحریر فرمایا۔ انسان کی جامعیت اور بعض پوشیدہ اسرار جو اس مقام سے متعلق ہیں، کے بیان میں۔ ۵۹۸

(۳۱۱) فیض الہی کے مظہر اور نامتناہی اسرار کے منبع، مخدوم زادہ (حضرت) خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ دقیق اسرار اور نادر حقائق کو مزو اشارہ کے طور پر بیان کرنے میں۔ ۶۰۰

(۳۱۲) میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ان سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے اور اس جگہ شہادت کی انگلی کے اشارہ کی تحقیق ہے

اور اس بارے میں علمائے حنفیہ کا جو مختار (مذہب) ہے (اس کا بیان)۔ ۶۰۲

(۳۱۳) خواجہ محمد ہاشم کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے لکھے تھے۔ سوال اول: یہ کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ

علیہم اجمعین) کے کمالات فنا و بقا اور سلوک و جذبہ سے تعلق رکھتے تھے یا نہیں؟ سوال دوم: یہ کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں

ریاضتوں سے منع کرتے ہیں اور مضرت سمجھتے ہیں، جبکہ آنسر و علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت ریاضتیں برداشت فرمائی

ہیں؟ سوال سوم: یہ کہ یہ طریقہ (نقشبندیہ) حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں منسوب ہوا ہے؟ سوال چہارم: یہ کہ

آپ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ طالب ولایت موسوی (علیہ السلام) سے ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تصرف

سے نہیں لایا جاسکتا اور آپ نے (ایک) دوسرے مکتوب میں لکھا ہے کہ (فقیر) تم کو ولایت موسوی (علیہ السلام) سے ولایت

محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لایا ہے۔ ان میں موافقت کا سبب کیا ہے؟ سوال پنجم: یہ کہ پیراہن پیش چاک پہننا چاہیے یا

پیراہن حلقہ گریبان؟ سوال ششم: یہ کہ نفی و اثبات کی توجہ احادیث کی توجہ کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتی ہے؟ سوال ہفتم: یہ کہ نفی

و اثبات جودل سے کیا جاتا ہے، کے وقت ”لا“ کو اوپر کیوں لے جاتے ہیں اور ”الہ“ کو دائیں جانب کیوں لے جاتے ہیں؟

اور آپ نے اسی مکتوب کے آخر میں پیر کے آداب کی مراعات کو بیان فرمایا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ اس دفتر (اول) کو

اسی مکتوب پر ختم کریں اور ۳۱۳ کے عدد کا لحاظ رکھیں جو انبیائے مرسلین کے عدد اور نیز اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے

عدد کے مطابق ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے اس مکتوب کے اختتام پر حضرت مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہ الرحمۃ

والغفر ان نے جو عرض داشتیں لکھی ہیں، وہ شامل کر دیں، تاکہ پڑھنے والے ان کو دعا اور فاتحہ کے ساتھ یاد کریں۔ ۶۰۶

تقریظ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى، أَمَّا بَعْدُ:

آلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ.

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ کے اسرارِ شریعت اور معارفِ طریقت کے گرانقدر مجددانہ مکاتیب شریفہ سے حضراتِ علماء کرام اور مشائخِ عظام طریقت بھرپور استفادہ کرتے رہے ہیں اور خصوصاً سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے اکابرین کو ان سے خاص شغف رہا ہے اور خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ میں ان کے درس کا خصوصی اہتمام ہے۔ چونکہ مکاتیب شریفہ فارسی زبان میں ہیں، اس لیے اب تک ان کے تین اُردو تراجم سے استفادہ کیا جاتا ہے:

۱۔ مترجم: مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی مجددیؒ، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ودیگران

۲۔ مترجم: مولانا سید زوار حسین شاہؒ، ادارہ مجددیہ، کراچی

۳۔ مترجم: مولانا محمد سعید احمد نقشبندیؒ، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

اور اب ہمارے والد گرامی قدر حضرت شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت مولانا ابوالخلیل خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ کے متوسلین میں سے ایک خاص مرید ڈاکٹر محمد نذیر انجھامظلہ نے فقیر کی خواہش پر ان مکاتیب شریفہ کا از سر نو ترجمہ کیا ہے، جس کے مطالعے سے دورِ حاضر کے علماء، مشائخ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ، سب یکساں استفادہ کر سکتے ہیں۔

لہذا ڈاکٹر محمد نذیر انجھامظلہ نے اس پیران سالی اور ضعف کے باوجود اس کام کی ابتداء کی۔ الحمد للہ ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا اور اس کی کمپوزنگ اور اشاعت کی ذمہ داری الفتح پبلی کیشنز کے ذمہ دار جناب صفدر ملک نے لی۔

الحمد للہ! اب خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کی طرف سے یہ مکاتیب شریفہ دو جلدوں میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ فقیر کی دعا ہے کہ مولانا پاک ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور ڈاکٹر محمد نذیر انجھامظلہ، برادر صفدر ملک اور دیگر احباب جو اس مشاورت میں شریک رہے ہیں، سب کو اپنی شایان شان کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔ اور خانقاہ سراجیہ کے متوسلین کو خصوصاً اور عامۃ المسلمین کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین!

والسلام

فقیر خلیل احمد عفی عنہ

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

۱۵/ ذی القعدہ ۱۴۳۶ھ/ ۳۱/ اگست ۲۰۱۵ء

عرض مترجم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ وَأَصْحَابِهِ الْعِظَامِ مَنْ يَوْمِنَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامِ.

اما بعد، سلاسل صوفیہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کو پیشوائے مقتدا کی حیثیت و درجہ حاصل ہے۔ سرہند شریف کو آپ کے قیام کی بدولت نہ صرف برصغیر پاکستان و ہند میں دائمی شہرت نصیب ہوئی ہے، بلکہ آپ کی اولاد امجاد اور خلفائے عظام کی دینی خدمات کی وجہ سے یہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی توجہ کا محور بن گیا اور اسلامی ہند کا دارالارشاد کہلانے لگا۔ حضرت مجدد قدس سرہ کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں اور دینی و روحانی خدمات سے سارے عالم اسلام نے استفادہ کیا۔ آپ کی عظیم علمی و روحانی اور تجدیدی یادگار آپ کے ۵۳۶ مکتوبات شریف ہیں جو تین دفاتر پر مشتمل ہیں۔ دفتر اول میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں جن کو آپ کے ارشاد پر آپ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد جدید بدخشی طالقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں ”در المعرفت“ کے نام سے مرتب کیا۔ دوسرے دفتر میں ۹۹ مکتوبات ہیں اور اس کو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے ارشاد پر حضرت مولانا عبدالحی حساری شادمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں ”نور الخلاق“ کے نام سے مدون کیا، اور دفتر سوم کے ۱۲۴ مکتوبات کو آپ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی برہانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی خدمت میں رہ کر ۱۰۳۱ھ/۱۶۲۱ء میں ”معرفت الحقائق“ کے نام سے مرتب کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریف کا شہرہ و آوازہ آپ کی حیات مبارکہ میں ہی برصغیر پاک و ہند سے نکل کر بلخ و بخارا، ایران اور عرب ممالک میں پھیل گیا تھا۔ ہزاروں انسانوں نے ان سے فیض پایا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی خانقاہوں میں اس کا باقاعدہ درس دیا جانے لگا اور وقت کے شیوخ اور مرشدان گرامی ان کی تشریح و توضیح فرما کر اپنے وابستگان کے قلوب و اذہان کو منور و تابان کرتے رہے۔ خانقاہ سرہند شریف میں حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ اور حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ مکتوبات امام ربانیؒ کی تفہیم کے لیے کوشش فرماتے تھے۔ مکتوبات شریف کا باقاعدہ درس ہوتا تھا اور درس کی مجلس میں حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ خاموش تشریف فرما ہو کر سماعت فرماتے جبکہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ مکتوبات کی توضیح و تشریح بیان فرماتے تھے۔ الحمد للہ! مکتوبات کے درس کا سلسلہ تا حال مجددی خانقاہوں میں جاری و ساری ہے اور ان سے ایک جہان مستفید ہو رہا ہے۔ عربی، ترکی اور اردو زبانوں میں ان کے تراجم ہوئے ہیں اور بعض مکتوبات کا ترجمہ انگریزی میں بھی طبع ہو چکا ہے۔

آدم برسر مطلب! بندہ کیا اور بندے کی بساط کیا؟ قلم اور ہاتھ تو بس ایک بہانہ ہیں۔ اللہ کریم نے جو کام کروانا ہے

اُس کے لیے عزم و ارادہ از خود پیدا فرما کر وسائل و اسباب بھی مہیا فرما دیتا ہے۔ بارہا دلِ ناتواں میں خیال آیا کہ مکتوباتِ امام ربائی کا اُردو ترجمہ کرنا چاہیے۔ پھر سوچا کہ اس کے پہلے سے خوب وعدہ تراجم موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کسی نئے ترجمے کی کیا ضرورت ہے؟ بالآخر فضلِ الہی نے مدد فرمائی اور ایک روز مرشد العلماء والصلحاء، پیشوائے کاروانِ طریقت، شیخ واصلین حقیقت سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا خواجہ ابوالسعد خلیل احمد صاحب بسط اللہ ظہم العالی نے احقر کو فرمایا کہ مکتوباتِ امام ربائی کا اُردو ترجمہ کرو۔ اور بندہ نے اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا۔

اُس دن سے لے کر آج تک اس کام میں کئی اتار چڑھاؤ آئے۔ احقر ہر مشکل وقت میں حضرت اقدس کی طرف رجوع کر کے دعا کی درخواست کرتا رہا اور ہر زیارت پر حضرت اقدس اس کام کے بارے میں دریافت فرما کر حوصلہ افزائی فرماتے رہے، یہاں تک کہ آج اللہ کریم نے اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق کرامت فرمادی۔ اس طرح قطب الاقطاب خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ ابوالخلیل خان محمد صاحب قدس سرہ کی دعاؤں اور روحانی توجہات کے طفیل اللہ کریم نے اس ناکارہ روزگار کو قلمی فتوحات کا جو بارکت سلسلہ ودیعت فرمایا اور جس کا آغاز رسالہ ابدالیہ (فارسی) حضرت خواجہ یعقوب چرنی قدس سرہ کی تصحیح و تحقیق سے کیا تھا، وہ مرشد پاکباز و کامل مکمل اور شیخ بزرگ و اجل سیدنا و مرشدنا و مخدومنا حضرت مولانا خواجہ ابوالسعد خلیل احمد صاحب بسط اللہ ظہم العالی کے فیضِ عالیہ اور نظرِ شفقت کے آبِ زلال سے سیراب و شاداب ہوتا ہوا آج مکتوباتِ امام ربائی کے ترجمے کی تکمیل تک آپہنچا ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند

کہ برند از رہِ پنہاں بہ حرم قافلہ را

مکتوباتِ امام ربائی کی زیر نظر حسین و خولصورت اور عمدہ و اعلیٰ پیشکش ہمارے حضرت اقدس بسط اللہ ظہم العالی کے ذوقِ باکمال اور شوقِ بے مثال کی رہنِ منت ہے، جس کی طباعت و اشاعت آپ نے دو طرح سے پسند فرمائی ہے؛ ایک فارسی متن اور اُردو ترجمہ کے ساتھ، اور دوسری صرف اُردو ترجمہ کی صورت میں۔ اللہ کریم حضرت اقدس کی شفقتوں اور عنایتوں کے اس چھترِ عظیم کا وسیع و عریض سایہ مسترشدین کے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے پہلے تراجم میں سے مولانا قاضی عالم الدین نقشبندی مجددیؒ، مولانا سید زوار حسین شاہؒ، مولانا محمد سعید احمد نقشبندیؒ کے ترجمے اور بعض دوسرے حضرات کے جزوی تراجم احقر کے پیش نظر تھے۔ بالخصوص مولانا نور احمد پسروری امرتسریؒ کے حواشی سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اللہ کریم معارفِ نقشبندیہ و مجددیہ کے تمام جامعین اولین اور ان مترجمین سابقین کی تربتوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے مراتب کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین۔

مکتوباتِ امام ربائی کے زیر نظر ترجمے کو احقر نے پہلے سے بہتر اور سہل و آسان بنانے کی مقدور بھرسعی کی ہے، لیکن اہل نظر و صاحبانِ فن پر یہ چیز مخفی نہیں کہ دفترِ اول کے ابتدائی مکتوبات اور دوسرے دفاتر کے بعض معارف اور کئی مقامات کی عبارات کا آسان ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔ اسی طرح اصطلاحات کے ترجمہ میں بھی مشکلات درپیش ہیں۔ احقر نے احادیث کی

تخریج میں پہلے سے زیادہ کوشش کی ہے۔ ماخذ کی جلد اور صفحہ نمبر کے اندراج کا خصوصی اہتمام کیا ہے، تاکہ محققین و شائقین کو اصل منابع تک رسائی میں سہولت میسر آئے۔ بہر حال انسانی کام کا خطا سے پاک ہونا محال ہے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ احقر کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور اس کی اس حقیر سی محنت و کوشش کو اپنی رحمت و فضل کے صدقے اپنی بارگاہ معلیٰ میں شرف قبولیت بخشے اور اسے سلسلہ عالیہ کے وابستگان، اولیاء و عرفاء کے محبین، معارف روحانی و عرفانی کے تشنگان اور جملہ مسلمانوں اور اہل علم کے لیے نفع بخش بنائے:

ع این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

آخر میں احقر اپنے اُن تمام احباب اور کرم فرماؤں کا شکر گزار ہے جو اس کام کے دوران اس کی ہمت بڑھاتے رہے اور اپنی دعاؤں سے یاد فرماتے رہے، بالخصوص محترم و مکرم مولانا محمد سعید طاہر صاحب (گوجرانوالہ)، جو مسلسل حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اللہ کریم اس احقر کے ان سب محسنوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

خاک پائے اولیاء عظام

ڈاکٹر محمد نذیر راجھا غفر ذنوبہ و ستر عیوبہ

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ / ۲۵ جولائی ۲۰۱۴ء

مکان نمبر ۱۳۱، گلی نمبر ۲۱، محلہ غازی آباد،

کمال آباد، راولپنڈی کینٹ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَضْعَافَ مَاحْمَدَهُ جَمِيعُ خَلْقِهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ أَرْسَلَهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُونَ كَمَا يَنْبَغِي لَهُ وَيَجْرَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْبَرَّةِ النَّقِيِّ النَّقِيِّ.

یعنی: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس سے (کئی درجے) زیادہ جو اس کی ساری مخلوقات نے اس کی تعریف کی ہے، جس طرح کہ ہمارا پروردگار چاہتا ہے اور راضی ہوتا ہے۔ درود و سلام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کو اس نے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، جب تک تذکرہ کرنے والے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر (خیر) کریں اور جب تک غافل آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یاد سے غفلت برتیں، جس طرح کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان کے لائق اور مناسب ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر (بھی) درود و سلام ہو (جو) سبھی (صالح، خدا ترس اور پرہیزگار ہیں)۔

اما بعد، واضح ہو کہ یہ محققین کے غوث، عارفوں کے قطب، ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برہان، شریعت مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دلیل، اسلام و مسلمانوں کے بزرگ، ہمارے شیخ اور ہمارے امام حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سلمہ اللہ سُبْحَانَهُ وَآبِقَاهُ (اللہ پاک آپ کو سلامت رکھے اور بقائے خشنے) کی پاکیزہ نشانیوں والے مکتوبات کی پہلی جلد ہے۔ جس کو اس حقیر، کمزور (اور) اس مقدس درگاہ کے خاک نشینوں میں سے عاجز ترین (خادم) یا محمد جدید بدخشی طالقانی نے جمع کر کے لکھا ہے، اس امید سے کہ حق تبارک و تعالیٰ کے طالبین کو اس سے ایک نفع نصیب ہو۔ وَالْمَسْتُورُ مِنَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ الْعِصْمَةُ التَّوْفِيقُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ سے گناہ سے بچنے اور (کام کی تکمیل) کے لیے التجا ہے۔

مکتوب نمبر (۱)

ان حالات کے بیان میں جو اسم ظاہر سے مناسبت رکھتے ہیں اور توحید کی ایک خاص قسم کے ظہور، نیز ان عروجات کے بیان میں جو عرش کے اوپر واقع ہوئے ہیں، بہشت کے درجات کے انکشاف اور اہل اللہ کے بعض مراتب کے ظہور میں اپنے پیروں کو رکھا ہے۔ اور وہ کامل مکمل شیخ، درجات ولایت کے واصل، طریقتہ (عالیہ) جس کی ابتداء میں انتہا شامل ہے، کی (جانب) رہنمائی کرنے والے، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و امام (حضرت) شیخ محمد باقی نقشبندی احراری ہیں، قَدْ سَلَ اللَّهُ تَعَالَى سِرَّهُ الْأَقْدَسَ وَبَلَّغَهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ إِلَى أَقْصَى مَا يَتَمَنَّا (اللہ تعالیٰ ان کے مقدس راز کو پاکیزہ بنائے اور اللہ پاک انہیں اس بلند درجہ تک پہنچائے، جس کی وہ تمنا رکھتے ہیں)۔

عریضہ: سب سے عاجز خادم احمد (خدمت) عالی میں عرض کرتا ہے، حکم شریف کے مطابق گستاخی کرتا ہے اور (اپنے) پریشان حالات پیش کرتا ہے کہ (سلوک کے) راستے میں اسم ظاہر کی تجلی سے اس قدر جلوہ رونما ہوا کہ سب چیزوں میں (ایک) خاص تجلی الگ الگ ظاہر ہوئی۔ خاص کر کے خواتین کے لباس میں، بلکہ ان کے اعضاء میں جدا جدا۔ اور میں اس گروہ

کا اس قدر مطیع ہوا کہ کیا عرض کروں؟ اور میں اس فرمانبرداری میں پریشان تھا۔ جو ظہور اس لباس میں تھا، وہ کسی اور جگہ نہ تھا۔ لطائف کی خصوصیات اور عجائب کی خوبیاں جو اس لباس میں ظاہر ہوتی تھیں، کسی (اور) مظہر سے ظاہر نہیں ہوتی تھیں۔ میں ان کے سامنے بالکل پگھل کر پانی ہو جاتا تھا۔

اسی طرح کر کے کھانے، پینے اور پہننے (کی ہر چیز) میں الگ الگ جلوہ گر ہوا۔ جو لطافت و خوبی لذیذ، پر تکلف کھانے میں تھی، وہ اس کے علاوہ (کسی دوسرے) میں نہ تھی۔ میٹھے پانی اور پھیکے پانی میں یہی فرق تھا، بلکہ ہر لذیذ اور میٹھی (چیز) میں درجات کے فرق سے ایک کامل خصوصیت جدا جاتا تھی۔ ان خصوصیات کی تجلی کو تحریر میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آپ کی خدمت عالیہ میں ہوتا تو شاید عرض کر سکتا تھا۔ لیکن ان تجلیات کے دوران میں رفیق اعلیٰ (محبوب حقیقی اللہ سبحانہ) کی آرزو رکھتا تھا اور حتی المقدور ان (ظہورات) کی جانب متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر میں مغلوب تھا (اور کوئی) چارہ نہیں رکھتا تھا۔

اس اثناء میں معلوم ہوا کہ یہ تجلی اس تنزیہی نسبت کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی اور باطن اسی طرح اس نسبت میں گرفتار ہے، اور ظاہر کی جانب بالکل متوجہ نہیں ہے اور ظاہر کو، جو اس نسبت (تنزیہی) سے خالی اور بے کار تھا، اس تجلی سے مشرف فرمایا گیا ہے اور حقیقت میں میں نے اسی طرح پایا کہ (میرا) باطن نگاہ کی کجی میں گرفتار نہیں ہے اور (وہ) تمام معلومات اور ظہورات سے روگردان ہے اور ظاہر جو کثرت و دوئی کی جانب متوجہ تھا، کو ان تجلیات کی سعادت نصیب ہو گئی ہے۔

کچھ مدت کے بعد ان تجلیات نے چہرہ ڈھانپ لیا اور حیرت و نادانی کی وہی نسبت اپنی حالت میں طاری ہو گئی۔ وَصَارَتْ تِلْكَ التَّجَلِّيَّاتُ كَأَنَّ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا۔ یعنی: اور یہ تجلیات یوں (پوشیدہ) ہو گئیں، جیسے کہ کچھ بھی نہیں تھیں۔ اس کے بعد ایک خاص فنا ظاہر ہوئی اور یقیناً تعین علمی جو تعین (ذاتی) کے عود کے بعد پیدا ہوا تھا، وہ اس فنا میں گم ہو گیا اور انانیت (نفسانیت) کے گمان سے کوئی اثر (باقی) نہ رہا۔ اس وقت اسلام (حقیقی) کے آثار اور شرک خفی کے مٹنے کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں اور یونہی اعمال کو کوتاہہ دیکھنے اور نیتوں و ارادوں کو تہمت زدہ جاننے (کی علامات)۔ غرض بندگی و فنا کی بعض علامات (بھی) بعد ازاں ظاہر ہوئی ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کی توجہ کی برکت سے بندگی کی حقیقت تک پہنچائے۔ عرش سے اوپر عروج و جات بہت (زیادہ) واقع ہوتے ہیں۔

پہلا مرتبہ: (اس میں) جو عروج واقع ہوا۔ سفر طے کرنے کے بعد جب عرش کے اوپر پہنچا، اور جنت وہاں سے اس (عرش) کے نیچے مشاہدہ میں آئی۔ اس اثناء میں خیال آیا کہ بعض لوگوں کے مقامات کو وہاں دیکھوں۔ جب میں متوجہ ہوا تو ان کے مقامات نظر آئے اور ان اشخاص کو بھی ان کے درجات کے فرق کے مطابق مکان و مرتبہ اور شوق و ذوق کے لحاظ سے ان محلات میں دیکھا۔

دوسرا مرتبہ: پھر عروج واقع ہوا، مشائخ عظام، ائمہ اہل بیت، خلفائے راشدین کے مقامات، حضرت رسالت پناہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا خاص مقام، اور اسی طرح تمام انبیاء و رسل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے مقامات حسب فرق اور ملائکہ ملائکہ اعلیٰ (علیہم السلام) کے مقامات عرش کے اوپر مشاہدہ میں آئے۔ عرش کے اوپر اس قدر عروج واقع ہوا کہ مرکز خاک سے عرش تک یا اس سے تھوڑا کم اور حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس

کے مقام تک ختم ہوا۔ اس مقام سے اوپر مشائخ میں سے کچھ تھے، بلکہ اسی مقام میں تھوڑی فوقیت کے ساتھ (حضرت) شیخ معروف کرخی اور (حضرت) ابوسعید خرازی جیسے (حضرات) تھے۔ اور دوسرے مشائخ (میں سے) بعض اس مقام سے نیچے مقامات رکھتے تھے اور بعض اسی مقام میں تھے۔ لیکن نیچے میں (حضرت) شیخ علاء الدولہ سمنانی اور (حضرت) نجم الدین کبریٰ جیسے (حضرات) تھے۔

اس مقام کے اوپر ائمہ اہل بیت اور ان کے اوپر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقامات تھے۔ تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقام آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام سے ایک طرف الگ تھے اور یونہی بلند شان ملائکہ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلِیْہِمُ اَجْمَعِیْنَ کے مقامات دوسری طرف اس مقام سے جدا تھے۔ لیکن آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقام تمام مقامات سے بلند و سرفراز تھا۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّہَا۔ یعنی: اور اللہ پاک ہی تمام کاموں کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے۔

جب چاہتا ہوں اللہ سبحانہ کی عنایت سے عروج واقع ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات بغیر ارادہ کے بھی واقع ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری چیز بھی دیکھی جاتی ہے اور بعض عروجات پر آثار بھی مترتب ہوتے ہیں۔ اکثر چیزیں بھول جاتی ہیں۔ اگرچہ چاہتا ہوں کہ بعض حالات کو لکھ لوں، تاکہ گزارش کرتے وقت یاد آجائیں، لیکن (یہ) میسر نہیں ہوتا، کیونکہ نظر میں حقیر لگتے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ ان سے توبہ کرنی چاہیے، چہ جائیکہ ان کو لکھا جائے۔

عریضہ لکھتے وقت بھی بعض چیزیں یاد تھیں، آخر تک (انہوں نے) وفانہ کی تاک لکھی جاتیں۔ زیادہ گستاخی نہیں کی گئی۔ ملا قاسم علی کا حال بہتر ہے (اس پر) فنا و استغراق کا غلبہ ہے۔ اس نے جذبہ کے تمام مقامات سے اوپر قدم رکھا ہے اور صفات کو جو اوّل اصل سے دیکھتا تھا، اب اس کے باوجود ان صفات کو خود سے جدا دیکھتا ہے اور خود کو خالی محض پاتا ہے، بلکہ اس کو بھی کہ جس کے ساتھ وہ صفات قائم ہیں، خود سے جدا دیکھتا ہے اور خود کو اس نور سے دوسری طرف پاتا ہے۔ دوسرے احباب کے احوال بھی روز بروز بہتری (ترقی) میں ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز دوسری گزارش میں تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔

مکتوب نمبر (۲)

ترقیوں کے حاصل کرنے اور اللہ جل سلطانہ کی عنایتوں پر فخر کرنے کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کو تحریر فرمایا۔

عریضہ: سب سے عاجز خادم احمد خدمت عالی میں عرض کرتا ہے کہ استخارہ کرنے کا حکم رمضان کے مبارک مہینے کے قریب مولانا شاہ محمد نے پہنچایا۔ اتنی فرصت نہ پائی کہ رمضان کے مہینے تک خود کو آستانہ بوسی سے مشرف کر سکے۔ مجبوراً اس کے گزر جانے پر خود کو تسلی دی۔ اللہ جل و علا کی عنایتوں کے بارے میں، جو حضرت اقدس کی بلند توجہات سے لگاتار اور برابر (فقیر) پر جاری ہیں، کیا عرض کرے؟

من آن خاتم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطره باری

اگر بروید از تن صد زبانم چو سبزہ شکر لطفش کے تو انم

یعنی: میں وہ خاک ہوں کہ نئی بہار کا بادل اپنی مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔

✦ اگر میرے بدن پر سبزے کی مانند سینکڑوں زبانیں اگ پڑیں تو بھی میں اس کے لطف کا شکر کب ادا کر سکتا ہوں؟

اگرچہ اس قسم کے حالات کا اظہار جرأت و گستاخی کے وہم میں ڈالنے والا ہے اور فخر و تفاخرات کی خبر دینے والا ہے:

ولے چون شہ مرا برداشت از خاک سزد گر بگور انم سر ز افلاک

یعنی: جب بادشاہ نے مجھے خاک سے اٹھایا ہے تو پھر میں (اپنا) سر آسمان سے اونچا کروں تو بھی (مجھے) زیب دیتا

ہے۔

صحو و بقا کے عالم کا آغاز ربیع الآخر کے اخیر سے ہوا ہے اور اب تک خاص بقا کے ساتھ ہر ایک مدت میں مشرف فرماتے ہیں۔ ابتدا حضرت شیخ محی الدین قدس سرہ کی تجلی ذاتی سے ہوئی ہے۔ صحو میں لاتے ہیں (اور) پھر سکر میں لے جاتے ہیں۔ عروج و نزول میں نادر علوم اور عجیب معارف کا فیض عطا فرماتے ہیں اور ہر مرتبہ میں خاص احسان و شہود سے، جو اس مقام کی بقا کے مناسب ہے، مشرف فرماتے ہیں۔

رمضان کے مبارک مہینے کی چھٹی تاریخ کو ایک ایسی بقا سے مشرف فرمایا اور ایک ایسا احسان میسر ہوا کہ (فقیر) کیا عرض کرے۔ فقیر سمجھتا ہے کہ استعداد کی نہایت اسی جگہ تک ہے اور جو وصل حال کے مناسب ہے، وہ بھی اسی جگہ میسر ہوا۔ جذبہ کی جہت اب مکمل ہوئی اور سیر فی اللہ، جو مقام جذبہ کے مناسب ہے، کا آغاز واقع ہوا۔ جس قدر فنا تم (کامل تر) ہوگی، اُسی قدر کامل ترین بقا اس پر مرتب ہوگی۔ اور جتنی بقا کامل ترین ہوگی، (اتنا) صحو بیشتر ہوگا، (اتنا ہی) علوم کا فیض نورانی شریعت (قانون ربانی) کے مطابق پہنچے گا، کیونکہ کمال صحو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے تھا اور جو معارف ان سے ظاہر ہوئے ہیں، وہ شرائع (اسلامی قانون) ہیں اور جو عقائد ذات و صفات (کے بارے) میں بیان فرمائے ہیں اور ان کے ظاہر کی مخالفت بقیہ سکر میں سے ہے۔ اب جو معارف اس کمینہ پر فائز ہیں (وہ) اکثر شرعی معارف کی تفصیل اور ان کا بیان ہیں۔ استدلالی علم کشفی و ضروری بن جاتا ہے اور مختصر (علم) مفصل ہو جاتا ہے:

ع
گر بگویم شرح این بیحد شود^(۱)

یعنی: اگر میں اس کی شرح بیان کروں تو وہ بہت زیادہ ہو جائے گی۔

میں ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ انجام گستاخی تک جا پہنچے:

ع
بندہ باید کہ حدّ خود داند

یعنی: بندے کو اپنی حد پہنچانی چاہیے۔

مکتوب نمبر (۳)

دوستوں کے ایک خاص مقام میں رک جانے اور بعض کا اس سے گزر کر تجلی ذاتی کے مقام میں پہنچنے کے بیان میں۔ یہ

بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کو تحریر فرمایا۔

عریضہ: گزارش یہ (ہے) کہ جو دوست یہاں ہیں اور اسی طرح وہاں کے دوست، ہر کوئی ایک خاص مقام میں رکا ہوا ہے۔ انہیں ان مقامات سے نکالنے کا طریقہ مشکل ہے۔ اتنی قدرت جو اس مقام کے مناسب ہے، (فقیر) خود میں نہیں پاتا، حق سبحانہ، حضرت اقدس کی بلند توجہات سے ترقی بخشنے۔

اس فقیر کے عزیزوں میں سے ایک شخص اس مقام سے گزرا (ہے) اور تجلیات ذاتی کے مقدمہ (آغاز) تک پہنچ گیا (ہے)۔ اس کا حال بہت خوب ہے، حقیر کے قدم پر قدم رکھتا ہے اور دوسروں کے بارے میں بھی امیدوار ہے۔ دوسرے وہاں کے بعض دوست مقربین کے طریقہ سے مناسبت نہیں رکھتے۔ ان کے حال کے مطابق ابراہار کا طریقہ ہے۔ مختصر یہ کہ جو یقین انہوں نے حاصل کیا ہے، وہ بھی غنیمت ہے، اسی طریقہ سے حکم فرمانا چاہیے:

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

یعنی: ہر شخص کو ایک کام کے لیے بنایا گیا ہے۔

ان (دوستوں) کے نام کی تفصیل (لکھنے) میں جرأت نہیں کی، کیونکہ وہ حضرت اقدس سے پوشیدہ نہیں ہوں گے، (لہذا) زیادہ گستاخی نہیں کی۔

عریضہ لکھنے کے روز میر سید شاہ حسین نے اپنی مشغولی (مراقبہ) میں یوں دیکھا ہے کہ گویا ایک بڑے دروازے پر پہنچے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (یہ) دروازہ حیرت ہے، جب اس کے اندر دیکھتا ہوں تو وہاں حضرت اقدس (خواجه باقی باللہ قدس سرہ) اور آپ (حضرت مجدد قدس سرہ) کو پاتا ہوں، ہر چند میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کو اندر کر لوں، (لیکن) میرے پاؤں ساتھ نہیں دیتے۔

مکتوب نمبر (۴)

بڑی شان والے مہینے رمضان کے فضائل کے بیان میں اور حقیقت محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں۔ یہ

بھی اپنے پر بزرگوار (حضرت خواجه باقی باللہ قدس سرہ) کو تحریر فرمایا۔

عریضہ: خادموں میں سے احقر کی گزارش یہ ہے کہ ایک عرصہ ہوا کہ (فقیر) مکتوب شریف کے ذریعے اس آستانہ عالیہ کے خدام کے حالات سے کوئی اطلاع نہیں رکھتا اور وہ فکر مند رہتا ہے۔ رمضان کے مبارک مہینے کی آمد مبارک ہو۔ اس مہینے کو قرآن مجید کے ساتھ جو کہ تمام ذاتی و شیونی کمالات کا جامع ہے اور (اس) دائرہ اصل میں داخل ہے، جس میں کسی ظلیت نے راستہ نہیں پایا ہے اور قابلیت اولیٰ (یعنی حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ظل ہے، کامل مناسبت (حاصل) ہے اور اسی مناسبت کی بدولت اس کا نزول اس مہینے میں ہوا ہے۔ شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ. (یعنی: رمضان المبارک کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ سورۃ البقرہ، ۱۸۵) اس بات کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اس مناسبت سے یہ مہینہ بھی تمام خیرات و برکات کا جامع ہے۔ ہر برکت و خیر جو تمام سال میں، جس شخص کو بھی پہنچتی ہے، جس راستے سے بھی آتی ہے، وہ اس بڑی شان والے مہینے کی بے نہایت برکات کے دریا کا ایک قطرہ (ہوتی) ہے۔ اس مہینے کی جمعیت سارے سال کی جمعیت ہے اور اس مہینے کا تفرقہ سال بھر کے تفرقہ کا سبب ہے۔ فَطُوبَى لِمَنْ مَضَى عَلَيْهِ هَذَا الشَّهْرُ الْمُبَارَكُ وَرَضِيَ عَنْهُ

وَوَيْلٌ لِّمَنِ سَخِطَ عَلَيْهِ فَمُنِعَ مِنَ الْبَرَكَاتِ وَحُرِّمَ مِنَ الْخَيْرَاتِ. یعنی: پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس پر یہ مہینہ آیا اور وہ اس سے خوش رہا اور خرابی ہے اُس آدمی کے لیے جس پر یہ ناراض گیا۔ پس اس پر اس کی برکات روک دی گئیں اور وہ اس کی خیرات سے محروم رہا۔

نیز اس مہینے میں ختم قرآن کی سنت بھی اسی واسطہ سے ہو سکتی ہے، تاکہ تمام اصلی کمالات اور ظلی برکات میسر آئیں۔ فَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا يُرْجَى أَنْ لَا يُحْرَمَ مِنْ بَرَكَاتِهِ وَلَا يُمْنَعُ مِنْ خَيْرَاتِهِ. یعنی: پس جس شخص نے ان دونوں کو اکٹھا کیا، امید ہے کہ وہ اس مہینے کی خیرات سے محروم نہیں رہے گا۔

جو برکات اس مہینے کے دنوں سے وابستہ ہیں، وہ دوسری ہیں اور جو خیرات اس کی راتوں سے تعلق رکھتی ہیں، وہ اور ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ (روزہ کے) افطار میں جلدی کرنے اور سحری میں تاخیر کرنے کا حکم اس لیے ہوا ہو تاکہ دونوں اوقات کے دوران پوری طرح امتیاز حاصل ہو جائے۔

قابلیت اولیٰ جو اوپر مذکور ہوئی اور جس سے مراد حقیقت محمدی علی مظهرها الصلوٰۃ والتسليمات (اس کے مظهر پر درود و سلام ہو) ہے، وہ ذات کی قابلیت تمام صفات کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، جس طرح کہ بعض (صوفیہ) نے حکم کیا ہے، بلکہ ذات عز سلطانہ کی قابلیت اس علم کے اعتبار سے ہے، جو ان تمام ذاتی و شیونی کمالات سے تعلق رکھتی ہے، جو قرآن مجید کی حقیقت کا حاصل ہیں۔ قابلیت اوصاف جو خانہ صفات کے مناسب ہے اور اللہ جل شانہ کی ذات اور اس کی صفات کے درمیان برزخ (کی مانند) ہے، وہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسليمات والتحيات کے حقائق ہیں۔ یہی قابلیت ان اعتبارات (کی رُو سے) جو اس میں مندرج ہیں، متعدد حقائق بن گئی (ہے)۔ جو قابلیت حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والتحيات ہے، وہ اگرچہ ظلیت رکھتی ہے، لیکن صفات کا رنگ اس سے ملا ہوا نہیں ہے اور کوئی رکاوٹ درمیان میں نہیں آئی ہے۔ محمدی المشرّب جماعت کے حقائق اس علم کے اعتبار سے جو بعض ان کمالات کے متعلق ہوتا ہے، ذات (حق) عز شانہ کی قابلیتیں ہیں۔ وہ قابلیت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ذات (حق) جل سلطانہ اور ان متعدد قابلیتوں کے درمیان برزخ (کی مانند) ہے اور ان بعض کا حکم اس واسطہ سے ہے کہ اس (حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی قدم گاہ صرف خانہ صفات میں ہے اور اس خانہ کے عروج کی نہایت اس قابلیت تک ہے۔ مسلمہ طور پر اس کو آنسو و علیہ الصلوٰۃ والسلام و اختیہ کی جانب منسوب کیا ہے۔ چونکہ یہ اتصاف کی قابلیت ہرگز دور نہیں ہوتی اور ان بعض نے نیز کہا ہے کہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ حائل ہے، ورنہ قابلیت محمدیہ علی مظهرها الصلوٰۃ والتحيات کے لیے جو ذات (حق) جل شانہ میں مجرد اعتبار ہے، نظر سے دور ہونا ممکن ہے، بلکہ واقع ہے۔ اتصاف کی قابلیت اگرچہ نیز اعتباری ہے، لیکن برزخیت کی وجہ سے اس نے صفات کا رنگ پایا ہے، جو وجود زائد کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور اس کا دور ہونا ناممکن ہو گیا (جس کی بنا پر) یقیناً اس وجود کے ہمیشہ حائل ہونے کا حکم کرتے ہیں۔

ان علوم کی مثالیں، جن کا منشا اصالت و ظلیت کی جمعیت ہے، بہت (زیادہ) وارد ہوتی ہیں۔ ان میں اکثر کاغذ کے پرزوں پر لکھی جاتی ہیں۔ مقام قطبیت ظلی مقام کے علوم کے دقائق کا منشا ہے اور مقام فردیت دائرہ اصل کے معارف وارد

ہونے کا وسیلہ ہے۔ ظلِ واصل کے درمیان تمیز کرنا ان دو دولتوں کے اجتماع (جمع ہونے) کے بغیر میسر نہیں ہے۔ لہذا بعض مشائخِ قابلیتِ اولیٰ کو، جسے تعینِ اول کہتے ہیں، ذات سے زائد نہیں جانتے اور تجلی ذاتی کو اس شہود کی قابلیت سمجھتے ہیں۔ وَالْحَقُّ مَا حَقَّقْتُ وَالْأَمْرُ مَا أَوْصَحْتُ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ.

یعنی: اس بارے میں حق وہ ہے، جو میں نے تحقیق کی ہے اور صحیح امر وہ ہے، جس کو میں نے واضح کیا ہے اور اللہ پاک حق کو ظاہر فرماتا ہے اور وہی راہِ ہدایت دکھاتا ہے۔

جس رسالہ کے لکھنے کے لیے (فقیر) مامور ہوا تھا، اس کی تکمیل میں کامیاب نہیں ہو رہا اور وہی تحریریں پڑی ہیں، دیکھیں اس توقف میں میرے اللہ جلِ سلطانہ کی حکمت کیا ہوتی ہے۔ زیادہ گستاخی ادب سے دور ہے۔

مکتوب نمبر (۵)

خواجہ برہان الدین، جو مخلص دوستوں میں تھے، کی سفارش میں۔ ان کے بعض حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کو تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: خادموں میں سے احقر کی گزارش یہ ہے کہ (ایک) رسالہ حضراتِ خواجگانِ قدس اللہ تعالیٰ اسرارِ ہم کی طریقت کے بیان میں لکھ کر بھیجا گیا ہے، نظر مبارک میں آئے گا۔ (وہ) ابھی مسودہ ہے۔ خواجہ برہان الدین جلدی میں روانہ ہوئے (لہذا) اس کی نقل (کرنے) کی فرصت نہ ملی۔

ممکن ہے کہ بعض دوسرے علوم بھی اس کے ساتھ ملائے جائیں، ایک روز رسالہ سلسلۃ الاحرار^(۱) نظر سے گزرا۔ اسی اثناء میں دل ناتواں میں خیال آیا کہ حضرت اقدس سے درخواست کروں کہ آپ خود اس رسالہ کے علوم کے ضمن میں کچھ تحریر فرمائیں، یا فقیر کو حکم فرمائیں تاکہ وہ اس بارے میں کچھ لکھے۔ یہ خیال بہت پختہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس مسودہ کے بعض علوم کا فیض نصیب ہوا۔ مختصر یہ کہ معذرت کے ساتھ اس رسالہ (سلسلۃ الاحرار) کے بعض علوم اس مسودہ کے ضمن میں بیان کیے گئے ہیں۔ اگر آپ اسی مسودہ کو اس رسالہ کا تکملہ بنائیں تو گنجائش ہے۔ اور اگر بعض مناسب علوم کو اس سے منتخب فرما کر اس رسالہ (سلسلۃ الاحرار) کے ساتھ ملا دیں تو بھی موزوں ہے۔ (اس سے) زیادہ جرأت (کرنا) ادب سے دور ہے۔

خواجہ برہان (الدین) نے اس عرصہ میں خوب کام کیا ہے اور تیسری سیر جو مقامِ جذبہ کے مناسب ہے، سے بھی ایک نصیب پایا ہے۔ (ان کا) دل صوبہ مالوہ کی بھاری مدد معاش کی بنا پر پریشان رہتا تھا، (لہذا) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ جو بھی حکم فرمائیں گے، وہی مبارک ہوگا۔

مکتوب نمبر (۶)

جذبہ و سلوک کے حاصل ہونے کے بیان میں، جمال و جلال کی دونوں صفات کے تربیت پانے اور فنا و بقا اور جو کچھ اُن سے متعلق ہے، کے بیان میں اور نسبتِ نقشبندیہ کی فوقیت کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کو تحریر فرمایا۔

عریضہ: سب سے عاجز بندہ احمد گزارش کرتا ہے کہ مرشدِ مطلق جل شانہ نے آپ کی توجہ عالی کی برکت سے جذبہ و

سلوک کے دونوں طریقوں سے تربیت فرمائی اور جمال و جلال کی دونوں صفات سے پرورش فرمائی۔ اب جمال عین جلال ہے اور جلال عین جمال۔

رسالہ قدسیہ کے بعض حواشی میں اس عبارت کو ظاہری مفہوم سے پھیر کر اپنے وہمی مفہوم پر حمل کیا گیا ہے اور (جبکہ) عبارت اپنے ظاہر پر محمول ہے، انحراف اور تاویل کے لائق نہیں ہے۔ اس تربیت کی علامت محبت ذاتی سے متحقق ہونا ہے، اس تحقق سے پہلے یہ ممکن نہیں ہے۔ محبت ذاتیہ فنا کی علامت ہے اور فنا سے مراد ماسویٰ (اللہ) کی فراموشی ہے۔ پس جب تک علوم پوری طرح سینہ کے میدان سے نکل نہ جائیں اور جہل مطلق سے متحقق نہ ہو جائے، (ساک) فنا سے کوئی حصہ نہیں رکھتا۔ یہ حیرت و جہل دائمی ہے، جو زوال کا امکان نہیں رکھتا، ایسا نہیں ہے کہ کبھی حاصل ہو جائے اور کبھی زائل ہو جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ (مقام) بقا سے پہلے جہالت محض ہے اور بقا کے بعد جہالت اور علم (دونوں) اکٹھے ہیں۔ (ساک) عین نادانی (کی حالت) میں شعور میں ہے اور عین حیرت میں حضور میں ہے، کیونکہ یہ حق البقیں کا مقام ہے، جس میں علم اور عین ایک دوسرے کے لیے جاب نہیں ہیں۔ جو علم اس طرح کی جہالت سے پہلے حاصل ہوتا ہے، وہ اعتبار کے احاطہ سے خارج ہے۔ اس (حالت) کے باوجود اگر علم ہے تو اپنے آپ میں ہے اور اگر شہود ہے تو (وہ) بھی اپنے آپ میں ہے اور معرفت ہے یا حیرت تو وہ بھی اپنے آپ میں ہے۔ جس وقت تک کہ نظر باہر میں ہے، وہ بے حاصل ہے، اگرچہ اپنے آپ میں بھی نظر رکھتا ہو۔ نظر باہر سے بالکل منقطع ہونی چاہیے۔

حضرت خواجہ بزرگ (بہاء الدین نقشبند) قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں، وہ اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں، اپنے آپ میں پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود (ہی) میں ہے۔ یہاں سے بھی واضح طور پر سمجھ آتا ہے کہ شہود، معرفت اور حیرت صرف اپنے نفس (ہی) میں ہے اور ان میں سے کوئی (بھی) باہر نہیں ہے۔ جس وقت تک کہ ان تینوں میں سے ایک (بھی) باہر ہے، خواہ اپنے آپ میں رکھتا ہو، اسے فنا سے کچھ حاصل نہیں۔ پس وہ بقا کیسے حاصل کرے گا؟ فنا و بقا میں مرتبہ کی نہایت یہی ہے اور یہ فنا مطلق ہے اور مطلق فنا عام ہے اور بقا فنا کے اندازہ کے مطابق ہے، لہذا بعض اہل اللہ فنا و بقا کے ساتھ متحقق ہونے کے بعد باہر میں بھی شہود رکھتے ہیں۔ لیکن ان عزیزوں (حضرات نقشبندیہ) کی نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے:

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند^(۱)

یعنی: یہ نہیں ہے کہ جس کے پاس آئینہ ہو وہ سکندری جانتا ہے، اور نہ ہی یہ ہے کہ جو سر منڈالے وہ قلندری جانتا ہے۔ جب اس سلسلہ کے اکابرین میں سے کئی صدیوں کے بعد ایک یا دو کو اس نسبت سے مشرف فرماتے ہیں تو دوسرے سلسلوں کے بارے میں (فقیر) کیا بیان کرے؟ یہ نسبت حضرت خواجہ عبدالحق عجمیؒ کی ہے اور اس کو پورا کرنے والے اور کامل کرنے والے حضرت خواجہ خواجگان یعنی حضرت خواجہ بہاء الدین المعروف بہ نقشبند قدس سرہم ہیں اور آپ کے خلفاء میں سے حضرت خواجہ علاء الدین عطار (قدس سرہ) اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں:

ع ایں کار دولت ست اکنوں تا کرا دہند

یعنی: یہ کام دولت کا ہے، دیکھئے اب کسے دیتے ہیں۔

ایک عجیب کام ہے کہ پہلے جو بلا اور مصیبت بھی آتی تھی، وہ سرور اور راحت کا سبب بنتی تھی اور (فقیر) ہلّ مِنْ مِّنْ یَّدِ (یعنی: کچھ اور بھی ہے۔ سورہ ق، ۳۰) کہتا تھا اور دنیاوی چیزوں میں سے جو بھی کم ہو جاتی تھی، اچھا لگتا تھا اور (فقیر) اسی قسم کی آرزو کرتا تھا۔ اب جب عالم اسباب میں لایا گیا اور اپنی عاجزی اور محتاجی پر نظر پڑی، اگر ذرا سا کوئی نقصان ہوتا ہے تو پہلی ہی مرتبہ ایک قسم کا غم پیدا ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر (فقیر پہلے) بلا اور مصیبت کے دفع ہونے کے لیے دعا کرتا تھا تو اس کا مقصد اس کی دوری نہیں ہوتا تھا، بلکہ اذْغُوْنِی (یعنی: تم مجھ سے دعا کرو۔ سورہ مومن، ۶۰) کے حکم (الہی) کی تابعداری ہوتا تھا۔ اب دعا سے غرض آفتوں اور مصیبتوں کا خاتمہ (ہوتی) ہے۔ خوف و غم جو کہ زائل ہو گئے تھے، وہ دوبارہ لوٹ آئے ہیں اور معلوم ہوا کہ یہ (حالت) سکر کی وجہ تھی۔ صحو (حالت ہشیاری) میں عاجزی و محتاجی، خوف و حزن اور غم و خوشی جس طرح کہ عام لوگوں کو ہوتی ہے، اسی طرح اس (فقیر) کو بھی (لاحق) ہے۔ شروع میں بھی جب دعا سے غرض مصیبت کا خاتمہ نہیں تھی، دل کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ لیکن حال غالب تھا (لہذا) دل میں خیال آتا تھا کہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی دعا اس طرح کی نہیں تھی کہ جس سے وہ اپنی مراد چاہتے ہوں۔ اب جبکہ (فقیر کو) اس حالت سے مشرف فرمایا گیا ہے اور کام (معاملہ) کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں عاجزی و محتاجی اور خوف و غم کی وجہ سے تھیں، محض حکم (الہی) کی تعمیل کے لیے نہ تھیں۔ بعض امور جو ظاہر ہوتے رہتے ہیں، حسب حکم (یہ فقیر) کبھی کبھی ان کے عرض کرنے کی گستاخی کرتا ہے۔

مکتوب نمبر (۷)

اپنے بعض عجیب حالات (اور) ان سے متعلق بعض ضروری سوالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کو تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: سب سے عاجز بندہ احمد یہ گزارش کرتا ہے کہ جو مقام عرش سے اوپر ہے، اپنی روح کو عروج کے طریقہ سے وہاں پاتا تھا اور وہ مقام حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ نقشبند) قدس اللہ سرہ الاقدس سے مخصوص تھا۔ ایک مدت کے بعد (فقیر نے) اپنے بدن عنصری کو بھی اس مقام میں پایا اور اس وقت یوں خیال آیا کہ یہ عالم کامل طور پر غصریات و فلکیات سے نیچے چلا گیا اور اس کا کوئی نام و نشان نہیں رہا اور اس مقام میں کبار اولیاء میں سے بعض کے سوا کوئی نہیں تھا۔ جب (فقیر) تمام عالم کو اپنے ساتھ ایک جگہ اور ایک مقام میں شریک پاتا ہے تو حیرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ کامل اجنبیت (بیگانگی) کے باوجود اپنے آپ کو ان کے ساتھ دیکھتا ہے۔ غرض کہ وہ حالت جو کبھی کبھی حاصل ہوتی تھی، جس میں (فقیر) نہ خود رہتا تھا اور نہ عالم اور نہ کوئی چیز نظر میں آتی تھی اور نہ علم میں۔ اب وہ حالت دائمی (ہو گئی) ہے اور خلقت عالم کا وجود دیکھنے اور جاننے سے (باہر) نکل گیا ہے۔

اس کے بعد اسی مقام میں ایک بلند مقام ظاہر ہوا، جہاں سیڑھی رکھی گئی تھی۔ (فقیر) اس پر جا پہنچا اور وہ مقام بھی عالم کی طرح آہستہ آہستہ نیچے چلا گیا اور (فقیر) لحظہ بہ لحظہ خود کو اوپر چڑھتا ہوا پاتا تھا۔ اتفاق سے (فقیر) نماز تحیۃ الوضوء ادا کر رہا

تھا کہ ایک بلند مرتبہ مقام ظاہر ہوا اور اس نے نقشبندیہ اکابر قدس اللہ اسرارہم سے چار بزرگوں کو اس مقام میں پایا اور سید الطائفہ (جنید بغدادی قدس سرہ) وغیرہ جیسے بعض دوسرے مشائخ بھی وہاں تھے اور بعض دوسرے مشائخ (قدس اللہ اسرارہم) میں سے اس مقام کے اوپر تھے، لیکن وہ اس کے پائیوں کو پکڑ کر بیٹھے تھے۔ نیز بعض (حضرات) نیچے اپنے اپنے درجات کے مطابق (موجود) تھے اور (فقیر نے) خود کو اس مقام سے بہت دور پایا، بلکہ (اس سے) کچھ مناسبت بھی نہ دیکھی۔ اس واقعہ سے نہایت بیقراری پیدا ہوئی۔ قریب تھا کہ (فقیر) دیوانہ ہو کر (باہر) نکل آتا اور غم و غصہ کی زیادتی سے جسم (روح سے) خالی کر لیتا۔ کچھ وقت یہی حالت رہی۔ آخر حضرت اقدس کی بلند توجہات سے (فقیر نے) خود کو اس مقام کے مناسب دیکھا۔ اول اپنے سر کو اس مقام کے بالمقابل پایا۔ (فقیر) آہستہ آہستہ گیا اور اس مقام کے اوپر بیٹھ رہا۔ توجہ کے بعد دل میں خیال آیا کہ یہ مقام کامل تکمیل کا مقام ہے، جس میں سلوک مکمل کرنے کے بعد (سالکین) پہنچتے ہیں۔ سلوک مکمل نہ کرنے والے مجذوب کو اس مقام سے کچھ حصہ حاصل نہیں ہے۔ نیز اس وقت اس طرح خیال پیدا ہوا کہ اس مقام پر پہنچنا اس واقعہ کے نتائج میں سے ہے جو حضرت اقدس کی خدمت میں (رہتے ہوئے) دیکھا تھا اور (آپ کی خدمت میں) عرض کیا تھا کہ حضرت امیر (علی بن ابی طالب) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں آیا ہوں، تاکہ تجھے آسمانوں کا علم سکھاؤں الخ۔ جب (فقیر نے) اچھی طرح توجہ کی تو اس مقام کو تمام خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مخصوص پایا۔ واللہ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ۔ یعنی: اور اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے۔

دوسرا اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ برے اخلاق لمحہ بہ لمحہ نکلتے جاتے ہیں۔ بعض دھاگے کی مانند وجود سے نکل رہے ہیں اور کبھی دھوئیں کی صورت میں باہر نکلتے ہیں۔ بعض اوقات خیال پیدا ہوتا ہے کہ سب نکل گئے ہیں۔ دوسرے وقت میں کوئی اور چیز ظاہر ہوتی ہے اور باہر نکلتی ہے۔

(فقیر) دوسری عرض کرتا ہے کہ بعض بیماریوں اور سختیوں کو دفع کرنے کے لیے توجہ (کرنا) آیا اس (چیز) سے مشروط ہے کہ اول معلوم کیا جائے کہ اس میں حق سبحانہ کی رضامندی ہے یا نہیں؟ یا (یہ توجہ کرنا اس سے) مشروط نہیں ہے؟ رشتات^(۱) کی عبارت سے جو کچھ ظاہر ہے، وہ حضرت خواجہ (عبید اللہ احرار) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے منقول ہے، (اس سے) مفہوم ہوتا ہے کہ (توجہ مذکور مشروط) نہیں ہے۔ اس بارے میں (آپ) جس چیز کا حکم فرمائیں۔ (کیونکہ) اس کے باوجود توجہ کرنا اچھا نہیں لگتا۔

(فقیر) تیسری عرض کرتا ہے کہ حضور ثابت ہو جانے کے بعد طالبین کو ذکر سے روکنا اور حضور کی نگاہداشت (حفاظت) کا حکم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ حضور کا کونسا مرتبہ ہے کہ جس میں ذکر نہیں کرتے؟ لیکن بعض (ایسے) ہیں کہ وہ اول سے آخر تک ذکر کہتے ہیں اور وہ ذکر سے بالکل نہیں رکے ہیں اور انہوں نے اپنا کام نہایت کے قریب پہنچایا ہے۔ حقیقت حال کیا ہے؟ جس کا بھی حکم فرمائیں۔

(فقیر) چوتھی عرض کرتا ہے کہ حضرت خواجہ (عبید اللہ احرار قدس سرہ) فقرات (ملفوظات) میں فرماتے ہیں: ”آخر میں ذکر کا حکم کرتے ہیں، کیونکہ بعض مقاصد ایسے ہیں جو اس کے بغیر میسر نہیں آتے۔“ (آپ) ان مقاصد کا تعین فرمائیں۔

(فقیر) خدمتِ اقدس میں پانچویں عرض کرتا ہے کہ بعض طالبین طریقت کی تعلیم کے طلب کا اظہار کرتے ہیں، لیکن لقمہ میں احتیاط نہیں کر سکتے۔ بے احتیاطی کے باوجود وہ حضور اور ایک قسم کا استغراق پیدا کر لیتے ہیں۔ اگر لقمہ (کے بارے) میں تاکید کی جائے تو وہ طلب کی سستی (کی وجہ) سے (طریقہ کو) بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بعض دوسرے ہیں جو صرف ارادہ کے طریقہ سے اس سلسلہ شریفہ سے وابستہ ہونا چاہتے ہیں، بغیر اس کہ وہ ذکر کی تعلیم طلب کریں۔ اس طرح کی وابستگی بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر روا ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ زیادہ گستاخی کرنا سخت بے ادبی ہے۔

مکتوب نمبر (۸)

ان حالات کے بیان میں جو محو و بقا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔

عریضہ: سب سے عاجز بندہ احمد یہ عرض کرتا ہے کہ جب سے (فقیر کو) صحو (ہشیاری) میں لائے ہیں اور بقا بخشی ہے، اس وقت سے عجیب علوم، غیر متعارف نادر معارف مسلسل اور لگاتار فائز اور وارد (ہو رہے) ہیں۔ ان میں اکثر صوفیہ کے بیان اور ان کی رائج اصطلاح سے موافقت نہیں رکھتے۔ انہوں نے مسئلہ وحدت الوجود اور اس کے متعلقات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، شروع میں (فقیر کو) اس حال سے مشرف کیا گیا ہے اور وحدت کا مشاہدہ کثرت میں میسر آیا ہے۔ (فقیر کو) اس مقام سے (کئی) درجے اوپر لے گئے اور اس ضمن میں کئی قسم کے علوم کا افادہ فرمایا گیا۔ لیکن ان مقامات اور معارف کی تصدیق صوفیہ کے کلام میں واضح طور پر نہیں پائی جاتی۔ ان میں سے بعض بزرگوں کے کلام شریف میں مختصر طور پر اشارات اور رموز (ملنے) ہیں۔ لیکن ان علوم کی صحت پر ظاہر شریعت کی موافقت اور اہل سنت کے علماء کا اجماع عادل گواہ ہے، وہ کسی چیز میں بھی نورانی شریعت کے ظاہر کی مخالفت نہیں رکھتے اور حکماء (فلسفیوں) اور ان کے عقلی اصولوں کے ساتھ کوئی موافقت نہیں رکھتے، بلکہ علمائے اسلام میں سے جو گروہ اہل سنت کے ساتھ مخالفت رکھتا ہے، وہ ان کے اصول سے بھی موافق نہیں ہیں۔

استطاعت مع الفعل (کا مسئلہ) منکشف ہو گیا ہے۔ فعل سے پہلے (انسان) کچھ قدرت نہیں رکھتا۔ فعل کے ساتھ ہی قدرت بخشتے ہیں اور اسباب و اعضاء کی سلامتی پر تکلیف دیتے ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت کے علماء نے ثابت کیا ہے۔ اس مقام میں (فقیر) خود کو حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کے قدم پر پاتا ہے۔ آپ اسی مقام میں ہوئے ہیں۔ حضرت خواجہ علاء الدین (عطار قدس سرہ) کو بھی اس مقام سے ایک حصہ حاصل ہے۔ اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں میں سے حضرت خواجہ عبدالخالق (غجدوانی) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس، اور ان سے پہلے کے مشائخ میں سے حضرت خواجہ معروف کرخی، (حضرت) امام داؤد طائی، (حضرت) حسن بصری اور (حضرت) حبیب بنی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس (اسی مقام میں تھے)۔ ان تمام (مقامات و معارف) کا حاصل بعد و بیگانگی (دوری و اجنبیت) کا کمال ہے۔ کام علاج سے گزر چکا ہے، جب تک حجابات (پردے) لٹکے ہوئے تھے (اس وقت تک) ان کے ہٹانے کی سعی و اہتمام کی گنجائش تھی، اب اس کی بزرگی (جلال) اس کا حجاب ہے:

فَلَا طَيْبَ لَهَا وَلَا رَاقِي

ع

یعنی: کوئی اس کا طبیب نہیں اور نہ ہی (کوئی ایسا) جادوگر ہے۔

مگر انہوں نے بیگانگی (اجنبیت) اور بے مناسبتی کے کمال کا نام وصل و اتصال رکھا ہے۔ ہائے افسوس! ہائے افسوس! یوسف زلیخا^(۱) کا یہ شعر حال کے مطابق ہے:

در افکنده دف این آوازہ از دوست کزو بر دست دف کوباں بود پوست

یعنی: دف سے دوست کی یہ آواز آرہی ہے مگر اس دوست کی طرف سے دف بجانے والوں کے ہاتھ میں کھال (کے سوا کچھ نہیں) ہے۔

شہود (مشاہدہ) کہاں ہے؟ اور شاہد کون ہے اور مشہود کیا ہے؟

ع خلق را روئے کے نماید او

یعنی: وہ خلقت کو دیدار کب کراتا ہے؟

ع مَا لِلْثَّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو پروردگارِ عالم سے کیا نسبت ہے۔

(فقیر) خود کو قدرت نہ رکھنے والا بندہ مخلوق سمجھتا ہے اور اسی طرح سارے جہان کو (غیر قادر مخلوق جانتا ہے) اور خالق

اور قادر حق عزوجل کو سمجھتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نسبت ثابت نہیں کرتا، اپنے عین اور آئینہ ہونے کا دعویٰ کہاں؟

ع در کدام آئینہ در آید او

یعنی: کون سے آئینہ میں وہ سا سکتا ہے؟

اہل سنت و جماعت کے علمائے ظاہر اگرچہ بعض اعمال میں تقصیر کرنے والے ہیں، لیکن ذات و صفات (الہی) میں ان کے عقائد کی درستی کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی اس کے مقابلے میں ضعیف اور ناچیز دکھائی دیتی ہے۔ بعض صوفیہ باوجود ریاضتوں اور مجاہدوں کے چونکہ ذات و صفات (الہی) میں اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے (لہذا) وہ جمال ان میں نہیں پایا جاتا۔

(فقیر کو) علماء و طلبہ سے بہت محبت پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی روش بھلی لگتی ہے اور آرزو کرتا ہے کہ ان کی صف میں شامل ہو۔ تلویح^(۲) کے مقدماتِ اربعہ^(۳) کا ایک طالب علم کے ساتھ مباحثہ کرتا ہے۔ فقہ (کی کتاب) ہدایہ^(۴) کا مذاکرہ (تکرار) بھی ہوتا ہے اور معیت اور احاطہ علمی میں علماء کے ساتھ شریک ہے۔

اسی طرح (فقیر) حق سبحانہ کو نہ تو عالم کا عین جانتا ہے اور نہ عالم کے متصل، نہ منفصل اور نہ عالم کے ساتھ، نہ عالم سے جدا اور نہ (عالم کا) محیط اور نہ (عالم میں) ساری۔ (مخلوق کی) ذات و صفات اور افعال کو اس کی مخلوق سمجھتا ہے، نہ یہ کہ ان (مخلوق) کی صفات اس (اللہ تعالیٰ) کی صفات ہیں اور ان کے افعال اس کے افعال ہیں، بلکہ ان کے افعال میں اس کی قدرت کو موثر جانتا ہے، مخلوقات کی قدرت کی کوئی تاثیر نہیں سمجھتا، جس طرح کہ علمائے متکلمین کا مذہب ہے۔

ایسے ہی صفاتِ سبعہ^(۵) کو موجود جانتا ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کو صاحبِ ارادہ (ومختار) سمجھتا ہے۔ قدرت کو صحت فعل

اور ترک فعل کے معنوں میں یقینی طور پر خیال کرتا ہے۔ نہ ان معنی میں کہ: اگر چاہے تو کرے گا اور اگر نہیں چاہے گا تو نہ کرے گا۔ اس لیے کہ دوسرا جملہ شرطیہ ممتنع ہوگا۔ جیسا کہ فلاسفہ اور بعض صوفیہ نے کہا ہے۔ کیونکہ یہ بات ایجاب تک پہنچ جاتی ہے اور فلاسفہ کے اصول کے موافق ہے۔

(فقیر) مسئلہ قضا و قدر کو اہل سنت و جماعت کے علماء کے مطابق سمجھتا ہے۔ پس مالک کو (کامل) اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اپنی ملک میں تصرف کرے اور (مخلوق کی) قابلیت و استعداد کا کچھ دخل نہیں جانتا، کیونکہ (یہ بات بھی) ایجاب تک پہنچ جاتی ہے۔ وَهُوَ مُبْتَحَانُهُ مُخْتَارٌ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ. (سورۃ ہود، ۱۰۷) یعنی: اللہ سبحانہ مختار ہے، وہ جو کچھ چاہے اسے پورا کر سکتا ہے۔ اسی پر (دوسرے عقائد) بھی قیاس کیے جائیں۔ چونکہ حال کا عرض کرنا نہایت ضروری چیزوں میں سے ہے، اس بنا پر گستاخی کی جرأت کی ہے:

بندہ باید کہ حد خود داند

یعنی: بندے کو اپنی حد میں رہنا چاہیے۔

مکتوب نمبر (۹)

ان حالات کے بیان میں جو نیچے آنے کے مقام (نزول) سے مناسبت رکھتے ہیں۔ یہ بھی اپنے پر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔

عریضہ: یہ روسیاء، بد قسمت، بد خو گنہگار، اپنے وقت و حال پر مغرور اور وصل و کمال پر فریفتہ ہے، جس کا کام سراسر مولیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کا عمل سراسر عزیمت واولیٰ کا ترک کرنا ہے۔ جس نے مخلوق کی نظر گاہ (اپنے ظاہر) کو آراستہ اور حق تعالیٰ کے منظر (دل) کو خراب کر رکھا ہے۔ اس کی ہمت کا مقصد ظاہر آرائی ہے اور اس کا باطن اس وجہ سے ہمیشہ رسوائی میں ہے۔ اس کا قال (کلام) اس کے حال کے مخالف ہے اور اس کا حال اس کے خیال پر مبنی ہے۔ اس خواب و خیال سے کیا ہوتا ہے اور اس قال و حال سے کیا نکلتا ہے، (لہذا) بد نصیبی اور نقصان شامل حال ہے۔ بغاوت و گمراہی، ہتھیلی پر، وہ فساد و شرارت کا مبداء اور ظلم و معصیت کا منشاء ہے۔ مختصر یہ کہ وہ عیبوں کا مجسمہ اور گناہوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی نیکیاں لعنت و رد کے لائق اور اس کی بھلائیاں طعن و دفع کرنے کے قابل ہیں۔ رَبُّ قَارِئِ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ (یعنی: بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے) (۱) اس کے حق میں معتبر گواہ ہے۔ اور ”كَمْ مِّنْ صَّائِمٍ لَّيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَا وَالْجُوعُ“ (یعنی: بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کو پیاس و بھوک کے سوا اس سے کچھ نہیں ملتا) (۲) اس کے حق میں سچا گواہ ہے۔ پس ایسے شخص پر افسوس ہے، جس کا حال و مرتبہ اور کمال و درجہ ایسا ہو۔ اس کا استغفار کرنا سب گناہوں جیسا ہے، بلکہ ان سے بھی بڑا (گناہ ہے) اور اس کی توبہ سب معاصی کی مانند ہے، بلکہ ان سے بھی بری ہے۔ ”كُلُّ مَا يَفْعَلُهُ الْقَبِيحُ قَبِيحٌ“ (یعنی: برا آدمی جو کچھ کرتا ہے برا ہوتا ہے) اس بات کا مصداق ہے:

ز گندم جو ز جو گندم نیاید

یعنی: گندم سے جو اور جو سے گندم نہیں آگتی۔

اس کی بیماری ذاتی ہے، جو علاج کو قبول نہیں کرتی۔ اس کی دوا اصلی ہے اور وہ دوا کو قبول نہیں کرتا۔ جو چیز (کسی کی) ذاتی ہو، وہ اس کی ذات سے کبھی الگ نہیں ہوتی:

ع سیاہی از جنبشی کے رود کہ خود رنگ است

یعنی: جنبشی سے سیاہی کیسے دور ہو کہ وہ خود (اس کا) رنگ ہے۔

کیا کیا جائے؟ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ. (سورۃ النحل، ۳۳)

یعنی: اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

جی ہاں! خیر محض کے لیے شریر محض ہونا چاہیے، تاکہ خیر (بھلائی) کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔ وَبَصِذَهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ. یعنی: اور چیزیں اپنی ضدوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔ خیر و کمال مہیا تھا، (لہذا) شر و نقص بھی ہونا چاہیے تھا۔ حسن و جمال کو آئینہ درکار ہے اور آئینہ نہیں ہوتا مگر کسی چیز کے بالمقابل۔ پس یقیناً خیر کے لیے شر اور کمال کے لیے نقص آئینہ کی مانند ہے۔ پس جس چیز میں نقص و شرارت زیادہ ہوگی، اس میں خیر و کمال بھی نمایاں ہوگا۔

عجیب معاملہ ہے کہ اس ذم (برائی) نے مدح (ستائش) کے معنی پیدا کیے اور یہ شرارت و نقصان خیر و کمال کا محل بن گیا۔

پس یقیناً عبدیت کا مقام تمام مقامات سے بلند ہے، کیونکہ یہ معنی عبدیت کے مقام میں کامل اور مکمل طور پر ہیں۔ محبوبوں کو اس مقام سے مشرف فرماتے ہیں۔ محب شہود کے ذوق سے لذت پاتے ہیں۔ بندگی میں لذت پانا اور اس سے انس کرنا محبوبوں کے لیے مخصوص ہے۔ محبوبوں کا انس محبوب کے مشاہدہ سے ہے اور محبوبوں کا انس محبوب کی بندگی سے ہے۔ اس انس میں ان کو اس دولت (دید نقص) سے نوازتے ہیں اور اس نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

اس میدان کے تیز روشاہ سوار، دین و دنیا کے سردار، اولین و آخرین کے سید (اور) سب جہانوں کے پروردگار کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا (آپ پر کامل ترین درود اور مکمل ترین سلام ہو) ہیں اور جس شخص کو محض اپنے فضل سے اس دولت (دید قصور) سے نوازتے ہیں تو اس کو آنسو و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال درجے کی متابعت سے متحقق فرماتے ہیں اور اس وسیلہ سے اسے بلند درجہ پر لے جاتے ہیں۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ الحديد، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

شر و نقص کے کمال سے مراد (سالم کا) علم ذوقی ہے، نہ یہ کہ وہ شرارت و نقص سے متصف ہو۔ اس علم والا اللہ تعالیٰ شائے و تقدس کے اخلاق سے آراستہ ہے۔ یہ علم بھی اسی آراستگی کے ثمرات میں سے ہے، شرارت و نقص کو اس مقام میں کیا مجال؟ سوائے اس کے کہ علم اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہ علم کامل مشاہدہ کے واسطہ سے خیر محض ہے، جس کے پہلو میں وہ سب شر دکھائی دیتا ہے۔ یہ (معاملہ) نفس مطمئنہ کے اپنے مقام پر اتر آنے کے بعد (ہوتا) ہے۔

پس (سالم) جب تک اس طرح خود کو زمین پر نہ ڈالے اور اپنے کام (صوفیانہ اخلاق) کو اس درجہ پر نہ پہنچائے،

(اس وقت تک) اپنے مولیٰ جل شانہ کے کمال سے بے نصیب ہے۔ پس اس کا حال کیا ہوگا؟ جو خود کو عین مولا سمجھے اور اپنی صفات کو اس کی صفات خیال کرے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ غُلُوبًا كَبِيرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ کی ذات اس سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہ امر اسما و صفات میں الحاد و زندقہ ہے۔ اس عقیدہ والے لوگ (آیت کریمہ) وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ (یعنی: اور جو لوگ اللہ کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں، ان کو چھوڑ دو۔ سورۃ الاعراف، ۱۸۰) کے گروہ میں شامل ہیں۔ یہ نہیں کہ جس (سائل) کا جذبہ سلوک پر مقدم ہے، وہ محبوبوں میں سے ہے، لیکن محبوبیت (کے درجہ) میں جذبہ کا مقدم ہونا شرط ہے۔ جی ہاں! ہر جذبہ میں محبوبیت کے ایک قسم کے معنی ہوتے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر جذب (حاصل) نہیں ہوتا۔ یہ معنی عوارض سے پیدا ہوئے ہیں، ذاتی نہیں ہیں اور وہ ذاتی معنی اشیاء میں سے کسی شے کے ساتھ معلّل (وابستہ) نہیں ہیں۔ جس طرح کہ ہر منتہی کو آخر جذبہ میسر ہے، لیکن وہ محبوبوں کے زمرہ میں داخل ہے اور عارض کے واسطے سے محبوبیت کے معنی پیدا ہو گئے ہیں اور یہ اس کے حق میں کافی نہیں ہے۔ وہ عارض تزکیہ اور تصفیہ ہے۔ بعض مبتدیوں میں آنسو و رعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع خواہ بعض امور میں ہو، وہ مجمل طور پر اس معنی کے حاصل ہونے کا موجب ہوتی ہے، بلکہ منتہی میں بھی اتباع ہی ہے۔ محبوبوں میں بھی اس ذاتی فضلی معنی کا ظاہر ہونا آنسو و رعلیہ الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی اتباع سے وابستہ ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ ذاتی معنی بھی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی مناسبت کے واسطے سے ہیں۔ وہ اسم (الہی) جو اس (سائل) کا رب ہے اس خصوصیت کے حق میں اس اسم (الہی) کے مناسب واقع ہوا ہے، جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کا رب ہے اور اس (سائل) نے یہ سعادت وہاں سے حاصل کی ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَالْبَيِّنِ الْمَرْجِعِ وَالْمَأْتِ وَاللَّهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔ (دیکھئے: سورۃ الاحزاب، ۴) یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے اور اللہ تعالیٰ حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۰)

غیر مشہور معانی کی رو سے قرب و بعد اور وصل کے حاصل ہونے اور ان کے مناسب بعض علوم کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔
عریضہ: خادموں میں سے احقر عرض کرتا ہے کہ ایک مدت ہوئی ہے کہ اس بلند درگاہ کے خادموں کے حالات کی خبر نہیں رکھتا اور پریشان ہے:

عجی نیست اگر زندہ شود جان عزیز چوں ازاں یار جدا ماندہ پیامے برسد
یعنی: کیا عجیب نہیں ہے اگر میری جان عزیز زندہ ہو جائے، جب اس جدار ہنے والے محبوب کا ایک پیغام پہنچ جائے۔
(فقیر) جانتا ہے کہ (یہ) حضور کی دولت کے لائق نہیں ہے:

ع ایں بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

یعنی: یہی کافی ہے کہ دور سے مجھے گھنٹی کی آواز پہنچتی رہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ نہایت بعد کا نام قرب رکھا ہے اور نہایت فراق کو وصل کہا ہے۔ گویا حقیقت میں انہوں نے اس

کے ضمن میں قرب اور وصال کی نفی کی جانب اشارہ کیا ہے، شعر:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادٍ وَ دُونَهَا قُلُّ الْجَبَالِ وَ دُونَهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعاد (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہو؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔

پس یقیناً ابدی دکھ اور دائمی فکر دامن گیر ہو گیا۔ مراد کو بھی بالآخر مرید کے ارادہ پر مرید ہونا چاہیے اور محبوب کو محبت کی محبت پر محبت بننا چاہیے۔ دین و دنیا کے سردار آنحضرت علیہ من الصلوٰات اکملہا ومن التَّحِيَّاتِ أَفْضَلُهَا (آپ پر کامل ترین درود اور افضل ترین سلام ہو) مرادیت اور محبوبیت کے مقام (درجہ) کے باوجود مجہین میں سے ہوئے ہیں اور مریدین میں سے بنے ہیں۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال (مبارک) کے بارے میں یوں بتایا گیا ہے کہ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلُ الْحُزْنِ دَائِمُ الْفُكْرِ^(۱) یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین اور فکر مند رہتے تھے۔ آنسو اور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ”مَا أُودِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُودِيْتُ.“^(۲) یعنی: کسی نبی کو اس طرح نہیں ستایا گیا جس طرح کہ مجھے ستایا گیا۔

محبت محبت کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں، محبوبوں کے لیے اس بوجھ کا اٹھانا دشوار ہے۔ یہ قصہ انتہا نہیں رکھتا:

ع قِصَّةُ الْعِشْقِ لَا نِفْصَامَ لَهَا

یعنی: عشق کے قصہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

(اس) عریضہ کے حامل شیخ اللہ بخش جذب و محبت کی ایک قسم رکھتے ہیں۔ انہوں نے اصرار کر کے چند کلمے حضرت اقدس کے خادموں کی جانب لکھوائے ہیں۔ الغرض ملازمت (خدمت) کے شوق کا اظہار کر کے اس علاقے کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔

شروع میں انہوں نے اپنے بعض (اور) ارادے ظاہر کیے۔ جب اس ضمن میں فقیر کی عدم دلچسپی کو محسوس کیا تو صرف ملاقات پر راضی ہو کر چند باتیں لکھوائی ہیں۔ زیادہ گستاخی ادب سے دور ہے۔

مکتوب نمبر (۱۱)

بعض مکاشفات، اپنے دید قصور کے مقام کو پانے، اپنے تمام اعمال و اقوال میں خود کو تہمت زدہ جاننے اور (حضرت) شیخ ابوسعید ابوالخیر (قدس سرہ) کے کلام کا راز ظاہر ہونے کے بیان میں، جو انہوں نے فرمایا ہے: ”عین نہیں رہتا تو اثر کہاں رہے“۔ نیز بعض احباب کے حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔

عریضہ: سب سے عاجز بندہ احمد کی گزارش یہ ہے کہ وہ مقام جس میں (فقیر نے) خود کو پہلے دیکھا تھا، آپ کے عالی حکم کے مطابق جب پھر اس کا ملاحظہ کیا تو تینوں خلفاء^(۱) (راشدین) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عبور اس مقام میں نظر آیا۔ لیکن چونکہ اس جگہ (فقیر) اقامت اور قرار نہیں رکھتا تھا، لہذا پہلی بار (یہ حضرات گرامی) نظر نہ آئے۔ جس طرح کہ ائمہ اہل بیتؑ میں سے دو اماموں (حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین) اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

کے سوا (دوسرے ائمہ کرام) اس مقام میں قرار و ثبات نہیں رکھتے، لیکن (ان کا) عبور (گذر) اس مقام میں ہوا ہے۔ بڑی باریک نظر سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ جو (فقیر) اوّل خود کو اس مقام کے نامناسب دیکھتا تھا، (یہ) بے مناسبتی دو قسم کی ہے:

ایک یہ کہ طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے بے مناسبتی طاری ہو جاتی ہے اور جب اسے ایک راستہ دکھایا جاتا ہے تو وہ بے مناسبتی دور ہو جاتی ہے۔

دوسری بے مناسبتی مطلق ہے، جو کسی طرح بھی زوال کے قابل نہیں ہے۔ جو راستے اس مقام تک پہنچانے والے ہیں، وہ دو ہیں، جن کا تیسرا کوئی نہیں، یعنی ان دو راستوں کے علاوہ کوئی (اور) راستہ نظر میں ظاہر نہیں ہوتا۔

ایک (یعنی پہلا) نقص و قصور کا دیکھنا ہے اور اپنی نیوتوں کو تہمت زدہ رکھنا ہے، نیک کاموں میں قوت جذب کے ساتھ۔ دوسرا ایک مکمل (و) مجذوب شیخ جس نے سلوک کو پورا کر لیا ہو، کی صحبت (اختیار کرنا)۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت اقدس کی عنایت کے طفیل (فقیر کو) پہلا طریقہ استطاعت کے مطابق عطا فرمایا ہے۔ نیک اعمال میں سے کوئی عمل بھی وقوع میں نہیں آتا، مگر یہ کہ (فقیر) خود کو تہمت زدہ بناتا ہے، بلکہ جب تک (اپنے اوپر) کوئی تہمت لگانے لے (اس وقت تک فقیر) بے قرار اور بے آرام رہتا ہے۔ خود کو ایسے سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا عمل ہوتا ہی نہیں، جو دائیں طرف کے فرشتوں کے لکھنے کے قابل ہو اور سمجھتا ہے کہ دائیں طرف کا نامہ اعمال نیک اعمال سے خالی ہے اور اس کے لکھنے والے (کاتبین کرام) فارغ اور بیکار (بیٹھے) ہیں۔ (فقیر) خود حضرت (حق) جل و علا (کی درگاہ) کے لائق کیسے ہوگا؟ اور جو شخص بھی جہاں میں ہے، یہاں تک کہ فرنگی کا فرائز و زندگی لحد کو بھی (فقیر) خود سے کئی درجے بہتر جانتا ہے اور ان سب میں سے بدترین خود کو تصور کرتا ہے۔

جذبہ کی جہت اگرچہ سیرالی اللہ کی تکمیل سے پوری ہو گئی تھی، لیکن اس کے بعض لوازم اور متعلقات رہ گئے تھے، جو اس فنا کے ضمن میں، جو مقام سیر اللہ کے مرکز میں واقع ہوئی تھی، پورے ہو گئے ہیں۔ اس فنا کے حالات (فقیر نے) پہلے عریضہ میں تفصیل سے لکھے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ حضرت خواجہ احرار (قدس سرہ) نے جو اس کام کی نہایت کو فنا کہا ہے، وہ وہی فنا ہو جو تجلی ذات اور سیر فی اللہ کی تحقیق کے بعد ثابت ہوئی ہے اور فنائے ارادہ بھی اسی فنا کی ایک شاخ ہے:

ہیچ کس را تا نگرود او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا (۲)

یعنی: کسی شخص کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، باری تعالیٰ کی بارگاہ میں راستہ نہیں ملتا۔

اس مقام کے نامناسب لوگ جو دو گروہ ہیں، وہ بھی نظر میں ہیں، ایک جماعت اس مقام کی جانب متوجہ اور اس تک پہنچنے کے راستہ کی متلاشی ہے۔ دوسرے گروہ کے لوگ اس مقام کی طرف کوئی التفات و توجہ نہیں رکھتے۔ آپ حضور کی توجہ اس قیام تک پہنچنے کے راستوں میں سے دوسرے طریقہ کی طرف زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ اور اسی طریقہ کے ساتھ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ (فقیر) آپ حضور کی جانب سے مامور ہے، لہذا آپ حضور کے ارشاد کے مطابق بعض امور میں جرأت و گستاخی کی ہے، ورنہ:

من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم

ع

یعنی: میں وہی پرانا احمد ہوں، جو آپ کا (دیرینہ) غلام ہے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ دوسری مرتبہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت دوسرے مقامات ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے ہیں۔ نیاز و عاجزی کے ساتھ توجہ کرنے سے جب اس پہلے مقام کے اوپر والے میں پہنچ ہوئی تو معلوم ہوا ہے کہ یہ حضرت ذی النورین (عثمان غنی رضی اللہ عنہ) کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء (راشدینؓ) کا بھی اس مقام میں عبور (گزر) واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے۔ اسی طرح (اس مقام سے) اوپر کے دو مقامات بھی (جو تکمیل و ارشاد کے مقام ہیں اور) جن کا (اب) ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام (میں) رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ مقام حضرت فاروق (اعظم رضی اللہ عنہ) کا مقام ہے۔ نیز دوسرے خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی وہاں عبور واقع ہوا ہے۔ اس مقام کے اوپر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام ظاہر ہوا۔ اس مقام میں بھی رسائی ہوئی اور (فقیر) اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ الاقدس کو ہر ایک مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا۔ دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے۔ عبور، مقام، مرور اور ثبات کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ اس مقام کے اوپر سوائے حضرت خاتم النبیین علیہ من الصلوٰات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام کے برابر ایک اور انتہائی عمدہ نورانی مقام جس جیسا مقام کبھی نظر نہ آیا تھا، ظاہر ہوا اور یہ اس مقام سے ذرا بلندی رکھتا تھا، جیسا کہ چوتہ کو سطح زمین سے بلند بناتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا۔ (فقیر نے) خود کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین اور منقش پایا۔

اس کے بعد (فقیر نے) اسی کیفیت میں خود کو لطیف پایا اور ہوا یا بادل کے ٹکڑے کی مانند آفاق میں پھیل گیا اور بعض اطراف میں چھا گیا اور حضرت خواجہ بزرگ (بہاء الدین نقشبند قدس سرہ) حضرت صدیق (اکبر) رضی اللہ عنہ کے مقام میں ہیں۔ (فقیر) خود کو اس کیفیت کے ساتھ، جو عرض کی گئی ہے، اس مقام کے مقابل پاتا ہے۔

دوسری (عرض یہ ہے کہ) اس عمل (یعنی ارشاد) کے ساتھ مشغول ہونے کو ترک کرنا اچھا نہیں لگتا، کیونکہ (اچھا لگے)۔ اور حالت یہ ہے کہ جہاں گمراہی کے بھنور میں غرق ہو رہا ہے اور جو آدمی (جہان کو) اس بھنور سے نکالنے کی خود میں طاقت پاتا ہے وہ خود کو کیسے معاف رکھ سکتا ہے، خواہ اسے دوسرے کام بھی درپیش ہوں۔ اس عمل (ارشاد) سے مشغولیت ضروری ہے اور پسندیدہ ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ بعض وسوسے اور نفسانی خواہشات جو اس عمل کے دوران ظاہر ہوتے ہیں (ان پر) لازمی استغفار کیا جائے۔ اس شرط سے رضا میں داخل ہو جاتا ہے، اس شرط کے لحاظ کے بغیر رضا میں داخل نہیں ہوتا اور نیچے ہی رہ جاتا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ نقشبند اور حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس اللہ تعالیٰ اسرارہما کے ضمن میں اس شرط کے ملاحظہ کے بغیر ہی (عمل) پسندیدہ ہے۔ اس کمترین (فقیر) کا عمل اس شرط کے بغیر کبھی (رضا میں) داخل ہے اور کبھی نیچے ٹھہر جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ نجات^(۳) میں حضرت ابوسعید ابوالخیر (قدس سرہ) کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ عین (ذات) نہیں رہتا تو اثر (صفت) کہاں رہے گا؟ لَا تَبْقَى وَلَا تَذَرُ۔ (یعنی: نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑ دے گی۔ سورۃ مدثر، ۲۸) یہ بات

شروع میں مشکل نظر آئی، کیونکہ حضرت شیخ محی الدین (ابن عربی قدس سرہ) اور ان کے پیروکار یہ کہتے ہیں کہ ”عین جو اللہ سبحانہ کے معلومات میں سے ایک معلوم ہے اس کا زائل ہونا محال ہے، ورنہ علمِ جہالت سے بدل جاتا ہے۔ جب عین زائل نہ ہو تو اثر کہاں جائے گا۔“ اسی طرح یہ بات ذہن میں قرار پکڑ چکی تھی۔ حضرت شیخ ابوسعید (قدس سرہ) کے ملفوظ کا حل نہیں نکل رہا تھا۔ کامل توجہ کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس ملفوظ کا راز ظاہر فرمایا اور ثابت ہو گیا کہ ”نہ عین رہتا ہے اور نہ اثر“۔ اپنے اندر بھی یہی حقیقت پائی اور کوئی مشکل نہ رہی۔ اس معرفت کا مقام بھی نظر میں آ گیا۔ (یہ مقام) اس مقام سے بہت بلند ہے جو حضرت شیخ (ابن عربی قدس سرہ) اور ان کے پیروکار فرماتے ہیں۔

یہ دونوں بحیثیت ایک دوسرے سے کوئی مخالفت اور جھگڑا نہیں رکھتیں۔ ایک الگ مقام سے ہے اور دوسری دوسری جگہ سے۔ تفصیل سے گزارش کرنا طوالت ورنج کا موجب ہے۔

نیز حضرت شیخ (ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ) نے اس حدیث^(۴) (کیفیت) کے دوام کے بارے میں جو فرمایا ہے، وہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حدیث سے مراد کیا چیز تھی؟ اور اس کا دائمی ہونا کیا ہے؟ اور (فقیر نے) خود میں بھی اس حدیث (کیفیت) کو دائمی پایا، اگرچہ (یہ چیز) نوادرات میں سے ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ (کسی) کتاب کا دیکھنا اچھا نہیں لگتا، مگر یہ کہ اکابر (بزرگوں) کے ایسے بلند کمالات کا ذکر جو مقامات میں واقع ہوا ہو اور کسی جگہ تحریر کیا گیا ہو۔ اچھا لگتا ہے کہ اس قسم کی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ متقدمین مشائخ کے حالات بہت زیادہ پسندیدہ ہیں۔ حقائق و معارف کی کتابیں، خاص کر توحید (وجودی) اور تنزلات مراتب کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ اس بارے میں (فقیر) خود کو حضرت شیخ علاء الدولہ (سمانی قدس سرہ) کے ساتھ مناسب پاتا ہے اور ذوق و حال میں اس مسئلہ میں شیخ موصوف سے متفق ہے، لیکن سابقہ علم انکار اور شدت تک آنے نہیں دیتا۔^(۵)

دوسری (عرض یہ ہے کہ) چند مرتبہ بعض بیماریوں کو دور کرنے کے لیے توجہ کی گئی اور اس کا اثر ظاہر ہوا۔ اسی طرح بعض مرنے والوں کے عالمِ برزخیت (قبر) کے جو حالات ظاہر ہوئے تھے، ان کے دکھوں اور سختیوں کو دور کرنے کے لیے بھی توجہ کی گئی، لیکن اب توجہ پر قدرت نہیں رہی ہے، کیونکہ اب (فقیر) خود کو کسی چیز پر جمع نہیں کر سکتا۔ لوگوں کی طرف سے فقیر پر بعض سختیاں آئیں اور انہوں نے ظلم کیے۔ اس فقیر کے بہت سے متعلقین کو ناحق ویران کیا اور جلا وطن بنایا، (لیکن فقیر کے) دل پر بالکل غبار اور رنج نہ آیا، چہ جائے کہ ان کے ساتھ برائی کا خیال دل میں آتا۔

بعض دوست جنہوں نے مقامِ جذبہ (سیرانفسی) سے شہود و معرفت حاصل کر لی ہے اور انہوں نے ابھی تک سلوک کی منازل میں انتہا تک قدم نہیں رکھا، (فقیر) ان کے حالات سے تھوڑا سا عرض کرتا ہے۔ امید ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ جذبہ کی جہت کی تکمیل کے بعد ان کو دولتِ سلوک (سیر آفاقی) سے مشرف فرمائے گا۔

شیخ نور اس مقام میں بند (رکا ہوا) ہے، نقطہ فوق جو مقامِ جذبہ ہے، میں نہیں پہنچا۔ حرکات و سکنات میں دکھ دیتا ہے اور (اسے) برائی نہیں سمجھتا۔ بغیر چاہے اس کے کام میں رکاوٹ آ جاتی ہے۔ اسی طرح اکثر دوستوں کے کاموں میں آداب کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ (فقیر) اس بارے میں حیران ہے کہ اس طرف سے رکاوٹ کا کوئی

ارادہ نہیں ہے، بلکہ ان کی ترقی کا ارادہ ہے۔ بغیر چاہے ان کے کام میں دیر واقع ہو جاتی ہے، ورنہ راستہ بہت نزدیک ہے۔ مولانا معبود (شیخ نور) نیچے کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا ہے اور جذبہ کے کام کو مکمل کر لیا ہے اور اس مقام کی برزحیت تک پہنچ گیا ہے اور فوق کومن وجہ نہایت تک پہنچایا ہے۔ اول صفات کو، بلکہ ایک نور جس سے صفات قائم ہیں (اس نے) خود کو اس سے جدا دیکھا اور خود کو شیخ فانی پایا۔ اس کے بعد صفات کو ذات سے جدا دیکھا اور اس دید کے ذریعے مقام جذبہ کی احدیت تک پہنچ گیا۔ اب (اس نے) جہان اور خود کو یوں گم کر دیا ہے کہ وہ نہ احاطہ کا قائل ہے اور نہ معیت کا۔ اور مخفی اشیا (مرتبہ تجرذات حق) کے بطن کی جانب اس طرح متوجہ ہے کہ حیرت و جہل کے علاوہ وہ کچھ حاصل نہیں رکھتا۔

سید شاہ حسین بھی مقام جذبہ سے نیچے کے آخری نقطے کے نزدیک پہنچ گیا ہے اور اس کا سر (راز) نقطہ تک پہنچ گیا ہے۔ ایسے ہی (اس نے) صفات کو ذات سے جدا دیکھا، لیکن ذات احد کو ہر جگہ پاتا ہے اور ظہور سے محفوظ ہے۔ اسی طرح میاں جعفر بھی آخری نقطے کے نزدیک پہنچ گیا ہے اور (اس سے) بہت زیادہ شوق اور ولولہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ شاہ حسین کے قریب ہے۔

دوسرے دوستوں میں بھی فرق ظاہر ہوتا ہے۔ میاں شیخ، شیخ عیسیٰ اور شیخ کمال جذبہ میں نقطہ فوق تک پہنچ گئے ہیں۔ شیخ کمال بھی نزول کی جانب متوجہ ہے۔ شیخ ناگوری نقطہ فوق کی تہ میں آ گیا ہے، لیکن ابھی تک (اسے) بہت زیادہ مسافت درپیش ہے۔

یہاں کے دوستوں سے اب تک آٹھ، یا نو آدمی، بلکہ دس شخص نقطہ فوق کی تہ میں آ گئے ہیں۔ بعض نقطہ سے واصل ہو کر نزول کی جانب متوجہ ہیں۔ بعض دوسرے قریب ہیں اور بعض دور۔

میاں شیخ مزمل خود کو گم پاتا ہے اور صفات کو اصل سے دیکھتا ہے اور مطلق کو ہر جگہ میں پاتا ہے، نیز چیزوں کو سراب کی مانند بے اعتبار سمجھتا ہے، بلکہ کچھ بھی نہیں پاتا، مولانا ندکور (میاں شیخ مزمل) کے بارے میں اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ اسے لوگوں کی تعلیم کے لیے اجازت دینا سب پسندیدہ ہے، لیکن ایسی اجازت جو جذبہ کے مناسب ہے۔ اگرچہ بعض امور رہ گئے ہیں، جن کا اسے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن اس نے جانے میں جلدی کی اور رکا نہیں۔ آپ کے حضور اقدس میں پہنچ رہا ہے، آپ جو کچھ اس کے کام کے لیے بہتر جانیں گے، وہی فرمائیں گے۔ جو کچھ (اس) کمینہ کے علم میں آیا، وہ عرض کر دیا ہے۔ وَالْحُكْمُ عِنْدَكُمْ. یعنی: اور حکم فرمانا آپ کے لائق ہے۔

خواجہ ضیاء الدین محمد چند روز یہاں تھے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے حضور و جمعیت پیدا کر لی تھی۔ آخر کار معاشی اسباب کی کمی کی بنا پر خود کو مطمئن نہ رکھ سکے (لہذا) لشکر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مولانا شیر محمد کا بیٹا بھی ملازمت کی جانب متوجہ ہے۔ مختصر یہ کہ حضور و جمعیت رکھتا ہے، بعض رکاوٹوں کے سبب اس نے اتنی ترقی نہیں کی۔ زیادہ (لکھنا) گستاخی ہے:

بندہ باید حد خود داند

ع

یعنی: بندہ کو اپنی حد پہچانی چاہیے۔

(یہ) عریضہ لکھنے کے بعد ایک کیفیت ظاہر ہوئی اور ایک حال پیش آیا، جسے تحریر میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور اس مقام میں ارادہ کی فنا محقق (ثابت) ہوئی۔ جیسا کہ پہلے ارادہ کا تعلق مرادوں سے برطرف ہو چکا تھا، لیکن اصل ارادہ باقی تھا۔ جس طرح کہ عریضہ میں عرض کیا گیا تھا۔ اب ارادہ بھی جڑ سے نکل گیا اور اس وقت نہ مراد (باقی) ہے اور نہ ارادہ۔ اس فنا کی صورت بھی نظر میں آئی اور بعض ایسے علوم جو اس مقام کے مناسب ہیں، وہ بھی فائز ہوئے۔ چونکہ ان علوم کے لکھنے میں وقت اور پوشیدگی کے سبب ایک مشکل درپیش تھی، لہذا مجبوراً قلم کی باگ کو ان علوم کی تحریر سے روک لیا۔ اس فنا کے ثابت ہونے اور علوم کے فیضان کے وقت وحدت کے اوپر ایک خاص نظر ظاہر ہوئی ہے۔ اگرچہ (یہ بات) مقرر ہے کہ وحدت سے اوپر کوئی نظر نہیں ہے، بلکہ کوئی نسبت ہی نہیں ہے، لیکن (فقیر) جو کچھ پاتا ہے، وہ عرض کر رہا ہے۔ جب تک درجہ یقین پر نہیں پہنچا، لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ اس مقام کی صورت کو وحدت سے ماوراء اس طرح دیکھتا ہے جیسے آگرہ دہلی سے پرے ہے اور اس راہ میں کوئی شبہ نہیں پاتا، اگرچہ نظر میں نہ وحدت ہے، نہ اس کا ماوراء اور نہ ہی کوئی مقام جسے حقیقت کے طور پر جانے، یا حق کو اس کے ماوراء جانے۔ حیرت و نادانی اسی طرح صاف ہے اور اس دید سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ میں نہیں جانتا کہ کیا عرض کروں، سب تناقض در تناقض (ایک دوسرے کی ضد) ہے، جو کہنے میں نہیں آتا اور حال بغیر شبہ کے ثابت ہے۔ ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلٰی اللّٰهِ مِنْ جَمِیْعٍ مَا كَرِهَ اللّٰهُ قَوْلًا وَّ فِعْلًا خَاطِرًا وَّ نَاطِرًا۔“ (۶) یعنی: میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں ان سب قول و فعل اور ارادہ و نظر سے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔

نیز اس وقت یوں معلوم ہوا کہ پہلے جو کچھ میں فنا کی صفات سے جانتا تھا، درحقیقت وہ صفات کی خصوصیات اور ان کے مابہ الامتیاز کی فنا تھی، جو وحدت کے ضمن میں مندرج ہوئی تھیں اور خصوصیات زائل ہو گئی تھیں۔ اب اصل صفات، خواہ وہ ایک دوسرے میں گھلنے ملنے کے طریقہ پر ہوں، بھی برطرف ہو گئی ہیں۔ حاکم احدیت نے کسی چیز کو نہیں چھوڑا اور وہ تمیز جو اجمالی یا تفصیلی علم کے مرتبہ سے حاصل ہوئی تھی، نہیں رہی اور تمام نظر خارج پر آ گئی۔ ”كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَ هُوَ الْاَنَ كَمَا كَانَ۔“ (۷) یعنی: اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہیں تھی اور اب بھی ویسا ہی ہے، جیسے کہ پہلے تھا، اس وقت مطابق حال بن گیا ہے (جبکہ) پہلے صرف اس حدیث کے مضمون کا علم تھا، نہ کہ حال۔ (فقیر) امید رکھتا ہے کہ آپ (اس کی) صحت و غلطی پر آگاہ فرمائیں گے۔

دیگر (یہ کہ) اس طرح لگتا ہے کہ مولانا قاسم علی کو مقام تکمیل سے ایک (حصہ) نصیب ہے۔ ایسے ہی یہاں کے بعض دوستوں کو بھی اس مقام سے ایک (حصہ) نصیب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۲)

مقام فنا و بقا کے حاصل ہونے، ہر چیز کی خاص وجہ کے ظہور کے حاصل ہونے، سیر فی اللہ اور تجلی ذاتی برقی اور اس کے جز کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔

عریضہ: بندوں میں کمترین احمد بارگاہ عالی میں گزارش کرتا ہے کہ اپنی تقصیرات سے کیا عرض کرے؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ

وَمَا لَمْ يَشَاءْ لَمْ يَكُنْ^(۱) وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ^(۲)۔ یعنی: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو گیا اور جو نہ چاہا نہ ہوا اور گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کی طاقت بلند شان و عظمت والے اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا ناممکن ہے۔ جو علوم فنا فی اللہ اور بقا باللہ^(۳) کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے (فقیر) پر ظاہر فرمائے ہیں، نیز اسی طرح آگاہی ہوئی کہ ہر چیز کی وجہ خاص کیا ہے، سیر فی اللہ کے معنی کیا ہیں اور تجلی ذاتی برقی کیا ہوتی ہے؟ اور محمدی المشرق کون ہے؟ اور اسی طرح کی (دوسری) چیزیں۔ ہر ایک مقام کے دوران اس کے لوازم اور ضروریات کو دکھاتے ہیں اور گزارتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو، جس کی اولیاء اللہ نے نشاندہی کی ہے کہ اسے راستے میں چھوڑ دیں اور نہ دکھائیں۔ قَبْلَ مَنْ قَبْلَ بِلَا عِلَّةٍ۔ جو کوئی بھی (اللہ تعالیٰ کی درگاہ) میں قبول ہوا، وہ بلا سبب ہی قبول ہوا۔ جس طرح کہ (فقیر) اشیاء کی ذوات کو مصنوعی جانتا ہے، اسی طرح ان کی قابلیتوں اور استعدادوں کو بھی مصنوعی اور (اللہ تعالیٰ کی) مخلوق سمجھتا ہے۔ اللہ سبحانہ قابلیتوں کا محکوم نہیں ہے اور کسی چیز کو اس پر حاکم نہیں ہونا چاہیے۔ زیادہ گستاخی نہیں کی جاتی:

بندہ باید کہ حد خود داند

ع

یعنی: بندہ کو اپنی حد پہچانی چاہیے۔

مکتوب نمبر (۱۳)

راستے کی بے انتہائی اور علوم حقیقت کے علوم شریعت کے مطابق ہونے کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔

عریفہ: بندوں میں کمترین احمد عرض کرتا ہے۔ افسوس! ہزار افسوس! اس راہ (سلوک) کی بے انتہائی سے۔ سیر اس سرعت سے اور واردات و عنایات اس کثرت سے۔ اسی بنا پر مشائخ عظام نے فرمایا ہے: سِيرَ إِلَى اللَّهِ بِچاس ہزار سال کا راستہ ہے۔ (ارشاد الہی): تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (سورة المعارج، ۴)۔ یعنی: جس کی طرف روح الامین اور فرشتے چڑھتے ہیں اور اس روز نازل ہوگا جس کا اندازہ چاس ہزار سال کا ہوگا) شاید اس میں اسی معنی (کی جانب) اشارہ کیا گیا ہے۔ جب کام ناامیدی تک پہنچا اور امیدیں منقطع ہوئیں تو (آیت کریمہ): هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ (سورة الشوری، ۲۸)۔ یعنی: وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے) کے مطابق مدد آ پختی۔

چند روز ہوئے ہیں کہ اشیاء میں سیر واقع ہو گئی ہے اور رشد و ہدایت کے طالبین نے پھر جھگھٹا لیا ہے۔ مختصر یہ کہ ان کے کام (رشد و ہدایت) کا ایک آغاز ہو چکا ہے، مگر (فقیر) ابھی خود کو اس مقام کے قابل نہیں پاتا، لیکن لوگوں کے اصرار سے مروت اور حیا کی وجہ سے کچھ نہیں کہتا۔

مسئلہ توحید (وجودی) کے بارے میں (فقیر) جو پہلے متردد تھا، جیسا کہ کئی بار عرض کیا گیا تھا اور افعال و صفات کو اصل سے جانتا تھا، جب معاملہ کی حقیقت معلوم ہوئی تو تردد سے باہر آ گیا اور ”ہمہ ازوست“ کے پلہ کو غالب پایا اور اس میں مقولہ ”ہمہ ازوست“ سے زیادہ کمال دیکھا۔ افعال اور صفات کو بھی دوسرے رنگ میں معلوم کیا۔ سب کو ایک ایک کر کے اوپر سے

گزارا گیا۔ شک و شبہ بالکل ختم ہو گیا۔ تمام (علوم) کشفیات ظاہر شریعت کے مطابق نکلے اور ظاہر شریعت سے بال برابر مخالفت نہ دیکھی۔ بعض صوفیہ ظاہر شریعت کے مخالف جو کشف بیان کرتے ہیں، وہ یا سہو (کی وجہ) سے ہے، یا سکر کی بدولت۔ باطن ظاہر کے کچھ مخالف نہیں ہے۔ راہ (سلوک) کے درمیان (سالک کو) مخالفت نظر آتی ہے اور وہ توجیہ اور جمع کا محتاج ہوتا ہے، لیکن منتہی حقیقی باطن کو ظاہر شریعت کے مطابق پاتا ہے۔

علماء اور ان بزرگواروں (صوفیہ) کے درمیان اتنا ہی فرق ہے کہ علماء (شرعی امور) کو دلیل اور علم کے ذریعے جان لیتے ہیں اور وہ (صوفیہ) کشف اور ذوق سے پالیتے ہیں۔ ان (صوفیہ) کے حال کی صحت پر اس مطابقت سے بڑھ کر اور کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ (آیت کریمہ) یَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي (سورۃ الشعراء، ۱۳)۔ یعنی: میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی (شامل حال ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ کیا عرض کروں؟ (فقیر) بعض حالات کے لکھنے کی توفیق نہیں رکھتا اور عریضوں میں بھی ان کی تحریر کی گنجائش نہیں ہے۔ شاید اس میں (کوئی) حکمت ہوگی۔ اس جدا شدہ محروم کو آپ غریب پروری سے محروم نہ فرمائیں اور راستے میں نہ چھوڑیں:

ایں سخن را چوں تو مبدأ بودہ
گر فزوں گردد توش افزودہ
یعنی: جب اس سخن کے منبع آپ ہیں، اگر یہ بڑھ جائے تو آپ ہی اس کے بڑھانے والے ہیں۔
زیادہ گستاخی نہیں کی گئی۔

ع
بندہ باید کہ حد خود داند
یعنی: بندہ کو اپنی حد پہچانی چاہیے۔

مکتوب نمبر (۱۳)

ان واقعات کے حاصل ہونے کے بیان میں جو راہ (سلوک) میں ظاہر ہوئے تھے اور بعض مسترشدین (طالبین رشد و ہدایت) کے حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: بندوں میں کمترین احمد کی عرض یہ ہے کہ جو تجلیات کو نیات (مخلوقات) کے مراتب میں ظاہر ہوئی تھیں، ان میں سے کچھ (فقیر نے) پہلے عریضہ میں پیش کی تھیں۔ اس کے بعد مرتبہ وجوب جو تمام صفات کا جامع ہے، ظاہر ہوا اور سیاہ رنگ بد صورت عورت کی مانند نظر آیا۔ اس کے بعد مرتبہ احدیت دراز قدمرد، جو کم چوڑائی والی دیوار پر کھڑا ہو، کی طرح جلوہ گر ہوا۔ یہ دونوں تجلیات حقانیت کے طور پر ظاہر ہوئیں، برخلاف پہلی تجلیات کے جو اس صورت میں نہ تھیں۔ اسی اثناء میں موت کی آرزو پیدا ہوئی اور یوں نظر آیا کہ گویا میں ایک ایسے شخص کی طرح دریائے محیط کے کنارے پر اس ارادہ سے کھڑا ہوں جو خود کو دریا میں گرا دے، لیکن پیچھے سے اسے ایک رستی سے مضبوط باندھا گیا ہے، جس کی بدولت وہ دریا میں نہیں گر سکتا۔ میں اس رستی سے مراد اپنے بدن عنصری کے تعلقات کو سمجھتا تھا اور تمنا کرتا تھا کہ یہ رستی ٹوٹ پڑے۔ ایسے ہی ایک خاص کیفیت طاری

ہوئی کہ اس وقت ذوق کے طریقہ سے معلوم ہوا کہ دل کی کوئی خواہش حق سبحانه کے سوا نہیں رہی ہے۔

اس کے بعد تمام صفات و جوہیہ جنہوں نے مخلوق اور مظہروں کے اعتبار سے مختلف خصوصیات پیدا کر لی تھیں، نگاہ میں آئیں۔ اس کے بعد وہ سب خصوصیات ان (مخلوق اور مظہروں) سے نیچے گر پڑیں اور باقی نہ رہیں، مگر کلیہ و جوہیہ کے طور پر اور خصوصیات سے ان کے الگ ہونے کی شکل میں بھی نظر آئیں۔ اس وقت معلوم ہوا کہ اب حقیقی طور پر تو نے صفات کو اصل سے سمجھا اور خصوصیات سے الگ ہونے سے پہلے صفات کو اصل سے جاننا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا، مگر یہ کہ مجاز کے طور پر ہو، جس طرح کہ تجلی صوری والوں کا حال ہے۔ اس وقت فنائے حقیقی ثابت ہو گئی۔

اس حالت کے ثابت ہونے کے بعد جو صفات خود میں اور اپنے غیر کے اندر تھیں، وہ ایک ہی طرز پر پائیں اور مخلوق (جگہوں) کا امتیاز ختم ہو گیا۔ اس وقت شرک خفی کی بعض دقیق قسموں سے چھٹکارا میسر ہوا۔ اس وقت نہ عرش رہا نہ فرش، نہ زمان اور نہ مکان، نہ جہتیں اور نہ حدود۔ اگر بطور فرض سالوں فکر کروں، ہرگز علم میں نہ آئے کہ جہان کا ایک ذرہ بھی پیدا ہوا ہے۔

اس کے بعد اپنا تعین اور اپنی وجہ خاص بھی نظر میں آئی۔ (اپنا) تعین پرانے پھٹے ہوئے کپڑے کی صورت میں تھا، جو ایک شخص نے پہن رکھا ہوا اور اس شخص کو میں نے اپنی وجہ خاص جانا، لیکن حقانیت کے طور پر متصور نہیں ہوا۔

بعد ازاں اس شخص کے اوپر نزدیک ہی باریک کھال نظر آئی۔ میں نے خود کو اُس کھال کا عین پایا اور اس تعین کے کپڑے کو خود سے بیگانہ دیکھا، جو نور اس کھال میں تھا، وہ نظر آیا۔ کچھ دیر بعد وہ نور نظر سے غائب ہو گیا اور یہ کھال اور کپڑا بھی نظر سے ہٹ گئے اور وہی پہلی جہالت (باقی) رہ گئی۔

اس واقعہ مذکورہ کی تعبیر کی جو صورت علم میں آئی (فقیر) وہ عرض کرتا ہے، تاکہ اس کی صحت و غلطی معلوم ہو جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ صورت مذکورہ عین ثابتہ ہے، جیسے وجوب اور امکان کے درمیان برزخ واسطہ ہے، جس کے دونوں اطراف ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہیں اور کمال فرق کے ساتھ ثابت ہو گئے ہیں۔ جو کھال اس پرانے کپڑے اور نور کے درمیان واقع ہوئی ہے، وہ وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہے اور میں نے خود کو جو اس کھال کے آخر میں پایا (یہ) برزخیت میں پہنچنے کی جانب اشارہ ہے۔ پہلے بھی میں واقعات میں خود کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہی پایا کرتا تھا، لیکن ظاہری طور پر وہ آفاق کی نسبت سے تھا اور اب کی نظر (دید) انفس سے ہے۔ ایک دوسرا فرق بھی اس وقت ظاہر ہوا ہے، لیکن لکھنے کے وقت وہ بھول گیا۔ یہ (صورت واقعہ کی تعبیر) ہے۔

جو کچھ ہمیشہ حاصل ہے، وہ حیرانی اور نادانی ہے اور کبھی کبھی عجیب و غریب حالات ظاہر ہوتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں اور ان کی معرفت (باقی) رہ جاتی ہے۔ (فقیر) بعض واقعات کی تعبیر سے عاجز رہتا ہے۔ اگر کوئی چیز علم میں آتی ہے تو اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ اسی مناسبت سے عریضوں میں گستاخی کرتا ہے (کیونکہ) ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس کی نشاندہی سے کسی امر میں یقین پیدا ہو جائے۔ (فقیر) امیدوار ہے کہ آپ کی بلند تو جہات کی بدولت دنیاوی تعلقات کی گرفتاری سے نجات میسر ہو جائے گی، ورنہ (یہ) کام بڑا مشکل ہے:

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق^(۱)

یعنی حق (تعالیٰ) اور اس کے خاص بندوں کی عنایات کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامہ اعمال خراب ہے۔ شیخ عبداللہ نیازی کے صاحبزادے شیخ طہ، جو سرہند کے مشہور مشائخ میں سے ہیں اور خود حاجی عبدالعزیز تفسیلی طور پر ان سے آشنا ہیں، قد موسیٰ اور نیاز مندی عرض کرتے ہیں۔ انہیں اس طریقہ عالیہ شریفہ میں داخل ہونے کی خواہش پیدا ہوگی ہے اور صدق و نیاز سے التجا کرتے ہیں۔ میں نے انہیں استخارہ کرنے کا کہا ہے۔ بظاہر مناسبت رکھتا ہے۔ جن دوستوں نے یہاں ذکر کی تعلیم حاصل کی ہے، اکثر رابطہ کے طریقہ سے مشغول ہیں۔ ان میں سے بعض واقعات میں دیکھ کر رابطہ (اختیار) کر کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور بعض دہلی سے آنے سے پہلے ہی رابطہ رکھتے تھے۔ شروع میں حضور و استغراق میں جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض صفات کو اصل سے دیکھتے ہیں اور بعض نہیں دیکھتے۔ لیکن کوئی شخص بھی توحید (وجودی) اور انوار و کشف (کے راستے) پر نہیں جاتا۔

ملاقات اسم علی، ملا مودود محمد اور عبدالمؤمن بظاہر مقام جذبہ (سیر انفسی) کے نقطہ فوق تک پہنچ گئے ہیں، لیکن ملا قاسم علی نزول کی جانب توجہ رکھتا ہے۔ دوسرے دونوں (کے بارے میں) معلوم نہیں ہے کہ نیچے (نزول کی جانب) آئیں۔ شیخ نور بھی نقطہ (فوق) کے نزدیک ہے، لیکن (ابھی وہاں تک) پہنچا نہیں ہے۔ ملا عبد الرحمن بھی نقطہ (فوق) کے نزدیک ہے، لیکن ابھی تھوڑی سی مسافت درمیان میں ہے۔ ملا عبد الہادی نے حضور اور اس (حضور) میں استغراق پیدا کر لیا ہے۔ نیز وہ کہتا ہے کہ مطلق پاک (ذات) جل شانہ کو اشیاء میں تنزیہی صفت سے دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اللہ تعالیٰ سے جانتا ہوں۔ (یہ) حضرت اقدس کی دولت ہے، جس کا فیض طالبوں اور مستعدوں کو پہنچ رہا ہے اور اس مکینہ کا اس فیض رسانی میں کوئی حصہ نہیں ہے:

ع من همان احمد پارینہ کہ ہستم ہستم

یعنی: میں وہی پرانا احمد ہوں جو آپ کا (دیرینہ) غلام ہے۔

ایک روز واقعات میں سے ایک واقعہ کے دوران (حضرت اقدس نے) فرمایا تھا کہ اگر اس (فقیر) میں محبوبیت کے معنی نہ ہوتے تو اسے مقصد تک پہنچنے میں بہت توقف واقع ہوتا اور اس کی محبوبیت کو بھی آپ نے اپنی عنایت سے بیان فرمایا تھا۔ اس بات سے ایک کامل امید (لگی ہوئی) ہے اور یہ جرأت و گستاخی اسی وجہ سے ہے۔

مکتوب نمبر (۱۵)

ہبوط و نزول کے مناسب حالات اور اس کے ساتھ بعض مخفی اسرار کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: اس حاضر (موجود)، غائب (غیر حاضر)، واجد (پانے والا)، فائدہ (نہ پانے والا)، مقبل (متوجہ) اور معرض (روگردانی کرنے والا) کی گزارش یہ ہے کہ مدتوں سے (فقیر) اس (مطلوب حقیقی) کو تلاش کرتا تھا اور خود کو پاتا تھا۔ اس کے بعد اس (فقیر) کا کام (سلوک) یہاں تک پہنچ گیا کہ اگر وہ خود کو تلاش کرتا ہے تو اس (مطلوب حقیقی) کو پاتا ہے۔ اب اس کو گم کر بیٹھا اور خود کو پاتا ہے، باوجود گم کرنے کے اس کا متلاشی نہیں ہے اور گم کر دینا ثابت ہونے کے باوجود اس کی خواہش

کرنے والا نہیں ہے۔ علم کے لحاظ سے حاضر و اجدا و مقبل ہے اور ذوق کی رُو سے غائب و فاقد اور مقبل ہے۔ اس کا ظاہر بقا اور باطن فنا ہے۔ عین بقائیں فانی اور عین فنا میں باقی ہے، لیکن فنا علمی ہے اور بقا ذوقی۔ اس (فقیر) کا کام ہبوط و نزول پر ٹھہر گیا ہے اور صعود و عروج سے رک گیا ہے۔ جس طرح کہ اس (فقیر) کو مقامِ قلب سے قلب پھیرنے والے (حق سبحانہ و تعالیٰ) کی طرف لے گئے تھے، اب پھر قلب پھیرنے والے کی طرف سے قلب میں نیچے لے آئے ہیں۔

نفس سے روح کے آزاد ہونے اور نفس کے مطمئنہ ہو کر انوار کے غلبوں سے نکلنے کے باوجود اس (فقیر) کی روح کو روح اور نفس کی دونوں جہتوں (طرفوں) کا جامع بنایا گیا ہے اور ان دو جہتوں کی برزحیت سے اس کو مشرف فرمایا گیا ہے اور اس برزحیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے فوق سے فائدہ اٹھانا اور تحت کو فائدہ پہنچانا (دونوں) ایک ساتھ عطا فرمائے گئے ہیں۔ (اس طرح فقیر) فائدہ حاصل کرتے وقت فائدہ پہنچانے والا بھی ہے اور فائدہ پہنچاتے وقت فائدہ حاصل کرنے والا بھی ہے:

گر بگویم شرح ایں بیحد شود و نویسم بس قلمہا بشکند^(۱)

یعنی: اگر میں اس کی شرح کروں تو بہت زیادہ ہو جائے گی اور اگر لکھوں تو قلمیں ٹوٹ جائیں گی۔

(فقیر) عرض کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ سے مراد وہ مقامِ قلب ہے جو قلب کے پھیرنے والے (حق تعالیٰ) کی جانب عروج کرنے سے پہلے حاصل ہے۔ فوق سے نزول کرنے کے بعد جو مقامِ قلب میں نیچے آتے ہیں، وہ دوسرا مقام ہے جو دائیں اور بائیں کا برزخ ہے، جیسا کہ اس فن و مقام کے جاننے والوں پر ظاہر ہے۔ سلوک حاصل نہ کرنے والے مجذوب صاحبانِ دل ہیں، کیونکہ دل پھیرنے والے (حق تعالیٰ) تک پہنچنا سلوک سے وابستہ ہے۔ کسی شخص کے ساتھ مقام کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو اس مقام میں ایک خاص شان (حاصل) ہے اور وہ اس مقام اور امتیاز میں جدا ہے۔

مجملہ اس امتیاز کے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں (ایک امتیاز) جذبہ کی سبقت اور بقائے خاص ہے، جو اس مقام کے مناسب علوم و معارف کا منشاء (بنی) ہے۔ مقامِ قلب کے علوم کی تحقیق، جذبہ و سلوک کی حقیقت، فنا و بقا اور ان کی مثالیں اس رسالہ میں، جس کا وعدہ کیا گیا تھا، تفصیل سے تحریر کی گئی ہیں۔

میر سید شاہ حسین اضطراب میں چل پڑے ہیں، لہذا اس کی نقل رکھنے کی فرصت نہیں ملی۔ اس کے بعد ان شاء اللہ (وہ

رسالہ) آپ کے مطالعہ کا شرف پائے گا۔

توقف کرنے والا (فقیر) فوق سے نیچے مقامِ جذبہ (مقامِ قلب) میں آ گیا ہے، لیکن اس توجہ عالم کی جانب نہیں ہے، توجہ فوق کی طرف رکھتا ہے۔ چونکہ عروج فوقانی مجبوری سے تھا، (اور) طبعی طور پر جذبہ سے مناسبت رکھتا تھا (لہذا) فوق سے نزول کے وقت اپنے ہمراہ ایک کمتر چیز لایا ہے۔ تھوڑی سی نسبت جو طبیعت کے خلاف توجہ سے تھی اور عروج اس توجہ کا اثر تھا، وہ ابھی نسبت جذبہ میں باقی ہے، جس طرح روح جسم میں اور نور اندھیرے میں ہے۔ لیکن یہ جذبہ مذکورہ (حضرات) خواجگانِ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے جذبہ کے علاوہ ہے، جو حضرت خواجہ (عبید اللہ) احرار (قدس اللہ سرہ) کو اپنے آباء کرام سے پہنچا ہے اور ان کو اس مقام میں خاص شان حاصل تھی۔ کسی واقعہ میں بعض طالبین نے کہا ہے کہ خواجہ احرار (قدس سرہ)

پکی ہوئی روٹی کی مانند تھے۔ (حضرت) خواجہ احرار (قدس سرہ) جس طرح ہوئے ہیں اس توقف کرنے والے (فقیر) نے ان کو کھالیا ہے، اس واقعہ کے ظہور کا اثر اس مقام میں ہے۔ یہ جذبہ فائدہ پہنچانے کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اور اس مقام میں ہمیشہ توجہ فوق کی جانب ہے اور دائمی سکرا اس کے لیے لازم ہے۔

جذبہ کے بعض مقامات جذبہ میں داخل ہونے کے بعد سلوک کے منافی ہیں اور بعض دوسرے سلوک کے خلاف نہیں ہیں۔ ان میں داخل ہونے کے بعد وہ سلوک کے لیے متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ جذبہ اس میں داخل ہونے کے بعد سلوک کے منافی ہے۔

عریضہ تحریر کرتے وقت (فقیر) اس مقام کی جانب متوجہ ہو گیا تھا اور اس کے بعض دقائق ظاہر ہوئے۔ جب تک (کوئی) باعث نہ ہو تو توجہ میسر نہیں ہوتی۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو بہتر جاننے والا ہے۔

چند ماہ ہوئے ہیں کہ یہ توقف کرنے والا (فقیر) نیچے آ گیا ہے، لیکن جذبہ مذکورہ کے مقام میں کامل داخل نہیں ہوا، اس مقام کی شان کے مطابق علم نہ ہونا اور پریشان تو جہات مانع ہیں۔ امید ہے کہ ان بے ترتیب کلمات کو (آپ کے) مطالعہ کے وقت میں اس مقام میں داخل ہونا کامل طور پر میسر آ جائے گا، اس کے بعد وہ توقف کرنے والا (فقیر) حضرت خواجہ (احرار قدس سرہ) کو پوری طرح نیچے لے جائے گا (یعنی ان کے تمام کمالات حاصل کر لے گا)۔

مکتوب نمبر (۱۶)

عروج و نزول وغیرہ کے حالات کے بیان میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: کمترین طالب کی گزارش یہ ہے کہ مولانا علاء الدین نے آپ کا نوازش نامہ پہنچایا۔ اس نوازش نامہ کے ایک مقدمہ کے کشف میں وقت کے مطابق مسودہ (تحریر) کیا گیا۔ ان تحریر کردہ علوم کے بعض تکمیل و اتمام کو پہنچانے والے امور کا بھی دل میں خیال گزرا تھا۔ ان کے لکھنے کی فرصت نہ ملی تھی کہ عریضہ (ہذا) کا حامل روانہ ہو گیا، ان شاء اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے بعد ہی (آپ کی) خدمت (گرامی) میں بھیج دیا جائے گا۔

اب ایک دوسرا رسالہ جو تحریر ہو چکا تھا (فقیر نے) بھیجا ہے اور یہ رسالہ بعض دوستوں کی التماس پر لکھا گیا ہے۔ انہوں نے التماس کی تھی کہ (فقیر) ایسی نصیحتیں لکھے جو طریقہ (عالیہ) میں نفع دینے والی ہوں اور ان کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ سچ ہے کہ (یہ) بے نظیر رسالہ بڑی برکتوں والا ہے۔ اس کی تحریر کے بعد یوں معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے مشائخ میں سے ایک کثیر جماعت کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور اسی رسالہ^(۱) مبارک کو اپنے دست مبارک میں رکھتے ہیں اور اپنے کمال کرم سے اسے بوسہ دے رہے ہیں اور مشائخ کو دکھا رہے ہیں کہ اس قسم کے اعتقادات حاصل کرنے چاہئیں۔ جماعت کے جو لوگ ان علوم سے سعادت مند ہو چکے تھے، وہ نورانی، ممتاز اور عزیز الوجود (نادر) ہیں اور آنسو و علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے روبرو کھڑے ہیں۔ یہ قصہ بڑا مبارک ہے۔ اسی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فقیر کو اس واقعہ کو بیان کرنے کا حکم فرمایا:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست
یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

جس روز سے (فقیر) آپ کی خدمت سے واپس آیا ہے، فوق کی جانب رغبت ہونے کی وجہ سے مقام ارشاد سے اتنی زیادہ مناسبت نہیں رکھتا، البتہ کچھ وقت تک یہ قصد رہا کہ گوشہ میں بیٹھا جائے، کیونکہ لوگ صحبت میں بہر اور شیر کی طرح نظر آتے تھے۔ گوشہ نشینی کا عزم محکم ہو گیا تھا، لیکن استخارہ (اس کے) موافق نہیں آتا تھا۔ قرب کے درجات میں زیادہ سے زیادہ عروج، جس کی کوئی انتہا نہیں نصیب ہوا اور ابھی تک ہوتا ہے اور اوپر لے جاتے ہیں اور کبھی نیچے لے آتے ہیں۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ. (سورۃ الرحمن، ۲۹) یعنی: وہ (اللہ تعالیٰ) ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ تمام مشائخ کے مقامات پر الا مَا شَاءَ اللہ (فقیر کو) گزارا گیا:

گلے بردند زیں دلیر پست بداراں درگاہ والا دست بر دست

یعنی: اس نیچی چوھٹ کی مٹی اٹھا کر ہاتھوں ہاتھ اس درگاہ برتر پر لے گئے۔

اس اثنا میں اگر مشائخ کی روحانیت کے توسط کو شمار کروں تو بات طویل ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ تمام مقام اصل سے ظلی مقامات کی مانند گزارا گیا۔ عنایات (الہی) سے کیا لکھے۔ قُلْ مَنْ قَبْلَ بِلَا عِلَّةٍ یعنی: جو شخص بھی قبول ہوا وہ بغیر کسی سبب کے قبول ہوا۔ ولایت کی وجہ اور اس کے کمالات اس قدر ظاہر کیے گئے کہ (فقیر) کیا تحریر کرے۔

ذی الحجہ کے مہینے میں نزول کے درجات میں مقام قلب تک نیچے لے آئے ہیں اور یہ مقام تکمیل و ارشاد کا مقام ہے، لیکن ابھی تک اس مقام کو تکمیل و کمال تک پہنچانے والی چیزیں درکار ہیں، کب میسر ہوتی ہیں (یہ) کام (اتنا) آسان نہیں ہے۔ مرادیت (محبوبیت) ہونے کے باوجود اتنی منازل طے کرنی پڑتی ہیں، کیونکہ مریدوں کو (حضرت) نوح (علیہ السلام) جتنی عمر میں بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ میسر ہو سکے، بلکہ اس طرح کے مخصوص کمالات مراد مندوں (محبوبوں) کے لیے مخصوص ہیں، مزید یہاں نہیں پہنچ سکتے۔ افراد کے عروج کی انتہا مقام اصل کی ابتدا تک ہے (اس سے آگے) بیشتر افراد کا بھی گزر نہیں ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ. (سورۃ الحديد، ۲۱) یعنی: یہ خدا کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ تکمیل و ارشاد کے مراتب میں توقف کی یہی وجہ ہے کہ نورانیت کا نہ ہونا ظلمت غیب کا نور ظاہر نہ ہونے کی بنا پر ہے، کوئی اور وجہ نہیں ہے۔ لوگ اپنے خیالات میں کئی باتیں بناتے ہیں، جن پر اعتبار نہ کرنا چاہیے:

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام (۲)

یعنی: کامل کا حال کوئی ناقص نہیں سمجھ سکتا، پس بات مختصر ہونی چاہیے اور سلام۔

اس طرح کی ظنی باتوں کے فکر میں نقصان کا احتمال غالب ہے۔ آپ ان لوگوں کو فرمائیں کہ وہ اس خستہ دل (فقیر) کے حالات سے اپنی خیالی نظر ہٹالیں، نظر کی مجال کے لیے اور بہت سی جگہیں ہیں:

من گم شدہ ام مرا مجوئید با گم شدگان سخن مگوئید
یعنی: میں گم ہو چکا ہوں مجھے مت ڈھونڈو، گم ہو جانے والوں سے باتیں مت کرو۔

اللہ جلّ سلطانہ کی غیرت سے ڈرنا چاہیے، جس کام کو حق سبحانہ و تعالیٰ کامل کرنا چاہے، اس کے نقص نکالنے کے لیے گفتگو کرنا بہت نامناسب ہے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنا ہے۔ مقامِ قلب میں نزول کرنا حقیقت میں مقامِ فرق ہے، جو ارشاد کا مقام ہے۔ اس مقام میں فرق سے مراد نفس کا روح سے اور روح کا نفس سے جدا ہونا ہے، بعد اس کے کہ نفس نورِ روح میں داخل ہو، جس کو (مقام) جمع کہتے ہیں۔ جمع اور فرق کے بارے میں اس سے زیادہ جو کچھ سمجھا جاتا ہے، وہ سکر کی بنا پر ہے۔ حق (تعالیٰ) کو مخلوق سے جدا دیکھنا جس کو (اہلِ سکر) مقامِ فرق خیال کرتے ہیں (کچھ) حقیقت نہیں رکھتا، (وہ گویا) اسی روح کو (ذات) حق سمجھتے ہیں اور روح کو نفس سے جدا دیکھنا مخلوق سے حق تعالیٰ و تقدس کو جدا دیکھنا جانتے ہیں۔ اہلِ سکر کے اکثر علوم میں اسی طرح کا قیاس کر سکتے ہیں، کیونکہ معاملے کی حقیقت وہاں موجود نہیں ہے اور اصل حقیقت کو اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے۔

دوسرے رسالہ میں اہلِ جذبہ و سلوک کے علوم اور ان دونوں مقامات کی حقیقت تفصیل سے لکھی گئی ہے، وہ آپ کی نظر مبارک سے گزرے گا۔

مکتوب نمبر (۱۷)

بعض ان حالات کے بیان میں جو عروج و نزول وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا۔

عریضہ: کمترین خادم کی گزارش یہ ہے کہ جو عزیز کچھ عرصہ سے ترقی سے رکے ہوئے تھے، (عریضہ) لکھنے کے روزیوں ظاہر ہوا کہ اس مقام سے کچھ عروج کر کے نیچے آ گئے ہیں، لیکن کامل نزول نہیں کیا ہے اور باقی جو عزیز اس کے نیچے تھے، وہ بھی عروج کر کے اسی مقامِ فوق کے راستے سے نزول کی جانب متوجہ ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد جو کیفیت ظاہر ہوگی اور معرض وجود میں آئے گی، وہ بھی پیش (خدمت) کر دی جائے گی۔ اگر صاحبِ معاملہ بھی اپنے حال کے ظاہر ہونے کے بعد کچھ لکھے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ اس نزول کے قضیہ کا واقع ہونا قوی تھا اور حقیر کو مسہل لینے کی وجہ سے ایک ضعف طاری ہو چکا تھا۔ لہذا وہ اس نزول کے انجام کار میں مشغول نہیں ہوا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (پھر) ظاہر ہو جائے گا۔

مکتوب نمبر (۱۸)

تمکین کے بیان میں جو تلوین کے بعد حاصل ہوتی ہے، تین قسم کی ولایتوں کے مراتب کے بیان اور اس بیان میں کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس کی ذات پر زائد ہے، وغیرہ۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: بندوں میں کمترین پُر تقصیر احمد بن عبدالاحد کی گزارش یہ ہے کہ جب تک حالات و واردات (قلبی) ظاہر ہوتے تھے (فقیر) ان کے عرض کرنے کی گستاخی کرتا تھا اور جرأت کرتا تھا۔ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے (آپ کی) توجہات

عالیہ کی برکات سے حالات کی غلامی سے آزاد کر دیا اور تلوین سے تمکین کے ساتھ مشرف فرمایا تو کام کا حاصل حیرت و پریشانی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا، وصل سے جدائی اور قرب سے دوری کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، معرفت سے نادانی اور علم سے جہالت کے سوا کچھ اضافہ نہ ہوا، مجبوراً عریضے (بھیجنے) میں توقف واقع ہوا اور صرف روزمرہ کی خبروں کے عرض کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اس کے ساتھ دل پر ایک ایسی سردی کا غلہ ہو گیا ہے کہ (یہ) کسی کام میں سرگرمی نہیں رکھتا اور بیکاروں کی مانند کسی کام میں مشغول نہیں ہو سکتا:

من بچم و کم ز بچ ہم بسیارے و ز بچ و کم از بچ نیاید کارے

یعنی: میں کچھ بھی نہیں اور کچھ سے بھی زیادہ کم ہوں، جو کچھ بھی نہ ہوا اور کچھ سے بھی زیادہ کم ہو، وہ کسی کام نہیں آتا۔

اب ہم اصل بات کی جانب آتے ہیں۔ عجب یہ ہے کہ اب اس حق الیقین سے مشرف فرمایا گیا ہے کہ جس مقام میں علم و عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہیں اور فنا و بقا اس جگہ جمع ہیں۔ عین حیرت و بے نشانی میں علم و شعور (موجود) ہے اور نفس غیبت میں حضور (حاصل) ہے۔ باوجود علم و معرفت کے جہل و نادانی کی زیادتی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے:

ع عجب اینست کہ من واصل و سرگردانم

یعنی: عجیب (بات) یہ ہے کہ میں واصل (ہوں) اور (پھر بھی) پریشان ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنی بے انتہا عنایت سے کمالات کے درجات میں ترقیاں ارزانی فرمائی ہیں۔ مقام ولایت کے اوپر مقام شہادت ہے۔ ولایت کو شہادت سے وہی نسبت ہے جو تجلی صوری کو تجلی ذاتی سے ہے، بلکہ ان دونوں کے درمیان کا بُعد ان دونوں تجلیات کے درمیانی بُعد سے کئی درجے زیادہ ہے۔ مقام شہادت سے اوپر مقام صدیقیت ہے اور ان دونوں مقامات میں جو فرق ہے وہ نہ تو کسی عبارت میں بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی اشارہ سے سمجھایا جاسکتا ہے۔ اس مقام سے اوپر مقام نبوت علیٰ اہلہا الصلوٰۃ و التسلیمات کے سوا کوئی مقام نہیں ہے اور ممکن نہیں کہ مقام صدیقیت و مقام نبوت کے درمیان کوئی اور مقام ہو، بلکہ محال ہے۔ اس کے محال ہونے کا یہ حکم صریح و صحیح کشف سے معلوم ہوا ہے۔ بعض اہل اللہ نے ان دو مقامات کے درمیان جو واسطہ ثابت کیا ہے اور اسے قربت کا نام دیا ہے، اس سے بھی (فقیر) کو مشرف فرمایا گیا اور اس مقام کی حقیقت پر اطلاع دی گئی۔

بڑی توجہ اور بیشمار زاری کے بعد پہلے اسی طرح جیسا کہ بعض اکابر نے فرمایا ہے، ظاہر ہوا، آخر کار حقیقت معلوم فرمائی گئی۔ جی ہاں! اس مقام کا حاصل ہونا عروج کے وقت میں مقام صدیقیت کے حصول کے بعد ہے، لیکن واسطہ ہونا مقام تامل ہے، آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ (فقیر) حقیقت کو تفصیل سے عرض کرے گا۔ وہ مقام بہت ہی اعلیٰ ہے، عروج کی منازل میں اس سے اوپر کوئی مقام معلوم نہیں ہے اور اللہ جل و علا کی ذات پر وجود کا زائد ہونا اسی مقام میں ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ علمائے حق شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (یعنی: اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے) کے ہاں مقرر ہے۔ اور اس جگہ وجود بھی راستے میں رہ جاتا ہے اور اس سے اوپر عروج واقع ہوتا ہے۔

ابوالکارم رکن الدین (حضرت) شیخ علاء الدولہ (سمنائی رحمۃ اللہ علیہ) اپنی بعض مصنفات میں فرماتے ہیں: ”وَفَوْقُ

عَالَمِ الْوُجُودِ عَالَمِ مَلِكِ الْوُجُودِ۔“ یعنی: عالم وجود کے اوپر بادشاہ و دود کا عالم ہے۔ مقام صدیقیت مقامات بقائیں سے ہے جو عالم کی طرف رو (توجہ) رکھتا ہے۔ اس مقام سے نیچے مقام نبوت ہے، جو درحقیقت (مقام صدیقیت) سے بالاتر ہے اور اس میں صحو و بقا کا کمال ہے۔ مقام قربت ان دونوں مقامات کے درمیان برزحیت (واسطہ) ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا، کیونکہ اس کی توجہ خالص تنزیہ کی جانب ہے اور (یہ) عروج کی انتہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے:

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند ہر چہ استاد ازل گفت بگو میگویم

یعنی: مجھے آئینہ کے پیچھے طوطی کی مانند رکھا گیا، میں وہی کہتا ہوں جو استاد ازل نے مجھے کہنے کو کہا ہے۔

(فقیر کے لیے) نظر اور استدلال سے ثابت شدہ شرعی علوم کو ضروری کشفی بنا دیا گیا ہے، علمائے شریعت کے اصول سے بال برابر بھی مخالفت نہیں ہے، بلکہ انہی اجمالی علوم کو تفصیلی بنا دیا گیا ہے اور نظریات^(۱) سے ضرورت^(۲) کی طرف لائے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت خواجہ بزرگ (بہاء الدین نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے پوچھا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ (آپ نے) فرمایا: ”تا کہ اجمالی معرفت تفصیلی ہو جائے اور استدلالی (معرفت) کشفی بن جائے۔“ اور (آپ نے) نہیں فرمایا کہ ان (شرعی علوم) کے علاوہ دوسرے علوم حاصل ہو جائیں۔ جی ہاں! راستے میں بہت سے علوم و معارف ظاہر ہوتے ہیں، جن سے گزر جانا چاہیے۔ جب تک (سالم) مقام نہایت کی نہایت تک نہ پہنچے، جو کہ مقام صدیقیت ہے، (اس وقت تک) وہ ان علوم سے حصہ نہیں پاتا۔ فَبَايَتَ شِعْرِي اِنَّ مِنْ اَهْلِ اللّٰهِ لَفَائِلَيْنِ بِحُصُولِ هَذَا الْمَقَامِ الشَّرِيفِ وَلَيْسَ لَهُمْ مَنَاسِبَةٌ بِعُلُومِ هَذَا الْمَقَامِ وَمَعَارِفِهِ فَمَا وَجْهُهُ. وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ. (سورۃ یوسف، ۷۶) یعنی: کاش میں جانتا کہ بعض اہل اللہ جو اس مقام شریف (صدیقیت) کے حاصل ہونے کے قائل ہیں، حالانکہ ان کو اس مقام کے علوم و معارف کے ساتھ کوئی بھی مناسبت نہیں، پس اس کی کیا وجہ؟ ”اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔“

(فقیر کو) مسئلہ قضا و قدر پر بھی اطلاع بخشی گئی۔ اور اس کا اس طرح علم (عطا) فرمایا گیا کہ کسی وجہ سے بھی روشن شریعت کے ظاہری اصول سے مخالفت لازم نہیں آتی اور (یہ) ایجاب کے نقص اور جبر کی آمیزش سے پاک و صاف ہے اور چودہویں رات کے چاند کی مانند ظاہر ہے۔

عجیب (بات) ہے کہ شرعی اصول سے مخالفت نہ رکھنے کے باوجود اس مسئلہ کو پوشیدہ کیوں رکھا گیا ہے۔ اگر (یہ) مخالفت کا شائبہ رکھتا تو (اس کا) چھپانا اور پوشیدہ رکھنا مناسب تھا (لیکن) لَا يُسْتَلُ عَمَّا يَفْعَلُ. (سورۃ الانبیاء، ۲۳) یعنی: اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے، اس کی اس پر پُرسش نہیں ہوگی:

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

یعنی: کسی کی مجال ہے کہ وہ تیرے خوف کے مارے، تیری بات ماننے کے سوا زبان سے کچھ کہہ سکے۔

علوم و معارف ابر بہاری کی طرح یوں برس رہے ہیں کہ قوتِ مدرکہ (سمجھنے کی طاقت) ان کی برداشت سے عاجز ہو

جاتی ہے اور مدرکہ (سمجھ میں آنے والی چیز) محض تعبیر ہے۔ وَالَّا لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَا۔^(۳) یعنی: ورنہ بادشاہوں کے عطیات کو ان کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

شروع میں (فقیر کو) یہ شوق تھا کہ ان عجیب علوم کو ضبط تحریر میں لایا جائے، لیکن اس کی توفیق نہیں پاتا تھا اور اس وجہ سے بوجھل رہتا تھا، آخر کار تسلی فرمائی گئی کہ ان علوم کے فیضان کا مقصد ان علوم کا ملکہ (لیاقت) حاصل کرنا ہے، نہ کہ ان علوم کو یاد کرنا۔ چنانچہ طلبہ علوم کو اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ مولویت کا ملکہ حاصل ہو جائے، نہ کہ وہ صرف ونحو کے اصول وغیرہ یاد کر لیں۔

(فقیر) ان علوم میں سے بعض (آپ کی) خدمت میں عرض کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ (سورۃ شوریٰ، ۱۱) یعنی: اس جیسی کوئی شے نہیں اور وہ (ہر بات) سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (اس) کلام کا پہلا حصہ خالص تنزیہ کا اثبات ہے، جس طرح کہ ظاہر ہے اور اللہ سبحانہ کا ارشاد وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ اس تنزیہ کو پورا اور مکمل کرنے والا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ چونکہ عالم کے لیے سمع و بصر کے ثابت ہونے میں باہم مشابہت کا وہم ہوتا ہے، اگرچہ وہ فرضی طور پر ہی ہو، لہذا حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس وہم کے دور کرنے کے لیے عالم سے سمع و بصر کی نفی فرمادی، یعنی سَمِيعٌ وَبَصِيرٌ اللہ جل شانہ ہی ہے اور سمع و بصر (کی طاقت) جو تمام مخلوقات میں ہے، یہ دیکھنے اور سننے میں کچھ دخل نہیں رکھتی۔ جیسا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ سمع و بصر کو پیدا فرماتا ہے، اسی طرح ان دونوں صفات سمع و بصر کے پیدا فرمانے کے بعد، جیسا کہ عادتہ اللہ یونہی جاری ہے، ان صفات کی تاثیر کے بغیر سننے اور دیکھنے کو پیدا فرما سکتا ہے اور اگر ہم ان صفات کی تاثیر کے قائل ہوں تو ان میں تاثیر بھی اسی کی پیدا فرمائی ہوئی ہے۔ پس جیسا کہ ان (مخلوقات) کے اصل جہاد محض ہیں، اسی طرح ان کی صفات بھی جہاد محض ہیں۔ جس طرح کہ صاحب قدرت (اللہ تعالیٰ) محض اپنی قدرت سے پتھر میں کلام کی صفت پیدا فرمائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حقیقت میں پتھر کلام کرنے والا ہے اور کلام کرنے کی صفت رکھتا ہے۔ جیسا کہ پتھر جہاد (محض) ہے، اگر بالفرض اس میں یہ صفت بھی موجود ہو تو وہ بھی جہاد (محض) ہی ہے۔ حرف اور آواز کے اس سے ظاہر ہونے میں، وہ (خود) کوئی دخل نہیں رکھتا۔ تمام صفات اسی طرح پر ہیں۔

غرض جب یہ دو صفات زیادہ ظاہر تھیں تو ان دونوں کو نفی کے لیے اللہ تعالیٰ نے خاص فرمایا اور دو کی نفی سے باقی (تمام صفات) کی نفی بطریق اولیٰ لازم آئے گی۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اول صفت علم پیدا فرمائی۔ اس کے بعد اس (صفت علم) کی توجہ معلوم کی جانب پیدا کی۔ پھر اس کا تعلق معلوم کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اس کے بعد معلوم کو اس پر منکشف کیا۔ پھر علم کی صفت پیدا فرمانے کے بعد صرف اپنی عادت (قانون قدرت) کے مطابق انکشاف کو اس میں پیدا کیا۔ پس معلوم ہوا کہ (صفت) علم کو انکشاف میں کیا دخل ہوگا۔ ایسے (اللہ تعالیٰ نے) اول سمع کی صفت کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد کان اور مسموع کی جانب توجہ (پیدا کی)۔ پھر سننا اور اس کے بعد مسموع کا ادراک پیدا فرمایا۔

اسی طرح اول (صفت) بصر کو پیدا فرمایا۔ اس کے بعد آنکھ کی پتلی کا پھیرنا اور چیزوں کی جانب توجہ کرنا (پیدا فرمایا)۔

پھر دیکھنا، اس کے بعد دیکھی ہوئی چیز کا ادراک (پیدا فرمایا)۔ (مخلوق کی باقی صفات کو) اسی طرح قیاس کریں۔

پس سمیع و بصیر وہی ہستی ہے کہ سماع (سننا) اور رویت (دیکھنا) کی صفت جس کا مبداء ہوں اور جب وہ ایسے نہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سمیع و بصیر نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان (مخلوقات) کی صفات ان کی ذات (اصل) کی مانند محض جماد ہیں۔ پس آیت (مذکورہ) کے آخر کلام سے مقصود یہ ہے کہ ان سے کئی طور پر صفات کی نفی ہو جائے، نہ یہ کہ ان کے لیے صفات ثابت ہوں۔ اور یہ صفات اللہ سبحانہ کے لیے ثابت ہیں، کیونکہ اس سے تنزیہ اور تشبیہ کا باہم جمع ہونا لازم آتا ہے، بلکہ تمام آیت کریمہ میں تنزیہ کا اثبات اور کئی طور پر تشبیہ کی نفی ہے۔

علمِ اوّل یعنی ان کی صفات کو خاص حق سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا اور ان کی ذوات (اصل) کو محض جماد سمجھنا اور پرنا لے اور کوزہ کی مانند پانا کہ پانی وہاں سے ظاہر ہے۔ (یہ سب) مقام ولایت کے مناسب علوم میں سے۔ علمِ ثانی، یعنی ان کی صفات کو بھی جماد کے رنگ میں پانا اور ان سب کو مردہ جاننا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُونَ (سورۃ الزمر، ۳۰) یعنی: آپ کو بھی فوت ہونا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ (یہ) مقام شہادت کے مناسب علوم میں سے ہے۔

اس بیان سے بھی دونوں مقامات کے درمیان فرق سمجھ آ جاتا ہے۔ اَلْقَلِيلُ يَدُلُّ عَلَى الْكَثِيرِ وَالْجُرْعَةُ تُبْنِي عَنِ الْبَحْرِ الْعَدِيدِ۔ یعنی: تھوڑی شے زیادہ پر دلالت کرتی ہے اور گھونٹ بڑے سمندر کی خبر دیتا ہے:

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است

یعنی: جو سال اچھا ہوتا ہے وہ اپنی بہار سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح اس بلند مقام کے (حائل) صاحبان مخلوقات کو بھی مردہ اور جماد کی مانند پاتے ہیں، نہ یہ کہ ان کے افعال کو حق تعالیٰ کی جانب منسوب کریں اور ان افعال کا فاعل حق سبحانہ کو جانتے ہیں۔ تَعَالَى اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذَلِكَ غُلُوبًا كَبِيرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات (پاک) اس سے بہت ہی بلند و بالاتر ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ایک پتھر کو ہلاتا ہے اور حرکت دیتا ہے، تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ شخص متحرک ہے، بلکہ وہ پتھر میں حرکت کو ایجاد کرنے والا ہے اور پتھر متحرک ہے۔ باوجود اس کے جس طرح کہ پتھر محض جماد ہے، اس کی حرکت بھی محض جماد ہے۔ اگر بالفرض اس حرکت سے کوئی شخص ہلاک ہوا تو یہ نہیں کہتے کہ (اسے) پتھر نے ہلاک کیا، بلکہ کہتے ہیں کہ اس آدمی نے ہلاک کیا۔ شریعت کے علماء شُكِرَ اللّٰهُ تَعَالٰی سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ انہیں ان کی کوشش کا اجر دے) کا قول اس علم کے مطابق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مخلوقات سے افعال صادر ہونے کے باوجود، خواہ وہ (افعال) ان کے ارادہ و اختیار سے ہوں، ان (افعال) کے مفعول حق سبحانہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور ان (مخلوقات کے فعل کو ان (مفعولات) کے بنانے میں کوئی دخل نہیں ہے، ان کے افعال چند ایسی حرکات ہیں جن کے معمول (و مصنوع) کے بنانے میں ان کی کچھ بھی تاثیر نہیں ہے۔ اگر کہیں کہ اس طرح تو افعال کو ثواب و عذاب کا مدار بنانا غیر معقول ہے، جیسا کہ پتھر کو کسی امر کا مکلف بنائیں اور اس کے فعل پر اچھائی اور برائی مرتب کریں۔ ہم کہیں گے پتھر اور مکلفین کے درمیان فرق ہے، کیونکہ شرعی تکلیفات کا مدار قدرت اور ارادہ پر ہے اور پتھر میں ارادہ نہیں ہے، لیکن جب ان کا ارادہ بھی حق سبحانہ کا پیدا کیا ہوا ہے، بغیر اس کے کہ مراد کے حصول میں اس کی کوئی تاثیر ہو، وہ ارادہ بھی مردہ کی طرح ہے، اسی

بنا پر مراد اس کی ثابت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی عادت جاری پر پیدا ہوتی ہے۔ اگر بالفرض مخلوق کی قدرت کو مؤثر بھی کہا جائے، جیسا کہ ماوراء النہر کے علماء شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ انہیں ان کی کوشش کا اجر دے) نے کہا ہے تو وہ تاثیر بھی اس میں حق سبحانہ کی پیدا کی ہوئی ہے، جیسا کہ قدرت کو بھی اسی (حق سبحانہ) نے پیدا فرمایا ہے۔ پس اس کی تاثیر میں اس کا بالکل کوئی اختیار نہیں ہے، لہذا اس کی تاثیر بھی جماد کی مانند ہوگی۔ مثلاً ایک شخص نے ایک پتھر کو دیکھا جو کسی ہلانے والے کی حرکت سے اوپر سے نیچے گر پڑا اور اس نے ایک جانور کو ہلاک کر ڈالا۔ وہ شخص جس طرح اس پتھر کو جماد سمجھتا ہے، اس کے فعل کو، جو حرکت ہے، بھی جماد ہی جانتا ہے اور اس فعل پر مرتب ہونے والے اثر کو جو کہ ہلاک کرنا ہے، بھی جماد جانتا ہے۔ پس (مخلوقات کی) ذاتیں، صفاتیں اور افعال تمام محض جمادات اور صرف مردہ ہیں۔ فَهُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (سورۃ آل عمران، ۲) وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (سورۃ الاسراء، ۱) وَهُوَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (سورۃ لقمان، ۳۲) وَهُوَ الْفَعَّالُ لِمَا يُرِيدُ (سورۃ ہود، ۱۰۷) قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (سورۃ الکہف، ۱۰۹) یعنی: پس وہی زندہ (اور) ہمیشہ رہنے والا ہے اور بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے اور وہی جاننے والا اور خبردار ہے اور وہی جو چاہتا ہے کر دیتا ہے اور آپ کہہ دیجیے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سیاہی ہو تو اس سے پہلے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں، سمندر ختم ہو جائے، اگرچہ ہم ویسا ہی (اور) سمندر) اس کی مدد کو لائیں۔

(فقیر نے) گستاخی بہت کی اور بیحد جرات واقع ہوئی۔ کیا کیا جائے جو بات جمیل مطلق (حق سبحانہ و تعالیٰ) کے متعلق ہے، اس کی زیبائی نے اس پر (آمادہ) رکھا کہ جس قدر سخن دراز ہو زیبا ہے اور جو کچھ اس (اللہ تعالیٰ) کی جانب سے کہا جائے وہ خوبصورت ہے۔ باوجود اس کے کہ (فقیر) خود میں کوئی مناسبت نہیں پاتا کہ اس کی ذات پاک کے بارے میں کلام کرے یا اس کا نام (مبارک) زبان پر لائے:

ہزار بار ہشتم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن مرا نمی شاید

یعنی: میں نے ہزار مرتبہ منہ کو مشک و گلاب سے دھویا ہے پھر بھی تیرا نام لینا میرے لیے کمال بے ادبی ہے۔

ع بندہ باید کہ حد خود داند

یعنی: بندے کو اپنی حد پہچانی چاہیے۔

(فقیر آپ کی) توجہ و عنایت کا اُمیدوار ہے۔ اپنی خرابی (کے بارے میں) کیا عرض کرے۔ جو کچھ اپنے اندر پاتا ہے،

وہ آپ کی بلند توجہ کی عنایات میں سے ہے، ورنہ:

ع من ہماں احمد پارینہ کہ ہستم ہستم

یعنی: میں وہی پرانا احمد ہوں جو آپ کا (دیرینہ) غلام ہے۔

میاں شاہ حسین توحید (وجودی) کا طریقہ رکھتا ہے اور اس میں محفوظ ہے۔ دل میں آتا ہے کہ اسے وہاں سے نکالا

جائے تاکہ حیرت میں پہنچ جائے جو کہ مقصود ہے۔

محمد صادق^(۴) بچپن ہی سے خود کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اگر کسی سفر میں ہمراہ ہوتا ہے تو بہت ترقیاں کرتا ہے۔ دامن کوہ کی سیر میں ہمراہ تھا (اس نے) بڑی ترقی کی اور مقام حیرت میں ڈبکی لگائی ہے اور حیرت میں فقیر کے ساتھ کامل مناسبت رکھتا ہے۔ شیخ نور محمد^(۵) بھی اسی مقام میں ہے۔ (اس نے) بہت ترقی کر لی ہے اور اس فقیر کے خویشتوں میں سے ایک جوان ہے۔ اس کا حال بہت بلند ہے۔ تجلیات برقیہ کے نزدیک ہے اور مستعد ہے۔

مکتوب نمبر (۱۹)

بعض حاجتمندوں کی سفارش میں۔ یہ بھی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: خادموں میں کمترین کی گزارش یہ ہے کہ لشکر سے ایک شخص نے آکر بتایا ہے کہ دہلی اور سرہند کے وظیفہ دار فقراء کی گذشتہ فصل خریف کی رقم آپ کی بلند درگاہ کے ملازمین کے حوالے کی گئی ہے تاکہ آپ تحقیق کے بعد مستحقین کو پہنچا دیں۔ لہذا گستاخی کی گئی ہے کہ ہزار تنکہ فصلانہ شیخ ابوالحسن حافظ و اہل علم کے نام اور ہزار تنکہ فصلانہ شیخ شاہ محمد حافظ کے نام نواب شیخ کی سرکار سے مقرر ہے۔ مذکورہ بالا دونوں اشخاص زندہ و موجود ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے اپنے آدمی کو بھیجا ہے، جو قابل اعتماد ہے۔ اگر مذکورہ خبر صداقت رکھتی ہے تو ان دونوں مذکورہ اشخاص کی رقم اسی عریضہ کے حامل کے سپرد فرمادیں۔ (یہ) دونوں مذکورہ اشخاص سرہند میں (موجود) ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۰)

یہ بھی بعض حاجتمندوں کی سفارش میں اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں تحریر فرمایا ہے۔

عریضہ: کمترین خادم کی گزارش یہ ہے کہ حبیب اللہ سرہندی کی والدہ اور اس کی زوجہ اور دوسرے بزرگوں کے وظائف کے بارے میں جو عریضے لکھے گئے ہیں، آپ کی بلند بارگاہ کے خادموں کو (فقیر) دوبارہ تکلیف دیتا ہے۔ اگر مذکورہ بالا اشخاص کے وظائف کی رقم دہلی میں لائی گئی ہو تو آپ مولانا علی کو حکم فرمائیں کہ ان اشخاص کی تسلی کر دیں۔ بعض (اشخاص) اپنے وکیل (نمائندہ) کی صورت میں اور بعض بذات خود حاضر ہوئے ہیں۔ اگر رقم نہ لائی گئی ہو تو مذکورہ اشخاص زندہ اور موجود ہیں، (لہذا) پروانوں (سرکاری فرمانوں) کے درست کرنے کے لیے التماس کرتے ہیں۔ زیادہ (لکھنا) بے ادبی ہے۔

مکتوب نمبر (۲۱)

شیخ محمد کی ولد الحاج قاری موسیٰ لاہوری کی جانب تحریر فرمایا ہے، ولایت کے درجات، خاص کر ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کے درجات کا بیان اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار صاحبہا کی تعریف، نیز ان بزرگوں (حضرات نقشبندیہ) کی نسبت کی بلندی اور اس (طریقہ) کی دوسرے تمام طریقوں پر فضیلت اور اس بیان میں کہ ان (حضرات نقشبندیہ) کا حضور دائمی ہے۔

آپ نے جو عمدہ مکتوب شریف اس ضعیف (اور) کمزور بندہ کے نام لکھا تھا، وہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اجر کو عظیم

بنائے۔ اللہ سبحانہ آپ کے کام کو آسان فرمائے، آپ کے سینہ کو کھول دے اور آپ کے عذر کو قبول فرمائے۔ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰات افضلہا و من التسلیمات اکملہا (آپ پر اور آپ کی آل پر افضل ترین درود اور اکمل ترین سلام ہو) کے طفیل جو آنکھ کی کچی^(۱) سے پاک ہیں۔

(میرے) بھائیو! جان لو جب تک وہ موت^(۲) جو معروف موت سے پہلے ہے اور اولیاء اللہ جسے فنا سے تعبیر کرتے ہیں، ثابت نہ ہو جائے، (اس وقت تک) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنا محال ہے، بلکہ آفاقی باطل معبودوں اور نفسانی (خواہشات کے) خداؤں کی پوجا سے نجات حاصل نہیں ہوتی، نہ تو اسلام کی حقیقت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی ایمان کا کمال میسر (ہوتا ہے)۔ پھر (خدا کے) بندوں کے گروہ میں شمولیت اور اتاد کے درجہ تک رسائی کس طرح (نصیب) ہوگی۔ حالانکہ یہ فنا پہلا قدم ہے جو ولایت کے درجات میں رکھا جاتا ہے اور سب سے پہلا کمال ہے جو ابتدا ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس بنا پر مناسب ہے کہ ولایت کے اوّل سے اس کا آخر اور اس کی ابتدا سے اس کی نہایت کے درجے کا قیاس کر لیا جائے۔ نیز فارسی زبان میں کتنا اچھا کہا گیا ہے:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار من

یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

اور اس بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے:

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است

یعنی: جو سال اچھا ہوتا ہے وہ اپنی بہار سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

ولایت کے (کئی) درجات ہیں۔ بعض ایک دوسرے کے اوپر ہیں، کیونکہ ہر نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے قدم پر ایک ولایت ہے جو ان سے مخصوص ہے اور اس (ولایت) کے درجات کا بلند ترین درجہ وہ ہے جو ہمارے نبی علیہ وعلیٰ جمیع إخوانہ من الصلوٰات اتمہا و من التّحیّات اتمہا (آپ اور تمام انبیاء پر کامل ترین درود اور مبارک سلام ہوں) کے قدم (مبارک) پر ہے، کیونکہ تجلی ذاتی جس میں اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نہ ایجاب (اور) نہ ہی سلب کے طور پر اور وہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے مخصوص ہے۔ اس مقام میں تمام وجودی اور اعتباری پردوں کا علمی اور عینی طور پر ہٹ جانا ثابت ہوتا ہے۔ پس اس وقت وصل عریانی حاصل ہو جاتا ہے اور وجد حقیقی ثابت ہو جاتا ہے، نہ کہ ظنی اور تخمینی۔ اس نادر مقام میں آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل پیروکاروں کو مکمل نصیب اور بہت زیادہ حصہ حاصل (ہوتا) ہے۔

اگر تم اس بلند تر دولت کے حاصل کرنے اور اس بلند درجہ کی تکمیل کے لیے متوجہ ہو تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو لازم پکڑو۔ یہ تجلی ذاتی اکثر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک برقی ہے۔ یعنی حضرت ذات جل سلطانہ (کی بارگاہ) سے تمام حجابات کا برق کی طرح دور ہو جانا تھوڑی مدت کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسماء و صفات کے پردے ڈال دیے جاتے ہیں اور ذات تعالیٰ کے انوار پردوں میں ڈھانپے جاتے ہیں۔ پس حضور ذاتی برق کی طرح ایک لمحہ ہوتا ہے اور

غیبت ذاتی بہت زیادہ ہے۔ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے نزدیک یہ حضور ذاتی دائمی ہے اور ان بزرگواروں کے نزدیک زائل ہو جانے والے اور غیبت سے بدل جانے والے حضور کا (کوئی) اعتبار نہیں ہے۔

پس ان بزرگواروں کا کمال تمام کمالات سے بلند ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر (ہے)۔ جس طرح کہ ان کی عبارتوں میں مذکور ہے: **إِنَّ نِسْبَتَنَا فَوْقَ جَمِيعِ النَّسَبِ**۔ یعنی: ہماری نسبت تمام نسبتوں سے برتر ہے۔ نسبت سے ان کی مراد حضور ذاتی دائمی ہے۔ ان سب سے عجیب ترین یہ ہے کہ ان کا ملین کے طریقہ میں انتہا ابتدا میں مندرج ہے اور اس امر میں وہ (بزرگوار) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بارک کے صحابہ (کرامؓ) کی پیروی کرتے ہیں، کیونکہ انہوں (صحابہ کرامؓ) نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام والحقہ کی پہلی صحبت ہی میں وہ چیز پائی، جو دوسروں کو کام (سلوک) کی انتہا میں میسر ہوتی ہے۔ یہ بات انتہا کے ابتدا میں مندرج ہونے کے سبب سے ہے۔

پس جیسا کہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایات سے بلند ہے، اسی طرح ان اکابر کی ولایت بھی تمام اولیاء قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ولایتوں سے بالاتر ہے، کیونکہ بلند تر نہ ہو جبکہ ان کی ولایت (حضرت) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے۔

جی ہاں! (دوسرے سلاسل کے) کامل مشائخ میں سے بعض حضرات کو یہ نسبت حاصل ہوئی ہے۔ یہ حصول بھی (حضرت) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولایت ہی سے ماخوذ ہے، جس طرح کہ (حضرت) شیخ ابوسعید (قدس سرہ) نے اس حدیث (تجلی ذاتی دائمی) کی خبر دی ہے اور (حضرت) شیخ ابوسعید (قدس سرہ) مذکور کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جبہ پہنچا ہے، جیسا کہ صاحب نجات^(۳) نے نقل کیا ہے۔ اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بعض کمالات کے ظاہر کرنے سے غرض طالبین کو اس طریقہ عالیہ کی جانب رغبت دلانا ہے، ورنہ مجھے اس طریقہ کے کمالات کی شرح (بیان کرنے) سے کیا نسبت؟ مولانا روم^(۴) (رحمۃ اللہ علیہ) نے مثنوی میں فرمایا ہے:

شرح او حیف است با اہل جہاں ہچو راز عشق باید در نہاں
لیک گفتم وصف او تارہ برند پیش ازاں کز فوت او حسرت خورند

یعنی: اہل دنیا سے اس کو بیان کرنا نامناسب ہے، عشق کے راز کی طرح اس کو پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

♦ لیکن میں نے اس کا کچھ تذکرہ کیا تاکہ راستہ طے کر سکیں، اس سے پہلے کہ اس کے فوت ہونے پر حسرت کریں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ جَمِيعٍ مِّنْ أَتْبَعِ الْهُدَىٰ.

یعنی: آپ پر اور ہدایت کی اتباع کرنے والے تمام لوگوں پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۲)

شیخ عبدالحمید ولد شیخ محمد مفتی لاہوری کی جانب ارسال فرمایا۔ روح و نفس کے درمیان تعلق کی وجہ کے بیان میں۔ ان کے عروج و نزول کا بیان، جسم اور روح کی فنا اور ان کی بقا کا بیان، مقام دعوت کا بیان، اولیاء میں سے جو صاحبان فنا ہیں اور جو مقام دعوت کی جانب لوٹنے والے ہیں، ان کا بیان۔

پاک ہے اور منزہ وہ ذات جس نے نور (روح) کو ظلمت (نفس) کے ساتھ جمع کیا اور لامکانی (روح) کو جو کہ جہت سے آزاد ہے، مکانی (نفس) جو کہ جہت میں ہے، کا ساتھی بنایا اور ظلمت کو نور کی نظر میں محبوب بنا ڈالا۔ پس وہ نور اس پر فریفتہ ہو گیا اور کمال محبت سے اس کے ساتھ مل گیا، تاکہ اس تعقل کے ذریعے اس کی روشنی بڑھ جائے اور ظلمت کی ہمسائیگی سے اس کی صفائی کامل ہو جائے۔ جس طرح کہ آئینہ کو جب صیقل کرنا چاہیں اور اس لطافت کو ظاہر کرنا چاہیں تو اول اس کو مٹی سے آلودہ کرتے ہیں، تاکہ ظلمت کی ہمسائیگی سے اس کی صفائی ظاہر ہو جائے اور مٹی کی کثافت کی وجہ سے اس کی نورانیت بڑھ جائے۔

پس اس نور نے ظلمانی معشوق (نفس) کے مشاہدہ میں غرق ہونے اور غصری جسم سے تعلق کی بنا پر جو کچھ اسے اپنے پہلے شہود قدسی سے حاصل تھا، اس کو فراموش کر دیا، بلکہ وہ اپنی ذات اور اپنے وجود کے تعلقات سے بھی بے خبر ہو گیا۔ پھر وہ نور اس کی ہم نشینی سے بائیں^(۱) طرف والوں سے ہو گیا اور اس کی ہمسائیگی میں دائیں^(۲) ہاتھ والوں کے فضائل کو ضائع کر بیٹھا۔ پس اگر وہ اسی استغراق کے تنگ کوچہ میں پڑا رہا اور آزاد فضا میں نہ پہنچا تو اس پر افسوس ہے، ہزار افسوس! کیونکہ اس کے وجود کا جو مقصد تھا، وہ (اسے) میسر نہ ہوا اور اس کی استعداد کا جو ہر بھی ضائع ہو گیا۔ فَضْلٌ ضَلَّلاً بَعِيدًا۔ (دیکھئے: سورۃ النساء، ۱۱۶) یعنی: پس وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اور اگر بھلائی^(۳) کی توفیق اس کو نصیب ہو گئی اور عنایت الہی اس کے شامل حال ہو گئی تو اس نے سر کو (غفلت سے) اٹھالیا۔ جو کچھ اس سے گم ہو گیا تھا (اس نے) اس کو یاد کیا (اور یہ) کہتے ہوئے اپنی پہلی حالت کی جانب الٹے پاؤں لوٹ پڑا:

إِلَيْكَ يَا مُنْتَهَى حَجِّي وَمُعْتَمِرِي
إِنْ حَجَّ قَوْمٌ إِلَى تَرْبٍ وَأَحْبَابٍ

یعنی: اے میری امید! میرا حج و عمرہ تیری جانب (آنا) ہے، اگرچہ لوگ مٹی اور پتھروں کی طرف حج کرتے ہیں۔ اگر اسے دوسری بار مطلوب اقدس کے مشاہدہ میں احسن طریقہ سے استغراق حاصل ہو گیا اور بارگاہ مقدس کی جانب کامل توجہ میسر ہو گئی تو اس وقت ظلمت اس کے تابع ہو جائے گی اور اس کے انوار کے غلبوں میں شامل ہو جائے گی۔ جب یہ استغراق اس حد تک پہنچ جائے کہ اپنے ظلمانی متعلق کو پوری طرح بھلا ڈالے، اپنی ذات اور وجود کے توابع سے یکسر بے خبر ہو جائے، نور الانوار کے مشاہدہ میں فنا ہو جائے اور اسے پردوں کے پیچھے سے مطلوب کا حضور حاصل ہو جائے تو وہ جسم اور روح کی فنا سے مشرف ہو جائے گا۔ اگر اس کو مشہود میں فنا میسر ہونے کے بعد اس مشہود کے ساتھ بقا بھی حاصل ہو جائے تو پھر فنا و بقا کی دونوں جہتیں اسے تمام و کمال کے طور پر نصیب ہو گئیں۔ اب اس پر ولایت کے نام کا اطلاق درست ہو گیا۔ پس اس صورت میں اس کا حال دو امر سے خالی نہیں ہے، یا اس (شخص) کو مشہود میں مکمل طور پر استغراق اور اس میں دائمی فنا حاصل ہو گی، یا وہ خلقت کو حق (تعالیٰ) عز سلطانہ کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہوگا، اس طور پر کہ اس کا باطن اللہ سبحانہ کی طرف اور اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہوگا۔ اس وقت نور اس ظلمت سے جو اس میں مندرج ہے اور اپنے مطلوب کی جانب متوجہ ہے، رہائی پالیتا ہے اور اس رہائی کے ذریعے اصحابِ یمین (دائیں ہاتھ والوں) میں سے ہو جاتا ہے اور اس (روح) کے لیے اگرچہ حقیقت میں نہ یمین (دایاں) ہے اور نہ شمال (بایاں)، لیکن یمین (دایاں ہاتھ) اس کے حال کے موافق اور اس کے

کمال کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ دائیں اور بائیں (دونوں) ہاتھوں کو یمن و برکت میں مشترک ہونے کے باوجود، دایاں ہاتھ خیریت کی جہت کا جامع ہے۔ جیسا کہ (اللہ) عزّ شأنہ کی شان میں آیا ہے: *كَلَّمْنَا يَدَيْهِ يَمِينٌ*۔^(۴) یعنی: اس کے دونوں ہاتھ یمن (دائیں) کی طرح (مبارک) ہیں۔ وہ ظلمت اس نور سے بندگی اور طاعت کے مقام میں اتر آتی ہے۔ نور لامکانی سے ہماری مراد روح ہے، بلکہ اس کا خلاصہ اور جہت میں مقیدہ ظلمت سے مراد نفس ہے اور ظاہر و باطن سے بھی ہماری یہی مراد ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ فانی اللہ اولیاء کو بھی عالم کے ساتھ شعور، اس کی جانب توجہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ میل جول (حاصل ہوتا) ہے، پھر فنا اور کامل دائمی توجہ کے کیا معنی ہیں؟ اور ان کے اور ان لوگوں کے درمیان جو عالم کی جانب دعوت کے لیے متوجہ ہیں، کیا فرق ہے؟ ہم کہتے ہیں فنا اور کامل توجہ سے مراد روح کے انوار میں نفس کے داخل ہو جانے کے بعد روح و نفس کا ایک ساتھ متوجہ ہونا ہے، جس طرح کہ (پہلے) اس کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ عالم کے ساتھ اس کا شعور اور ایسے ہی توجہ وغیرہ حواس و قویٰ اور اعضا کے ذریعے ہوتا ہے جو کہ نفس کے لیے تفصیلات کی طرح ہے۔ پس مجمل شخص (یعنی نفس) روح کے انوار کے ضمن میں اپنے مشہود کے مطالعہ میں فانی ہوتا ہے اور اس کی تفصیل پہلے ہی شعور پر باقی رہتی ہے، بغیر اس کے کہ اس میں کسی طرح کا فتور واقع ہو، برخلاف اس شخص کے جو عالم کی طرف (دعوت کے لیے) متوجہ ہے، کیونکہ اس کا نفس اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد دعوت کے لیے (ان انوار سے) باہر نکل آتا ہے، اسے عالم کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے اور اس مناسبت کی وجہ سے اس کی دعوت مقبول ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات کہ نفس مجمل ہے اور اس کے حواس وغیرہ اس کی تفصیلات ہیں۔ سو یہ اس لیے ہے کہ نفس کا تعلق قلب صنوبری^(۵) کے ساتھ ہے اور قلب صنوبری کا تعلق حقیقت جامعہ قلبیہ کے ذریعے روح کے ساتھ ہے اور فیوضِ واردہ کو مجمل طور پر اوّل روح سے اس (نفس) پر نازل کرتے ہیں اور پھر اس (نفس) کی وساطت سے تفصیلی طور پر تمام قویٰ و اعضا پر (وارد کرتے ہیں)۔ پس ان (قویٰ و اعضا) کا چوڑا مجمل طور پر نفس میں موجود ہے۔ اس بیان سے دونوں گروہوں کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔

جاننا چاہیے کہ پہلا گروہ (فانی فی اللہ) صاحبانِ سکر (میں سے) ہے اور دوسرا (دعوت کی جانب متوجہ حضرات) اربابِ صحو میں سے (ہے)۔ شرافت پہلے (گروہ) کے لیے ہے اور فضیلت دوسرے (گروہ) کے لیے۔ پہلا (گروہ) مقام ولایت کے مناسب ہے اور دوسرا (گروہ مقام) نبوت کے مناسب۔ حق سبحانہ، ہم سب کو اپنے اولیاء کی کرامات سے مشرف فرمائے۔ انبیاء کی کمال متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ *صَلَوَاتِ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلٰی نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰی جَمِيعِ اٰخَوَانِهِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالْعِبَادِ الصَّالِحِينَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ*۔ آمین۔ یعنی: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، تمام انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام)، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین)، مقربین (درگاہ)، فرشتوں اور نیک بندوں پر قیامت کے دن تک درود و سلام نازل ہو۔ آمین۔

دعا گو کا تب الحروف اگرچہ اپنے عجمی ہونے کی بنا پر عربی کو جیسے کہ ہونی چاہیے (خوب) نہیں جانتا تھا، لیکن چونکہ آپ کا مکتوب شریف عربی زبان میں لکھا گیا تھا، لہذا آپ کے مطابق عربی میں تحریر کیا اور سلام کے ساتھ بات کو ختم کیا جاتا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۳)

عبدالرحیم مشہور بہ خان خانان کو ان کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا۔ ناقص پیر سے طریقہ اخذ کرنے سے منع کرنے اور اس کے نقصان کے بیان میں۔ نیز اہل کفر سے مشابہت رکھنے والے القاب پر سرزنش کرنے کے بیان میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید البشر علیہ و علی آلہ من الصلوٰات افضلہا و من التسلیمات اکملہا (آپ پر اور آپ کی آل پر افضل ترین درود اور اکمل ترین سلام ہو) جو سیاہ و سرخ (عرب و عجم) کی جانب بھیجے گئے ہیں، کے طفیل حال سے خالی قال اور عمل سے خالی علم سے نجات بخشے۔

ع وَبَرَحْمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِنًا

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

نیک بخت اور صادق بھائی نے آپ کا خط پہنچایا اور زبان ترجمان سے آپ کا حال، جیسا کہ تھا، بیان کیا تو میں نے یہ شعر پڑھا:

أَهْلًا لِّسُعْدَى وَالرَّسُولِ وَحَبْدًا وَجْهَ الرَّسُولِ لِحَبِّ وَجْهِ الْمُرْسَلِ

یعنی: مرحبا اے میرے دوست اور میرے دوست کے قاصد! تیرے قاصد کی زیارت گویا تیرا ہی دیدار ہے۔

اے کمالات کے ظہور کے قابل بھائی! حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کے فعل کی استعداد کو جلوہ گر فرمائے۔ جان لے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ افسوس ہے اس شخص پر جس نے اس میں کوئی چیز کاشت نہ کی اور اپنی استعداد کی زمین کو خالی رکھا اور اپنے اعمال کے بیج کو ضائع کیا۔

جاننا چاہیے کہ زمین کا ضائع و بیکار کرنا دو طریقوں سے ہے۔ ایک یہ کہ اس میں کچھ کاشت نہ کرے اور دوسرا یہ کہ اس میں گندہ بیج ڈالا جائے۔ یہ (دوسری) قسم ضائع کرنے میں سخت نقصان ہے اور اس میں خرابی زیادہ ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ بیج کا گندہ اور خراب ہونا اس طرح ہے کہ طریقہ کو ناقص سالک سے اخذ کرے اور اس کے راستے پر چل پڑے۔ کیونکہ ناقص (سالک) خواہشات نفسانی کے تابع ہوتا ہے اور خواہش نفس کے تابع کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو اس کی حرص ہی کو زیادہ کرے گی۔ پس اس سے سیاہی پر سیاہی حاصل ہوگی۔ نیز ناقص کیونکہ خود واصل نہیں ہے، (لہذا) وہ حق سبحانہ تک پہنچانے والے اور حق سبحانہ تک نہ پہنچانے والے راستوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ طالبین کی مختلف استعدادوں کے درمیان فرق کو نہیں جانتا۔ جب وہ ناقص جذبہ (سیر انفسی) اور سلوک (سیر آفاقی) کے طریقوں میں فرق نہیں کر سکتا تو پھر بسا اوقات طالب کی استعداد شروع میں جذبہ کے طریقہ کے مناسب اور سلوک کے طریقہ کے نامناسب ہوتی ہے اور ناقص طریقوں اور طالبین کی مختلف استعدادوں میں فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کو شروع میں سلوک کے طریقہ پر چلائے گا۔ پس (یوں) اس نے مرید کو راہ حق سے گمراہ کر دیا جس طرح کہ وہ خود گمراہ تھا۔

پس شیخ کامل مکمل جب اس طالب کی تربیت و تسلیم کا ارادہ کر لے تو ناچار محتاج (ہوتا) ہے کہ اول اس چیز کو دور کرے جو ناقص سالک سے اس طالب کو پہنچی ہے اور جو کچھ اس کے سبب اس کا بگاڑ ہوا ہے، اس کی اصلاح کرے۔ اس کے

بعد اس طالب کی استعداد کے مطابق عمدہ بیج اس کی قابلیت کی زمین میں ڈالے۔ پھر وہ عمدہ خوبصورت صورت میں اُگے گا۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ^(۱) یعنی: اور گندے کلمہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر اُکھاڑ لیا جاوے، اس کو کچھ ثبات نہ ہو اور کلمہ طیبہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں اونچائی میں جارہی ہوں۔

پس کامل مکمل شیخ کی صحبت سرخ گندھک (نادر الوجود چیز) ہے۔ اس کی نظر دوا اور اس کا کلام شفا ہے۔ وَبَدُونِهَا خَرَطُ الْقِنَادِ یعنی: اور اس (شیخ کی صحبت) کے سوا بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و اتحیہ کے راستے پر قائم رکھے، کیونکہ اصل کام، نجات کا مدار اور سعادت کی اساس یہی ہے۔ بیشک فارسی میں کتنا خوبصورت کہا گیا ہے:

محمد عربی کا بروئے ہر دوسراست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سراو
یعنی: عرب کے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دونوں جہان کی آبرو ہیں، جو شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے در کی خاک نہیں ہے، اس کے سر پر خاک ہو۔

ہم اس بحث کو سیّد المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درود و سلام اور تحیات و برکات پر ختم کرتے ہیں۔
تمتہ: تعجب ہی تعجب ہے کہ سچے بھائی (قاصد) نے بتایا ہے کہ آپ کے ہم نشین شعرا اور فضلا میں سے ایک شخص ہے جو خود کو ”کفری“ کے لقب سے ملقب کرتا ہے، حالانکہ وہ شخص سادات عظام اور شریف خاندان میں سے ہے۔ اے کاش کہ میں جانتا کہ اس برے نام پر، جس کی برائی ظاہر ہے اسے کس چیز نے ابھارا، حالانکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ایسے نام سے ہلاک کرنے والے شیر سے بھی زیادہ دور بھاگے اور اسے کمال کراہت کے ساتھ مکروہ سمجھے۔ کیونکہ یہ نام اور جس شخص کا یہ نام ہے، دونوں حق سبحانہ اور اُس کے رسول (مقبول) علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک قابلِ نفرت ہیں۔ اہل اسلام کافروں کے ساتھ عداوت رکھنے اور ان کے سختی کرنے پر مامور ہیں۔ پس ایسے برے نام سے بچنا واجب ہے۔

یہ جو بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں سکر کے غلبہ میں کفر کی تعریف، زنا کے باندھنے کی ترغیب اور اس جیسی دوسری چیزیں آئی ہیں، پس ان کا مفہوم اپنے ظاہر کے برعکس ہے اور تاویلات میں سے ایک تاویل پر محمول ہے۔ کیونکہ اہل سکر کے کلام کا اچھا مفہوم لیا جاتا ہے اور اسے اپنے ظاہر سے (اچھے معنی کی جانب) پھیرا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ غلبہ سکر کی وجہ سے ان ممنوعات کو اختیار کرنے پر معذور ہیں۔ اس کے باوجود ان بزرگوں کے نزدیک حقیقی کفر حقیقی اسلام کی نسبت نقص و عیب ہے۔ اہل سکر کے علاوہ (دوسرے لوگ) ان کی تقلید میں نہ ان بزرگوں (اہل سکر) کے نزدیک اور نہ ہی اہل شرع کے نزدیک معذور ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کے لیے ایک خاص موسم اور وقت ہوتا ہے کہ وہ شے اس موسم میں موزوں اور زیبا ہوتی ہے اور دوسرے موسم میں بری (لگتی ہے)۔ دانا آدمی ایک کو دوسری پر قیاس نہیں کرتا۔

پس میری جانب سے اس سے التماس کریں کہ اس نام کو بدل ڈالے اور اس سے بہتر نام سے تبدیل کرے اور خود کو

اسلامی لقب سے ملقب کرے، کیونکہ یہ مسلمان کے حال اور قال کے مطابق ہے اور یہی انتساب اس اسلام سے ہے جو حق سبحانہ اور اس کے رسول (مقبول) علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک پسندیدہ دین ہے اور اس تہمت سے بچنا ہے، جس سے بچنے کے لیے ہم مامور ہیں۔ ”اتَّقُوا مِنْ مَّوَاضِعِ التُّهْمِ“^(۲) (یعنی: تہمت کے مواقع سے بچو) ایسا سچا کلام ہے کہ جس پر کوئی غبار نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ ارشاد فرماتا ہے: وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ. (سورۃ بقرہ، ۲۲۱)

یعنی: اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۷۷) یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اُس پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۳)

محمد قلی خان کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ صوفی کائن اور بائن (ہوتا) ہے (ظاہر میں مخلوق اور باطن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ)، بلاشبہ دل ایک سے زیادہ کے ساتھ تعلق نہیں پکڑتا، یقیناً محبت ذاتیہ کا ظہور محبوب سے پہنچنے والے دکھ اور انعام کو برابر سمجھنا ہے، مقررین (درگاہ) کی عبادت اور ابرار کی عبادت کے درمیان فرق، اسی طرح فنا فی اللہ اولیاء اور مخلوق کو دعوت حق دینے والے اولیاء کے درمیان فرق کا بیان۔

حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو سید المرسلین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سلامت رکھے اور عافیت بخشے۔ ”الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ“^(۱) یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

پس اس شخص کے لیے بشارت ہے، جس کے دل میں حق سبحانہ کے سوا کسی کی محبت باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کے سوا کسی کا طالب نہ ہو۔ ایسا آدمی حق جل سلطانہ کے ساتھ ہے، اگرچہ اپنے ظاہر کے لحاظ وہ مخلوق کے ساتھ ہے اور ان کے ساتھ مشغول ہے۔ یہ صوفی کائن بائن کی شان ہے۔ یعنی: حقیقت میں وہ حق سبحانہ کے ساتھ ہے اور مخلوق سے جدا ہے۔ یا (اس سے) مراد یہ ہے کہ ظاہری صورت میں مخلوق کے ساتھ ہے اور حقیقت میں ان سے جدا ہے۔

دل کی محبت کا تعلق ایک سے زیادہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ پس جب تک اس کی محبت کا تعلق اس ایک (ذات پاک) سے باقی ہے، اس کے ماسویٰ کے ساتھ اس کی محبت کا تعلق نہیں ہوتا۔ یہ جو اس کی مرادوں کی کثرت، بہت سی چیزوں مثلاً مال و اولاد، سرداری، تعریف اور لوگوں میں بلند مرتبہ ہونا (وغیرہ) سے اس کی محبت کا تعلق مشاہدہ میں آتا ہے، اس صورت میں بھی اس کا محبوب ایک ذات کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور یہ اس کا نفس ہے۔ ان سب چیزوں کی محبت اس کے اپنے نفس کی محبت کی فرع (شاخ) ہے، کیونکہ وہ ان سب چیزوں کو صرف اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے، نہ کہ اپنے آپ کو ان کے لیے۔ پس جب اس کے نفس کی محبت زائل ہو جائے تو ان سب چیزوں کی محبت بھی اس کے نفس کے تابع ہونے کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ بندہ اور حق سبحانہ کے درمیان حجاب بندہ کا اپنا نفس ہی ہے، نہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور شے۔ پس جب تک بندہ اپنے نفس کی خواہش سے پوری طرح پاک نہ بن جائے، حق سبحانہ اس کی مراد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں سما سکتی ہے۔ یہ بلند دولت فنائے مطلق کے بعد ہی ثابت ہو سکتی ہے، جو تجلی ذاتی سے وابستہ ہے، کیونکہ اندھیروں کا

پوری طرح دور ہونا اس وقت متصور نہیں ہے، جب تک سورج مکمل اور کمال کے ساتھ طلوع نہ ہو جائے۔ پس جب یہ محبت جس کو محبت ذاتی سے تعبیر کیا جاتا ہے، حاصل ہو جائے تو محبت کے نزدیک محبوب کا انعام اور اس کا رنج یکساں ہو جاتا ہے۔ پھر اس وقت اخلاص بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ حق (سبحانہ) کی عبادت خالص اسی کے لیے کرتا ہے، نہ کہ اپنے نفس کے لیے۔ یعنی انعام کی طلب اور رنج کو دور کرنے کے لیے نہیں کرتا، کیونکہ یہ دونوں اس کے نزدیک یکساں ہیں۔ یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جو مقررین کے لیے مخصوص ہے۔ کیونکہ ابرار محبت ذاتیہ کی سعادت سے سرفراز نہ ہونے کی وجہ سے حق (سبحانہ) کی عبادت خوف اور طمع کے لیے نہیں کرتے اور یہ دونوں (امر) ان کے اپنے نفس کی طرف راجع ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ^(۲)۔ یعنی: ابرار کی نیکیاں مقررین کے لیے گناہ ہیں۔ پس ابرار کی نیکیاں ایک وجہ سے نیکیاں ہیں اور دوسرے لحاظ سے برائیاں اور مقررین کی نیکیاں خالص اور محض نیکیاں ہیں۔

جی ہاں! مقررین میں سے بھی بعض لوگ ایسے ہیں جو بقائے کامل سے موصوف ہونے اور عالم اسباب کی جانب نزول کرنے کے بعد خوف اور طمع کی نیت سے حق سبحانہ کی عبادت کرتے ہیں، لیکن یہ خوف اور طمع ان کے نفسوں کی طرف راجع نہیں ہوتا، بلکہ وہ خالص حق سبحانہ کی رضا کی امید پر اور اس کی ذات (پاک) کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ جنت کو اس لیے طلب کرتے ہیں کہ وہ حق سبحانہ کی رضا کا مقام ہے، نہ کہ اپنے نفسوں کی لذت کے لیے۔ وہ دوزخ سے اس سے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ حق سبحانہ کے غضب کی جگہ ہے، نہ کہ اپنے نفسوں سے اس کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے۔ کیونکہ یہ بزرگوار اپنے نفس کی غلامی سے آزاد ہیں اور حق سبحانہ کے لیے خالص اور مخصوص ہو چکے ہیں۔ مقررین کے مراتب میں سے یہ مرتبہ سب سے بلند تر ہے۔ اس مرتبہ کے حامل بزرگ کو ولایت خاصہ کے مرتبہ سے متصف ہونے کے بعد مقامات نبوت کے کمالات سے کامل حصہ نصیب ہو جاتا ہے۔ جو شخص عالم اسباب کی جانب نزول نہیں کرتا، وہ فنا فی اللہ (مغلوب الحال) اولیاء میں سے ہے اور اسے مقام نبوت کے کمالات میں سے کچھ نصیب نہیں ہے۔ پس وہ تکمیل و ارشاد کے لائق بھی نہیں ہوگا، برخلاف پہلے (شخص) کے۔ رَزَقْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ مُحِبَّةً هَوَّلَاءِ الْاَكَابِرِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا ”فَإِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ“۔^(۳) یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو سید البشر صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ کے طفیل ان بزرگوں کی محبت نصیب فرمائے، کیونکہ آدمی اسی کے ساتھ ہے، جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۵)

خواجہ جہاں کی طرف تحریر فرمایا۔ سید المرسلین اور خلفائے راشدین عَلَیْہِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَكْمَلُهَا وَمِنْ

التَّسْلِيْمَاتِ اَتَمُّهَا کی متابعت کی ترغیب پر ابھارنے کے بیان میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کے دل کو سلامت رکھے، آپ کے سینہ کو کھول دے، آپ کے نفس کو پاک بنائے اور آپ کے جسم کی کھال کو نرم کرے۔ یہ سب کچھ بلکہ روح، ہر خفی اور اخفی کے تمام کمالات بھی حضرت سر دار الانبیاء عَلَیْہِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ

الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَحْكَمُهَا کی متابعت پر وابستہ ہیں۔ پس آپ پر لازم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی اتباع کریں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ہدایت بخشنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں، کیونکہ وہ ہدایت کے ستارے^(۱) اور ولایت کے آفتاب ہیں۔ پس جو شخص ان کی پیروی سے مشرف ہوا۔ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا. (سورۃ الاحزاب، ۷۱) یعنی: سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔ جو شخص فطری طور پر ان کی مخالفت پر اتر آیا۔ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا. (سورۃ النساء، ۱۱۶) یعنی: وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

باقی مقصد شیخ سلطان مرحوم کے دو بیٹوں کی معاشی تنگی کے بارے میں بیقراری کا اظہار (کرنا) ہے۔ پس آپ سے ان کی امداد اور اعانت مطلوب ہے، کیونکہ یہ آپ کے شایان شان ہے، بلکہ حق سبحانہ نے تمام لوگوں کی حاجتیں پورا کرنے کی آپ کو توفیق بخشی ہے۔ حق سبحانہ آپ کو اس سے بھی زیادہ توفیق ارزانی فرمائے اور بھلائی کو آپ کا رفیق بنائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. یعنی: اور آپ پر اور ان لوگوں پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۶)

شیخ عالم مولانا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شوق البتہ ابرار کو ہوتا ہے نہ کہ مقربین کو۔ اس مقام کے مناسب علوم کے (بیان کے) ساتھ۔

حق سبحانہ ہم کو اور آپ کو شریعتِ مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ پر استقامت اور ثابت قدمی نصیب فرمائے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے: الْأَطَالُ شَوْقُ الْأَبْرَارِ إِلَى لِقَائِي وَأَنَا إِلَيْهِمْ لَا شَدُّ شَوْقًا. ^(۱) یعنی: آگاہ رہو کہ نیک بندوں کا شوق میری ملاقات کے لیے بہت بڑھ گیا اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا مشتاق ہوں۔

حق سبحانہ نے شوق کو ابرار کے لیے ثابت فرمایا، کیونکہ مقربین واصلین کے لیے کوئی شوق نہیں رہتا، اس لیے کہ شوق مطلوب کے گم ہونے کو چاہتا ہے اور مطلوب کا گم ہونا ان کے حق میں مفقود ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ بیکر محبت ہونے کے باوجود اپنے نفس کی جانب کوئی شوق نہیں رکھتا، کیونکہ اپنے نفس یعنی خود کو گم کرنا اس کے لیے ثابت نہیں ہے۔

پس مقرب واصل جو حق سبحانہ کے ساتھ باقی اور اپنے نفس سے فانی ہے، حق سبحانہ کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ انسان کا حال اپنے نفس کے ساتھ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مشتاق ابرار ہی ہوتے ہیں، کیونکہ وہ گم ہونے والے (مطلوب) کے محبت ہیں۔ ابرار سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو مقرب واصل نہ ہو، خواہ وہ ابتدا میں ہو، یا وسط میں۔ اگرچہ وسط سے رائی کے دانہ کے برابر باقی رہا ہو۔ کسی نے کتنا اچھا (اس) فارسی شعر میں کہا ہے:

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم مواست بسیار است

یعنی: دوست کی جدائی اگر تھوڑی ہے تو بھی کم نہیں ہے، کیونکہ آنکھ میں اگر آدھا بال ہے تو بھی بہت ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ قرآن (مجید) کی تلاوت کر رہا ہے اور

رورہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”ہم بھی یونہی کرتے تھے، لیکن (اب) ہمارے دل سخت ہو گئے ہیں“۔ آپ کا یہ فرمانا ایسی تعریف ہے جو مذمت کے مشابہ ہو۔ میں نے اپنے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے: ہنسی واصل بھی کبھی اس شوق و طلب کی تمنا کرتا ہے جو اسے پہلے حاصل تھا۔

شوق کے زائل ہونے کا ایک اور مقام ہے جو پہلے سے زیادہ کامل اور اس سے زیادہ مکمل ہے اور وہ مقام مطلوب کے ادراک سے ناامیدی اور عاجزی کا مقام ہے، کیونکہ شوق اس امر میں متصور ہے جہاں (مطلوب حاصل ہونے کی) امید ہو۔ پس جہاں امید نہیں ہے وہاں شوق (بھی) نہیں ہے۔

جب ایسا کامل شخص جو انتہائے کمال تک پہنچ چکا ہے، عالم کی طرف واپس لوٹتا ہے تو عالم کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے مطلوب کے گم کرنے کے باوجود بھی شوق اس کی طرف عود نہیں کرتا، کیونکہ اس کے شوق کے غالب ہونے کی وجہ مطلوب کا گم ہونا نہیں تھا، بلکہ ناامیدی کا حاصل ہونا تھا اور وہ رجوع کے بعد بھی موجود ہے۔ برخلاف پہلے کامل کے کہ عالم کی طرف رجوع کرنے کے وقت اس گمشدگی کے پیدا ہونے کے لیے جو پہلے زائل ہو گیا تھا، پھر شوق اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ پس جب رجوع کرنے کی بنا پر مطلوب کا گم ہونا پایا گیا تو اس کو وہ شوق بھی حاصل ہو گیا، جو اس کے زائل ہونے سے جاتا رہا تھا۔ (یہ) نہیں کہا جاتا کہ وصول الی اللہ کے مراتب ابدالاً بادتک کبھی ختم نہیں ہوتے۔

پس ان مراتب میں سے بعض دائمی طور پر متوقع ہیں۔ اس وقت مقرب واصل کے لیے شوق کا حاصل ہونا بھی متصور ہو گا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ مراتب وصول کا منقطع نہ ہونا سیر تفصیلی پر مبنی ہے، جو اسماء و صفات اور شیوہات و اعتبارات میں واقع ہیں۔ اس سالک کے حق میں نہایت تک پہنچنا متصور نہیں اور اس سے شوق کبھی زائل نہیں ہوتا۔ ہم جس سالک واصل کا ذکر کر رہے ہیں، وہ ایسا انتہی واصل ہے جس نے اجمالی طور پر ان مراتب کو طے کر لیا۔ وہ ایسے مقام تک پہنچ گیا ہے جس کی تعبیر کسی عبارت سے ممکن نہیں ہے اور اس کی جانب کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پس وہاں توقع ہرگز متصور نہیں ہے۔ ناچار شوق و طلب اس سے زائل ہو جاتا ہے۔

یہ حال خاص اولیاء کا ہے، کیونکہ یہ (حضرات) ہیں جنہوں نے صفات کے تنگ کوچہ سے عروج کیا ہے اور بارگاہِ ذاتِ تعالیٰ و تقدس تک پہنچ گئے ہیں۔ برخلاف ان (حضرات) کے جو صفات (الہیہ) میں تفصیلی طور پر سالک ہیں اور شیوہات میں ترتیب وار سیر کرنے والے ہیں۔ کیونکہ یہ (حضرات) تجلیات صفاتیہ میں ابدالاً بادتک قید ہیں اور مراتب وصول کا حاصل ہونا ان کے حق میں صفات تک وصول کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ بارگاہِ ذاتِ تعالیٰ تک عروج کرنا صفات و اعتبارات میں اجمالی سیر کے سوا ممکن نہیں ہے۔ جس شخص کی سیر تفصیلی طور پر اسماء میں واقع ہوئی، وہ صفات و اعتبارات میں مقید ہو کر رہ گیا، شوق و طلب اس سے زائل نہ ہوا اور وجد و تواجد اس سے جدا نہ ہوا۔ پس شوق و تواجد والے حضرات تجلیات صفات والے صاحبان ہیں۔ جب تک یہ حضرات شوق و وجد میں رہیں، تجلیات ذاتی سے ان کو کچھ حصہ حاصل نہیں ہوتا۔

اگر کوئی شخص کہے کہ حق سبحانہ کا مشتاق ہونے سے کیا مراد ہے، جبکہ اللہ سبحانہ سے کوئی چیز گم نہیں ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے شوق کا لفظ یہاں پر صنعت مشاکلتہ کے طور پر ہو اور اس حدیث میں شدت کا ذکر اس اعتبار سے ہو کہ جو کچھ عزیز

(و) جبار اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، وہ شدید و غالب ہوتا ہے۔ یہ جواب علماء کے طریقہ پر ہے۔ اس بندہ ضعیف کے نزدیک مذکورہ اشکال کے کئی دوسرے جواب ہیں، جو صوفیہ کے طریقہ کے مناسب ہیں۔ لیکن ان کا بیان ایک قسم کا سرک چاہتا ہے اور سرک کے بغیر ان کا ذکر کرنا مستحسن بلکہ جائز ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اہل سرک معذور ہیں اور اربابِ صحو سے پوچھا جائے گا۔ اس وقت میرا حال محض صحو ہے۔ پس ان جوابات کا ذکر کرنا میرے حال کے مناسب نہیں ہے۔ بات یہی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّآخِرًا وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ دَائِمًا سَرْمَدًا۔ یعنی: اوّل و آخر سب اللہ تعالیٰ کی تعریف کے لیے ہے اور اس کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۷)

خواجہ عمک کی طرف تحریر فرمایا۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعریف اور ان بزرگوار حضرات قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت کی بلندی کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

آپ کے نوازش نامہ، جو آپ نے کرم فرماتے ہوئے اس مخلص کے نام لکھا تھا، کے ملنے پر (فقیر) خوش و مسرور ہوا۔ آپ سلامت رہیں۔ (فقیر) آپ کو اس کے علاوہ (کوئی) تکلیف نہیں دینا چاہتا کہ اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں کی تعریف بیان کرے۔

میرے مخدوم! اس سلسلہ عالیہ کے اکابرین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبارات میں آیا ہے کہ ”ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے“۔ نسبت سے ان (حضرات) کی مراد حضور و آگاہی ہے۔ جو حضور ان (حضرات) کے ہاں معتبر ہے، وہ حضور بے غیبت ہے، جس کو انہوں نے یادداشت سے تعبیر کیا ہے۔

پس ان عزیزوں کی نسبت سے مراد یادداشت ہے۔ یادداشت کا جو مفہوم اس فقیر کی ناقص سمجھ میں آیا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تجلی ذاتی سے مراد حضرت ذات (تعالیٰ و تقدس) کا حضور ہے، جو اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے بغیر ملاحظہ ہو۔ اس تجلی کو (مشائخ نے) برقی کہا ہے۔ یعنی تھوڑی دیر کے لیے شیون و اعتبارات کے پردوں کا اٹھ جانا ثابت ہو جاتا ہے اور پھر وہ شیون و اعتبارات کے پردوں میں پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ پس اس بنا پر حضور بے غیبت متصور نہیں ہوگا، بلکہ تھوڑی دیر کے لیے حضور ہوگا اور اکثر اوقات غیبت ہوگی۔ پس یہ نسبت ان عزیزوں کے نزدیک معتبر نہیں۔ حالانکہ دوسرے تمام سلسلوں کے مشائخ نے اس تجلی کو نہایت النہایت (آخری مقام) کہا ہے۔ جب یہ حضور دائمی ہو جائے اور ہرگز پوشیدگی قبول نہ کرے اور ہمیشہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات (کے بغیر) جلوہ گر ہو تو اس وقت (یہ) حضور بے غیبت ہوگا۔

پس ان اکابرین کی نسبت کو دوسروں کی نسبت کے ساتھ قیاس کرنا چاہیے اور بلا تکلف سب سے بلند سمجھنا چاہیے۔ اس قسم کا حضور اگرچہ اکثر لوگوں کے نزدیک بعید معلوم ہوتا ہے، لیکن:

هٰنِئِنَّا لَارَبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُہَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْکِیْنِ مَا یَتَجَرَّعُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشقِ مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

یہ بلند نسبت اس طرح نادر اور کمیاب ہو گئی ہے کہ اگر بالفرض اسی سلسلہ عالیہ (نقشبندیہ) کے بزرگوں کے سامنے بیان کی جائے تو احتمال ہے کہ ان میں سے اکثر انکار کر دیں اور یقین نہ کریں۔ جو نسبت اب اس بزرگ سلسلہ کے مشائخ کے درمیان مشہور ہو چکی ہے، اس سے مراد حق سبحانہ و تعالیٰ کا اس طرح پر حضور و شہود ہے جو شاہد اور مشہود ہونے کے وصف سے پاک ہو اور وہ توجہ مراد ہے جو مشہور چھ اطراف سے خالی ہو۔ اگرچہ فوق (اوپر) کی طرف (جہت) کا گمان ہوتا ہے اور ظاہر میں دائمی معلوم ہوتی ہے۔ یہ نسبت صرف مقام جذبہ میں بھی ثابت ہوتی ہے۔ اس کی برتری کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہے، بخلاف اس یادداشت کے جو پہلے بیان ہوئی، جس کا حاصل ہونا جذبہ کی جہت اور سلوک کے مقامات کی تکمیل کے بعد ہے اور اس کے درجہ کی بلندی کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر پوشیدگی ہے تو وہ صرف اس کے حاصل ہونے میں ہے۔ بس اگر حسد کرنے والا حسد کی وجہ سے انکار کرے اور کوئی ناقص اپنے نقص کی بنا پر انکار کرے تو وہ معذور ہے:

قاصرے گر کند این طائفہ را طعن و قصور
حاش للہ کہ بر آرم بزباں این گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند
رو بہ از حیلہ چساں بکسلد این سلسلہ را^(۱)
یعنی: اگر کوئی کوتاہ نظر اس گروہ (نقشبندیہ) کو ناکامی کا طعن دے تو اللہ کی پناہ کہ میں اس شکایت کو زبان پر لاؤں۔
♦ جہان کے سارے شیر اسی سلسلے سے وابستہ ہیں، لومڑی مکر سے اس زنجیر کو کیسے کاٹ سکتی ہے۔
وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۸)

یہ بھی خواجہ عموک کو تحریر فرمایا۔ بلندی حال (کے بیان) میں، لیکن ایسی عبارت میں لکھا گیا ہے، جس سے نزول اور بعد کا گمان (پیدا) ہوتا ہے۔

آپ کے گرامی نوازش نامہ، جو آپ نے کرم فرماتے ہوئے اس مخلص کے نام لکھا تھا، کے پہنچنے پر (فقیر) مسرور ہوا اور اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ کتنی (بڑی) نعمت ہے کہ آزاد (لوگ) گرفتاروں کو یاد کریں اور کیسی دولت ہے کہ واصلین ہجر کے ماروں کی غم خواریاں کریں۔ پچارے ہجر کے مارے ہوئے نے جب خود کو وصال کے لائق نہ پایا تو مجبوراً جدائی کے گوشہ میں گمنام ہو گیا اور قرب سے بھاگ کر بعد میں آرام پایا اور اتصال (میلاپ) کی بجائے انفصال (جدائی) میں قرار پایا۔ جب آزادی کے اختیار (کرنے) میں گرفتاری دیکھی تو ناچار گرفتاری کو اختیار کر لیا:

چون طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
یعنی: جب سلطان دین مجھ سے طمع چاہتا ہے تو پھر اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک ہو۔

بے ربط عبارتوں اور پراگندہ اشاروں میں اس سے زیادہ آپ کو کیا تکلیف دی جائے۔ تَبْتَئَا اللّٰهُ وَاَيُّكُمْ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى الْاٰلِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔
یعنی: اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر (۲۹)

نظام تھائیر کی تحریر فرمایا۔ فرائض کی ادائیگی، سنتوں اور مستحبات کی رعایت کرنے کی ترغیب، فرائض کے مقابلہ میں نوافل کے ادا کرنے کی طرف توجہ نہ دینے کے بیان میں۔ عشاء کی نماز کو آدھی رات کے نصف آخر میں ادا کرنے سے منع کرنے، وضو کے مستعمل پانی کے پینے کے جائز سمجھنے سے روکنے اور مریدوں کے سجدہ کرنے کو جائز سمجھنے سے منع کرنے کے بیان میں۔

عَصَمْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَنِ التَّعَصُّبِ وَالتَّعَسُّفِ وَنَجَّنَا وَإِيَّاكُمْ عَنِ التَّلَهُّفِ وَالتَّاسُّفِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ الْمَنْفِيِّ عَنْهُ زَيْغُ الْبَصَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔
یعنی: اللہ ہم کو اور آپ کو تعصب و کج روی اور افسوس و رنج سے سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بچائے جو آنکھ کی کجی سے پاک ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (اطہار) پر کامل ترین اور اکمل ترین درود و سلام ہو۔

درگاہ الہی میں قرب پانے کے لائق اعمال فرائض ہیں یا نوافل؟ فرضوں کے مقابلہ میں نفلوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ فرضوں میں سے کسی ایک فرض کا اپنے وقت میں ادا کرنا ہزار سال کے نفلوں کی ادائیگی سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ (نوافل) خالص نیت سے ادا کیے جائیں، جو نفل بھی ہو خواہ وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ذکر و فکر وغیرہ میں سے ہو۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فرائض کے ادا کرنے کے وقت سنتوں میں سے کسی سنت اور مستحبات میں سے کسی مستحب کی رعایت کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔
منقول ہے کہ ایک روز امیر المؤمنین حضرت (عمر) فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر (مقتدی) لوگوں کی طرف نگاہ کی۔ اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو اس وقت موجود نہ پایا۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں (شخص) جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ وہ اکثر رات کو بیدار رہتا ہے، احتمال ہے کہ اس وقت اسے نیند نے آلیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ رات بھر سو یا رہتا اور نماز فجر کو جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو (اس کے لیے) بہتر ہوتا۔

پس کسی مستحب کی رعایت کرنا اور کسی مکروہ سے بچنا، خواہ وہ تنزیہی ہو، ذکر و فکر اور مراقبہ و توجہ سے بہتر ہے۔ جی ہاں! ان امور کو مستحبات کی رعایت و اجتناب کے ساتھ اگر جمع کرے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ (سورۃ الاحزاب، اے) یعنی: پس وہ بڑی مراد پائے گا، وَبَدُوْنَهَا خَرُطُ الْقِتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

مثلاً زکوٰۃ کی مد میں ایک دانگ (معمولی رقم) صدقہ کرنا، جس طرح کہ سونے کے بڑے پہاڑ صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ اسی طرح اس دانگ (معمولی رقم) کے صدقہ کرنے میں کسی مستحب کی رعایت کرنا، مثلاً اسے کسی قریبی فقیر کو دینا بھی اس سے کئی درجے بہتر ہے۔

پس نماز عشاء کو آدھی رات کے اخیر میں ادا کرنا اور اس تاخیر کو قیام لیل (نماز تہجد) کی تاکید کا ذریعہ بنانا بہت ہی برا ہے، کیونکہ (فقہائے) حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس وقت میں نماز عشاء کو ادا کرنا مکروہ ہے۔ ظاہر میں اس کراہت

سے ان کی مراد کراہت تحریمہ ہے، کیونکہ نمازِ عشاء کو آدھی رات تک ادا کرنا انہوں نے مباح رکھا ہے اور آدھی رات کے بعد اسے مکروہ کہا ہے۔ پس جو مکروہ مقابل مباح ہے، وہ مکروہ تحریمی ہے۔ (فقہائے شافعیہ (رضی اللہ عنہم) کے نزدیک ایسے وقت میں نمازِ عشاء کا ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ پس قیام لیل (نماز تہجد) اور اس میں ذوق و جمعیت کے حاصل ہونے کے لیے اس امر کا مرتکب ہونا بہت مکروہ ہے۔ اس غرض کے لیے وتر کے ادا کرنے میں تاخیر کرنا ہی کافی ہے اور یہ تاخیر مستحب ہے۔ وتر بھی اچھے وقت میں ادا ہو جاتے ہیں اور تہجد اور سحری کے وقت جاگنا بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ پس اس عمل کو ترک کر دینا چاہیے اور کچھیلی نمازوں کی قضا کرنی چاہیے۔

(حضرت) امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ نے وضو کے آداب میں سے ایک ادب کے چھوٹ جانے پر چالیس سال کی نمازوں کی قضا فرمائی۔

نیز مستعمل پانی جس سے حدث (ناپاکی) کو دُور کیا گیا ہو یا اُسے قربت (عبادت و ثواب) کی نیت سے استعمال کیا گیا ہو، وضو کے وقت تجویز نہ کریں کہ لوگ اس پانی کو پی لیں، کیونکہ (حضرت) امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک یہ پانی نجاست غلیظہ ہے۔ فقہانے اس پانی کے پینے سے منع کیا ہے اور اس کے پینے کو مکروہ کہا ہے۔ اگر کوئی شخص اعتقاد کے ساتھ طلب کرے تو اسے اس پانی سے دے دیں۔

اس فقیر کو اس بار دہلی میں اس طرح کی آزمائش پیش آئی تھی۔ بعض دوستوں کو واقعہ میں دکھایا گیا تھا کہ اس فقیر کے وضو کے استعمال شدہ پانی کو پیئیں، ورنہ بڑا نقصان لاحق ہو جائے گا۔ بہت زیادہ منع کیا (لیکن) کچھ فائدہ نہ ہوا۔ (بالآخر) فقہا کی کتابوں کی جانب رجوع کیا تو نجات کی ایک صورت پیدا ہوئی کہ اگر ہر عضو کو تین بار دھونے کے بعد چوتھی مرتبہ دھویا جائے اور اس میں قربت (عبادت و ثواب) کی نیت نہ کی جائے تو چوتھی مرتبہ کا پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ یہ حیلہ تجویز کر کے ثواب کی نیت کے بغیر چوتھی مرتبہ کے دھونے کا مستعمل پانی ان حضرات کو پانی کے لیے دیا۔

نیز معتبر آدمیوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے خلفا میں سے بعض کے میدان کو سجدہ کرتے ہیں اور زمین بوسی پر بھی کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔ ان کو منع کریں اور (اس سے) رکنے کی تاکید کریں۔ اس قسم کے افعال سے بچنا ہر آدمی کے لیے ضروری ہے۔ خاص کر اُس شخص کے لیے جس نے خود کو لوگوں کا پیشوا بنایا ہو۔ اس کے لیے اس قسم کے افعال سے بچنا انتہائی ضروری ہے، کیونکہ (اس کے پیروکار) اس کے اعمال کی اقتدا کریں گے (اور) مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

نیز اس گروہ کے علوم احوال کے علوم ہیں اور احوال اعمال کے ثمرات ہیں۔ علوم احوال سے وراثت اس شخص کو ملتی ہے جس نے اعمال کو درست کیا ہو اور ان کا حق ادا کرنے پر قائم رہا ہو۔ اعمال کی درستی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب (آدمی) اعمال کو پہچانے اور ہر عمل کی کیفیت کو سمجھے۔ یہ علم شرعی احکام (یعنی) نماز، روزہ، باقی فرائض، معاملات نکاح و طلاق، خرید و فروخت اور ہر (اس) چیز کا علم ہے جو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس پر واجب کی ہے اور اسے اس کی دعوت فرمائی ہے۔ یہ علوم اکتسابی (کوشش سے حاصل کرنے کے لائق) ہیں۔ ان کے سیکھنے سے کسی شخص کو بھی چارہ نہیں ہے۔

علم و مجاہدوں کے درمیان ہے۔ ایک وہ مجاہدہ جو اس کی طلب میں اس کے حاصل کرنے سے پہلے ہوتا ہے اور دوسرا وہ مجاہدہ جو (اس کے) حاصل ہونے کے بعد اس کے استعمال میں ہوتا ہے۔ پس جس طرح (آپ کی) مجلس شریف میں تصوف کی کتابوں میں سے ذکر ہوتا رہتا ہے، اسی طرح فقہ کی کتابوں میں سے بیان بھی ہونا چاہیے۔ فقہ کی کتابیں فارسی زبان میں بہت ہیں، مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام اور کنز (الدقائق) فارسی۔ بلکہ اگر تصوف کی کتب سے بیان نہ ہو تو بھی کوئی ڈر نہیں، کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور قال میں نہیں آتیں۔ فقہی کتابوں میں سے بیان نہ ہونے سے نقصان کا احتمال ہے۔ (اس سے) زیادہ کیا لکھا جائے۔ اَلْقَلِيلُ يَدُلُّ عَلَى الْكَثِيرِ: یعنی تھوڑی بات زیادہ پر دلالت کرتی ہے:

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

یعنی: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غم دل بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده دل ہو جائے گا ورنہ بات لمبی ہے۔ رَزَقْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَاَيُّكُمْ كَمَالٌ اِتَّبَعَ حَبِيبَهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو اپنے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر (۳۰)

ملا محمد صدیق، جو اس درگاہ (مجددیہ) کے قدیم خدام میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ مکتوب بھی شیخ نظام الدین تھانیسری کو تحریر فرمایا۔ شہود آفاقی و انفسی اور شہود انفسی و تجلی صوری کے درمیان فرق کے بیان میں، مقام عبدیت کی بلندی شان، اس مقام کے علوم کی شرعی علوم کے ساتھ مطابقت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

شَرَّفَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ بِكَمَالِ الْاِتِّبَاعِ الْمُحَمَّدِيِّ وَزَيَّنَكُمْ بِالزِّيِّ السَّنِيِّ الْمُصْطَفَوِيِّ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کامل اتباع سے مشرف فرمائے اور (حضرت) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشن پوشاک سے آراستہ فرمائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر افضل درود اور کامل سلام ہو۔

میں نہیں سمجھتا کہ کیا لکھوں؟ اگر اپنے مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ پاک کے بارے میں کوئی بات زبان پر لاؤں تو (یہ) محض جھوٹ اور بہتان ہوگا۔ اس کی بلند بارگاہ اس سے بلند تر ہے کہ مجھ جیسے بیہودہ گو کی زبان سے اس کی ستائش کی جائے۔ بھلا باشل (بندہ) بے مثل (اللہ سبحانہ) کے بارے میں کیا بات کرے؟ محدث (مخلوق) قدیم (خالق ازلی) کے متعلق کیا جستجو کرے؟ مکانی (محدود) لامکانی (لامحدود) کے بارے میں کیا کھوج لگائے؟ وہ بیچارہ اپنی ذات سے باہر کچھ نہیں رکھتا اور اپنے آپ کے علاوہ کسی چیز میں گزر نہیں رکھتا:

ذره گر بس نیک و ر بس بد بود گرچه عمرے تگ زند در خور بود

یعنی: ذرہ خواہ اچھا ہو یا برا ہو، خواہ عمر بھر کوشش کرے وہ ذرہ ہی رہتا ہے۔

یہ معنی بھی سیر انفسی میں نصیب ہوتے ہیں، جو کام کی انتہا میں میسر ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے: ”اہل اللہ فنا و بقا کے بعد جو کچھ دیکھتے ہیں خود اپنے آپ میں دیکھتے ہیں اور جو

کچھ پہچانتے ہیں اپنی ذات میں پہچانتے ہیں اور ان کی حیرت اپنے وجود میں (ہوتی) ہے۔“ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ. (سورۃ الذاریات، ۲۱) یعنی: اور خود تمہارے نفوس میں بہت سی نشانیاں ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

اس سے پہلے جو سیر بھی ہے، وہ سیر آفاقی میں داخل ہے جس کا حاصل بے حاصلی ہے۔ لفظ بے حاصلی (کچھ حاصل نہ ہونا) کا اطلاق اصل مطلب کے حاصل ہونے کی نسبت سے ہے، ورنہ وہ بھی منجملہ شرائط اور آمادہ کرنے والے امور میں سے ہے۔

شہودِ نفسی سے کوئی شخص وہم میں نہ پڑے اور اس کو تجلی شہود کی طرح جو کہ متجلی لہ (جس کو تجلی منکشف ہو) کے نفس میں ہے، خیال نہ کرے۔ خدا اس سے بجائے۔ تجلی صوری جس قسم کی بھی ہو وہ سیر آفاقی میں داخل ہے اور علم یقین کے مرتبہ میں حاصل (ہوتی) ہے۔ شہودِ نفسی حق الیقین کے مرتبہ میں (ہوتا) ہے جو مراتبِ کمال کی انتہا ہے۔ شہود کا لفظ اس مقام میں عبارت کے میدان کی تنگی کی بنا پر بولا گیا ہے، ورنہ جس طرح کہ ان کا مطلب بے مثل و بے مثال ہے، ان کی نسبت بھی بے شبہ اور بے نمونہ ہے۔ مثل کو بے مثل تک کوئی راہ نہیں ہے۔ مثنوی:

اتصالے بے تکلیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس
لیک گفتم ناس را، نسناس نہ ناس غیر از جان جان اشناس نہ^(۱)

یعنی: خدا کا اپنے بندوں سے ایک ایسا اتصال ہے جس کی کیفیت کا پانا اور سمجھنا محال ہے۔

♦ لیکن میں نے کہا کہ انسان کی یہ بات ہے، حیوان کی نہیں، جانِ جاں کا آشنا بس انسان ہے۔

شہودِ نفسی کے شہودِ صوری مذکور کے ساتھ متحد ہونے کے وہم کا نشان ان دونوں مقامات میں آدمی کی بقا کا حاصل ہونا ہے، کیونکہ تجلی صوری فنا کرنے والی نہیں ہے، اگرچہ قیود میں سے تھوڑی سی قید رفع کر دیتی ہے، لیکن فنا کی حد تک نہیں پہنچاتی۔ پس اس تجلی میں سالک کے وجود کا باقی رہنا پایا جاتا ہے۔ سیرِ نفسی خود مکمل فنا اور کامل ترین بقا کے بعد ہے۔ پس اس لیے معرفت کی کمی کے سبب ان دونوں بقاؤں کے درمیان فرق نہیں کر سکتے، لہذا مجبوراً اتحاد کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ بقائے دوم ان کے نزدیک بقائے باللہ سے تعبیر کی گئی ہے اور اس وجود کو حق تعالیٰ کا بخشا ہوا وجود کہتے ہیں تو شاید اس وہم سے چھٹکارا پالیں۔

اس مضمون سے کوئی یہ نہ کہے کہ بقائے باللہ سے مراد اپنے آپ کو حق تعالیٰ و تقدس کا عین معلوم کرنا ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ اگر یہ مفہوم اس قوم (صوفیہ) کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بقا جذبہ کے مقام میں بعض کو اس استغراق و نیستی کے بعد جو فنا کے مشابہ ہے، ہاتھ لگتی ہے۔ اکابرین نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم اس کو وجود عدم سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ فنا سے پہلے ہے۔ اس کا ایک زوال متصور ہے، بلکہ واقع ہے۔ کبھی اس سے (فنا) لے لیتے ہیں اور کبھی اسے واپس کر دیتے ہیں۔ جو بقا فنا کے کامل کے بعد ہے، وہ زوال سے محفوظ اور خلل سے مامون ہے۔ ان (بزرگوں) کی فنا دائمی فنا ہے، (یہ) عین بقا میں فانی اور عین فنا میں باقی ہیں۔ فنا و بقا جو زوال پذیر ہیں، وہ احوال و تلویینات میں سے ہیں اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ ایسی نہیں ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے: ”وجود عدم وجود بشریت کی جانب عود کرتا ہے، لیکن وجود فنا وجود بشریت کی طرف عود نہیں کرتا“۔ پس لازمی طور پر ان کا وقت دائمی اور ان کا حال سرمدی ہوگا، بلکہ ان کے لیے نہ وقت ہے اور نہ حال۔ ان کا کام اوقات کے پیدا کرنے والے اور ان کا معاملہ احوال کے پھیرنے والے (حق تعالیٰ) کے ساتھ ہے۔ پس زوال کا قبول کرنا وقت اور حال سے مخصوص ہوا اور جو شخص وقت اور حال سے گزر گیا وہ زوال سے محفوظ رہا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ (سورۃ الحديد، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا کرے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ وقت کا دائمی ہونا اس وقت کے تعین وغیرہ کا اثر باقی رہنے کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے، بلکہ دوام عین وقت کے لیے اور ہمیشگی نفس حال کے لیے ہے۔ بیشک ظن سے حق بات کچھ بھی ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ظن گناہ ہیں۔

بات لمبی ہوگئی، ہم اصلی بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ حق تعالیٰ کی مقدس بارگاہ کے میدان میں بات کرنے کی مجال نہیں ہے، پس ہم مقام بندگی اور اپنی ذلت و عاجزی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ انسان کی تخلیق کا مقصد بندگی کے وظائف کو ادا کرنا ہے اور اگر شروع اور درمیان میں کسی کو عشق و محبت عطا کیا گیا ہے تو اس کا مقصد ذات پاک (حق) جل سلطانہ کے سوا دوسروں سے اس (شخص) کا تعلق قطع کرنا ہے۔ عشق و محبت بھی مقاصد میں سے نہیں ہے، (بلکہ یہ) مقام بندگی کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ (انسان) اللہ جل شانہ کا بندہ اس وقت بنتا ہے جب وہ حق تعالیٰ کے سوا دوسروں کی بندگی سے کامل طور پر آزاد ہو جائے اور عشق و محبت (اس) قطع تعلقی سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ لہذا ولایت کے مراتب کی انتہا مقام عبدیت ہے۔ ولایت کے درجات میں مقام عبدیت سے بلند کوئی مقام نہیں ہے۔ اس مقام میں (بندہ) اپنے مولیٰ (تعالیٰ) کے ساتھ کوئی نسبت نہیں پاتا، مگر (یہ کہ) بندہ کی طرف سے احتیاج ہے اور مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی جانب سے ذات و صفات کے لحاظ سے کامل استغنا ہے۔ یہ (بات) نہیں ہے کہ (بندہ) اپنی ذات کو اللہ کی بلند ذات کے ساتھ، اپنی صفات کو اللہ عز و سلطانہ کی صفات کے ساتھ اور اپنے افعال کو اللہ سبحانہ کے افعال کے ساتھ کسی وجہ سے بھی مناسبت دے۔ ظلیت کا اطلاق (ظل کہنا) بھی مجملہ مناسبات میں سے ہے۔ اس سے بھی پاک ظاہر کرتے ہیں۔ حق سبحانہ کو خالق اور اپنے آپ کو مخلوق سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ کسی چیز (کے کہنے) کی جرأت نہیں کرتے۔

توحید فعلی، جو بعض صوفیہ کو راہ (سلوک) کے دوران ہاتھ لگتی ہے اور (وہ) حق سبحانہ کے سوا کسی کو فاعل نہیں پاتے۔ یہ بزرگوار (حضرات نقشبندیہ) جانتے ہیں کہ ان افعال کا پیدا کرنے والا انتہا (حق تعالیٰ) ہے، نہ کہ ان افعال کا (اختیار) کرنے والا، کیونکہ یہ بات خود ایسی ہے جو الحاد (بے دینی) تک پہنچا دیتی ہے۔

ہم اس (چیز) کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ مثلاً ایک شعبہ باز پردے کے پیچھے بیٹھ کر چند بے جان صورتوں کو حرکت میں لاتا ہے اور ان میں عجیب افعال ایجاد کر دیتا ہے۔ جو لوگ باریک بین ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان بے جان صورتوں میں یہ افعال بنانے والا وہ شخص ہے جو پردے کے پیچھے بیٹھا ہے، لیکن افعال کو (اختیار) کرنے والی یہی صورتیں ہیں۔ لہذا

کہتے ہیں کہ صورت متحرک ہے اور یہ نہیں کہتے کہ شعبہ باز متحرک ہے۔

درحقیقت یہ لوگ (حضرات نقشبندیہ) اس حکم میں حق کو ثابت کرنے والے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی شریعتیں اسی حکم کو بیان کرتی ہیں۔ وحدت فعل کے ساتھ حکم کرنا اہل سکر کا کلام ہے۔ بلکہ صریح حق یہ ہے کہ فاعل کئی ہیں اور افعال کا خالق ایک (اللہ) ہی ہے۔ اسی طرح وہ کلام ہے جو (بعض صوفیہ نے) توحید وجودی (کے بارے) میں کہا ہے۔ وہ بھی سکرِ وقت اور غلبہ حال پر مبنی ہے۔ علوم لدنیہ کے درست ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ علوم شرعی کے صریح مطابق ہوں۔ اگر بال کے برابر بھی تجاوز ہو تو وہ بھی سکر کی بنا پر ہے۔ حق وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کے علماء نے تحقیق کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ بے دینی اور الحاد ہے یا سکرِ وقت اور غلبہ حال۔ یہ سب مطابقت مقامِ عبودیت میں میسر ہے۔ اس کے علاوہ (دوسرے مقام) میں ایک قسم کا سکر ثابت (ہوتا) ہے:

ع
گر بگویم شرحِ ایں بیحد شود (۲)

یعنی: اگر میں اس کی شرح بیان کروں تو وہ بہت زیادہ ہو جائے گی۔

ایک شخص نے (حضرت) خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تا کہ اجمالی معرفت تفصیلی بن جائے اور استدلالی کشفی ہو جائے“، اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ شرعی معارف سے زیادہ کوئی اور معرفت حاصل کی جائے۔ اگرچہ راہ (سلوک) میں (علوم شرعیہ پر) زائد امور پیدا ہوتے ہیں۔ اگر نہایت کار تک پہنچا دیا جائے تو یہ زائد امور منتشر و ناپید ہو جاتے ہیں اور وہی معارف شرعیہ تفصیلی طور پر معلوم ہوتے ہیں اور استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کے میدان میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان علوم کو وحی سے اخذ کرتے تھے، یہ بزرگوار (حضرات) الہام کے ذریعے ان علوم کو اصل (حق تعالیٰ) سے اخذ کرتے ہیں۔ علماء نے ان علوم کو شریعتوں سے اخذ کر کے اجمالی طور پر بیان کیا ہے۔ یہی علوم جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو تفصیلی اور کشفی طور پر حاصل تھے، ان کو بھی اسی طرح حاصل ہوتے ہیں، اصالت اور تبعیت درمیان میں ہے۔

اس قسم کے کمال کے لیے کامل اولیاء میں سے بعض کو کئی صدیوں اور بہت زمانوں کے بعد منتخب فرماتے ہیں۔ ارادہ تھا کہ ایک مسئلہ اجمالی کو مفصل تحریر کروں لیکن کاغذ نے کوتاہی کی۔ شاید حق تعالیٰ جل سلطانہ کی (کوئی) حکمت اسی میں ہوگی۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۱)

شیخ صوفی کو تحریر فرمایا۔ توحید وجودی کے ظہور اور حق تعالیٰ و تقدس کے قرب و معیت ذاتی کی حقیقت کے بیان میں۔

نیز اس مقام سے گزر جانے (اور) اس مقام کی تحقیق سے متعلق بعض سوالات و جوابات کا بیان۔

تَبَتَّنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى الْإِهِم مِّنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہم کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

ایک شخص نے جو آپ کی مجلس شریف میں (حاضر) تھا، نقل کیا ہے کہ میاں شیخ نظام تھامیری کے درویشوں میں سے ایک نے اس فقیر (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) کے بارے میں بیان کیا اور کہا کہ وہ وحدت وجود کا انکار کرتا ہے۔ اس نقل کرنے والے شخص نے اس فقیر (حضرت مجدد قدس سرہ) سے التماس کی کہ اس بارے میں جو حقیقت ہے، وہ آپ کی خدمت میں لکھ بھیجیں، تاکہ لوگ اس بات سے کئی طرح کی باتیں نہ بنائیں اور بدظنی میں مبتلا نہ ہوں، کیونکہ (ارشاد الہی ہے) کہ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. (سورۃ الحجرات، ۱۲) یعنی: کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں، (لہذا) اس کے سوال کو قبول کرتے ہوئے چند کلمات (پڑھنے) کی زحمت دی گئی ہے۔

میرے مخدوم و کرم! چھوٹی عمر سے فقیر کا اعتقاد اہل توحید کے مشرب پر تھا۔ فقیر کے والد قدس سرہ بظاہر اسی مشرب پر تھے اور باطن میں کامل نگرانی حاصل ہونے کے باوجود مرتبہ بے کیفی کی جانب رکھتے تھے اور وہ دائمی طور پر اس طریقہ کے ساتھ مشغول رہے ہیں۔ اس قول کے مطابق کہ ابْنُ الْفَقِيهِ نَصَفَ الْفَقِيهَ (یعنی: فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے) فقیر کو علم کے لحاظ سے بہت فائدہ اور بڑی لذت حاصل تھی، یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد و ہدایت کی پناہ، حقائق و معارف سے آگاہ، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ، مولا اور قبلہ (حضرت) خواجہ محمد باقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی خدمت میں پہنچایا۔ آپ نے فقیر کو طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی اور اس مسکین کے حال پر بہت زیادہ توجہ ملحوظ رکھی۔

اس طریقہ عالیہ میں محنت کے بعد تھوڑی مدت میں توحید و وجودی منکشف ہو گئی اور اس کشف میں ایک مبالغہ پیدا ہو گیا۔ اس مقام کے بعد زیادہ علوم و معارف ظاہر ہو گئے اور اس مرتبہ کی باریکیوں میں سے شاید ہی کوئی باریکی رہ گئی ہو، جس کو (فقیر پر) منکشف نہ کیا گیا ہو۔ (حضرت) شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) کے معارف کی باریکیوں کو جیسے کہ چاہیے (فقیر پر) واضح کیا گیا۔ تجلی ذاتی جیسے کہ صاحبِ فصوص نے اس کو بیان فرمایا ہے اور وہ اس کے سوا عروج کی نہایت نہیں جانتے اور اس تجلی کی شان میں کہتے ہیں: ”وَمَا بَعْدَ هَذَا إِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ.“ (یعنی: اور اس کے بعد عدم محض کے سوا کچھ نہیں ہے)۔ فقیر اس تجلی سے بھی مشرف ہوا اور اس تجلی کے علوم و معارف جن کو شیخ موصوف خاتم الولاہیت کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں، تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے۔ اس توحید میں سکر وقت اور غلبہ حال اس حد تک پہنچا کہ بعض عریضوں میں جو کہ (فقیر نے) حضرت خواجہ (محمد باقی قدس سرہ) کی خدمت میں لکھے تھے، ان میں (یہ) دو اشعار جو سر اسر سکر (سے متعلق) ہیں، لکھے تھے۔ رباعی:

اے دریغاکین شریعت ملتِ اعمائی است ملت ما کافری و ملت ترسائی است

کفر و ایمان زلف و روئے آں پری زیبائی است کفر و ایمان ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

یعنی: ہائے افسوس! یہ شریعت اندھوں کی ملت ہے۔ ہمارا مذہب کافروں کے دین پر ہے۔

♦ زلف اور چہرہ اس خوبصورت پری کا کفر اور ایمان ہے، کفر اور ایمان ہمارے راستے میں یکساں ہے۔

یہ حال بڑی مدت تک رہا اور مہینوں سے سالوں تک نوبت نہ بچنی۔ اچانک حضرت اللہ جل سلطانہ کی بے پناہ عنایت غیب کے درتچے سے میدانِ ظہور میں آئی اور اس نے بے مثل و بے مثال کا چہرہ ڈھانپنے والے پردہ کو ہٹا دیا۔ پہلے علوم جو اتحاد

اور وحدت وجود پر مبنی تھے، وہ زائل ہو گئے اور احاطہ و سر بیان اور قرب و معیت ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئے تھے، وہ پوشیدہ ہو گئے۔ کامل یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ خالق (کائنات) جل شانہ کو عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں ہے، بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ و قرب ایک علم ہے، جس طرح کہ اہل حق شَکَرَ اللہُ تَعَالٰی سَعِیْہُمْ (یعنی: اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے نزدیک وہ مقرر (ثابت) ہے اور حق سبحانہ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ و تقدس (کی ذات) اللہ ہے اور عالم عالم ہے۔ اللہ سبحانہ بے مثل و بے مثال ہے اور عالم سراسر مثل و مثال کے داغ سے داغدار ہے۔ بے مثل کوشش کا عین نہیں کہہ سکتے اور واجب تعالیٰ کو ممکن کا عین نہیں کہہ سکتے (اور) قدیم ہرگز حادث کا عین نہیں ہو سکتا۔ ممتنع العدم جائز العدم کا عین نہیں بن سکتا۔ حقائق کا بدلنا عقلی و شرعی طور پر محال ہے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کا ثبوت و صحت کلی طور پر ناممکن ہے۔

عجیب ہے کہ (حضرت) شیخ محی الدین (قدس سرہ) اور ان کے پیروکار واجب تعالیٰ (حق سبحانہ) کی ذات کو مجہول مطلق کہتے ہیں اور اس کو کسی حکم کے ساتھ محکوم علیہ نہیں جانتے، نیز اس کے باوجود اس کے لیے احاطہ ذاتی اور قرب و معیت ذاتی ثابت کرتے ہیں، حالانکہ یہ بھی تو حق تعالیٰ و تقدس کی ذات (پاک) پر حکم لگانا ہی ہے۔ پس صحیح وہ ہے جو اہل سنت و جماعت کے علما نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کا قرب و احاطہ علمی ہے (ذاتی نہیں ہے)۔

توحید و جود کی مشرب کے مخالف علوم و معارف کے حاصل ہونے کے وقت فقیر بہت مضطرب تھا، کیونکہ وہ اس توحید سے بڑھ کر اور کسی بلند امر سے آگاہ نہیں تھا۔ وہ عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ تمام حجابات کام (مقصود) کے چہرے سے ہٹ گئے اور حقیقت کامل طور پر ظاہر ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ عالم ہر چند کمالات صفاتی کے آئینے اور اسمائی ظہورات کی جلوہ گاہیں ہیں، لیکن مظہر ظاہر کا عین اور ظل اصل کا عین نہیں ہے جیسا کہ توحید و جود والوں کا مذہب ہے۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک صاحب فنون عالم نے چاہا کہ وہ اپنے گونا گوں کمالات کو ظہور کے میدان میں جلوہ گر کرے اور اپنی پسندیدہ مخفی خوبیوں کو واضح کرے۔ اس نے حروف اور آوازیں کو ایجاد کیا اور ان کے آئینوں میں ان مخفی کمالات کو ظاہر کیا۔ اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حروف اور آوازیں جو ان پوشیدہ کمالات کے آئینے اور جلوہ گاہیں ہیں، وہ ان کمالات کا عین ہیں یا بالذات (اپنی ذات کے ساتھ) ان کمالات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں، یا بالذات ان کمالات کے قریب ہیں، یا ان کے ساتھ ذاتی معیت رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے درمیان دال (دلالت کرنے والے) اور مدلول (جس کی دلالت کی جائے) ہونے کی نسبت ہے۔ حروف اور آوازیں ان کمالات پر صرف دلالت کرنے والے ہیں، اس سے زیادہ اور کوئی تعلق نہیں۔ وہ کمالات اپنی محض آزادی پر ہیں، وہ نسبتیں جو پیدا ہوئی ہیں، وہ وہمی اور خیالی ہیں۔ حقیقت میں ان نسبتوں میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے، لیکن چونکہ ان کمالات، حرفوں اور آوازوں کے درمیان ظاہریت اور مظہریت اور مدلولیت اور دلالت کی نسبت ہے تو یہی مناسبت بعض عوارض کے باعث بعض لوگوں کے لیے وہمی نسبتوں کے حاصل ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ حقیقت میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے خالی اور پاک ہیں۔ جس (نسبت) کا ہم ذکر کرتے ہیں،

اس میں بھی دالیت و مدلولیت اور ظاہریت و مظهریت کے تعلق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ عالم (دنیا) اپنے بنانے والے (خالق تعالیٰ) کے وجود پر علامت ہے اور حق سبحانہ کے اسمائی و صفاتی کمالات کے ظاہر ہونے کے لیے مظہر ہے۔ یہی تعلق بعض عوارض کی بنا پر بعض لوگوں کے لیے وہی احکام کا سبب بن جاتا ہے۔

بعض لوگوں کو تو حید کے مراقبوں کی زیادتی ان احکام پر لے آتی ہے، کیونکہ ان مراقبوں کی صورت قوتِ مخیلہ میں نقش ہو جاتی ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو تو حید کا علم اور اس کا تکرار ان احکام کے ساتھ ایک قسم کا ذوقِ بخشا ہے۔ تو حید کی یہ دونوں صورتیں معلول (ضعیف) اور علم کے دائرہ میں داخل ہیں، حال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ بعض دوسرے لوگوں کے لیے ان احکام کے پیدا ہونے کی وجہ محبت کا غلبہ ہے، کیونکہ محبت کے غلبہ کی بنا پر محبوب کے سوا محبت کرنے والے کی نگاہ سے سب کچھ دور ہو جاتا ہے اور محبوب کے علاوہ وہ کچھ نہیں دیکھتا، یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں محبوب کے علاوہ کچھ بھی (موجود) نہیں ہے، کیونکہ یہ بات حس اور عقل و شرع کے خلاف ہے۔ اور کبھی یہی محبت احاطہ اور قرب ذاتی کے ساتھ حکم کرنے کا سبب بنتی ہے۔ تو حید کی یہ قسم پہلی دونوں اقسام تو حید سے اعلیٰ اور حال کے دائرہ میں داخل ہے۔ اگرچہ وہ اصل حقیقت اور شریعت کے موافق نہیں ہے۔ شریعت اور اصل حقیقت کے ساتھ اس کی مطابقت کرنا محض تکلف اور فلسفیوں کے بیہودہ تکلفات کی مانند ہے۔ کیونکہ فلاسفہ اہل اسلام چاہتے ہیں کہ اس سے اپنے فاسد اصول شرعی قوانین کے مطابق کریں۔ کتاب اخوان الصفا اور اس کی طرح (دوسری کتب) اسی قسم کی ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کشفی خطا اجتہادی خطا کا حکم رکھتی ہے، جس سے ملامت اور عتاب دور ہے، بلکہ صواب کے درجوں میں سے ایک درجہ اس کے حق میں ثابت ہے۔ (کشفی خطا اور اجتہادی خطا میں) صرف اس قدر فرق ہے کہ مجتہد کی تقلید کرنے والے مجتہد کا حکم رکھتے ہیں اور وہ خطا کے ہونے پر بھی ثواب کا ایک درجہ پالیتے ہیں۔ برخلاف اہل کشف کی تقلید کرنے والوں کے جو کہ معذور نہیں ہیں اور خطا کے ہو جانے پر وہ ثواب کے درجہ سے محروم ہیں، کیونکہ الہام اور کشف دوسرے شخص پر حجت نہیں اور مجتہد کا قول دوسرے شخص (مقلد) پر حجت ہے۔

پس تقلید اول (اہل کشف کی تقلید) خطا کے احتمال کی بنا پر جائز نہیں ہے اور تقلید ثانی (مجتہد کی تقلید) خطا کے احتمال پر جائز، بلکہ واجب ہے۔

بعض سالکین کا شہود جو کوئی تعینات (مخلوقات) کے آئینوں میں (ہوتا) ہے، وہ بھی سابقہ (تین اقسام کے) احکام میں سے ہے۔ انہوں نے اس شہود کا نام کثرت میں وحدت کا مشاہدہ یا کثرت میں احدیت کا مشاہدہ رکھا ہے، کیونکہ واجب تعالیٰ و تقدس جو بے مثل اور بے مثال ہے، ہرگز مثال کے آئینوں میں نہیں سما سکتا اور مقدور کی جلوہ گاہوں میں نہیں آتا۔ وہ لامکانی مکان میں گنجائش نہیں رکھتا۔

بے مثل کو مثل کے دائرہ سے باہر تلاش کرنا چاہیے اور لامکانی کو مکان کے علاوہ ڈھونڈنا چاہیے۔ جو کچھ آفاق و انفس میں دیکھا جاتا ہے، وہ حق سبحانہ و تعالیٰ و تقدس کی نشانیاں ہیں۔

دائرہ ولایت کے قطب یعنی حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ جو کچھ دیکھا

گیا اور سنا گیا اور جانا گیا، وہ سب غیر (اور حجاب) ہے۔ کلمہ ”لا“ کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے:

در تنکنائے صورت معنی چگونہ گنجہ در کلبہ گدایاں سلطان چہ کار دارد
صورت پرست غافل معنی چہ داند آخر کو با جمال جاناں پنہاں چہ کار دارد
یعنی: صورت کے تنگ کوچہ میں معنی کس طرح سما سکتا ہے، گداگروں کی جھونپڑی میں بادشاہ کا کیا کام ہے۔

♦ صورت پرست غافل آخر معنی کو کیا جانے، اسے پنہاں محبوب کے جمال سے کیا واسطہ ہے؟

اگر کہیں کہ اکثر مشائخ کیا نقشبندیہ اور کیا ان کے علاوہ دوسرے ہوں، ان کی عبارات میں ایسے آیا ہے جو وحدت وجود واحاطہ، قرب ومعیت ذاتی اور کثرت میں وحدت کے مشاہدے اور کثرت میں احدیت کے مشاہدے پر واضح (دلالت) کرتا ہے۔ ہم (اس کے) جواب میں کہتے ہیں کہ یہ احوال و شہود ان کو احوال کے درمیان میں پیش آئے ہوں گے اور اس کے بعد وہ اس مقام سے آگے گزر گئے ہوں گے۔ جس طرح کہ اس فقیر نے اپنے احوال کے بارے میں پہلے لکھا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک گروہ کے ظاہر کو جو کہ کثرت بین ہے، باطن میں احدیت صرف کی جانب کامل نگرانی حاصل ہونے کے باوجود ان احکام اور اس شہود سے مشرف کرتے ہیں۔ (گویا) وہ باطن میں احدیت کے نگران ہوتے ہیں اور ظاہری طور پر کثرت میں مطلوب کا مشاہدہ کرنے والے۔ جس طرح کہ اس فقیر نے اس مکتوب کے شروع میں اپنے والد (بزرگوار) کے حال سے خبر دی ہے۔ نیز اس جواب کی تحقیق تفصیل سے اس رسالہ (خط) میں لکھی ہے، جو وحدت وجود کے مراتب کی تحقیق میں تحریر کیا ہے۔

جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے یہ مقام اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ جب حقیقت میں متعدد وجود ہوں اور قرب واحاطہ ذاتی نہ ہو اور کثرت میں وحدت کا شہود واقع کے مطابق نہ ہو تو ان بزرگواروں کا حکم جھوٹا ہوگا۔ کیونکہ وہ حکم واقع اور حقیقت کے مطابق نہیں ہے (اور جھوٹ عدم مطابقت ہی کو کہتے ہیں)۔ کیونکہ ہم (اس کے) جواب میں کہتے ہیں کہ ان بزرگواروں نے اپنے شہود کے مطابق حکم کیا ہے۔ جس طرح کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے زید کی صورت کو آئینے میں دیکھا ہے تو یہ حکم بھی واقع کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس نے وہ صورت آئینے میں نہیں دیکھی ہے، اس لیے کہ حقیقت میں صورت آئینے میں نہیں ہے کہ دیکھی جائے۔ اس شخص کو اس حکم میں عرف عام میں جھوٹا نہیں کہیں گے۔ اگرچہ (یہ) حقیقت کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ وہ اس حکم میں معذور ہے اور جھوٹ کی ملامت اس سے دور ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

جو احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق ہیں، ان کے اظہار سے مقصد یہ ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگر (فقیر) نے (شروع میں) وحدت وجود کو قبول کیا ہوا تھا تو وہ کشف کی وجہ سے تھا، تقلید کے طور پر نہیں تھا اور (اب) اگر انکار ہے تو وہ الہام (کے سبب) سے ہے اور (الہام میں) انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ الہام دوسروں کے لیے حجت نہیں ہے۔

جھوٹ کے شبہ کو دور کرنے کے لیے دوسرا جواب یہ ہے کہ افراد عالم بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہیں اور بعض دوسرے امور میں ایک دوسرے سے ممتاز (جدا) ہیں۔ ایسے ہی بعض پیش آنے والے امور (مثلاً) موجود ہونا، شئی ہونا، عالم ہونا، معلوم ہونا اور جوہر ہونا وغیرہ) میں ممکن کا واجب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ اشتراک ہے، اگرچہ بالذات دونوں

(ممکن اور واجب) ایک دوسرے سے ممتاز (جدا) ہیں۔ پس محبت کے غلبہ کی بنا پر دونوں میں امتیاز کرنے والی شے نظر سے پوشیدہ ہو جاتی ہے اور جو چیز دونوں کے درمیان مشترک ہے، وہ نظر میں رہ جاتی ہے۔
پس اس صورت میں اگر (مشترکہ امور کے اعتبار سے) ایک دوسرے کے عین ہونے کا حکم کریں تو (یہ) واقع کے مطابق ہوگا اور جھوٹ کی ہرگز گنجائش نہیں رہے گی۔ احاطہ ذاتی اور اس طرح کی دوسری باتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۲)

مرزا حسام الدین احمد کی جانب تحریر فرمایا۔ اس کمال کے بیان میں جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اولیاء میں سے بہت کم اشخاص اس کمال سے مشرف ہوئے ہیں اور حضرت مہدی (رضوان اللہ علیہ) میں وہ کمال نہایت مکمل درجہ پر ظہور کرے گا۔ وہ کمال جذبہ و سلوک کی نسبت کے اوپر ہے۔ نیز اس بیان میں کہ صنعت کا کمال بہت سے افکار کے آپس میں ملنے پر (ہوتا) ہے اور اس کی زیادتی کا انحصار کئی افکار کی پیروی (کرنے) پر ہے۔ مرشد کی نسبت اگر اسی خالصیت (اصلیت) پر ہے تو وہ نقصان کا سبب (بنتی) ہے۔ مرید رشید اس کو کامل بنا سکتا ہے اور جو کچھ اس کے لائق ہے (اس کے بیان میں)۔
آپ کا پیارا محبت نامہ موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔ یعنی اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے کہ دور پڑے ہوؤں کو آپ نے بھلایا نہیں اور کسی سبب سے یاد آ ہی جاتے ہیں:
ع بارے بہ ہیچ خاطر خود شادی کنم
یعنی: کبھی میں کسی بھی چیز سے اپنے دل کو خوش کر لیتا ہوں۔
آپ نے پیر دستگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ) علیہ الرحمۃ کی نسبت خاصہ کے معلوم نہ ہونے کے بارے میں لکھا تھا اور اس کا سبب پوچھا تھا۔
میرے مخدوم! اس طرح کی باتوں کی تشریح میں تحریر، بلکہ تقریر کرنا بھی مناسب دکھائی نہیں دیتا۔ پھر کسی کی سمجھ میں کیا آئے گا اور وہ اس سے کیا حاصل کرے گا؟ (لہذا) حسن ظن کے ساتھ (پیر طریقت کی خدمت میں) حاضر ہونا یا (اس کی) طویل صحبت اختیار کرنا جس طرح بھی (ممکن) ہو ضروری ہے، وَبَدُوْهَا خَوْطُ الْقِتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے:

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے تا با تو حکایت کنم ہر بابے

یعنی: ایک پرسکون رات چاہیے اور ایک خوبصورت چاندنی، تاکہ میں تجھے ہر بات سناؤں۔

لیکن ہر سوال کا جواب (ہونا) چاہیے کی رُو سے (فقیر) اتنا ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک مقام کے علوم و معارف الگ اور احوال و مواجید جدا ہیں۔ ایک مقام میں ذکر و توجہ مناسب ہے اور دوسرے مقام میں تلاوت و نماز (مناسب) ہے۔ ایک مقام جذبہ (سیر نفسی) کے ساتھ مخصوص ہے اور (دوسرا) مقام سلوک (سیر آفاقی) سے۔ کوئی مقام ان دونوں دولتوں سے مخلوط ہے

اور ایک مقام ہے جو جذبہ و سلوک کی دونوں جہتوں سے جدا ہے، نہ جذبہ کو اس (مقام) سے کوئی لگاؤ ہے اور نہ سلوک کا اس سے کوئی تعلق (ہے)۔ یہ مقام انتہائی عجیب ہے۔

آنسور علیہ وعلی آلہ وعلیہم من الصلوات افضلها ومن التسليمات اكملها کے صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) اس مقام کے ساتھ ممتاز اور اس عظیم دولت سے مشرف ہیں۔ اس مقام کے حامل کو دوسرے مقامات والوں سے کامل امتیاز (حاصل) ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت تھوڑی مشابہت رکھتے ہیں، بخلاف دوسرے مقامات والوں کے جو ایک دوسرے سے ایک مشابہت رکھتے ہیں، خواہ وہ مشابہت ایک وجہ سے ہو اور دوسری وجہ سے نہ ہو۔ یہ وجہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے زمانہ کے بعد حضرت مہدی (موعود) علیہ السلام میں ان شاء اللہ تعالیٰ پوری طرح ظاہر ہوگی۔ دوسرے سلسلوں کے مشائخ رحمہ اللہ سبحانہ میں سے بہت کم حضرات نے اس مقام کی خبر دی ہے۔ پھر اس (مقام) کے علوم و معارف سے کس طرح کسی نے بات کی ہو۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ (سورۃ الحدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر یہ عزیز الوجود نسبت پہلے ہی قدم میں ظاہر ہو جاتی تھی اور آہستہ آہستہ کمال تک پہنچ جاتی تھی۔ کسی دوسرے کو اس دولت سے مشرف کرتے ہیں تو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے قدم پر تربیت کرتے ہیں۔ وہ جذبہ و سلوک کی منازل طے کرنے اور ان کے علوم و معارف کے عبور کے بعد اس عظیم دولت سے سرفراز ہوگا۔

ابتدا میں اس نسبت کا ظہور سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتحيات والبركات والتسليمات کی صحبت سے مخصوص تھا، لیکن ہو سکتا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کرنے والوں میں سے بھی کسی کو اس برکت سے مشرف فرما دیں، تاکہ اس کی صحبت بھی ابتدا (ہی) میں اس بلند نسبت کے ظہور کا سبب بن جائے:

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگران ہم بکنند آنچه مسیحا می کرد^(۱)

یعنی: اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہی کام کریں جو (حضرت) مسیح (علیہ السلام) کرتے تھے۔

اس وقت اس نسبت (نقشبندیہ) میں بھی ابتدا میں نہایت کا درجہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے، جس طرح کہ جذبہ و سلوک کے مقدم ہونے کی صورت میں ثابت ہے۔ اس سے زیادہ بیان کی گنجائش (یہ مضمون) نہیں رکھتا۔ شعر:

وَمِنْ بَعْدِ هَذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهُ وَ مَا كَتَمَهُ أَحْطَى لَدَيْهِ وَأَجْمَلُ

یعنی: اور اس کے بعد وہ ہے جس کی صفات دقیق ہیں اور جس کا چھپانا ہی اس کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔

اس کے بعد اگر ملاقات نصیب ہوئی اور سننے والوں کی طرف سے سننے کا نیک گمان معلوم ہوا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس مقام کے بارے میں کچھ بیان کیا جائے گا۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

آپ نے بعض دوستوں کے بارے میں تحریر فرمایا تھا۔ اس فقیر نے ان کی لغزشوں کو معاف کر دیا، حق سبحانہ و تعالیٰ سب

سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، وہ معاف فرمائے۔ لیکن دوستوں کو نصیحت فرمائیں کہ وہ (اس فقیر کے) سامنے اور پیٹھ پیچھے اذیت نہ پہنچایا کریں اور اپنے طور طریقے نہ بدلا کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْءًا اَفْلَا مَرَدُّ لَهُ وَمَالَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِّنْ وَّالٍ. (سورۃ الرعد، ۱۱)

یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ پھر نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

آپ نے شیخ میاں داد کے بارے میں خاص کر کے لکھا تھا۔ فقیر کو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن مثلاً الیہ (شیخ اللہ داد) کو خود اپنی وضع تبدیل کرنے سے نادم ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ ”الْاَنْدَمُ تَوْبَةً“^(۲) یعنی: ندامت توبہ ہی ہے۔ شفاعت (معافی) طلب کرنا ندامت کی فرع ہے۔ بہر حال فقیر نے اپنی طرف سے معاف کر دیا ہے، دوسری جانب کو آپ جانیں۔

دوسرے یہ کہ سرہند کو اپنا گھر تصور فرمائیں۔ محبت کا تعلق اور پیر بھائی ہونے کی نسبت اس طرح کی نہیں ہے کہ عارضی باتوں سے ٹوٹ جائے۔ (فقیر) اس سے زیادہ کیا لکھے۔ والسلام۔

مخدوم زادے اور گھر کے تمام افراد دعا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس خط کی تحریر کے بعد دل میں خیال آیا ہے کہ دوستوں کی غلطیوں اور ان کو معاف کرنے کے بارے میں زیادہ واضح لکھا جائے، کیونکہ اختصار میں شک و شبہ ہے (اور) نہ معلوم کیا سمجھا جائے۔

میرے مخدوم! معاف کرنا اس صورت میں مطلوب و متصور ہے کہ وہ لوگ ان وضع قطع کو برا سمجھیں اور ان سے نادم ہوں، ورنہ معافی کی گنجائش نہیں ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ پیر دستگیر (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ نے یہ مقام (خانقاہ دہلی کی سجادگی) ان لوگوں کی موجودگی میں شیخ الہ داد کے سپرد کیا تھا۔ یہ بات ذرا زیادہ وضاحت چاہتی ہے۔ اگر سپرد کرنا اس معنی میں کہا ہے کہ آنے جانے والے فقیروں کی خدمت کریں اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھیں تو (یہ) قابل قبول ہے۔ اور اگر اس معنی میں کہا ہے کہ طالبین کے گروہ کی تربیت کریں اور مقامِ مشیخت پر بیٹھیں تو (یہ) ناجائز ہے۔

آخری ملاقات میں حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) نے اس فقیر سے فرمایا تھا کہ تم تجویز کرو کہ شیخ الہ داد ہماری طرف سے جا کر بعض طالبین کو (ذکر کی) مشغولی کے لیے کہے اور بعض کے حالات ہم تک پہنچائے، کیونکہ (اب) ہم میں اپنے پاس بلانے، (ذکر کی) مشغولی کا کہنے اور احوال پوچھنے کی طاقت نہیں ہے۔

فقیر اس بارے میں بھی متوقف تھا۔ جب ضروری ہوا تو فقیر نے بھی اتنا (ہی) تجویز کیا۔ اس قسم کی تبلیغ محض ایک طرح کی سفارت ہے۔ خاص کر جبکہ ضرورت کی بنا پر ہو۔ وَالصُّرُوْرَةُ تَقْدَرُ بِقَدْرِهَا۔ یعنی: اور ضرورت (کی چیز) ضرورت کے مطابق ہی حاصل کی جاتی ہے۔ پس وہ سفارت بھی حضرت (خواجہ قدس سرہ) کی زندگی تک مخصوص ہوگی۔ حضرت (خواجہ قدس سرہ) کے رحلت فرمانے کے بعد (ذکر کی) مشغولی کا کہنا اور طالبین کا حال پوچھنا خیانت میں داخل ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ پیر و سنگیر (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی نسبت باقی رہتی ہے۔ یعنی (اس میں) زیادتی اور نقصان نہیں ہوتا۔

میرے مخدوم! ہر فن کی تکمیل (کئی) افکار کے ملنے پر موقوف ہے۔ جو (علم) نحو سیبویہ (۳) نے ترتیب دیا تھا، متاخرین کے افکار نے اس میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے۔ اسی اصلی صورت پر رہنا خود عین نقصان ہے۔ جو نسبت حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس سرہ رکھتے تھے، وہ حضرت خواجہ عبدالحق قدس سرہ کے زمانے میں نہ تھی۔ علیٰ ہذا القیاس۔ خاص کر ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ قدس سرہ) اس نسبت کی تکمیل میں مصروف رہے ہیں اور آپ اس کو کامل نہیں سمجھتے تھے۔ اگر (آپ کی) زندگی وفا کرتی تو آپ اللہ جل سلطانہ کے ارادہ سے اس نسبت کو (معلوم نہیں) کہاں تک لے جاتے۔ یہ کوشش کرنا کہ اس نسبت میں زیادتی نہ ہو، مناسب نہیں ہے۔ فقیر نہیں جانتا کہ یہ نسبت کس طرح باقی رہے گی۔ آپ خود (ایک) الگ نسبت رکھتے ہیں، جو ان (حضرت خواجہ قدس سرہ) کی نسبت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ یہ بات کئی بار حضرت (خواجہ قدس سرہ) کے حضور میں متعین ہو چکی تھی۔ بیچارہ شیخ الہ داد نسبت کو کیا جانے کہ وہ کیا ہے؟ تھوڑا سا حضور قلبی انہیں حاصل تھا۔ نیز ان کو خود بھی معلوم ہے کہ ان کی کیا حالت ہے؟ اس نسبت کا باقی رکھنے والا کون ہے؟ آپ واضح فرمائیں تاکہ فقیر بھی اس شخص کا مددگار ہو۔ واقعات کا اعتبار نہ کریں، کیونکہ وہ خیالی ہیں، کوئی صداقت نہیں رکھتے۔ شیطان طاقتور دشمن ہے، گمراہ کرنے والی اس کی آرائشوں (مکروں) سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اَلَا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ یعنی: مگر جس کو اللہ تعالیٰ بچائے۔

آپ نے حاصل ہونے والی نسبتوں کے بارے میں لکھا تھا۔

میرے مخدوم! وہ سلب کرنا اختیار کے ساتھ نہیں تھا، جیسا کہ آپ کے سامنے ذکر ہوا تھا۔ اب بھی وہ سلب اپنی حالت پر (موجود) ہے، دور نہیں ہوا۔ اس کو زائل سمجھنا خیال (وہم) ہے۔ جو آواز (آپ) دل سے سنیں، وہ اس حالت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ جس انگارے کو سر دکر دیتے ہیں اور آگ اس سے دور ہو جاتی ہے تو پانی ڈالنے کے بعد بھی اس میں آواز باقی رہتی ہے، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ابھی اس میں آگ چھپی ہوئی ہے۔ واقعات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر یہ بات آج پوشیدہ ہے تو آپ انتظار کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کل ظاہر ہو جائے گی۔ چونکہ آپ نے مبالغہ کے ساتھ لکھا تھا، لہذا ضرورت سے اس کے جواب میں یہ بات لکھی ہے، ورنہ بے موقع بات کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔

مکتوب نمبر (۳۳)

ملاحاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ علمائے سو کی مذمت کے بیان میں جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں اور انہوں نے علم کو دنیا

حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا اور پرہیزگار علماء کی مدح میں جو دنیا سے بے رغبت ہو گئے ہیں۔

علماء کے لیے دنیا کی محبت اور اس کی رغبت ان کے جمال کے چہرے کا بد نما داغ ہے۔ اگرچہ لوگوں کو ان سے کئی فوائد حاصل ہیں لیکن ان کے علم نے ان کی اپنی ذاتوں کو کوئی نفع نہیں دیا۔ اگرچہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت انہی کی بدولت ہے، لیکن کبھی ایسا بھی (ہوتا) ہے کہ یہ تائید و تقویت فاجر و فاسق لوگوں سے بھی (واقع) ہو جاتی ہے جیسا کہ سید الانبیاء علیہ و

علیہم و علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات نے اس فاجر آدمی کی تائید کے بارے میں خبر دی ہے اور فرمایا (ہے): اِنَّ اللّٰهَ لَیُّوْنِدُ هٰذَا الدّٰیْنِ بِالرُّجْلِ الْفَاجِرِ۔^(۱) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ ضرور اس دین (اسلام) کو ایک فاجر شخص کے ذریعے بھی مدد دے گا۔ یہ علمائے (سو) پارس پتھر کی طرح ہیں کہ تانا اور لوہا میں سے جو بھی اس کے ساتھ لگ جائے وہ سونا بن جاتا ہے اور وہ (پارس) اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے۔ ایسے ہی وہ آگ جو پتھر اور بانس میں (بطور) امانت رکھی گئی ہے، جہاں کو اس آگ سے کئی فائدے حاصل ہیں، لیکن وہ پتھر اور آگ اپنی اس اندرونی آگ سے بے نصیب ہیں۔

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم ان (علمائے سو) کے اپنی ذات کے حق میں نقصان دینے والا ہے کہ اس نے ان پر (یہ) حجت پوری کر دی ہے: اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَمَةِ عَالِمٌ لَّمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ۔^(۲) یعنی: بیشک قیامت کے روز لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب کا حقدار وہ عالم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہ عطا فرمایا ہو۔ کیونکر مضرنہ ہو؟ جو علم اللہ عزوجل کے نزدیک عزیز اور موجودات میں اشرف ہے، اس نے اس کو کمینی دنیا یعنی مال و جاہ اور ریاست کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔^(۳) حالانکہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و خوار اور مخلوقات میں سب سے زیادہ بری ہے۔

پس اللہ عزوجل کی عزیز (کی ہوئی چیز) کو خوار کرنا اور اس کی ذلیل (کی ہوئی شے) کو عزت دینا بہت ہی برا ہے۔ حقیقت میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ تعلیم دینا اور فتوے (لکھنا) اس وقت نفع دیتا ہے جب خالص اللہ سبحانہ ہی کے لیے ہو اور جاہ و ریاست کی محبت اور مال و بلندی کے شبہ سے خالی ہو۔ اس خالی ہونے کی نشانی دنیا میں زہد (اختیار کرنا) ہے اور دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سے بے رغبت ہونا ہے۔ جو علماء اس بلا میں مبتلا اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں، وہ دنیا کے علماء میں سے ہیں۔ یہی علمائے سولوگوں میں سب سے برے اور دین کے چور ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ خود کو دین کا پیشوا سمجھتے ہیں۔ (جیسا کہ ارشاد الہی ہے): وَیَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْکٰذِبُوْنَ۔ اِسْتَحُوْذْ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسَلٰهُمْ ذِکْرُ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (سورۃ المجادلہ، ۱۸-۱۹) یعنی: اور یوں خیال کرتے ہیں کہ ہم کسی اچھی حالت میں ہیں۔ خوب سن لو یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کی یاد ان کو بھلا دی ہے۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں اور سن لو کہ شیطان کا گروہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

ایک عزیز (ولی) نے شیطان ملعون کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہو چکا ہے۔ اس عزیز (ولی) نے اس سے اس چیز کا راز پوچھا۔ ملعون نے کہا کہ اس وقت کے علمائے سو نے اس کام میں میری بڑی مدد کی ہے اور انہوں نے مجھے اس مہم سے فارغ کر دیا ہے۔

سچ ہے کہ اس زمانے میں جو سستی اور غفلت شرعی امور میں واقع ہوئی ہے اور جو فتور ملت و دین کے رواج میں ظاہر ہو چکا ہے وہ سب علمائے سو کی نحوست اور ان کی نیتوں کی خرابی کی وجہ سے ہے۔ جی ہاں! جو علماء دنیا سے بے رغبت اور جاہ و ریاست اور مال و رفعت کی محبت سے آزاد ہیں، وہ علمائے آخرت ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے وارث ہیں اور مخلوقات میں سے بہترین یہی لوگ ہیں کہ کل قیامت کو جن کے قلموں کی سیاہی کو اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے

خون کے ساتھ تولا جائے گا اور اس سیاہی کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ^(۴) (علماء کی نیند بھی عبادت ہے) انہی کے حق میں ثابت ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی نظروں میں آخرت کا جمال پسندیدہ آیا اور دنیا کی برائی اور اس کی خرابی ظاہر ہو گئی۔ انہوں نے اس (آخرت) کو بقا کی نظر سے دیکھا اور اس (دنیا) کو زوال کے داغ سے داغدار پایا۔ مجبوراً انہوں نے خود کو باقی کے سپرد کیا اور فانی سے روکے رکھا۔ آخرت کی عظمت کا مشاہدہ ذات لایزال (اللہ تعالیٰ) کی عظمت کے جلال کا ثمر ہے اور دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، کو ذلیل سمجھنا آخرت کی عظمت کے مشاہدہ کی ضروریات میں سے ہے۔ لَآئِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ صَرَّتَانِ اِنْ رَضِيَتْ اِحْدَاهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰى^(۵)۔ یعنی: دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں، اگر ان میں سے ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہو جائے گی۔ اگر دنیا عزیز ہے تو آخرت ذلیل اور اگر دنیا ذلیل ہے تو آخرت عزیز ہے۔ ان دونوں کا جمع ہونا دو ضدوں کے جمع ہونے کی مانند ہے:

ع مَا أَحْسَنَ الدِّينَ وَالْدُّنْيَا لَوْ اجْتَمَعَا

یعنی: کتنا اچھا ہوا اگر دین و دنیا ایک ساتھ ہوں۔

جی ہاں! مشائخ کے ایک گروہ کے لوگ جو اپنی ذات اور اپنی خواہشات سے پوری طرح آزاد ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بعض نیک نیتوں کے ساتھ اہل دنیا کی صورت اختیار کی ہے اور ظاہر میں رغبت کرنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ درحقیقت وہ (دنیا سے) کوئی تعلق نہیں رکھتے اور ہر چیز سے فارغ اور آزاد ہیں۔ (جیسے کہ ارشادِ الہی ہے): رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ۔ (سورۃ النور، ۳۷) (یعنی) یہ وہ لوگ ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی۔ وہ ان امور کے ساتھ عین تعلق کے باوجود (ان سے) بے تعلق ہیں۔ حضرت خواجہ (بہاء الدین) نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ منیٰ کے بازار میں نے ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کی اور اس کا دل ایک لمحہ کے لیے بھی حق سبحانہ سے غافل نہیں ہوا۔

مکتوب نمبر (۳۴)

یہ بھی ملاحظہ فرمایا۔ عالمِ امر کے جواہرِ خمسہ (پانچ لطائف) کی حتی الامکان شرح و تفصیل کے ساتھ بیان میں۔

دو جہان (دنیا و آخرت) کی سعادت کا حاصل ہونا سید کونین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلٰوٰتِ اَفْضَلُہَا وَ مِنْ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُہَا کی اتباع پر وابستہ ہے۔ جس فلسفی کی بصیرت کی آنکھ میں صاحبِ شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلٰوٰتِ اَفْضَلُہَا کی پیروی کا سرمہ نہیں لگا ہے، وہ عالمِ امر کی حقیقت سے نابینا ہے، چہ جائیکہ اس کو مرتبہ وجوبِ تعالیٰ و تقدس کا شعور ہو۔ اس کی کوتاہ نظر صرف عالمِ خلق پر لگی ہوئی ہے اور وہ وہاں بھی نامکمل ہے۔ جن پانچ جواہر^(۱) کو اہل فلسفہ نے ثابت کیا ہے وہ سب عالمِ خلق میں ہیں۔ انہوں نے نفس اور عقل کو جو مجردات (مادہ سے پاک) شمار کیا ہے، یہ ان کی نادانی ہے۔ نفس ناطقہ البتہ یہی نفسِ امارہ ہے جو تزکیہ کا محتاج ہے اور اس کی ہمت ذاتی طور پر کمینگی اور پستی کی جانب ہے۔ اس کو عالمِ امر سے کیا نسبت؟ اور تجرد کے ساتھ اس کی کیا مناسبت؟ عقل خود معقولات میں سے سوائے ان امور

کے جو محسوسات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، بلکہ انہوں نے محسوسات کا حکم پیدا کیا ہوا ہے، کچھ ادراک نہیں کرتی، لیکن جو اُم محسوسات کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اور جس کی مثل و مثال مشاہدات میں ظاہر نہیں ہے، وہ عقل کے ادراک میں نہیں آتا اور اس کی بندش عقل کی کنجی سے نہیں کھلتی، لہذا عقل کی نظر احکام بے مثلی (دیکھنے) سے کوتاہ ہے اور غیب محض میں گمراہ ہے۔ یہ عالم خلق کی علامت ہے۔ عالم امر کا رخ بے مثلی کی جانب ہے اور اس کی توجہ بے مثالی کی طرف ہے۔ عالم امر کی ابتدا مرتبہ قلب^(۲) سے ہے اور قلب کے اوپر روح ہے، روح کے اوپر سر ہے، سر کے اوپر خفی ہے اور خفی کے اوپر انخی ہے۔ اگر عالم امر کے (ان) پانچ (مراتب) کو جواہر خمسہ کہیں تو (اس کی) گنجائش ہے۔ (فلسفی نے) چند ٹھیکریوں کو جمع کر کے اپنی کوتاہ نظری سے ان کا نام جواہر سمجھا ہے۔

عالم امر کے ان جواہر خمسہ کا ادراک کرنا اور ان کے حقائق پر اطلاع پانا اللہ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کامل تابعین کو نصیب ہے۔ جب عالم صغیر جو کہ انسان ہے، میں عالم کبیر کی ہر چیز کا ایک نمونہ (موجود) ہے تو عالم کبیر میں بھی ان جواہر خمسہ کے اصول ثابت ہیں۔ انسان کے قالب کی طرح عرش مجید عالم کبیر کے ان جواہر کا مبداء ہے اور اسی مناسبت سے دل کو بھی اللہ تعالیٰ کا عرش کہتے ہیں اور جواہر خمسہ کے باقی مراتب عرش کے اوپر ہیں۔

عالم کبیر میں عرش عالم خلق اور عالم امر کے درمیان برزخ (واسطہ) ہے، جس طرح انسان کا قلب عالم خلق^(۳) اور عالم امر کے درمیان برزخ ہے۔ قلب اور عرش اگرچہ عالم خلق میں ظاہر ہیں، لیکن (حقیقت میں) عالم امر سے ہیں۔ بے مثلی اور بے مثالی (بے کیف ہونے) سے کچھ حصہ رکھتے ہیں۔ ان جواہر خمسہ کی حقیقت پر اطلاع پانا اولیاء اللہ میں سے کامل افراد کے لیے ثابت ہے جو مراتب سلوک کو تفصیل کے ساتھ طے کر کے نہایت النہایت تک پہنچ گئے ہیں:

ہر گدائے مرد میدان کے شود پشہ آخر سلیمان کے شود

یعنی: ہر بھکاری مرد میدان کب ہو سکتا ہے؟ مچھر آخر (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کا ہم پایہ (کب بن سکتا ہے۔ اگر محض اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل سے کسی صاحب دولت کی بصیرت کی آنکھ کو مرتبہ وجوب کی تفصیل کے لیے بقدر امکان کھول دیں تو اس مقام میں وہ بھی ان جواہر کے اصول کا مطالعہ کر لیتا ہے۔ اور عالم صغیر و کبیر کے ان جواہر کو ان حقیقی جواہر کے ظلال کی طرح معلوم فرما لیتا ہے:

ع ایں کار دولتست کنوں تا کرا رسد

یعنی: یہ کام دولت کا ہے، دیکھئے اب کسے دیتے ہیں۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورة الحديد، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

عالم امر کے حقائق کا ظاہر نہ کرنا ان پوشیدہ معنوں کی باریکی کی وجہ سے ہے۔ پھر ہر کوتاہ نظر آدمی اس سے کیا حاصل کر سکتا ہے۔ علوم میں راسخ لوگ جو وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (سورة بنی اسرائیل، ۸۵)۔ یعنی: اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے) سے مشرف ہوئے ہیں، وہ اس ماجرا سے آگاہ ہیں:

ع هَيِّنَا لِرَبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا
یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست^(۴)
یعنی: مصلحت نہیں ہے کہ کسی راز سے پردہ اٹھایا جائے، ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عیاں نہ ہو۔
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ مِنَ الصَّلَوَاتِ
وَالتَّسْلِيمَاتِ اَتَمُّهَا وَادْوَمُهَا.

یعنی: اور آپ کو اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

دوسرا یہ دل میں آیا کہ جواہر مقدسہ عالیہ (جواہرِ خمسہ) سے بھی تھوڑا سا لکھا جائے۔ جاننا چاہیے کہ ان جواہر کی ابتداء صفاتِ اضافیہ^(۵) سے ہے جو وجوب اور امکان کے درمیان برزخوں (واسطوں) کی طرح ہیں اور ان کے اوپر صفاتِ حقیقیہ^(۶) ہیں، جن کی تجلیوں سے روح کو حصہ نصیب ہے۔ قلب کا تعلق صفاتِ اضافیہ سے ہے اور ان کی تجلیوں سے مشرف ہے۔ ان جواہرِ عالیہ (جواہرِ خمسہ) میں سے باقی جواہر جو صفاتِ حقیقیہ کے اوپر ہیں وہ حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے دائرہ میں داخل ہیں، لہذا ان تینوں مراتب کی تجلیوں کو تجلیاتِ ذاتیہ کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے:

ع قلم اینجا رسید و سر بشکست
یعنی: قلم اس جگہ پہنچا اور (اس کا) سر ٹوٹ گیا۔

مکتوب نمبر (۳۵)

یہ بھی میاں حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ محبت ذاتی کے بارے میں۔ (یہ) کہ اس مقام میں انعام اور دکھ دینا برابر (ہوتا) ہے۔

نَجَانَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَنْ زَيْغِ الْبَصْرِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ
وَالتَّسْلِيمَاتُ. یعنی: اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل نظر کی کجی سے نجات عطا فرمائے۔

سیر و سلوک سے مقصود نفسِ امارہ کا تزکیہ اور پاک کرنا ہے، تاکہ جھوٹے خداؤں کی عبادت سے جو کہ نفسانی خواہشات کے وجود سے پیدا ہوتی ہے، نجات حاصل ہو جائے اور حقیقت میں ایک معبودِ برحق تعالیٰ و تقدس کے سوا کوئی توجہ کا قبلہ نہ رہے اور اس پر کسی مقصد کو اختیار نہ کرے، خواہ وہ دینی مقاصد میں سے ہو یا دنیاوی مطالب میں سے۔

دینی مقاصد اگرچہ نیکیوں میں سے ہیں، لیکن یہ ابرار کا کام ہے۔ مقربین ان کو گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ سوائے ایک (ذاتِ پاک) کے کسی کو مقصود نہیں سمجھتے۔ یہ دولتِ فنا کے حاصل ہونے اور محبت ذاتی کے ثابت ہونے پر منحصر ہے، کیونکہ اس مقام میں انعام اور دکھ دینا برابر (ہوتا) ہے۔ عذاب میں وہی لذت (ہوتی) ہے جو کہ نعت (ملنے) میں۔ اگر بہشت کو چاہتے ہیں تو اس

لیے چاہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ و تقدس کی رضا کا مقام ہے اور اس کے طلب کرنے میں اللہ عز و سلطانی کی رضامندی ہے۔ دوزخ سے اس لیے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ مولیٰ تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے۔ بہشت طلب کرنے سے ان کا مقصد نفس کی لذت طلب کرنا نہیں ہوتا اور نہ ہی دوزخ سے پناہ مانگنا رنج اور دکھ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کچھ محبوب کی جانب سے ہے، ان بزرگوں کے نزدیک وہی پسندیدہ اور عین مطلوب ہے۔ (جیسے کہ آیا ہے): کُلُّ مَا يَفْعَلُهُ الْمَحْبُوبُ مَحْبُوبٌ۔ یعنی: محبوب جو کام کرتا ہے وہ سب بھی محبوب ہوتا ہے۔

اخلاص کی حقیقت یہاں ہاتھ لگتی ہے اور باطل خداؤں سے نجات اس مقام میں حاصل ہوتی ہے۔ کلمہ توحید اس وقت درست ہوتا ہے، وَبَدُونَهَا خَرُطُ الْفِتْنَةِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

محبت ذاتی کے بغیر جو کہ اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر اور محبوب کے انعام و اکرام کے وسیلہ کے بغیر ہے، مقصود کا حاصل ہونا بہت مشکل ہے اور شرکت کو جلا دینے والی اس محبت کے بغیر فنائے مطلق حاصل نہیں ہوتی۔ مثنوی:

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تغ ”لا“ در قتل غیر حق براند در نگر زان پس کہ بد ”لا“ چہ ماند
ماند ”إلا اللہ“ باقی جملہ رفت شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت^(۱)

یعنی: عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو گیا تو جو کچھ معشوق کے علاوہ تھا وہ سب جل گیا۔
♦ لا کی تلوار ما سوا اللہ کے قتل میں چلا (اور) پھر اس کے بعد دیکھ کہ ”لا“ کے بعد کیا رہ گیا ہے۔
♦ إلا اللہ رہ گیا، باقی سب فنا ہو گیا۔ اے عشق! شرکت کو جلانے والے زبردست تو خوش رہے۔

مکتوب نمبر (۳۶)

یہ بھی ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شریعت دنیا اور آخرت کی سب سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مقصد نہیں ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے سوا (کسی اور چیز) کی ضرورت پڑے۔ طریقت اور حقیقت (دونوں) شریعت کی خادم ہیں۔ نیز جو کچھ اُس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔
حَقَّقْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ بِحَقِيقَةِ الشَّرِيعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔
یعنی: اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی حقیقت سے آگاہ فرمائے۔

ع وَيَرْحَمُ اللَّهُ عَبْدًا قَالَ آمِينًا

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

شریعت کے تین جزو ہیں: (۱) علم، (۲) عمل اور (۳) اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو ثابت نہ ہو جائیں، اس وقت تک شریعت ثابت نہیں ہوتی۔ جب شریعت ثابت ہوگئی تو (اس وقت) حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی، جو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے افضل ہے (جیسے ارشاد الہی ہے): وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ (سورۃ توبہ، ۷۲)
یعنی: اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔

پس شریعت تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں کی ضامن ہوئی۔ کوئی بھی ایسا مطلب باقی نہیں رہتا جس کے حاصل کرنے میں شریعت کے سوا (کسی اور چیز) کی ضرورت پڑے۔ طریقت اور حقیقت جن کے ساتھ صوفیہ ممتاز بنے ہیں، ہر دو شریعت کے تیسرے جزو اخلاص کی تکمیل میں شریعت کی خادم ہیں۔ پس ان دونوں کے حاصل کرنے سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے، نہ کہ شریعت کے علاوہ کوئی اور امر۔

احوال و مواجید (حال و وجد) اور علوم و معارف جو صوفیہ کو (سلوک کے) راستے میں ہاتھ لگتے ہیں (اصلی) مقاصد میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہم و خیالات ہیں جن کے ذریعے طریقت کے بچوں (طلبہ) کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان سب سے گزر کر مقام رضا میں پہنچنا چاہیے، جو سلوک و جذبہ کے مقامات کی نہایت ہے۔ کیونکہ طریقت اور حقیقت کی منازل کو طے کرنے سے اخلاص حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے جو مقام رضا (پانے کے لیے) ضروری ہے۔ تین قسم کی تجلیات (تجلیات افعالیہ، صفاتیہ، ذاتیہ) اور عارفانہ مشاہدوں سے گزار کر ہزاروں میں سے کسی ایک (عارف) کو دولت اخلاص اور مقام رضا تک پہنچاتے ہیں۔ کم فہم (لوگ) احوال و مواجید کو (اصلی) مقاصد میں سے شمار کرتے ہیں اور مشاہدات و تجلیات کو (اصلی) مطالب میں سے سمجھتے ہیں۔ یقیناً وہ وہم و خیال کی قید میں رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم بن جاتے ہیں۔ (ارشاد الہی ہے): کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ. (سورۃ شوری، ۱۳) یعنی: مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ اُن کو بلا رہے ہیں۔ اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔

جی ہاں! مقام اخلاص کا حاصل ہونا اور مرتبہ رضا تک پہنچنا ان احوال و مواجید کے طے کرنے پر موقوف ہے اور ان علوم و معارف کے ثابت ہونے سے وابستہ ہے۔ پس یہ (چیزیں) مطلوب حاصل کرنے کے اسباب اور مقصود تک پہنچنے کے لیے وسیلہ ہیں۔ اس مطلب کی حقیقت حبیب خدا (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ کے صدقے اس فقیر (حضرت مجدد قدس سرہ) پر اس رہ (سلوک) میں پورے دس برس (گزرنے) کے بعد واضح ہوئی اور شریعت کا معشوق کما حقہ جلوہ گر ہوا۔ اگرچہ (فقیر) شروع ہی سے احوال و مواجید میں گرفتار نہیں تھا اور شریعت کے حقیقت کے ساتھ ثابت ہونے کے علاوہ کوئی اور مطلب پیش نظر نہ تھا۔ لیکن پورے دس سال (گزرنے) کے بعد کام کی اصل حقیقت جیسی کہ ہونی چاہیے تھی، ظاہر ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیْبًا مُّبَارَکًا فِیْہٖ مُبَارَکًا عَلَیْہِ.

یعنی: اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ ستائش اور شکر ہے۔ ایسی ستائش اور شکر جو کہ اغراض فاسدہ، ریا اور سمعہ سے پاک اور اس کی ذات و صفات کے لحاظ سے مبارک ہو۔

مغفرت پناہ میاں شیخ جمال کی وفات تمام اہل اسلام کے لیے غم اور پریشانی کا سبب ہے۔ آپ ان کے مخدوم زادوں کے ہاں فقیر کی طرف سے تعزیت کر کے فاتحہ پڑھیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۷)

شیخ محمد چتری (خیری) کے نام تحریر فرمایا۔ نبی کریم علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی روشن سنت کی پیروی پر آمادہ

کرنے اور نسبت نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے حاصل کرنے کا شوق دلانے کے بیان میں۔
آپ نے جو مبارک مراسلہ اور نفیس مکتوب مہربانی کرتے ہوئے ارسال فرمایا تھا، اس کے مطالعہ سے خوشی اور مسرت ہوئی۔ آپ نے اس طریقہ عالیہ نقشبندیہ پر اپنی استقامت اور ثابت قدمی کے بارے میں لکھا تھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا بیحد شکر ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اس طریقہ عالیہ کے اکابرین کی برکت سے بے انتہا ترقیاں نصیب فرمائے۔ ان کا طریقہ سرخ گندھک (یعنی اکسیر) ہے اور سنت نبوی علیٰ مُصَدِّرِہَا وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّۃُ پڑھنی ہے۔

یہ فقیر اپنے موجودہ حال سے لکھتا ہے کہ مدتوں علوم و معارف اور احوال و مقامات بہار کے بادل کی طرح وارد ہوتے رہے اور جو کام کرنا چاہیے تھے وہ حق سبحانہ کی عنایت سے ہو گیا۔ اب اس کے سوا کوئی آرزو نہیں رہی ہے کہ سننِ مصطفویہ علیٰ صَاحِبِہَا الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ میں سے کوئی سنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہل ذوق کے لیے تسلیم شدہ رہیں۔ آپ کو چاہیے کہ باطن کو خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کی نسبت سے معمور رکھ کر ظاہر کو پوری طرح ظاہری سنتوں کی پیروی سے آراستہ و پیراستہ رکھیں۔

ع کار این است و غیر این ہمہ ہیچ

یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔
پانچ وقت کی نمازوں کو اول وقت میں ادا کریں،^(۱) سوائے سردیوں کی نماز عشاء کے جس میں رات کے تیسرے حصے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔^(۲) اس امر میں فقیر بے اختیار ہے، وہ نہیں چاہتا کہ نماز کی ادائیگی میں بال برابر بھی تاخیر واقع ہو اور بشری تقاضے سے عاجز ہونا اس سے مستثنیٰ ہے۔

مکتوب نمبر (۳۸)

یہ بھی شیخ محمد چتری (خیری) کو تحریر فرمایا۔ ذاتِ محض تعالیٰ و تقدس کے ساتھ، جو اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات سے منزہ (پاک) ہے، تعلق قائم کرنے کے بارے میں اور ناقص لوگوں کے گروہ کی مذمت میں جو مثل کو بے مثل تصور کر کے اس میں گرفتار ہو چکے ہیں اور اہل فنا کے مراتب کے مختلف ہونے کے بارے میں کہ جن پر علوم و معارف کا تفاوت مترتب ہے اور اسی طرح کے دوسرے امور کے بیان میں۔

(آپ کا) مکتوب شریف پہنچا (اور) خوشی کا سبب بنا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لمحہ بھی اپنے غیر کے ساتھ نہ رکھے۔ جو کچھ حق تعالیٰ شانہ کی ذاتِ محض کے علاوہ ہے، وہ غیر حق تعبیر کیا جاتا ہے، خواہ وہ اسماء و صفات (الہی) ہی ہوں۔ متکلمین نے جو صفات (حق تعالیٰ شانہ) کو لَآهُوَ وَلَا غَیْرُہُ کہا ہے، اس کے معنی کچھ اور ہیں۔ غیر سے ان کی مراد غیر اصطلاحی ہے اور انہوں نے اسی معنی میں نفی کی ہے، مطلق طور پر نفی نہیں کی ہے اور کسی خاص اعتبار سے نفی کرنے سے عام طور پر نفی کرنا لازم نہیں آتا۔ اس ذات (محض) عز سلطانہ سے سلب یعنی نفی کرنے کے سوا اور کچھ تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس مرتبہ میں سب کچھ اثبات ہے، وہ الحاد ہی ہے۔ سب تعبیروں سے بہتر تعبیر اور تمام عبارتوں سے جامع عبارت

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (سورۃ الشوریٰ، ۱۱) ہے، جس کا فارسی زبان میں ترجمہ بے مثل اور بے مثال ہے اور علم و شہود اور معرفت کو اس سچائی کی جانب کوئی راہ نہیں ہے۔ جو کچھ دیکھتے اور جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کا غیر ہے، ان کے ساتھ گرفتار ہونا اس کے غیر کے ساتھ گرفتار ہونا ہے۔ پس اس کی نفی ضروری ہے اور کلمہ لا الہ کے نیچے لا کر کلمہ الا اللہ کے ساتھ اس بے مثل اور بے مثال ذات کا اثبات کرنا چاہیے۔ یہ اثبات شروع میں تقلید کے طور پر اور آخر میں تحقیق کے طور پر ہوتا ہے۔ بعض سالکین نے مطلب کی نہایت پر نہ پہنچ کر مثل کو بے مثل تصور کیا ہے اور اس کی طرف شہود و معرفت کو دخل دیا ہے۔ تقلید کرنے والے ان (ناقص لوگوں) سے کئی درجے بہتر ہیں، کیونکہ ان کی تقلید نور نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے چراغ سے حاصل کی گئی ہے، جس کی طرف سہو اور خطا کو دخل نہیں ہے۔ ناقص سالکین کی جماعت کا مقتدا (جس کی وہ تقلید کرتے ہیں) غیر صحیح یعنی غلط کشف ہے:

ع بہ میں تفاوت رہ از کجاست تا کجا
یعنی: تو دیکھ کہ راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

در حقیقت یہ لوگ ذات کے منکر ہیں، کیونکہ اگرچہ وہ مشاہدہ ذات کا اثبات کرتے ہیں، لیکن (یہ) نہیں جانتے کہ یہ ثابت کرنا ہی عین انکار ہے۔

مسلمانوں کے امام (حضرت) امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ”سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَلَكِنْ عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ“۔ یعنی: اے اللہ! تو پاک ہے، ہم نے تیری عبادت کا جس طرح کہ حق ہے وہ ادا نہیں کیا، لیکن ہم نے جیسا کہ تیرے پہچاننے کا حق ہے تجھ کو پہچان لیا ہے۔

(اس سے) عبادت کا حق ادا نہ ہونا خود ہی ظاہر ہے، لیکن معرفت کے حق کا حاصل ہونا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات میں معرفت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس کو بے مثل و بے مثال ہونے کے ساتھ پہچان لیں۔ کوئی نادان (آدمی) گمان نہ کرے کہ اس معرفت میں تو عام و خاص، مبتدی اور منتہی (سب) برابر ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس (گمان والے) نے علم اور معرفت میں امتیاز نہیں کیا۔ مبتدی کو (اس امر کا) علم ہے اور منتہی کو معرفت (حاصل ہے)۔ معرفت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ دولت فانی کے سوا (کسی کو) میسر نہیں ہوتی۔ مولوی (جلال الدین محمد رومی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں، مثنوی:

ہیچ کس را تا نگرود او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا^(۱)

یعنی: کسی شخص کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، باری تعالیٰ کی بارگاہ میں رسائی حاصل نہیں ہے۔

پس جب معرفت علم کے علاوہ ہے تو جاننا چاہیے کہ مشہور عقل کے سوا وہ ایک ایسا امر ہے جس کو معرفت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو ادراک بسیط بھی کہتے ہیں۔ شعر:

فریاد حافظ این ہمہ آخر بہرہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست^(۲)

یعنی: حافظ کی یہ سب فریاد یہودہ نہیں ہے، بلکہ عجیب قصہ اور ایک نرالی بات ہے۔

اتصالے بے تکلیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس
لیک گفتم ناس را نناس نہ ناس غیر از جان جان شناس نہ^(۳)

یعنی: خدا کا اپنے بندوں سے ایک ایسا اتصال ہے، جس کی کیفیت کا پانا اور سمجھنا محال ہے۔

♦ لیکن میں نے کہا کہ انسان کی یہ بات ہے، حیوان کی نہیں، جانِ جاں کا آشنا بس انسان ہے۔

جب فنا میں بھی مراتب مختلف ہیں تو یقیناً منتہیوں کو بھی معرفت (الہی) میں ایک دوسرے پر فضیلت (حاصل) ہو گی۔ جس شخص کی فزا زیادہ کامل ہوگی، اس کی معرفت بھی زیادہ کامل ہوگی اور جس شخص کی فنا کم ہوگی، اس کی معرفت بھی کم ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

سبحان اللہ! بات کہاں جا پہنچی؟ چاہیے تھا کہ میں اپنی بے حاصلی و نامرادی، بے استقامتی اور بے ثباتی کے بارے میں کچھ لکھتا اور دوستوں سے ایک مدد اور اعانت طلب کرتا، مجھے ایسی باتوں سے کیا مناسبت؟ شعر:

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں چہ خبر دارد از چنناں و چینیں

یعنی: ماں کے رحم میں (موجود) بچہ جب خود سے واقف نہیں ہے تو پھر وہ ایسے اور ایسے کے بارے میں کیا جانے؟ لیکن بلند پایہ ہمت اور ذاتی خصلت اجازت نہیں دیتی کہ (آدمی) کمینے مراتب اور گھٹیا سرمایوں کی طرف اتر آئے یا (ان کی جانب) التفات کرے۔ اگر وہ (کچھ) کہے تو اسی (حق تعالیٰ) کی نسبت سے کہے، اگر چہ وہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر وہ تلاش کرے تو اسی (حق تعالیٰ) کو تلاش کرے، اگر چہ وہ کچھ بھی نہیں پاسکتا۔ اگر کچھ حاصل رکھتا ہے تو اس (حق تعالیٰ) کو رکھتا ہے، اگر چہ وہ کچھ نہیں رکھتا۔ اگر وہ واصل ہے تو اسی (حق تعالیٰ) سے واصل ہے، اگر چہ بے حاصل ہے۔ بعض اکابرین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم والعلیۃ (اللہ تعالیٰ ان کے بلند رازوں کو پاکیزہ بنائے) کی تحریروں میں جو شہود ذاتی بیان ہوا ہے، اس کے معنی ارباب کمال کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہیں، ناقصوں کو ان معنی کی سمجھ آنا محال ہے:

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام^(۴)

یعنی: کامل کا حال کوئی ناقص نہیں سمجھ سکتا، پس بات مختصر ہونی چاہیے اور سلام۔

آپ نے خط کے عنوان کو **هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ** (وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے) سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ میرے مخدوم! **هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ** درست ہے، لیکن کچھ وقت ہوا ہے کہ فقیر اس عبارت سے توحید (وجودی) کے معنی نہیں سمجھتا اور اس کے معنی سمجھنے میں علماء کے موافق ہے اور ان (علماء) کی درستی توحید (وجودی) والوں کی درستی سے بڑھ کر معلوم ہوتی ہے۔ ”کُلُّ مَيْسَرٍ لِّمَا خُلِقَ لَهُ“،^(۵) یعنی: ہر ایک کے لیے وہی چیز آسان ہوتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے:

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

یعنی: ہر شخص کو ایک کام کے لیے بنایا گیا ہے۔

جو کچھ اس انسان پر ہے اور اس کے لیے ضروری ہے اور جس کا وہ مکلف ہے وہ اوامر کو بجالانا اور نواہی سے رکنا ہے (جیسا کہ ارشادِ الہی ہے): **وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ**۔ (سورۃ الحشر، ۷)

یعنی: سو جو چیز تم کو رسول (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں (اس سے) باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

چونکہ (انسان کو) اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اور وہ فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور محبت ذاتیہ کے بغیر میسر نہیں ہوتا تو پھر یقیناً فنا کے مقامات جو مقامات عشرہ^(۶) ہیں، کو حاصل کرنا چاہیے، اگرچہ فنا محض (اللہ تعالیٰ کی) بخشش ہے۔ لیکن اس کے مقامات اور ابتدائی امور کسب سے تعلق رکھتے ہیں، اگرچہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو فنا کی حقیقت سے مشرف کرتے ہیں، بغیر اس بات کہ وہ ان مقامات کو کسب کریں اور وہ اپنی حقیقت کو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے پاک (وصاف) بنائیں۔ اس وقت میں اس کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہے، یا تو اس کو نہایت النہایات کے مقام میں روک لیتے ہیں یا ناقصوں کی تکمیل کے لیے جہان کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔

پہلی صورت میں اس کی سیر مذکورہ دس مقامات میں واقع نہیں ہوتی اور وہ اسمائی و صفاتی تجلیات کی تفصیلات سے بے خبر رہتا ہے اور دوسری صورت میں جب اس کو عالم کی طرف لوٹاتے ہیں تو اس کی سیر مقامات کی تفصیل پر واقع ہوتی ہے اور اس کو بے نہایت تجلیات سے مشرف کرتے ہیں۔ وہ (ظاہر میں) مجاہدہ کی صورت رکھتا ہے، لیکن حقیقت میں کمال درجہ کے ذوق و لذت میں ہے، وہ بظاہر ریاضت میں ہے، لیکن باطن میں نعمت و لذت میں ہے:

ع ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

یعنی: یہ کام دولت کا ہے، دیکھئے اب کسے دیتے ہیں۔

کہا نہیں جاتا کہ جب اخلاص ان احکامات میں سے ہے، جن کا بجالانا واجب ہے اور اس کی حقیقت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ پس نیکو کار علماء اور نیکو کار صالحین جو فنا کی حقیقت سے مشرف نہیں ہوتے، وہ اخلاص کے ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نفس اخلاص ان کو حاصل ہے، اگرچہ اخلاص کے بعض افراد کے ضمن میں ہو اور فنا حاصل ہونے کے بعد کمال اخلاص حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ کہا گیا ہے کہ اخلاص کی حقیقت فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ نہیں کہا گیا کہ نفس اخلاص فنا کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔

مکتوب نمبر (۳۹)

یہ بھی شیخ محمد چتری (خیری) کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ کام کا دار و مدار دل پر ہے، صرف ظاہری اعمال اور رسمی

عبادات سے کوئی کام نہیں بنتا اور اسی طرح کے دوسرے امور۔

حق سبحانہ و تعالیٰ (حضرت) سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ، جو کچی چشم سے پاک ہیں، کے طفیل آپ کو اپنے غیر سے ہٹا کر اپنی پاک بارگاہ کی جانب متوجہ فرمائے۔ کام کا دار و مدار دل پر ہے۔ اگر دل حق سبحانہ کے غیر کے ساتھ مشغول ہے تو وہ خراب اور خستہ حال ہے، صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادات سے کوئی کام نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ کے غیر کی جانب التفات کرنے سے دل کو محفوظ رکھنا اور نیک اعمال، جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے ان کے کرنے کا حکم فرمایا ہے، (یہ) دونوں کام (کرنا) ضروری ہیں۔ بدنی اعمال صالحہ بجالانے کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ کرنا باطل

ہے۔ جیسا کہ اس عالم میں بدن کے بغیر روح کا ہونا متصور نہیں ہے۔ اسی طرح بدنی نیک اعمال کے بغیر دل کے احوال (کا حاصل ہونا) ناممکن ہے۔ اس وقت بہت سے ملحد (گمراہ لوگ) اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔ نَجَانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُعْتَقَدِ اِيْنِهِمُ الشُّوْءَ بِصَدَقَةِ حَبِيْبِهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ وَالنَّحْيَةُ. یعنی: اللہ سبحانہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم کو ان کے برے اعتقادات سے محفوظ رکھے۔

مکتوب نمبر (۴۰)

یہ بھی شیخ محمد چتری (خیری) کو تحریر فرمایا۔ مقام اخلاص حاصل کرنے کے بیان میں جو شریعت کے تین اجزاء میں سے ایک جزو ہے اور اس جزو کے کامل کرنے میں طریقت اور حقیقت (دونوں) شریعت کی خادم ہیں اور اسی قسم کے دوسرے امور۔

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى نَبِيِّهِ وَنُسَلِّمُ.

یعنی: ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ میرے مخدوم! سلوک کی منزلیں طے کرنے اور جذبہ کے مقامات کو قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر و سلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی (بیرونی) اور انفسی (اندرونی) معبودوں کی فنا سے وابستہ ہے اور یہ اخلاص شریعت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے، کیونکہ شریعت کے تین اجزاء ہیں: (۱) علم، (۲) عمل اور (۳) اخلاص۔ پس طریقت اور حقیقت (دونوں) شریعت کے (تیسرے) جزو یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کی خادم ہیں۔ اصلی مقصد تو یہی ہے، مگر ہر آدمی کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچتی۔ دنیا کے اکثر لوگ خواب و خیال میں مطمئن ہیں اور انہوں نے اخروٹ اور مٹھی (یعنی معمولی چیزوں) کو کافی سمجھ رکھا ہے۔ وہ شریعت کے کمال کو کیا جانیں؟ اور طریقت و حقیقت کی اصلیت کو کیسے پرکھیں؟ وہ شریعت کو کھال خیال کرتے ہیں اور حقیقت کو مغز سمجھتے ہیں (اور) نہیں جانتے کہ معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ وہ صوفیہ کی ہرزہ سرائی پر مغرور اور احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں۔ هَذَا هُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ سَوَاءَ الطَّرِيقِ. یعنی: اللہ تعالیٰ انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت بخشنے۔

مکتوب نمبر (۴۱)

شیخ درویش کی جانب تحریر فرمایا۔ (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلند اور روشن سنت کی پیروی کرنے کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ طریقت و حقیقت دونوں شریعت کو کامل کرنے والی ہیں۔ نیز اس بیان میں کہ علوم شرعیہ اور علوم صوفیہ کے درمیان جو کہ مقام صدیقیت میں اور ولایت کے مراتب میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے، فائض ہوتے ہیں، ہرگز مخالفت نہیں ہے اور اس کے مناسب (بیان) میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی اور آپ کی بزرگوار آل علیہ و علیہم الصلوٰات و التسلیمات کے طفیل آپ کے ظاہر و باطن کو (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اور روشن سنت کی پیروی سے آراستہ و پیراستہ کرے۔ اللہ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب جہانوں کے رب (اللہ تعالیٰ) کے محبوب ہیں اور جو چیز کہ خوب و پسندیدہ ہے، وہ

مطلوب و محبوب کے لیے ہے، لہذا حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کلام مجید میں فرماتا ہے: إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ. (سورۃ القلم، ۴) یعنی: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کے اخلاق بہت عالی ہیں۔

نیز (حق سبحانہ) تعالیٰ و تقدس فرماتا ہے: إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ. عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (سورۃ یسین، ۳-۴) یعنی: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں (اور) سیدھے راستے پر ہیں۔

نیز (حق سبحانہ) تعالیٰ و تقدس نے فرمایا ہے: إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ. (سورۃ الانعام، ۱۵۳) یعنی: یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔

(اللہ تعالیٰ نے) آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ملت کو صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) فرمایا اور اس کے علاوہ (دوسروں کو) اور راستوں میں شمار کیا اور ان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا۔ آنسو و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شکر کا اظہار کرتے ہوئے، خلقت کو خبردار کرتے ہوئے اور ہدایت کا پتہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ^(۱)۔

یعنی: سب ہدایتوں سے بہتر ہدایت (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے۔

نیز آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (ارشاد) فرمایا: اَدَّبَنِي رَبِّي فَاحْسَنَ تَأْدِيبِي^(۲)۔

یعنی: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا۔ پس مجھے بہت ہی اچھا ادب سکھایا۔

باطن ظاہر کی تکمیل کرنے والا اور اس کو مکمل کرنے والا ہے۔ (یہ دونوں) آپس میں بال برابر بھی مخالفت نہیں رکھتے۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کے خیال کی نفی کرنا طریقت و حقیقت ہے۔ اگر یہ نفی تکلف اور بناوٹ سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلف کے بغیر میسر ہے تو حقیقت ہے۔ پس درحقیقت باطن جو کہ طریقت و حقیقت (کہلاتا) ہے وہ اس ظاہر کو پورا اور کامل کرنے والا ہے، جو شریعت (کہلاتا) ہے۔

پس اگر طریقت و حقیقت کے راستوں پر چلنے والوں کو راستے کے دوران میں ایسے امور پیش آئیں جو ظاہری طور پر شریعت کے خلاف ہیں تو وہ سکروقت اور غلبہ حال کی وجہ سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اگر اس مقام سے گزاردیں اور صحو میں لے آئیں تو یہ مخالفت بالکل زائل ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے مخالف علوم سب دور ہو جاتے ہیں۔

مثلاً ایک جماعت سکر کی وجہ سے احاطہ ذاتی کی قائل ہوئی ہے اور حق تعالیٰ و تقدس کو بالذات (بلا کیف) عالم کا محیط جانتے ہیں۔ یہ بات اہل حق علماء کی آراء کے خلاف ہے۔ وہ احاطہ علمی کے قائل ہیں۔^(۳) حقیقت میں علماء کی آراء صحت کے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ یہی صوفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ و تقدس کی ذات کسی حکم کی پابند نہیں ہوتی اور کسی علم سے معلوم نہیں ہوتی۔ پھر اس میں احاطہ اور سر بیان (سرائت کرنے) کا حکم لگانا اس قول کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل و بے مثال ہے، کسی حکم کو اس کی طرف راہ نہیں۔ وہاں حیرت و نادانی ہے اور اس مقام میں خالص جہل اور محض حیرانی ہے۔ اس پاک درگاہ میں احاطہ و سر بیان کی کیا مجال ہے۔ مگر یہ کہ جو صوفیہ ان احکام کے قائل ہیں ان کی طرف سے عذر خواہی کی جائے کہ ذات سے ان کی مراد تعین اول ہے۔ چونکہ وہ اس (تعین اول) کو معین پر زائد نہیں جانتے، لہذا وہ

اس تعین کو عین ذات کہتے ہیں اور جس تعین کو وحدت سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تمام ممکنات میں جاری ہے۔ پس (اس طرح) احاطہ ذاتی کا حکم کرنا درست ہے۔

یہاں ایک نکتہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ و تقدس کی ذات اہل حق علماء کے نزدیک بے مثل و بے مثال ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس پر زائد ہے۔ نیز وہ تعین بھی اگر ان کے نزدیک ثابت ہو جائے تو زائد ہی ہوگا، اس کو اس ذات بے مثل کے دائرہ سے باہر ہی جانیں گے۔ پس اس کے احاطہ کو ذاتی نہیں کہیں گے۔ اس طرح علماء کی نظر ان صوفیہ کی نظر سے بلند (ثابت) ہوئی اور ان صوفیہ کے نزدیک جو ذات حق ہے، وہ ان علماء کے نزدیک ماسوا میں داخل ہے۔ قرب و معیت ذاتی بھی اسی قیاس پر ہیں۔ باطنی معارف کی شریعت کے ظاہری علوم کے ساتھ پوری اور کامل موافقت ہونا، اس حد تک کہ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز میں بھی مخالفت نہ رہے، مقام صدیقیت میں حاصل ہوتی ہے، جو مقام ولایت سے بالاتر ہے۔ مقام صدیقیت کے اوپر مقام نبوت ہے۔ جو علوم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعے پہنچے ہیں، وہ (حضرت) صدیق (رحمہ اللہ) کو الہام کے ذریعے منکشف ہوئے ہیں۔ ان دو علوم کے درمیان وحی اور الہام کے سوا کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر مخالفت کی کیا مجال ہوگی۔ مقام صدیقیت کے نیچے جو مقام بھی ہے، اس میں ایک طرح کا سکر ثابت ہے۔ کامل صحوصف مقام صدیقیت ہی میں ہے۔ ان دو علوم کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ وحی کا حکم قطعی اور الہام کا ظنی ہے، کیونکہ وحی فرشتے کے ذریعے آتی ہے اور فرشتے معصوم ہیں اور ان میں خطا کا احتمال نہیں ہے۔ الہام اگرچہ بلند مقام رکھتا ہے اور وہ قلب ہے اور قلب عالم امر میں سے ہے، لیکن قلب کا عقل اور نفس کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ثابت ہے۔ نفس اگرچہ تزکیہ سے مطمئن بن جاتا ہے، لیکن شعر:

ہر چند کہ مطمئن گردد
ہرگز ز صفات خود نہ گردد

یعنی: اگرچہ نفس مطمئن بن جائے، تو بھی اپنی صفات سے ہرگز خالی نہیں ہوتا۔

پس اس مقام میں خطا کی گنجائش پیدا ہوگئی۔

جاننا چاہیے کہ نفس کے مطمئن ہو جانے کے باوجود اس کی صفات کے باقی رکھنے میں بھی فوائد اور منافع ہیں۔ اگر نفس کو اپنی صفات کے ظہور سے بالکل روک دیا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے گا اور روح فرشتہ کا حکم پیدا کر لے گی اور اپنے مقام میں بند ہو کر رہ جائے گی، کیونکہ روح کی ترقی نفس کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ اگر نفس میں مخالفت نہ رہے تو ترقی کہاں سے ہوگی؟ سرور کائنات (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ من التَّحِيَّاتِ اَتَمُّهَا وَمِنْ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا جب کافروں کے جہاد سے واپسی فرماتے تھے تو فرمایا کرتے تھے: ”رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ“، (۴)

یعنی: ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نفس کے جہاد کو جہاد اکبر فرمایا۔ (لہذا) اس مقام میں نفس کی مخالفت عزیمت اور اولیٰ (بہتر) کے ترک کرنے میں ہے، بلکہ عزیمت کے ترک کرنے کا ارادہ کرنے میں ہے، کیونکہ اس مقام میں نفس کی مخالفت ترک عزیمت کے ثبوت سے ناممکن ہے۔ اسی ارادہ کی وجہ سے اس کو اللہ جل سلطانہ کی بارگاہ پاک میں اتنی ندامت و پشیمانی اور التجا و عاجزی نصیب ہوتی ہے کہ ایک سال کا کام گھڑی بھر میں حاصل ہو جاتا ہے۔

(اب) ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ یہ بات مقرر و ثابت ہے کہ جس شے میں محبوب کے اخلاق اور عادات پائی جاتی ہیں، محبوب کے تابع ہونے کی وجہ سے وہ چیز بھی محبوب بن جاتی ہے۔ اس رمز کا بیان (اس) آیت کریمہ میں ہے: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ. (سورۃ آل عمران، ۳۱) یعنی: پس میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

پس آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں کوشش کرنا مقامِ محبوبیت تک پہنچ کر لے جانے والا ہے۔ پس ہر عاقل (اور) دانشمند کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظاہر و باطن میں حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اتباع کے لیے کوشش کرے۔ بات لمبی ہوگئی، معذور فرمائیں۔

بات کا جمال کیونکہ جمیل مطلق (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے ہے، (لہذا) جس قدر زیادہ لمبی ہو جائے (اتنا ہی) زیادہ زیبا ہوگا (جیسے کہ ارشادِ الہی ہے): لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا. (سورۃ الکہف، ۱۰۹)

یعنی: اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سیاہی ہو تو اس سے پہلے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں، سمندر ختم ہو جائے، اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر) اس کی مدد کو لائیں۔

(اب) بات کو کسی اور جانب پھیرنا چاہیے۔ اس دعائیہ خط کے حامل مولانا محمد حافظ اہل علم اور کثیر العیال ہیں، معاشی اسباب کی قلت کے پیش نظر لشکر (فوج کی ملازمت) کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اگر توجہ فرما کر فتح کی نشان والی ہستی اور سرداری و شرافت کے مرتبہ والی شخصیت شیخ جیو سے وظیفہ یا کچھ امداد ان کے لیے مقرر کرادیں تو آپ کا عین کرم ہوگا۔ (اس سے) زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا۔

مکتوب نمبر (۴۲)

یہ شیخ درویش کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب کی حقیقتِ جامعہ سے حق سبحانہ کے غیر کی محبت کے زنگ کو دور کرنے

والی چیز نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اتباع ہے۔

سَلَامُكُمْ اللَّهُ تَعَالَى وَ سُبْحَانَهُ وَ أَتَقَاكُمْ. یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو سلامت اور قائم رکھے۔

آدمی جس وقت تک پراگندہ تعلقات کی میل کچیل سے آلودہ ہے، وہ محروم اور مجبور ہے۔ حقیقت جامع^(۱) (دل) کے آئینہ کو اللہ عز و جل کے غیر کی محبت کے زنگ سے پاک کرنا ضروری ہے اور اس زنگ کو دور کرنے والی بہترین چیز حضرت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ و التحیۃ کی روشن سنت کی اتباع ہے، جس کا دار و مدار نفسانی عادتوں اور ظلمانی رسوم کے دور کرنے پر ہے۔ فَطُوبَى لِمَنْ شَرَفَ بِهِدِهِ النِّعْمَةُ الْعُظْمَى وَ وَيْلٌ لِمَنْ حُرِمَ مِنْ هَذِهِ الدُّوْلَةِ الْقُصْوَى. یعنی: اس کے لیے خوشخبری ہے جس کو اس نعمتِ عظمیٰ کا شرف نصیب ہوا اور اس پر افسوس ہے جو اس اعلیٰ دولت سے محروم رہا۔

باقی بات یہ ہے کہ میرے بھائی میرے عزیز میاں مظفر ولد شیخ گھورن مرحوم شرفاء اور بزرگ لوگوں کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے متعلقین کی ایک کثیر تعداد ہے، جن کی حالت قابلِ رحم ہے۔ (اس سے) زیادہ کیا تکلیف دوں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَعَلَى جَمِيعٍ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى. یعنی: آپ پر اور ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۴۳)

سرداری کی پناہ والے اور شرافت کے سرمایہ والے شیخ فرید بخاری کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ توحید کی دو قسمیں ہیں: شہودی اور وجودی۔ اور وجودی ہے وہ توحید شہودی ہے جس کے ساتھ فنا وابستہ ہے۔ (توحید) شہودی عقل اور شرع کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتی بخلاف توحید وجودی کے۔ اور ان مشائخ کے اقوال کی جو کہ توحید (وجودی) کو دیکھنے والے ہیں توحید شہودی کی طرف تاویل کرنی چاہیے تاکہ مخالفت کی گنجائش نہ رہے۔ توحید وجودی عین الیقین کے مرتبہ میں ہے جو کہ حیرت کا مقام ہے اور جب اس مقام سے گزر کر حق الیقین کے مقام میں پہنچتے ہیں تو اس قسم کے احوال سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔ اس مضمون کو مناسب سوالات و جوابات اور وضاحت کرنے والی مثالوں کے ساتھ بیان کرنے میں۔

سَلِّمُکُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ سُبْحَانَهُ وَ عَصَمَکُمْ عَمَّا یَصْنَعُکُمْ وَ صَانِکُمْ عَمَّا شَانِکُمْ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور اُس چیز سے بچائے جو آپ کو عیب لگائے اور اُس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کو دھبہ لگائے۔ وہ توحید (وجودی) جو راستے کے دوران میں اس بلند گروہ کو ہاتھ لگتی ہے، دو قسم کی ہے: توحید شہودی اور توحید وجودی۔ توحید شہودی ایک ہی ذات کو دیکھنا ہے۔ یعنی سالک کو ایک ذات کے سوا کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ توحید وجودی ایک ہی ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو نیست و نابود سمجھنا ہے اور عدمیت کے باوجود اس کی جلوہ گاہوں اور مظاہر کو ایک سمجھنا ہے۔ پس توحید وجودی علم الیقین^(۱) کی قسم سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے ہے۔ توحید شہودی اس راستے کی ضروریات میں سے ہے، کیونکہ فنا اس توحید کے بغیر تحقق نہیں ہوتی اور عین الیقین اس کے بغیر میسر نہیں ہوتا، کیونکہ اس (ذات) کے غلبہ کے موجب ایک ہی کو دیکھنے سے اس کے ماسوا کا نہ دیکھنا لازم آتا ہے۔ برخلاف توحید وجودی کے کہ وہ ایسی نہیں ہے، یعنی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ علم الیقین اس معرفت کے بغیر حاصل ہے۔ اس لیے کہ (کسی چیز کا) علم الیقین حاصل ہونے سے اس کے ماسوا کے علم کی نفی لازم نہیں آتی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس ایک علم کے غلبہ سے اس کے ماسوا کی نفی لازم آتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کو سورج کے وجود کا یقین (حاصل) ہو گیا ہے۔ اس یقین کے غلبہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس وقت ستاروں کو نیست و نابود جانے، لیکن جب وہ سورج کو دیکھے گا تو یقیناً ستاروں کو نہیں دیکھے گا اور سورج کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس وقت بھی جبکہ وہ ستاروں کو نہیں دیکھ رہا، وہ جانتا ہے کہ ستارے نیست و نابود نہیں ہیں، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ (موجود) ہیں، لیکن پوشیدہ ہیں اور سورج کی شعاعوں کی روشنی میں مغلوب (دبے ہوئے) ہیں۔ یہ شخص اس گروہ کے خیال کا انکار کرتا ہے جو اس وقت میں ستاروں کے وجود کے انکاری ہیں اور جانتا ہے کہ (ان کی) یہ معرفت صحیح نہیں ہے۔

پس توحید وجودی جس میں ایک ذات حق تعالیٰ و تقدس کے ماسوا کی نفی ہے، وہ عقل و شرع کے خلاف ہے، برخلاف توحید شہودی کے کہ ایک کے دیکھنے میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ مثلاً سورج کے نکلنے کے وقت ستاروں کی نفی کرنا اور ان کو نیست و نابود سمجھنا حقیقت کے خلاف ہے، بلکہ وہ نہ دیکھنا سورج کی روشنی کے غلبہ کے ظاہر ہونے اور دیکھنے والے کی نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ اگر دیکھنے والے کی آنکھ اس سورج کے نور سے سرمہ آلود ہو جائے اور طاقت پکڑ لے تو وہ ستاروں کو سورج سے

الگ دیکھ لے گا اور یہ دیکھنا حق الیقین (کے مقام) میں سے ہے۔

پس بعض مشائخ کے جو اقوال ظاہری طور پر شریعتِ حقہ کے مخالف نظر آتے ہیں اور بعض لوگ ان (اقوال) کو توحید وجودی سے تعبیر کرتے ہیں، مثلاً ابن منصور حلاج (رحمۃ اللہ علیہ) کے قول ”انا الحق“ اور بایزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہ) کے قول ”سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ“ اور اسی طرح کے دوسرے (اقوال)۔ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان (اقوال) کو توحیدِ شہودی پر محمول کیا جائے اور مخالفت کو دور کیا جائے۔ جس وقت ماسوائے حق سبحانہ ان کی نگاہ سے پوشیدہ ہو گیا تو انہوں نے اس حال کے غلبہ میں یہ الفاظ ادا فرمائے اور انہوں نے حق سبحانہ کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا۔ ”انا الحق“ کے معنی یہ ہیں کہ حق ہے اور میں نہیں ہوں۔“ جب وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتا تو (خود کو) ثابت نہیں کرتا۔ نہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور (اس کو) حق کہتا ہے، یہ یقیناً کفر ہے۔

اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ اثبات نہ کرنا (غیر حق کی) نفی تک پہنچا دیتا ہے اور وہ عین توحید وجودی ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اثبات نہ کرنے سے نفی لازم نہیں آتی، بلکہ اس مقام میں حیرت ہے۔ سب احکام ساقط ہو گئے ہیں۔ ”سبحانی“ (کے قول) میں بھی حق تعالیٰ کی تنزیہ (پاکی کا بیان) ہے، نہ کہ (کہنے والے کی) اپنی، کیونکہ وہ خود اپنی نظر سے کامل طور پر دور ہو چکا ہے، کسی حکم کا اس کے ساتھ تعلق نہیں رہا۔ بعض سالکوں سے اس قسم کی باتیں عین الیقین کے مقام میں، جو کہ مقام حیرت ہے، ظاہر ہوتی ہیں۔ جب اس مقام سے گزارتے ہیں اور حق الیقین تک پہنچاتے ہیں تو اس قسم کی باتوں سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور اعتدال کی حد سے تجاوز نہیں فرماتے۔

اس زمانہ میں اس گروہ کے بہت سے لوگ جو خود کو صوفیہ کے لباس میں ظاہر کرتے ہیں، انہوں نے توحید وجودی کو رواج دیا ہے اور اس کے سوا کسی (چیز) میں کمال نہیں سمجھتے۔ وہ علم الیقین ہی کو کمال سمجھ کر عین الیقین سے رکے ہوئے ہیں اور مشائخ کے ان اقوال کی تاویل اپنے خیالی معانی سے کرتے ہیں۔ انہوں نے خود کو زمانے کا پیشوا بنا رکھا ہے اور اپنے کھوٹے بازار کو ان خیالی باتوں سے رونق دے رکھی ہے۔ اگر بالفرض پہلے مشائخ میں سے بعض کی عبارتوں میں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے توحید وجودی واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے تو ان کو اس پر محمول کرنا چاہیے کہ ابتداء میں علم الیقین کے مقام میں انہوں نے ایسے کلمات کو ادا فرمایا ہے اور آخر میں ان کو اس مقام سے گزار کر عین الیقین (کے مقام) تک لے گئے ہیں۔^(۲)

یہاں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ارباب توحید وجودی بھی جیسا کہ ایک جانتے ہیں، ایک ہی دیکھتے ہیں، پس وہ بھی عین الیقین سے ایک حصہ رکھتے ہیں۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ توحید وجودی والوں نے توحید شہودی کی مثالی صورت کو دیکھا ہے، نہ یہ کہ وہ اس توحید (شہودی) سے متحقق ہوئے ہیں اور توحید شہودی کو اپنی اس مثالی صورت کے ساتھ حقیقت میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ اس توحید کے حاصل ہونے کے وقت حیرت ہے، اس مقام میں کسی امر کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ توحید وجودی اس توحید شہودی کی مثالی صورت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود علم الیقین والوں میں سے ہے، کیونکہ وہ ماسویٰ اللہ کے وجود کی نفی کرتا ہے اور یہ نفی مقولہ علم الیقین کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ حیرت اور علم ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔

پس ثابت ہوا کہ توحید و جودِ والا عین الیقین سے کوئی حصہ نہیں رکھتا۔ جی ہاں! توحید شہودی والے کو اگر مقام حیرت کے بعد ترقی واقع ہو جائے تو اس کو معرفت کے مقام میں جو کہ حق الیقین ہے، پہنچاتے ہیں اور اس مقام میں علم اور حیرت جمع ہو جاتے ہیں۔ جو علم (مقام) حیرت کے بغیر اور (مقام) حیرت سے پہلے ہے وہ علم الیقین ہے۔

یہ جواب ایک مثال سے واضح ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے مقام بادشاہت کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے خواب میں خود کو بادشاہ دیکھا اور بادشاہت کے لوازمات کو خود میں پایا۔ معلوم ہے کہ وہ شخص بادشاہ نہیں بن گیا، بلکہ اس نے بادشاہت کی مثالی صورت کو خود میں دیکھا ہے اور درحقیقت بادشاہت کو اس صورتِ مثالی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جی ہاں! وہ شہود اگرچہ صورتِ مثالی میں ہوا ہے، لیکن اس مثالی صورت کی حقیقت سے اس شخص کے متصف ہونے کی استعداد کی خبر دیتا ہے۔ اگر وہ بہت زیادہ ریاضت و مجاہدہ کرے اور اللہ جل سلطانہ کی عنایت اس کے شامل حال ہو جائے تو وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے، لیکن قوت سے فعل تک پہنچنے میں بہت زیادہ فرق ہے۔

بہت سے لوہے آئینہ بننے کی قابلیت رکھتے ہیں، (مگر) جب تک وہ آئینہ نہ بن جائیں بادشاہوں کے ہاتھ میں نہیں پہنچتے اور ان کا جمال حاصل نہیں کر سکتے۔

میں کہاں جا پہنچا! مگر میں کہتا ہوں کہ ان پیچیدہ علوم کی تحریر کا سبب یہ ہے کہ اس زمانے کے اکثر لوگوں میں سے بعض نے تقلید سے، اور بعض نے صرف علم سے اور بعض نے دوسرے ذوق ملے ہوئے علم کے ساتھ اگرچہ قلیل ہو، اور بعض نے الحاد و زندقہ (بے دینی) کی وجہ سے اس توحید و جود کی دامن کو ہاتھ میں لیا ہوا ہے اور سب کچھ حق سے جانتے ہیں، بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور وہ شرعی تکلیف کی رسی کا حلقہ اس حیلہ سے اپنی گردنوں سے نکال رہے ہیں اور شرعی احکام (کی بجا آوری) میں سستی کر رہے ہیں اور اس معاملہ میں بڑے خوش و خرم ہیں۔ اگر وہ شرعی احکام کے بجالانے کا اقرار بھی کرتے ہیں تو طفیلی سمجھتے ہیں (اور) مقصود اصلی شریعت کے سوا کچھ اور خیال کرتے ہیں۔ حَاشَا وَ كَلَّا ثُمَّ حَاشَا وَ كَلَّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ هٰذَا الْاِغْتِقَادِ السُّوْءِ۔ یعنی: ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے، ہم اس برے اعتقاد سے اللہ سبحانہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

طریقت اور شریعت ایک دوسرے کا عین ہیں۔ ان کے درمیان بال برابر بھی مخالفت واقع نہیں ہے۔ فرق صرف اجمال و تفصیل اور استدلال و کشف کا ہے۔ جو کچھ بھی شریعت کے مخالف ہے وہ مردود ہے۔ کُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيعَةُ فَهِيَ زُنْدَقَةٌ۔ یعنی: ہر حقیقت جس کو شریعت نے رد کر دیا، وہ زندقہ (بے دینی) ہے۔

شریعت کو اپنی جگہ پر رکھ کر حقیقت کو طلب کرنا بہادروں کا شیوہ ہے۔ رَزَقْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَاَيُّكُمْ اِلَا سُبْحَانَهُ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِيْمٰتُ وَالتَّحِيّٰتُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ! ہم کو اور تم کو ظاہر و باطن میں حضرت سید البشر (محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع پر استقامت عطا فرمائے۔

معرفت کی پناہ والے، ہمارے قبلہ گاہ حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس اللہ تعالیٰ سرہ کچھ عرصہ تک توحید و جود کا مشرب رکھتے تھے اور اپنے رسائل اور مکتوبات میں اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، لیکن آخر کا حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کمال عنایت سے (آپ کو) اس مقام سے ترقی عطا فرما کر شاہراہ پر ڈال دیا اور اس معرفت کی تنگی سے (آپ کو) رہائی بخش دی۔

میاں عبدالحق^(۳) جو حضرت (خواجہ قدس اللہ سرہ) کے مخلص احباب میں سے ہیں، نے نقل کیا (ہے) کہ حضرت (خواجہ قدس اللہ سرہ) نے مرضِ موت سے ایک ہفتہ پہلے فرمایا تھا کہ مجھے عینِ یقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ توحید (وجودی) ایک تنگ کوچہ ہے (اور) شاہراہ اور ہے۔ اس سے پہلے بھی میں جانتا تھا، لیکن اب ایک دوسرا یقین حاصل ہوا ہے۔ یہ فقیر بھی کچھ مدت تک حضرت (خواجہ قدس اللہ سرہ) کی خدمت میں یہ مشرب رکھتا تھا اور اس طریقہ کی تائید میں بہت زیادہ مقدمات کشفیہ ظاہر ہوئے تھے، لیکن اللہ جل سلطانہ کی عنایت نے اس مقام سے گزار کر ایک اور مقام جس سے کہ چاہا مشرف فرمادیا۔ اس سے زیادہ لکھنابات کو طول دینے کا موجب ہے۔

میاں شیخ زکریا اپنے پرگنہ (ضلع) سے بار بار لکھتے ہیں اور آپ کی خدمت عالیہ میں بڑی نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کروڑی گری (تحصیل داری) کے معاملہ (عہدہ) سے خوف زدہ ہیں اور عالمِ اسباب میں آپ کی مقدس بارگاہ میں التجا اور اعتصام رکھتے ہیں۔ ظاہری طور پر آپ کی بلند توجہ کے سوا کوئی اور ٹھکانہ اور جائے پناہ نہیں رکھتے کہ جس طرح آپ نے پہلے ان کو نوازا ہے، ایسے ہی آخر تک ان کی دستگیری فرمائیں اور حادثات کے بھیڑیوں سے (ان کو) محفوظ رکھیں۔ کمالِ ادب کی بنا پر (آپ کی خدمت میں) عرض کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ فقیر کی طرف رجوع کر کے اپنے احوال کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، امید ہے کہ ان کا سوال شرفِ قبولیت پائے گا۔

مکتوب نمبر (۴۴)

یہ بھی سرداری اور تعریف کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کی طرف تحریر فرمایا۔ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح (نعت) میں اور اس بیان میں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہترین اور اس (شریعت) کے جھٹلانے والے بنی آدم میں بدترین لوگ ہیں اور آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن سنت کی پیروی کی ترغیب (کے) بیان میں۔

آپ کا گرامی (اور) عالی مرحمت نامہ عزیز ترین وقت میں موصول ہوا۔ اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ۔ (اللہ سبحانہ کی تعریف اور احسان ہے) کہ آپ نے فقر محمدی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتحیات سے ایک میراث حاصل کر لی ہے، کیونکہ فقر اسے محبت کرنا اور ان سے وابستگی اسی کا نتیجہ ہے۔ یہ بے سروسامان فقیر نہیں جانتا کہ اس کے جواب میں کیا لکھے؟ مگر یہ کہ چند فقرے عربی عبارت میں جو آپ کے جد بزرگوار خیر العرب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ اتَّمَّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا کے فضائل میں ماثور ہیں، وہ لکھے اور اس سعادت نامہ کو اپنی آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ (یہ اس لیے) نہیں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی مدح کرے، بلکہ اپنے کلام کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقدس تذکرہ سے آراستہ کرے، شعر:

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي لَكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

یعنی: میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کا حق ادا نہیں کیا، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی سے اپنے کلام کو آراستہ کیا ہے۔

فَاقُولُ وَبِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيقُ.

یعنی: پس میں (مدح) بیان کرتا ہوں اور اللہ سبحانہ ہی گناہوں سے بچانے والا اور توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

یقیناً (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی اولاد کے سردار ہیں۔^(۱) قیامت کے روز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے ہاں سب اولین اور آخرین سے زیادہ معزز ہیں۔^(۲) سب سے پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قبر (مبارک) سے باہر تشریف لائیں گے۔^(۳) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور سب سے پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے دروازہ کھول دے گا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کی) حمد کا جھنڈا اٹھانے والے ہیں،^(۴) جس کے نیچے (حضرت) آدم (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) ہوں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی وہ ذات مبارک ہیں، جنہوں نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ظہور کے لحاظ سے ہم سب سے آخر میں ہیں اور قیامت کے روز ہم سب سے آگے ہوں گے اور میں یہ بات فخر کے بغیر کہتا ہوں۔^(۵) اور میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں۔ میں (تمام) نبیوں کا پیشرو ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ میں (تمام) نبیوں کا خاتم (مہر اور آخری نبی) ہوں اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں۔^(۶) میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔^(۷) بیشک جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے سب سے بہتر پیدا کیا۔ پھر ان کو دو گروہ (عرب و عجم) بنایا اور مجھے ان میں بہترین گروہ میں بنایا۔ پھر ان کے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں بہترین قبیلے میں بنایا۔ پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں بہترین گھر میں پیدا کیا۔ پس میں ذات اور گھر کے لحاظ سے ان سب سے بہتر ہوں۔ جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے قبر سے اٹھوں گا۔^(۸) جب بنی آدم (گروہ درگروہ) بارگاہِ خدا میں حاضر ہوں گے تو میں ان کا قائد ہوں گا اور جب (ابھی) وہ خاموش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ روک لیے جائیں گے تو میں ان کا شفاعت کرنے والا ہوں گا اور جب لوگ رحمت و کرامت سے ناامید ہو جائیں گے تو میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا۔^(۹) پس اس روز کرامت و جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور (اللہ تعالیٰ کی) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں اپنے پروردگار کے نزدیک (تمام) بنی آدم میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ ہزار ایسے خادم میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار سفید موتیوں کے اندر چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہوں گے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو میں (سب) نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔^(۱۰)

اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک نہ ہوتی تو اللہ سبحانہ خلقت کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔^(۱۱) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت بھی نبی تھے جبکہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔^(۱۲) شعر:

نماند بھصیاں کسے در گرو کہ دارد چنین سید پیشرو

یعنی: وہ شخص گناہ کی وجہ سے نہیں پکڑا جائے گا جس کا رہنما و پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہو۔

پس ناچار سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے پیغمبر کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے افضل ہیں۔ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ (سورۃ آل عمران، ۱۱۰۔ یعنی: تم بہترین امت ہو جو دنیا میں بھیجی گئی ہے) ان کے حال پر صادق آتی ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلانے والے بنی آدم میں سب سے بدترین ہیں۔ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا (سورۃ التوبہ، ۹۷۔ یعنی: دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں) ان کے حال کا نشان ہے۔ دیکھئے کس خوش نصیب کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشن سنت کی اتباع سے نوازتے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پسندیدہ شریعت کی پیروی سے سرفراز فرماتے ہیں۔ آج آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے برحق ہونے کی تصدیق کرنے کے بعد تھوڑا سا عمل بجالانا بھی عمل کثیر کے برابر شمار ہوتا ہے۔

اصحاب کھف نے جو یہ سب درجات پائے ہیں وہ صرف ایک نیکی کی بدولت ہیں۔ وہ دین کے دشمنوں کے غلبہ کے وقت نور ایمانی کے یقین کے ساتھ حق تعالیٰ کے دشمنوں (کے مقام) سے ہجرت کر جانا تھا۔ مثلاً دشمنوں اور مخالفوں کے غلبہ کے وقت اگر سپاہی تھوڑا سا بھی تردد کریں تو وہ اتنا نمایاں ہوتا ہے اور اس کا اس قدر اعتبار ہوتا ہے کہ امن کی حالت میں اس سے کئی گنا (زیادہ) تردد بھی معتبر نہیں ہوتا۔

نیز چونکہ آنسور (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) رب العالمین کے محبوب ہیں، (لہذا) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرنے والے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کی بدولت محبوبیت کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ محبت کرنے والا جس شخص میں اپنے محبوب کے شامل و اخلاق دیکھتا ہے، اس شخص کو بھی اپنا محبوب ہی سمجھتا ہے۔ نیز مخالفین کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے، شعر:

محمد عربی کا بروئے ہر دو سراسر است کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او
یعنی: عرب کے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو دونوں جہان کی آبرو ہیں، جو شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے در کی خاک نہیں ہے، اس کے سر پر خاک ہو۔

اگر ظاہر ہجرت میسر نہ ہو تو باطنی ہجرت کو پوری طرح نظر میں رکھنا چاہیے۔ لوگوں کے درمیان رہ کر ان سے الگ رہنا چاہیے۔ لَعَلَّ اللّٰهُ يُحْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا۔ (سورۃ الطلاق، ۱) یعنی: شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے۔

نوروز کا موسم آپہنچا ہے اور معلوم ہے کہ ان دنوں میں وہاں کے رہنے والے معاملہ کو پراگندہ رکھتے ہیں، اس ہنگامہ کے گزرنے کے بعد اگر اللہ جل سلطانہ نے چاہا تو امید ہے کہ آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا۔ بات کو زیادہ طول دینا باعث تکلیف ہے۔ تَبَنُّكُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلَىٰ جَادَةِ آبَائِكُمُ الْكَرَامِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو اپنے آبائے کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے، آپ پر اور ان پر روز قیامت تک سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۴۵)

یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کی جانب تحریر فرمایا۔ یہ مکتوب آپ نے اپنے پیر دنگیر (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ) کے اس فانی دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد تحریر فرمایا تھا۔ چونکہ خانقاہ کے فقراء

کی ظاہری تقویت شیخ موصوف (شیخ فرید) سے منسوب تھی، لہذا اس کے شکر کا اظہار فرمایا ہے اور انسان کی جامعیت کی وجہ بیان فرمائی ہے، جو کہ انسان کے کمال کا سبب ہے اور اس کے نقصان کا بھی موجب ہے۔ نیز اس کے ساتھ رمضان مبارک کے مہینے کے فضائل اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، وہ بھی بیان فرمائے ہیں۔

تَبَّتْكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى جَادَةِ آبَائِكُمْ الْكَرَامِ وَسَلَّمَكُمْ عَنْ مُوجِبَاتِ النَّهْفِ وَالنَّاسِفِ بِمُرُورِ الشُّهُورِ وَالْأَيَّامِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو اپنے آبائے کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے اور مہینوں اور دنوں کی گردش سے غم و اندوہ کے حادثات سے سلامت رکھے۔

اللہ تعالیٰ عز و جل کے دوست (حدیث) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱) (یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی رو سے اللہ تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ہیں، لیکن (ان کا) بدنی تعلق اس معیت اور اتصال کے درمیان ایک قسم کا مانع ہے۔ اس مادی جسم سے جدا ہونے اور اس ظلمانی صورت سے الگ ہونے کے بعد سب قرب ہی قرب اور اتصال ہی اتصال ہے۔ ”اَلْمَوْتُ جَسْرٌ يُوصِلُ الْحَيِّبَ إِلَى الْحَيِّبِ“ (یعنی: موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے) میں اسی معنی کا بیان ہے اور (آیت) کریمہ: ”مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ“ (سورۃ العنکبوت، ۵۔ یعنی: جو شخص خدا کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو خدا کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے) جو مشتاقوں کے لیے ایک تسلی ہے، اسی رمز کو بیان فرماتی ہے، لیکن ہم پیچھے رہ جانے والوں کی حالت بزرگوں کے حضور کی دولت کے بغیر خراب اور اتر ہے۔ اکابر قدس اللہ اسرارہم کی روحانیت سے فیض حاصل کرنا چند شرطوں سے مشروط ہے، جن کے پورا کرنے کی ہر کسی کو مجال نہیں ہے۔

لیکن منع حقیقی اللہ تعالیٰ کی ستائش اور احسان ہے کہ اس خوفناک حادثہ اور وحشت ناک واقعہ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ کی رحلت) کے باوجود ان بے سرو سامان فقراء کا مربی اور مددگار بھی دین و دنیا کے سردار علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے اہل بیت میں سے مقرر ہوا، جو اس سلسلہ عالیہ کے انتظام اور نسبت نقشبندیہ کی جمعیت کا وسیلہ بنا۔

جی ہاں! یہ نسبت عالیہ جو کہ اس ملک میں بہت غریب (نادر) ہے اور ان ممالک میں اس نسبت والے لوگ بہت ہی کم ہیں، چونکہ یہ اہل بیت کی نسبت ہے، لہذا اس کا مربی بھی اہل بیت میں سے ہونا مناسب ہے اور اس نسبت کی تقویت دینے کا ذریعہ بھی انہی سے ہونا زیادہ بہتر ہے، تاکہ اس عظیم دولت کی تکمیل کسی غیر کے حوالہ نہ ہو جائے۔ جس طرح اس بڑی نعمت کا شکر فقراء پر لازم ہے، اسی طرح اس دولت کا شکر آپ کے ذمے بھی لازم ہے۔

انسان جس طرح باطنی جمعیت کا محتاج ہے اسی طرح ظاہری جمعیت کا بھی محتاج ہے، بلکہ یہ احتیاج مقدم ہے، بلکہ خلقت میں سب سے زیادہ محتاج انسان ہی ہے۔ احتیاج کی یہ شدت اس کی جامعیت کی وجہ سے آئی ہے۔ جو کچھ سب (مخلوق) کو درکار ہے، وہ سب اس اکیلے کو درکار ہے۔ نیز وہ جس چیز کا محتاج ہے اس سے تعلق بھی رکھتا ہے۔ پس (اس وجہ سے) اس کے تعلقات سب سے زیادہ آئے ہیں۔ ہر تعلق اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی درگاہ پاک سے روگردانی کا لازمی سبب ہے۔ پس اس لحاظ سے تمام مخلوقات میں انسان ہی سب سے زیادہ محروم بنا:

پایہ آخر آدمست و آدمی گشت محروم از مقام محرمی
گر نہ گردد باز مسکین زیں سفر نیست از وے ہیچ کس محروم تر

یعنی: انسان کا رتبہ سب سے آخر ہے (لہذا) وہ مقام محرمی سے محروم ہو گیا ہے۔

✦ اگر وہ مسکین اس سفر سے نہ لوٹے تو اس سے زیادہ محروم کوئی نہیں ہے۔

جبکہ تمام مخلوقات میں سے اس کے افضل ہونے کی وجہ بھی یہی جامعیت ہے، لہذا اس کا آئینہ پورا اور کامل ہے اور جو کچھ سب مخلوقات کے آئینوں میں ظاہر ہے وہ اس کے ایک ہی آئینہ میں روشن (ظاہر) ہے۔ پس اس وجہ سے تمام مخلوقات میں سب سے بہترین انسان ہی بنا۔ نیز اسی وجہ سے ساری مخلوقات میں سب سے بدتر بھی وہی ہوا۔ اسی نوع انسانی میں سے (حضرت) محمد (مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات ہیں اور اسی سے ابو جہل علیہ اللعنة بھی تھا۔

(اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ عز وجل کی توفیق سے ان فقراء کی ظاہری جمعیت کے ضامن آپ ہی ہیں اور باطنی جمعیت کے بارے میں بھی ”أَلَوْلَدُ سِرًّا لَّآبِيهِ“ (یعنی: بیٹا باپ کا نمونہ ہوتا ہے) کے مطابق آپ کے متعلق بڑی کامل امید ہے۔ چونکہ آپ کا عنایت نامہ رمضان کے مبارک مہینہ میں شرفِ صدور لایا، لہذا فقیر کے دل میں خیال آیا ہے کہ تھوڑا سا اس عظمت والے مہینہ کے بارے میں بھی لکھے۔

جاننا چاہیے کہ رمضان کا مہینہ بہت بزرگی والا ہے۔ نفلی عبادت، نماز، ذکر اور صدقہ وغیرہ جو اس ماہ میں ادا کی جائے، دوسرے دنوں میں فرض کے ادا کرنے کے برابر ہے اور اس مہینے میں (ایک) فرض کی ادائیگی دوسرے مہینوں میں ستر فرضوں کے ادا کرنے کے برابر ہے۔ جو آدمی کسی روزہ دار کو اس مہینے میں افطار کرائے تو اس کو بخش دیتے ہیں اور اس کی گردن کو جہنم کی آگ سے آزاد کر دیتے ہیں اور اس کو اس روزہ دار کی مانند اجر عطا فرما دیتے ہیں، بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں کمی کریں۔ اسی طرح جو شخص غلاموں سے خدمت لینے میں کمی کرے حق سبحانہ و تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کو جہنم کی آگ سے آزاد فرماتا ہے۔^(۲)

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ رمضان کے مہینے میں قیدیوں کو رہا فرمایا کرتے تھے اور کوئی شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو بھی سوال کرتا تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عطا فرما دیتے تھے۔

اگر کسی شخص کو اس مہینہ میں خیرات اور نیک کاموں کی توفیق مل جائے تو سارا سال اُسے یہ توفیق نصیب رہتی ہے اور اگر اس کا (یہ مہینہ) پراکندگی میں گزرا تو تمام سال پراکندہ رہے گا۔ حتی المقدور جس قدر ہو سکے (اس ماہ کی) جمعیت میں کوشش کرنی چاہیے اور اس مہینے کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔^(۳)

اس مہینہ کی راتوں میں سے ہر رات میں کئی ہزار آدمیوں کو جو کہ دوزخ کے لائق ہوتے ہیں، آزاد کرتے ہیں اور اس مہینہ میں جنت کے دروازوں کو کھول دیتے ہیں اور جہنم کے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں اور رحمت کے دروازے کھول دیتے ہیں۔^(۴)

افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرنا سنت ہے^(۵) اور اس بارے میں آنسور (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام

مبالغہ (تاکید) فرمایا کرتے تھے۔ شاید سحری میں دیر کرنے اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنی عاجزی و محتاجی کا اظہار ہے جو بندگی کے مقام کے مناسب ہے۔ کھجور سے افطار کرنا سنت ہے۔ (۶) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) افطار کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔ (۷)

یعنی: پیاس دور ہوگئی اور رگیں تر ہو گئیں اور اجر ثابت ہو گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس مہینے میں (نماز) تراویح کی ادائیگی اور ختم قرآن سنتِ موکدہ میں سے ہے اور اس سے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ وَفَقْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ بِحُرْمَةِ حَبِيبِهِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہم کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔

باقی یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ آپ کا عنایت نامہ عین رمضان میں پہنچا، ورنہ حکم بجالانے میں خود کو معاف نہ کرتا۔ ماہ مذکور کے بعد کے بارے میں بات کرنا غیب کے متعلق حکم کرنا ہے اور بڑی لمبی آرزو کی خبر دینے والا بننا ہے۔ غرض جس طرح آپ کی مرضی ہوگی، اس میں (فقیر) خود کو معاف نہیں رکھے گا، کیونکہ آپ کے ظاہری اور باطنی حقوق ہم فقیروں کے ذمے ثابت ہیں۔

حضرت قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جیو (شیخ فرید) کے حقوق تم سب پر ثابت اور مقرر ہیں۔ اس جمعیت کا باعث آپ ہی ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ پسندیدہ اعمال کی توفیق عطا فرمائیں۔

بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ وَآلِهِ الْأَمْجَادِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ۔

یعنی: نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی بزرگ آل رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طفیل۔

اس سے زیادہ لکھنا سراسر آپ کو تکلیف دینے کا موجب ہے۔

مکتوب نمبر (۴۶)

یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ باری تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اسی طرح اللہ سبحانہ کی وحدت، بلکہ (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، بلکہ تمام جو کچھ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، وہ بدیہی ہیں اور وہ کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں، نیز ان سب کی وضاحت میں بہت سے دلائل بیان کیے ہیں۔

تَبَّتْكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى جَادَةِ آبَائِكُمْ الْكَرَامِ عَلَى أَوْلِيهِمْ وَأَفْضَلِهِمْ أَوَّلًا وَعَلَى بَوَاقِيهِمْ ثَانِيًا الصَّلَوَةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو اپنے آبائے کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ اول ان سب میں سے اول اور افضل پر اور پھر ان میں سے باقیوں پر صلوة و سلام ہو۔

باری تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اسی طرح اللہ سبحانہ کی وحدت، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بلکہ تمام جو کچھ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، وہ بدیہی ہیں اور کسی فکر و دلیل کے محتاج نہیں ہیں، بشرطیکہ قوتِ مدرکہِ ردی آفتوں اور باطنی بیماریوں سے سلامت اور تندرست ہو، کیونکہ ان امور میں نظر و فکر سے کام لینا

قوتِ مدرکہ میں کسی علت و آفت کے موجود ہونے سے ہے، لیکن امراضِ قلبی سے نجات پالینے اور باطنی آنکھ کا پردہ دور ہو جانے کے بعد بداہت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

مثلاً صفراوی (مزاج والا) آدمی جب تک مرضِ صفرا میں گرفتار ہے۔ چینی اور مصری کی مٹھاس اس کے نزدیک دلیل کی محتاج ہے، لیکن اس بیماری (صفرا) سے چھٹکارا پا جانے کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی اور جس احتیاج کا مبداء آفت و بیماری کا وجود ہے، وہ بداہت کے مخالفت نہیں ہے۔

بیچارہ بھیگا جو ایک شخص کو دودھ دیکھتا ہے اور اس شخص کے ایک نہ ہونے کا حکم کرتا ہے، وہ معذور ہے۔ بھینگے میں اس بیماری کا وجود اس شخص کے ایک نہ ہونے کو بداہت سے خارج نہیں کرتا اور اس کو نظر کا محتاج نہیں کرتا۔ یہ بات ثابت ہے کہ استدلال کا میدان بہت تنگ ہے اور دلیل کے ذریعے یقین کا حاصل ہونا بڑا مشکل ہے۔ پس یقینی ایمان حاصل کرنے کے لیے دل کی بیماریوں کا دور کرنا ضروری ٹھہرا۔ صفراوی (مزاج والے) کو مصری (اور چینی) کی مٹھاس کا یقین حاصل کرنے کے لیے صفرا کی بیماری کا دور کرنا اس بات سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ چینی اور مصری کی مٹھاس کے یقین پر دلیل قائم کرے۔ بھلا دلیل سے اس کو یقین کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ اس کا وجدان صفرا کی بیماری کے سبب مصری (اور چینی) کے کڑوا ہونے کا حکم کرتا ہے۔ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس کا یہی حال ہے۔

نفسِ امارہ فطری طور پر شرعی احکام کا منکر ہے اور طبعی طور پر ان کے برخلاف حکم کرنے والا ہے۔ پس ان سچے احکام کا دلیل کے ذریعے یقین حاصل کرنا، جبکہ استدلال کرنے والے کا وجدان ان کا انکار کرتا ہو، بڑا مشکل ہے۔ (ارشادِ الہی ہے):

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا. وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا. (سورۃ الشمس، ۹-۱۰)

یعنی: جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا۔

پس ثابت ہو گیا کہ اس روشن شریعت اور ظاہر و باہر ملت کا منکر چینی اور مصری کی مٹھاس کے منکر کی مانند ہے:

ع خورشید نہ مجرم ارکسے بدینا نیست

یعنی: اگر کوئی شخص اندھا ہے تو سورج قصور وار نہیں ہے۔

پس سیر و سلوک، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے مقصود ان باطنی آفتوں اور دلی بیماریوں کو دور کرنا ہے جن کی جانب آیت کریمہ: ”فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ“ (سورۃ البقرہ، ۱۰-۱۱) یعنی: ان کے دلوں میں مرض ہے) میں اشارہ ہے، تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے۔ ان آفات کے باوجود اگر ایمان ہے تو وہ صرف ظاہری طور پر ہے، کیونکہ نفسِ امارہ کا وجدان اس کے برخلاف حکم کرتا ہے اور اپنے کفر کی حقیقت پر اصرار کرنے والا ہے۔ اس طرح کے ایمان اور ظاہری تصدیق کی مثال ایسی ہے جیسے چینی اور مصری کی مٹھاس کے ساتھ صفراوی (مزاج والے) کا ایمان جس کا وجدان اس کے (ایمان کے) خلاف گواہ ہے۔ شکر کی مٹھاس کے ساتھ حقیقی یقین کا حاصل ہونا صفرا کی بیماری کے دور ہو جانے کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔ پس تزکیہ نفس اور اس کے اطمینان کے بعد ہی ایمان کی حقیقت حاصل ہوتی ہے اور اس کا ایمان وجدانی بن جاتا ہے۔ اس قسم کا ایمان زوال سے محفوظ ہے۔ (آیت) کریمہ ”إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“ (سورۃ یونس، ۶۲)۔

یعنی: سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (ایسے ایمان والے لوگوں کی شان میں صادق آتی ہے۔

شَرَفْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ بِشَرَفِ هَذَا الْإِيْمَانِ الْكَامِلِ الْحَقِيقِيِّ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْأَمِيِّ الْقُرْشِيِّ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اللہ سبحانہ اپنے اُمّی قریشی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آپ پر اور آپ کی آل کرام پر افضل ترین درود اور کامل ترین سلام ہو، کے طفیل ہم کو اس کامل اور حقیقی ایمان سے مشرف فرمائے (آمین)۔

مکتوب نمبر (۴۷)

یہ بھی سرداری کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ سابقہ صدی کی شکایت (کے بیان) میں جس میں کافروں نے غلبہ حاصل کر لیا تھا اور اہل اسلام رسوا اور بے اعتبار ہو گئے اور اس (بات) کی ترغیب میں کہ اگر بادشاہت کی ابتداء میں دین کی ترقی میسر ہو جائے تو بہتر ہے، ایسا نہ ہو کہ کوئی گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا درمیان میں آکر اہل اسلام کے کارخانہ میں خلل ڈال دے اور سابقہ صدی کی صورت میں کر دے۔

تَبَتُّكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى جَادَةِ آبَائِكُمْ الْكَرَامِ عَلَى أَفْضَلِهِمْ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ أَوَّلًا وَعَلَى بَوَاقِيهِمْ ثَانِيًا الصَّلَوةَ وَالسَّلَامَ وَالتَّحِيَّةَ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو اپنے آبائے کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ سب سے پہلے ان میں سے افضل ترین دو جہانوں کے سردار (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور پھر باقیوں پر درود و سلام اور تحیت ہو۔ بادشاہ کی نسبت دنیا کے ساتھ ایسی ہے جس طرح کہ دل کی نسبت بدن کے ساتھ ہے کہ اگر دل خوب ہے تو بدن بھی خوب ہے اور اگر (دل) خراب ہے تو (بدن بھی) خراب ہے۔ بادشاہ کی بہتری دنیا کی بہتری اور اس کی خرابی دنیا کی خرابی ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ گذشتہ صدی میں اہل اسلام کے سر پر کیا کیا گزرا ہے۔ سابقہ صدیوں (اسلام کے آغاز) میں کمال غربت و قلت کے باوجود اہل اسلام پر ایسی (خرابی) نہیں آئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کافر اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ آیت کریمہ ”لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ“ (یعنی: تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ سورۃ الکافرون، ۶) میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ گذشتہ صدی میں کافر غلبہ کی صورت میں دارِ اسلام میں علانیہ کفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام کے اظہار سے عاجز تھے اور اگر وہ (اظہار) کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے۔

ہائے خرابی! ہائے مصیبت، ہائے افسوس اور ہائے غم! کہ اللہ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سب جہانوں کے پروردگار کے محبوب ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منکر عزت و اعتبار والے تھے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے تھے اور دشمن ہنسی اور مذاق کر کے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا سورج گمراہی کے پردے میں پوشیدہ ہو چکا تھا اور نورِ حق باطل کے پردوں میں گوشہ نشین اور معزول!

آج جبکہ دولتِ اسلام کی رکاوٹ کے زوال کی خوشخبری اور بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی بشارت خاص و عام کے کان

میں پہنچی ہے تو اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم سمجھا ہے کہ وہ بادشاہ کے مددگار اور معاون بنیں اور شریعت کے اجراء اور ملت کی تقویت کا ثبوت فراہم کریں۔ یہ امداد اور تقویت خواہ زبان سے میسر ہو، خواہ ہاتھ سے حاصل ہو۔ سب سے بڑھ کر امدادیں کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق شرعی مسائل کی وضاحت کرنا اور عقائد کلامیہ کا اظہار کرنا ہے، تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ کرنے والا درمیان میں آکر راستہ سے بھٹکا نہ دے اور کام خراب نہ کر دے۔ امداد کی یہ قسم علمائے اہل حق کے ساتھ مخصوص ہے جو آخرت کی جانب متوجہ ہیں۔ دنیا دار علماء جن کا مقصود کمینی دنیا (کا حصول) ہے، ان کی صحبت زہر قاتل کی طرح ہے اور ان کا فساد چھوٹ کی بیماری ہے:

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند او خویشتن گم است کرا رہبری کند

یعنی: جو عالم کامرانی اور تن پروری (طلب) کرے، وہ خود گمراہ ہے دوسرے کی کہاں رہنمائی کرے گا۔

گذشتہ صدی میں جو بلا بھی آئی، وہ اس گروہ (علمائے سو) کی بد نصیبی سے تھی۔ بادشاہوں کو یہی (لوگ) سیدھے راستے سے ہٹاتے ہیں۔ بہتر فرقتے جنہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا، ان کے پیشوا یہی علمائے سو تھے۔ علماء کے سوا جو (لوگ) گمراہ ہوئے وہ کم ہیں، جن کی گمراہی کا اثر دوسرے (آدمی) تک پہنچا ہو۔

اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل (لوگ) علمائے سو کا حکم رکھتے ہیں۔ ان کا فساد بھی چھوٹ کی بیماری ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں تقصیر کرے اور کارخانہ اسلام میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو یہ کوتاہی کرنے والا سزا کا حقدار بن جاتا ہے۔ اسی بنا پر یہ بے سروسامان فقیر بھی چاہتا ہے کہ خود کو دولت اسلام کے مددگار گروہ میں شامل کرے اور اس بارے میں ہاتھ پاؤں مارے۔ ”مَنْ كَثُرَ سَوَادُ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“،^(۱) (یعنی: جس شخص نے قوم کی جماعت میں اضافہ کیا وہ ان میں سے ہے) کے حکم کی رو سے احتمال ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی اس بزرگ جماعت میں داخل کر لیں۔ (فقیر) اپنے آپ کو اس بڑھیا کی مانند سمجھتا ہے جس نے اپنا کاتا ہوا تھوڑا سا سوت لے کر خود کو حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خریداروں کی لڑی میں شامل کر لیا تھا۔

امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز جلد ہی (فقیر) حاضری کے شرف سے مشرف ہو جائے گا۔ آپ کی بزرگ جناب سے امید ہے کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ذاتی قدرت اور بادشاہ کا قرب کامل طور پر نصیب فرمایا ہے تو پھر آپ (حضرت) محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوٰات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی شریعت کی ترویج کے لیے خلوت و جلوت میں کوشش کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو غربت سے باہر نکالیں گے۔

اس نیاز نامہ (مکتوب) کے حامل مولانا حامد کا آپ کی اقبال مندرسہ کار سے وظیفہ مقرر ہے، گذشتہ سال ظاہراً آپ حضور سے حاصل کر لیا تھا، اس سال بھی امیدوار بن کر آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقی اور مجازی دولت میسر فرمائے رکھے۔

مکتوب نمبر (۴۸)

یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید بخاری کی جانب تحریر فرمایا۔ علماء اور طالب علموں کی تعظیم پر ابھارنے کے لیے جو کہ حاملان شریعت ہیں۔

نَصَرَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلٰى الْاَعْدَاءِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ. یعنی: اللہ سبحانہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل آپ کو دشمنوں پر فتح نصیب فرمائے۔

آپ کا مرحمت نامہ گرامی جس سے آپ نے فقیروں کو نوازا تھا، اس کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ آپ نے مولانا محمد قلیج مؤفق کے خط میں تحریر فرمایا تھا: ”طالب علموں اور صوفیہ کے لیے کچھ خرچ بھیجا گیا ہے۔“ طالب علموں کے ذکر کو صوفیہ سے پہلے کرنے کی (آپ کی) ہمت نظر میں خوب زیبائی لگی ہے۔ ”الظَّاهِرُ غُنُوَانُ الْبَاطِنِ“ (ظاہر باطن کا نمونہ ہے) کے حکم کی رو سے امید ہے کہ (آپ کے) باطن شریف میں بھی اس بزرگ جماعت کی تقدیم کو پیدا کر دیا ہوگا (جیسا کہ آیا ہے) کُلُّ اِنَاءٍ يَّتَرَشَّعُ بِمَا فِيْهِ. یعنی: برتن سے وہی پھوٹتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے:

ع از کوزه برو ہماں تراود کہ دروست

یعنی: کوزے سے وہی کچھ باہر ٹپکتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔

طالب علموں کی تقدیم میں شریعت کی ترقی ہے۔ شریعت کے حاملین (اٹھانے والے) وہی ہیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی ملت انہی سے قائم ہے۔ کل قیامت کو شریعت کو پوچھا جائے گا، تصوف کو نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت (کے احکام) کو بجالانے سے وابستہ ہے۔ انبیاء صلوٰات اللہ تعالیٰ و تسلیما علیہم جو کائنات کے بہترین (وجود) ہیں، انہوں نے شریعتوں کی طرف دعوت دی ہے اور نجات کا انحصار اسی پر رہا ہے۔ ان اکابر کی بعثت کا مقصد شریعتوں کی تبلیغ ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی شریعت کی ترویج اور اس کے احکام میں سے کسی حکم کو زندہ کرنے کے لیے کوشش کرنا ہے، خاص کر کے ایسے زمانے میں جبکہ اسلام کی نشانیاں مٹ گئی ہوں۔ اللہ عزوجل و علا کے راستے میں کروڑوں (روپے) خرچ کرنا بھی شرعی مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہے کیونکہ اس عمل میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی اقتداء ہے، جو مخلوقات میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں اور (یہ عمل) ان اکابر کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ سب سے کامل نیکیاں انہی (ہستیوں) کو عطا ہوئی ہیں اور کروڑوں (روپے) خرچ کرنا ان اکابر کے سوا دوسروں کو بھی میسر ہے۔

نیز شریعت کی بجا آوری میں نفس کی کامل مخالفت (ہوتی) ہے، کیونکہ شریعت نفس کے برخلاف وارد ہوئی ہے۔ مالوں کے خرچ کرنے میں کبھی ایسا (ہوتا) ہے کہ نفس بھی موافقت کرتا ہے۔ ہاں! مالوں کا خرچ کرنا جو کہ شریعت کی تائید اور ملت کی ترویج کے لیے ہو، اس کا درجہ (نہایت) بلند ہے۔ اس نیت سے ایک دام خرچ کرنا کسی اور نیت سے لاکھوں (روپے) خرچ کرنے کے برابر ہے۔

اس جگہ کوئی (یہ) سوال نہ کرے (ماسوی اللہ سے) گرفتار طالب علم (ماسوی اللہ سے) آزاد صوفی سے مقدم کیوں ہے؟ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس (سوال کرنے والے) نے ابھی تک بات کی حقیقت کو نہیں پایا ہے۔ طالب علم باوجود گرفتاری کے خلقت کی نجات کا ذریعہ ہے، کیونکہ شرعی احکام کی تبلیغ اس سے حاصل ہے، اگرچہ وہ خود اس سے نفع حاصل نہیں کرتا اور صوفی نے باوجود آزادی کے اپنے نفس کو (ماسوی اللہ سے) آزاد کرالیا ہے، وہ خلقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

جس شخص سے بہت سے لوگوں کی نجات وابستہ ہو، ثابت ہے کہ وہ اس شخص سے بہتر ہے جو صرف اپنی نجات میں پڑا ہو۔ ہاں! جس صوفی کو فنا و بقا اور سیر عن اللہ و باللہ کے بعد عالم کی طرف لوٹایا گیا ہو اور خلقت کی دعوت میں مشغول کیا گیا ہو، وہ مقام نبوت سے حصہ رکھتا ہے اور شریعت کے مبلغین میں داخل ہے (اور) علماء شریعت کا حکم رکھتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ الحديد، ۲۱)

یعنی: یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

مکتوب نمبر (۴۹)

نیز سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا جو کہ ان دونوں دولتوں کے اکٹھا کرنے یعنی ظاہر کو شرعی احکام کے ساتھ مزین کرنے اور باطن کو ماسوائے حق سبحانہ کی گرفتاری سے آزاد کرنے کی ترغیب میں ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو ظاہری دولت اور معنوی سعادت کا طالب بنائے۔ درحقیقت ظاہری دولت (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے احکام سے آراستہ ہونا ہے اور معنوی سعادت باطن کا ماسوائے حق سبحانہ کی گرفتاری سے آزاد ہونا ہے، دیکھئے کس صاحبِ دولت کو ان دو کرامتوں سے مشرف فرماتے ہیں:

ع کار اینست و غیر این ہمہ ہیچ

یعنی: کام یہی ہے اور اس کے سوا سب بیکار ہے۔

اس سے زیادہ (لکھنا) تکلیف کا سبب ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۰)

یہ بھی سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کی جانب تحریر فرمایا۔ کمینی دنیا کی مذمت میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے جو کچی چشم سے پاک ہیں، آپ کو اپنے ماسوا کی غلامی سے آزاد فرما کر اپنی جناب کا گرفتار بنائے۔ دنیا ظاہر میں میٹھی اور صورت میں تازگی رکھتی ہے، لیکن درحقیقت زہر قاتل اور جھوٹی پونجی ہے، باطل اور بے فائدہ گرفتاری ہے۔ اس کا مقبول خوار (اور) اس کا عاشق مجنون ہے۔ اس کا حکم اس نجاست کا ہے جس پر سونا چڑھا ہوا ہوا اور اس کی مثال شکر میں ملی ہوئی زہر کی طرح ہے۔ عقلمند وہ ہے جو ایسی بے قیمت پونجی پر فریفتہ نہ ہو اور ایسے خراب اسباب میں گرفتار نہ ہو۔ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال زمانے کے عقلمند کو دینا تو وہ زائد کو دینا چاہیے جو دنیا سے بے رغبت ہے اور یہ بے رغبتی اس کی فراست کا کمال ہے۔ اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔

باقی یہ تکلیف دی جاتی ہے کہ فضائل مآب شیخ زکریا اس سن اور سال میں کروڑی (تحصیل داری) میں گرفتار ہیں، اس گرفتاری کے باوجود دنیاوی محاسبہ سے جو آخرت کے محاسبہ کی نسبت نہایت آسان ہے، بہت ڈرتے ہیں اور عالم اسباب میں بڑا ذریعہ آپ ہی کی توجہ شریف کو سمجھتے ہیں۔ امیدوار ہے کہ نئے دفتر سے بھی ظاہر ہو جائے گا کہ وہ آپ کی بلند درگاہ کے خادموں میں ہیں:

تو مرا دل دہ و دلیری میں روبہ خویش خواں و شیریں میں
یعنی: تو مجھے دل دے اور پھر دلیری دیکھ، اپنی لومڑی بنا اور پھر (میری) بہادری دیکھ۔
نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل امجاد کے طفیل آپ کو ظاہری اور معنوی دولت حاصل ہو۔
مکتوب نمبر (۵۱)

یہ بھی سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن شریعت کے رواج دینے کی ترغیب میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے کہ ان بزرگان عظام کی اولاد کے وجود شریف کے وسیلہ سے روشن شریعت کے ارکان اور ملت تابناک کے احکام قوت پکڑیں اور رواج پائیں:

ع کار این است و غیر این ہمہ ہیچ
یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

آج کل بیچارے اہل اسلام کے لیے اس طرح کی گراہی کے بھنور میں نجات کی امید بھی حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ من الصلوٰات اتممہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا کے اہل بیت (اطہار) کی کشتی سے ہے۔
(جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے): مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ^(۱)۔ یعنی: میرے اہل بیت کی مثال (حضرت) نوح (علیہ السلام) کی کشتی کی مانند ہے، جو اس پر سوار ہوا وہ بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔

آپ اپنی بلند ہمت کو پوری طرح اس کام پر لگا دیں، تاکہ یہ سعادت عظمیٰ آپ کو ہاتھ لگے۔ اللہ سبحانہ کی عنایت سے (آپ کو) جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب میسر ہے، ذاتی شرف کے باوجود اگر یہ چیز بھی شامل (حال) ہو جائے تو آپ سبقت کی گیند سعادت کے بلے کے ساتھ سب سے آگے لے جائیں گے۔ یہ حقیر شریعت حقہ کی ترویج و تائید میں اس طرح کی باتوں کے اظہار کے ارادہ سے آپ کی خدمت کی جانب متوجہ ہے۔

رمضان کے مبارک مہینے کا چاند دہلی شریف میں دیکھا گیا۔ حضرت والدہ ماجدہ کی مرضی ٹھہرنے کی معلوم ہوئی (لہذا) ضرورت کے تحت ختم قرآن کے سننے تک ٹھہرا رہا۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور معاملہ اللہ سبحانہ کے دست قدرت میں ہے، وہ آپ کو دونوں جہانوں کی سعادت نصیب فرمائے۔

مکتوب نمبر (۵۲)

یہ بھی سرداری کی پناہ شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ نفس امارہ کی مذمت، اس کی ذاتی بیماری اور اس بیماری کے دور کرنے کے علاج کے بیان میں۔

آپ کا مرحمت نامہ گرامی جس سے آپ نے شفقت اور مہربانی فرماتے ہوئے اپنے مخلص دعا گو کو ممتاز فرمایا تھا (فقیر) اس کے مضمون کے مطالعہ سے مشرف ہوا۔ عَظَّمَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ أَجْرَكُمْ وَرَفَعَ قَدْرَكُمْ وَشَرَحَ صَدْرَكُمْ وَيَسِّرَ

أَمَرَكُمْ بِحُرْمَةِ جَدِّكُمْ الْأَمَّاجِدِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. ثَبَّنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى مُتَابَعَتِهِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کے جد بزرگوار (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کے اجر کو عظیم بنائے اور آپ کی قدر کو بلند کرے اور آپ کے سینہ کو کشادہ فرمائے اور آپ کے کام کو آسان کرے۔ اللہ سبحانہ ہم سب کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ظاہری و باطنی پیروی پر ثابت قدم فرمائے۔

ع وَبَرَحْمَ اللَّهِ عَبْدًا قَالَ آمِينَ

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

دوسرا (یہ کہ) چند فقرے برے ساتھی اور رفیق کے بارے میں لکھے جاتے ہیں (امید ہے کہ آپ) قبولیت کے کانوں سے سننا پسند فرمائیں گے۔

میرے مخدوم و مکرم! انسان کا نفس امارہ جاہ و ریاست کی محبت پر پیدا ہوا ہے اور اس کی تمام ہمت اپنے ہمسروں پر بلندی حاصل کرنا ہے۔ وہ ذاتی طور پر اس بات کا طالب ہے کہ سب مخلوقات اس کی محتاج ہوں اور اس کے ادا امر اور نواہی کے تابع ہو جائیں۔ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور کسی ایک کا بھی محکوم نہ ہو۔ یہ اس کا دعویٰ خدائی ہے اور بے مثل (خدا) جل سلطانہ کے ساتھ شرکت کا دعویٰ ہے۔ بلکہ وہ بدقسمت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے، چاہتا ہے کہ صرف وہی حاکم ہو اور سب اس کے محکوم ہوں۔

حدیث قدسی میں آیا ہے: ”عَادَ نَفْسُكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي“۔

یعنی: تو اپنے نفس سے دشمنی رکھ کیونکہ بلاشبہ وہ میری دشمنی پر آمادہ ہے۔

پس نفس کی خواہشات جاہ و ریاست، بڑائی اور تکبر وغیرہ حاصل کرنے میں اس کی تربیت کرنا درحقیقت اس کو اللہ عز و جل کی دشمنی میں مدد اور تقویت دینا ہے۔ اس بات کی قباحت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

حدیث قدسی میں وارد ہے: ”الْكِبْرِيَاءُ رِذَائِي وَالْعُظْمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَزَعَ غِيَّيَ فِي شَيْءٍ مِنْهُمَا أَذْخَلْتُهُ فِي النَّارِ وَلَا أَبَالِي“، (۱)

یعنی: تکبر میری چادر ہے اور عظمت میرا آزار ہے۔ پس جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کیا میں اس کو (جہنم کی) آگ میں داخل کروں گا اور مجھے (اس کی) کوئی پروا نہیں۔

کمینی دنیا جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی لعنت کی ہوئی اور غضب کی ہوئی ہے، یہ اس لیے ہے کہ دنیا کا حاصل کرنا نفس کی خواہشات کے حاصل ہونے میں مددگار اور معاون ہے۔ پس جو کوئی دنیا کی مدد کرے یقیناً وہ لعنت کے لائق ہے۔ فقر (حضرت) محمد علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا فخر بنا ہے، کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی اور اس کے عجز کا حصول ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت سے مقصود اور شرعی احکامات میں حکمت کی وجہ یہی ہے کہ نفس امارہ عاجز اور خراب ہو جائے، (کیونکہ) شرعی احکام نفسانی خواہشات کو دور کرنے کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ جس قدر شریعت کے مطابق عمل کیا جائے، اسی قدر نفسانی خواہشات زائل ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے شرعی احکام میں سے کسی ایک حکم کو بجا لانا نفسانی خواہشات کے دور کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے افضل ہے جو اپنے پاس سے کیے جائیں، بلکہ یہ

ریاضتیں اور مجاہدے جو روشن شریعت کے مطابق نہیں کیے گئے وہ نفسانی خواہشات کو مدد اور قوت دینے والے ہیں۔
برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کوتاہی نہیں کی ہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی ان کے لیے سودمند نہیں ہوئی اور اس نے ان کے نفس کی تقویت اور تربیت کے سوا کچھ نہیں کیا۔

مثلاً زکوٰۃ کے لیے ایک دام ادا کرنا جس کا شریعت نے حکم فرمایا ہے، وہ نفس کو خراب کرنے میں ان ہزار دینار کے خرچ کرنے سے زیادہ نفع دیتا ہے جو اپنی مرضی سے خرچ کیے جائیں۔ شریعت کے حکم سے عید فطر کے دن کھانا کھانا خواہش (نفسانی) کے دور کرنے میں اپنی مرضی سے سالوں کے روزے رکھنے سے زیادہ فائدہ دینے والا ہے۔ نماز فجر کی دو رکعات کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا، جو کہ سنتوں میں سے ایک سنت کا بجالانا ہے، اس بات سے کئی درجے بہتر ہے کہ رات بھر نماز نفل ادا کرتا رہے اور نماز فجر کو جماعت کے بغیر ادا کرے۔

غرضیکہ جب تک نفس پاکیزہ نہ ہو جائے اور مالتولیا کی گندگی سے پاک نہ بن جائے (اس وقت تک) نجات مشکل ہے۔ اس بیماری کے خاتمہ کی فکر کرنا ضروری ہے، تاکہ ابدی موت تک نہ پہنچا دے۔

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ، جو آفاقی اور انفسی معبودوں کی نفی کے لیے وضع کیا گیا ہے، نفس کے تزکیہ اور پاک کرنے میں بڑا مفید اور بہت مناسب ہے۔ بزرگان طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے نفس کے تزکیہ کے لیے اسی کلمہ طیبہ کو اختیار فرمایا ہے:

تا بجا روب ”لا“ نروبی راہ نری در سرائے ”الا اللہ“

یعنی: جب تک تو ”لا“ کے جھاڑو سے راستہ صاف نہ کرے (اس وقت تک) ”الا اللہ“ کی سرا (بارگاہ الہی) میں نہیں

پہنچ سکتا۔

جب نفس سرکشی کے مقام میں آجائے اور وعدے کو توڑے تو اس کلمہ سے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ”جَدِّدُوا اِيْمَانَكُمْ بِقَوْلِ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ“،^(۲) یعنی: لا الہ الا اللہ کے کہنے سے اپنے ایمانوں کو تازہ کر لیا کرو۔ بلکہ ہر وقت اس کلمہ کی تکرار سے چارہ نہیں ہے، کیونکہ نفس امارہ ہمیشہ ناپاکی کے مقام میں ہے۔ اس کلمہ کی فضیلت کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ اگر (سب) آسمانوں اور زمینوں کو (ترازو کے) ایک پلڑے میں اور اس کلمہ کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیں تو یقیناً یہ (کلمے والا) پلڑا دوسرے پلڑے پر بھاری ہو جائے گا۔^(۳)

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمْ مُتَابِعَةً الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ

وَالتَّسْلِیْمٰتِ.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے اس کو

سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۵۳)

یہ بھی سرداری کی نسبت والے شیخ فرید (بخاری) کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ علمائے سو (برے علما) کا اختلاف دنیا کی

خرابی کا باعث ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

تَبَتَّكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى جَادَةِ آبَائِكُمْ الْكَرَامِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو اپنے آبائے کرام کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام (جہانگیر) نے مسلمانوں کی نیک فطرت سے جو وہ اپنی ذات میں رکھتا ہے، آپ کو فرمایا ہے کہ دیندار علماء میں سے چار آدمی پیدا کریں جو ملازم ہوں اور (در بار شاہی میں) شرعی مسائل بیان کرتے رہیں، تاکہ خلاف شرع کوئی کام واقع نہ ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ عَلَى ذَلِكَ. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی تعریف ہے۔

مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کیا بشارت ہوگی اور ماتم زدوں کے لیے اس سے بڑھ کر کیا نوید ہوگی۔ لیکن چونکہ (یہ) حقیر بھی اسی غرض کے لیے (آپ کی) خدمت عالیہ کی جانب متوجہ ہے، چنانچہ کئی بار اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ لہذا اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے خود کو معاف نہیں رکھ سکے گا۔ امید ہے کہ آپ معذور فرمائیں گے، (کیونکہ) صَاحِبُ الْغُرُصِ مَجْنُونٌ. یعنی: ضرور تمند دیوانہ ہوتا ہے۔

(فقیر) عرض کرتا ہے کہ ایسے دیندار علماء بہت ہی تھوڑے ہیں جو جاہ و ریاست کی حب سے عاری ہوں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تائید کرنے کے علاوہ کوئی اور غرض نہ رکھتے ہوں۔ جب جاہ رکھنے کی وجہ سے ان علماء میں سے ہر عالم ایک طرف کھینچے گا اور اپنی فضیلت کا اظہار کرے گا اور اختلافی باتیں درمیان میں لائے گا اور ان کو بادشاہ کے قرب کا ذریعہ بنائے گا۔ مجبوراً دین کی مہم خراب ہو جائے گی۔ گذشتہ زمانہ میں علماء کے اختلاف نے دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا اور وہی صحبت پھر درپیش ہے۔ (اُس) ترویج کی کہاں گنجائش جو خرابی کا سبب بنے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذَلِكَ وَمِنْ فِتْنَةِ الْعُلَمَاءِ السُّوءِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ اس سے اور بُرے علماء کے فتنہ سے محفوظ فرمائے۔

اگر ایک عالم کا اس فرض کے لیے انتخاب کریں تو بہتر دکھائی دیتا ہے۔ اگر علمائے آخرت میں سے کوئی مل جائے تو کیسی سعادت! کیونکہ اس کی صحبت سرخ گندھک (یعنی اکسیر) ہے اور اگر نہ ملے تو درست غور و فکر کے بعد اس طرح کے علماء میں سے بہترین کو چن لیں۔ مَا لَا يُدْرِكُ كُفْلُهُ لَا يُتْرَكُ كُفْلُهُ. یعنی: جو چیز پوری نہ ملے، اس کو بالکل ترک بھی نہیں کرنا چاہیے۔ میں نہیں جانتا کہ کیا لکھوں؟ جس طرح خلقت کی نجات علماء کے وجود سے وابستہ ہے، دنیا کا نقصان بھی انہی سے متعلق ہے۔ علماء میں سے بہتر عالم ساری دنیا کے انسانوں سے بہتر ہے اور علماء میں سے بدتر سب جہان کی مخلوق سے بدتر ہے (کیونکہ) ہدایت اور گمراہی ان سے وابستہ کی گئی ہے۔^(۱)

ایک عزیز نے لعنتی ابلیس کو دیکھا کہ فارغ اور بیکار بیٹھا ہے۔ اس کا راز پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس وقت کے علماء یہ کام کر رہے ہیں اور بہکانے اور گمراہ کرنے کے لیے (وہی) کافی ہیں:

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند او خویشتن گم است کرا رہبری کند

یعنی: جو عالم کامرانی اور تن پروری (طلب) کرے، وہ خود گمراہ ہے، دوسرے کی کہاں رہنمائی کرے گا۔

غرض (امید ہے) کہ آپ اس بارے میں صحیح فکر اور کامل غور کر کے اقدام اٹھائیں گے۔ جب کام ہاتھ سے نکل جائے تو اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ شرم آرہی ہے کہ کوئی آدمی اس طرح کی باتیں صحیح دانائی رکھنے والے حضرات کے سامنے ظاہر کرے۔ لیکن اس مقصد کو اپنی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے آپ کو تکلیف دی جا رہی ہے۔

مکتوب نمبر (۵۴)

یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فرید (بخاری) کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بدعتی کی صحبت سے بچنا ضروری ہے۔ بدعتی کی صحبت کا نقصان کافر کی صحبت کے ضرر سے زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سے بدترین شیعہ شیعہ ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

عَظَّمَ اللَّهُ تَعَالَى أَجْرَكُمْ وَرَفَعَ قَدْرَكُمْ وَيَسِّرْ أَمْرَكُمْ وَشَرَحْ صَدْرَكُمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ الْمُطَهَّرِ عَنْ زَيْغِ الْبَصَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. یعنی: اللہ تعالیٰ سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے جو کجی چشم سے پاک ہیں، آپ کے اجر کو عظیم بنائے اور آپ کا درجہ بلند کرے اور آپ کا کام آسان فرمائے اور آپ کے سینہ کو کھول دے۔

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ. ^(۱) یعنی: جو آدمی لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ پس ہم فقیروں پر آپ کے احسانوں کا شکر (ادا کرنا) لازم ہے، (کیونکہ) اول: ہمارے خواجہ (باقی باللہ قدس اللہ سرہ) کی جمعیت (ظاہری) کا سبب آپ ہی بنے ہیں۔ ہم نے آپ کے طفیل اس جمعیت (ظاہری) میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی طلب کی ہے اور بہت فوائد حاصل کیے ہیں۔ دوم: کَثُرَتْ بِمَوْتِ الْكِبَرَاءِ (بڑوں کی موت سے میں بڑا بنا ہوں) کے مطابق جب نوبت اس بندہ تک پہنچی تو بھی فقرا کے اجتماع اور طالبین کے انتظام کا ذریعہ آپ ہی ہیں۔ جَزَاكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا أَحْسَنَ الْجَزَاءِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ہماری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے:

گر برتن من زباں شود ہر موئے یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

یعنی: اگر میرے بدن کا ہر بال زبان بن جائے تو میں تیرے ہزار (احسانوں) میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ آرزو یہ ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اپنے جد (بزرگوار حضرت) سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم من الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ اَتَمُّهَا وَ اكْمَلُهَا کے صدقے دنیا اور آخرت میں نامناسبت اور ناشائستہ امور سے محفوظ رکھے۔ یہ فقیر آپ کی صحبت گرامی سے دور پڑا ہے، معلوم نہیں کہ آپ کی مجلس شریف میں کس قسم کے لوگوں کو جگہ مل رہی ہے اور خلوت و جلوت میں (آپ کا) غمخوار کون ہے؟

خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز کا غوش کہ شد منزل و آسائش خوابت ^(۲)

یعنی: اس جگر سوز فکر میں میری آنکھوں سے نیند اُڑ گئی کہ کس کی گود تیرے سونے کی جگہ اور (ذریعہ) آسائش بنی؟ یقین سے تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدترین اس جماعت کے لوگ ہیں جو نبی (کریم) علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرام رضی اللہ عنہم) سے بغض رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ان کو کفار کہتا ہے: ”لَيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ.“ (سورۃ الفتح، ۲۹) یعنی: تاکہ کافروں کا جی جلانے۔ قرآن (مجید) اور شریعت کی تبلیغ صحابہ (کرام) نے کی ہے۔ اگر وہ طعنہ زنی کے لائق ہیں تو پھر قرآن (مجید) اور شریعت پر بھی طعن لازم آتا ہے۔ قرآن (مجید) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ)

طعنہ زنی کے لائق ہیں تو قرآن (مجید) بھی طعنہ زنی کے لائق ہے۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا يَعْتَقِدُ الزُّنَادِقَةُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں زندیقوں کے ایسے اعتقاد سے محفوظ فرمائے۔ جو مخالفت اور جھگڑے صحابہ (کرام) رضی اللہ عنہم کے درمیان واقع ہوئے تھے وہ نفسانی خواہشات پر محمول نہیں ہیں۔ خیر البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں ان کے نفسوں کا تزکیہ ہو گیا تھا اور وہ امارہ پن سے آزاد ہو گئے تھے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ حضرت امیر (المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ) اس بارے میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین غلطی پر تھے، لیکن یہ غلطی اجتہادی خطا ہے، جو ان کو فسق تک نہیں پہنچاتی، بلکہ اس طرح کی خطا میں ملامت کی گنجائش بھی نہیں ہے، کیونکہ خطا کرنے والے کو بھی ثواب کا ایک درجہ حاصل ہے۔ بد نصیب یزید صحابہ (کرام) میں سے نہیں ہے۔ اس کی بد قسمتی میں کس کو کلام ہے؟ جو کام اس بد قسمت نے کیا ہے کوئی فرنگی کافر بھی نہیں کرتا۔ علمائے اہل سنت میں سے بعض نے جو اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے، وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ اس (یزید) سے راضی ہیں، بلکہ انہوں نے وہ (اس کے) رجوع اور توبہ کے احتمال کی رعایت سے کیا ہے۔

آپ کی مجلس شریف میں قطب زماں بندگی مخدوم جہانیاں (قدس اللہ سرہ) کی معتبر کتابوں میں سے ہر روز کچھ پڑھا جانا چاہیے، تاکہ (لوگوں کو) معلوم ہو جائے کہ انہوں نے نبی (کریم) علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرام) کی کس طرح ستائش کی ہے اور کس ادب سے (ان کو) یاد کیا ہے؟ تاکہ بدخواہ مخالف شرمندہ اور خوار ہوں۔ اس زمانے میں اس بدخواہ گروہ نے بہت زیادہ غلو کیا ہے اور اطراف و جوانب میں پھیل چکے ہیں، اس لیے اس بارے میں چند کلمات لکھے گئے ہیں، تاکہ (آپ کی) صحبت شریف میں اس قسم کے بدخواہ (لوگوں) کو جگہ نہ ملے۔ ثَبَّتْكُمْ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى الطَّرِيقَةِ الْمَرْضِيَّةِ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ آپ کو پسندیدہ طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر (۵۵)

سرداری کی پناہ شیخ عبدالوہاب بخاری کو تحریر فرمایا۔ محبت کے اظہار میں۔

کچھ عرصہ سے (فقیر کے) دل میں آپ کی ایک محبت پیدا ہو گئی ہے، اس تعلق کے علاوہ جو کہ پہلے سے ثابت تھا۔ اسی وجہ سے (یہ فقیر) بے اختیار (ہو کر) غائبانہ طور پر دعا^(۱) میں مشغول ہے۔ چونکہ سرور کائنات فخر موجودات (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْهِ وَآلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ نے فرمایا ہے: ”مَنْ أَحَبَّ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمِ أَيَّاهُ۔“^(۲) یعنی: جو آدمی اپنے بھائی سے محبت کرے پس وہ اسے بتا دے۔ (لہذا فقیر نے) محبت کا ظاہر کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب سمجھا اور اس محبت کی وجہ سے جو نسبت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے قریبی (رشتہ داروں) سے پیدا ہو گئی ہے (اس سے) بڑی امید ہاتھ لگی ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ (حضرت) سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے ان کی محبت پر استقامت عنایت فرمائے۔

مکتوب نمبر (۵۶)

یہ بھی شیخ عبدالوہاب (بخاری) کی طرف تحریر فرمایا۔ ایک سید (صاحب) کی سفارش میں۔

بہت زیادہ برکتوں والے سادات کی بارگاہ پاک دین و دنیا کے سردار (حضرت محمد) علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتحیات کی

اولاد ہونے کی وجہ سے اس سے برتر ہے کہ (یہ) بیان سے قاصر اس کی تعریف و توصیف کر سکے، مگر یہ کہ اس کو اپنی سعادت کا وسیلہ سمجھ کر اس بارے میں جرأت کرتا ہے، بلکہ اس وسیلہ سے خود اپنی تعریف کرتا ہے اور ان کی محبت کو جس کا اسے حکم دیا گیا ہے، اظہار کرتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُحِبِّیْهِمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ عَلَیْهِمُ الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اے اللہ! تو ہمیں نبیوں کے سردار (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان (سادات) کے محبت کرنے والوں میں سے بنا۔

اس عریضہ کے حامل میر سید احمد سامانہ کے سادات میں سے ہیں۔ طالب علم اور صالح ہیں۔ معاشی تنگی کی وجہ سے آپ کی جانب متوجہ ہوئے ہیں۔ اگر آپ کی بلند سرکار میں کچھ گنجائش ہو تو موصوف اس کے لائق اور مستحق ہیں، ورنہ اپنے مخلصین میں سے کسی کی طرف سفارش کر دیں، تاکہ معاشی تنگی کی جانب سے ان کا دل مطمئن ہو جائے۔ چونکہ یقین تھا کہ آپ کے خدام فقیروں اور محتاجوں کے بارے میں، خاص کر سادات عظام کی امداد میں کامل توجہ فرماتے ہیں، لہذا چند کلمات لکھنے کی جرأت کی ہے۔ روانہ ہونے کے وقت اگرچہ انہوں نے رخصت کی سعادت کا شرف نہیں پایا۔ لیکن مخلصوں کے گروہ میں شامل ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کی محبت و اخلاص پر استقامت عطا فرمائے۔ زیادہ لکھنے کی گستاخی نہیں کی گئی۔

مکتوب نمبر (۵۷)

شیخ محمد یوسف کی جانب تحریر فرمایا۔ نصیحت کے بارے میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو نبیوں کے سردار (حضرت محمد) عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ عَلَیْہِمْ مِنَ الصَّلٰوٰتِ اَفْضَلُہَا وَمِنْ التَّسْلِیْمٰتِ اَكْمَلُہَا کے طفیل اپنے آبائے کرام کے راستے پر استقامت عطا فرمائے۔ آپ کے خاندان میں بزرگی وراثت میں چلی آرہی ہے۔ آپ اس طرح زندگی بسر کریں کہ اس وراثت کا حق حاصل ہو جائے۔ آپ (اپنے) ظاہر کو شریعت کے ظاہر اور باطن کو شریعت کے باطن کے ساتھ جو کہ حقیقت سے عبارت ہے، آراستہ اور مزین کریں، کیونکہ حقیقت اور طریقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے۔ نہ یہ کہ شریعت کوئی اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور ہے، کیونکہ یہ بے دینی اور دہریہ پن ہے۔ فقیر کا گمان آپ کے بارے میں بہت اچھا ہے، بعض واقعات اس پر شاہد ہیں اور اس ماجرا کے بیان میں سے تھوڑا سا آپ کے والد بزرگوار پر ظاہر کر دیا تھا۔

باقی مقصود یہ ہے کہ شیخ عبدالغنی نیکی سے آراستہ ہیں اور نیک فطرت ہیں۔ (امید ہے کہ) اگر کسی کام سے آپ کی خدمت عالیہ میں رجوع کریں گے تو آپ ان کے حال پر توجہ فرمائیں گے۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۵۸)

سرداری کی پناہ گاہ سید محمود کی طرف تحریر فرمایا گیا۔ اس بیان میں کہ یہ راستہ جس کے طے کرنے کے عزم میں ہم (مشغول) ہیں، ہلکے سا قدم ہے۔ نیز اس بیان میں کہ نقشبندیہ مشائخ نے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے برخلاف سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور ان بزرگواروں کا طریقہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا طریقہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

آپ کا بزرگ محبت نامہ موصول ہوا۔ اس سے آپ کے اس گروہ (نقشبندیہ) کی باتیں سننے کے شوق کا علم ہوا۔ ناچار آپ کی خواہش کی تکمیل اور مقصود کی جانب راغب کرنے کے لیے چند باتیں تحریر کی گئی ہیں۔

میرے مخدوم! یہ راستہ جس کے طے کرنے کے عزم میں ہم (مشغول) ہیں، انسان کے سات لطائف^(۱) کی تعداد کے مطابق کل سات قدم ہے۔ (ان میں سے) دو قدم عالم خلق میں ہیں جو قالب (بدن غصری) اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالم امر میں ہیں جو (لطائف) قلب، روح، سر، خفی اور اخفی سے وابستہ ہیں۔ ان قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں، خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی۔^(۲) (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے): اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وُّظُلْمَةٍ۔^(۳) یعنی: بلاشبہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے نور اور ظلمات کے ستر ہزار پردے ہیں۔ پہلا قدم جو عالم امر میں رکھتے ہیں (اس میں) تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے، دوسرے قدم پر تجلی صفات اور تیسرے قدم پر تجلیات ذاتیہ کا آغاز شروع ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس پر درجوں کے فرق کے لحاظ سے ترقی ہوتی جاتی ہے، جیسا کہ اس راستے کے ارباب پر پوشیدہ نہیں ہے۔ (سالك) ان ساتوں قدموں میں ہر قدم پر اپنے آپ سے دور اور حق سبحانہ کے نزدیک ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ ان قدموں کے پورا ہونے تک قرب (الہی) بھی کامل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فنا اور بقا کا شرف پاتے ہیں اور ولایت خاصہ کے درجہ تک جا پہنچتے ہیں۔

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اس سیر کا آغاز عالم امر سے کیا ہے اور وہ دوسرے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے برخلاف عالم خلق کو بھی اسی سیر کے دوران طے کر لیتے ہیں، لہذا طریقہ نقشبندیہ سب طریقوں سے زیادہ قریب قرار پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت (انتہا) ان (مشائخ نقشبندیہ کی ابتداء میں درج ہوئی ہے:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یعنی: تو میرے گلستان سے میری بہار کو قیاس کر۔

ان بزرگواروں کا طریقہ بالکل صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ جیسا ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ کو خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی پہلی ہی صحبت میں انتہا کے ابتداء میں درج ہونے کے طریقہ پر وہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا جو اُمت کے کامل اولیاء کو انتہا میں بھی کم ہی ہاتھ لگتا ہے۔ لہذا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل (حضرت وحشی (رضی اللہ عنہ) جو ایک ہی بار خیر البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں پہنچے تھے، وہ (حضرت) ادیس قرنی (رضی اللہ عنہ) جو خیر التابعین ہیں، سے افضل قرار پائے۔

(حضرت) عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) افضل ہیں یا (حضرت) عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ؟ تو انہوں نے فرمایا: ”وہ خاک جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے گھوڑے کی ناک میں پڑی ہے، وہ (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) سے کئی گنا بہتر ہے۔“

پس سوچنا چاہیے کہ جس گروہ کی ابتدا میں دوسروں کی انتہا درج ہو، ان کی انتہا کا کیا درجہ ہوگا؟ (ارشاد الہی ہے): وَمَا

يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ. (سورة المدثر، ۳۱) یعنی: اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا:

قاصرے گر کند ایں طائفہ راطعن وقصور
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند
حاش للہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
رو بہ از حیلہ چساں بکسلد ایں سلسلہ را^(۴)

یعنی: اگر کوئی نادان اس گروہ پر طعنہ زنی کرے تو خدا کی پناہ کہ میں اس کے شکوہ کو زبان پر لاؤں۔

♦ جہان کے سارے شیر اس سلسلہ میں جکڑے ہوئے ہیں، لومڑی مکر سے اس سلسلہ کو کس طرح توڑ سکتی ہے۔

رَزَقْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَآيَاتُكُمْ مَحَبَّةَ هَذِهِ الطَّائِفَةِ الْعَزِيزِ وَجُودُهَا.

یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو اس عزیز الوجود گروہ کی محبت عطا فرمائے۔

کاغذا گر چھوٹا ہو گیا ہے، لیکن اس میں اعلیٰ معارف اور بڑے درجے کے حقائق درج ہوئے ہیں، (لہذا امید ہے کہ) آپ کو پیارے لگیں گے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۵۹)

یہ بھی سید محمود کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی کو تین چیزوں سے چارہ نہیں ہے، تاکہ نجات ابدی حاصل ہو جائے، اور اس بیان میں کہ اہل سنت و جماعت کی پیروی کے بغیر نجات متصور نہیں ہے، نیز اس بیان میں کہ علم و عمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص صوفیہ کے طریقہ پر چلنے سے وابستہ ہے، نیز اس بیان میں کہ اولیاء (اللہ) کو تمام کاموں، اعمال اور حرکات و سکنات میں اخلاص حاصل ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و التخیی کے راستے پر استقامت عطا فرما کر پوری طرح اپنی بارگاہ پاک کا گرفتار بنائے۔

آپ کا مکتوب شریف اور نامہ لطیف موصول ہوا (اور) خوشی کا سبب بنا۔ آپ کی فقرا کے ساتھ محبت کی ابتدائی باتیں اور اس بلند گروہ کے ساتھ آپ کا اخلاص واضح ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرمائے۔ آپ نے پند و نصائح طلب کیے تھے۔

میرے مخدوم! آدمی کو تین چیزوں سے چارہ نہیں ہے، تاکہ نجات ابدی حاصل ہو جائے۔ علم، عمل اور اخلاص۔ علم دو قسم کا ہے۔ ایک علم وہ ہے جس میں مقصود عمل ہے، جس کا ذمہ دار علم فقہ ہے۔ دوسرا علم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور قلبی یقین ہے جو علم کلام میں تفصیل کے ساتھ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے درست قیاس و عقائد کے مطابق بیان ہوا ہے اور ان بزرگواروں کی پیروی کے بغیر نجات متصور نہیں ہے۔ اگر بال برابر بھی (ان کی) مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ یہ بات درست کشف اور واضح الہام سے بھی یقینی طور حاصل ہو چکی ہے، مخالفت کی گنجائش نہیں رکھتی۔

پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کو اہل سنت کی پیروی کی توفیق ملی اور وہ ان کی تقلید سے مشرف ہوا۔ اس پر افسوس ہے جس نے ان کی مخالفت کی۔ ان سے انحراف کیا اور ان سے الگ ہوا۔ جس نے ان کے اصولوں کو چھوڑا اور ان کے گروہ سے نکل گیا۔ پس اس طرح کے لوگ خود گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ پھر انہوں نے رویت حق اور نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت کا انکار کیا۔ ان پر نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحابیت کی فضیلت اور آنسور

(صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی فضیلت پوشیدہ رہی اور وہ نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی محبت اور (حضرت) زہرا بتول (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کی اولاد (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی محبت سے محروم رہے۔ پس وہ اس خیر کثیر سے روک دیے گئے جو اہل سنت کے ہاتھ آئی۔

صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے اس پر اتفاق کیا کہ ان میں سب سے زیادہ افضل (حضرت) ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) جو صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حالات کو جاننے والے لوگوں میں داناترین ہیں، (انہوں) نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ بہت بیقرار ہو گئے تو انہوں نے آسمان کی چھت تلے (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) سے بہتر اور بزرگ کوئی آدمی نہ پایا۔ پس انہوں نے آپ کو اپنا ولی (امیر) بنالیا۔ یہ قول (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے اس بات پر (صریح) نص ہے کہ صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) حضرت ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) کی فضیلت پر متفق ہیں۔ پس آپ کی فضیلت پر (یہ) اجماع قرنِ اوّل میں ثابت ہوا، (لہذا یہ) قطعی ہوا، جس کا انکار روا نہیں ہے۔ نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی مثال (حضرت) نوح (علیہ السلام) کی کشتی جیسی ہے، جو شخص اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو آدمی اس سے رہ گیا، وہ ہلاک ہو گیا۔

بعض اکابرین نے فرمایا ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ علی آلہ واصحابہ وسلم نے اپنے صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو ستاروں کی مانند قرار دیا ہے اور ایسے ستارے جن سے لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اہل بیت (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو (حضرت) نوح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی کشتی سے تشبیہ دی ہے۔ لہذا اس میں اشارہ ہے کہ کشتی کے سوار کے لیے ستاروں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ وہ ہلاکت کے خوف سے محفوظ و مامون رہے۔ ستاروں کو مد نظر رکھے بغیر ہلاکت سے چھٹکارا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ بلاشبہ بعض صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے انکار سے سب کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت کی فضیلت میں سب (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) مشترک ہیں اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت کی فضیلت تمام فضائل و کمال سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ (حضرت) اولیس قرنی (رضی اللہ عنہ) جو (تمام) تابعین میں برگزیدہ ہیں، وہ آنسور و صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ صحابی (رضی اللہ عنہ) کے درجہ کو نہیں پہنچے۔ پس صحبت (صحابیت) کی فضیلت کے برابر کوئی شے نہیں بنائی جاسکتی، خواہ وہ کچھ بھی ہو۔ کیونکہ ان کا ایمان نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے اور وحی کے نزول کے مشاہدہ سے شہودی ہو گیا تھا اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بعد اس مرتبہ کے ایمان سے کوئی شخص مشرف نہیں ہوا۔ رہے اعمال تو وہ ایمان سے بنتے ہیں۔ ان کا کمال ایمان کے کمال کے مطابق (حاصل ہوتا) ہے۔ جو جھگڑے اور لڑائیاں ان (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے درمیان واقع ہوئی ہیں، وہ سب بہتر حکمتوں اور نیک گمانوں پر محمول ہیں، وہ نفسانی خواہشات اور جہالت کی بنا پر نہیں ہوئے بلکہ وہ اجتہاد اور علم کی رُو سے تھے۔ اگر ان میں سے بعض سے اجتہاد میں خطا ہوئی ہے تو پھر خطا کرنے والے کے لیے بھی اللہ سبحانہ

کے ہاں ایک درجہ ثابت ہے۔ افراط و تفریط کے درمیان یہ صحیح راستہ ہے، جس کو اہل سنت نے اختیار کیا ہے۔ زیادہ سلامتی کا طریقہ اور محکم راستہ یہی ہے۔

غرض علم و عمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص جو کہ علم و عمل کے لیے روح کی مانند ہے، اس کا حاصل کرنا صوفیہ کے طریقہ پر چلنے سے وابستہ ہے۔ جب تک (سہلک) سیر الی اللہ^(۱) قطع نہ کرے اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائے، (اس وقت تک) وہ اخلاص کی حقیقت سے دور اور مخلصین کے کمالات سے محروم ہے۔ ہاں! عام مومنوں کو بھی عمل اور تکلف کے ساتھ بعض اعمال میں مجمل طور پر اخلاص نصیب ہو جاتا ہے، لیکن جس اخلاص کا ہم بیان کر رہے ہیں وہ تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات میں بغیر عمل اور تکلف کے (حاصل ہوتا) ہے اور یہ اخلاص آفاقی اور انفسی معبودوں کی فنا پر منحصر ہے۔ جو فنا و بقا کے ساتھ وابستہ ہے اور ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچنا ہے۔ جو اخلاص حیلہ اور تکلف کا محتاج ہے، وہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ (لہذا اس کے) دوام کے حصول میں بے تکلف ہونا ضروری ہے، جو کہ حق البقین کا مرتبہ ہے۔

پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں، وہ حق جل و علا کے لیے کرتے ہیں، نہ کہ اپنے نفس کے لیے، کیونکہ ان کا نفس حق (تعالیٰ) پر قربان ہو چکا ہے۔ اخلاص کے حاصل ہونے میں ان کو نیت کے صحیح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی نیت نے فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے تصحیح پالی ہے۔ مثلاً جو شخص اپنے نفس کا گرفتار ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے نفس کے لیے کرتا ہے۔ خواہ نیت کرے یا نہ کرے۔ جب نفس کی یہ گرفتاری زائل ہو جائے تو اس کی جگہ حق جل و علا کی گرفتاری لے لیتی ہے تو پھر وہ جو کچھ کرتا ہے وہ حق (تعالیٰ) کے لیے کرتا ہے، خواہ وہ اس کی نیت کرے یا نہ کرے۔ نیت کی ضرورت ظنی امور میں ہے، یقینی میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ (سورۃ الحدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

دامی اخلاص والا (شخص) مخلص لام کی زبر سے ہے اور جو (آدمی) دوام نہیں رکھتا اور اخلاص کو کسب کرتا ہے وہ مخلص لام کی زیر سے ہے۔ دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

صوفیہ کے طریقہ سے علم و عمل میں جو نفع حاصل ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ کلامیہ استدلالیہ علوم کشفی بن جاتے ہیں اور اعمال کی ادائیگی میں کامل آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور جو سستی نفس اور شیطان کی جانب سے (واقع ہوتی) ہے، وہ دور ہو جاتی ہے:

ع ایں کار دولت ست کنوں تا کرا رسد

یعنی: یہ کام دولت کا ہے، دیکھئے اب کسے نصیب ہوتا ہے۔

وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اول و آخر (ہر حال میں) سلامتی (نصیب) ہو۔

مکتوب نمبر (۶۰)

یہ بھی سرداری کی پناہ سید محمود کو تحریر فرمایا۔ خواطر کی نفی اور وسوسوں کے مکمل دور کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اپنی ذات مقدس کی ہمیشہ کی گرفتاری سے مشرف فرمائے، کیونکہ حقیقی نجات اسی گرفتاری میں

ہے۔ (نفسانی) خطرات کی رکاوٹ اور وسوسوں کا دفع ہونا حضراتِ خواجگانِ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں پوری طرح حاصل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اس بزرگ سلسلہ کے بعض مشائخ نے خطرات (کے دور کرنے) کا چلہ کاٹا ہے اور ان پورے چالیس دنوں میں اپنے باطن کو خطرات کے آنے سے محفوظ رکھا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے اس مقام میں فرمایا ہے کہ خطرات کے دفع کرنے سے مراد ایسے خطرات ہیں جو مطلوب کی توجہ کے دوام (ہمیشگی) میں رکاوٹ ہیں، نہ کہ مطلق طور پر خطرات کا دفع کرنا۔ اس سلسلہ عالی کے مخلصین میں سے ایک درویش اس آیت: ”وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ (اور آپ اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہیں۔ سورۃ الضحیٰ، ۱۱) کے حکم سے اپنا حال یوں بیان کرتا ہے کہ دل سے خطرات اس حد تک دور ہو جاتے ہیں کہ اگر بالفرض اس صاحبِ دل کو حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دے دی جائے تو بھی اس کے دل میں کوئی خطرہ گزر نہیں کرتا، بغیر اس بات کے کہ وہ اس (خطرہ) کے دفع (کرنے) میں کسی قسم کا تکلف کرے، کیونکہ جو کام تکلف سے کیا جاتا ہے وہ ایک وقت تک محدود ہوتا ہے، وہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ بلکہ اگر وہ خطرات کے لانے میں کئی سال تک تکلف کرے تو بھی میسر نہ ہو۔ چالیس روزہ چلہ مقرر کرنا بناوٹ اور تکلف کی خبر دیتا ہے اور بناوٹ اور تکلف مرتبہ طریقت میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بناوٹ اور تکلف سے چھٹکارا پائے۔ ”یادکرد“،^(۱) طریقت میں ہے اور ”یادداشت“،^(۲) حقیقت میں۔

پس ثابت ہوا کہ دس روزہ اور چالیس روزہ چلہ سے تکلف کے ساتھ خطرات کے روکنے میں جو ایک خاص وقت تک محدود ہے، مطلوب کی جانب دائمی توجہ (کا حاصل کرنا) محال ہے۔ کیونکہ تکلف طریقت کے مرتبہ میں ہے، اور طریقت میں دوام ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ دوام حقیقت میں ہے، اس وجہ سے کہ اس مقام میں تکلف کی مجال نہیں ہے۔

پس مرتبہ تکلف میں خطرات کا آنا یقیناً دائمی توجہ کے لیے رکاوٹ ہے اور دائمی نگرانی جو اس سلسلہ عالی کے مبتدیوں کو ہاتھ لگتی ہے، وہ ایک اور چیز ہے اور دائمی توجہ جس کے بیان کرنے میں ہم مصروف ہیں، اس سے مراد ”یادداشت“ ہے جو مرتبہ کمال کی انتہا ہے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ ”یادداشت“ سے آگے ”پنداشت“ (وہم وگمان) ہے، یعنی اس سے آگے کوئی درجہ نہیں ہے۔

اس قسم کے حالات ظاہر کرنے سے غرض اس طریقہ عالی کے طالبین کو شوق دلانا ہے، اگرچہ اس سے منکرین کے انکار میں اضافہ ہی ہوگا۔ (جیسا کہ ارشادِ الہی ہے): يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا. (سورۃ بقرہ، ۲۶) یعنی: اس سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ مثنوی:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است و آنکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است
آپ نیل ست و بقیطی خون نمود قوم موسیٰ را نہ خون بود آب بود^(۳)

یعنی: جس نے قصہ سمجھا اس کے لیے قصہ ہی ہے اور جس نے اصل دیکھا وہ مردانہ ہے۔

◆ نیل کا پانی ہے اور بقیطی (قوم فرعون) کو خون نظر آیا۔ (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے خون نہیں، بلکہ پانی ہی تھا۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۶۱)

یہ مکتوب بھی سیادت مآب سید محمود کی جانب تحریر فرمایا گیا۔ کامل مکمل شیخ کی صحبت کا شوق دلانے اور ناقص کی صحبت سے پرہیز کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

حق سبحانہ و تعالیٰ سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو کہ کبھی چشم سے پاک ہیں، کے صدقے اپنی طلب میں زیادتی نصیب فرما کر جو چیز مطلوب تک پہنچنے میں مانع ہے، اس سے پوری طرح بچنا نصیب کرے۔
آپ کے محبت بھرے گرامی نامہ نے شرف بخشا۔ چونکہ طلب و شوق کی خبر دینے والا اور درد و تشنگی کو ظاہر کرنے والا تھا، (لہذا) بہت خوبصورت لگا، کیونکہ طلب مطلوب کے حاصل ہونے کی خوشخبری دینے والی (چیز) ہے اور درد مقصود تک پہنچنے کا مقدمہ ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں: ”اگر اللہ تعالیٰ دینا نہ چاہتا تو طلب (اور درد) عطا نہ فرماتا۔“ (لہذا) طلب کی دولت حاصل ہونے کو بڑی نعمت سمجھ کر جو چیز اس کے مخالف ہے، اس سے بچنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں کوئی فتور پیدا ہو جائے اور اس گرمی میں کوئی سردی (سستی) اثر کر جائے۔ اس کی محافظت کے ذرائع میں سے سب سے بڑا ذریعہ یہ ہے کہ اس دولت کے حاصل ہونے کا شکر ادا کیا جائے، (جیسے کہ ارشاد الہی ہے): ”لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ“ (سورۃ ابراہیم، ۷) یعنی: اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا۔ اور (دوسرا ذریعہ) اللہ جل سلطانہ کی بارگاہ پاک میں عاجزی و زاری کرنا ہے، تاکہ اس کی طلب کے چہرے کو اپنے لازوال جمال کے کعبہ سے نہ ہٹائے۔ اگر التجا و زاری کی حقیقت میسر نہ ہو تو بھی التجا و نیاز مندی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔

(حدیث شریف): ”وَإِنْ لَّمْ تَبْكُوا فَتَبَاكُؤًا“^(۱) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہ محافظت شیخ کامل مکمل کے ملنے تک ہے۔ بعد ازاں اپنی تمام مرادوں کو اس بزرگ کے سپرد کر دینا چاہیے اور (اس کی خدمت میں) ایسے ہونا چاہیے جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ فنا کا پہلا درجہ ”فنا فی الشیخ“ ہے اور یہی فنا پھر ”فنا فی اللہ“ کا وسیلہ بن جاتی ہے:

زاں روئے کہ چشم تست احول معبود تو پیر تست اول

یعنی: چونکہ تیری آنکھ ابھی بھینگی ہے، (لہذا) تیرا پہلا معبود تیرا پیر ہی ہے۔

کیونکہ فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا دونوں طرف کی مناسبت پر مبنی ہے اور شروع میں طالب کو اپنی نہایت پستی اور فرومانگی کی وجہ سے اللہ عز سلطانہ کی بارگاہ پاک کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی، (لہذا) دونوں طرف^(۲) کے درمیان ایک برزخ (کا تعلق) ہونا ضروری ہے اور وہ شیخ کامل مکمل ہے۔ طلب میں فتور (واقع ہونے) کا سب سے بڑا مضبوط سبب شیخ ناقص کی طرف رجوع کرنا ہے، جس نے ابھی تک جذبہ اور سلوک سے اپنے کام کو مکمل نہیں کیا اور اس نے خود کو شیخی کی مسند پر بٹھالیا ہے۔ طالب کے لیے اس کی صحبت زہر قاتل ہے اور اس کی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے۔ اس طرح کے شیخ کی صحبت طالب کی بلند استعداد کو پستی میں لے آتی ہے اور بلندی سے پستی کی غار میں گرا دیتی ہے۔ مثلاً جو مریض ناقص طبیب سے دوائی کھاتا ہے، وہ اپنی بیماری کے بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی مرض کے زائل کرنے کی صلاحیت کو ضائع کرتا ہے،

خواہ شروع میں اس دوا سے بیماری میں کچھ کمی ہو، لیکن درحقیقت وہ عین مضر ہے۔ فرض کریں اگر یہی مریض کسی تجربہ کار طبیب کے پاس جائے تو یہ طبیب پہلے اس دوا کے اثر کو زائل کرنے کی فکر کرتا ہے اور مسہلات (جلاب) سے علاج فرماتا ہے۔ اس اثر کے ختم ہو جانے کے بعد (اصل) بیماری کو زائل کرنے کی فکر کرتا ہے۔

ان بزرگواروں قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کا دار و مدار صحبت پر ہے۔ کہنے سننے سے کوئی کام نہیں بنتا، بلکہ طلب میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

امکان ہے کہ کچھ روز کے بعد دہلی اور آگرہ کی جانب سفر کا اتفاق ہوگا۔ اگر آپ وہاں تنہا پہنچ جائیں اور بالمشافہ کچھ حاصل کر کے جلدی سے واپس چلے جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔ اس سے زیادہ لکھنا تکلیف کا موجب ہے۔

بقیہ سوالوں کا جواب یہ ہے کہ بزرگی کی پناہ والے اور معارف کے جاننے والے میاں شیخ تاج اس صوبہ میں غنیمت ہیں اور بزرگ ہیں، لیکن آپ کی استعداد کو ان کے طریقہ سے (بہت) کم مناسبت ہے اور مناسبت کے رابطہ کے بغیر مطلوب کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔ اگر آپ کبھی کبھی اپنے حالات لکھتے رہیں، تاکہ اس جانب سے بھی اس کے مناسب کچھ لکھا جاتا رہے تو (بڑا) مناسب ہے، کیونکہ اخلاص کا سلسلہ اس طرح ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۶۲)

جناب مرزا حسام الدین احمد کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جو جذبہ سلوک سے پہلے ہے وہ اصلی مقصد نہیں ہے، بلکہ وہ سلوک کی منازل کو آسانی سے طے کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اور جو جذبہ سلوک کے بعد ہے وہ اصلی مقصد ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

وصول (الی اللہ کے طریقہ) کے دو جزو ہیں: (۱) جذبہ اور (۲) سلوک۔ اور دوسرے الفاظ میں (۱) تصفیہ اور (۲) تزکیہ۔ جذبہ جو سلوک پر مقدم ہے، وہ اصلی مقصد نہیں ہے اور جو تصفیہ تزکیہ سے پہلے ہے وہ بھی اصلی مطلب نہیں ہے۔ جو جذبہ سلوک کی تکمیل کے بعد (حاصل ہوتا) ہے اور جو تصفیہ تزکیہ حاصل ہونے کے بعد سیر فی اللہ^(۱) میں (نصیب ہوتا) ہے، وہ مطلوبہ مقاصد میں سے ہے۔ پہلا جذبہ اور تصفیہ سلوک کے راستوں کی آسانی کے لیے ہے۔ سلوک کے بغیر کام نہیں بنتا اور منازل (سلوک) طے کرنے کے بغیر مطلوب کا جمال نظر نہیں آتا۔ پہلا جذبہ (حقیقت کے مقابلہ میں) صورت کی طرح ہے اور درحقیقت ایک دوسرے سے مناسبت نہیں رکھتا۔ پس اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ کی عبارات میں جو انتہا کا ابتدا میں درج ہونا آیا ہے، اُس سے مراد انتہا کی صورت کا ابتدا میں درج ہونا ہے، ورنہ انتہا کی حقیقت ابتدا میں نہیں سما سکتی اور انتہا کی ابتدا کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔

اس بحث کی تحقیق اس رسالہ^(۲) (مکتوب) میں مذکور ہے جو جذبہ و سلوک وغیرہ کی تحقیق میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچنا ضروری ہے اور حقیقت کو چھوڑ کر صورت پر اکتفا کرنا (مقصد سے)

دوری ہے۔

حَقَّقْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ بِالْحَقِيقَةِ الْحَقَّةِ وَجَنَّبْنَا عَنِ الصُّورَةِ الْبَاطِلَةِ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ وَآلِهِ الْأَبْرَارِ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ اكْمَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ أَفْضَلُهَا. یعنی: اللہ سبحانہ اپنے نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل ابراہیم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان پر اکمل ترین درود اور افضل ترین سلام ہو، کے صدقے ہم کو اصلی حقیقت پر ثابت قدم رکھے اور باطل صورت سے بچائے۔

مکتوب نمبر (۶۳)

سرداری کی پناہ والے اور شرافت کے مرتبہ والے شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم دین کے اصول میں متفق ہیں اور ان بزرگواروں کا اختلاف صرف فروغ دین میں ہے اور ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے بعض متفق علیہ کلمات کے بیان میں۔

تَبَتَّنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى جَادَّةِ آبَائِكُمْ الْكَرَامِ عَلَى أَفْضَلِهِمْ أَصَالَةً وَعَلَى بَوَاقِيهِمْ مُتَابَعَةً الصَّلَوَةِ وَالسَّلَامِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو آپ کے بزرگ آبا و اجداد کے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے، ان میں سب سے افضل پر اصلی طور پر اور باقیوں پر متابعت کی رو سے صلوٰۃ و سلام ہو۔

انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ وتحياتہ وبركاتہ على اجمعهم عموماً وعلى افضلهم خصوصاً (ان سب پر بالعموم اور ان کے افضل پر بالخصوص اللہ تعالیٰ کا درود، سلام، تحیات اور برکات نازل ہوں) ایسی رحمتیں ہیں کہ ان بزرگواروں کے طفیل ایک جہان کو سعادت ابدی حاصل ہوئی ہے اور اس نے ہمیشہ کی آزادی پائی ہے۔ اگر ان کا وجود مبارک نہ ہوتا تو حق سبحانہ و تعالیٰ جو غنی مطلق ہے، وہ جہان کو اپنی ذات عالی اور صفات پاک کی خبر نہ دیتا اور اس کی طرف کا راستہ نہ دکھاتا۔ کوئی شخص بھی اس کو نہ پہچانتا اور (شریعت کے) اوامر و نواہی جن کے ساتھ بندوں کو محض اپنے کرم سے ان کے نفع کے لیے مکلف بنایا ہے، ان کے بجالانے کی تکلیف نہ فرماتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اس کی ناراضگی سے جدا نہ ہوتی۔ پس اس نعمت عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے اور کس کی مجال ہے کہ وہ اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي اَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدَيْنَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ مُصَدِّقِي الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَوَةُ وَالسَّلَامُ.

یعنی: سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں، جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہم کو اسلام کی جانب ہدایت بخشی اور ہم کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والوں میں سے بنایا۔

یہ بزرگوار (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اصول دین میں متفق ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات، حشر و نشر، پیغمبروں کے بھیجے، فرشتوں کے نازل ہونے، وحی کے نزول، جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا دائمی و ابدی ہونے کے بارے میں ان سب کا قول ایک ہی ہے۔ ان کا اختلاف بعض احکام میں ہے، جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہر ایک زمانہ میں ہر اولوالعزم پیغمبر پر اس زمانہ کے مناسب احکام کے ساتھ وحی نازل فرمائی ہے اور (لوگوں کو) مخصوص احکام کے ساتھ مکلف فرمایا ہے۔

احکام شرعیہ میں نسخ اور تبدیلی کا ہونا حق سبحانہ و تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ہے۔ اس قسم کی مثالیں بہت ہیں کہ ایک ہی صاحبِ شریعت پیغمبر پر مختلف اوقات میں ایک دوسرے کے برخلاف احکام نسخ و تبدیلی کے طور پر نازل ہوئے ہیں۔ ان بزرگواروں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے متفقہ کلمات میں سے چند یہ ہیں: حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، اس کی ذاتِ عالی و پاک کے ساتھ شرک کرنے سے منع کرنا، حق سبحانہ کے سوا مخلوقات میں سے کسی کو اپنا رب نہ بنانا۔ یہ حکم انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ ان کے تابعداروں کے علاوہ دوسرے لوگ اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے سوا کسی نے ایسے کلمات کی تعلیم نہیں دی ہے۔

نبوت کا انکار کرنے والے (لوگ) اگرچہ اللہ سبحانہ کو ایک ہی کہتے ہیں (لیکن) ان کا حال دو باتوں سے خالی نہیں ہے۔ یا وہ اہل اسلام کی تقلید کرتے ہیں، یا پھر واجب الوجود ہونے میں (اللہ سبحانہ کو) واحد جانتے ہیں (لیکن) عبادت کا مستحق ہونے میں واحد نہیں جانتے۔ کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ“ سے مراد جھوٹے خداؤں کی عبادت کی نفی کرنا اور معبودِ برحق (اللہ سبحانہ و تعالیٰ) کی معبودیت (عبادت) کا ثابت کرنا ہے۔

دوسری بات جو ان بزرگواروں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ مخصوص ہے، (یہ ہے) کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں کی طرح بشر (انسان) جانتے ہیں اور عبادت کے لائق صرف اللہ سبحانہ کو سمجھتے ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ سبحانہ کو (مخلوق میں) حلول کرنے اور اتحاد سے پاک بتاتے ہیں۔ جبکہ نبوت کا انکار کرنے والے (لوگ) اس طرح نہیں ہیں، بلکہ ان کے سردار (اپنی) خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور حق سبحانہ کو اپنے اندر حلول کیا ہوا ثابت کرتے ہیں اور وہ عبادت کے حق دار بننے اور خدا کا نام اپنے اوپر بولنے سے احتراز نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے وہ بندگی سے پاؤں باہر نکال کر بُرے افعال اور ناپسندیدہ اعمال میں پڑ جاتے ہیں اور ان (کاموں) کو مباح (جائز) جانے کا راستہ ان پر کھل جاتا ہے اور گمان کرتے ہیں کہ ان (باطل) معبودوں کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اسی کو بہتر جانتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اسے مباح (جائز) سمجھتے ہیں۔ (جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے): ضَلُّوْا فَاصْلُوْا فَوَيْلٌ لِّهٖمْ وَلَا تَبَاۤءَہُمْ وَلَا شِیْءَہُمْ^(۱)۔ یعنی: یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے اوروں کو بھی گمراہ کیا۔ پس ان کے لیے اور ان کا اتباع کرنے والوں اور ان کے دوستوں کے لیے ہلاکت ہے۔

ایک اور بات جس پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق ہیں اور ان کے منکرین کو اس دولت سے کچھ نصیب نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بزرگوار فرشتوں کے نازل ہونے کے قائل ہیں جو معصوم مطلق ہیں اور کسی قسم کا تعلق اور آلودگی نہیں رکھتے اور وہ ان فرشتوں کو وحی کے امین اور کلامِ الہی کے اٹھانے والے سمجھتے ہیں۔ پس یہ بزرگوار جو کچھ کہتے ہیں، حق تعالیٰ و تقدس سے کہتے ہیں اور جو کچھ پہنچاتے ہیں وہ حق تعالیٰ سے پہنچاتے ہیں اور ان کے اجتہادی احکام کی تائید بھی وحی سے کی جاتی ہے۔ اگر بالفرض کوئی لغزش واقع ہو جاتی تھی تو اسی وقت حق سبحانہ اس کا تدارک وحی قطعی کے ساتھ فرما دیتا تھا۔ لیکن انکار کرنے والوں کے سردار جو الوہیت کے مدعی ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں اپنی طرف سے کہتے ہیں اور اپنے معبود ہونے کے گمان سے اسی کو درست سمجھتے ہیں۔ پس انصاف سے کام لینا ضروری ہے۔ جو شخص اپنی بے عقلی کے کمال کی وجہ سے خود کو خدا بنائے اور عبادت کا

مستحق سمجھے اور اس فاسد خیال کی وجہ سے نازیبا افعال کرے، اس کی باتوں کا کیا اعتبار ہے اور اس کی پیروی پر کیا انحصار ہے:

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است

یعنی: جو سال عمدہ ہوتا ہے، وہ اپنی بہار سے ہی عیاں ہوتا ہے۔

اس طرح کی باتوں کا بیان کرنا زیادہ تشریح کے لیے ہے، ورنہ حق باطل سے جدا ہے اور نور اندھیرے سے واضح ہے۔ (جیسا کہ ارشاد الہی ہے): جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا. (سورۃ بنی اسرائیل، ۸۱) یعنی: حق آگیا اور باطل نابود ہو گیا، بیشک باطل نابود ہونے والا ہے۔ اَللّٰهُمَّ تَبَتَّنَا عَلٰی مُتَابَعَةِ هٰؤُلَاءِ الْاَكَابِرِ عَلَيْهِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّحِيَّاتُ اَوَّلًا وَآخِرًا.

یعنی: اے اللہ! تو ہم کو اول و آخر میں انہی اکابر (انبیاء) علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی پر ثابت قدم رکھ۔ باقی مقصود یہ ہے کہ سرداری کی پناہ والے میاں پیر کمال کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس بارے میں کچھ لکھا جائے، لیکن اتنا (لکھنا ضروری) ہے کہ فقیر کچھ مدت سے ان کی صحبت سے محظوظ ہے۔ ایک عرصہ (ہو رہا) ہے کہ وہ آپ کے آستانہ بوسی کا شوق رکھتے ہیں، لیکن اس اثناء میں ان پر ضعف طاری ہو گیا تھا اور ایک مدت تک صاحب فراش رہے ہیں، صحبت یابی کے بعد آپ کی خدمت عالیہ میں آرہے ہیں، آپ کی عنایت کے امیدوار ہیں۔

مکتوب نمبر (۶۴)

یہ بھی سرداری اور شرافت کی پناہ والے شیخ فریدی کی جانب تحریر فرمایا۔ جسمانی و روحانی لذت اور رنج کے بیان میں اور

مصیبتوں اور جسمانی دکھوں کو برداشت کرنے کی ترغیب اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، اس کے بیان میں۔

سَلِّمُكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَعَافَاكُمُ فِي الدَّارَيْنِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ. یعنی: اللہ سبحانہ سید الثقلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل آپ کو دونوں جہانوں کی سلامتی نصیب فرمائے۔

دنیا کی لذت اور رنج کی دو اقسام ہیں: جسمانی اور روحانی۔ جس چیز میں جسم کے لیے لذت ہے، روح کو اس سے دکھ (پہنچتا) ہے اور جس چیز سے جسم کو دکھ (پہنچتا) ہے، روح کے لیے اس میں لذت ہے۔ پس روح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس جہان میں چونکہ روح جسم کے مقام میں اتری ہوئی ہے اور جسم اور جسمانی میں گرفتار ہے، (لہذا) روح نے بھی جسم کا حکم پیدا کر لیا ہے اور وہ اس کی لذت سے لذت اور اس کے رنج سے رنج حاصل کر رہی ہے۔ یہ جانوروں جیسے عوام کا مرتبہ ہے۔ (یہ) آیت کریمہ انہی کی شان میں صادق (آتی) ہے: ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِينَ. (سورۃ التین، ۵) یعنی: پھر (رفتہ رفتہ) اس (کی حالت) کو (بدل کر) پست سے پست کر دیا۔

افسوس! ہزار افسوس! اگر روح اس گرفتاری سے رہائی نہ پائے اور اصلی وطن کی طرف رجوع نہ کرے:

پایہ آخر آدم ست و آدمی گشت محروم از مقام محرمی
گر نگرود باز مسکین زین سفر نیست از وے ہیج کس محروم تر

یعنی: انسان کا رتبہ سب سے آخر ہے، (لہذا) وہ مقامِ محرمی سے محروم ہو گیا ہے۔

✦ اگر وہ مسکین اس سفر سے نہ لوئے تو اس سے زیادہ محروم کوئی نہیں ہے۔

روح کی بیماری (کی وجہ) سے ہے کہ وہ اپنے رنج کو لذت خیال کرتا ہے اور لذت کو رنج سمجھتا ہے، جیسا کہ صغریٰ (مزان والا آدمی) صغریٰ کی (بیماری کی) وجہ سے شیرینی کو کڑوا پاتا ہے۔

پس عقلمندوں کے لیے اس بیماری کا ازالہ کرنا ضروری ہے، تاکہ جسمانی دکھوں اور مصیبتوں میں خوش و خرم زندگی گزاریں۔ شعر:

از پئے ایں عیش و عشرت ساختن صد ہزاراں جاں بیاہد باختن

یعنی: اس طرح کے عیش و عشرت کو پانے کے لیے، لاکھوں جانوں کی بازی لگانی پڑتی ہے۔

جب اچھی طرح غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر دنیا میں دکھ، رنج اور مصیبت نہ ہوتی تو یہ ایک جو کے دانے کے برابر بھی قیمت نہ رکھتی۔ اس کے اندھیروں کو واقعات اور حادثات دور کرتے ہیں۔ حادثات کی تلخی دوائی کی کڑواہٹ کی طرح نفع دینے والی (چیز) ہے، جو مرض کو دور کر دیتی ہے۔

اس فقیر کو (تجربہ سے) محسوس ہوا ہے کہ عام دعوتوں میں جو کھانا پکاتے ہیں، وہ خالص نیت کا لحاظ نہیں رکھتے اور کھانا کھانے والوں کی ایک جماعت شکوہ کرتے ہوئے اٹھتی ہے اور (لوگ) کھانے اور کھانا کھلانے والے کی تنقیص کرتے ہیں اور اس صورتِ حال سے کھانا کھلانے والے کو شکستہ دلی حاصل ہو جاتی ہے۔ کھانا کھلانے والے کی یہی شکستگی اس ظلمت کو دور کر دیتی ہے اور اسے قبولیت کے مقام میں لے آتی ہے، جو نیت میں خلوص نہ ہونے کی وجہ سے کھانے میں آگئی تھی۔ اگر وہ جماعت شکوہ نہ کرتی اور کھانا کھلانے والے کے دل میں شکستگی (عاجزی) پیدا نہ ہوتی تو کھانا سر اسر ظلمت اور کدورت سے پُر رہتا۔ پھر اس صورت میں قبولیت کی گنجائش کہاں ہوتی!

پس کام کا دار و مدار شکستگی (عاجزی) اور بیچارگی پر ہے اور ہم ناز میں پلے ہوئے عیش و عشرت کے متلاشیوں کے لیے یہ کام مشکل ہے۔ (آیت کریمہ): وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (سورۃ الذاریات، ۵۶)۔ یعنی: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (نص قاطع ہے۔

عبادت سے مراد عاجزی اور انکساری ہے۔ پس انسان کی تخلیق کا مقصد عاجزی و انکساری کرنا ہے۔ خاص کر مسلمانوں اور دینداروں کے لیے، کیونکہ دنیا ان کے لیے قید خانہ ہے۔ قید خانہ^(۱) میں عیش کا متلاشی ہونا عقل سے دور ہے۔ پس آدمی کو اس محنت کشی کی مشق کرنے سے چارہ نہیں اور اس کا بوجھ اٹھانے کی ریاضت سے چھٹکارا نہیں ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہم ناتوانوں کو آپ کے جد بزرگوار (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ مِنْ الصَّلٰوٰتِ اَتَمُّہَا وَمِنْ التَّحِیَّاتِ اَكْمَلُہَا کے طفیل اس کام پر استقامت عطا فرمائے۔

مکتوب نمبر (۶۵)

خانِ اعظم کو تحریر فرمایا۔ اسلام کے ضعف اور مسلمانوں کی خودی پر افسوس کرنے، اہل اسلام کو قوت دینے اور (شرعی)

احکام جاری کرنے کی رغبت اور شوق دلانے کے بارے میں۔

أَيَّدَكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَنَصَرَكُمْ عَلَى أَعْدَاءِ الْإِسْلَامِ فِي إِغْلَاءِ الْأَحْكَامِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو (اسلامی) احکام کو بلند کرنے میں اسلام کے دشمنوں پر مدد دے۔ مجبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّوَاتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُہَا نے فرمایا ہے: الْإِسْلَامُ بُدَاً غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بُدَاً فَطُوْبِي لِلْغُرَبَاءِ. ^(۱) یعنی: اسلام غریب ہی ظاہر ہوا اور عنقریب ایسا ہی غریب ہو جائے گا جیسا کہ ظاہر ہوا، پس غریبوں کے لیے خوشخبری ہے۔ اسلام کی غربت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر اعلانیہ اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے خوف ہر کوچہ و بازار میں کفر کے احکام جاری اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اسلام کے احکام جاری کرنے سے روک دیا گیا ہے اور شریعت پر عمل کرنے کی صورت میں ان کی مذمت اور ان پر طعنہ زنی کی جاتی ہے:

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است ^(۲)

یعنی: پری نے چہرہ چھپا لیا اور دیونا زواہد کرنے لگا۔ حیرت سے ہوش جاتی رہی کہ یہ کیسا عجیب و غریب (معاملہ) ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ. یعنی: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس کی تعریف ہے۔ کہا گیا ہے: اَلشَّرُّ تَحْتَ السَّيْفِ. یعنی: شریعت تلوار کے نیچے ہے۔ شرع شریف کی رونق بادشاہوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ (اب) قضیہ اُلٹ ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے۔ ہائے افسوس! ہائے شرمندگی اور ہائے مصیبت!

آج ہم آپ کے وجود مبارک کو غنیمت شمار کرتے ہیں اور اس ضعیف اور شکست خوردہ معرکہ میں آپ کے سوا کسی کو لڑاکا نہیں سمجھتے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آلِ امجاد کے طفیل آپ کا حامی و ناصر ہو۔

حدیث شریف میں آیا ہے: لَنْ يُؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُقَالَ إِنَّهُ مَجْنُونٌ. ^(۳) یعنی: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔ اس وقت وہ جنون جو اسلام کی غیرت کی زیادتی پر مبنی ہے، وہ آپ ہی کی طبیعت و ذات میں محسوس ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِكَ. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔ آج ایسا دن ہے کہ تھوڑے سے عمل کو بہت بڑے اجر اور بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں۔ اصحاب کہف سے ہجرت کے سوا کوئی اور عمل نمایاں نہیں ہے، جس نے اتنا اعتبار (قدر) پیدا کر لیا ہے۔ سپاہی دشمنوں کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑی سی بھی کوشش کریں تو وہ بہت زیادہ اعتبار (قدر) پیدا کر لیتی ہے، برخلاف دشمنوں کے امن و آرام کے وقت کے۔ یہ قولی جہاد جو آج آپ کو میسر ہوئی ہے، جہاد اکبر ہے۔ آپ (اسے) غنیمت جانیں اور ہَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (یعنی کیا کچھ اور ہے) کہیں اور اس قولی جہاد کو جہادِ قتال سے بہتر سمجھیں۔ ہم جیسے بے دست و پا فقیر لوگ اس دولت سے محروم ہیں:

هَنِيئًا لِّأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَنْجَرُّ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشقِ مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

دادیم ترا از گنج مقصود نشان گر ما نہ سیدیم تو شاید برسی

یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتا بتا دیا ہے، اگر ہم نہیں پہنچ سکتے تو شاید تو پہنچ جائے۔

حضرت خواجہ احراق قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پیری کروں تو کسی شیخ کو دنیا میں کوئی مرید نہ ملے لیکن مجھے ایک دوسرا کام فرمایا گیا ہے اور وہ شریعت کو رواج دینا اور مذہب کی تائید کرنا ہے۔ اسی لیے (آپ) بادشاہوں کی صحبت میں جاتے تھے اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع بناتے تھے اور ان کے ذریعے شریعت کو رواج فرماتے تھے۔ (فقیر کی) یہی التماس ہے کہ جب حق سبحانہ نے اس خاندان کے اکابرین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ آپ کی معیت کی برکت سے آپ کی بات کو تاثیر بخشی ہے اور آپ کی مسلمانی کی عظمت معاصرین کی نظر میں عیاں ہو گئی ہے تو پھر آپ سعی فرمائیں کہ کم از کم اہل کفر کے بڑے بڑے احکام جو اسلام میں رواج پکڑ گئے ہیں، وہ ویران اور بوسیدہ ہو جائیں اور اہل اسلام ان منکرات سے محفوظ ہو جائیں۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيعِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ہماری اور سب مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس سے پہلی حکومت (دور اکبری) میں (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے ساتھ دشمنی معلوم ہوتی تھی اور اس حکومت میں ظاہری طور پر وہ عناد نہیں ہے۔ اگر ہے تو بے علمی کی وجہ سے ہے۔ خوف یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی نوبت دشمنی تک پہنچ جائے اور مسلمانوں پر معاملہ زیادہ تنگ ہو جائے:

ع چو بید بر سر ایمان خویش می لرزم

یعنی: میں اپنے ایمان پر بید کی طرح لرز رہا ہوں۔

ثَبَّتْنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاَيَّاكُمْ عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَى الْاِلٰهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ.

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سردار الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع پر ثابت قدم رکھے۔

فقیر ایک تقریب پر یہاں آیا تھا۔ اس نے یہ نہ چاہا کہ اپنے آنے کی اطلاع آپ کو نہ دے اور بعض نفع دینے والی باتیں نہ لکھے اور اپنی دلی محبت، جو کہ فطری مناسبت کی وجہ سے ہے، کی آپ کو خبر نہ دے، کیونکہ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَوَةُ وَالسَّلَامُ مَنْ أَحَبَّ اَخَاهُ فَلْيُعْلَمْ اِيَّاهُ. (۴) یعنی: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو دوست رکھتا ہے، پس وہ اپنی اس محبت کا اس پر اظہار کر دے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى جَمِيعٍ مِّنْ اَتْبَاعِ الْهُدٰى.

یعنی: آپ پر اور ہدایت کے راستے پر چلنے والے (سب لوگوں) پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۶۶)

یہ بھی خان اعظم کو تحریر فرمایا۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تعریف اور اس طریقہ کی صحابہ کرام علیٰ صاحبہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ سے مناسبت کے بیان میں اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی دوسروں پر افضلیت اگرچہ وہ (حضرت) اولیس قرنی (رضی اللہ عنہ) یا عمر مروانی (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ) ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کا طریقہ ابتدا میں انتہا درج ہونے پر مبنی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں اور یہ طریقہ بالکل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقہ کے مطابق ہے، کیونکہ ان بزرگواروں کو آنسور و علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی پہلی صحبت میں وہ کچھ میسر ہو جاتا تھا کہ امت کے اولیاء کو نہایت انتہائی مقام میں اس کمال میں سے بہت تھوڑا سا حصہ ہاتھ لگتا تھا۔ اسی لیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل (حضرت وحشی (رضی اللہ عنہ)، جنہوں نے اپنے اسلام لانے کے آغاز میں اولین و آخرین کے سردار (حضرت محمد) علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات والتحیات کی صرف ایک ہی مرتبہ صحبت کا شرف پایا تھا، وہ تابعین میں سب سے بہتر (حضرت) اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) سے افضل ہو گئے اور جو کچھ (حضرت) وحشی (رضی اللہ عنہ) کو خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وآلہ الصلوٰة والسلام کی پہلی صحبت میں میسر ہوا وہ (حضرت) اویس قرنی (رضی اللہ عنہ) کو اس خصوصیت (یعنی تابعین میں سب سے بہتر ہونے کے باوجود) بھی میسر نہیں ہوا۔ (پس) بیشک سب زمانوں میں بہترین زمانہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا زمانہ ہوا۔ لفظ ”ثم“^(۱) نے دوسروں کے معاملہ کو پیچھے ڈال دیا اور درجہ کی دوری کی جانب اشارہ کر دیا۔

ایک شخص نے (حضرت) عبداللہ بن مبارک قدس سرہ سے سوال کیا: ”أَيُّهُمَا أَفْضَلُ مَعَاوِيَةُ أَمْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ قَالَ الْعَبَّارُ الَّذِي دَخَلَ أَنْفَ فَرَسٍ مُعَاوِيَةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَيْرٌ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَذَا مَرَّةً.“

یعنی: (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) میں سے کون افضل ہے؟ انہوں (حضرت عبداللہ مبارک) نے فرمایا: جو غبار (سفر میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا، وہ (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) سے کئی درجے بہتر ہے۔ پس ناچار ان حضرات (نقشبندیہ) کا سلسلہ سلسلۃ الذہب (سنہری سلسلہ) ہوا اور اس طریقہ عالیہ کی فضیلت دوسرے طریقوں پر اس طرح ہے، جس طرح کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے زمانہ کی فضیلت دوسرے زمانوں پر عیاں ہو گئی ہے۔ جن لوگوں کو کمال فضل سے شروع ہی میں اس پیالے سے پانی کا گھونٹ پلا دیں، ان کے علاوہ دوسروں کو ان کے کمالات کی حقیقت پر اطلاع پانا مشکل ہے۔ ان کی انتہا دوسروں کی انتہا سے بلند تر ہوگی:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر۔

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیدا است

یعنی: جو سال اچھا ہوتا ہے، وہ اپنی بہار سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ الحديد، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند (قدس اللہ سرہ) فرماتے تھے کہ ہم فضلی ہیں (یعنی ہمارے سارے کام اللہ سبحانہ کے فضل سے وابستہ ہیں)۔ جَعَلَنَا اللَّهُ سُبحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ مِنْ مُجِبِّي هَؤُلَاءِ الْأَكَابِرِ وَمُتَابِعِي آثَارِهِمْ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْقُرْشِيِّ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. یعنی: اللہ سبحانہ اپنے قریشی نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اور آپ کو ان بزرگواروں کے محبت کرنے والوں اور اتباع کرنے والوں میں سے بنائے۔

مکتوب نمبر (۶۷)

یہ بھی خان خاناں کو ایک محتاج کی سفارش کے لیے تحریر فرمایا۔

تَبَتَّنَا اللَّهُ سُبحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔

ع وَيَرْحَمُ اللَّهُ عَبْدًا قَالِ آمِينًا

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

دو ضروری کاموں نے اس پر بے اختیار تیار کیا کہ آپ کو تکلیف دی جائے۔ پہلا کام تکلیف کے گمان کو رفع کرنے، بلکہ محبت و اخلاص کے حاصل ہونے کا اظہار ہے اور دوسرا کام ایک محتاج کی حاجت کی جانب اشارہ ہے جو بزرگی و نیکی سے مزین ہے اور معرفت و شہود سے آراستہ، نسب کے لحاظ سے کریم اور حسب کے لحاظ سے شریف ہے۔

میرے مخدوم! حق کے اظہار میں ایک طرح کی تلخی ہے، خواہ وہ شدت و ضعف کے لحاظ سے مختلف ہو۔ کوئی بہت ہی سعادت مند ہوگا جو اس تلخی کو شہد کی مانند پی جائے اور ہلّ مِنْ مَزِيد (کیا کچھ اور بھی ہے) کہے۔

حالات کا تغیر و تبدل امکان کی صفت کے لوازمات میں سے ہے، جو لوگ تمکین (کے مرتبہ) تک پہنچ چکے ہیں، وہ تلوین سے خالی نہیں ہیں۔ بیچارہ ممکن کبھی صفات جلالیہ کے غلبہ سے مغلوب اور کبھی صفات جمالیہ کا محکوم ہے۔ کبھی قبض کے محل میں اور کبھی بسط کے مقام میں ہے۔ ہر موسم کے احکام الگ ہیں، کل کچھ اور تھا اور آج کچھ اور ہے۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ الْأَضْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ^(۱)

یعنی: مؤمن کا دل رحمن (اللہ تعالیٰ) کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو پلٹ دیتا ہے۔

وَالسَّلَامُ. (اور سلام ہو)۔

مکتوب نمبر (۶۸)

یہ بھی خان خاناں کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ تو وضع دولت مندوں کو زیب دیتی ہے اور بے نیازی فقر کے لیے زیبا ہے،

اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس) کے بیان میں۔

الْخَيْرُ فِيمَا صَنَعَ اللَّهُ سُبحَانَهُ. یعنی: بہتر وہی ہے جو اللہ سبحانہ کرے۔

میرے مخدوم!

من آنچه شرط بلاغ است با تومی گویم تو خواه از خنم پند گیر و خواه ملال

یعنی: جو کچھ کہنے کے لائق ہے، میں وہ تجھے کہتا ہوں، خواہ تو میری بات سے نصیحت حاصل کرے یا رنجیدہ ہو۔
تواضع و دلتندوں سے اچھی ہے اور استغناء (بے نیازی) اہل فقر سے (بھلی) ہے، کیونکہ علاج بالمقابل چیزوں سے
کیا جاتا ہے۔ آپ کے تینوں خطوط میں استغناء کے سوا کچھ سمجھ نہیں آیا، اگرچہ آپ کا مقصود تواضع تھا۔ مثلاً آخری خط میں تحریر تھا:
”حمد و صلوة کے بعد واضح ہو“۔

اس عبارت پر اچھی طرح غور فرمائیں کہ کہاں لکھنی چاہیے۔ جی ہاں! آپ نے فقر کی خدمت بہت زیادہ کی ہے، لیکن
خدمت کے آداب کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، تاکہ اس کا پھل بھی حاصل ہو۔ وَبَدُوْنَهَا خَرُطُ الْقَتَادِ۔ ورنہ اس کے بغیر
بے فائدہ رنج اٹھاتا ہے۔ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں۔ اَمَّا التَّكَبُّرُ مَعَ
الْمُتَكَبِّرِينَ صَدَقَہُ۔ لیکن متکبروں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔

کسی آدمی نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ کو کہا کہ یہ شخص متکبر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا تکبر اللہ سبحانہ کی
کبریائی کی طرف سے ہے۔ آپ اس گروہ کو ذلیل و خوار نہ سمجھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: ”رُبَّ اشْعَثٍ
مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ قَسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ۔“^(۱) یعنی: بہت سے بکھرے ہوئے بالوں والے ایسے درویش ہیں جن کو
لوگ اپنے دروازوں سے دھکیل دیتے ہیں، لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کو قسم کو ضرور پورا فرما دیتا ہے:

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

یعنی: میں نے تھوڑا سا غم دل تیرے سامنے بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده دل ہو جائے گا ورنہ بات لمبی ہے۔
آپ کے عزیز چاہنے والوں اور مخلص دوستوں کو چاہیے کہ حقیقت حال کو نگاہ میں رکھیں اور جو کچھ آپ تک پہنچائیں، وہ
واقعہ کے مطابق صحیح ہو اور جو مشورہ بھی دیں، اس میں آپ کی صلاح کا لحاظ رکھیں، نہ کہ اپنی مصلحتوں کو پیش نظر رکھیں، کیونکہ
یہ محض خیانت ہے۔ اس سفر کی اصلی غرض یہ تھی کہ آپ کو کچھ نفع ہو، لیکن عالم اسباب میں آپ کے محبوں اور مخلصوں نے (اسے)
نہ ہونے دیا، اس (فقیر کی) جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہ سمجھیں۔ اگرچہ اس طرح کی باتیں تلخ معلوم ہوتی ہیں، لیکن آپ کی
خوشامد کرنے والے بہت ہیں۔ ان کو ہی کافی سمجھیں۔ فقر کی دوستی سے مقصود پوشیدہ عیبوں سے اطلاع پانا ہے اور چھپی ہوئی
برائیوں کا ظاہر ہونا ہے، لیکن آپ جان لیں کہ اس قسم کی باتوں کا اظہار دکھ دینے کے لیے نہیں ہے، بلکہ خیر خواہی اور دل سوزی
کی غرض سے ہے۔ آپ یقین کریں۔

خواجہ محمد صدیق اگر ایک دن پہلے آتے تو احتمال تھا کہ فقیر بہر حال خود کو آپ کی خدمت میں پہنچاتا، لیکن وہ سرہند کے راستے
کے دوران ملے، (لہذا) آپ معذور فرمائیں گے۔ اَلْخَيْرُ فِيمَا صَنَعَ اللَّهُ مُبْحَانَهُ۔ یعنی: بہتر وہی ہے جو اللہ سبحانہ کرے۔

مکتوب نمبر (۶۹)

یہ بھی خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تواضع دونوں جہانوں کی عزت کا ذریعہ ہے اور اس بیان میں کہ نجات

فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کی اتباع پر وابستہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ۔

یعنی: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے رسول (مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام ہو۔
آپ کا گرامی محبت نامہ جو آپ نے مولانا محمد صدیق کے ہمراہ ارسال کیا تھا، موصول ہوا، آپ نے کرم فرمایا، جَزَاکُمُ
اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

چونکہ آپ نے فقرا کے آداب کا لحاظ رکھا ہے اور تواضع سے بات کی ہے، (لہذا) امید ہے کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ
اللَّهُ^(۱) (جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی، اللہ نے اسے بلند کر دیا) کی رُو سے یہ عاجزی دین و دنیا کی سر بلندی کا ذریعہ
بن جائے گی، بلکہ بن گئی ہے۔ بُشْرَى لَكُمْ۔ یعنی: آپ کو بشارت (و مبارک) ہو۔ چونکہ آپ نے انابت اور رُجوع کے
الفاظ درمیان میں رکھے ہیں، (لہذا) یوں تصور فرمائیں کہ یہ انابت درویشوں میں سے ایک درویش کے ہاتھ پر واقع ہوئی
ہے، اس کے ثمرات کے منتظر رہیں، لیکن جہاں تک ممکن ہو اس کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔

(فقیر) کیا کیا صیتیں اور نصیحتیں تحریر کرے اور علوم و معارف میں سے کیا ظاہر کرے، کیونکہ علمائے مجتہدین اور
صوفیائے محققین شُکْرُ اللَّهِ تَعَالَى سَعِيهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے اس بات کی شرح و تفصیل میں کوئی
کوتاہی جائز نہیں رکھی۔ بعض دوست اس بے سرو سامان کے مسودات میں سے کچھ ظاہری طور پر آپ کی خدمت میں لے گئے
ہیں، جو آپ کی نظر شریف سے گزرے ہوں گے۔

مختصر یہ ہے کہ نجات کا طریقہ افعال و اقوال اور اصول و فروع میں اہل سنت و جماعت کَثَرُھُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (اللہ
سبحانہ ان میں اضافہ فرمائے) کی متابعت میں ہے۔ پس یہی نجات پانے والا فرقہ ہے اور اس کے علاوہ جو فرقے بھی ہیں وہ
زوال کے مقام اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔ آج کوئی اس کو سمجھے یا نہ سمجھے، کل (قیامت) کو اسے سب جان لیں گے اور
اس کا کوئی نفع نہیں ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ نَبِّھِنَا قَبْلَ اَنْ یُّنَبِّھَنَا الْمَوْتُ۔

یعنی: اے اللہ! تو ہمیں (اس غفلت سے) بیدار کر، اس سے پہلے کہ موت ہمیں بیدار کرے۔
سرداری کے لائق سید ابراہیم قدیم سے آپ کی بلند درگاہ سے ایک تعلق رکھتے ہیں اور دعا کرنے والوں کی لڑی میں
شامل ہیں۔ آپ کے کرم و بخشش پر لازم ہے کہ (ان کی) مدد فرمائیں گے، تاکہ وہ فقر اور بڑھاپے کے وقت میں اپنے اہل و
عیال کے ساتھ با فراغت گزارہ کریں اور آپ کے لیے دونوں جہان کی سلامتی کی دعا میں مشغول رہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۷۰)

یہ بھی خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کے لیے جس طرح اس کی جامعیت اس کے قرب کا ذریعہ ہے،
اسی طرح یہ جامعیت اس کے بعد کا موجب بھی ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
بَيَّنَّکُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى جَادَةِ الشَّرِيعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔
یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

ع وَبَرَحْمُ اللَّهُ عَبْدًا قَالَ آمِينَ

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

انسان کے لیے جس طرح کہ اس کی جامعیت اس کے قرب (الہی) اور کرامت و فضیلت کا ذریعہ ہے، اسی طرح اس کی (اللہ تعالیٰ سے) دوری اور گمراہی و جہالت کا موجب ہے۔ قرب کا ذریعہ تو اس لیے ہے کہ اس کا آئینہ (قلب) تمام و کمال ہے اور تمام اسماء و صفات بلکہ تجلیات ذاتیہ کے ظہور کی بھی قابلیت رکھتا ہے۔ حدیث قدسی: ”لَا يَسْعَىٰ أَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلَا يَسْعَىٰ قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ“^(۱) (یعنی: میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں) میں اسی بیان کی جانب اشارہ ہے۔ بندے کے (اللہ تعالیٰ) سے بُعد (دوری) کا سبب دنیا کی چیزوں میں سے ہر چیز کا محتاج ہونے کی وجہ سے ہے، کیونکہ اس کو سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ (ارشاد الہی ہے): خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا. (سورۃ البقرہ، ۲۹) یعنی: جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں، تمہارے لیے پیدا کیں۔ اس احتیاج کی وجہ سے اس (بندے) کو سب چیزوں کے ساتھ گرفتاری ہے، جو اس کے بُعد (دوری) اور گمراہی کا سبب بن گئی ہے:

پایہ آخر آدم است و آدمی گشت محروم از مقام محرمی
گر نہ گردد باز مسکین زیں سفر نیست ازوے ہچکس محروم تر

یعنی: انسان کا رتبہ سب سے آخر ہے، (لہذا) وہ مقام محرمی سے محروم ہو گیا ہے۔

♦ اگر وہ مسکین اس سفر سے واپس نہ لوٹے تو اس سے زیادہ محروم کوئی نہیں ہے۔

پس سب مخلوقات میں بہتر بھی انسان ہی ہے اور سب کائنات میں بدتر بھی وہی ہے۔ کیونکہ سب جہانوں کے پروردگار کے حبیب (حضرت) محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات بھی انسانوں میں سے تھے اور آسمانوں اور زمینوں کے رب کا دشمن ابو جہل لعین بھی انہی میں سے تھا۔ پس ناچار جب تک ان سب کی گرفتاری سے آزاد ہو کر ایک خدا کے ساتھ جو ایک ہونے سے بھی منزہ و پاک ہے، گرفتار نہ ہو جائیں اُس وقت تک خرابی ہی خرابی ہے، لیکن مَا لَا يُدْرِكُ كُفْلُهُ لَا يَتْرُكُ كُفْلُهُ (جو چیز پوری طرح حاصل نہ ہو سکے، وہ کُلی طور پر چھوڑی نہیں جاسکتی) کی رُو سے اپنی چند روزہ زندگی کو صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتحیات کی اتباع میں گزارنا چاہیے۔ کیونکہ آخرت کے عذاب سے رہائی اور دائمی نعمتوں سے بامراد ہونا اسی اتباع کی سعادت پر وابستہ ہے۔

پھر بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے جانوروں کی زکوٰۃ پوری طرح ادا کرنی چاہیے اور اسے مالوں اور جانوروں سے عدم گرفتاری کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں کو نفس کی لذت کا وسیلہ نہیں بنانا چاہیے، بلکہ کھانے اور پینے سے طاعت کے ادا کرنے کی طاقت حاصل کرنے کے علاوہ کوئی اور نیت نہیں کرنی چاہیے اور (عمدہ لباس کو آیت) کریمہ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (سورۃ الاعراف، ۳۱) یعنی: ہر نماز کے وقت اپنی زینت حاصل کر لیا کرو) کے مطابق مذکورہ بالا زینت کی نیت سے پہننا چاہیے اور کسی اور نیت کو اس میں نہیں ملانا چاہیے۔ اگر نیت کی حقیقت میسر نہ ہو تو اپنے آپ کو تکلف سے اس نیت پر لانا چاہیے۔ (جیسا کہ حدیث میں وارد ہے): وَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَبَاكُوا۔^(۲) یعنی: اگر تم کو رو نہ آئے تو رونے والوں کی سی صورت بنالو۔

ہمیشہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں التجا اور زاری کرنی چاہیے تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو جائے اور تکلف جاتا رہے:

می تواند کہ دہد اشک مرا حسن قبول آنکہ دُر ساخته است قطره بارانی را

یعنی: ہو سکتا ہے کہ (وہ ہستی) میرے آنسو کو حسن قبولیت بخش دے، جس نے بارش کے قطرہ کو موتی بنا ڈالا ہے۔

اسی طرح تمام کاموں میں دیندار علماء، جنہوں نے عزیمت کو اختیار کیا ہے اور رخصت سے پرہیز کیا ہے، کے فتویٰ کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے اور اس کو دائمی نجات کا وسیلہ سمجھنا چاہیے۔ (ارشادِ الہی ہے): مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ. (سورۃ النساء، ۱۴۷) یعنی: اگر تم (اللہ کے) شکر گزار رہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔

مکتوب نمبر (۷۱)

میرزا داراب ابن خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ منعم (انعام کرنے والے) کا شکر منعم علیہ (جس پر انعام کیا گیا ہو) پر واجب ہے اور شکر کا حصول شریعت کی ادائیگی پر ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

اَيْدِكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَنَصَرَكُمْ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کی مدد کرے اور آپ کو نصرت عطا فرمائے۔ عقلی اور شرعی طور پر منعم (انعام کرنے والے) کا شکر (ادا کرنا) منعم علیہ (جس پر انعام کیا گیا ہو) پر واجب ہے اور

معلوم ہے کہ نعمت کے وصول ہونے کے اندازے کے مطابق شکر واجب ہے۔ پس جس قدر نعمت زیادہ وصول ہوئی، اتنا ہی شکر بھی زیادہ واجب ہے۔ پس اس لحاظ سے دولت مندوں پر ان کے درجات کے فرق کے مطابق فقرا کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ شکر واجب ہے۔ اسی لیے اس امت کے فقرا و دولت مندوں سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔^(۱)

منعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کا شکر اول یہ ہے کہ فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد صحیح کیے جائیں۔ دوسرا یہ کہ اس فرقہ عالیہ (اہل سنت و جماعت) کے ائمہ مجتہدین کے اجتہادات کے مطابق شرعی عملی احکامات کو بجالایا جائے۔ تیسرا یہ کہ اس فرقہ عالیہ کے صوفیہ کرام کے سلوک کے مطابق تصفیہ و تزکیہ حاصل کیا جائے۔ اس روشن فرقہ کے صوفیہ عالیہ کے سلوک کے مطابق بخلاف پہلے اراکین کے، اس (تیسرے) رکن کا واجب ہونا استحسان کے طور پر ہے۔ کیونکہ اصل اسلام انہی دو اراکین سے وابستہ ہے اور کمال اسلام اسی (آخری) رکن سے متعلق ہے۔ جو عمل ان تین اراکین کے خلاف ہو، خواہ وہ سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں میں سے ہو، منعم جل سلطانہ (اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی و ناشکری میں داخل ہے۔

ہندو برہمنوں اور یونانی فلسفیوں نے خود کو ریاضتوں اور مجاہدوں سے معاف نہیں کیا، لیکن وہ ریاضتیں چونکہ انبیاء صَلَوَاتُ اللَّهِ تَعَالٰی وَتَسْلِيْمَاتُهُ عَلٰی اَجْمَعِهِمْ عَمُوْمًا وَعَلٰی اَفْضَلِهِمْ خُصُوْعًا کی شریعتوں کے مطابق نہیں کی گئیں، لہذا مردود ہیں اور آخرت کی نجات سے بے نصیب ہیں۔

پس آپ پر ہمارے سردار، ہمارے مولیٰ، ہمارے گناہوں کے شفیع، ہمارے دلوں کے طبیب، سید المرسلین (حضرت) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع اور خلفائے راشدین مہدیین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی پیروی واجب ہے۔

مکتوب نمبر (۷۲)

خواجہ جہاں کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ دین کو دنیا کے ساتھ جمع کرنا مشکل ہے۔ پس آخرت کے طالب کے لیے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے اور اگر حقیقی ترک حاصل نہ ہو تو ترک حکمی ضروری ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
سَلِّمَکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَعَافَاکُمْ۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو سلامت رکھے اور عافیت کے ساتھ رکھے۔

ع مَا أَحْسَنَ الدِّینُ وَالْدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا
یعنی: کتنا اچھا ہو اگر دین و دنیا جمع ہو جائیں۔

دین و دنیا کو جمع کرنا متضاد چیزوں کے جمع کرنے کی مانند ہے۔ پس آخرت کے طالب کے لیے دنیا کا ترک کرنا ضروری ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اس کا حقیقی ترک حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ دشوار ہے، لہذا مجبوراً ضرورت کے وقت ترک حکمی ہی اختیار کر لینا چاہیے۔ ترک حکمی سے مراد یہ ہے کہ دنیاوی کاموں میں روشن شریعت کے حکم کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور کھانے پینے، سو گھنے اور رہنے سہنے میں شرعی حدود کا لحاظ رکھنا چاہیے اور ان حدود سے تجاوز کرنا پسند نہیں کرنا چاہیے۔ بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے جانوروں کی فرض شدہ زکوٰۃ کو ادا کرنا چاہیے۔ جب احکام شرعی سے آراستہ ہونا میسر ہو گیا تو دنیا کے نقصان سے نجات حاصل ہو گئی اور وہ آخرت کے ساتھ جمع ہو گئی۔ اگر (کسی کو) اس قسم کا ترک حکمی بھی میسر نہ ہو تو وہ اس بحث سے خارج ہے اور وہ منافق کا حکم رکھتا ہے، کیونکہ (صرف) ظاہر ایمان آخرت میں اس کے لیے سودمند نہیں ہوگا۔ اس کا فائدہ (صرف) دنیا میں جان و مال کی حفاظت ہے:

من آنچه شرط بلاغ است با تو می گویم تو خواه از سختم پند گیر و خواه ملال
یعنی: جو کچھ کہنے کے لائق ہے میں وہ کچھ تجھے کہتا ہوں، تو میری بات سے نصیحت حاصل کر یا رنجیدہ ہو۔

ایسا خوش نصیب آدمی کون ہوگا جو ایسی دنیاوی شان و شوکت، ان خادموں اور لشکروں، ان لذیذ و روغنی کھانوں اور پُر افتخار و نفیس لباسوں کے ہوتے ہوئے حق بات کو قبولیت کے کانوں سے سنے:

گوشش از بارِ دُر گراں شدہ است نشود نالہ و فغاں مرا
یعنی: اس کا کان موتی کے بوجھ سے بوجھل ہو چکا ہے، وہ میری آہ و فغاں کو نہیں سن سکتا۔

اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو شریعتِ مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقیۃ کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔
باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ زکریا، جو پہلے کروڑی (تحصیلدار) تھے، آج کل جیل میں قید ہیں، عالم و فاضل ہیں۔ شومئی اعمال سے ایک مدت سے جیل میں بند ہیں۔ بڑھاپے کی کمزوری، گزراوقات کی تنگی اور مدت قید کے لمبا ہونے کی وجہ سے تنگ ہو کر (انہوں نے) فقیر کو لکھا ہے کہ چھاؤنی میں آکر ہماری رہائی کی کوشش کریں۔ راستے کی مسافت کی زیادتی رکاوٹ (بني) ہے۔ میرے بھائی خواجہ محمد صادق (صدیق) آپ کی خدمت میں جا رہے تھے، ضرورت کے تحت چند کلمات لکھ کر آپ کو تکلیف دی جا رہی ہے۔ امید ہے اس بوڑھے ضعیف کے بارے میں آپ اپنی توجہ عالی کو متوجہ کریں گے، کیونکہ وہ عالم ہیں اور بوڑھے بھی۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔

مکتوب نمبر (۷۳)

قلیج اللہ بن قلیج خان کی جانب تحریر فرمایا۔ دنیا اور اہل دنیا کی مذمت میں اور بے فائدہ علوم حاصل کرنے کی برائی، فضول مباحات سے بچنے اور خاص طور پر جوانی میں خیرات اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

حق سبحانہ و تعالیٰ آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن شریعت کے سیدھے راستے پر استقامت ارزانی فرمائے۔

اے فرزند! دنیا آزمائش اور مصیبت کی جگہ ہے۔ اس کے ظاہر کو طرح طرح کی فضول چیزوں سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا ہے اور اس کی صورت کو فرضی تل، خط، زلف اور رخسار سے زیبا بنایا گیا ہے۔ دیکھنے میں میٹھی ہے اور تخیل میں تروتازہ، لیکن حقیقت میں وہ عطر لگا ہوا بدبودار مردار، مکھیوں اور کیڑوں سے پرگندگی کا ڈھیر، پانی کی مانند نظر آنے والا سراب اور زہر جیسی شکر ہے۔ اس کا باطن سراسر خراب اور اتر ہے۔ باوجود اس گندگی کے اپنے اہل (دنیا داروں) کے ساتھ اس کا معاملہ جتنا بھی کہا جائے، خراب اور بدتر ہے۔ اس کا عاشق دیوانہ اور جادو کا مارا ہوا ہے۔ اس کا گرفتار دیوانہ اور فریب خوردہ ہے۔ جو شخص اس کے ظاہر پر فریفتہ ہوا، اسے ہمیشہ کے نقصان کا داغ لگ گیا۔ جس نے اس کی لذت اور تازگی پر نگاہ کی، اس کو ہمیشہ کی شرمندگی نصیب ہوئی۔

سرور کائنات سب جہانوں کے پروردگار کے حبیب (حضرت محمد) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّوَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ نے ارشاد فرمایا: مَا الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ إِلَّا ضَرَّتَانِ إِنْ رَضِیْتَ أَحَدَهُمَا سَخَطْتَ الْآخَرَىٰ۔^(۱)

یعنی: دنیا اور آخرت دونوں (آپس میں) سوکنیں ہیں، اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔ پس جس شخص نے دنیا کو راضی کیا، آخرت اس سے ناراض ہے۔ پھر ناچار وہ آخرت سے بے نصیب ہو گیا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَيُّكُمْ مِنْ مَّحَبَّتِهَا وَمَحَبَّتِ اَهْلِهَا۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو دنیا اور اہل دنیا کی محبت سے بچائے۔ اے فرزند! کیا تو کچھ جانتا ہے کہ دنیا کیا ہے؟ (دنیا ہر وہ چیز ہے) جو تجھے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دور رکھے! پس بیوی بچے، مال و جاہ، ریاست، لہو و لعب اور بیکار کاموں کی مشغولیت سب دنیا میں داخل ہے۔ جو علوم آخرت میں کام نہ آئیں وہ بھی دنیا ہیں۔ اگر نجوم و منطق اور ہندسہ و حساب اور اس طرح کے دوسرے بے فائدہ علوم کی تحصیل کام آتی تو فلسفی اہل نجات میں سے ہوتے۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَامَةُ اَعْرَاضِہٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا لَا یُعِیْبُہٗ۔^(۲)

یعنی: بندے کا فضول کاموں میں مشغول ہونا، اللہ تعالیٰ کی اس سے منہ پھیر لینے کی علامت ہے:

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

یعنی: اللہ تعالیٰ کے عشق کے سوا جو کچھ (جتنا بھی) اچھا ہے، خواہ شکر کھانا ہو، وہ (بھی) عذاب ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ نماز کے اوقات کو پہچاننے کے لیے علم نجوم کی ضرورت ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو جانے بغیر نماز کے اوقات کی پہچان حاصل نہیں ہوتی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ علم نجوم نماز کے اوقات کو پہچاننے کے طریقوں میں

سے ایک طریقہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو علم نجوم سے آگاہ نہیں ہیں اور وہ نماز کے اوقات کو علم نجوم کے ماہرین سے بہتر جانتے ہیں۔ علم منطق، حساب اور اس طرح کے دوسرے علوم، جن کا مجمل طور پر حاصل کرنا بعض شرعی علوم کے لیے ضروری ہے، ان کے حاصل کرنے کی وجہ بھی یہی بیان کی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ بہت سے حیلوں کے بعد ان علوم کے ساتھ مشغول ہونے کا جواز پیدا ہوتا ہے، بشرطیکہ شرعی احکام کی معرفت اور علم کلام کے دلائل کی تقویت کے علاوہ ان کے حاصل کرنے سے اور کوئی غرض مد نظر نہ ہو، ورنہ (ان علوم کی مشغولیت) ہرگز جائز نہیں۔

انصاف کرنا چاہیے کہ جس مباح کام کے اختیار کرنے سے واجب امور فوت ہو جائیں، وہ اباحت کی حد سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں؟ (اس میں کوئی) شک نہیں ہے کہ ان علوم میں مشغول ہونے سے شرع کے ضروری علوم میں مشغول ہونا فوت ہو جاتا ہے۔

اے فرزند! اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی بجد کمال درجے کی عنایت سے تجھے جوانی کے آغاز میں توبہ کی توفیق کرامت فرمائی تھی اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درویشوں میں سے ایک درویش کے ہاتھ پر (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے کی توفیق بخشی۔ میں نہیں جانتا کہ نفس اور شیطان کے ہاتھ سے تجھے اس توبہ پر ثابت قدمی نصیب ہوئی ہے یا نہیں؟ استقامت مشکل نظر آتی ہے! کیونکہ آغازِ جوانی کا وقت ہے، سارے دنیاوی اسباب میسر ہیں اور اکثر مصاحب و ہم نشین بھی نامناسب اور ناموزوں ہیں:

ہمہ اندر ز من بتو ایں است کہ تو طفلی و خانہ رنگیں است

یعنی: میری طرف سے تجھے سب نصیحت یہی ہے کہ تو ایک بچہ ہے اور گھر بڑا رنگین ہے۔

اے فرزند! (کرنے کا) کام یہ ہے کہ فضول مباح چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور مباح چیزوں میں سے بقدر ضرورت پر کفایت کرنی چاہیے اور وہ بھی عبادت کے وظائف ادا کرنے پر جمعیت (حاصل ہونے) کی نیت سے ہونی چاہیے، مثلاً خوراک سے مقصود بندگی کرنے کی طاقت حاصل کرنا، لباس سے مقصود ستر عورت کا ڈھانپنا اور گرمی و سردی سے بچنا ہونا چاہیے۔ باقی تمام ضروری مباح چیزوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے۔

اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے اور حتی الامکان رخصت سے اجتناب فرمایا ہے۔ منجملہ تمام عزیزیموں کے بقدر ضرورت پر اکتفا کرنا بھی ایک طرح کی عزیمت ہے۔ اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو مباحات کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھنا چاہیے اور حرام اور مشتبہ چیزوں کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کمالِ کرم سے مباح امور کے ساتھ نہایت کامل اور مکمل طور پر لطف اندوز ہونے کو جائز فرمایا ہے اور ان نعمتوں کے دائرہ کو بہت وسیع کیا ہے۔ ان نعمتوں سے قطع نظر کونسا عیش اس چیز کے برابر ہے کہ اس شخص کا مولیٰ (تعالیٰ) اس کے کام سے راضی ہو جائے اور کونسا ظلم اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ اس کا سردار (اللہ تعالیٰ) اس کے اعمال سے ناراض ہو جائے۔ رَضَاءُ اللَّهِ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ النَّارِ وَ سَخَطُ اللَّهِ تَعَالَى فِي النَّارِ شَرٌّ مِّنَ النَّارِ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ کی رضا جنت میں جنت سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی جہنم میں جہنم سے بدتر ہے۔

یہ آدمی اپنے مولیٰ (تعالیٰ) کے حکموں کا پابند غلام ہے، اس کو خود مختار نہیں بنایا گیا کہ جو کچھ چاہے کرتا پھرے، اس کی اسے آزادی نہیں دی گئی۔ سوچنا چاہیے اور دور اندیش عقل سے کام لینا چاہیے۔ کل (قیامت کو) ندامت اور نقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ کام کا وقت جوانی کا زمانہ ہے۔ جو ان مردہ ہے جو اُس وقت کو ضائع نہ کرے اور فرصت کو غنیمت سمجھے۔ گمان ہے کہ اس بڑھاپے تک نہیں رہنے دیں گے، اور اگر رہنے دیا گیا تو جمعیت میسر نہیں ہوگی، اور اگر میسر بھی ہوئی تو ضعف اور سستی کے وقت میں کام نہیں کر سکے گا۔ اب جبکہ تمام اسباب جمعیت میسر ہیں اور اللہ سبحانہ کے تمام انعامات میں سے بڑا انعام والدین کا موجود ہونا ہے کہ اس شخص کے معاش کا غم بھی ان کے سر پر ہے۔ فرصت کا وقت ہے اور قوت و استطاعت کا زمانہ! (پھر) کس عذر سے آج کا کام کل پر ڈالا جائے؟ اور (سفری) سامان (کی تیاری) کو آج کل کے وعدے پر لٹکایا جائے!

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ هَلْكَ الْمُسَوِّفُونَ. یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج کل کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ ہاں! اگر کیمنی دنیا کے ضروری کاموں کو کل پر ڈال دیں اور آج آخرت کے اعمال میں مشغول ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہے، جیسا کہ اس کے اُلٹ کرنا بہت ہی برا ہے۔ جوانی کے آغاز میں جبکہ دین کے دشمنوں، نفس اور شیطان کا غلبہ ہے، تھوڑا سا عمل بھی اتنا معتبر ہے کہ ان کے غلبہ نہ ہونے کے وقت اس سے کئی گنا زیادہ عمل اتنا معتبر نہیں ہے۔ فن سپاہ گری میں دشمنوں کے غلبہ کے وقت کام کرنے والے سپاہیوں کا تھوڑا سا تردد (عمل) بھی معتبر اور نمایاں ہوتا ہے اور دشمنوں کے شر سے امن کے وقت میں بہت زیادہ تردد (عمل) بھی اتنا معتبر نہیں ہوتا۔

اے فرزند! انسان جو کہ خلاصہ موجودات ہے، اس کی تخلیق کا مقصد نہ تو کھیل کود ہے اور نہ ہی کھانا اور سونا ہے۔ اس سے مقصود بندگی کے وظائف کو ادا کرنا ہے اور خواری و انکساری، عاجزی و مسکینی اور اللہ جل سلطانہ کی پاک درگاہ میں دائمی التجا و زاری کرنا ہے۔ (ایسی) عبادت جس کو شرع محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان کرتی ہے اور اس کی ادائیگی سے مقصود بندوں کے فائدے اور مصلحتیں ہیں اور اللہ عز شانہ کی بارگاہ پاک کو اس سے کچھ نفع نہیں پہنچتا۔ (یہ عبادت) دل و جان سے احسانمند ہو کر ادا کرنی چاہیے اور کمال عاجزی و فرمانبرداری سے اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ سبحانہ نے غنی مطلق ہونے کے باوجود بندوں کو اوامر اور نواہی سے سرفراز فرمایا ہے۔ ہم محتاجوں کو اس نعمت کا شکر پوری طرح ادا کرنا چاہیے اور کامل احسانمندی کے ساتھ احکام کی فرمانبرداری میں کوشش کرنی چاہیے۔

اے فرزند! آپ جانتے ہیں کہ دنیا داروں میں سے کوئی شخص جو ظاہری شوکت و جاہ رکھتا ہو، اگر وہ اپنے ماتحتوں میں سے کسی کو کسی خدمت سے سرفراز کرے، جبکہ اس خدمت میں حکم کرنے والے کا بھی کوئی نفع ہو تو ماتحت اس حکم کو کتنا عزیز جانتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ ایک عظیم القدر والے شخص نے اس خدمت کا (حکم) فرمایا ہے، (لہذا) نہایت احسانمندی کے ساتھ (یہ خدمت) بجالانی چاہیے۔ تو پھر کیا مصیبت ہوئی کہ اللہ جل سلطانہ کی عظمت اس شخص کی عظمت سے بھی کمتر نظر آتی ہے اور آدمی اللہ جل عظمت کے حکموں کی فرمانبرداری میں کوشش نہیں کرتا۔ شرم کرنی چاہیے اور خود کو خواب خرگوش سے جگانا چاہیے۔ اللہ جل سلطانہ کے حکموں کی فرمانبرداری نہ کرنا دو چیزوں سے خالی نہیں ہے؛ (۱) یا یہ کہ لوگ شرعی احکام کو جھوٹ سمجھتے ہیں اور (ان پر) یقین نہیں رکھتے، (۲) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ و تقدس کے حکم کی عظمت ان کی نظر میں اہل دنیا کی عظمت سے بھی حقیر دکھائی

دیتی ہے۔ اس بات کی برائی کو (خوب) ملاحظہ کر لینا چاہیے!

اے فرزند! جس شخص کے جھوٹ کا لوگوں نے بارہا تجربہ کیا ہو، اگر وہ کہے کہ دشمن کامل قوت کے ساتھ اس قوم پر شب خون ماریں گے تو اس قوم کے عقلمند اپنی حفاظت کے درپے ہو جائیں گے اور اس مصیبت کے دور کرنے کا فکر کریں گے، جبکہ وہ جانتے ہیں کہ اس خبر کے دینے والے پر جھوٹ کا الزام ہے، لیکن کہتے ہیں کہ خطرہ کے گمان کے وقت عقلمندوں کے نزدیک احتراز ضروری ہے۔

مخبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کامل طور پر آخرت کے عذاب سے خبردار فرمایا۔ لوگ اس کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے۔ اگر اس کا اثر قبول کریں تو اس کے دور کرنے کی فکر بھی کریں، جبکہ لوگوں نے اس سے بچنے کا علاج بھی مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والاحتیاء سے معلوم کر لیا ہے۔ پھر یہ کیسا ایمان ہے کہ مخبر صادق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خبر اس جھوٹے شخص کے برابر بھی اعتبار نہیں رکھتی! اسلام کی (ظاہری) صورت نجات نہیں بخشی، یقین حاصل کرنا چاہیے۔ یقین کہاں ہے؟ بلکہ یہاں تو گمان بھی نہیں ہے، بلکہ وہم بھی نہیں ہے! کیونکہ عقلمند لوگ خطرات کے وقت وہم کا بھی اعتبار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے: **وَاللّٰهُ بَصِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ**۔ (سورۃ الحجرات، ۱۸)

یعنی: جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے دیکھتا ہے۔

اس کے باوجود لوگ برے اعمال کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ جانتے ہوں کہ ایک حقیر شخص ان کے اعمال سے آگاہ ہے تو وہ ہرگز اس کے سامنے برا عمل نہیں کرتے۔

پھر ان کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہے: یا وہ اللہ سبحانہ کی خبر کا یقین نہیں کرتے، یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے آگاہ ہونے پر اعتبار نہیں کرتے۔ پس اس طرح کا کردار ایمان میں سے ہے یا کفر میں سے؟ پس اس فرزند پر لازم ہے کہ نئے سرے سے ایمان کی تجدید کرے!

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ جَدِّدُوا إِيمَانَكُمْ بِقَوْلٍ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. (۳)

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لا الہ الا اللہ کہہ کر اپنے ایمان کو تازہ کرو۔

(نیز یہ فرزند) اللہ سبحانہ کی ناپسندیدہ باتوں سے از سر نو سچی توبہ کرے۔ (۴) جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے اور جن کو حرام کیا ہے، ان سے پرہیز کرے۔ پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرے اور اگر رات کا قیام اور نماز تہجد بھی میسر ہو جائے تو عین سعادت ہے۔ مال کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی ارکان اسلام میں سے ہے، (۵) اس کو بھی ضرور ادا کرے۔ اس کی ادائیگی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال میں سے جو فقرا کا حق ہے، سال کے حساب سے الگ کرے اور زکوٰۃ کی نیت سے محفوظ رکھ کر تمام سال میں زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کرے۔ اس طرح ہر بار زکوٰۃ دیتے وقت نئی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔ زکوٰۃ کا حصہ الگ کرتے وقت صرف ایک ہی دفعہ کی نیت کافی ہے۔ گو آپ کو معلوم ہے کہ تمام سال میں فقرا اور مستحقین پر کس قدر خرچ کرتے ہیں، لیکن چونکہ اس میں نیت نہیں تو وہ زکوٰۃ کے حساب میں شمار نہیں، جبکہ مذکورہ صورت میں زکوٰۃ بھی ذمہ سے ادا ہو جاتی ہے اور نامناسب خرچ سے بھی نجات مل جاتی ہے۔ اگر بالفرض اس قدر پورے سال میں فقرا پر خرچ نہ ہو اور کچھ باقی بچ

جائے تو اس کو اسی طرح اپنے مال سے الگ رکھیں۔ ہر سال اس پر یونہی عمل کریں۔ جب فقرا کا مال الگ ہو جاتا ہے تو اگر آج اس کے ادا کرنے کی توفیق نہ ملی تو شاید کل (اس کی) توفیق نصیب فرمادیں گے۔

اے فرزند! چونکہ نفس فطری طور پر بہت بخیل ہے اور اللہ جل سلطانہ کے احکام کی بجا آوری میں سرکش ہے، لہذا مجبوراً بات مبالغہ سے کہی جاتی ہے، ورنہ اموال و املاک سب حق سبحانہ کے ہیں۔ اس انسان کی کیا مجال ہے کہ اس میں دیر کرے۔ چاہیے کہ بڑی احسان مندی سے (زکوٰۃ) ادا کرے۔ اسی طرح تمام عبادات میں خود کو کسی صورت میں معاف نہ کرے۔ بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں پوری کوشش کرنی چاہیے اور کوشش ہونی چاہیے کہ کسی کا حق (اپنے) ذمہ نہ رہ جائے۔ اس جگہ اس حق کا ادا کرنا آسان ہے۔ نرمی اور خوشامد سے بھی (حق) رفع ہو سکتا ہے۔ آخرت میں کام مشکل ہے، ناقابلِ علاج ہے۔ شرعی احکام علمائے آخرت سے پوچھنے چاہئیں۔ ان کی بات میں ایک تاثیر ہے، شاید ان کے وجود کی برکت سے اس کے عمل کی توفیق مل جائے۔ علمائے دنیا جنہوں نے علم کو مال و جاہ کا ذریعہ بنایا ہے، سے دور رہنا چاہیے۔ مگر یہ کہ متقی علماء نہ ملیں تو مجبوراً بقدر ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ وہاں میاں حاجی محمد اترہ دیندار علماء میں سے ہیں اور میاں شیخ علی اترہ خود تمہارے واقف ہیں۔ غرض یہ دونوں عزیز اس علاقہ میں غنیمت ہیں۔ شرعی مسائل کی تحقیق میں ان کی طرف رجوع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اے فرزند! ہم فقیروں کو دنیا داروں سے کیا نسبت کہ ان کی اچھائی اور برائی کے بارے میں بات کریں؟ شرعی نصیحتیں اس بارے میں کامل اور مکمل طور پر وارد ہوئی ہیں۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ. (سورۃ الانعام، ۱۴۹) یعنی: پس اللہ تعالیٰ ہی کی حجت غالب ہے۔

لیکن چونکہ اس فرزند نے توبہ وزاری کرنے کے لیے فقراء کی طرف رجوع کیا تھا، لہذا اسی مناسبت کی وجہ سے اکثر اوقات دل کی توجہ اس فرزند کے حال پر ہوتی رہتی ہے اور وہی توجہ اس گفتگو کا موجب بنی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اکثر یہ نصیحتیں اور مسائل اس فرزند کے کانوں تک پہنچے ہوئے ہوں گے، لیکن مقصود عمل ہے، نہ کہ علم۔

جو بیمار اپنی بیماری کی دوا کا علم رکھتا ہے، جب تک وہ دوا نہ کھائے اُس وقت تک صحت نہیں پاتا۔ دوا کا صرف علم فائدہ نہیں دیتا۔ یہ سب اصرار و مبالغہ عمل کے لیے ہے، علم خود حجت کو درست کر لیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَالِمٌ لَّمْ يَنْفَعَهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ. (۶)

یعنی: قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہ دیا ہو۔ وہ فرزند جان لے کہ پہلی توبہ وزاری نے اہل جمعیت کی صحبت کی کمی کے سبب اگرچہ کچھ فائدہ نہ دیا ہوگا، لیکن اس فرزند کے جوہر کی نفاست کی خبر (ضرور) دیتی ہے، (لہذا) امید ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اسے اس توبہ وزاری کی برکت سے آخر کار اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرمائے گا اور اہل نجات میں سے بنائے گا۔

بہر حال اس گروہ کی محبت کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور ان لوگوں کے سامنے التجا وزاری کو اپنا شعار بنائیں اور منتظر رہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اس گروہ کی محبت کے صدقے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور پوری طرح اپنی جانب کھینچ لے اور ان

پریشانیوں سے بالکل آزاد فرمادے۔ مثنوی:

عشق آں شعلہ است کہ چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر زان پس کہ بعد را چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز زفت (۷)

یعنی: عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہو گیا تو جو کچھ معشوق کے علاوہ تھا، وہ سب جل گیا۔

♦ لا کی تلواریں سے ماسوائے اللہ کے قتل میں چلا اور پھر اس کے بعد دیکھ کہ کیا رہ گیا ہے۔

♦ الا اللہ رہ گیا، باقی سب فنا ہو گیا۔ اے عشق! شرکت کو جلانے والے زبردست تو خوش رہے۔

مکتوب نمبر (۷۴)

میرزا بدیع الزمان کے نام تحریر فرمایا۔ فقراء کی محبت اور ان پر توجہ کی ترغیب میں اور صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی نصیحت کے بیان میں۔

آپ کا مکتوب شریف اور لطیف خط موصول ہوا۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ اس کے مضمون سے فقراء کی محبت اور درویشوں کی طرف توجہ کا حال معلوم ہوا، جو سعادتوں کا سرمایہ ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ سبحانہ کے ہم نشین ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بدقسمت نہیں ہوتا۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین فقراء کے صدقے (اللہ تعالیٰ سے) فتح طلب فرماتے تھے۔ (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا ہے: رُبَّ اشْعَثٍ مَذْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ قَسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةً۔ (۳) یعنی: بہت سے بکھرے ہوئے بالوں والے، گرد آلود اور دروازوں سے ہٹائے ہوئے ایسے لوگ ہیں کہ اگر وہ (کسی کام میں) اللہ تعالیٰ کی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرمادیتا ہے۔

اے میرے سعادتمند! آپ کے گرامی نامہ میں ایک فقرہ لکھا گیا تھا کہ خَدِيوْ نَشَاتَيْنِ یعنی: دونوں جہان کا بادشاہ۔ یہ ایسی ستائش ہے جو واجب الوجود جل سلطانہ (اللہ تبارک و تعالیٰ) کی ذات پاک کے لیے مخصوص ہے۔ بندہ مملوک جو کسی چیز پر قادر نہیں ہے، اسے کب حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے بھی اللہ جل سلطانہ کے ساتھ شرکت کرے اور خداوندی کے راستے پر چلے۔ خاص کر عالم آخرت میں، کیونکہ حقیقی و مجازی ہر طرح کی مالکیت اور ملکیت روز قیامت کے مالک حضرت (حق سبحانہ و تعالیٰ) سے مخصوص ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ قیامت کے روز صدا فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ (سورۃ المؤمن، ۱۶) یعنی: آج کس کی بادشاہت ہے؟ اور (پھر) خود ہی اس کے جواب میں فرمائے گا: لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (سورۃ المؤمن، ۱۶) یعنی: اللہ کی، جو اکیلا اور غالب ہے۔

اس روز بندوں کے لیے سوائے ڈر اور خوف کے کچھ ثابت نہیں اور حسرت و شرمندگی کے سوا کچھ متصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں اس روز کی سختی اور مخلوقات کی پریشانی کی شدت سے آگاہ فرماتا ہے، جیسا کہ حق تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ. يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ۔ (سورۃ الحج، ۱-۲) یعنی: قیامت کا زلزلہ

ایک عظیم حادثہ ہوگا، (اے مخاطب!) جس دن تو اُس کو دیکھے گا (اس روز یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو مدہوش نظر آئیں گے، مگر وہ مدہوش نہیں ہوں گے، بلکہ (عذاب دیکھ کر) مدہوش ہو رہے ہوں گے، بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے:

دراں روز کز فعل پرسند و قول اولوالعزم را دل بلرزد ز ہول

بجائیکہ دہشت برند انبیاء تو عذر گنہ را چہ داری بیا

یعنی: اس روز جب عمل کی پریش ہوگی تو ہمت والے کا جسم بھی خوف سے کانپ اٹھے گا۔

♦ جس جگہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) بھی خوفزدہ ہو جائیں گے، تو بتا کہ گناہ کا عذر کس طرح کرے گا؟

باقی نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی اتباع کو لازم پکڑیں، بیشک اس کے بغیر نجات مشکل ہے اور دنیاوی شان و شوکت کی طرف توجہ نہ دیں اور اس کے ہونے اور نہ ہونے کی پروا نہ کریں۔ بیشک دنیا اللہ سبحانہ کی ناپسندیدہ ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ پس بندوں کے نزدیک بھی اس کا نہ ہونا اس کے ہونے سے بہتر ہونا چاہیے۔ اس کی بے وفائی اور جلدی زوال پذیر ہونے کا قصہ مشہور ہے، بلکہ مشاہدے میں آچکا ہے۔ پس جو دنیا دار لوگ گزر چکے ہیں، ان (کے حال) سے عبرت حاصل کریں۔ وَقَفْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ بِمُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اللہ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی توفیق عطا فرمائے۔

مکتوب نمبر (۷۵)

یہ بھی میرا بدیع الزمان کی طرف تحریر فرمایا۔ سید کو نین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر

ترغیب دلانے کے لیے اول عقائد کی اصلاح کرنے اور دوم ضروری فقہی احکام کے جاننے کے بیان میں، اور اس

بیان میں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ سے وسیلہ یا بلا وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہیے۔

سَلِّمَتْكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَعَافَاكُمْ۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو سلامت رکھے اور عافیت بخشے۔

دونوں جہانوں کی سعادت کی دولت سید کو نین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام

اَتَمَّهَا وَاکْمَلَهَا کی متابعت سے وابستہ ہے۔ ایسے طریقہ پر (متابعت) جو علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ

سَعِيَهُم (اللہ تعالیٰ انہیں ان کی کوششوں کی جزا دے) نے بیان فرمایا ہے۔

سب سے پہلے ان بزرگواروں کی صحیح آراء کے مطابق (اپنے) عقائد کی اصلاح کرنی چاہیے اور پھر حلال و حرام، فرض

و واجب، سنت و مستحب اور مباح و مشتبہ کا علم حاصل کرنا چاہیے۔ نیز اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ ان دو

اعتقادی عملی پروں (بازوؤں) کے حاصل ہو جانے کے بعد اگر سعادت ازلی مدد فرمائے تو عالم قدس کی جانب پرواز میسر ہو

جاتی ہے۔ وَيَبْدُوْنَهَا خَوْطُ الْقَتَادِ۔ یعنی: ورنہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

کمینی دنیا اس قابل نہیں کہ آپ اس کو (اپنی) خواہشات میں سے بنائیں اور اس کے مال و جاہ کو حاصل کرنا اصلی

مقاصد خیال کریں۔ (بندے کو) بلند ہمت ہونا چاہیے اور حق سبحانہ و تعالیٰ سے وسیلہ یا بلا وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہیے۔

ع کار میں است و غیر میں ہمہ ہیچ

یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

جب آپ نے ہمت کر کے دعا طلب کی ہے تو بُشْرٰی لَکُمْ سَالِمًا وَ غَانِمًا۔ یعنی: آپ کو بشارت ہو، آپ سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس آئیں گے۔ لیکن ایک شرط کا لحاظ رکھیں اور وہ قبلہ توجہ کا ایک ہونا ہے۔ توجہ کے قبلہ کو متعدد بنانا، خود کو تفرقہ (انتشار) میں ڈالنا ہے۔ مشہور مثل ہے جو شخص ایک جگہ ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے راستے پر استقامت نصیب فرمائے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ التَّوَمُّ مُتَابِعَةُ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَ التَّحِیَّاتِ۔ یعنی: اور اُس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کے راستے پر چلے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو لازم پکڑے۔

مکتوب نمبر (۷۶)

قلیج خان کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ترقی و رُح و تقویٰ سے وابستہ ہے اور فضول مباحت کے ترک کی ترغیب

کے بیان میں، اور اگر (یہ) میسر نہ ہو تو محرمات سے پرہیز کر کے فضول مباحت کے دائرہ کو زیادہ تنگ کرنا چاہیے اور

اس بیان میں کہ محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ بِہِ نَسْتَعِیْنُ، عَصَمَکُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا یَصْمُکُمْ وَ صَانَکُمْ عَمَّا شَانَکُمْ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْبَشَرِ الْمُنْفٰی عَنْہُ زَبِیْعُ الْبَصْرِ عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ مِنَ الصَّلٰوٰتِ اَکْمَلُہَا وَ مِنَ التَّسْلِیْمٰتِ اَفْضَلُہَا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل جو کہ کئی چشم سے پاک ہیں، آپ کو ہر اس چیز سے بچائے جو آپ کے لیے موجب عار ہو اور ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کو عیب لگائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَهَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَهُوْا۔ (سورۃ الحشر، ۷) یعنی: جو چیز تم کو نبی

کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔

نجات کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رک جانا اور ان دونوں چیزوں میں سے آخری چیز زیادہ

بڑی ہے، جو ورع و تقویٰ سے تعبیر کی گئی ہے۔

✦ ذِکْرَ رَجُلٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةِ وَاجْتِهَادٍ وَ ذِکْرَ آخِرُ

بِرَعۡیَۃٍ، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ وَسَلَّمَ لَا تَعْدِلْ بِالرَّعِیَۃِ شَیْئًا یَعْنِی الْوَرَعَ۔^(۱)

✦ وَقَالَ اَيْضًا عَلَیْہِ مِنَ الصَّلٰوٰتِ اَتَمُّہَا وَ مِنَ التَّسْلِیْمٰتِ اَکْمَلُہَا مَلَکٌ دِیْنُکُمْ الْوَرَعُ۔^(۲)

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک شخص کا ذکر عبادت و اجتہاد کے ساتھ کیا گیا اور دوسرے شخص کا

ذکر ورع (پرہیزگاری) کے ساتھ۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ورع (پرہیزگاری) کے برابر

کوئی شے نہیں ہے۔

✦ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دین کا مقصود ورع (پرہیزگاری) ہے۔

انسان کی فرشتوں پر فضیلت اسی (آخری) جزو سے ثابت ہے اور قرب کے درجات پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہوتی ہے، کیونکہ فرشتے پہلے جزو میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے۔

پس ورع و تقویٰ کے جزو کو مد نظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی انتہائی اہم ضروریات میں سے ہے۔ یہ جزو جس کا انحصار حرام چیزوں سے بچنے پر ہے، کامل طور پر اس وقت میسر ہوتا ہے، جب غیر ضروری مباحات سے پرہیز کیا جائے اور ضرورت کے مطابق مباحات پر کفایت کی جائے، کیونکہ مباحات کے اختیار کرنے میں باگ کا ڈھیلا چھوڑنا مشتبہ امور تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ چیز حرام کے قریب ہے۔ مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحَمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ۔^(۳)

یعنی: جو شخص چراگاہ کے قریب گیا، ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے اندر چلا جائے۔

پس ورع و تقویٰ کا کمال حاصل کرنے کے لیے بقدر ضرورت مباحات پر کفایت کرنا ضروری ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس سے وظائف بندگی کے ادا کرنے کی نیت ہو، ورنہ اس قدر بھی وبال ہے اور اس کا قلیل بھی کثیر کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ فضول مباحات سے پوری طرح بچنا ہر زمانے میں اور خاص کر اس زمانے میں بہت ہی مشکل ہے، لہذا جہاں تک ہو سکے فضول مباحات کے اختیار کرنے کا دائرہ بہت زیادہ تنگ کر دینا چاہیے اور اس کے ارتکاب کرنے پر ہمیشہ شرمندہ ہونا اور استغفار کرنا چاہیے اور اسے محرمات میں داخل ہونے کی کھڑکی سمجھ کر ہمیشہ حق سبحانہ کے حضور التجا و زاری کرنی چاہیے، شاید یہ ندامت، استغفار اور التجا و زاری فضول مباحات سے بچنے کا ذریعہ بن جائے اور ہر قسم کی آفت سے محفوظ و مامون بنا ڈالے۔

ایک عزیز فرماتے ہیں: اِنْكَسَارُ الْعَاصِيْنَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ صَوْلَةِ الْمُطِيعِيْنَ۔

یعنی: گناہگاروں کی عاجزی (اللہ تعالیٰ کے ہاں) فرمانبرداروں کے رعب سے زیادہ محبوب ہے۔

حرام چیزوں سے بچنا بھی دو قسم پر ہے۔ ایک قسم اللہ سبحانہ کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم بندوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ دوسری قسم کی رعایت نہایت ضروری ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ غنی مطلق اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور بندے فقیر محتاج ہیں اور فطری طور پر بخیل و کنجوس ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عَرَضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتٍ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔^(۴) یعنی: اگر کسی شخص پر اس کے بھائی کی عزت و آبرو یا اور کسی قسم کا کوئی حق ہے تو اسے چاہیے کہ آج ہی اس سے معاف کرا لے، اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ کوئی دینار رہے اور نہ درہم، (کیونکہ روز قیامت) اگر اس کے پاس کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے بدلہ میں لے کر صاحب حق کو دے دیا جائے گا اور اگر اس کی نیکیاں نہ ہوں تو صاحب حق کی برائیاں اس کی برائیوں پر ڈال دی جائیں گی۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اتَدْرُونَ مِنَ الْمُفْلِسِ، قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ۔ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِصَلْوَةٍ وَصِيَامٍ

وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَآكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ. (۵) یعنی: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس درہم و اسباب نہ ہوں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے۔ اس کے ساتھ اگر اس نے کسی کو گالی دی ہو اور کسی کو تہمت لگائی ہو اور کسی کا مال کھایا ہو اور کسی کا خون گرایا ہو اور کسی کو مارا ہو تو اس کی نیکیوں میں سے ہر ایک حقدار کو اس کے حق کے برابر دے دی جائیں گی۔ اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کے برابر نہ ہوں تو ان حقداروں کے گناہ لے کر اس کی برائیوں میں شامل کر دیے جائیں گے۔ پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔

دوسرا یہ کہ (فقیر) آپ کی ستائش اور شکر گزاری کرتا ہے کہ لاہور کے بڑے شہر میں آپ کے وجود سے بہت سے شرعی احکام اس زمانہ میں یوں جاری ہو گئے ہیں اور اس جگہ میں دین کو تقویت اور ملت کی ترویج حاصل ہو گئی ہے۔ یہ شہر فقیر کے نزدیک ہندوستان کے تمام شہروں میں قطب ارشاد کی طرح ہے۔ اس شہر کی خیر و برکت ہندوستان کے تمام شہروں میں جاری ہے۔ اگر وہاں دین کی ترویج ہوتی ہے تو تمام جگہوں پر اس کا رواج ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار اور حامی ہو۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ. (۶) یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق کا مددگار رہے گا اور جو اس کو رسوا کرنا چاہے گا، وہ اس کا کوئی نقصان نہیں کر سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے اور وہ اس حال پر (قائم) ہوں گے۔

چونکہ آپ کا معرفت کی پناہ والے، قبلہ گاہ ہمارے (حضرت) خواجہ (محمد باقی باللہ قدس سرہ) کے ساتھ محبت کا رشتہ بہت مضبوط تھا، اس وجہ سے (فقیر) نے چند کلمات لکھ کر اس محبت کی نسبت کو متحرک کیا ہے۔ اس سے زیادہ لکھنا بات کو لمبا کرنا ہے۔ اس دعا والے مکتوب کا حامل شخص نیک اور صالح آدمیوں میں سے ہے اور شریف زادہ ہے۔ ایک حاجت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کے حال پر توجہ فرما کر اس کی حاجت پوری فرمائیں گے۔ نبی کریم اور آپ کی آل امجاد علیہم علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے صدقے آپ کو حقیقی دولت اور ابدی سعادت نصیب ہو۔

میرے سیادت مآب میر جمال الدین کو غریبانہ دعائیں پہنچائیں۔

مکتوب نمبر (۷۷)

جباری خان کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بے مثل و بے مثال اللہ تعالیٰ کی عبادت کب میسر ہوتی ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، اس کا بیان۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست بے دولت است آنکہ بہ ہیچ اختیار کرد
یعنی: اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی لوگ پوجا کرتے ہیں وہ باطل ہے، وہ شخص بد نصیب ہے جو باطل کو اختیار کرتا ہے۔
بے مثل اور بے مثال اللہ جل سلطانہ کی عبادت اس وقت میسر ہوتی ہے، جب تمام ماسوی اللہ کی غلامی سے آزاد ہو کر
توجہ کا قبلہ ذات احدیت کے سوا کچھ اور نہ رہے اور اس توجہ کی نشانی اللہ تعالیٰ کے انعام اور رنج کا برابر ہونا ہے، بلکہ اس مقام
کے حاصل ہونے کے آغاز میں رنج انعام کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے، اگرچہ بالآخر سپردگی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور
جو کچھ بھی (اللہ تعالیٰ سے) پہنچتا ہے، (بندہ) اس کو زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب سمجھتا ہے۔ جو عبادت رغبت اور خوف سے تعلق
رکھتی ہے، یہ عبادت درحقیقت اپنی عبادت ہے اور اس سے مقصود اپنی نجات اور خوشی ہے:

تا تو در بند خویشتن باشی عشق گوئی دروغ زن باشی
یعنی: جب تک تو اپنی ذات کے فکر میں قید ہے (اس وقت تک) تیری عشق گوئی جھوٹی ہے۔

اس دولت کا حاصل ہونا فنائے مطلق سے وابستہ ہے اور یہ توجہ محبت ذاتیہ کا نتیجہ ہے اور ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا
الصلوٰۃ والسلام والحقیہ کے ظہور کا پیش خیمہ ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے
کمال اتباع پر موقوف ہے، کیونکہ ہر نبی علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شریعت جو نبوت کے راستے سے ان کو عطا فرمائی گئی ہے، وہ
ان کی ولایت کے مناسب ہے، کیونکہ ولایت میں کئی طور پر حق سبحانہ کی طرف توجہ ہوتی ہے اور جب نبوت کے درجہ میں لے
آتے ہیں تو وہی نور بھی ساتھ آجاتا ہے اور وہ اسی کمال کو مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع کر دیتا ہے۔ مقام نبوت کے کمالات حاصل
ہونے کا سبب بھی وہی نور ہے، لہذا کہا گیا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔ پس یقیناً ہر پیغمبر کی شریعت اس کی
ولایت کے مناسب (ہوتی) ہے اور اس شریعت کی اتباع اس ولایت تک پہنچنے کے لیے ضروری (ہوتی) ہے۔

اگر سوال کریں کہ آنسور (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کے بعض پیروکاروں کو آنسور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی ولایت سے کچھ بھی نصیب نہیں ہے، بلکہ وہ دوسرے انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے قدم پر ہیں اور ان کی
ولایت سے حصہ رکھتے ہیں۔ میں اس کا جواب یہ دیتا ہوں کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت تمام شریعتوں کی
جامع ہے اور جو کتاب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی ہے، اس میں تمام آسمانی کتابیں شامل ہیں۔ پس تابعدار
شخص اپنی استعداد کے مطابق انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) میں سے کسی ایک نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ مناسبت
رکھتا ہے، جس کے ذریعے اس کی ولایت کو اخذ کرتا ہے اور اس میں کوئی ڈر نہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی ولایت تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولایتوں پر حاوی ہے۔ پس ان ولایتوں تک پہنچنا اس ولایت
خاصہ کے اجزائے کسی ایک جزو تک پہنچنا ہے اور اس ولایت خاصہ (محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) تک نہ پہنچنے کا باعث نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل (درجے کی) متابعت میں کمی ہے اور کمی کے بھی کئی درجے ہیں، لہذا ولایت کے درجات میں فرق آ
جاتا ہے۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کامل (درجے کی) متابعت میسر ہو جائے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولایت
تک رسائی ممکن ہے۔ یہ اعتراض اس وقت وارد ہوتا، جب دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے پیروکاروں کو

ولایت خاصہ محمدی علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحیات حاصل ہوتی اور جب ایسا نہیں تو پھر اعتراض کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی عَلَّیْنَا وَهَدَانَا اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ وَالَّذِیْنَ الْقَوِیْمِ۔ یعنی: سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہمیں سیدھے راستے اور مضبوط دین کی طرف ہدایت بخشی۔

صراطِ مستقیم اسی مضبوط راستے اور روشن شریعت سے عبارت ہے: اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ عَلٰی صِرَاطِ مُسْتَقِیْمٍ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک آپ پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں۔ (سورۃ یٰسین، ۳-۴) اسی حقیقت کی دلیل ہے۔

رَزَقْنَا اللّٰہَ وَاَیَّاکُمْ کَمَالَ اَتْبَاعَ شَرِیْعَةِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِحُرْمَةِ کَمَلِ اَتْبَاعِہِ وَمُعَظَّمِ اَوْلِیَائِہِ رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں اور بزرگ اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے صدقے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کامل تابعداری نصیب فرمائے۔ آمین۔ اس دعا والے مکتوب کا حاصل، چونکہ اس علاقے کی طرف جانے والا تھا، لہذا (فقیر) ان چند کلمات کے ذریعے سلسلہ محبت کو متحرک کرنے والا بنا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ سُبْحَانَهُ لَدَیْکُمْ۔ یعنی: اور آپ پر اور جو آپ کے پاس ہے اُس پر اللہ سبحانہ کی سلامتی اور رحمت ہو۔

مکتوب نمبر (۷۸)

یہ بھی جباری خان کو تحریر فرمایا۔ سفر در وطن اور سیر آفاقی و انفسی کی حقیقت کے بیان میں اور اس بیان میں کہ اس دولت کا حاصل ہونا صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع سے وابستہ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت حقہ کے سیدھے راستے پر استقامت عطا فرمائے۔ چند روز ہوئے ہیں کہ دہلی اور آگرہ کے سفر سے (فقیر کی) واپسی واقع ہوئی ہے اور پیارے وطن میں آرام حاصل ہوا ہے۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔^(۱) (وطن کی محبت ایمان کے اجزا میں سے ہے) شامل حال ہے۔ وطن میں پہنچنے کے بعد اگر سفر ہے تو وطن میں ہے۔

”سفر در وطن“ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقررہ اصولوں میں سے ہے۔ اس طریقہ میں ابتدا ہی میں اس سفر کی لذت میسر ہو جاتی ہے اور (یہ) ابتدا میں انتہا کے درجہ ہونے کے طریقہ پر حاصل ہوتی ہے۔ اس گروہ میں سے اگر ایک جماعت کو مجذوب سا لک بنانا چاہتے ہیں تو اس کو بیرونی سیر (سیر آفاقی) میں ڈال دیتے ہیں اور (پھر) سیر آفاقی کے مکمل ہونے کے بعد سیر انفسی جس سے مراد ”سفر در وطن“ ہے، میں کچھ (مدت) آرام دیتے ہیں:

ع ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

یعنی: یہ کام دولت کا ہے، دیکھئے اب کسے دیتے ہیں۔

ع ہَنِیئًا لَّارْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُہَا

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

اس نعمتِ عظمیٰ تک پہنچنا سید اولین و آخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ وَسَلَّمَ اَفْضَلُہَا وَاَمْرُہٗ کے بجالانے اور نواہی سے رک جانے سے آراستہ نہ ہو جائے، اس دولت کی خوشبو اس (آدمی) کی جان کے دماغ تک نہیں پہنچتی۔ شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو، احوال و مواجید حاصل ہو جائیں تو وہ استدرج میں داخل ہیں، بالآخر (ایسے) شخص کو رسوا کریں گے۔ پروردگار عالمین کے محبوب (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ وَسَلَّمَ اَفْضَلُہَا وَاَمْرُہٗ کے اتباع کے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔ چند روز کی زندگی کو اللہ سبحانہ کے پسندیدہ کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ وہ زندگی کیا اور وہ عیش کیا کہ اس بندے کا مولیٰ (تعالیٰ) اس کے کردار سے ناراض ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ جزئی اور کئی حالات سے آگاہ اور حاضر و ناظر ہے۔ شرم کرنی چاہیے!

فرض کیا اگر لوگ جان لیں کہ کوئی آدمی ان کے عیبوں اور ناپسندیدہ کاموں سے آگاہ ہو جائے گا تو وہ اس کے سامنے نامناسب کام نہیں کرتے اور نہیں چاہتے کہ وہ ان کے عیبوں سے آگاہ ہو جائے۔ پھر کیا مصیبت ہوئی کہ اللہ سبحانہ کو حاضر و ناظر سمجھنے کے باوجود لوگ کچھ خوف نہیں کرتے؟ یہ کیسا اسلام ہے کہ اللہ سبحانہ کو اس شخص کے برابر بھی نہیں سمجھتے؟ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَهُ مِنْ شُرُوْرٍ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاَتٍ اَعْمَلِنَا۔

یعنی: ہم اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کی برائیوں سے اور اپنے برے اعمال سے۔
(اس) حدیث کی رو سے (اور) اس عظیم الشان کلمہ سے ہر آن (اپنے) ایمان کی تجدید کرنی چاہیے: جَدِّدُوا اِيْمَانَكُمْ بِقَوْلٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ۔^(۲) یعنی: اپنے ایمان کو لا الہ الا اللہ کہہ کر تازہ کرو۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں تمام ناپسندیدہ کاموں سے توبہ اور رجوع کرنا چاہیے۔ شاید پھر دوسرے وقت میں توبہ کی توفیق نہ دیں۔ هَلْكَ الْمُسَوِّفُونَ^(۳) (آج کل کہنے والے ہلاک ہو گئے) نبی کریم علیہ وَاٰلِہٖ وَسَلٰتِہٖ وَسَلَّمَ کی حدیث ہے۔ (یعنی) آئندہ کرلوں گا کہنے والے اور تاخیر کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ فرصت کو غنیمت شمار کرنا چاہیے اور (اسے) اللہ سبحانہ کی رضا مندی میں صرف کرنا چاہیے۔ توبہ کی توفیق اللہ سبحانہ کی عنایات میں سے ہے، اللہ سبحانہ سے ہمیشہ اس توفیق کے طلبگار رہیں۔

جو درویش شریعت میں مضبوط قدم رکھتے ہیں اور عالم حقیقت کی اچھی طرح معرفت رکھتے ہیں، ان سے ہمت طلب کرنی چاہیے اور مدد لینی چاہیے، تاکہ اللہ سبحانہ کی عنایت ان کی کھڑکی سے ظاہر ہو کر اللہ سبحانہ کی بارگاہ کی طرف پوری طرح کھینچ لے اور اس میں مخالفت کی گنجائش نہ رہے۔ جب تک شریعت کی مخالفت کا راستہ بال بھر بھی کھلا ہے تو (اس وقت تک) خطرہ کا مقام ہے، مخالفت کے سب راستوں کو بند کر دینا چاہیے۔ شعر:

محال است سعدی کہ راہ صفا تو ان رفت جز در پئے مصطفیٰ

یعنی: سعدی محال ہے کہ (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کے بغیر راہ صفا طے کیا جاسکے۔
صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ۔ یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

آل (اطہار) پر درود و سلام ہو۔

اہل اللہ پر خاص کر جبکہ پیری و مرشدی کا معاملہ بھی درمیان میں ہو اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہو، اعتراض نہ کرنا چاہیے اور اس چیز کو زیرِ قاتل سمجھنا چاہیے۔

اس سے زیادہ لکھنا طول کلامی ہے۔ یہ چند باتیں محبت و اخلاص کے تعلق کے سبب لکھی گئی ہیں۔ امید ہے کہ ملال کا موجب نہیں بنیں گی۔

دوسری تکلیف یہ دی جاتی ہے کہ ملا عمر اور شاہ حسین شریف زادے اور خاندانی آدمی ہیں اور آپ کی خدمت کے خواہشمند ہیں۔ امید ہے کہ آپ ان کو اپنے خاص ملازمین میں شامل کر لیں گے۔ اسمعیل بھی اسی نیت سے آپ کی خدمت میں آ رہا ہے، اگرچہ وہ پیادہ ہے۔ امیدوار ہے کہ اپنی حالت کے مطابق حصہ پالے گا۔ اس سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۷۹)

یہ بھی جباری خان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ روشن شریعت تمام پہلی شریعتوں کی جامع ہے اور اس شریعت کے مطابق عمل کرنا سب شریعتوں کے موافق عمل کرنا ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

اللہ تعالیٰ آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی شریعت کی شاہراہ پر ثابت قدمی اور استقامت عطا فرما کر پوری طرح اپنی بارگاہ مقدس کی طرف متوجہ کر لے۔ چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے جامع ہیں اور اعتدال کے طور پر ان تمام صفات کے مظہر ہیں، جو کتاب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی ہے وہ ان تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ ہے جو تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلامات والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں۔ نیز وہ شریعت جو آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عطا فرمائی گئی ہے، وہ تمام پہلی شریعتوں کا خلاصہ ہے اور جو اعمال اس شریعت حقہ کی رو سے ہیں، وہ پہلی شریعتوں کے اعمال سے منتخب ہیں، بلکہ فرشتوں صَلَوَاتُ اللہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلٰیہِمُ کے اعمال سے بھی (منتخب ہیں)۔ کیونکہ بعض فرشتے رکوع پر مامور ہیں، بعض دوسرے سجدہ پر اور بعض قیام پر۔ ایسے ہی پہلی امتوں میں سے بعض کو صبح کی نماز کا حکم دیا گیا تھا،^(۱) اور بعض دوسری (امتوں) کو دوسرے (وقت کی) نمازوں کا (فرمایا گیا تھا)۔ اسی طرح اس شریعت میں پہلی امتوں اور مقرب فرشتوں کے اعمال کا خلاصہ اور ان کے نچوڑ کو منتخب کر کے، ان کے بجالانے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ پس اس شریعت کی تصدیق کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہے۔

پس یقیناً اس شریعت کی تصدیق کرنے والے تمام امتوں سے بہتر ہوئے اور اسی طرح اس شریعت کا جھٹلانا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا تمام سابقہ شریعتوں کو جھٹلانا اور ان کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔ ایسے ہی آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرنا تمام اسمائی و صفاتی کمالات کا انکار کرنا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرنا، ان سب کی تصدیق کرنا ہے۔ پس ناچار آنسور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اور اس شریعت کو جھٹلانے والے تمام امتوں سے بدتر ہوں گے۔ (اس) آیت

(کریمہ) میں اسی طرف اشارہ ہے: **الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا**. (سورۃ التوبہ، ۹۷)

یعنی: عرب کے دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں۔

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دو سراسر است کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او
یعنی: عرب کے (حضرت) محمدؐ (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ دونوں جہان کی آبرو ہیں، جو شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے در کی خاک نہیں ہے، اس کے سر پر خاک ہو۔

اللہ سبحانہ کا انعام اور احسان ہے کہ اس شریعت اور صاحب شریعت (حضرت محمدؐ مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام والحقّیہ کے ساتھ آپ کا حسن اعتقاد اور کامل یقین خوب مشاہدہ ہو چکا ہے اور نامناسب حرکات پر ہمیشہ آپ کو ندامت دامن گیر رہی ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس میں اضافہ عطا فرمائے۔

دوسری التماس یہ ہے کہ دعا والے مکتوب کے حامل میاں شیخ مصطفیٰ قاضی شریح^(۲) کی اولاد سے ہیں۔ ان کے بزرگ اس ملک میں بڑی عزت کے ساتھ آئے ہیں۔ وہ ذرائع معاش اور وظائف بہت رکھتے تھے۔ مثلاً الیہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے لشکر (فوج) کی طرف متوجہ ہوا ہے اور سندیں اور پروانے ساتھ لایا ہے۔ امیدوار ہے کہ آپ کے وسیلہ سے جمعیت حاصل کر لے گا۔ زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ مثلاً الیہ کی صدر اعظم کے ہاں اس طرح سفارش فرمادیں کہ کام بن جائے اور پریشان حالت والوں کی جمعیت کا سبب بن جائے۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۸۰)

میرزا فتح اللہ حکیم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ تہتر فرقوں میں فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کا گروہ ہے، نیز بدعتی فرقوں

کی مذمت اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو (حضرت محمدؐ مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام والحقّیہ کی شریعت کے راستے پر استقامت عطا

فرمائے:

ع کار ایں است و غیر ایں ہمہ ہیچ

یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

تہتر فرقوں^(۱) میں سے ہر ایک فرقہ شریعت کی اتباع کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی نجات کا یقین رکھتا ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ

بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ. (سب فرقے اس سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔ سورۃ روم، ۳۲) ان کے حال کے مطابق ہے۔

لیکن سچے نبی (کریم) عَلَیْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ أَكْمَلُهَا نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک

نجات پانے والے فرقے کے امتیاز کے لیے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے:

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ مَا آتَاهُمْ عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي.

یعنی: نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جس کے لوگ اس طریقہ پر ہوں جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ (کرام) ہیں۔

صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا ذکر صاحب شریعت (حضرت محمدؐ مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے کافی

ہونے کے باوجود اس مقام پر اسی لیے ہو سکتا ہے، تاکہ (سب) کو معلوم ہو جائے کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے صحابہ (کرامؓ) کا طریقہ ہے اور نجات کا طریقہ ان کے طریقہ کی اتباع سے وابستہ ہے، جس طرح کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ. (سورۃ النساء، ۸۰)

یعنی: جو شخص رسول (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔ پس نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت درحقیقت اللہ سبحانہ کی اطاعت ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی مخالفت درحقیقت اللہ تعالیٰ و تقدس کی نافرمانی ہے۔

جس جماعت نے اللہ جل سلطانہ کی اطاعت کو رسول (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کے خلاف تصور کیا ہے، اللہ سبحانہ ان کے حال کی خبر دیتا ہے اور ان پر کفر کا حکم لگاتا ہے، جس جگہ ارشاد فرماتا ہے: يُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا. أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا. (سورۃ النساء، ۱۵۰-۱۵۱)

یعنی: (یہ لوگ) اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں، وہ بلاشبہ کافر ہیں۔

پس اس صورت میں صحابہ (کرام) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقہ کی پیروی کیے بغیر آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کا دعویٰ کرنا باطل ہے، بلکہ درحقیقت ایسی اتباع نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کی عین نافرمانی ہے۔ پھر اس مخالفت کے طریقہ میں نجات کی گنجائش کہاں ہے۔ ان کا حال اس آیت کریمہ کے مطابق ہے: وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ طَا لَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَذِبُونَ. (سورۃ مجادلہ، ۱۸)

یعنی: (یہ لوگ) خیال کرتے ہیں کہ کسی اچھی حالت پر ہیں، سن لو، یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ جس فرقہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کی اتباع کو لازمی اختیار کیا ہے، وہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) ہی ہیں، پس اسی فرقہ کے لوگ نجات پانے والے ہیں۔ کیونکہ نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰۃ والتحيات کے صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر طعنہ زنی کرنے والے لوگ خود ان (صحابہ کرامؓ) کی اتباع سے محروم ہیں، جیسے کہ شیعہ، خوارج اور معتزلہ خود نیا مذہب رکھتے ہیں۔ ان کا رئیس واصل بن عطاء، امام حسن بصری (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگردوں میں سے ہے، جو ایمان و کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امام (حسن بصریؒ) سے جدا ہو گیا۔ امام (حسن بصریؒ) نے اس کے بارے میں فرمایا: اِعْتَزَّالًا عَنَّا. یعنی: وہ ہم سے جدا ہو گیا۔

باقی سب فرقوں کو بھی اسی طرح قیاس کر لو۔ صحابہ (کرامؓ) پر طعنہ زنی کرنا درحقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پر طعن کرنا ہے: مَا آمَنَ بِرَسُولِ اللَّهِ مَنْ لَّمْ يُؤَقِّرْ أَصْحَابَهُ. یعنی: جو شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرامؓ) کی تعظیم نہیں کرتا وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں رکھتا۔ کیونکہ ان (صحابہ کرامؓ) کے ساتھ

بغض کرنا، ان کے صاحب (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بغض کرنے تک پہنچا دیتا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ هَذَا الْاِغْتِقَادِ السُّوْءِ۔ یعنی: ہم ایسا برا عقیدہ رکھنے سے اللہ سبحانہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

نیز جو شرعی (احکام) ہمیں قرآن مجید اور احادیث کے ذریعے پہنچے ہیں، وہ (سب) انہیں (صحابہ کرامؓ) کے وسیلہ سے ہیں، جب وہ مطعون ہوں گے تو ان کی نقل بھی مطعون ہوگی، کیونکہ یہ نقل ایسی نہیں ہے کہ بعض کے سوا بعض کے ساتھ مخصوص ہو، بلکہ سب صحابہ (کرامؓ) عدل (تقویٰ)، صدق اور تبلیغ میں برابر ہیں۔ پس ان میں سے کسی ایک کو بھی طعن کرنے سے دین میں طعن کرنا لازم آتا ہے۔ اللہ سبحانہ اس سے محفوظ فرمائے۔

اگر طعن زنی کرنے والے یہ کہیں کہ ہم بھی صحابہ (کرامؓ) کی متابعت کرتے ہیں، (لیکن) ضروری نہیں ہے کہ ہم سب صحابہ (کرامؓ) کے فرمانبردار ہوں، بلکہ ان کے اجتہادوں (راؤں) کے متضاد ہونے اور ان کے مذاہب کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان سب کی تابعداری ممکن بھی نہیں۔ تو ہم اس کے جواب میں (یہ) کہتے ہیں کہ بعض (صحابہ کرامؓ) کی متابعت اس وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے، جبکہ بعض (دیگر صحابہ کرامؓ) کا انکار اس کے ساتھ شامل نہ ہو، ورنہ بعض کا انکار کرنے سے بعض دوسرے کی متابعت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے خلفائے ثلاثہ (حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزت و تعظیم کی ہے اور ان کی پیشوائی کی شان کو سمجھ کر ان سے بیعت کی ہے۔ پس خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا انکار کر کے حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض جھوٹ ہے، بلکہ ان (تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا انکار حقیقت میں حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کا انکار ہے اور ان کے افعال و اقوال کا صریح رد ہے۔ تقیہ کے احتمال (شبہ) کو شیر خدا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے حق میں دخل دینا بھی نادانی کی بنا پر ہے۔ صحیح عقل اس (بات) کو ہرگز جائز نہیں سمجھتی کہ شیر خدا کمال معرفت و شجاعت کے باوجود خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے بغض کو تیس برس تک مخفی رکھیں اور اس کے خلاف کچھ ظاہر نہ کریں اور ان کے ساتھ منافقانہ صحبت رکھیں۔ اس طرح کا نفاق کسی ادنیٰ (درجے کے) مسلمان سے بھی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی برائی کو سمجھنا چاہیے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی جانب کس قسم کی خرابی و فریب اور نفاق منسوب ہو جاتا ہے۔ اگر بفرض محال اسد اللہ کے حق میں تقیہ جائز بھی ہو تو پھر حضرت رسول (اللہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جو تعظیم و عزت کرتے تھے اور شروع سے لے کر آخر تک ان کو بزرگ جانتے رہے ہیں (یہ لوگ) اس کا کیا جواب دیں گے؟ وہاں تقیہ کی گنجائش نہیں ہے اور حق کی تبلیغ کرنا پیغمبر پر واجب ہے، وہاں تقیہ کو داخل کرنا الحاد و کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الرُّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ (سورة المائدة، ۶۷) یعنی: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو ارشادات خدا کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دیں۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ خدا کے پیغام کو پہنچانے میں قاصر رہے اور خدا آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے رکھے گا۔

کافر کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وحی کو جو آپ کے موافق (حق میں) ہے، ظاہر کر دیتے ہیں۔

اور جو جی آپ کے مخالف ہوتی ہے اسے ظاہر نہیں کرتے اور پوشیدہ رکھتے ہیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ نبی کو خطا پر قائم رکھنا جائز نہیں ہے، ورنہ اس کی شریعت میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جب خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی تعظیم و عزت کے خلاف نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کچھ ظاہر نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ ان (خلفائے ثلاثہ) کی تعظیم و عزت کرنا خطا سے مامون اور زوال سے محفوظ ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور ان کے جواب کو زیادہ واضح طور پر کہتے ہیں کہ سب صحابہ (کرامؓ) کی متابعت دین کے اصول میں لازم ہے اور وہ اصول دین میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔ اگر اختلاف ہے تو وہ (صرف) فرع میں ہے۔ جو شخص بعض (صحابہ کرامؓ) کو طعنہ زنی کرتا ہے، وہ سب (صحابہ کرامؓ) کی متابعت سے محروم ہے۔ اگرچہ ان کا کلمہ متفق ہے، مگر دین کے بزرگوں کے انکار کی بدبختی اختلاف میں ڈال دیتی ہے اور اتفاق سے باہر نکال دیتی ہے، بلکہ قائل کا انکار اس کے کلام کے انکار تک پہنچا دیتا ہے۔ نیز شریعت کے پہنچانے والے سب صحابہ (کرامؓ) ہی ہیں، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ لَانَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمْ عَدُوٌّ (کیونکہ سب صحابہ کرامؓ عادل و متقی ہیں)، ہر ایک سے کچھ نہ کچھ شریعت ہم تک پہنچی ہے۔ اسی طرح قرآن (مجید) کو بھی ہر ایک (صحابیؓ) سے ایک یا زیادہ آیات لے کر جمع کیا گیا ہے، پس بعض کا انکار کرنا، گویا اس کی تبلیغ سے بھی انکار کرنا ہے، پھر جب اس منکر کے حق میں پوری شریعت کا بجالانا متحقق (ثابت) نہ ہوا تو اس کی نجات و کامیابی کی امید کس طرح ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفْتُوْنُومُنَّ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ. (سورۃ البقرہ، ۸۵) یعنی: (یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (خدا) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کر دیتے ہو۔ تو جہنم میں سے ایسی حرکت کریں، ان کو سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رُسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں۔

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن (مجید حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کا جمع کیا ہوا ہے، بلکہ درحقیقت قرآن مجید کے جمع کرنے والے حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) اور حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کا جمع کیا ہوا قرآن اس کے علاوہ ہے۔ پس سوچنا چاہیے کہ ان اکابر کا انکار (کرنا) درحقیقت قرآن (مجید) کے انکار تک پہنچا دیتا ہے۔ عَيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ. (اللہ سبحانہ کی پناہ!)

ایک آدمی نے اہل تشیع کے کسی مجتہد سے سوال کیا کہ قرآن (مجید) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا جمع کیا ہوا ہے، آپ اس قرآن (مجید) کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟ اس نے کہا: ”میں اس کے انکار میں مصلحت نہیں دیکھتا، کیونکہ اس کے انکار سے تمام دین درہم برہم ہو جاتا ہے۔“ اس کے علاوہ (کوئی) عقلمند آدمی ہرگز اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ آنسور علیہ الصلوٰت والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال (مبارک) کے روز ہی باطل امر پر اجتماع کر لیں اور ثابت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال (مبارک) کے دن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تینتیس ہزار صحابہ (کرامؓ) حاضر تھے اور انہوں نے (اپنی) رضا و رغبت سے حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کی

بیعت کر لی۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس قدر صحابہ (کرامؓ) کا گمراہی پر جمع ہو جانا محال ہے اور جبکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے کہ لَا تَجْمَعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ^(۲) یعنی: میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

جو توقف حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے ابتدا میں واقع ہوا ہے، وہ اس لیے تھا کہ اس مشورہ میں حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کو بلایا نہیں گیا تھا، جیسا کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ہے: مَا غَضِبْنَا إِلَّا لَتَأْخُرْنَا عَنِ الْمَشُورَةِ وَأَنَا لَنَعْلَمُ إِنَّا أَبَا بَكْرٍ خَيْرٌ مِنَّا... الخ^(۳) یعنی: ہم اس لیے ناراض ہوئے کہ ہمیں مشورہ میں نہیں بلایا گیا، ورنہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ ہم سے بہتر ہیں۔

ان (حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ) کو نہ بلانا بھی کسی مصلحت پر مبنی ہوگا۔ مثلاً اہل بیعت کی تسلی کے لیے اس مصیبت کے صدمہ کے آغاز میں حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ کا ان کے پاس موجود ہونا وغیرہ۔

جو اختلافات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) کے درمیان واقع ہوئے تھے، وہ نفسانی خواہشات کی بنا پر نہیں تھے، کیونکہ ان کے پاکیزہ نفوس تزکیہ پا چکے تھے اور آمادگی سے اطمینان کے درجے کو پہنچ چکے تھے۔ ان کی نفسانی خواہشات شریعت کے تابع ہو چکی تھیں، بلکہ یہ اختلاف اجتہاد اور حق کو بلند کرنے پر مبنی تھا۔ پس ان میں سے خطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ رکھتا ہے۔^(۴) اور صحیح رائے رکھنے والے کے لیے دو درجے ثابت ہیں۔ پھر زبان کو ان کے بارے میں گستاخی کرنے سے روکنا چاہیے اور سب کو بھلائی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔

(حضرت) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: تِلْكَ دِمَاءُ طَهَّرَ اللَّهُ عَنْهَا أَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا۔ یعنی: یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے۔ ہمیں اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھنا چاہیے۔

نیز (حضرت امام) شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے: اضْطَرَّ النَّاسُ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَجِدُوا تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ خَيْرًا مِنْ أَبِي بَكْرٍ فَوَلَّوْهُ رِقَابَهُمْ۔ یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (وصال مبارک) کے بعد لوگ پریشان ہو گئے۔ پس انہوں نے آسمان کے نیچے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے بہتر کسی کو نہ پایا تو ان کو اپنی گردنوں کا والی (سردار) بنالیا۔

یہ واضح قول ہے جو تقیہ کی نفی اور حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کی بیعت پر حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی رضامندی کو ظاہر کرتا ہے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں سیدن ولد میاں شیخ ابوالخیر بزرگ خاندان سے ہے، آپ کے ہمراہ دکن کے سفر میں بھی گیا تھا۔ آپ کی عنایت اور مہربانی کا امیدوار ہے۔ نیز مولانا محمد عارف طالب علم اور بزرگ زادہ ہے، اس کا باپ ملا (بڑا عالم) تھا۔ معاش کی مدد کے لیے آیا ہے اور آپ کی توجہ کا امیدوار ہے۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۸۱)

لالہ بیگ کی طرف تحریر فرمایا۔ اسلام کی ترقی پر ترغیب دینے اور مسلمانوں کی کمزوری و پستی اور گونسا رکافروں کے غلبہ کے بیان میں۔

زَادَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ حَمِيَّةَ الْإِسْلَامِ.

یعنی: اللہ سبحانہ ہماری اور آپ کی اسلامی غیرت میں اضافہ کرے۔

تقریباً ایک صدی سے اسلام پر ایسی غربت چھا گئی ہے کہ کافر اسلامی شہروں میں صرف کفر کے احکام جاری کرنے پر راضی نہیں ہوتے، بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل ختم ہو جائیں اور مسلمانوں اور اسلام کا کوئی نشان نظر نہ آئے۔ حالت اس حد تک پہنچا دی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعائر کا اظہار کرتا ہے تو وہ قتل کر دیا جاتا ہے۔ گائے کا ذبح کرنا ہندوستان میں اسلام کا بڑا شعار (نشان) ہے، کافر جزیہ دینے پر شاید راضی ہو جائیں، لیکن گائے کے ذبح کرنے پر ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ بادشاہت کی ابتدا میں اگر مسلمانی نے رواج پایا اور مسلمانوں نے اعتبار پیدا کر لیا تو بہتر ہے، ورنہ نَعُوذُ بِاللّٰهِ اِگَر (یہ کام) توقف میں جا پڑا تو پھر مسلمانوں پر کام بڑا مشکل ہو جائے گا۔ اَلْغِيَاثُ، اَلْغِيَاثُ، ثُمَّ اَلْغِيَاثُ اَلْغِيَاثُ۔ یعنی: فریاد ہے فریاد، پھر فریاد ہے فریاد!

دیکھئے کون خوش نصیب اس سعادت کو پاتا ہے؟ اور کونسا شہباز اس دولت کو جھپٹ لیتا ہے؟ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ الحديد، ۲۱) یعنی: یہ خدا کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔

تَبَتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۸۲)

سکندر خان لودھی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی ماسویٰ اللہ کو بھلائے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور اس بھلانے کو فنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات، جو کچی چشم سے پاک ہیں، کے صدقے آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور اپنے غیر کے حوالے نہ کرے۔ ہم پر اور آپ پر جو کچھ لازم ہے، وہ اللہ سبحانہ کے غیر سے دل کو سلامت رکھنا ہے اور یہ سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اللہ سبحانہ کے سوا کسی چیز کا دل پر گزرنہ ہو۔ اور اللہ کے سوا کسی چیز کا دل پر نہ گزرنہ ماسویٰ اللہ کے بھلانے سے وابستہ ہے، جس کی تعبیر اس بلند گروہ کے نزدیک فنا سے تعبیر کی گئی ہے۔ اگر بالفرض غیر کو تکلف کے ساتھ بھی دل میں گزرائیں تو بھی ہرگز نہ گزرے۔ جب تک کام اس درجے تک نہ پہنچے (دل کی) سلامتی محال ہے۔ آج تک یہ نسبت کوہ قاف کے عنقا کی مانند نایاب ہے، بلکہ اگر بیان کی جائے تو لوگ یقین نہ کریں:

هَنِيئًا لِّأَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَنْجَرُ

یعنی: نعمت والوں کو اُن کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اول اور آخر سلام ہو۔

ہر چہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است
یعنی: اللہ تعالیٰ کے عشق کے سوا جو کچھ (جتنا بھی) اچھا ہے، خواہ شکر کھانا ہو، وہ (بھی) عذاب ہے۔

ظاہر کو روشن شریعت کے ظاہر سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ اللہ جل و علا کے ساتھ رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ دیکھئے کس صاحب دولت کو ان دو بڑی نعمتوں سے مشرف فرماتے ہیں۔ آج ان دونوں نسبتوں کا جمع کرنا، بلکہ صرف ظاہر شریعت پر استقامت حاصل کرنا بھی بہت کم ہے اور کبریت احمر (سرخ گندھک) کی طرح نایاب ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو اپنے کمال کرم سے سید الاولین و آخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی ظاہری اور باطنی متابعت پر استقامت کرا مت فرمائے۔

مکتوب نمبر (۸۴)

سید احمد قادری کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا شریعت کے علوم و معارف کے ساتھ مطابق ہونا ہے، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى سَيِّدُ الْبَشَرِ (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَيْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمِينَ، جو کجی چشم سے پاک ہیں، کے صدقے شریعت کے راستہ پر استقامت عطا فرما کر ہماری ساری ہمت کو اپنی پاک جناب کی طرف پھیر کر ہم کو کامل طور پر اپنے غیر سے روگردانی عطا فرمائے:

یعنی: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو وہ بہت بھلی ہے۔

اگرچہ جو کچھ بھی دوست کی نسبت سے کہا جاتا ہے، وہ اس کی بات نہیں ہے، لیکن چونکہ اس بات کی اللہ تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ سے ایک قسم کی نسبت ثابت ہے، لہذا (فقیر) مناسب معنی کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس بارے میں جرأت اور زبان درازی کر رہا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ شریعت اور طریقت ایک دوسرے کا عین ہیں اور درحقیقت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ فرق صرف جمال و تفصیل، کشف و استدلال، غیبت و شہادت اور تعمل و عدم تعمل کا ہے۔ جو احکام و علوم روشن شریعت کے مطابق ظاہر اور معلوم ہوئے ہیں، حق الیقین کی حقیقت ثابت ہونے کے بعد یہی احکام و علوم بعینہ تفصیل کے طور پر منکشف ہو جاتے ہیں اور غیبت سے شہادت میں آ جاتے ہیں اور کسب کی مشقت اور عمل کا تکلف درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ حق الیقین کی

حقیقت تک پہنچنے کی علامت اس مقام کے علوم و معارف کا شرعی علوم و معارف کے ساتھ مطابق ہونا ہے۔ جب تک بال برابر بھی مخالفت ہے تو یہ حق الیقین تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے۔ مشائخ طریقت میں سے جس کسی سے بھی علم و عمل میں جو چیز شریعت کے خلاف واقع ہوئی ہے، وہ سکر وقت پر مبنی ہے۔ سکر وقت راستہ کے دوران میں واقع ہوتا ہے۔ نہایت النہایت کے منتہیوں کے لیے سب صحو (ہشیاری) ہے۔ وقت ان کا مغلوب ہے اور حال و مقام ان کے کمال کے تابع ہے:

صوفی ابن الوقت آمد در مثال لیک صافی فارغ است از وقت و حال

یعنی: صوفی وقت (و حال) کا پابند ہے لیکن صافی وقت و حال سے فارغ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ شریعت کے خلاف (کوئی امر) صادر ہونا، حقیقت کا رتک نہ پہنچنے کی علامت ہے۔

بعض مشائخ کی عبارات میں آیا ہے کہ شریعت حقیقت کی کھال ہے اور حقیقت شریعت کا مغز ہے۔ یہ عبارت اگرچہ اس بات کے کہنے والے کی بے استقامتی کی اطلاع دیتی ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ مجمل کو مفصل کے ساتھ وہ نسبت ہے جو مغز کو کھال کے ساتھ ہے اور استدلال کشف کے مقابلہ میں یوں ہے جیسے مغز کے مقابلہ میں کھال ہے۔ لیکن درست حالات (رکھنے والے) بزرگ اس طرح کی وہم پیدا کرنے والی عبارات استعمال کرنا پسند نہیں کرتے اور اجمال و تفصیل اور کشف و استدلال کے علاوہ اور فرق بیان نہیں کرتے۔

ایک سائل نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ سیر و سلوک سے مقصود کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”تا کہ اجمالی معرفت تفصیلی بن جائے اور استدلالی کشفی ہو جائے۔“

رَزَقْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ الثَّبَاتَ وَالْإِسْتِقَامَةَ عَلَى الشَّرِيعَةِ عِلْمًا وَعَمَلًا صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَى صَاحِبِهَا۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر علمی و عملی طور پر ثابت قدمی اور استقامت عطا فرمائے۔

باقی تکلیف یہ دی جاتی ہے کہ اس دعا والے مکتوب کے حامل میاں شیخ مصطفیٰ شریعی قاضی شریح کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے باپ دادا بڑے بزرگ تھے۔ وہ وظائف اور معاش کے ذرائع زیادہ رکھتے تھے۔ مشائخ الیہ معاش کے ذرائع کی تنگی کی وجہ سے پریشان تھے۔ اسناد اور فرامین ساتھ لے کر لشکر (فوج) کی جانب متوجہ ہوا ہے۔ لطف فرماتے ہوئے اس طرح توجہ فرمائیں کہ وہ اس کی جمعیت کے حاصل ہونے کا سبب بن جائے اور یہ پریشانی اور بیقراری سے نجات پائے۔ (اس سے) زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔

مکتوب نمبر (۸۵)

میرزا فتح اللہ حکیم کو تحریر فرمایا۔ اعمال صالحہ کے بجالانے، خاص کر نماز کو باجماعت ادا کرنے کی ترغیب میں اور جو کچھ

اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

وَفَقَّكُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ لِمَرْصِيَّاتِهِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق نصیب کرے۔

آدمی کے لیے جیسا کہ اعتقادات کا درست کرنا ضروری ہے، ایسے ہی اعمال صالحہ کا بجالانا بھی ضروری ہے۔ عبادتوں

میں سب سے جامع عبادت اور سب طاعتوں سے زیادہ مقرب طاعت نماز کا ادا کرنا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: **الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ فَمَنْ أَقَامَهَا فَقَدْ أَقَامَ الدِّينَ وَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّينَ**۔^(۱) یعنی: نماز دین کا ستون ہے، جس شخص نے اس کو قائم کیا، پس اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو ترک کیا اُس نے دین کو گرا دیا۔ جس شخص کو ہمیشہ نماز پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق بخشتے ہیں، اسے بے حیائی اور بُری باتوں سے بھی روک لیتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی تائید کرتی ہے: **إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ**۔ (سورۃ العنکبوت، ۴۵) یعنی: بیشک نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔

جو نماز اس طرح نہیں ہے، وہ نماز کی صورت ہے، (اس کی) حقیقت نہیں رکھتی، لیکن (نماز کی) حقیقت کے حاصل ہونے تک (اس کی) صورت کو بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مَالَا يُذْرِكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ یعنی: جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے، اس کو بالکل ترک بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اکرم الاکرمین (اللہ سبحانہ) اگر (نماز کی) صورت کو (نماز کی) حقیقت کا درجہ عطا کر دے تو کچھ بعید نہیں ہے۔ پس آپ پر واجب ہے کہ ہمیشہ نماز کو باجماعت (اور) خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کریں، کیونکہ یہ نجات اور خلاصی کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ. الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ**۔ (سورۃ المؤمنون، ۱-۲) یعنی: بیشک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔

کام وہی ہے جو خطرہ کے باوجود کیا جائے۔ سپاہی دشمن کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑا سا بھی تر د ذکر کرتے ہیں تو وہ بڑا اعتبار پیدا کرتا ہے۔ جوانی کی نیکی اس وجہ سے اعتبار رکھتی ہے کہ نفسانی شہوت کے غلبہ کے باوجود انہوں نے خود کو نیکی میں لگایا ہے۔ اصحاب کھف نے اتنی بڑی بزرگی دین کے مخالف سے ہجرت کرنے کی وجہ سے پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے: **عِبَادَةٌ فِي الْهَرَجِ كَهَجْرَةِ الْيَمِّ**۔^(۲) یعنی: فتنہ کے وقت میں عبادت کرنا ایسا ہے، جیسا کہ میری جانب ہجرت کرنا۔ پس مخالف درحقیقت عین باعث ہے۔ اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔

میرے فرزند شیخ بہاء الدین کو فقراء کی صحبت پسند نہیں آتی، وہ دولت مندوں اور امیروں کی جانب مائل ہے اور گھلامار ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور ان کا مرغن لقمہ ظلمت کو بڑھانے والا ہے۔ ان سے بچو، بچو! پھر بچو، بچو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں آیا ہے: **مَنْ تَوَاضَعَ لِعَنِي لِعَنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِينِهِ فَوَيْلٌ لِمَنْ تَوَاضَعَهُمْ لِعَنَاهُمْ**۔^(۳) یعنی: جس نے کسی دولت مند کی اس کی دولت کے باعث تواضع کی، اس کے دین کا دو تہائی حصہ ضائع ہو گیا۔ پس خرابی ہے اس کے لیے جس نے دولت مندوں کی دولت کی وجہ سے تواضع کی۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ اس سے بچنے کی توفیق بخشنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۸۶)

جرک کے علاقہ کے حکام میں سے کسی کو تحریر فرمایا۔ اللہ سبحانہ کے غیر سے دل کو سلامت رکھنے کے بیان میں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّم مِنْ الصَّلٰوٰتِ اَفْضَلُہَا وَمِنْ

التَّحِيَّاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ اكْمَلُهَا كَصَدَقَةِ اعْتِدَالٍ كِي حُدُودِ انصاف کے مرکز پر استقامت عطا فرمائے۔

ہم پر اور آپ پر جو چیز لازم ہے، وہ اللہ سبحانہ کے غیر کی گرفتاری سے دل کو سلامت رکھنا ہے۔ یہ سلامتی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب اللہ سبحانہ کے غیر کا خیال دل میں نہ رہے۔ اگر بالفرض ہزار سال تک زندگی وفا کرے تو بھی اس نسیان (بھلانے) کی وجہ سے جو دل کو ماسوی اللہ سے حاصل ہو چکا ہے، دل پر اللہ کے غیر کا گزر نہ ہو:

ع کار ایں است و غیر ایں ہمہ ہیج

یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

آپ نے ملاقات کے وقت از روئے کرم کہا تھا کہ اگر کوئی مشکل یا کام پیش آجائے تو ہمیں لکھنا۔ اسی وجہ سے زحمت دی ہے کہ شیخ عبداللہ صوفی نیک آدمیوں میں سے ہے۔ بعض ضرورتوں کی بنا پر قرضدار ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ اسے قرض سے چھڑانے کے لیے مدد فرمائیں گے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۸۷)

پہلوان محمود کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ کیسی سعادت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دوست کسی کو قبول فرما لیں۔

تَبَتَّكُمُ اللَّهُ تَعَالَى وَتَبَّتْكُمْ عَلَى جَادَّةِ الشَّرِيعَةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ. یعنی: اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔ آپ کے خاندان کے لیے پہلی بشارت میاں شیخ منزل کا آنا ہے۔ (فقیر) ان کی صحبت کی برکات کی کیا شرح کرے۔ کتنی بڑی سعادت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دوست کسی کو قبول کر لیں، چہ جائیکہ محبت و قربت سے ممتاز فرمائیں۔ ”هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ.“^(۱) یعنی: یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہم نشین بد قسمت نہیں ہوتا۔

غرض آپ ان کی صحبت کو نعمت سمجھیں اور صحبت کے آداب کا لحاظ رکھیں، تاکہ مؤثر رہے۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے؟ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اول اور آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸۸)

یہ بھی پہلوان محمود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کسی شخص نے ایمان و نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بال سفید کیے ہوں اور جوانی میں اس پر خوف اور بڑھاپے میں امید غالب رہی ہو۔

اللہ سبحانہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی شخص ایمان و نیکی کے ساتھ اپنے سیاہ بال سفید کرے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے: مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ غُفِرَ لَهُ.^(۱) یعنی: جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا، اس کو بخش دیا جائے گا۔

آپ امید کی طرف کو ترجیح دیں اور معرفت کے گمان کو غالب رکھیں، کیونکہ جوانی میں خوف کی زیادہ ضرورت ہے اور بڑھاپے میں امید زیادہ غالب رکھنی چاہیے۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اول اور آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۸۹)

میرزا علی جان کی طرف تحریر فرمایا۔ تعزیت کے بیان میں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والحقہ کی شریعت کے راستے پر استقامت عطا فرمائے۔ آدمی کو (اس آیت کریمہ) کے حکم سے موت سے چارہ نہیں ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. (سورۃ آل عمران، ۱۸۵) یعنی: ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے۔

فَطُوبَىٰ لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَكَثُرَ عَمَلُهُ. ^(۱)

یعنی: پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے (نیک) عمل زیادہ ہوں۔

یہی موت ہے جس سے مشتاقوں کو تسلی دیتے ہیں اور دوست کے دوست تک پہنچنے کا وسیلہ بناتے ہیں۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ. (سورۃ العنکبوت، ۵) یعنی: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو اللہ کا (مقرر کیا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے۔

جی ہاں! دنیا میں رہ جانے والوں اور وصولِ حق کی دولت سے محروم رہنے والوں اور دنیا سے آزاد نہ ہونے والوں کا حال خراب اور اتر ہے۔ آپ کے ولی نعمت مرحوم کا وجود اس زمانے میں بہت بڑی غنیمت تھا۔ آپ کے لیے ضروری ہے کہ احسان کے بدلے احسان کریں اور لحظہ بہ لحظہ دعا اور صدقہ سے (ان کی) مدد کریں۔ فَإِنَّ الْمَيِّتَ كَالْغَرِيقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبِي أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ. ^(۲) یعنی: بلاشبہ مرنے والا ڈوبنے والے کی مانند ہوتا ہے، وہ اس دعا کا منتظر ہوتا ہے جو اسے باپ، ماں، بھائی اور دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔

نیز آپ کو چاہیے کہ ان کی موت سے اپنی موت کی عبرت حاصل کریں اور اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی رضاؤں کے سپرد کر دیں اور دنیا کی زندگی کو دھوکے کے سامان کے علاوہ کچھ نہ سمجھیں۔ اگر دنیاوی فائدوں کی ذرا سی بھی قدر و قیمت ہوتی تو بدکردار کافروں کو بال کے سر کے برابر بھی کوئی چیز عطا نہ فرماتے۔ رَزَقْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَآيَاتُكُمْ الْإِعْرَاضَ عَمَّا سِوَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَالْإِقْبَالَ إِلَىٰ جَنَابِ قُدْسِهِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَعَلَيْهِمْ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو (حضرت) سید المرسلین (محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اپنے غیر سے منہ موڑنے اور اپنی بارگاہ پاک کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق بخشے۔ وَالسَّلَامُ وَالْأَكْرَامُ.

مکتوب نمبر (۹۰)

خواجہ قاسم کی طرف تحریر فرمایا۔ اس کی ترغیب دینے میں کہ پوری طرح اللہ سبحانہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور آج اس

دولت کا حاصل ہونا اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے حضرات قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ توجہ و اخلاص پر وابستہ ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ (حضرت) سید البشر (محمد مصطفیٰ) عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا جو کجی چشم سے پاک ہیں، کے صدقے کمینی دنیا کو آپ کی ہمت کی نظر میں رسوا اور بے اعتبار بنا کر آخرت کے حسن و

جمال کو آپ کے باطن میں آراستہ و مزین فرمائے۔

آپ کا محبت نامہ قابل قدر تحائف کے ساتھ وصول ہوا، آپ نے کرم فرمایا۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔
یعنی: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

جو نصیحت دوستوں اور مخلصوں کو کی جاتی ہے، وہ سب یہی ہے کہ پوری طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ پاک میں توجہ میسر ہو جائے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غیر سے روگردانی حاصل ہو جائے:

ع کار ایں است و غیر ایں ہمہ ہیچ
یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

آج اس دولت کا حاصل ہونا اس سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے حضرات (قدس اللہ اسرارہم) کے ساتھ توجہ و اخلاص پر وابستہ ہے۔ (یہ) سخت ریاضتوں اور شدید مجاہدوں سے اس قدر میسر نہیں ہوتی جتنی ان (بزرگوں) کی ایک صحبت میں حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ ان بزرگواروں کے طریقہ میں نہایت ابتدا میں درج ہے۔ وہ پہلی صحبت میں وہ چیز بخش دیتے ہیں، جو (دوسرے طریقہ کے) منتہیوں کو نہایت میں ہاتھ لگتی ہے۔ ان بزرگواروں کا طریقہ صحابہ (کرامؓ) کا طریقہ ہے، کیونکہ ان کو خیر البشر علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی پہلی صحبت میں وہ کمالات حاصل ہوتے تھے، جو اُمت کے اولیاء کو نہایت میں شاید ہی میسر ہوں اور یہ ابتدا میں انتہا کے درج ہونے کا طریقہ ہے۔ پس آپ پر ان بزرگواروں کی محبت واجب ہے اور کام کا دار و مدار اسی پر ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اور آپ پر، سب ہدایت کی پیروی کرنے والوں اور (حضرت محمدؐ) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑنے والوں پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۱)

شیخ کبیر کی جانب تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ عقائد کی تصحیح اور نیک اعمال کا بجالانا دونوں عالم قدس کی طرف اڑنے کے لیے پڑ ہیں۔ شریعت کے اعمال اور حقیقت کے احوال سے مقصد نفس کا پاک کرنا اور دل کا صاف کرنا ہے۔
رَزَقْنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاِيَّاكُمْ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰی مُتَابَعَةِ السُّنَنِ السَّنِيَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن سنت کی پیروی پر استقامت عطا فرمائے۔
کام یہ ہے کہ اول اہل سنت و جماعت جو فرقہ ناجیہ ہیں، کے علماء کی آرا کے مطابق عقائد کو درست کرنا چاہیے۔ پھر فقہی احکام کی رو سے علم و عمل کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیے۔ ان دو اعتقادی اور عملی پروں کے حاصل کرنے کے بعد عالم قدس کی طرف پرواز کا ارادہ کرنا چاہیے:

ع کار ایں است و غیر ایں ہمہ ہیچ
یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

شریعت کے اعمال اور طریقت و حقیقت کے احوال سے مقصد نفس کا پاک کرنا اور دل کا صاف کرنا ہے۔ جب تک نفس

پاکیزہ نہ بنے اور دل سلامتی پیدا نہ کرے، ایمان حقیقی جس سے نجات وابستہ ہے، وہ حاصل نہیں ہوتا۔ دل کی سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس کے غیر کا خیال دل میں ہرگز نہ آئے۔ (پھر) اگر ہزار سال گزر جائیں تو بھی دل میں غیر کے خیال کا گزر نہیں ہوگا، کیونکہ اس وقت دل کو ماسویٰ اللہ کا نسیان کامل طور پر حاصل ہو جاتا ہے، لہذا اگر تکلف کے ساتھ بھی اسے (غیر کی) یاد دلائیں تو یاد نہیں کرتا۔ اس حالت کو فنا کہتے ہیں اور یہ اس راستے میں پہلا قدم ہے۔ وَبَدْوُهَا خَرُطُ الْقَتَادِ یعنی: اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا یعنی: اوّل اور آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۲)

یہ بھی شیخ کبیر کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ دل کا اطمینان ذکر سے وابستہ ہے، نہ کہ نظر اور دلائل سے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

تَبَتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى الشَّرِيعَةِ الْمُصْطَفَى عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ.
یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اور آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر ثابت قدم رکھے۔
أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ. (سورۃ الرعد، ۲۸) یعنی: سن لو، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔
اللہ سبحانہ کا ذکر قلب کے اطمینان کا ذریعہ ہے، نہ کہ نظر اور دلائل:

پائے استدلالیاں چوبیس بود پائے چوبیس سخت بے تمکین بود
یعنی: بے جا بحث کرنے والوں کے پاؤں کا ٹھکے ہیں اور کاٹھ کے پاؤں بے تمکین ہوتے ہیں۔
کیونکہ ذکر کرنے سے اللہ سبحانہ کی پاک درگاہ سے ایک قسم کی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے، اگرچہ ذکر کرنے والے کو اس پاک ذات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے:

ع مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو پروردگار عالم سے کیا نسبت ہے۔

لیکن ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک طرح کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا سبب بنتا ہے۔ جب محبت غالب ہو گئی تو پھر اطمینان کے سوا کچھ نہیں ہے اور جب معاملہ قلب کے اطمینان تک پہنچ گیا تو ہمیشہ کی دولت اس (سالک) کے شامل حال ہو گئی:

ذکر گو ذکر تا ترا جانست پاکی دل ز ذکر رحمن است
یعنی: جب تک جان ہے تو ذکر کر ذکر، دل کی پاکی رحمن (اللہ تعالیٰ) کے ذکر سے (حاصل ہوتی) ہے۔
وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا یعنی: اوّل اور آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۳)

سکندر خان لودھی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سب اوقات میں اللہ جل شانہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔
پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرنے اور سنت مؤکدہ پڑھنے کے بعد اپنے اوقات کو اللہ جل شانہ کے ذکر میں مصروف

رکھنا چاہیے اور اس کے غیر کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ خواہ وہ کھانا ہو، خواہ وہ سونا ہو اور خواہ وہ آنا ہو اور خواہ وہ جانا ہو۔ ذکر کا طریقہ آپ کو سکھایا ہوا ہے، اسی طریقہ پر عمل کریں۔ اگر آپ جمعیت میں خلل پائیں تو پہلے خلل کا سبب معلوم کرنا چاہیے اور اس کے بعد اس کو تباہی کو دور کرنا چاہیے اور کامل عاجزی اور زاری کے ساتھ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں متوجہ ہونا چاہیے اور اس ظلمت کی دوری چاہنی چاہیے اور جس شیخ سے ذکر سیکھا ہے اس کو وسیلہ بنانا چاہیے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُبَيِّنُ كُلَّ عَسِيرٍ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اور سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۴)

خضر خان لودھی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی کو عقائد کی تصحیح اور نیک اعمال کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے، تاکہ

(سالمک) ان دو پروں کے ساتھ حقیقت عالم کی جانب پرواز کرے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی شریعت کے راستے پر آپ کو استقامت عطا فرمائے۔ جو چیز ضروری اور لازمی ہے وہ اوّل: نجات پانے والے لگروہ اہل سنت و جماعت کی آراء کے مطابق عقائد کو درست کرنا اور دوم: فرائض و سنن، واجبات و مستحبات، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کا علم حاصل کرنے کے بعد ان کو فقہی احکام کے مطابق بجالانا۔ جب یہ دو اعتقادی اور عملی پر حاصل ہو گئے اور اگر اللہ جل سلطانہ کی توفیق نے یاری فرمائی تو ہو سکتا ہے کہ (سالمک) عالم حقیقت کی طرف پرواز کرے۔ ان دو پروں کے حاصل ہونے کے بغیر عالم حقیقت تک پہنچنا محال ہے۔ شعر:

محال است سعدی کہ راہ صفا توان رفت جزو در پئے مصطفیٰ

یعنی: سعدی محال ہے کہ (حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کے بغیر راہ صفا طے کیا جاسکے۔

ثَبَّتْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَاَيُّكُمْ عَلٰی مُتَابَعَةِ عَلَيْهِ وَاَعْلٰی اِلٰهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر (۹۵)

سید احمد بجواڑی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی ایک نسخہ جامع ہے اور اس کا قلب بھی جامعیت کی صفت پر پیدا کیا گیا

ہے۔ بعض مشائخ کے اقوال جو سکر کی حالت میں قلب کی وسعت وغیرہ کے بارے میں بیان ہوئے ہیں، وہ مختلف

توجیہات پر محمول ہیں۔ نیز اس بیان میں کہ صحو سکر سے افضل ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

انسان ایک جامع نسخہ ہے۔ جو کچھ تمام موجودات ہے، وہ سب تنہا انسان میں موجود ہے، لیکن عالم امکان سے حقیقت

کے طریقہ پر اور مرتبہ و وجوب سے صورت کے طریقہ پر۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔^(۱)

یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق فرمایا۔

اسی جامعیت پر انسان کا قلب ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے، وہ سب تنہا قلب میں موجود ہے۔ لہذا اسے

حقیقت جامع کہتے ہیں۔ اسی جامعیت کی بنا پر بعض مشائخ نے قلب کی وسعت اس طرح بتائی ہے کہ اگر عرش اور جو کچھ اس

میں ہے، کو عارف کے دل کے کونے میں ڈال دیا جائے تو کچھ بھی محسوس نہ ہو، کیونکہ قلب چار عناصر (آگ، پانی، خاک،

ہوا) آسمانوں، عرش و کرسی اور عقل و نفس کا جامع ہے اور مکانی و لامکانی کو شامل ہے۔ پس یقیناً لامکانیت کو شامل ہونے کی بنا پر عرش اور جو کچھ اس میں ہے، اس کی کوئی مقدار قلب میں شامل نہ ہوگی، کیونکہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے، وہ وسعت کے باوجود دائرہ امکان میں داخل ہے اور مکانی (چیز) اگرچہ وسیع ہے، لیکن لامکانی کے مقابلہ میں تنگ ہے اور کوئی مقدار نہیں رکھتی۔ لیکن مشائخِ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے اربابِ صحو (ہوش والے حضرات) جانتے ہیں کہ یہ حکم سکر پر مبنی ہے اور کسی چیز کی حقیقت اور اس کے نمونے کے درمیان تمیز نہ کرنے پر محمول ہے۔ عرش مجید جو ظہورِ تام کا محل ہے، اس سے بہت زیادہ بلند ہے کہ تنگ قلب میں سما سکے۔ جو کچھ قلب میں عرش کی نسبت دکھائی دیتا ہے، وہ عرش کا نمونہ ہے، نہ کہ عرش کی حقیقت، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نمونہ قلب کے مقابلہ میں جو بیشمار نمونوں کا جامع ہے، کچھ بھی مقدار نہیں رکھتا۔ وہ آئینہ جس میں اتنا بڑا آسمان دوسری چیزوں کے ساتھ دکھائی دیتا ہے، نہیں کہہ سکتے کہ وہ آئینہ آسمان سے زیادہ وسیع ہے۔ جی ہاں! آسمان کی صورت جو آئینہ میں ہے، وہ آئینہ کے مقابلہ میں چھوٹی ہے نہ کہ وہ آسمان کی حقیقت ہے۔ یہ بحث ایک مثال سے روشن ہو جاتی ہے۔

مثلاً انسان میں عنصرِ خاک کے کرہ کا ایک نمونہ مخفی ہے۔ انسان کی جامعیت پر نظر کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان کا وجود کرہ خاک سے زیادہ وسیع ہے، بلکہ انسان کا وجود کرہ خاک کے مقابلہ میں ایک حقیر چیز کے سوا کچھ مقدار نہیں رکھتا۔ بلکہ حقیر چیز کے نمونے کو چیزِ جان کر یہ حکم وقوع میں آتا ہے۔ بعض مشائخ کا کلام اسی طرح کا ہے جو انہوں نے سکر کے غلبہ میں کہا ہے کہ جامعیتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تبارک و تعالیٰ کی جامعیت سے زیادہ جامع ہے۔ جب انہوں نے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام والحق یہ کہ کو امکان اور مرتبہ وجوب کی حقیقت کا جامع سمجھا ہے تو اس لیے انہوں نے یہ حکم کیا ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جامعیت اللہ تعالیٰ شانہ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔ یہاں بھی انہوں نے صورت کو حقیقت سمجھ کر یہ حکم کیا ہے۔ (حضرت) محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات مرتبہ وجوب کی صورت کے جامع ہیں، نہ کہ (مرتبہ) وجوب کی حقیقت کے، اور اللہ تعالیٰ و تقدس حقیقی واجب الوجود ہے۔ اگر (مذکورہ بالا مشائخ) وجوب کی حقیقت اور اس کی صورت کے درمیان تمیز کرتے تو ایسا حکم (ہرگز) نہ کرتے، اس طرح کہ سکر یہ احکام سے اللہ سبحانہ پاک ہے۔ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بندے ہیں اور محدود و متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ و تقدس غیر محدود اور نامتناہی ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو کچھ احکام سکر یہ سے ہے، وہ مقام ولایت سے ہے اور جو کچھ صحو سے ہے، وہ مقام نبوت سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کامل پیروکاروں کو بھی تابعداری کی وجہ سے صحو کے طور پر اس مقام سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔

(حضرت) شیخ ابویزید بسطامی قدس سرہ کے پیروکار سکر کو صحو پر فضیلت دیتے ہیں، لہذا (حضرت) شیخ ابویزید بسطامی قدس سرہ کہتے ہیں: لَوَانِي أَرْفَعُ مِنْ لَوَاءِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)۔

یعنی: میرا جھنڈا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے۔

حضرت ابویزید بسطامی قدس سرہ اپنے جھنڈے کو ولایت کا جھنڈا جانتے ہیں اور حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے جھنڈے کو نبوت کا جھنڈا سمجھتے ہیں۔ ولایت کے جھنڈے کو، جو سکر کی طرف رخ رکھتا ہے، نبوت کے جھنڈے پر، جو صحو کی

جانب رخ رکھتا ہے، ترجیح دیتے ہیں۔ بعض مشائخ نے جو کہا ہے کہ الْوَلَايَةُ أَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّةِ (یعنی: ولایت نبوت سے افضل ہے)، یہ بھی اسی قسم کی باتوں میں سے ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ولایت میں حق تعالیٰ کی جانب رخ رکھتے ہیں اور نبوت میں صرف مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف رخ کرنا مخلوق کی طرف رخ کرنے سے افضل ہے۔ بعض (مشائخ) نے اس بات کی توجیح میں کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس طرح کی باتیں بیکار دکھائی دیتی ہیں، کیونکہ نبوت میں صرف مخلوق کی طرف ہی رخ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ (نبی) خالق کی طرف بھی توجہ رکھتا ہے۔ اس کا باطن حق سبحانہ کے ساتھ اور ظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور جو شخص اپنی ساری توجہ مخلوق کی جانب رکھتا ہے، وہ بد بختوں میں سے ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سب موجودات میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر دولت انہی کو نصیب ہوئی ہے۔ ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کل ہے۔ یقیناً نبوت ولایت سے افضل ہے، خواہ ولایت نبی کی ہو یا ولی کی۔

پس جو سکر سے افضل ہے، کیونکہ سحر میں سکر موجود ہے، جیسا کہ ولایت نبوت میں موجود ہے۔ صرف سحر جو عام لوگوں کو حاصل ہے، وہ بحث سے خارج ہے۔ اس سحر پر سکر کو ترجیح دینا کچھ معنی نہیں رکھتا اور وہ سحر جو جس میں سکر موجود ہے، یقیناً وہ سکر سے افضل ہے۔

شرعی علوم جن کے صادر ہونے کی جگہ مرتبہ نبوت ہے، وہ سراسر سحر ہے اور ان علوم کے مخالف جو کچھ ہو وہ سکر ہے۔ سکر والا شخص معذور ہے، تقلید کے لائق سحر کے علوم ہیں نہ کہ سکر کے علوم۔ ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى تَقْلِيدِ الْعُلُومِ الشَّرِيعَةِ، عَلَى مَصْدَرِهَا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں شرعیہ کی تقلید پر ثابت قدم رکھے (اور) ان علوم کے مصدر (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام ہو۔

ع وَبَرَحْمُ اللَّهُ عَبْدًا قَالَ آمِينَ

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

اس حدیث قدسی میں جو آیا ہے: لَا يَسْعُنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلَكِنْ يَسْعُنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ. (۲) یعنی: میں زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

اس سامنے سے مراد مرتبہ وجوب کی صورت کا سامنا ہے، نہ کہ حقیقت کا، کیونکہ حلول وہاں محال ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ پس ظاہر ہوا کہ قلب کا لامکانیت کو شامل ہونا لامکانیت کی صورت کے اعتبار سے ہے، اس کی حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے۔ تاکہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس کو اس کی ذات واجب کے سامنے کچھ مقدار نہ ہو۔ یہ حکم لامکانیت کی حقیقت سے مخصوص ہے۔

مکتوب نمبر (۹۶)

محمد شریف کی طرف تحریر فرمایا۔ آج کا کام کل پڑا لے اور تاخیر سے روکنے اور اس پر جھڑکنے اور (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنے کا شوق دلانے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس

کے بیان میں)۔

اے فرزند! آج فرصت کا وقت ہے اور اطمینان کے تمام اسباب میسر ہیں، (لہذا) آج کا کام کل پر ڈالنے اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ بہترین اوقات جو کہ جوانی کا زمانہ ہے، کو بہترین اعمال جو کہ مولیٰ تعالیٰ و تقدس کی طاعت و عبادت ہے، میں مصروف رکھنا چاہیے۔ جو چیزیں شرعی طور پر حرام اور مشتبہ ہیں ان سے اجتناب کرتے ہوئے پانچ وقت باجماعت نماز کو ادا کرنا لازمی بنانا چاہیے اور صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کا ادا کرنا اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔ اس کو بھی شوق سے، بلکہ (اللہ تعالیٰ کا) احسان سمجھ کر ادا کرنا چاہیے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے تمام دن رات میں پانچ وقت عبادت کے لیے مقرر فرمائے ہیں اور بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے جانوروں سے چالیسواں حصہ تحقیق کے ساتھ یا اندازے سے فقیروں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ اور جائز چیزوں کے تصرف کا میدان کھلا کر دیا ہے۔ بڑی بے انصافی ہے کہ دن رات کی ساٹھ گھڑیوں میں سے دو گھڑی بھی حق سبحانہ کی عبادت میں صرف نہ ہوں اور چالیس حصوں میں ایک حصہ بھی فقیروں کو نہ دیا جائے اور جائز چیزوں کے وسیع دائرہ سے پاؤں باہر نکال کر حرام اور مشتبہ چیزوں پر جا پڑیں۔ جوانی کے زمانے میں جو نفس امارہ کے غلبہ اور لعنتی شیطان کے زور کا وقت ہے، تھوڑے سے عمل کا بہت زیادہ اجر دیا جاتا ہے۔ کل کو جب نکمی عمر کو پہنچا دیں گے اور حواس اور قوتوں میں کمزوری پیدا کر دیں گے اور اطمینان کے اسباب بکھر جائیں گے تو پھر شرمندگی اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ زیادہ (امکان) ہے کہ کل تک مہلت نہ دیں اور ندامت و پشیمانی جو توبہ کی ایک قسم ہے، بھی میسر نہ ہو اور ہمیشہ کا عذاب اور دائمی سزا جس کے بارے میں پیغمبر صادق علیہ من الصلوٰات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے آگاہ فرمایا ہے اور گنہگاروں کو اس سے ڈرایا ہے، وہ سامنے آجائے۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں! آج شیطان اللہ تبارک و تعالیٰ کے کرم کا فریب دے کر سستی میں ڈالتا ہے اور اللہ سبحانہ کے عفو کا بہانہ بنا کر گناہ کا مرتکب بناتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ دنیا کا گھر جو آزمائش اور ابتلا کی جگہ ہے، اس میں دوست اور دشمن کو ملا جلا کر رکھا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا گیا ہے۔ (یہ آیت) کریمہ اس کی خبر دیتی ہے:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ. (سورة الاعراف، ۱۵۶) یعنی: اور میری رحمت نے سب چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔

قیامت کے روز دشمن کو دوست سے جدا کر دیا جائے گا۔ (یہ آیت) کریمہ اس کی خبر دیتی ہے: وَامْتَأَنُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ. (سورة یٰسین، ۵۹) یعنی: اور اے گنہگارو! آج الگ ہو جاؤ۔

اور اس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام ڈالیں گے اور دشمنوں کو بالکل محروم اور حقیقی ملعون فرما دیں گے۔ (یہ آیت) کریمہ اس معنی پر گواہ ہے: فَسَاكُنْهَا لِلَّذِينَ يَنْقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ. (سورة الاعراف، ۱۵۶) یعنی: میں عنقریب اس (اپنی رحمت کو) ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

یعنی بیشک میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لیے ثابت کروں گا جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ پس (اللہ تعالیٰ نے) کرم اور رحمت کو آخرت میں نیکوکاروں اور نیک کردار مسلمانوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ جی ہاں! مطلق

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است
یعنی: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غمِ دل بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده خاطر ہو جائے گا، ورنہ بات بہت
(لمبی) ہے۔

اللہ سبحانہ (حضرت) محمد رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اپنی رضاؤں اور پسندیدہ کاموں کی توفیق بخشے۔
باقی مقصود یہ ہے کہ (اس) مکتوب کا حامل مولانا اسحاق فقیر کا آشنا اور مخلص ہے اور قدیم ہمسائیگی کا حق بھی رکھتا ہے۔
اگر (یہ) کوئی مدد اور اعانت طلب کرے تو (امید ہے کہ آپ) اس کے حال پر توجہ فرمائیں گے۔ مثلاً الیہ کتابت اور انشاء کے فن میں خوب مہارت رکھتا ہے۔ والسلام۔

شیخ درویش کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جن عبادتوں کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مقصود یقین حاصل کرنا ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّوَاتِہُمْ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَكْمَلُہَا کے صدقے ہم مفلسوں کو ایمان کی حقیقت سے مشرف فرمائے۔

جس طرح انسان کی پیدائش سے مقصود حکم دی ہوئی عبادتوں کا بجالانا ہے، اسی طرح حکم دی ہوئی عبادتوں کے ادا کرنے سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے، جو کہ ایمان کی حقیقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ (اس آیت) کریمہ میں اسی مطلب کی جانب اشارہ ہو: **وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ**۔ (سورۃ الحجۃ، ۹۹)

یعنی: اور اپنے رب کی عبادت کیے جاؤ، یہاں تک کہ تمہیں یقین یعنی موت آجائے۔

یعنی: لَا جَلَ اَنْ يَّاتِيَنَّكَ الْيَقِيْنُ۔ (تاکہ تجھے یقین آجائے)۔ گویا جو ایمان عبادت ادا کرنے سے پہلے ہے، وہ ایمان کی صورت ہے، نہ کہ ایمان کی حقیقت جس کی تعبیر یقین سے لگئی ہے۔

اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ارشاد فرماتا ہے: يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (سورة النساء، ۱۳۶) اَيِّ الَّذِينَ آمَنُوا صُورَةً آمَنُوا حَقِيقَةً بَادِئًا وَظَائِفِ الْعِبَادَاتِ الْمَمْمُورَةِ.

ترجمہ: اے مومنو! تم ایمان لاؤ۔ مراد یہ ہے کہ اے لوگو! جو ظاہری طور پر ایمان لائے ہو، عبادات مامورہ کے وظائف

کو ادا کر کے حقیقی ایمان لاؤ۔

فنا و بقا جس کے حاصل ہونے سے مراد ولایت ہے، اس سے مقصود صرف یہی یقین ہے اور اگر فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے کچھ اور معنی مراد لیں جو حلول کرنے اور محل خدا ہونے کے وہم میں ڈالتے ہوں تو یہ بالکل الحاد اور زندقہ ہے۔ حال اور سرگرمی کے غلبہ میں ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جن سے آخر گزر جانا چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے۔

(حضرت) ابراہیم بن شیبان (رحمۃ اللہ علیہ) جو مشائخ طبقات قدس اللہ اسرارہم میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ”فنا و بقا کا علم وحدانیت کے اخلاص اور عبودیت کی صحت کے گرد گھومتا ہے اور اس کے ماسوا مغالطہ اور زندقہ ہے۔“ سچ ہے کہ (حضرت ابراہیم) درست فرماتے ہیں اور یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے۔ فنا فی اللہ سے مراد اللہ سبحانہ کی مرضیات میں فنا ہونا ہے۔ سیرالی اللہ اور سیر فی اللہ وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جاتا ہے۔

(فقیر آپ کو) دوسری تکلیف یہ دیتا ہے کہ نیک آثار شیخ اللہ بخش نیکی، تقویٰ اور فضیلت سے آراستہ ہیں اور ایک بڑی جماعت ان سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر وہ کسی معاملہ میں کوئی مدد طلب کریں تو اُمید ہے کہ آپ ان کے حال پر توجہ شریف فرمائیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی جَمِیْعٍ مِّنْ اَتْبَاعِ الْهُدٰی۔

یعنی: آپ پر اور جو لوگ ہدایت کے راستے پر چلیں ان سب پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۹۸)

عبدالقادر ولد شیخ ذکریا کو تحریر فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں نرمی اختیار کرنے اور سختی کو ترک کرنے کا شوق دلانے (کے بیان) میں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ مرکز عدالت پر استقامت عطا فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم من الصلوٰت افضلها ومن التسلیمات اکملها کی چند حدیثیں جو یاد دہانی اور وعظ و نصیحت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، (فقیر نے) وہ لکھی ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کے مطابق عمل میسر فرمائے۔

✦ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى تَعَالَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ^(۱)۔

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والا ہے، نرمی پسند فرماتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو سختی اور نرمی کے علاوہ کسی دوسری شے پر عطا نہیں فرماتا۔

✦ اور اسی (مسلم) کی ایک (دوسری) روایت میں ہے: قَالَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: عَلَيْكَ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكَ وَالْعُنْفِ وَالْفُحْشَ إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ^(۲)۔

یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت سیدہ) عائشہ (صدیقہ) رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر نرمی کو لازم پکڑو اور خود کو سختی اور بیجا گفتگو سے باز رکھو، کیونکہ نرمی جس چیز میں ہو اُس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نکل جائے اس کو عیب والا بنا دیتی ہے۔

- ♦ وَقَالَ أَيضًا عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ: مَنْ يُحْرَمَ الرِّفْقُ يُحْرَمَ الْخَيْرَ. (۳)
- یعنی: نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص نرمی سے محروم ہو وہ بھلائی سے محروم رہا۔
- ♦ وَقَالَ أَيضًا عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ: إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا. (۴)
- یعنی: نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک تم میں سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔
- ♦ وَقَالَ أَيضًا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (۵)
- یعنی: نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو نرمی کا کچھ حصہ عطا کیا گیا، اسے دنیا و آخرت (کی بھلائی) سے حصہ دیا گیا۔
- ♦ وَقَالَ أَيضًا عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ: الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَدْءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ. (۶)
- یعنی: نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیا ایمان سے ہے اور ایمان (والا) جنت میں ہے اور بیہودہ گوئی جفا (ظلم) سے ہے اور جفا (والا) دوزخ میں ہے۔
- ♦ إِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ. (۷)
- (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والے بیہودہ گو کو دشمن رکھتا ہے۔
- ♦ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ يَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ. عَلَى كُلِّ هَيْنٍ لَيْنٍ قَرِيبٍ سَهْلٍ. (۸)
- یعنی: (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): کیا میں تمہیں اس شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ پر حرام اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو!) ہر وہ شخص جو نرم ہو، متواضع (لوگوں کے) قریب اور آسان طبع ہو (اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے)۔
- ♦ الْمُؤْمِنُونَ هَيْنُونَ لَيْنُونَ كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ إِنْ قِيدَ انْقَادَ وَإِنْ اسْتَيْخَ عَلَى صَخْرَةٍ اسْتَخَ. (۹)
- (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): مومن (سب) ناک میں مہارڈالے ہوئے اونٹ کی طرح نرم و متواضع ہوتے ہیں، جس کو پکڑ کر چلا جائے تو چل پڑتا ہے اور جب اس کو پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔
- ♦ وَمَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنْقِذَهُ دَعَاهُ اللَّهُ عَلَى رَأْءٍ وَسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَتَّى يُخَيَّرَهُ فِي أَى الْحَوَارِآءِ شَاءَ. (۱۰)
- یعنی: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا، جبکہ وہ اس کا اظہار کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو سب خلقت کے سامنے بلائے گا، یہاں تک کہ اسے اختیار دے گا کہ تو جس حور کو چاہے پسند کر لے۔
- ♦ إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَوْصِنِي، قَالَ: لَا تَغْضَبْ، فَرَدَّ مِرَارًا، قَالَ:

لَا تَغْضَبُ. (۱۱)

یعنی: بیشک ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: غصہ مت کیا کر۔ اس نے پھر عرض کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: غصہ مت کیا کر۔

♦ آلا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلِّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ، آلا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلِّ عُتْلٍ جَوَّازٍ مُسْتَكْبِرٍ. (۱۲)

یعنی: (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ (سنو!) ہر وہ شخص جو ضعیف اور حقیر سمجھا جاتا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچا کر دے (وہ اہل جنت میں سے ہے)۔ (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): کیا میں تمہیں اہل دوزخ کی خبر نہ دوں؟ (سنو!) ہر وہ شخص جو سرکش، بدگو، جھگڑالو اور متکبر ہے (وہ اہل دوزخ میں سے ہے)۔

♦ إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَالَّا فَلْيُضْطَجِعْ. (۱۳)

یعنی: (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): جب تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے تو اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ پھر ایسا کرنے سے اگر اس کا غصہ دور ہو جائے تو بہتر ہے، ورنہ وہ پہلو پر لیٹ جائے۔

♦ إِنَّ الْغَضَبَ لِيُفْسِدَ الْإِيمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسَلَ.

یعنی: (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): بیشک غصہ ایمان کو خراب کر دیتا ہے جیسا کہ ایلاؤ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

♦ مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ، فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللَّهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ، حَتَّى لَّهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّبٍ أَوْ حَنْزِيرٍ. (۱۴)

یعنی: (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا): جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔ پس وہ اپنے نفس کی نظر میں حقیر اور لوگوں کی نظر میں بڑا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتا ہے۔ پس وہ لوگوں کی نظر میں حقیر اور اپنے نفس کی نظر میں بڑا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ پست ہوتا ہے۔

♦ قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَى نَبِيْنَا وَعَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيمَاتُ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ، قَالَ: مَنْ إِذَا قَدَّرَ غَفَرَ. (۱۵)

یعنی: حضرت موسیٰ بن عمران علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے عرض کیا: اے پروردگار! تیرے بندوں میں سے تیرے نزدیک کون سب سے زیادہ عزیز ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: وہ شخص جو قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔

♦ وَقَالَ أَيُّضًا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ: مَنْ حَفِظَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللَّهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ اعْتَذَرَ إِلَى اللَّهِ قَبْلَ اللَّهِ عُدْرَةً. (۱۶)

یعنی: (نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا): جس شخص نے اپنی زبان کی حفاظت کی، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کی پردہ پوشی

کرے گا اور جس نے اپنے غصہ کو روکا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے اپنا عذاب روک لے گا اور جس نے اللہ کے لیے عذر قبول کیا، اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرے گا۔

✦ وَقَالَ أَيُّضًا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عَرَضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ بِقَدَرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتٍ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ. (۱۷)

یعنی: نیز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم نے) ارشاد فرمایا: جس شخص پر اپنے کسی بھائی کا مال یا کوئی اور حق ہو تو اسے چاہے کہ آج ہی اس سے معاف کرا لے، اس سے پہلے کہ (قیامت کے روز) اس کے پاس کوئی درہم اور دینار نہیں ہوگا۔ اگر (اس روز) اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کے مطابق اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کی برائیاں لے کر اس کے اوپر ڈال دی جائیں گی۔

✦ وَقَالَ أَيُّضًا عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: اتَّذَرُونَ مَالُ الْمُفْلِسِ، قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ. فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ مَنِيَتْ حَسَنَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ. (۱۸)

یعنی: نیز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس شخص وہ ہے جس کے پاس درہم اور اسباب کچھ نہ ہو۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے مفلس آدمی وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ اور زکوٰۃ سب کچھ لے کر آئے اور ساتھ ہی اس حالت میں آئے کہ اس نے کسی کو گالی دی ہو، اور کسی کا مال کھایا ہو، اور کسی کو تہمت لگائی ہو، اور کسی کا خون گرایا ہو، اور کسی کو مارا ہو۔ پس اس میں سے ہر ایک کو (اس کے حق کے مطابق) اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ پھر اگر اس کے حقوق ادا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو حقداروں کے گناہ لے کر کے اس پر ڈال دیے جائیں گے۔ بعد ازاں اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

✦ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنْ اكِتَبِي إِلَيَّ كِتَابًا تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرِي، فَكَتَبَتْ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مِنَ التَّمَسَّ رَضِيَ اللَّهُ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللَّهُ مَوْنَةَ النَّاسِ وَمِنَ التَّمَسَّ رَضِيَ النَّاسُ بِسَخَطِ اللَّهِ وَكَغَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ. (۱۹)

یعنی: اور (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ام المؤمنین سیدہ) عائشہ (صدیقہ) رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت لکھ کر بھیجیں اور وہ زیادہ (لمبی) نہ ہو۔ پس انہوں نے (ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) نے تحریر فرمایا: آپ پر سلام ہو۔ بعد ازاں واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ

وسلم سے سنا کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی تکلیف سے بچائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مقابلہ میں لوگوں کی رضامندی چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے حوالہ کر دیتا ہے اور آپ پر سلام ہو۔

♦ صَدَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ رَزَقَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ التَّوْفِيقَ بِالْعَمَلِ بِمَا أَخْبَرَ الْمُخْبِرُ الصَّادِقُ.

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم وبارک نے سچ فرمایا۔ اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشنے، جس کی خبر صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے۔

یہ حدیثیں اگرچہ ترجمہ کے بغیر لکھی گئی ہیں، لیکن آپ شیخ جیو کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے معانی کو سمجھ کر کوشش کریں گے کہ ان کے مطابق عمل میسر ہو جائے۔ دنیا کی بقا بہت ہی کم اور آخرت کا عذاب بڑا سخت اور دائمی ہے۔ دورانہدیش عقل کو کام (کرنے) کا فرمانا چاہیے اور دنیا کی بے لذت تروتازگی پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ اگر دنیا کی بدولت کسی کی عزت و آبرو ہوتی تو دنیا دار کا فرسب سے زیادہ عزت والے ہوتے۔ دنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہونا نادانی ہے۔ چند روز کی فرصت کو غنیمت شمار کرنا چاہیے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضاؤں میں کوشش کرنی چاہیے اور مخلوق خدا پر احسان کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرنا اور مخلوق خدا پر شفقت کرنا آخرت کی نجات کے لیے دو عظیم رکن ہیں۔ مگر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ حقیقت امر کے مطابق ہے، یہودہ اور فضول نہیں ہے۔ یہ غفلت کی نیند کب تک رہے گی؟ آخر رسوائی اور بے کسی کب تک؟ کیسی رسوائی اور بے کسی! اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ. (سورۃ المؤمنون، ۱۱۵)

یعنی: کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے! اگرچہ معلوم ہے کہ آپ کا وقت اس طرح کی باتیں سننے کا تقاضا نہیں کرتا، کیونکہ (آپ کی) جوانی کا آغاز ہے اور دنیا کی نعمتیں میسر ہیں اور لوگوں پر حکومت اور غلبہ حاصل ہے، لیکن آپ کے حال پر جو شفقت ہے وہ اس گفتگو کا سبب بنی ہے۔ ابھی تک کچھ ضائع نہیں ہوا، توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہے، (لہذا) اطلاع دینا ضروری ہے:

ع در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

یعنی: اگر گھر میں کوئی آدمی ہے تو بس ایک حرف ہی کافی ہے۔

مکتوب نمبر (۹۹)

ملاحسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو آپ نے دوام آگاہی کی کیفیت اور حالت خواب کے ساتھ اس کے جمع کرنے، جو کہ سراسر غفلت اور بیکاری ہے، کے بارے میں کیا تھا۔

آپ کے محبت نامہ نے مشرف فرمایا۔ جو سوال آپ نے ”دوام آگاہی کی کیفیت اور حالت خواب کے ساتھ اس کے جمع کرنے، جو کہ سراسر غفلت اور بیکاری ہے اور اس بزرگ سلسلہ کے بعض اکابرین نے اس دولت کے حاصل ہونے

کی خبر دی ہے، کے بارے میں کیا تھا، میرے مخدوم! اس مشکل کا حل ایک تمہید سے تعلق رکھتا ہے، جس کا بیان (کرنا) ضروری ہے:

ہم کہتے ہیں کہ انسانی روح کے لیے اس جسمانی صورت کے ساتھ تعلق ہونے سے پہلے ترقی و عروج کا راستہ بند تھا اور یہ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ (یعنی: اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام مقرر ہے۔ سورۃ صافات، ۱۶۴) کے پنجرہ میں بند اور قید تھی، لیکن اس نفیس جوہر (روح) کی طبیعت میں عروج کی استعداد نزول کی شرط پر بطور امانت رکھی گئی تھی اور اسی بنا پر اس کو فرشتہ پر فضیلت بخشی گئی تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے اس نورانی جوہر (روح) کو ظلمانی جسم کے ساتھ جمع فرمایا: فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ النُّورِ وَالظُّلْمَةِ وَقَرَنَ الْأَمْرَ بِالْخَلْقِ. یعنی: پس پاک ہے وہ ذات جس نے نور اور ظلمت کو جمع فرمایا اور عالم امر (روح) کو عالم خلق (نفس) کے ساتھ ملا دیا۔

چونکہ یہ دونوں امر حقیقت میں ایک دوسرے کے مخالف (ضد) واقع ہوئے تھے، لہذا حکیم مطلق جل سلطانہ نے اس اجتماع کو ثابت کرنے اور اس انتظام کو مقرر کرنے کے لیے روح کو نفس کے ساتھ عشق کرنے اور گرفتار رہنے کی نسبت عطا فرمائی اور اسی گرفتاری کو ان کے انتظام کا سبب بنایا۔ (یہ آیت) کریمہ اسی بیان کی جانب اشارہ فرماتی ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ. ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ. (سورۃ التین، ۴-۵)

یعنی: ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کو پست سے پست کر دیا ہے۔

یہ روح کا تنزل اور اس کی گرفتاری حقیقت میں مذمت کے مشابہ مدح کرنے کی طرح ہے۔

پس اس محبت کی نسبت کی وجہ سے روح نے خود کو کامل طور پر عالم نفس میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو اس کے تابع بنا دیا، بلکہ خود کو بھی فراموش کر دیا اور اپنے آپ کو نفس امارہ سے تعبیر کیا۔ روح کی اصلیت میں یہ ایک دوسری لطافت ہے کہ وہ کمال لطافت کی بنا پر جس طرف متوجہ ہوتی ہے، اسی کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔ پس جب اس نے خود کو فراموش کر دیا ہو تو پھر ضروری ہے کہ وہ اپنی پہلی آگاہی کی نسبت کو بھی جو کہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں رکھتی تھی، فراموش کر دے اور خود کو پوری طرح غفلت میں ڈال دے اور ظلمت کا حکم اختیار کر لے۔

اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی اور بندہ نوازی سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو مبعوث فرمایا اور اس کو ان اکابر کے ذریعے اپنی طرف دعوت فرمائی اور روح کو اس کے معشوق نفس کی مخالفت (کرنے) کا حکم فرمایا۔ فَمَنْ رَجَعَ الْفُهْقَرِيُّ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا وَمَنْ لَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ وَاخْتَارَ الْخُلُودَ إِلَى الْأَرْضِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا.

یعنی: پس جو شخص اٹھے پاؤں پھرا اُس نے بہت بڑی کامیابی پائی اور جس نے اپنا سر نہ اٹھایا اور ہمیشہ زمین پر رہنا ہی اختیار کیا، وہ سخت گمراہ ہو گیا۔

یہ اس اشکال کا جواب ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اس تمہید سے روح کا نفس کے ساتھ جمع ہونا سمجھ میں آ گیا، بلکہ نفس میں اس کی فنا اور اس کے ساتھ اس کی بقا بھی معلوم ہو گئی ہے۔ پس جب تک مجبوراً یہ اجتماع اور انتظام قائم ہے، (اس وقت تک) ظاہر کی غفلت حقیقت میں باطن کی غفلت ہے اور نیند جو کہ ظاہر کی غفلت ہے، وہ عین باطل کی غفلت ہوگی۔ جب اس انتظام

میں خلل پڑ جائے اور باطن ظاہر کی محبت سے منہ پھیر لے اور باطنوں کے باطن کی محبت اس کو حاصل ہو جائے اور وہ فنا و بقا جو فانی کے ساتھ پیدا ہو گئی تھی، زائل ہو جائے اور باقی حقیقی تقدس و تعالیٰ کے ساتھ فنا و بقا حاصل کر لے تو اس وقت ظاہر کی غفلت باطن کے حضور میں اثر نہیں کرتی اور وہ کس طرح تاثیر کرے، جب باطن نے کامل طور پر ظاہر کی طرف پیٹھ کر لی ہے اور ظاہر سے باطن میں کوئی چیز داخل نہیں ہوتی۔ پس روا ہے کہ ظاہر غافل ہو اور باطن آگاہ۔ وَلَا مَحْذُورَ۔ یعنی: اور یہ مشکل نہیں ہے۔ مثلاً روغنِ بادام جب تک کھلی میں ملا ہوا ہے دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور روغنِ کھلی سے الگ ہو گیا تو دونوں کے لیے احکام الگ الگ ہو گئے اور ایک کا حکم دوسرے پر لاگو نہیں ہوگا۔

اس طرح کے صاحبِ دولت کو اگر چاہیں کہ دنیا میں واپس لائیں اور اس کے وجودِ شریف سے ایک عالم کو نفسانی اندھیروں سے نکالنا چاہیں تو اس کو سُبْحَانَ اللَّهِ عَنِ اللَّهِ بِاللَّهِ کے طریقہ سے جہان میں نیچے لایا جاتا ہے اور اس کی ساری توجہ خلقت کی طرف ہو جاتی ہے، بغیر اس چیز کے کہ اس کو ان کے ساتھ کسی طرح کی گرفتاری حاصل ہو، کیونکہ وہ اپنی پہلی گرفتاری پر قائم ہوتا ہے اور اسے اس کے اختیار کے بغیر اس عالم میں لایا گیا ہے۔ پس یہ منتہی اللہ تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ سے منہ پھیرنے اور خلقت کی جانب توجہ کرنے میں ظاہر اُسبِ مبتدیوں کے ساتھ شریک ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ ان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ گرفتاری اور عدم گرفتاری میں بہت بڑا فرق ہے۔ نیز خلقت کی طرف متوجہ ہونے میں یہ منتہی بے اختیار ہے، اس میں اس کی اپنی کوئی رغبت نہیں ہوتی، بلکہ اس توجہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے اور مبتدی میں اپنی ذاتی رغبت اور اللہ سبحانہ کی نارضا مندی ہوتی ہے۔

ایک دوسرا (فرق) بیان کرتے ہیں جو یہ ہے کہ مبتدی کو سہولت حاصل ہے کہ عالم کی جانب منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ و تقدس کی طرف متوجہ ہو جائے اور منتہی کو خلقت سے منہ پھیرنا محال ہے۔ ہمیشہ خلقت کی طرف متوجہ رہنا اس کے مقام کے لیے ضروری ہے، مگر یہ کہ اس کی دعوت کا کام مکمل ہو جائے (اور) اس کو فانی دنیا سے باقی رہنے والے گھر (آخرت) کی طرف لے جانا چاہیں، اس وقت اَللّٰهُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی^(۱) (یعنی: اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں) کی آواز اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔

مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مقامِ دعوت کے تعین میں (مختلف) ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک گروہ نے حق اور خلق کے درمیان توجہ کا جمع ہونا بیان کیا ہے۔ ان کا اختلاف حالات و مقامات پر مبنی ہے، ہر ایک نے اپنے مقام کی خبر دی ہے۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور حقیقت حال اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے۔

سید الطائفہ (حضرت) جنید بغدادی قدس اللہ سرہ نے جو فرمایا ہے کہ اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرَّجُوعُ إِلَى الْبِدَايَةِ۔ یعنی: نہایت یہی بدایت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ (یہ) اسی مقامِ دعوت کے مطابق ہے جو اس مسودہ میں لکھا گیا ہے، کیونکہ بدایت میں کامل توجہ خلق کی جانب (ہوتی) ہے۔

حدیث: تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي^(۲) (یعنی: میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا) جو کہ لکھی گئی تھی، میں دوام آگاہی کی جانب اشارہ نہیں ہے، بلکہ (اس میں) اپنے اور اپنی امت کے احوال کے جاری ہونے سے غافل نہ ہونے کی خبر

ملتی ہے۔ اس لیے آنسو و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں نیند و وضو کو توڑنے والی نہیں ہوئی۔ چونکہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اپنی امت کی حفاظت میں چرواہے کی مانند ہیں، لہذا غفلت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منصب نبوت کے شایان شان نہیں ہے۔ حدیث ”لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقُتْ لَا یَسْعٰی فِیْہِ مَلٰکٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ“ (۳) (میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے، جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل شریک نہیں ہوتا) صحیح ہونے کی صورت میں (اس میں) تجلی ذاتی برقی کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے اور اس تجلی سے بھی لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ جل سلطانہ کی پاک بارگاہ کی طرف توجہ ہو، بلکہ یہ تجلی اس طرف سے ہے، جس پر (یہ) وارد ہوئی ہے، اسے اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور (یہ) عاشق میں معشوق کی سیر کی طرح ہے (کیونکہ) عاشق سیر سے سیر ہو چکا تھا۔ شعر:

آئینہ صورت از سفر دور است کاں پذیرائی صورت از نور است

یعنی: صورت کا آئینہ سفر سے دور ہے، وہ صورت کو نور کی وجہ سے قبول کرتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ خلقت کی جانب رجوع کرنے کی حالت میں زائل ہونے والے حجابات پھر لوٹ کر نہیں آتے۔ بے پردگی کے باوجود اس کو خلقت میں مشغول رکھا گیا ہے اور مخلوقات کی بھلائی کو اس کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ ان بزرگواروں کی مثال اس آدمی کی مانند ہے جو بادشاہ کے ساتھ کمال تقرب رکھتا ہے اور اس کے اور بادشاہ کے درمیان کوئی ظاہری و باطنی شے حائل نہیں ہے۔ باوجود اس کے اسے ضرورت مندوں کی خدمت میں مشغول رکھا گیا ہے۔ یہ مبتدی اور رجوع کرنے والے منتہی میں ایک دوسرا فرق ہے، کیونکہ مبتدی حجابات والا ہے اور منتہی سے حجابات اٹھالے گئے ہیں۔ وَسَلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی۔ یعنی: اور آپ پر اور تمام ان لوگوں پر سلام ہو جو ہدایت کی بات مانیں۔

مکتوب نمبر (۱۰۰)

یہ بھی ملاحسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے کیا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ اللہ

سبحانہ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

آپ کے گرامی محبت نامہ نے مشرف فرمایا۔ آپ نے مہربانی فرماتے ہوئے جو لکھا تھا اس سے آگاہی ہوئی۔ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ عبدالکبیر یمنی نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

میرے مخدوم! فقیر میں اس قسم کی باتیں سننے کی بالکل ہمت نہیں ہے۔ بے اختیار میری فاروقی رگ جوش میں آ جاتی ہے اور وہ اس کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ اس کے کہنے والے شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں تو (حضرت) محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے، نہ کہ محی الدین عربی، صدر الدین قونیوی اور عبدالرزاق کاشانی کا! ہمیں نص سے کام ہے، نہ کہ فص سے۔ فتوحات مدنیہ نے ہمیں فتوحات مکیہ (۱) سے بے نیاز بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں علم غیب سے اپنی تعریف کرتا ہے اور خود کو عالم الغیب فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت بُرا اور مکروہ فعل ہے اور درحقیقت اللہ سبحانہ کی تکذیب ہے۔ غیب کے کچھ اور معنی بیان کرنے سے یہ برائی دور نہیں ہوتی۔ کَبُرَتْ کَلِمَۃٌ تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ۔ (سورۃ الکہف، ۵)

یعنی: (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔

پس اے کاش کہ ہم جانتے ان کو اس طرح شریعت کے خلاف کھلے کلمات کہنے پر کس چیز نے آمادہ کیا۔

منصورؒ اگرنا الحق اور بسطامیؒ سبحانی کہتے ہیں تو وہ معذور ہیں اور حالات کے غلبہ میں مغلوب ہیں۔ لیکن اس طرح کی گفتگو حالات (کے غلبہ میں) سے نہیں ہے، بلکہ علم سے تعلق رکھتی ہے اور تاویل کی محتاج ہے۔ یہ بات عذر کے ہرگز لائق نہیں اور اس مقام میں کوئی تاویل مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ تاویل تو اہل سکر کے کلام کی جاتی ہے اور اسے ظاہر کی جانب پھیرا جاتا ہے، نہ کہ کسی اور کا کلام۔ اگر اس کلام کے کہنے والے کا مقصد اس قسم کے کلام کے اظہار سے خلقت کی ملامت اور نفرت ہو تو بھی ایسی بات مکروہ اور بری ہے۔ کیونکہ خلقت کی ملامت حاصل کرنے کے لیے اور بہت سے طریقے ہیں، ایسی باتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے جو کفر تک پہنچا دیں۔ چونکہ آپ نے اس کلام کی تاویل میں گفتگو کی ہے اور پوچھا ہے۔ اس حکم کی رو سے کہ ”سوال کا جواب ہونا چاہیے“۔ لہذا (فقیر) ضرورت کے تحت اس بارے میں کچھ بیان کرتا ہے۔ وَعَلِمُ الْغَيْبِ عِنْدَ اللَّهِ مُبَيِّنًا۔ یعنی۔ اور غیب کا علم اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ غیب معدوم ہوتا ہے اور معدوم کا علم نہیں ہوتا، یعنی جب غیب اللہ سبحانہ کی نسبت معدوم مطلق اور لاشیٰ محض ہے تو پھر علم کا اس سے تعلق رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ معلوم ہونا اس کو معدوم مطلق اور لاشیٰ محض ہونے سے خارج کر دیتا ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اپنے شریک کا علم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ و تقدس کا ہرگز کوئی شریک موجود نہیں ہے اور لاشیٰ محض ہے۔ ہاں! غیب اور شریک کے مفہوم کو تصور کرنا ممکن ہے۔ لیکن یہ گفتگو ان کے مصداق کلام میں ہے نہ کہ مفہوم میں۔ اسی طرح ان تمام محالات کا حال بھی ایسا ہی ہے جن کے مفہومات کا تصور ممکن ہے اور ان کے مصداقات کا تصور ممکن ہے، کیونکہ معلوم ہونا اس کو محال ہونے سے خارج کر دیتا ہے اور کم از کم اس کو ذہنی وجود تو بخشتا ہے۔

لوگوں نے جو اعتراض مولانا محمد روجی کی توجیہ پر کیا ہے، وہ درست ہے۔ احادیث مجرکہ کے مرتبہ میں نسبت علیست کی نفی کرنے سے مطلق علم کی نفی لازم آتی ہے، صرف علم غیب کی نفی کو خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مولانا (محمد روجی) کی توجیہ پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ اگرچہ احادیث مجرکہ کے مرتبہ میں علیست کی نسبت کی نفی کی گئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عالمیت اپنے حال پر ثابت ہے، کیونکہ وہ ذات کے لحاظ سے عالم ہے، نہ کہ صفت کی رو سے، کیونکہ وہاں صفت کی گنجائش نہیں ہے۔ صفات کی نفی کرنے والے اللہ سبحانہ کو عالم کہتے ہیں، جبکہ وہ علم کی صفت کو اللہ تعالیٰ سے مسلوب کرتے ہیں، جو انکشاف صفت پر مترتب ہوتا ہے، وہ اس کو ذات پر مترتب جانتے ہیں۔ پس یہ بھی ایسا ہی ہے۔

جو توجیہ آپ نے خود کی ہے اور غیب سے اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات مراد لی ہے اور علم کا تعلق اس کے ساتھ جائز نہیں رکھا، اگرچہ علم واجب تعالیٰ و تقدس ہی کا ہو، وہ سب توجیہات سے زیادہ اقرب ہے، لیکن فقیر کو حق تعالیٰ کی ذات محض کے ساتھ واجب تعالیٰ کے علم کا تعلق جائز نہ ہونے میں بحث ہے، کیونکہ جو وجہ انہوں نے عدم جواز میں بیان کی ہے، اس میں علم کی حقیقت معلوم کے احاطہ کا تقاضا کرتی ہے اور وہ ذات مطلق تعالیٰ و تقدس عدم احاطہ کا تقاضا کرتی ہے۔ پس اس تعلق سے یہ دونوں جمع نہیں ہوں گے۔

یہاں خدشہ کا مقام ہے، کیونکہ علم حصولی میں یہ معنی درکار ہیں کہ وہاں قوت علمیہ میں معلوم کی صورت کا حاصل ہونا ہے، لیکن علم حضوری میں کچھ درکار نہیں ہے۔ ہم جس کا ذکر کر رہے ہیں وہ علم حضوری ہے، حصولی نہیں ہے۔ اس میں کوئی خوف نہیں ہے، کیونکہ علم واجبی کا تعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حضور کے طریقہ پر ہے نہ کہ حصول کے طریقہ پر۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور حقیقت حال کو اللہ سبحانہ ہی جانتا ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَسَلَّم وَّبَارَكَ۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَّآخِرًا۔ یعنی: اور ہمارے سردار (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل اطہار پر درود و سلام ہو۔ اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰۱)

یہ بھی ملاحظہ فرمایا۔ اس گروہ کے رد میں جو کالمین کو ناقص تصور کر کے ان پر اعتراض کی زبان کھولتے ہیں۔

اَحْسَنَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ حَالَكُمْ وَاَصْلَحَ بِاَلْكُمُ۔

یعنی: اللہ سبحانہ آپ کے حال کو بھلا کرے اور آپ کے دل کی اصلاح فرمائے۔

آپ کا مکتوب گرامی مولانا محمد صدیق نے پہنچایا۔ اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ آپ نے دور پڑے ہوؤں کو فراموش نہیں کیا ہے۔ آپ نے جو خطابات ظاہری طور پر نفس کی جانب کرتے ہوئے تحریر کیے تھے، ان سب سے آگاہی ہوئی۔ جی ہاں! آپ جو اعتراض نفس پر کریں، وہ (اس کی) سرکشی کے وقت میں مسلم ہے، لیکن اس کے مطمئنہ ہو جانے کے بعد اعتراض کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ نفس اس مقام میں اللہ سبحانہ سے راضی (ہوتا) ہے اور اللہ سبحانہ اس سے راضی (ہوتا) ہے۔ پس وہ اللہ کا پسندیدہ اور مقبول ہے (اور) مقبول پر اعتراض نہیں ہوتا اور اس کی مراد اللہ سبحانہ کی مراد (ہوتی) ہے، کیونکہ اس دولت کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کے وقت (نصیب ہوتا) ہے۔ اللہ سبحانہ کا پاک میدان ہم پست فطرت لوگوں کے اعتراض سے بہت بلند ہے، ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہماری جانب ہی لوٹ آتا ہے:

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں چہ خبر دارد از چنان و چنین

یعنی: جب بچہ ماں کے پیٹ میں اپنی حالت سے آگاہ نہیں ہے تو پھر وہ ”کیسا“ اور ”کس طرح“ کے بارے میں کیا جانتا ہے۔

آخر ایسا ہوتا ہے کہ نادان لوگ اپنی جہالت کی زیادتی کی وجہ نفس مطمئنہ کو (نفس) امارہ سمجھ بیٹھتے ہیں اور (نفس) امارہ کے احکام (نفس) مطمئنہ پر جاری کر لیتے ہیں جس طرح کہ کافروں نے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو دوسرے انسانوں کی مانند سمجھ کر (ان کی) نبوت کے کمال سے انکار کر دیا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ اِنْكَارِ هٰؤُلَاءِ الْاَكَابِرِ وَاِنْكَارِ مُتَابِعِيهِمْ عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں ان اکابر علیہم الصلوٰات والتحیات کے انکار اور ان کی پیروی کرنے والوں کے انکار سے محفوظ فرمائے۔

مکتوب نمبر (۱۰۲)

ملاحظہ فرمایا۔ اس بیان میں کہ سودی قرض میں صرف اضافہ والی رقم ہی حرام نہیں بلکہ کل رقم حرام ہے۔ مثلاً کسی

شخص نے دس ٹکے بارہ ٹکے کے عوض قرض لیے تو اس صورت میں کل بارہ ٹکے حرام ہیں، نہ کہ (صرف) دو ٹکے اضافہ والے۔ اور جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے (اس کے بیان میں)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ اس روز فرما رہے تھے کہ سودی قرض میں صرف اضافہ والی رقم رباء ہے اور بارہ ٹکے کے عوض دس ٹکے قرض لینے میں صرف یہی دو ٹکے والا اضافہ حرام ہے۔ جب فقہ کی بعض کتابوں کی جانب رجوع کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شریعت میں جس معاہدے میں بھی اضافہ ہو، وہ بھی رباء ہے۔ پس ناچار یہ معاہدہ حرام ہوگا اور جو چیز حرام کے ذریعے حاصل کی جائے گی وہ بھی حرام ہی ہوگی۔ پس وہ دس ٹکے بھی رباء ہے اور حرام ہے۔

کتاب جامع الرموز اور کتاب ابراہیم شاہی کی روایات کے بھیجے کا مقصد اسی مطلب کو ظاہر کرنا تھا۔ باقی رہی احتیاج کی بات، تو میرے مخدوم! رباء (سود) کی حرمت قطعی نص سے ثابت ہو چکی ہے جو محتاج اور غیر محتاج کو شامل ہے، وہاں محتاج کو خاص کرنا اس قطعی حکم کو منسوخ کرنا ہے۔ قنیه^(۱) کی روایت یہ درجہ نہیں رکھتی کہ قطعی حکم کو منسوخ کرے، جبکہ مولانا جمال لاہوری، جولاہور کے علماء میں بہت ہی بڑے عالم ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ قنیه کی بہت سی روایتیں اعتماد کے قابل نہیں ہیں اور معتبر کتابوں کی روایات کے مخالف ہیں اور اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر احتیاج (کی اس صورت) کو اضطرار اور مخصه سے تعبیر کرنا ہوگا، تاکہ آیت کریمہ: فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (یعنی: تو جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے۔ سورۃ المائدہ ۳۲) کے ساتھ یہ قطعی حکم خاص ہو جائے، کیونکہ یہ اسی کی طرح مضبوط ہے:

ع کہ رستم را کشد ہم رخس رستم

یعنی: کہ رستم کو رستم کا گھوڑا ہی اٹھاتا ہے۔

اور نیز اگر محتاج سے زیادہ عام مراد لیا جائے تو پھر چاہیے کہ رباء کی حرمت کے لیے کوئی مقام پیدا نہ ہو، کیونکہ جو (شخص) زیادہ دینا قبول کرتا ہے تو اس کا سبب ضروریات میں سے کوئی ضرورت ہی ہوگی، بغیر ضرورت کے کوئی شخص اپنے نقصان پر اقدام نہیں کرتا۔ پس اس صورت میں حکیم حمید (اللہ تعالیٰ) کے نازل شدہ اس حکم کا کوئی زیادہ فائدہ باقی نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز (قرآن مجید) اس طرح کی وہمی باتوں سے پاک ہے۔ اگر بفرض محال عام احتیاج کو تسلیم کر لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ احتیاج بھی منجملہ ضروریات میں سے ہے اور ضرورت اندازہ کے مطابق پوری کی جاتی ہے۔ پس اس رقم سے کھانا پکانا اور لوگوں کو کھلانا احتیاج میں داخل نہیں ہے اور کوئی ضرورت اس سے متعلق نہیں ہے۔ لہذا میت کے ترکہ میں میت کی احتیاج مستثنیٰ ہے اور اس کو کفن پر منحصر کیا گیا ہے اور اس کی روحانیت (ایصال ثواب) کے لیے کھانا پکانے کو احتیاج میں داخل نہیں کیا گیا، جبکہ وہ صدقہ (و خیرات) کا زیادہ محتاج ہے۔

پس صورت تنازع فیہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ سود پر قرض لینے والے محتاج ہیں یا نہیں؟ اور محتاج ہونے کی صورت میں وہ جو کھانا اس جماعت کے لیے اس مال سے پکاتے ہیں، اس جماعت کے لیے وہ کھانا حلال ہے یا نہیں؟ خاندان والوں اور

سپاہیوں کو احتیاج کا حیلہ بنانا اور اس سبب سے سود پر قرض لینا اور اس کو جائز اور حلال سمجھنا دینداری سے دور ہے۔ چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طریقہ کا لحاظ رکھتے ہوئے جو لوگ اس مصیبت میں مبتلا ہیں، ان کو منع کریں اور اس حیلہ کے سچانہ ہونے سے (ان کو) آگاہ کریں۔ اس طرح کا کسب کیوں اختیار کیا جائے کہ آخر کار اس قسم کے ممنوع (عمل) کا مرتکب ہونا پڑے۔ روزی کے ذرائع بہت سے ہیں، سپاہ گری پر ہی انحصار نہیں ہے۔ چونکہ آپ نیک اور متقی لوگوں میں سے ہیں، (لہذا) طیب (حلال) کھانے کی روایت بھیجی گئی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس زمانے میں شبہ کے بغیر (روزی) نہیں ملتی، (یہ) سچ ہے، لیکن جہاں تک ممکن ہو شبہ سے بچنا چاہیے۔ آپ نے بے طہارت زراعت کو جو طیب (حلال) کے منافی سمجھا ہے، ہندوستان میں اس سے بچنا ممکن نہیں ہے:

لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. (سورة البقرة، ۲۸۶)

یعنی: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

لیکن سود کے کھانے کو ترک کر دینا کمال آسان ہے، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنا، حلال و حرام میں قطعی ہے، جس کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ ظنیات میں ایسا نہیں ہے۔ بہت سے امور حنفیہ کے ہاں مباح ہیں جن کو شافعی مباح نہیں سمجھتے اور اس کے بالعکس بھی ہیں۔

پس ہم جس (مسئلہ) میں بات کر رہے ہیں اگر کوئی شخص مشکوک محتاج کے لیے سودی قرض کے حلال ہونے میں، جو ظاہری طور پر قطعی نص کے خلاف ہے، توقف کرے تو اسے گمراہ قرار نہیں دینا چاہیے اور اس کے حلال ہونے کی اسے تکلیف نہیں فرمانی چاہیے، بلکہ صواب (صحت) اسی کی طرف راجح بلکہ یقینی ہے اور اس کا مخالف خطرے میں ہے۔

آپ کے بعض دوستوں نے نقل کیا ہے کہ ایک روز مولانا عبدالفتاح نے آپ کے حضور میں کہا کہ اگر بغیر سود کے قرض مل جائے تو بہتر ہے۔ پھر آدمی سود پر قرض کیوں لے؟ آپ نے ان کو ڈانٹ دیا اور کہا کہ تم حلال کا انکار کر رہے ہو۔

میرے مخدوم! اس طرح کی باتیں قطعی حلال میں گنجائش رکھتی ہیں، لیکن (یہ سودی قرض) اگر حلال بھی ہو تو شک نہیں ہے کہ اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے، (کیونکہ) اہل تقویٰ رخصت (اجازت) کا حکم نہیں کرتے اور عزیمت پر دلالت کرتے ہیں۔

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج کو پیش نظر رکھ کر اس کے حلال ہونے پر حکم کیا ہے، (لیکن) احتیاج کا دامن وسیع ہے۔

اگر اس کو پھیلائیں تو کوئی رہنا اور رہا کے بارے میں قطعی نص کا حکم بے فائدہ ہو جائے گا، جس طرح کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ لیکن آپ اس قدر ضرور ملاحظہ کرتے کہ سود پر قرض لے کر کھانا کھلانے والے کی احتیاج کس قسم کی ہے؟ فقیہ کی روایت بھی حیلہ و بہانے کے ساتھ صرف محتاج کو سود پر قرض لینے کی اجازت دیتی ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اگر کوئی آدمی کہے کہ محتاج نے اس کھانے کو شاید قسم، یا ظہار، یا روزہ کے کفارہ کے لیے پکایا ہوگا اور شک نہیں ہے کہ وہ اس کفارہ کے ادا کرنے پر محتاج ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ کھانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو روزہ رکھے، نہ کہ وہ سود پر قرض لے۔ اور اگر اس قسم کی کوئی اور احتیاج بھی پیش آجائے تو وہ تقویٰ کی برکت سے تھوڑی سی توجہ کے ساتھ دور ہو جائے گی: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا.

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (سورة الطلاق، ۲-۳)

یعنی: اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محنت سے) خلاصی (کی صورت) پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔

بات کو زیادہ طول نہیں دیا گیا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ. یعنی: اور آپ کو اور اس شخص کو سلامتی نصیب ہو جو ہدایت کی بات مانے۔

مکتوب نمبر (۱۰۳)

سرداری اور شرافت کے محافظ شیخ فرید کی طرف تحریر فرمایا۔ عافیت کے معنی اور سر ہند کے لیے قاضی طلب کرنے کے بیان میں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو عافیت سے رکھے۔ وہ عافیت مانگنی چاہیے جو ایک عزیز ہمیشہ دعا کرتے تھے اور ایک روز کی عافیت طلب کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان عزیز سے سوال کیا کہ یہ سب کچھ جو آپ گزار رہے ہیں، کیا یہ عافیت نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک روز صبح سے شام تک اللہ سبحانہ کی نافرمانی نہ کروں۔

ایک مدت ہوئی ہے کہ سر ہند میں کوئی قاضی نہیں اور بعض شرعی احکام کے جاری کرنے میں بڑی مشکل پیش آرہی ہے۔ مثلاً ہم ایک یتیم بھتیجا رکھتے ہیں۔ اس کے باپ سے کچھ میراث باقی ہے اور اس کا کوئی وصی نہیں ہے اور یہ فقیر اس کے مال میں شرعی (قاضی) کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ اگر (سرکاری) قاضی ہو تو اس کی اجازت سے کام آسان ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

مکتوب نمبر (۱۰۴)

پرگنہ مستکن کے قاضیوں کو تحریر فرمایا۔ ماتم پرسی کے بیان میں۔

اگرچہ جو مصیبت مغفرت پناہی کی وفات سے (آپ کو) پہنچی ہے، وہ بہت شدید ہے، بہت دشوار ہے، لیکن مقام بندگی ہے، مولیٰ تعالیٰ و تقدس کے فعل سے راضی ہونے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ (دنیا میں) رہنے کے لیے نہیں لایا گیا، (بلکہ یہاں) کام کرنے کے لیے لائے ہیں۔ کام کرنا چاہیے۔ اگر آدمی کام کرتا ہوا گیا تو اس کے لیے کوئی خوف نہیں ہے، بلکہ (وہ) بادشاہ ہے۔ (یہ مقولہ) ایسے ہی آدمی کی شان میں ثابت ہے: الْمَوْتُ جَسْرٌ يُوصِلُ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ.

یعنی: موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

چلے جانے پر مصیبت نہیں ہے، بلکہ دوست کی طرف جانے والے کے حال پر ہے کہ دیکھئے اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟ دعا و استغفار اور صدقہ سے (اس کی) مدد کرنی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَا لَمْ يَبْتَ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُنْتَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةَ تَلَحُّقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَدْخُلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَإِنْ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ.^(۱)

یعنی: مرنے والا قبر میں ڈوبنے والے (اور) فریاد کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور وہ اس دعا کے انتظار میں ہوتا ہے

جو اسے اس کے باپ، یا ماں، یا بھائی، یا دوست کی طرف سے پہنچے۔ پس جب اس کو وہ دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ بہتر ہوتی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ زمین پر رہنے والوں کی دعا سے قبروں والوں پر پہاڑوں جتنی رحمت نازل فرماتا ہے اور زندوں کا مرنے والوں کے لیے تحفہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہے۔

آپ کا محبت نامہ پہنچا۔ موسم سرما کی ہوا فقرا کے لیے بہت شدید ہے، ورنہ خود کو کبھی معذور نہ رکھتا۔ (فقیر نے) سفارش بڑی تاکید سے لکھی ہے، ان شاء اللہ فائدہ مند ہوگی۔ زیادہ (لکھنا) سردردی ہے۔

محبت شعار قاضی حسن اور تمام عزیز بہت زیادہ دعائیں قبول کریں اور تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے راضی اور شاکر رہیں۔

مکتوب نمبر (۱۰۵)

حکیم عبدالقادر کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ مریض جب تک بیماری سے صحت نہ پائے، اس کے لیے کوئی غذا فائدہ مند

نہیں ہوتی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

چونکہ حکیموں کے ہاں مقرر ہے کہ جب تک مریض بیماری سے صحت نہ پائے، اس کے لیے کوئی غذا فائدہ مند نہیں ہوتی، خواہ بھنا ہوا مرغ ہو، بلکہ وہ مرض کو بڑھا دیتا ہے:

ع ہر چہ گیرد علتی علت شود

یعنی: بیمار جو چیز کھائے گا وہ بیماری بڑھائے گی۔

پس پہلے اس کی بیماری دور کرنے کا فکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد مناسب غذاؤں کے ساتھ آہستہ آہستہ آدمی کو اصلی قوت پر لاتے ہیں۔ پس جب تک آدمی قلبی بیماری میں مبتلا ہے: فَمَنْ قُلُوْهُمْ مَّرَضٌ. (سورۃ البقرہ، ۱۰) یعنی: ان کے دلوں میں مرض ہے۔ (اس وقت تک) کوئی عبادت اور طاعت اس کے لیے نفع بخش نہیں ہے، بلکہ مضر ہے۔ رَبُّ تَالِ لِلْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ. ^(۱) یعنی: بہت سے لوگ قرآن مجید اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

مشہور حدیث ہے: وَرُبَّ صَائِمٍ لَّيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ وَالْظَّمَاءُ. ^(۲)

یعنی: بہت سے روزہ دار (ایسے) ہیں جن کو اپنے روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

قلبی بیماروں کے طبیب بھی اول بیماری کو دور کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اور اس بیماری سے مراد ماسویٰ اللہ سے گرفتاری ہے، بلکہ اپنے نفس (کی خواہشات) کی گرفتاری ہے۔ کیونکہ ہر آدمی جو کچھ چاہتا ہے اپنے ہی لیے چاہتا ہے۔ اگر وہ بیٹے کو دوست رکھتا ہے تو اپنے لیے رکھتا ہے اور اسی طرح مال، برادری اور منصب کی چاہت (بھی اپنے لیے رکھتا ہے)۔ پس درحقیقت اس کا معبود اس کی نفسانی خواہشات ہیں۔ جب تک نفس کو اس گرفتاری سے چھٹکارا نہ ملے (اس وقت تک) نجات کی امید بہت مشکل ہے۔

پس اہل عقل علماء اور صاحب بصیرت طبیبوں پر اس بیماری کے دور کرنے کا فکر لازم ہے:

ع درخانہ اگر کس است یک حرف بس است

یعنی: اگر گھر میں کوئی آدمی ہے تو ایک حرف ہی کافی ہے۔

مکتوب نمبر (۱۰۶)

محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس گروہ (اولیائے عظام) کی محبت جو ان کی معرفت سے نصیب ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔

آپ کا پسندیدہ مکتوب، جو فطر محبت اور کمال دوستی سے لبریز تھا، موصول ہوا۔ اَللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ذَلِكَ۔ یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے۔

اس گروہ (اولیائے عظام) کی محبت جو ان کی معرفت سے نصیب ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے، دیکھئے اب کس صاحبِ دولت کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں؟

شیخ الاسلام ہروی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ”الہی! یہ کیا معاملہ ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ جس شخص نے ان کو پہچان لیا، اس نے تجھ کو پایا اور جب تک اس نے تجھے نہ پایا، ان کو نہ پہچانا۔“

اس گروہ کے ساتھ بغض رکھنا زہرِ قاتل ہے اور ان پر طعن کرنا ہمیشہ کی محرومی کا سبب ہے۔ نَجَانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَآيَاكُمْ عَنْ هَذَا الْاِبْتِلَاءِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو اس آزمائش سے محفوظ فرمائے۔

شیخ الاسلام (ہروی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے: ”الہی! جس شخص کو تو مردود بنانا چاہتا ہے، اس کو ہمارا مخالف بنا ڈالتا ہے۔“ شعر:

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیاہ، ہستش ورق (۱)

یعنی: حق تعالیٰ اور خاصانِ حق کی عنایات کے بغیر، اگر فرشتہ بھی تو اس کا ورق (اعمال نامہ) سیاہ ہے۔

یہ رجوع اور انابت جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو نئے سرے سے عطا فرمایا ہے، اسے آپ بڑی نعمت تصور فرمائیں اور اللہ سبحانہ سے اس پر استقامت طلب کریں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ۔ یعنی: آپ کو اور اس شخص کو جو ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰۷)

یہ بھی محمد صادق کشمیری کو تحریر فرمایا۔ چند سوالات کے جوابات میں جو اس طرح لکھے گئے تھے کہ ان سے طعن (و تعصب) کی یو آتی تھی، اور یہ مکتوب ان ضروری فوائد پر مشتمل ہے جو اس بلند گروہ (اولیائے عظام) پر ایمان رکھنے میں نفع بخش ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) اس بلند گروہ (اولیائے عظام) پر ایمان کی سعادت نصیب فرمائے۔ چند سوالوں پر مشتمل جو مکتوب آپ نے بھیجا تھا، وہ پہنچا۔ اگرچہ جو سوال طعن و تعصب کا شاہد رکھتا ہو وہ جواب کے لائق نہیں ہے۔ (لیکن فقیر) اس سے قطع نظر کرتے ہوئے جواب دینے میں اقدام کرتا ہے۔ اگر (وہ) ایک آدمی کو نفع نہ دیں تو شاید کوئی دوسرا اس سے فائدہ اٹھائے۔

پہلا سوال: یہ تھا کہ کیا سبب ہے کہ اولیائے متقدمین سے کرامتیں اور خوارق بہت زیادہ ظاہر ہوتی تھیں اور اس زمانے کے بزرگوں سے کم ظاہر ہوتی ہیں۔

(جواب): اگر اس سوال سے مقصود خرق عادات کے کم ہونے کی وجہ سے اس وقت کے بزرگوں کی نفی کرنا ہے، جیسا کہ (آپ کی) عبارت کے مضمون سے واضح ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ اس طرح کے شیطانی دھوکوں سے محفوظ فرمائے۔

خوارق کا ظاہر ہونا نہ تو ارکان ولایت میں سے ہے اور نہ ہی اس کی شرائط میں سے۔ برخلاف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کے جو کہ مقام نبوت کی شرائط میں سے ہے۔ لیکن اولیاء اللہ سے خوارق کا جو ظہور شائع و ظاہر ہے، اس کے خلاف کم ہی ہوا ہے۔ لیکن خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا، افضلیت پر دلالت نہیں کرتا، وہاں قرب الہی جل سلطانہ کے درجات کے لحاظ سے فضیلت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ولی اقرب سے بہت کم خوارق ظاہر ہوں اور ولی ابعد سے بکثرت خوارق ظاہر ہوں۔

جو خوارق اس امت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئی ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس کا عشر عشر بھی ظاہر نہیں ہوا۔ جبکہ اولیاء میں سے افضل (ولی) بھی ادنیٰ (ترین) صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا، (لہذا) خوارق کے ظاہر ہونے پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور (یہ چیز) تقلیدی استعداد کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔ نبوت اور ولایت کے فیوض کو قبول کرنے کے لائق وہ لوگ ہیں جن میں تقلیدی استعداد ان کی قوت نظری پر غالب ہو۔

(حضرت) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تقلیدی استعداد کی قوت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں اصلاً دلیل کے محتاج نہ ہوئے اور ابو جہل لعین اسی استعداد کی کمی کی سبب اتنی واضح آیات اور بڑے معجزات کے باوجود نبوت کی تصدیق کی دولت سے مشرف نہ ہو سکا۔ حضرت حق سبحانہ ان بے نصیبوں کے بارے میں فرماتا ہے: وَإِنْ يَرَوْا كَلًّا آيَةً لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ وَكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ. (سورة الانعام، ۲۵)

یعنی: اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں، یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آپ سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں، کہتے ہیں یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

جبکہ ہم کہتے ہیں کہ اکثر متقدمین سے ساری عمر میں پانچ یا چھ خوارق سے زیادہ نقل نہیں کی گئیں۔ (حضرت) جنید (بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) جو اس گروہ کے سردار ہیں، معلوم نہیں ہے کہ ان سے دس خوارق بھی نقل کی گئی ہوں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے (حضرت موسیٰ) کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یوں فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ. (سورة بنی اسرائیل، ۱۰۱)

یعنی: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو نو کھلی نشانیاں دیں۔

(آپ کو) اس وقت کے مشائخ کے بارے میں کہاں سے معلوم ہوا کہ (ان سے) اس قسم کے خوارق ظاہر نہیں ہوتے؟ بلکہ اولیاء سے خواہ وہ متقدمین ہوں (اور) خواہ متاخرین، ہر گھڑی خوارق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ دعویٰ کرنے والا خواہ ان کو سمجھے یا نہ سمجھے:

ع خورشید نہ مجرم ار کسے بیٹا نیست
یعنی: اگر کوئی شخص اندھا ہے تو سورج قصور وار نہیں ہے۔

دوسرا سوال: یہ ہے کہ سچے طالبین کے کشف و شہود میں شیطان کے القاء کو دخل ہے یا نہیں ہے؟ اگر ہے تو پھر کشفِ شیطانی کی صورت کو واضح کریں کہ وہ کس طرح ہے۔ اور اگر (القائے شیطانی کو) دخل نہیں ہے تو پھر بعض الہامی امور میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں، وہ کیا ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے: وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات کو زیادہ جاننے والا ہے) کہ کوئی آدمی بھی القائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہے، جبکہ (یہ چیز) انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) میں بھی متصور، بلکہ متحقق ہے۔ پھر اولیاء میں بدرجہ اولیٰ ہوگی، پھر طالبِ صادق کس شمار میں ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات کو اس القاء پر آگاہ کر دیا جاتا ہے اور باطل کو حق سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس معنی پر دلالت کرتی ہے: فَيَنْسُخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللّٰهُ اَيْنَهُ. (سورۃ الحج، ۵۲)

یعنی: سو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے، اللہ اس کو دور کر دیتا ہے، پھر اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔

اور یہ آگاہی اولیاء میں لازم نہیں ہے، کیونکہ ولی نبی کے تابع (ہوتا) ہے۔ وہ جس چیز کو نبی کے مخالف پائے گا، (اس کو) رد کر دے گا اور باطل سمجھے گا۔ لیکن جس صورت میں نبی کی شریعت اس بارے میں خاموش ہے اور اس کے اثبات و نفی کا حکم نہیں کرتی (اس جگہ) حق کا باطل سے جدا کرنا قطعی طور پر مشکل (ہوتا) ہے۔ کیونکہ الہام کا تعلق ظن سے ہے، لیکن اس کے عدم امتیاز سے ولایت میں کوئی قصور واقع نہیں ہوتا، کیونکہ شریعت کے احکام کی بجا آوری اور نبی کی پیروی دونوں جہانوں کی نجات کی ضامن ہے اور جن امور سے شریعت نے سکوت (اختیار) کیا ہے، وہ شریعت پر زائد ہیں اور ہم ان زائد امور پر مکلف نہیں ہیں۔

جاننا چاہیے کہ کشف کا غلط ہونا صرف القائے شیطانی پر ہی منحصر نہیں ہے، (بلکہ) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قوتِ مخیلہ میں غیر صادق احکام ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں، جن میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی قسم سے یہ بھی ہے کہ بعض لوگ خوابوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں اور بعض (ایسے) احکام کو اخذ کر لیتے ہیں جو حقیقت میں (شرعی) احکام کے خلاف ثابت ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں القائے شیطانی متصور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ علماء کا (متفقہ) فیصلہ ہے کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت^(۱) میں شیطان کسی طرح بھی متشکل نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں صرف قوتِ مخیلہ کا تصرف ہے، جس نے غیر واقع کو واقع تصور کر لیا ہے۔

تیسرا سوال: یہ تھا کہ چونکہ کرامات کا تصرف اور استدراج کی تاثیرات دیکھنے میں ایک جیسی ہیں، (لہذا) مبتدی کس طرح پہچانے کہ یہ ولی صاحبِ کرامت ہے اور یہ مدعی صاحبِ استدراج ہے؟

اس کا جواب یہ ہے، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات کو زیادہ جاننے والا ہے) کہ مبتدی طالب کے لیے ان میں فرق کرنے کی واضح دلیل موجود ہے اور وہ اس کا صحیح وجدان ہے کہ اگر وہ اپنے دل کو اس کی

صحبت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے گا تو جان لے گا کہ وہ ولی صاحب کرامات ہے اور اس چیز کے خلاف پائے گا تو معلوم کر لے گا کہ وہ مدعی صاحب استدراج ہے۔ اگر اس بات میں کوئی پوشیدگی ہے تو (یہ) نادان لوگوں کے لیے ہے، طالبین کے لیے نہیں ہے۔ عوام کی پوشیدگی کا خواص کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس کا سبب قلبی مرض اور آنکھوں کا پردہ ہے۔ عوام پر ایسی بہت سی چیزیں پوشیدہ ہیں، جن کا جاننا اس فرق کے جاننے سے زیادہ ضروری ہے۔

اب ہم اس مکتوب کو بعض ایسے معارف کے بیان کرنے پر ختم کرتے ہیں، جو آپ کو اس طرح کے شکوک و شبہات کے خاتمہ میں فائدہ دیں۔

جاننا چاہیے کہ تَخْلُقُ بِأَخْلَاقِ اللَّهِ کے معنی جو ولایت میں ماخوذ ہیں کہ اولیاء کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں جو واجب تعالیٰ کی صفات کے مناسب ہوں، لیکن یہ مناسبت اسم میں ہوگی اور مشارکت عام صفات میں ہوگی، خواص معانی میں نہیں ہوگی، کیونکہ وہ محال ہیں اور اس میں حقائق کا تغیر و تبدل لازم آتا ہے۔

(حضرت) خواجہ محمد پارسا قدس سرہ ”تحقیقات“ میں جس جگہ تَخْلُقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ^(۲) (اپنے اخلاق کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا مظہر بناؤ) کے معنی بیان کرتے ہیں، وہاں فرماتے ہیں: ”(اللہ تعالیٰ کی) ایک اور صفت مَلِک ہے اور مَلِک کے معنی ہیں، ”سب پر تصرف کرنے والا“۔ جب سالک راہ اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے اور اس کو مغلوب کر لیتا ہے تو اس کا تصرف دلوں پر جاری ہو جاتا ہے (اور) وہ اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ کی) ایک اور صفت سَمِیع ہے اور سَمِیع کے معنی ہیں ”سننے والا“۔ جب سالک راہ اللہ تعالیٰ کی بات خواہ کسی سے سننے بلا تکلف قبول کر لیتا ہے اور غیبی اسرار اور حقائق کو روح کے کانوں سے سنتا ہے تو اس صفت سے موصوف بن جاتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ کی) ایک اور صفت بَصِیر ہے اور بَصِیر کے معنی ہیں ”دیکھنے والا“۔ جب سالک راہ کی بصیرت کی آنکھ دیکھنے والی بن جاتی ہے اور نور فراست سے اپنے سب عیبوں کو دیکھتا ہے اور دوسرے لوگوں کے کمال کا حال دیکھتا ہے، یعنی سب لوگوں کو خود سے بہتر دیکھتا ہے، نیز بصیرت حق اس کی منظور نظر ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے، حق تعالیٰ کی پسندیدگی کے موجب کرتا ہے تو وہ اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ کی) ایک اور صفت حَمِی ہے اور حَمِی کے معنی ہیں ”زندہ کرنے والا“۔ جب سالک راہ ترک شدہ سنت کو زندہ کر کے قائم کر دیتا ہے تو وہ اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

(اللہ تعالیٰ کی) ایک اور صفت مِیّت ہے اور مِیّت کے معنی ہیں ”مارنے والا“۔ جب سالک راہ ان بدعتوں کو جنہوں نے سنت کی جگہ پکڑ لی ہے، روک دیتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

عوام نے تَخْلُق کے معنی دوسری طرح سمجھے ہیں، (لہذا) وہ مجبوراً گمراہی کے جنگل میں جا پڑے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا ہے کہ ولی کے لیے مردہ کا زندہ کرنا ضروری ہے اور غیبی چیزیں اس پر منکشف ہونی چاہئیں۔ وَغَیْرُہُ ذَلِکَ۔ اسی طرح کے ان کے کئی فاسد گمان ہیں: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ (سورۃ الحجرات، ۱۲) یعنی: بیشک بعض گمان گناہ ہیں۔

نیز خوارق زندہ کرنے اور مارنے پر ہی منحصر نہیں ہے۔ علوم اور الہامی معارف بڑی نشانیوں اور بلند خوارق میں سے

ہیں، لہذا معجزہ قرآنی تمام معجزات سے زیادہ قوی اور باقی رہنے والا ہے۔ ذرہ آنکھیں کھولیں کہ یہ سب علوم و معارف جو بہار کے بادل کی طرح (اس فقیر پر) برس رہے ہیں، کہاں سے ہیں؟ (یہ) علوم اس سب کثرت کے باوجود پوری طرح شرعی علوم کے مطابق ہیں، بال برابر بھی مخالفت کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ خصوصیت (ان) علوم کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ نے تحریر فرمایا تھا کہ ”تمہارے علوم سب صحیح ہیں۔“ لیکن کیا فائدہ کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی بات آپ کے لیے حجت نہیں ہے، اگرچہ آپ نے اپنا نام پیر پرست کر رکھا ہے۔ (اس سے) زیادہ کیا لکھا جائے؟

آپ کے یہ سوالات پہلے اگرچہ گراں گزرے، لیکن چونکہ کئی علوم و معارف کا سبب بنے اور یہ تمام گفتگو ان کے تحت کی گئی، (لہذا) خوب ہیں۔ شعر:

ہیچ زشتی نیست کو را خوبی ہمراہ نیست زنگی شب رنگ را دندان چودر و گوہراست
یعنی: کوئی برائی ایسی نہیں ہے کہ جس کے ساتھ اچھائی نہ ہو، رات کے رنگ والے حبشی کے دانت موتی اور گوہر کی مانند ہیں۔

عجیب معاملہ ہے کہ آپ نے پہلے مکتوب میں بڑا اخلاص ظاہر کیا تھا، اور اس کا سبب دو لگاتار واقعات کے ظہور کو قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ اس کا اثر بیداری میں بھی پایا ہے۔ یہاں تک کہ پہلی وضع سے کامل ندامت ثابت ہو گئی ہے اور وہ توبہ و انابت کی طرف لے آئی ہے۔ اور اس نے تجدید ایمان سے مشرف کیا ہے۔ ایک ماہ نہیں گزرا تھا کہ (آپ کی) اس وضع میں ایک تبدیلی سمجھ آئی ہے کہ آپ الٹے پاؤں لوٹ کر پہلی وضع پر منتقل ہو گئے ہیں اور اس کے درپے ہو گئے ہیں کہ ان دو واقعات کی کوئی ایسی صورت پیدا ہو جو ان کو القائے شیطانی سے ملا دے اور یا ان کو غلط کشف تک لے جائے۔ وہ کیا تھا اور یہ کیا ہے؟ شعر:

بگفتا فلانے چه بد می کند نہ با من کہ با نفس خود می کند
یعنی: اس نے کہا کہ فلاں شخص کیسی برائی کر رہا ہے، (لیکن) میرے ساتھ نہیں، خود اپنے ساتھ کر رہا ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالْتَحِيَّاتُ
وَالتَّسْلِيمَاتُ۔ یعنی: آپ کو اور اس شخص کو جو ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۰۸)

میاں سید بجواڑی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے۔ اس کے خلاف جو لوگوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔

تَبَتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ وَجَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ عَلَىٰ مُتَابِعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَعَلَيْهِمْ
مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو، آپ کو اور سب مسلمانوں کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔

بعض مشائخ نے سکر کی حالت میں کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسروں نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے، تا کہ ولی کے نبی پر افضل ہونے کا وہم دور ہو جائے۔ لیکن درحقیقت معاملہ (اس کے) برعکس ہے، کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے۔ ولایت میں سینہ کی تنگی سے خلقت کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی اور نبوت میں شرح صدر کے کمال کی وجہ سے نہ تو حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہونا خلقت کی جانب متوجہ ہونے سے مانع ہوتا ہے اور نہ ہی خلقت کی طرف متوجہ ہونا حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے سے مانع ہوتا ہے۔ نبوت میں صرف خلقت کی طرف ہی توجہ نہیں ہوتی، تا کہ ولایت کو جس میں صرف حق تعالیٰ کی جانب توجہ ہوتی ہے، نبوت پر ترجیح دی جائے۔ عَيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ۔
یعنی: اللہ سبحانہ کی پناہ!

صرف خلقت کی طرف توجہ ہونا نادان لوگوں کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بہت بلند ہے۔ اس مقصد کو سمجھنا ارباب سکر کے لیے مشکل ہے۔ مستقیم حالات کے حامل اکابرین اس معرفت سے ممتاز ہیں:

ع هَيِّنًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيْمُهَا
یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شاہ عبداللہ ولد میاں شیخ عبدالرحیم کا اس فقیر کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔ ان کے والد مدتوں بہادر خان کے ملازم رہے۔ ان دنوں حاجتمند اور بینائی سے محروم ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو بھیجا ہے کہ بہادر خان کے پاس ملازم ہو جائے۔ اس بارے میں اگر آپ کی جانب سے بھی کچھ اشارہ ہو جائے تو فائدہ مند ہوگا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۰۹)

حکیم صدر کو تحریر فرمایا۔ قلب کی سلامتی اور ماسویٰ اللہ سبحانہ کے نسیان (بھلا دینے) کے بیان میں۔
اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں۔ باطنی بیماریوں کا خاتمہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابستہ ہے۔ ان کا کلام دوا ہے اور ان کی نظر شفا ہے: هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْفَى جَلِيْسُهُمْ وَهُمْ جُلَسَاءُ اللّٰهِ بِهِمْ يَمْطَرُونَ وَبِهِمْ يُرْزَقُونَ^(۱)۔
یعنی: وہ ایسے لوگ جن کا ہم نشین بد بخت نہیں ہوتا اور وہی اللہ کے ہم نشین ہیں، ان (کی برکت) سے بارش برستی ہے، اور ان کے صدقے (مخلوق کو) رزق دیا جاتا ہے۔

باطنی امراض کی جڑ اور معنوی بیماریوں کی سردار دل کی ماسویٰ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری ہے۔ اور جب تک اس گرفتاری سے کامل آزادی میسر نہ آجائے (اس وقت تک) سلامتی محال ہے۔ کیونکہ شرکت کو (اللہ) جل سلطانہ کی بارگاہ میں ہر گز دخل نہیں ہے: اِلَّا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ (سورۃ الزمر، ۳) یعنی: سن لو! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا ہے)۔
پس کیسے ہیں (وہ لوگ) جنہوں نے شریک کو غالب کر لیا ہے؟ نہایت بے حیائی ہے کہ حق سبحانہ کے غیر کی محبت کو اس طرح غالب بنا لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے مقابلہ میں معدوم یا مغلوب ہو جائے۔ اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ^(۲) (یعنی: حیا ایمان کی ایک شاخ ہے) میں اسی حیا کو بیان کیا گیا ہے۔

دل کے گرفتار نہ ہونے کی علامت (یہ) ہے کہ وہ ماسویٰ (اللہ) کو پوری طرح بھول جائے اور سب چیزوں کو اس

طرح بھول جائے کہ اگر تکلف سے بھی ان چیزوں کو یاد کرے تو وہ اس کو یاد نہ آئیں۔ پس اس مقام میں چیزوں کے ساتھ گرفتاری کی کیا مجال ہے۔ اہل اللہ اس حالت کی تعمیر فنا سے کرتے ہیں۔ (یہ) اس راستے کا پہلا قدم ہے اور قدم کے انوار ظاہر ہونے کا مبداء ہے اور معارف اور حکمتوں کے وارد ہونے کا منشا ہے۔ وَبَدُؤْنَهَا حَرْطُ الْقِتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔ شعر:

ہیج کس را تا نہ گردد او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا^(۳)
یعنی: کسی شخص کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں راستہ نہیں ملتا۔

مکتوب نمبر (۱۱۰)

شیخ صدر الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کی پیدائش سے مقصود بندگی کے وظائف کی ادائیگی اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب میں کامل توجہ رکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اہل کمال کی آرزوؤں کی نہایت تک پہنچائے۔ انسان کی پیدائش سے مقصود بندگی کے وظائف کی ادائیگی اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب میں کامل توجہ رکھنا ہے اور یہ مقصد سید اولین و آخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ مِّنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّہَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَيَمُّہَا کی ظاہری و باطنی کامل اتباع کے ثابت ہونے کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا۔ رَزَقْنَا اللّٰہُ سُبْحَانَهُ وَاَيَّاكُمْ کَمَالَ اِتِّبَاعِهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قَوْلًا وَفِعْلًا، ظَاهِرًا وَبَاطِنًا، عَمَلًا وَاعْتِقَادًا، اٰمِیْن یَا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو قول و فعل، ظاہر و باطن اور عمل و اعتقاد کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع نصیب فرمائے۔ اے سب جہان کے پروردگار! قبول فرما:

بعد از خدا ہر چہ پرستند ہیج نیست بیدولت است آنکہ ہیج اختیار کرد
یعنی: اللہ کے سوا جس چیز کی پرستش کرتے ہیں وہ بیکار ہے، وہ شخص بدنصیب جس نے بیکار کو اختیار کیا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ مقصود ہے، وہی معبود ہے۔ (طالب) غیر کی عبادت سے اس وقت نجات پاتا ہے، جب اللہ تبارک و تعالیٰ کے غیر سے (اس کا) کوئی مقصود نہ رہے۔ خواہ آخرت کے مقاصد اور بہشت کی نعمتیں ہی ہوں۔ اگرچہ یہ مقاصد حسنت ہیں، لیکن یہ مقررین کے ہاں گناہ ہیں۔ جب آخرت کے امور کی حالت اس طرح ہے تو دنیاوی امور کے بارے میں کیا کہا جائے۔ کیونکہ دنیا اللہ سبحانہ کی سخت ناپسندیدہ ہے، جب سے اس نے پیدا کی ہے، ہرگز اس کی طرف نگاہ نہیں فرمائی۔ اس کی محبت گناہوں کی جڑ ہے اور اس کے طالب لعنت اور مسترد ہونے کے حقدار ہیں:

اَلْ دُنْیَا مَلْعُوْنَةٌ وَّمَا فِیْہَا مَلْعُوْنَةٌ اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔^(۱) یعنی: دنیا ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اس میں جو کچھ ہے، وہ (بھی) ملعون ہے۔

نَجَّانَا اللّٰہُ سُبْحَانَهُ عَنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْہَا بِحُرْمَةِ حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَاٰلِہٖ الْکِرَامُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اپنے حبیب سید اولین و آخرین (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے دنیا کے شر اور جو شر اس میں ہے، اس سے نجات بخشے۔

مکتوب نمبر (۱۱۱)

شیخ حمید سنبھلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ توحید سے مراد قلب کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا (دوسری سب) چیزوں سے خالی کرنا ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

توحید سے مراد اللہ سبحانہ کے سوا (دوسری سب) چیزوں کی توجہ سے دل کو خالی کرنا ہے۔ جب تک دل کی ماسویٰ (اللہ) سے گرفتاری ثابت ہے، خواہ وہ بہت ہی کم ہو، (طالب) ارباب توحید میں سے نہیں ہے۔ اس دولت کو حاصل کیے بغیر (اللہ کو) ایک کہنا اور ایک جاننا ارباب حصول کے نزدیک فضول ہے۔ جی ہاں! (اللہ کو) ایک کہنا اور ایک جاننا جو ایمان کی تصدیق میں معتبر ہے اور اس سے چارہ نہیں ہے، لیکن یہ دوسرے معنی میں ہے۔ لَا مَعْبُودَ إِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اور لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں) کے درمیان فرق واضح ہے۔ ایمان کی تصدیق علمی (چیز) ہے اور وجدانی ادراک حالی (شے) ہے۔ اس حال (کے حصول) سے پہلے اس کے بارے میں بات کرنا ممنوع ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت نے جو اس بارے میں گفتگو کی ہے، وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے: یا وہ معذور ہیں اور غلبہ حال میں مستور ہیں، یا حالات کے لکھنے اور ظاہر کرنے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ دوسروں کے حالات کی کسوٹی بن جائیں اور ان کے حالات کی دستی و کجی کو ان کے حالات کے ترازوں میں تول سکیں۔ ان دو حالتوں کے بغیر اسرار کا ظاہر کرنا ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم بد نصیبوں کو نبی (کریم) اور آپ کی آل امجاد علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے صدقے اپنے ارباب کمال کے حالات میں سے تھوڑا سا حصہ نصیب فرما کر (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن سنت کی پیروی پر استقامت عطا فرمائے۔

باقی زحمت یہ ہے کہ اس دعا والے مکتوب کے حامل میاں شیخ عبدالفتاح حافظ ذی عزت اور شریف زادہ ہیں۔ کثیر العیال اور بہت سی بیٹیوں کے باپ ہیں۔ روزی کے اسباب کی قلت نے (انہیں) اس پر آمادہ کیا ہے کہ خود کو کریم (لوگوں) تک پہنچائیں۔ امید ہے کہ اپنے مقصود کو پالیں گے۔ (اس سے) زیادہ (لکھنا) سر دردی ہے۔

مکتوب نمبر (۱۱۲)

شیخ عبدالجلیل تھانیسری ثم جو پوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ (اصل) کام یہ ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مضبوط ہو جائیں۔ اگر احوال و مواجید عطا فرمائیں تو ہم احسانمند ہوں گے، ورنہ اسی دولت کو کافی جانیں گے، جب یہ ہے تو سب کچھ ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ شانہ ہم مفلسوں کو اہل حق یعنی اہل سنت و جماعت کے سچے عقائد کی حقیقت پر ثابت رکھ کر پسندیدہ اعمال کی توفیق شامل حال بنائے۔ جو حالات ان اعمال کے ثمرات ہیں، وہ عطا فرما کر اپنی بارگاہ قدس جل سلطانہ میں جذب فرمائے:

ع کار ایں است و غیر ایں ہمہ پیچ
یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

کیونکہ جو احوال و مواجید اس ناجی فرقہ کے عقائد کی حقیقت سے ثابت ہونے کے بغیر میسر ہوں، (ان کو) ہم استدراج کے سوا کچھ نہیں جانتے اور (ان کو) خرابی کے سوا کچھ خیال نہیں کرتے۔ فرقہ ناجیہ کی اتباع کی اس دولت کے ساتھ جو کچھ عطا کریں، ہم احسانمند ہوں گے اور اس کا شکر بجالائیں گے۔ اگر یہی عنایت کریں اور احوال و مواجید سے کچھ نہ دیں تو بھی ہمیں کوئی خوف نہیں اور ہم راضی ہیں۔

بعض مشائخ قدس اللہ اسرارہم سے جو غلبہ حال اور سرکری حالت میں بعض علوم و معارف اہل حق کی مضبوط آرا کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں، چونکہ ان کی بنیاد کشف پر ہے، (لہذا) وہ معذور ہیں۔ امید ہے کہ کل (قیامت) کو ان سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ وہ مجتہد مخطی (غلطی کرنے والے مجتہد) کا حکم رکھتے ہیں، جس کی خطا کا بھی ایک اجر ہوگا۔ حق علمائے اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی جانب ہے، کیونکہ علماء کے علوم (نبی کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے چراغ سے ماخوذ ہیں، جن کو کوئی قطعی کی تائید حاصل ہے۔ ان صوفیہ کے معارف کی دلیل کشف و الہام ہے جس میں خطا کو دخل نہیں ہے اور (ان کے) کشف و الہام کی صحت کی علامت علمائے اہل سنت کے علوم کے ساتھ مطابقت ہے، اگر بال برابر بھی مخالفت ہے تو وہ دائرہ صواب سے باہر ہے۔ یہی صحیح علم اور واضح حق ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں ہے۔ رَزَقْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَاَيُّكُمْ الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ظَاهِرًا وَّباطِنًا، عَمَلًا وَّاعْتِقَادًا عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَفْضَلُهَا۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی پر ظاہری و باطنی (اور) عملی و اعتقادی طور پر استقامت نصیب فرمائے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷)

یعنی: آپ کو اور جو شخص ہدایت کی بات مانے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۱۳)

جمال الدین حسین کولابی کو تحریر فرمایا۔ مبتدی کے جذبہ اور منتہی کے جذبہ میں فرق کے بیان میں اور یہ کہ مجذوبوں کے جذب کا اظہار (مقام) روح کے آغاز سے ہوتا ہے جو (مقام) قلب کے اوپر ہے اور روح کے اس شہود کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا شہود متصور کر لیتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

جذب و کشش صرف مقام فوق تک ہوتی ہے، (مقام) فوق سے اوپر نہیں ہوتی۔ اور یہی حال شہود اور اس کے طریقہ میں ہے۔ پس سلوک (طے) نہ کرنے والے مجذوبوں کو، جو مقام قلب میں ہیں جذب نہیں ہوتی، مگر مقام روح میں جو مقام

قلب کے اوپر ہے۔ انجذاب الہی منتہیوں کے جذبہ میں ہے جس کے اوپر کوئی اور مقام نہیں ہے اور ابتدائی جذبہ میں پھونکی ہوئی روح کے سوا کچھ مشہود نہیں ہوتا۔ چونکہ روح اپنی اصلی صورت میں موجود ہے: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔^(۱) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

روح کے شہود کو حق تعالیٰ و تقدس کا شہود سمجھتے ہیں۔ چونکہ روح کی عالم اجساد کے ساتھ ایک طرح کی مناسبت ثابت ہے، (لہذا) کبھی اس شہود کو کثرت میں احدیت کا شہود کہتے ہیں اور کبھی اس کی معیت کے قائل ہو جاتے ہیں، (جبکہ) حق تبارک و تعالیٰ کا شہود فنائے مطلق کے حاصل ہونے کے بغیر، جو کہ سلوک کی انتہا پر ثابت ہے، متصور نہیں ہے:

ہچ کس را تا نگرود او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا^(۲)
یعنی: کسی شخص کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں راستہ نہیں ملتا۔

اس شہود کا دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان دونوں شہود کے درمیان فرق یہ ہے کہ جو شہود دنیا کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے مناسبت رکھتا ہے، وہ حق تعالیٰ و تقدس کا شہود نہیں ہے اور اگر مناسبت کے بغیر ہے تو وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے شہود کی علامت ہے۔ شہود کا اطلاق عبارت کی تنگی کے سبب ہوا ہے، ورنہ (یہ) نسبت بھی منتسب الیہ (اللہ تبارک و تعالیٰ) کی طرح بے مثل و بے کیف ہے:

ع چوں را بہ پیچوں راہ نیست

یعنی: بے مثل کو بے مثل تک راستہ نہیں ہے۔

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا عَطَايَاهُ۔^(۳) یعنی: بادشاہ کے عطیوں کو اس کی عنایت کردہ سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

مکتوب نمبر (۱۱۴)

صوفی قربان کو تحریر فرمایا۔ (حضرت) سید المرسلین علیہم وآلہ الصلوٰات والتسلیمات کی پیروی کی ترغیب (کے بیان) میں۔

حق سبحانہ و تعالیٰ ہم بے سروسامان مفلسوں کو (حضرت) سید اولین و آخرین علیہ علیہم وآلہ الصلوٰات والتسلیمات، جن کی دوستی کے صدقے اس نے اپنے اسمائی و صفاتی کمالات کو ظاہر فرمایا اور آپ علیہ من الصلوٰات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کو تمام کائنات میں بہترین پیدا فرمایا ہے، کی اتباع سے مشرف فرمائے اور اس پر استقامت بخشے، کیونکہ اس پسندیدہ اتباع کا ایک ذرہ دنیا کی سب لذتوں اور آخرت کی نعمتوں سے درجات میں کہیں بہتر ہے۔

فضیلت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشن سنت کی اتباع پر وابستہ ہے اور بندگی آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی شریعت (کے احکام) کی بجا آوری پر منحصر ہے۔ مثلاً دو پہر کا سونا جو اس اتباع کے لحاظ سے واقع ہو، وہ ان کروڑوں شب بیداریوں سے بہتر و افضل ہے جو (اتباع) سنت میں نہ ہوں۔ اسی طرح عید فطر کے روز کھانا، جس کا شریعت مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم فرمایا ہے، عمر بھر کے ان روزوں سے بہتر ہے جو شریعت کے خلاف ہوں۔ شارع (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے حکم کے مطابق ایک درہم (دینار) دینا اپنی خواہش سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے افضل ہے۔

امیر المؤمنین (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز نمازِ فجر کو باجماعت ادا کر کے صحابہ (کرامؓ) کی طرف نگاہ فرمائی اور ایک شخص کو حاضر نہ پایا۔ دریافت فرمایا تو صحابہ (کرامؓ) نے عرض کیا کہ یہ شخص رات کو زندہ رکھتا ہے (یعنی عبادت کرتا ہے)۔ شاید اس وقت اسے نیند نے آلیا ہو۔ امیر المؤمنین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ اگر وہ رات بھر سوتا رہتا اور نمازِ فجر جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو بہتر ہوتا۔

گمراہ لوگوں نے بہت زیادہ ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں۔ چونکہ وہ شریعتِ حقہ کے مطابق نہیں ہیں، (لہذا) بے اعتبار اور بے وقعت ہیں۔ اگر ان سخت اعمال پر کچھ اجر ثابت ہو بھی جاتا ہے تو وہ بھی دنیا کے بعض منافع پر منحصر ہے۔ دنیا چیز ہی کیا ہے کہ کوئی شخص اس کے بعض منافع پر اعتبار کرے۔ ان کی مثال اس خاکروب کی سی ہے جس کی ریاضت سب سے زیادہ ہے اور اس کی مزدوری سب سے کمتر ہے۔ شریعت کے تابعداروں کی مثال اس جماعت کی طرح ہے جو قیمتی جواہر اور عمدہ عمدہ ہیروں کا کام کرتے ہیں۔ ان کا عمل انتہائی کم اور ان کا معاوضہ بہت زیادہ ہے۔ ایک گھڑی کے کام کا معاوضہ لاکھوں میں ہو سکتا ہے۔ راز یہ ہے کہ جو عمل شریعت کے مطابق ہوتا ہے، وہ حق سبحانہ کا پسندیدہ (ہوتا) ہے اور اس کے خلاف کام اللہ تعالیٰ کا ناپسندیدہ ہے۔ پس ناپسندیدہ میں ثواب کی گنجائش کہاں؟ بلکہ (وہ) متوقع عذاب ہے۔ اس حقیقت کی مجازی دنیا میں مثال موجود ہے جو تھوڑی سی توجہ سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ شعر:

ہر چہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کمالے ملت شود^(۱)

یعنی: علتی جو کچھ کرے علت ہی ہے، اگر کمال کفر کرے تو ملت ہی ہے۔

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ اتباعِ سنت ہے۔ اور سب فسادوں کی اصل شریعت کی مخالفت ہے۔ تَبَتْنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَآيَاكُمْ عَلَىٰ مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ. وَالسَّلَامُ.
یعنی: اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ اور سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۱۵)

ملا عبدالحق دہلوی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ راستہ جس کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں، صرف سات قدم ہے۔

ع از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

یعنی: دوست کی جانب سے جو بات بھی پہنچے وہ اچھی ہے۔

یہ راستہ جس کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں، صرف سات قدم ہے۔ (جن میں سے) دو قدم عالمِ خلق میں ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر میں۔ پہلا قدم جب عالمِ امر میں رکھتے ہیں تو تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے قدم پر تجلی صفات اور تیسرے قدم پر تجلیات ذاتیہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کمالات کے درجات کے تفاوت کے مطابق (تجلیات) ہوتی رہتی ہیں، جیسا کہ اربابِ کمال پر مخفی نہیں ہے۔ یہ سب سید اولین و آخرین علیہ من الصلوٰات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا کی پیروی پر وابستہ ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ راستہ دو قدم ہے۔ اس سے مراد عالمِ خلق اور عالمِ امر لیے گئے ہیں، اجمالی طور پر تا کہ طالبین کی نظر

میں کام آسان نظر آئے اور معاملہ کی اصل حقیقت وہی جو اللہ سبحانہ کی توفیق سے میں نے بیان کی ہے۔

مکتوب نمبر (۱۱۶)

ملا عبد الواحد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی قلب سے ماسویٰ اللہ کو بھلا دینے پر موقوف ہے، اور دنیا کے کاموں میں کثرت سے مشغول ہونے سے منع کرنے میں، (تاکہ) ایسا نہ ہو کہ دنیا میں رغبت پیدا ہو جائے۔

میرے پیارے بھائی کا پسندیدہ مکتوب پہنچا۔ اور قلب کی سلامتی کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا، وہ واضح ہوا۔ ہاں! قلب کی سلامتی ماسویٰ (اللہ) کے دل سے بھلا دینے پر موقوف ہے، اس حد تک کہ اگر اس کو تکلف سے بھی یاد دلائیں تو اسے یاد نہ کرے۔ اس صورت میں ماسویٰ (اللہ) کے خیالات کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اس حالت کی تعبیر فنائے قلبی ہے اور (یہ) اس راستے کا پہلا قدم ہے اور استعداد کے درجات کے فرق کے مطابق ولایت کے مراتب کے کمالات کی بشارت دینے والا ہے۔ (پس آپ) ہمت کو بلند رکھیں اور اخروٹ و منفی (جیسی چیزوں) پر قناعت نہ کریں: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَآلِيَ الْاٰلِهَمِّ۔ یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ بلند ہمت لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ دنیا کے کاموں میں زیادہ مشغولی سے اس کمینی دنیا کے کاموں میں رغبت کا خوف ہے۔ خبردار! قلب کی اس سلامتی پر مغرور نہ ہو جائیں۔ کیونکہ رجوع (حالت کی واپسی) کا امکان ہے، جہاں تک ہو سکے دنیاوی کاموں میں مشغولی کا اقدام نہ کریں کہ مبادا ایک رغبت پیدا ہو جائے اور وہ نقصان میں ڈال دے۔

عَيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ کی پناہ!

فقر میں خاکروبی کرنا دولت مندی کی صدر نشینی سے درجات میں زیادہ بہتر ہے۔ سب ہمت یہ ہونی چاہیے کہ چند روز کی زندگی فقر و نامرادی میں گزاری جائے۔ فِرَّ مِنَ الْغِنَاءِ وَارْبَابِهِ اَكْثَرُ مَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ۔ یعنی: دولت اور دولت مندوں سے اس سے بھی زیادہ بھاگو، جس طرح کہ تم شیر سے بھاگتے ہو۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۱۷)

ملایار محمد قدیم بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ابتدا میں قلب حس (ادراک) کے تابع ہے اور انتہا میں یہ تابعداری نہیں رہتی۔

مولانا یار محمد بھولیں نہیں کہ جب تک قلب حس (ادراک) کے تابع ہے، پس مجبوراً جو چیز حس (ادراک) سے دور ہے، وہ قلب سے بھی دور ہے۔ حدیث: مَنْ لَّمْ يَمْلِكْ عَيْنَهُ فَلَيْسَ الْقَلْبُ عِنْدَهُ (یعنی: جس شخص کو اپنی آنکھ پر قابو نہیں، پس اس کا دل بھی اس کے قابو میں نہیں ہے) میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ سلوک کی انتہا میں چونکہ قلب کو حس (ادراک) کی تابعداری نہیں رہتی تو حس (ادراک) کی دوری بھی قلب کی نزدیکی میں اثر نہیں کرتی۔ لہذا مشائخ طریقت نے مبتدی اور متوسط کے لیے شیخ کامل مکمل کی صحبت سے جدا ہونا تجویز نہیں فرمایا ہے۔ غرض: مَا لَا يُدْرِكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ۔ (یعنی: جو چیز پوری حاصل نہیں کی جاسکتی وہ بالکل ترک بھی نہیں کی جاسکتی) کے حکم سے اس طریقہ پر (کار بند) رہیں اور غیر مشرب لوگوں کی صحبت سے مکمل طور پر پرہیز کریں۔

(آپ) میاں شیخ مزمل کی آمد کو سعادت کا پیش خیمہ سمجھ کر ان کی صحبت کو غنیمت خیال کریں اور اکثر اوقات ان کے ساتھ صحبت رکھیں کیونکہ وہ بہت عزیز الوجود ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۱۸)

ملا قاسم علی بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان لوگوں کے نقصان کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جو خط محبت کے آثار والے مولانا قاسم علی نے بھیجا تھا، وہ پہنچا (اور) مضمون سے آگاہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا تھا: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا. (سورۃ حم السجدة، ۴۶) یعنی: اور جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے، اور جو برے کام کرے گا تو اُن کا ضرر اُسی کو ہوگا۔ خواجہ عبداللہ انصاری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ”الہی! تو جس کو گرانا چاہتا ہے، اس کو ہمارا دشمن بنا ڈالتا ہے۔“ شعر:

ترسم آن قوم کہ بردرد کشاں می خندید بر سر کار خرابات کنند ایماں را^(۱)
یعنی: میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ جو مے کشوں پر ہنستے تھے، کہیں میخانے کے کام پر ایمان ضائع نہ کر بیٹھیں گے۔
اللہ سبحانہ و تعالیٰ سید البشر علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے سب مسلمانوں کو فقرا کے انکار اور اُن پر طعنہ زنی سے محفوظ فرمائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۱۹)

میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ شیخ مفتدا کی صحبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کبھی یوں ہوتا ہے کہ کامل بزرگ اپنے بعض ناقص مریدوں کو بھی نیک نیت کے لیے طریقہ کی تعلیم دینے کی اجازت دے دیتے ہیں۔
جناب میر صاحب کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ یہ راستہ دیوانگی طلب کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے: لَنْ يُؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَقَالَ إِنَّهُ مَجْنُونٌ۔^(۱) یعنی: تم میں کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔
جب دیوانگی آگئی تو (آدمی) بیوی بچوں سے فارغ ہو گیا اور ”ایسا“ اور ”ویسا“ کے اندیشہ سے جمعیت (دلی اطمینان) میسر ہو گئی۔ یہ دیوانگی آپ کی طبیعت میں (موجود) ہے، لیکن آپ نے بے فائدہ عوارض سے اس کو خس و خاشاک میں چھپا ڈالا ہے۔ کیا کیا جائے اس جدائی میں آپ میں بڑی بے مناسبتی نظر آتی ہے۔ آپ جلدی اس کا تدارک کریں اور کم ہمتی کو عین ہمت سمجھ کر جسمانی جدائی کو دور کریں۔ اس گروہ کی جمعیت (دلی اطمینان) خلقت کی جمعیت سے الگ ہے۔ خلقت کی جمعیت کے اسباب ان کے تفرقہ کا سبب ہیں۔ خلقت کے تفرقہ کے اسباب میں ہاتھ ڈالنا چاہیے، تاکہ جمعیت حاصل ہو جائے۔ اگر بالفرض اس گروہ کو خلقت کی جمعیت کی مانند جمعیت عطا کریں تو اس جمعیت سے ڈرنا چاہیے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرنی چاہیے، تاکہ وہ جمعیت و بال جان نہ بن جائے۔ فلاں اور فلاں (حضرات) کے حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کامل ہونے سے پہلے درجات کے فرق کے لحاظ سے یہ سب نقص کے مراتب ہیں:

ع فراق دوست اگر اندکست اندک نیست

یعنی: محبوب کی جدائی اگر کم ہو تو وہ بھی کم نہیں ہے۔

مشائخ طریقت نے بعض مریدوں کے کامل ہونے سے پہلے ان کو تعلیم طریقت کی اجازت دی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے (حضرت) مولانا یعقوب چرخ (رحمۃ اللہ علیہ) کو تعلیم طریقت اور سلوک کی بعض منازل طے کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ ”اے یعقوب! جو کچھ ہم سے تمہیں پہنچا ہے، خلقت کو پہنچا دو۔“ حالانکہ آپ (حضرت خواجہ نقشبندؒ) نے فرمایا تھا کہ میرے بعد تمہیں علاء الدین (عطاریؒ) کی خدمت میں رہنا ہوگا۔ (لہذا) آپ (حضرت مولانا چرخؒ) نے اکثر کام خواجہ علاء الدین (عطاریؒ) کی خدمت میں (کامل) کیا ہے، حتیٰ کہ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی (رحمۃ اللہ علیہ) نجات (الانس) میں آپ کو اول خواجہ علاء الدین (عطاریؒ) کے مریدوں میں شامل کرتے ہیں اور پھر حضرت خواجہ نقشبند (رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

غرض اس تفرقہ کا علاج ارباب جمعیت کی صحبت ہے اور یہ بات مکرر طور پر اور تاکید کے ساتھ لکھی جا چکی ہے۔ سنا گیا ہے کہ مولانا محمد صدیق نے نوکری اختیار کر لی ہے اور فقر کی وضع کو چھوڑ دیا ہے۔ افسوس! ہزار افسوس! کہ آدمی کو اعلیٰ علیین (سب سے بلند ترین مقام) سے اسفل سافلین (سب سے پست ترین مقام) میں لے جائیں۔ اس کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا، یا تو نوکری میں اس کو جمعیت دی جائے گی اور یا نہ دی جائے گی۔ اگر جمعیت دی گئی تو برا ہوا اور اگر نہ دی گئی تو زیادہ برا ہوا۔ رَبَّنَا لَا تَزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ آل عمران، ۸) یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۲۰)

یہ بھی میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ارباب جمعیت کی صحبت کی ترغیب دینے میں اور جو کچھ اس کے مناسب (اس کے بیان میں)۔

شاید کہ جناب میر نے فراموشی اختیار کر لی ہے کہ کسی سلام اور کسی پیغام کی یاد آوری بھی نہیں کر رہے۔ فرصت بہت کم ہے اور اس کا نہایت ضروری کاموں میں صرف کرنا ضروری ہے۔

یہ (ضروری) کام ارباب جمعیت کی صحبت ہے، کیونکہ صحبت کے برابر کوئی شے نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ (کرامؓ) کو صحبت کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے سوا سب (لوگوں) پر خواہ وہ اولیں قرنیٰ اور عمر (بن عبدالعزیز) مروائی ہی ہوں، فضیلت حاصل ہے، جبکہ یہ دونوں (حضرت اولیں قرنیٰ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ) صحبت (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ تمام درجات کی نہایت اور سب کمالات کی انتہا تک پہنچے ہوئے تھے۔ بیشک (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی خطا صحبت (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت) سے ان دونوں (حضرات) کے صواب سے بہتر ہے اور (حضرت) عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کا سہواں دونوں کے صواب سے افضل ہے، کیونکہ ان

بزرگواروں کا ایمان صحبت (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت) سے اور رسول (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کے شرف سے، فرشتہ کے حاضر ہونے، وحی کے مشاہدہ اور معجزات کے دیکھنے کی بدولت شہودی ہو چکا تھا۔ ان (صحابہ کرامؓ) کے علاوہ کسی اور کو اس طرح کے کمالات جو سب کمالات کا اصل اصول ہیں، نصیب نہیں ہوئے اور اگر (حضرت) اولیں قرنیٰ کو صحبت کی فضیلت معلوم ہوتی کہ اس میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی چیز روک نہ سکتی اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (سورۃ البقرۃ، ۱۰۵)

یعنی: اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

سکندر را نغے بخشند آ بے بزور و زر میسر نیست این کار

یعنی: سکندر کو آب (حیات) نہیں بخشے، (کیونکہ) یہ چیز طاقت اور دولت سے میسر نہیں ہوتی۔

اے اللہ! اگر تو ہمیں اس دنیا میں ان اکابر کے زمانے میں پیدا نہیں فرمایا تو سید المرسلین علیہم الصلوٰات والتحیات والتسلیمات کے صدقے آخرت میں ہمیں ان (بزرگواروں) کے گروہ میں اٹھانا۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۲۱)

یہ بھی میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ یہ سارا راستہ سات قدم کا قرار پایا ہے۔ دوستوں میں سے بعض چھ قدم تک پہنچ گئے ہیں۔

جناب میر بہت زیادہ دعوات قبول فرمائیں۔ ایک مدت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے حالات کی اطلاع نہیں دی ہے اور یہاں کے فقرا کی کوئی خبر نہیں لی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کا شکر و احسان ہے) کہ فقرا خوشحال ہیں۔ (فقیر) مختصر طور پر عرض کرتا ہے۔

اے محبت کے نشان والے! یہ سارا راستہ سات قدم کا مقرر ہوا ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت نے کام کو چھ قدم تک پہنچا لیا ہے اور کچھ نے پانچ قدم تک اور ایک گروہ نے چار قدم تک اور بعض نے تین قدم تک درجات کے فرق سے طے کر لیا ہے۔ جب تین قدم والا صاحب لوگوں کو تعلیم دے سکتا ہے تو پھر جو جماعت ان سے آگے قدم رکھتی ہے، وہ کیوں نہیں۔ بلند ہمتی درکار ہے، تاکہ حقیر اور معمولی (شے) ہی کو کافی نہ سمجھ لیا جائے۔ وقت کے لحاظ سے اس سے زیادہ لکھنا موزوں نہیں۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۲۲)

ملاطہر بدخشی کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی کی ترغیب دینے میں اور جو چیز بھی ہاتھ لگے، اس پر توجہ نہ کرنے کے (بیان) میں۔

مولانا محمد طاہر (ہمیں) معذور سمجھیں۔ مولانا یار محمد (ہماری) نقل و حرکت کی وجہ بیان کریں گے۔ جب آپ ہندوستان کی جانب سفر کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں تو چلے جائیں اور اہل و عیال کی خبر گیری کرتے رہیں۔ مثل مشہور ہے کہ وَالْبَاقِي

عِنْدَ التَّلَاقِ. یعنی: باقی ملاقات کے وقت۔

دائمی حضوری اور غیروں کے میل جول سے بچنا ضروری ہے۔ ہمت کو بلند رکھنا چاہیے اور جو چیز بھی ہاتھ لگے، اس میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ شعر:

ما از پے نورے کہ بود مشرقِ انوار از مغربی و کوب و مشکوٰۃ گذشتیم

یعنی: ہم اس نور کی خاطر جو انوار کا مشرق ہے، مغرب، ستارے اور سورج کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

اس زمانے کے اکثر فقرائے سیراب ہونے اور کفایت کرنے پر ٹھہرے ہوئے ہیں، ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔

فِرَّ مِنْهُمْ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ. یعنی: ان سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔

اسی طریقہ پر کاربند رہیں اور واقعات کا اس قدر اعتبار نہ کریں، کیونکہ تاویل کا میدان وسیع ہے۔ خبردار! خواب و خیال

پر ہرگز فریفتہ نہ ہوں۔ شعر:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادٍ وَ دُونَهَا قُلُّ الْجِبَالِ وَ دُونَهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہو؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑوں کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔

مکتوب نمبر (۱۲۳)

یہ بھی ملاحظہ فرمادیں کہ نفل کا ادا کرنا خواہ جی ہی ہو، اگر وہ فرائض میں سے کسی فرض کے فوت

ہونے کا لازمی سبب بنے تو لایعنی (بے فائدہ شے) میں داخل ہے۔

میرے سعادت مند بھائی لازماً کَاسِمِہ طَہِرًا عَنْ دَنَسِ التَّعَلُّقَاتِ (اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نام کی طرح ہمیشہ

غیر اللہ کی آلودگی سے پاک رکھے) کا مکتوب شریف پہنچا۔ اے بھائی! حدیث میں آیا ہے: عَلَامَةُ إِعْرَاضِهِ تَعَالَى عَنِ

الْعَبْدِ إِشْتِغَالُهُ بِمَا لَا يَعْنِيهِ. (۱)

یعنی: بندے کا بے فائدہ باتوں (لا یعنی) میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی علامت ہے۔

فرائض میں سے کسی فرض کو چھوڑ کر نوافل میں سے کسی نفل میں مشغول ہونا لایعنی (بے فائدہ) میں داخل ہے۔ پس

اپنے حالات کی پڑتال کرنا ضروری ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کی مشغولیت کس چیز سے ہے، نفل سے ہے یا فرض سے؟

ایک نفلی حج کے لیے اتنے ممنوعات کا مرتکب ہونا پڑے گا۔ آپ اچھی طرح ملاحظہ کر لیں: الْعَاقِلُ تَحْكِيهِ الْإِشَارَةُ. (۲)

یعنی: عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى رُفَقَائِكُمْ. یعنی: اور آپ پر اور آپ کے دوستوں پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۲۴)

یہ بھی ملاحظہ فرمادیں کہ نفل کا ادا کرنا خواہ جی ہی ہو، اگر وہ فرائض میں سے کسی فرض کے فوت

ہونے کا لازمی سبب بنے تو لایعنی (بے فائدہ شے) میں داخل ہے۔

داخل ہے۔

میرے بھائی خواجہ محمد طاہر بدخشی کا مکتوب شریف پہنچا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کا شکر و احسان ہے) کہ جدائی کا عرصہ دراز ہونے کے باوجود (آپ کے) فقرا کے اخلاص و محبت میں کوئی سستی واقع نہیں ہوئی ہے، یہ بہت بڑی سعادت کی علامت ہے۔

اے محبت کے نشان والے! چونکہ آپ نے رخصت طلب کی ہے اور جانے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ وداع کے وقت (فقیر نے) احتمال سے اتنا ذکر کیا تھا کہ ”شاید ہم بھی آپ کے ساتھ اس سفر میں مل جائیں۔“ اگرچہ ارادہ کیا گیا، استخارے موافق نہ آئے اور اس بارے میں کوئی تجویز سمجھ نہ آئی، (فقیر نے) ضرورت سے سبکدوشی اختیار کی۔ ابتدا ہی سے فقیر کی رائے آپ کے جانے پر نہ تھی، لیکن آپ کے شوق کو دیکھ کر صاف طور پر منع نہ کیا۔ استطاعت راستے کی شرط ہے، بغیر استطاعت کے اوقات کو ضائع کرنا ہے۔ ضروری کام کو چھوڑ کر غیر ضروری کام میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہے۔ (فقیر نے) چند مکتوبات میں آپ کو یہ مضمون لکھا ہے، وہ پہنچے ہیں یا نہیں؟ بات یہی ہے، آگے آپ مختار ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۲۵)

میر صالح نیشاپوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ خواہ عالم صغیر ہو یا عالم کبیر، وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں اور عالم کو اپنے بنانے والے کے ساتھ سوائے مخلوقیت اور مظہریت کے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔
اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ کَمَا هِيَ۔^(۱) یعنی: یا اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقتیں اس طرح دکھا جس طرح کہ وہ ہیں۔
خواہ عالم صغیر (انسان) ہو یا عالم کبیر (پوری کائنات) ہو، وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں اور اس کے ذاتی شیون کمالات کے آئینے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک مخفی خزانہ اور پوشیدہ راز تھا۔ اس نے چاہا کہ (پردہ) خفا سے (اپنے کمالات کو) ظہور میں لائے اور اس کے اجمال کو تفصیل میں لائے۔ اس نے عالم کو ایسے طریقہ سے پیدا فرمایا کہ عالم کی ذات و صفات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت کرنے والی بن جائیں۔ پس عالم کو اپنے بنانے والے کے ساتھ اس کی مخلوق ہونے کے سوا کوئی نسبت نہیں ہے اور (مخلوقات) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء و شیونات پر دلالت کرنے والی ہیں۔ وہاں اتحاد و عینیت^(۲) اور احاطہ و سر بیان اور معیت ذاتیہ کا حکم لگانا غلبہ حال اور سکر وقت سے ہے۔ مستقیم حالات والے اکابر جن کو صحو (ہوش) کے پیالہ سے ایک گھونٹ عطا کیا گیا ہے، وہ عالم کی اس کے بنانے والے کے ساتھ سوائے مخلوق اور مظہر ہونے کے کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے اور احاطہ و سر بیان اور معیت کو علمی سمجھتے ہیں، جیسا کہ علمائے حق شَکَرُ اللّٰہِ تَعَالٰی سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کا مسلک ہے۔

عجیب ہے کہ صوفیہ کی ایک جماعت جو احاطہ و سر بیان اور معیت جیسی ذاتی نسبتوں کو ثابت کرتی ہے، اس کے لوگ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ذات (حق سبحانہ و تعالیٰ) سے تمام نسبتیں مسلوب ہیں، یہاں تک کہ (یہ لوگ) صفات ذاتیہ کو بھی سلب سمجھتے ہیں۔ جبکہ یہ تناقض کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس تناقض کو دفع کرنے کے لیے ذات میں مراتب کو ثابت کرنا

فلسفی تحقیقات کی طرح (بیجا) تکلف ہے۔ صحیح کشف والے صاحبان حق تعالیٰ کی ذات کو بسیط حقیقی کے سوا کچھ نہیں جانتے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے، اسے اسماء میں شامل سمجھتے ہیں۔ شعر:

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم مواسست بسیار است

یعنی: محبوب کی جدائی اگر کم ہو تو وہ بھی کم نہیں ہے، آنکھ میں اگر آدھا بال ہو تو وہ بھی بہت (ہوتا) ہے۔

اس بحث کی تحقیق کے لیے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں، مثلاً اگر ایک ماہر ذی فنون عالم چاہے کہ اپنے مخفی کمالات کو ظاہر کرے تو وہ حروف اور آوازوں کو ایجاد کرتا ہے، تاکہ ان کے پردہ میں ان کمالات کا جلوہ دکھائے۔ پس اس صورت میں دلالت کرنے والے حروف اور آوازوں کو ان مخزنہ معانی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے، مگر یہ کہ یہ حروف اور آوازیں ان پوشیدہ معانی کے مظاہر اور ان مخزنہ کمالات کے آئینے ہیں۔ حروف اور آوازوں کو ان مخفی معانی کا عین کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور اسی طرح احاطہ اور معیت کا حکم لگانا واقع کے خلاف ہے۔ معانی اسی صرافت (صفائی) سے مخزنہ ہیں، ان معانی کی ذات و صفات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ چونکہ معانی اور ان حروف اور آوازوں کے درمیان ایک قسم کی دلالت اور مدلولیت کی نسبت ثابت ہے، جس سے بعض زائد معانی تخیل میں آتے ہیں، (لیکن) درحقیقت وہ مخزنہ معانی ان زائد معانی سے منزہ اور مبرا ہیں۔ اس مسئلے میں جو ہمارا اعتقاد، وہ یہ ہے کہ مظہر اور آئینہ ہونے کے سوا کسی اور امر زائد مثل اتحاد، عینیت اور احاطہ و معیت کا ثابت کرنا سکر کے سبب سے ہے، اللہ سبحانہ کی ذات حقیقت میں نسب سے پاک اور مناسبت سے مبرا ہے:

ع مَا لِلتَّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو پروردگار عالم سے کیا نسبت ہے۔

ظاہریت اور مظہریت کی اس قدر مناسبت کے باوجود وحدت وجود کہیں یا نہ کہیں، درحقیقت وجود متعدد ہیں، لیکن وہ اصالت و ظہریت اور ظاہریت و مظہریت کے طور پر نہیں، بلکہ ایک موجود ہے، اس کے علاوہ (باقی سب) اوہام و خیالات ہیں۔ یہ مذہب بالکل سوفسطائی^(۳) ہے۔ (عالم کی) حقیقت کا اثبات عالم کے اندر تلاش کرنا اوہام و خیالات سے خارج نہیں ہے۔ مثنوی:

چوں بدانستی تو او را از نخست سُوئے آنحضرت نسب کردی درست
وانگہ دانستی کہ ظل کیستی فارغی گر مردی و گر زیستی

یعنی: اگر تو پہلے سے اسے جانتا ہوتا تو اس سے اپنی نسبت درست کر لیتا۔

♦ اور جب تو نے جان لیا کہ تو کس کا ظل ہے تو پھر تو فارغ ہے، خواہ تو مر جائے اور خواہ تو زندہ رہے۔

مکتوب نمبر (۱۲۶)

یہ بھی میر صالح نیشاپوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ طالب کو چاہیے کہ وہ باطل معبودوں کی، خواہ وہ آفاقی ہوں یا انفسی، نفی کا اہتمام کرے اور معبود حق جل سلطانہ کے اثبات کی جانب میں جو کچھ سمجھ کے حوصلہ اور ادراک کے احاطہ میں آئے، اسے بھی نفی کے تحت لاکر صرف (حق تعالیٰ کے) موجود ہونے پر اکتفا کرے، اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

اے سرداری و شرافت کے مسند نشین! طالب کو چاہیے کہ آفاقی و انفسی باطل معبودوں کی نفی کرنے کا اہتمام کرے اور معبود حق جل شانہ کے اثبات کی جانب میں جو کچھ سمجھ کے حوصلہ اور ادراک کے احاطہ میں آئے، اسے بھی نفی کے تحت لا کر صرف (حق تعالیٰ کے) موجود ہونے پر اکتفا کرے:

ع بیش ازین پے نبرده اند کہ هست

یعنی: اس سے زیادہ نہیں سمجھے کہ وہ ہے۔

اگرچہ وجود کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے، اس کو وجود کے بغیر طلب کرنا چاہیے۔

علمائے اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے خوبصورت کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اللہ سبحانہ کی ذات پر زائد ہے اور وجود کو عین ذات کہنا اور وجود کے سوا دوسرا امر ثابت نہ کرنا نظر کی کوتاہی ہے۔

شیخ علاء الدولہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے: فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُودِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوَدُودِ.

یعنی: عالم وجود سے اوپر ملک الودود (اللہ سبحانہ) کا عالم ہے۔

اور اس درویش کو جب مرتبہ وجود سے اوپر گزارا گیا تو جب تک وہ مغلوب الحال تھا، اس وقت تک ذوق و وجدان کے لحاظ سے اس نے خود کو ارباب تعطیل (معطل ہونے والے حضرات) میں پایا اور وہ واجب جل شانہ کے وجود کا حکم نہیں کرتا تھا، کیونکہ وہ وجود کو راستہ میں چھوڑ آیا تھا اور مرتبہ ذات میں وجود کی گنجائش نہیں پاتا تھا، اس وقت اس کا اسلام تقلیدی تھا، تحقیقی نہیں تھا۔

غرض جو کچھ ممکن کے حوصلہ میں آئے، وہ بطریق اولیٰ ممکن ہی ہوگا۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِ سَبِيلًا إِلَّا بِالْعِزِّ. یعنی: پس وہ ذات پاک ہے جس نے عجز کے علاوہ کوئی راستہ اپنی معرفت کا نہیں رکھا۔

فنائی اللہ اور بقا باللہ کے حاصل ہونے سے کوئی آدمی گمان نہ کرے کہ ممکن واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ محال ہے اور (اس سے) حقائق کا تغیر لازم آتا ہے۔ پس جب ممکن واجب نہیں ہوتا تو پھر ممکن کو واجب جل شانہ کے ادراک کے عجز کے سوا کوئی دوسری چیز نصیب نہیں ہوتی۔ شعر:

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کا بنجا ہمیشہ باد بدست است دام

یعنی: عنقا کو کوئی شکار نہیں کر سکتا تو جال کو اٹھالے کہ یہاں ہمیشہ جال ہاتھ ہی میں رہتا ہے۔

بلند ہمتی اسی طرح کا مطلب چاہتی ہے کہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور اس کے نام و نشان کی کوئی خبر نہ ہو۔ ایک گروہ ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ اس کو اپنا عین (مقصود) بنائیں اور اس کے ساتھ قرب و معیت پیدا کریں:

ع آں ایشانند من چنینم یارب

یعنی: یارب! وہ ایسے ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۲۷)

میر صفی احمد رومی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ والدین کی خدمت اگرچہ حسانت (نیکیوں) میں سے ہے، لیکن مطلوب

حقیقی تک پہنچنے تک کے مقابلے میں محض بیکاری اور خالص معطلی ہے، بلکہ برائی میں داخل ہے: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ. (ابرار کی نیکیاں مقررین کے گناہ ہیں) اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

پسندیدہ مکتوب پہنچا۔ آپ نے جو عذر توقف کے بارے میں کیا تھا، وہ صحیح ہے، جو کچھ ہو رہا ہے اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے اور خود کو قصور وار سمجھنا چاہیے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا. (سورۃ الاحقاف، ۱۵) یعنی: اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنْ اَشْكُرْ لِيْ وَلَوْ اِلَدَيْكَ. (سورۃ لقمان، ۱۴)

یعنی: یہ کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی۔

اس کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب حقیقی مطلب تک پہنچنے کے مقابلے میں محض بیکاری ہے، نیز (منازل سلوک طے کرنے میں) صرف تعطیل ہے: حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ. (۱)

یعنی: ابرار کی نیکیاں مقررین کے گناہ ہیں۔

شعر:

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

یعنی: اللہ تعالیٰ کے عشق کے سوا جو کچھ (جتنا بھی) اچھا ہے، خواہ شکر کھانا ہو وہ (بھی) عذاب ہے۔

اللہ سبحانہ کا حق سب مخلوقات کے حقوق سے مقدم ہے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی اللہ سبحانہ کے حکم کی تابعداری کے لیے ہے، ورنہ کس کی یہ مجال ہے کہ اس کی خدمت کو چھوڑ کر دوسرے کی خدمت میں مشغول ہو۔ پس ان کی خدمات اس اعتبار سے اللہ سبحانہ ہی کی خدمات میں سے ہیں، لیکن خدمت، خدمت میں بڑا فرق ہے۔ کھیتی باڑی کرنے والے اور ہل چلانے والے بھی بادشاہوں کی خدمت کرتے ہیں، لیکن مقررین کی خدمت اور ہے۔ وہاں زراعت اور ہل چلانے کا نام لینا بالکل گناہ ہے۔ ہر کام کی مزدوری اس کام کے اندازہ کے مطابق ہے۔ ہل چلانے والے دن بھر محنت کرنے پر ایک ٹکہ مزدوری لیتے ہیں، لیکن مقرب ایک ساعت میں خدمت کی حضوری سے لاکھوں کا حقدار بن جاتا ہے۔ جبکہ اس کا ان لاکھوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ صرف بادشاہ کے قرب میں گرفتار ہے۔ شَتَّانَ بَيْنَهُمَا. یعنی: ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

فرخ حسین بہت کامیاب ہے، اس کی طرف سے مطمئن رہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۲۸)

خواجہ مقیم کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی پر ترغیب دینے اور مطلب بے مثل کے علاوہ کسی پر اکتفا نہ کرنے کے بیان میں۔

جناب خواجہ محمد مقیم دور پڑے ہوؤں کو نہ بھلائیں، بلکہ دور نہ سمجھیں۔ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. (۱)

یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

(غرض) مسلک کا مقصود نہایت لمبا ہے اور مطلب کمال بلندی میں ہے۔ ہمتیں انتہائی پست اور درمیانی منزلیں سراب

کی طرح مطلب نما ہیں۔ عِبَادًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کی پناہ) کہ کوئی (طالب) وسط کو نہایت خیال کر کے اچانک غیر مقصد کو مقصد سمجھ لے اور مثل کو بے مثل تصور کرے اور وہ مطلب حقیقی کے وصول سے (محروم) رہ جائے۔ ہمت کو بلند کرنا چاہیے اور کسی حاصل پر سر کو نیچے نہیں کرنا چاہیے اور بلند سے بلند تر کی تلاش میں رہنا چاہیے۔

اس طرح کی ہمت کا حاصل ہونا شیخ مقتدا کی توجہ سے وابستہ ہے اور اس (شیخ) کی توجہ اقتدا کرنے والے مرید کے اخلاص و محبت کے مطابق ہوتی ہے۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ الحديد، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مکتوب نمبر (۱۲۹)

سید نظام کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انسان کی جامعیت اس کے تفرقہ کا باعث ہے اور یہی جامعیت ہے جو اس کی جمعیت کا سبب ہے: كَمَا نِيلَ مَاءٌ لِّلْمَحْبُوبِينَ وَبَلَاءٌ لِّلْمَحْجُوبِينَ. (جیسے نیل دوستوں کے لیے پانی اور دشمنوں کے لیے مصیبت ہے)۔

مکتوب شریف وصول ہوا۔ چونکہ انسان تمام موجودات میں جامع ترین ہے اور اس کے اجزا میں سے ہر جزو کے ذریعے سے اکثر موجودات کے ساتھ اس کا تعلق اور گرفتاری عیاں ہے۔ پس حقیقت میں اس کی یہی جامعیت سب سے زیادہ اللہ جل سلطانہ کی جناب سے اس کی دوری کا سبب بنی۔ اور اس کے متعدد تعلقات اس کی سب سے زیادہ محرومی کا ذریعہ بنے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیق سے وہ خود کو ان منتشر تعلقات سے جمعیت والا بنا لے اور اُلٹے پاؤں واپس آجائے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا. (سورۃ الاحزاب، ۷۱) یعنی: تو بیشک وہ بڑی مراد پائے گا۔ ورنہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا. (سورۃ النساء، ۱۱۶) یعنی: وہ راستے سے دور جا پڑا۔

چونکہ انسان جامعیت کی وجہ سے موجودات میں بہترین ہے، اسی جامعیت کی وجہ سے مخلوق میں بدترین بھی وہی ہے۔ اس کا آئینہ جمعیت کی وجہ سے کامل ہے۔ اگر رخ جہان کی طرف رکھتا ہے تو پھر ہر چیز سے کہیں زیادہ وہ غلیظ ہے اور اگر رخ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب رکھتا ہے تو وہ صاف ہے اور سب سے خوش نما ہے۔ ان تعلقات کی آلودگی سے کمال آزادی اللہ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا خاصہ ہے اور اس کے بعد دوسرے انبیاء اور اولیاء کو اپنے درجات کے فرق سے حاصل ہے۔ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَتَسْلِيمَاتُهُ عَلٰی نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰی اتِّبَاعِهِمْ أَجْمَعِينَ اِلٰی يَوْمِ الدِّينِ. یعنی: اللہ سبحانہ کی جانب سے ہمارے نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور ان سب کے پیروکاروں پر قیامت کے روز تک درود و سلام ہو۔

رَزَقَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَآيَاكُمْ نَجَاتًا عَنْ هَذِهِ التَّعَلُّقَاتِ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى الْمَمْدُوحِ بِقَوْلِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (سورۃ النجم، ۱۷) عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتْمَمَهَا وَمِنْ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلَهَا. یعنی: نبی (کریم حضرت محمد) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے جن کی تعریف اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے: ”ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی ہے اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔“ اللہ سبحانہ ہمیں اور

آپ کو ان تعلقات سے نجات عطا فرمائے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر کامل ترین درود اور افضل ترین سلام ہو۔

اس سے زیادہ لکھنا زحمت کا سبب بنے گا۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۱۳۰)

جمال الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حالات کے تغیر و تبدل (تلوینات) کا اتنا اعتبار نہیں ہے۔ بے مثالی اور بے مثالی کے مقصد کو حاصل کرنا چاہیے۔

حالات کے تغیر و تبدل (تلوینات) کا اتنا اعتبار نہیں ہے، اس میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے کہ کیا آیا اور کیا گیا؟ نیز کیا کہا اور کیا سنا۔ مقصود اور ہے جو کہنے و سننے اور دیکھنے و مشاہدے سے پاک اور مبرا ہے۔ سلوک کے بچوں کو اخروٹ اور مٹھی سے تسلی دیتے ہیں۔ ہمت بلند ہونی چاہیے، کام کچھ اور ہے، یہ (چیزیں) سب خواب و خیال ہیں۔ اگر خواب میں کسی آدمی نے خود کو بادشاہ دیکھا تو حقیقت میں وہ بادشاہ نہیں ہے، لیکن یہ خواب ایک امید بخشتا ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کے اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم واقعات کا اعتبار نہیں کرتے، یہ شعر ان کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ شعر:

چو غلام آفتابم ہمہ از آفتاب گویم نہ شمم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

یعنی: چونکہ میں سورج کا غلام ہوں، (لہذا) سب کچھ سورج سے کہتا ہوں، میں نہ رات ہوں، نہ رات کا پجاری کہ خواب کی بات کروں۔

اگر حالات میں کوئی حل وارد ہو جائے اور چلا جائے تو کوئی خوشی و غم نہیں ہے، بے مثل اور بے مثال کے مقصود کے حاصل ہونے کا منتظر رہنا چاہیے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۳۱)

خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی شان کی بلندی اور اس جماعت کے حال کی شکایت جس نے اس طریقہ میں نئی نئی باتیں نکال لی ہیں اور انہوں نے ان کو اس طریقہ کی تکمیل سمجھ لیا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

میرے سعادتمند بھائی خواجہ محمد اشرف شرف اللہ سُبْحَانَهُ بِتَشْرِيفَاتِ أَوْلِيَائِهِ الْكَرَامِ (اللہ سبحانہ انہیں اپنے اولیائے کرام کی تشریفات سے مشرف فرمائے) کو جاننا چاہیے کہ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا طریقہ اللہ سبحانہ تک پہنچانے والے (سب) راستوں سے زیادہ قریب تر ہے اور دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں درج ہے۔ ان کی نسبت سب نسبتوں سے بلند ہے۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اس طریقہ میں سنت کی پیروی اور بدعت سے بچنا لازمی امر

ہے۔ جہاں تک ممکن ہو (یہ حضرات) رخصت پر عمل کرنا جائز نہیں سمجھتے، خواہ بظاہر باطن میں نفع بخش سمجھیں اور عزیمت پر عمل کرنا چھوڑتے نہیں اگرچہ ظاہری طور پر اس کو سیرت میں نقصان دہ سمجھیں۔ انہوں نے احوال و مواجید کو شرعی احکام کے تابع کیا ہے اور اذواق و معارف کو شرعی علوم کا خادم سمجھتے ہیں۔ وہ شرعی احکام کے نفیس موتیوں کو بچوں کی مانند وجد و حال کے اخروٹ اور مٹھی کے عوض نہیں دیتے اور صوفیہ کی بیہودہ باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے۔ نص کو چھوڑ کر فص کی طرف نہیں جاتے۔ فتوحات مدنیہ (سنن نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہٹ کر فتوحات مکیہ کی جانب التفات نہیں کرتے۔ ان کا حال دوام پر اور ان کا وقت تسلسل پر قائم ہے۔ جو تجلی ذاتی دوسروں کے لیے بجلی کی طرح ہے ان بزرگواروں کے لیے وہ دائمی ہے۔ وہ حضور جس میں کچھ دیر کے بعد غیبت ہو، اس کا ان بزرگواروں کے ہاں کوئی اعتبار نہیں ہے: رَجَالٌ لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (سورۃ النور، ۳۷)

یعنی وہ (ایسے) لوگ ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔ لیکن ہر آدمی کی سمجھ ان اکابر کے مذاق تک نہیں پہنچتی۔ ہو سکتا ہے اس طریقہ عالیہ کے کمال سے محروم لوگ بھی ان (اکابر) کے بعض کمالات کا انکار کر دیں:

قاضی گر کند ایں طائفہ را طعن و قصور
حاش للہ کہ بر آرم بزباں این گلہ را^(۱)

یعنی: اگر کوئی نادان اس گروہ (کے حال) پر طعنہ زنی کرے تو خدا کی پناہ کہ میں اس کے شکوہ کو زبان پر لاؤں۔ ہاں! بعض متاخرین خلفائے اس طریقہ عالیہ میں بھی نئی باتیں نکال لی ہیں اور اصل اکابر کی روش کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ ان کے مریدوں کی ایک جماعت یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ انہوں نے ان نئی باتوں سے اس طریقہ کی تکمیل کر دی ہے۔ اللہ کی پناہ! ہرگز ایسا نہیں: کَثُرَتْ کَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ. (سورۃ الکہف، ۵)

یعنی: (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔

بلکہ انہوں نے تو اس (طریقہ عالیہ) کو خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کی ہے۔ افسوس! ہزار افسوس! بعض بدعتیں جو دوسرے سلسلوں میں اصلاً موجود نہیں ہیں، انہوں نے اس طریقہ عالیہ میں نئی پیدا کر دی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں۔ آس پاس سے اس وقت لوگ نماز تہجد کے لیے جمع ہو جاتے ہیں اور کامل جمعیت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور یہ عمل کراہت تحریمہ کے ساتھ مکروہ ہے۔ فقہاء کی ایک جماعت جس نے ایک دوسرے کے بلانے کو کراہت کی شرط قرار دیا ہے۔ انہوں نے نفلی جماعت کے جائز ہونے کو مسجد کے ایک کونے میں ادا کرنے کی قید لگائی ہے (اور) تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔

نیز اسی طرح (یہ لوگ) نماز تہجد کو اس حالت سے تیرہ رکعات سمجھتے ہیں کہ بارہ رکعات کو کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعات کو بیٹھ کر (پڑھتے ہیں)، تاکہ ایک رکعت کا حکم پیدا کرے اور اس سے تیرہ رکعات ہو جائیں، جبکہ اس طرح نہیں ہے۔ ہمارے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے کبھی تیرہ رکعات ادا فرمائی ہیں اور کبھی گیارہ اور کبھی نو اور کبھی سات، تو اس میں نماز تہجد کے ساتھ وتر نے مل کر طاق عدد کا حکم پیدا کیا ہے، نہ یہ کہ بیٹھ کر دو رکعت ادا کرنے کو ایک رکعت قیام

کی صورت میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس علم و عمل کی مثالوں کا منشا روشن سنتِ مصطفویٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتَّحِيَّةُ کی عدم پیروی ہے۔

تعب ہے کہ علماء کا شہر، جو کہ مجتہدین علیہم الرضوان کا ٹھکانہ ہے، اس میں اس قسم کی بدعتوں نے رواج پالیا ہے، جبکہ ہم فقیر اسلامی علوم کا استفاضہ ان (مجتہدین) کی برکات سے کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی صحیح کی طرف الہام فرمانے والا ہے۔

اند کے پیش تو گفتِ غمِ دل ترسیدہ کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است
یعنی: میں نے تھوڑا سا غمِ دل تیرے سامنے بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده ہو جائے گا، ورنہ بات لمبی ہے۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۳۲)

ملاحم صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ دولتمندوں کی صحبت سے پرہیز کرنے اور فقر کی صحبت پر شوق دلانے (کے بیان) میں، کیونکہ فقر کی خاک روپی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (سورۃ آل عمران، ۸) یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔ بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اے بھائی! آپ نے بظاہر فقر کی صحبت سے تنگ دل ہو کر دولتمندوں کی مجلس اختیار کر لی ہے۔ آپ نے بُرا کیا ہے! آج اگر آپ کی آنکھ پر پردہ ہے تو کل (روزِ قیامت) ہٹا دیں گے اور شرمندگی کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ خبر کر دینا شرط ہے۔ اے بواہوس! تیرا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ (تجھے) دولتمندوں کی مجلس میں دل جمعی دیں گے، یا نہیں (دیں گے)۔ اگر دیں گے تو بُرا ہے اور اگر نہ دیں گے تو بہت برا ہے۔ اگر دیں گے تو (یہ) استدراج ہے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ۔ یعنی: اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ! اور اگر نہ دیں گے تو یہ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ (اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔ سورۃ الحج، ۱۱) کا نشان ہے۔

فقر کی خاک روپی دولتمندوں کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔ آج یہ بات اگر آپ کو معقول لگے یا نہ لگے، آخر معقول لگے گی اور فائدہ نہیں ہوگا۔ مرغن کھانوں کی آرزو اور قابلِ فخر لباس کی تمنا نے آپ کو اس مصیبت میں ڈالا ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اصل (مقصد) کا فکر کریں۔ جو چیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مانع ہو، اس کو دشمن سمجھ کر اس سے فرار اختیار کریں اور بچتے رہیں۔ (یہ آیت کریمہ) نَصِ قَطْعِيْ هِيَ: اِنَّ مِنْ اٰذْوَا جِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ۔ (سورۃ تغابن، ۱۴) یعنی: (مومنو!) تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (بھی) ہیں، سو اُن سے بچتے رہو۔

صحبت کے حقوق نے اس پر آمادہ کیا کہ ایک بار آپ کو نصیحت کی جائے۔ آپ اس پر عمل کریں یا نہ (کریں)۔ میں شروع سے آپ کی فضول باتوں کی وجہ سے جانتا تھا کہ اس وضع کے ساتھ فقر پر استقامت دشوار ہے۔ شعر:

وَقَدْ كَانَ مَا خِفْتُ أَنْ يَكُونَا إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاجِعُونَ

یعنی: اور وہ بات ہو کر رہی جس کا خوف تھا، بیشک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا. یعنی: جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

میں آپ کی فطرت اور قابلیت سے کچھ اور اُمید رکھتا تھا، لیکن آپ نے نفیس جو ہر کو پاخانے میں پھینک دیا۔ اِنَّا لِلَّهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ. (سورۃ البقرۃ، ۱۵۶) یعنی: ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

مکتوب نمبر (۱۳۳)

یہ بھی ملا محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور وقت کو عزیز رکھنا چاہیے۔

آپ نے جو مکتوب قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا، وہ پہنچا۔ فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور وقت کو عزیز رکھنا چاہیے۔ رسوم و عادات سے کوئی کام نہیں بننا اور کرو بہانہ کرنے سے سوائے نقصان اور مایوسی کے (کسی چیز میں) اضافہ نہیں ہوتا۔ خبر صادق عَلِيهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا نے فرمایا ہے: هَلْكَ الْمُسَوِّفُونَ سَوْفَ أَفْعَلُ. (یعنی: غنقریب اس کام کو کروں گا کہنے والے ہلاک ہو گئے۔) موجودہ عمر کو بے فائدہ کام میں صرف کرنا اور بے فائدہ کو موجود کے لیے محفوظ رکھنا بہت زیادہ قابلِ نفرت ہے۔ چاہیے کہ نقد وقت اہم کام میں صرف ہو اور اُدھار فضول چیزوں یعنی بے فائدہ کے لیے ذخیرہ ہو۔ اللہ سبحانہ ذرہ بھر بے آرامی دے، تاکہ ماسوئی اللہ تعالیٰ کے آرام سے نجات میسر ہو جائے۔ گفتگو کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔ (آخرت میں) قلب کی سلامتی طلب کریں گے، (لہذا) فکرِ اصل (مقصد) کا کرنا چاہیے اور بے فائدہ (کاموں) سے کامل منہ پھیر لینا چاہیے۔ شعر:

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

یعنی: اللہ تعالیٰ کے عشق کے سوا جو کچھ (جتنا بھی) اچھا ہے، خواہ شکر کھانا ہو وہ (بھی) عذاب ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ. (سورۃ المائدہ، ۹۹)

یعنی: پیغام پہنچانے والے کے ذمے تو صرف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۳۴)

یہ بھی ملا محمد صدیق کو تحریر فرمایا۔ تَسْوِيف (میں غنقریب اس کام کو کروں گا) سے منع کرنے (کے بیان) میں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سید المرسلین عَلِيهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا کے صدقے آپ کو قرب کے درجوں میں بے اندازہ عروج و جات کرامت فرمائے۔

اے محبت کے نشان! اَلْوَقْتُ سَيُفْقَطُ. یعنی: وقت (زندگی کو) کاٹنے والی تلوار ہے۔

معلوم نہیں ہے کہ کل تک فرصت دیں یا نہ دیں! اہم کام کو آج کرنا چاہیے اور غیر اہم کو کل پر ڈال دینا چاہیے، عقل کا

تقاضا یہی ہے۔ عقل معاش (روزی) کا نہیں، بلکہ عقل آخرت (کا بھی یہی حکم ہے)۔
(فقیر) اس سے زیادہ کیا لکھے؟ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۳۵)

(یہ بھی) مخلص دوست محمد صدیق (بدخشی) کو تحریر فرمایا۔ ولایت کے بیان میں، (ولایت) عامہ ہو یا (ولایت) خاصہ۔ ولایت خاصہ کے بعض خصائص کے بیان میں۔

جاننا چاہیے کہ ولایت سے مراد فنا اور بقا ہے۔ اور یہ دو قسم کی ہے، عامہ اور خاصہ۔ ولایت عامہ سے ہماری مراد مطلق ولایت ہے اور ولایت خاصہ سے ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتَّحِيَّةُ مراد ہے۔ ولایت خاصہ میں فنا اور بقا اکمل (حاصل ہوتی) ہے۔ جو شخص اس عظیم نعمت سے مشرف ہوا، بلاشبہ اس کا بدن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت میں فرمانبردار بن گیا اور اس کے سینہ نے اسلامی حقیقی کے لیے کشادگی پائی اور اس کا نفس شرارت اور شرمندگی سے نجات پا کر اطمینان تک پہنچ گیا۔ پس وہ اپنے مولائے حق تبارک و تعالیٰ سے راضی ہو گیا اور اس کا مولیٰ اس سے راضی ہو گیا۔ اس کا (لطیفہ) قلب دل کے پھیرنے والے کے لیے صحیح اور سالم ہو گیا اور اس کا (لطیفہ) روح کامل طور پر حضرت صفات لاہوت کے مکاشفہ سے واصل ہو گیا اور (لطیفہ) کاسرشیوں و اعتبارات کے مشاہدہ تک پہنچ گیا اور اس مقام میں وہ تجلیات ذاتیہ برقیہ سے بھی مشرف ہو گیا۔ اس کا (لطیفہ) خفی مطلوب حقیقی کے کمال درجہ تترہ و تقدس اور کبریائی کی وجہ سے حیرت میں ڈوب گیا اور اس کے (لطیفہ) انہی کو بے کیف و بے مثال اتصال حاصل ہو گیا۔ اسی طرح ہے:

ع ھَنِئِمًا لِّاَرْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيْمُهَا

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتَّحِيَّةُ عروج و نزول کے دونوں طرف میں ولایت کے سبب مراتب سے ممتاز ہے، لیکن عروج کی طرف میں اس سبب سے کہ اخفی کی فنا و بقا دونوں اس ولایت خاصہ سے مختص ہیں اور باقی ولایتوں کا عروج صرف تفاوت درجات کے لحاظ سے خفی تک (محدود) ہے۔ یعنی بعض ولایت والوں کا عروج مقام روح تک، بعض کاسر تک اور بعض کا خفی تک ہے اور یہ ولایت عامہ کے درجات سے اعلیٰ (درجہ) ہے۔ لیکن نزول کی جانب میں اس سبب سے کہ امت محمدیہ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتَّحِيَّةُ کے اولیاء کے جسموں کے لیے اسی ولایت کے درجات کے کمالات سے بھی کچھ حصہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی رات اپنے جسم مبارک^(۱) کے ساتھ جہاں تک اللہ سبحانہ نے چاہا سیر کرائی گئی ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے جنت اور دوزخ پیش کی گئی ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف وحی کی گئی جو کچھ کہ وحی کی گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) رویت بصری سے مشرف ہوئے۔ اس قسم کی معراج آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہے اور جو اولیاء آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنے والے ہیں، ان کو کمال تابعداری کی وجہ سے اور جو سالک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیر قدم ہیں، ان کو بھی اس مخصوص مرتبہ سے ایک حصہ (حاصل) ہے:

ع وَ لِلْأَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ

یعنی: اور زمین کو بھی بزرگوں کے پیالہ سے (حصہ) نصیب ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا میں اس رویتِ بصری کا واقعہ ہونا آنسو و رعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے مخصوص ہے۔ وہ حالت جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیر قدم اولیاء کو حاصل ہے، وہ رویت نہیں ہے۔ اس رویت و حالت کے درمیان وہی فرق ہے جو جڑ اور شاخ میں یا شخص اور سائے کے درمیان ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا عین نہیں ہے۔

مکتوب نمبر (۱۳۶)

یہ بھی ملامحمد صدیق (بدخشی) کو تحریر فرمایا۔ مطلوب حقیقی کے حاصل کرنے میں تسلیف و تاخیر سے منع کرنے (کے بیان) میں۔ (آپ کا) پسندیدہ مکتوب وصول پایا۔ چونکہ قاصد (رمضان المبارک) کے عشرہ مبارک کے آخر میں پہنچا، (لہذا فقیر) اس کے گزرنے کے بعد خطوط کے جواب میں مشغول ہوا۔ خانخاناں کے خط کا جواب اور خواجہ عبداللہ کے خط کا جواب بھی لکھ کر بھیجا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس دفعہ آپ کا لشکر کے ساتھ جانا فقیر کو معقول نہیں لگتا۔ دیکھئے (اس میں) کیا حکمت ہے: وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور کام اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے کمال کرم سے (آپ کو) ہر روز کی روزی عطا فرما رکھی ہے، اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے (اصل) کام کی فکر کرنی چاہیے، نہ کہ اس کو دوسرے وقت کی روزی کا ذریعہ بنایا جائے، کیونکہ (اس طرح) کام تسلسل^(۱) سے جاری رہتا ہے۔ درویشی میں لمبی امیدیں لگانا کفر ہے۔ قرض سے نجات کا معاملہ معلوم نہیں ہے، (لہذا) خواجہ صاحب سے کوئی صورت پیدا کر لیں اور آپ کو کوئی شبہ ہے تو پھر خواجہ صاحب کی طرف صاف اور واضح لکھنا چاہیے۔ اگر وہ بھی جواب صاف (و واضح) لکھیں اور (اس سے) پختہ وعدہ سمجھ آئے تو اس نیت سے چلے جائیں، لیکن آج کا کام کل پر ڈالنے اور دیر کرنے کا علاج کیا ہوگا۔ جو کچھ کریں زیادہ جلدی سے کریں، کیونکہ فراغت بڑی غنیمت ہے۔

مکتوب نمبر (۱۳۷)

حاجی خضر افغان کو تحریر فرمایا۔ نماز کی ادائیگی کی بلند شان کے بارے میں جس کا کمال نہایت نہایت سے وابستہ ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

پسندیدہ مکتوب پہنچا۔ مضمون واضح ہوا۔ عبادتوں میں لذت اور ان کی ادائیگی میں رنج و تکلیف کی دوری اللہ سبحانہ کی بزرگ ترین نعمتوں میں سے ہے۔ خاص کر نماز کی ادائیگی میں جو منتہی (صاحبِ تکمیل) کے سوا کسی کو میسر نہیں ہے۔ خصوصاً نماز کے فرائض کی ادائیگی میں۔ کیونکہ نہایت کی ابتداء میں نماز نفل کی ادائیگی میں لذت بخشتے ہیں اور نہایت نہایت میں یہ چیز فرائض سے وابستہ ہو جاتی ہے اور (سالک) نفل کی ادائیگی میں خود کو بیکار سمجھتا ہے، اس کے نزدیک عظیم کام صرف فرائض کی ادائیگی ہوتا ہے:

ع ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد

یعنی: یہ کام دولت کا ہے، دیکھئے اب کسے دیتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جولذت نماز کی ادائیگی کے وقت ہاتھ لگتی ہے، نفس کے لیے اس میں ہرگز لذت نہیں ہے، عین اس لذت کے وقت وہ آہ وزاری میں (ہوتا) ہے۔ سبحان اللہ! کیسا رتبہ ہے:

ع هَنِيئًا لَّارْبَابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں۔

ہم جیسے حریصوں کے لیے ان باتوں کا کہنا وسننا ہی غنیمت ہے:

ع بارے بہ بچ خاطر خود شاد میکنم

یعنی: ایک بار میں بچ سے اپنے دل کو خوش کرتا ہوں۔

نیز جان لیں کہ دنیا میں نماز کا درجہ آخرت میں رویت کے مرتبہ کی مانند ہے۔ دنیا میں انتہائی قرب نماز میں ہے اور آخرت میں انتہائی قرب رویت کے دوران ہے۔ جان لیں کہ (دوسری) سب عبادتیں نماز کے لیے وسیلہ ہیں اور نماز اصلی مقصد ہے۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۱۳۸)

شیخ بہاء الدین (سرہندی) کو تحریر فرمایا۔ کمینی دنیا کی مذمت اور دنیا والوں کی صحبت سے بچنے (کے بیان) میں۔ میرے سعادتمند فرزند! آپ اس کمینی مغوضہ (ناپسندیدہ) دنیا سے خوش نہ ہوں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں ہمیشہ متوجہ رہنے کے سرمایہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ فکر کرنی چاہیے کہ (آدمی) کیا بچ رہا ہے اور کیا خرید رہا ہے۔ آخرت کو دنیا کا بدل بنانا اور اللہ سبحانہ کو چھوڑ کر خلقت سے مشغول ہونا بے وقوفی اور بے عقلی ہے۔ دنیا و آخرت کا جمع کرنا دوزخوں کا جمع ہونا ہے:

ع مَا أَحْسَنَ الدِّينَ وَالْدُّنْيَا لَوِ اجْتَمَعَا

یعنی: کیا خوب ہوا اگر دین و دنیا جمع ہو جائیں۔

ان دوزخوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں، اور جس کے عوض چاہیں خود کو بیچ ڈالیں۔ آخرت کا عذاب ہمیشہ رہنے والا ہے اور دنیا کا مال قلیل چیز ہے۔ دنیا اللہ سبحانہ کی مغوضہ (ناپسندیدہ) ہے اور آخرت اللہ تعالیٰ و تقدس کی پسندیدہ ہے:

ع عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ وَالزَّمْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ

یعنی: تو جتنا چاہتا ہے جی لے، بالآخر تجھے مرنا ہے، جس کو چاہتا ہے اسے لازم پکڑ بالآخر اس سے جدا ہونا ہے۔

آخر بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑے گا اور ان کی تدبیر کو اللہ سبحانہ کے سپرد کرنا چاہیے اور آج خود کو مردہ خیال کرنا چاہیے^(۱) اور ان کے اہم کاموں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا چاہئیں۔ إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَذَوًا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ۔ (سورۃ تغابن، ۱۴) یعنی: (مومنو!) تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (بھی) ہیں سو ان سے بچتے رہو۔

(یہ) قطعی نص ہے جو آپ نے بارہا سنی ہوگی۔ یہ خواب خرگوش کب تک رہے گی؟ آخر آنکھ کھولنی چاہیے۔ اہل دنیا کی صحبت اور اس کے ساتھ ملنا جلنا زہر قاتل ہے۔ اس زہر کا مارا ہوا ہمیشہ کی موت میں گرفتار ہے۔ الْعَاقِلُ تَكْفِيهِ

من آنچه شرطِ بلاغ است با تو می گویم تو خواه از سختم پند گیر خواه ملال
یعنی: حق بات کہنہ کا جو حق ہے میں تجھ سے کہتا ہوں، خواہ تو میری بات سے نصیحت پکڑے یا رنجیدہ ہو۔

ان (اہل دنیا) کی صحبت سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں، کیونکہ شیر تو صرف دنیاوی موت کا موجب بنتا ہے اور وہ آخرت میں فائدہ دے جاتی ہے۔ بادشاہوں سے ملنا ہلاکت ابدی اور ہمیشہ کے نقصان کا سبب ہے، پس ان کی صحبت اور کھانے سے بچو، اور ان کی محبت سے بچو اور ان کی ملاقات سے بچو۔ صحیح حدیث میں آیا ہے: مَنْ تَوَاضَعَ غَنِيًّا لِّغَنَاهُ ذَهَبٌ ثَلَاثًا دِينَہ۔ یعنی: جس شخص نے کسی دولت مند کی تواضع اس کی دولت کی وجہ سے کی، اس کے دین کے دو حصے ضائع ہو گئے۔ آپ کو سوچنا چاہیے کہ یہ سب تواضع و خوشامد ان کی دولت مندی کی وجہ سے ہے یا کسی دوسری چیز کی وجہ سے ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کی دولت مندی کی وجہ سے ہے اور اس کا نتیجہ دین کے دو حصے ضائع ہونا ہے۔ فَإِنَّ أَنْتَ مِنَ الْإِسْلَامِ وَإِنَّ أَنْتَ مِنَ النَّجَاتِ۔ یعنی: پھر آپ مسلمان کہاں ہوئے اور آپ نجات والے کیسے ہوئے؟

یہ سب مبالغہ اور اصرار اس وجہ سے ہے کہ مرغن کھانے اور نا جنس کی صحبت نے اس فرزند کے دل پر وعظ و نصائح کے سمجھنے اور قبول کرنے سے (روکنے کے لیے) پردہ ڈال دیا ہے، (لہذا) وہ کلمہ و کلام سے متاثر نہیں ہوگا۔ پس بچو، بچو! ان کی صحبت سے۔ اور بچو، بچو! ان کی ملاقات سے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَوْفِقُ، نَجَانَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَاَيَّاكُمْ عَمَّا لَا يَرْضٰی عَنْهُ رَبُّنَا الْمُتَعَالٰی بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ الْمَمْدُوحِ بِمَا زَاغَ الْبَصَرُ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنْ التَّلٰسِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جن کی تعریف میں آیا ہے کہ آپ کبھی چشم سے پاک ہیں، کے صدقے ان باتوں سے نجات عطا فرمائے جن سے وہ راضی نہیں ہوتا۔ والسلام۔

جعفر بیگ نہانی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بے نصیبوں کی جو جماعت اہل اللہ پر طعنہ زنی کرتی ہے، ان کی ہجو و مذمت کرنا جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے۔

محبت نامہ گرامی نے مشرف بنایا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کہ آپ فقرا کے حالات کی خبر گیری فرماتے ہیں اور (ان کی) موجودگی اور غیر موجودگی کو برابر سمجھتے ہیں۔

میرے مخدوم! قریش کے کفار نے جب بے سعادتگی کے کمال کی وجہ سے اہل اسلام کی ہجو میں مبالغہ کیا تو حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض اسلامی شاعروں کو فرمایا کہ وہ اوندھے گرنے والے کافروں کی ہجو کریں۔ وہ شاعر آنسور علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کے حضور میں منبر کے اوپر آتے اور کافروں کی ہجو میں برملا اشعار پڑھتے رہتے۔ آنسور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ روح القدس (جبریل امین علیہ السلام) ان کے ساتھ ہے۔^(۱) خلقت کی جانب سے ملامت اور ایذا عشق کی غیتوں میں سے ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ بَحْرُمَةً

سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ. یعنی: اے اللہ! تو ہمیں سید المرسلین علیہ وعلی آلہ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ کے صدقے ان بزرگواروں (عاشقوں) میں سے بنا (آمین)۔

مکتوب نمبر (۱۴۰)

ملا محمد معصوم کا بلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔
اے محبت کے نشان والے! رنج و محنت محبت کے لوازمات میں سے ہے۔ فقر کے اختیار کرنے میں درد و غم ضروری ہے۔ شعر:

غرض از عشق تو ام چاشنی درد و غم است ورنہ در زیر فلک اسباب تنعم چه کم است
یعنی: تیرے عشق سے مجھے درد و غم کی لذت چاہیے، ورنہ آسمان کے نیچے کیا راحت کے اسباب کم ہیں؟
دوست آوارگی چاہتا ہے، تاکہ اس کے غیر سے مکمل قطع تعلقی حاصل ہو جائے۔ یہاں آرام بے آرامی میں ہے، ساز سوز میں، قرار بے قراری میں اور راحت زخمی ہونے میں ہے۔ اس مقام میں فراغت طلب کرنا خود کو محنت میں ڈالنا ہے۔
خود کو پوری طرح دوست کے حوالے کر دینا چاہیے اور جو کچھ اس کی جانب سے آئے، اسے کامل خوشی سے قبول کرنا چاہیے اور الجھنا نہیں چاہیے۔ زندگی اسی روش پر ہے۔ جہاں تک ہو سکے استقامت اختیار کریں، ورنہ سستی پیچھے لگی ہے۔ آپ کی مشغولی خوب ہو گئی تھی، لیکن قوت سے پہلے ہی کمزور ہو گئی۔ غم نہیں ہے! اگر آپ اپنے آپ کو تھوڑا سا ان ترددات سے جمع کر لیں تو پہلے سے بھی بہتر ہو جائے گی۔ تفرقہ کے ان اسباب کو عین جمعیت سمجھیں، تاکہ آپ اپنا کام کر سکیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۴۱)

ملا محمد قلیج کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس کام (سلوک) میں عمدہ ترین چیز محبت و اخلاص ہے۔
اللہ سبحانہ و تعالیٰ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ کے صدقے (آپ کو) ترقیاں کرامت فرمائے۔ آپ نے قلبی حالات کبھی نہیں لکھے کہ کیسی صورت رکھتے ہیں۔ البتہ اس بارے میں بھی کچھ لکھتے رہا کریں، کیونکہ (یہ) غائبانہ توجہ کا موجب ہے۔ اس کام (سلوک) میں عمدہ ترین چیز محبت و اخلاص ہے۔ اگر اب ترقی معلوم نہیں ہوتی تو کوئی غم نہیں ہے۔ جب اخلاص پر استقامت ہے تو اُمید ہے کہ سالوں کا کام گھڑیوں میں میسر ہو جائے گا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۴۲)

ملا عبد الغفور سمرقندی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ان بزرگواروں کی اگر تھوڑی سی نسبت ہاتھ آجائے تو وہ کم نہیں ہے۔
(آپ نے) جو مکتوب شریف مہربانی فرماتے ہوئے بھیجا تھا، وہ پہنچا۔ فقر کی محبت اور اس گروہ کی جانب توجہ رکھنا اللہ جل سلطانہ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اس پر استقامت کے لیے سوال اور اُمید ہے۔ آپ نے جو نیاز درویشوں کے لیے بھیجی تھی، وہ بھی وصول ہوئی۔ سلامتی کی فاتحہ پڑھی گئی ہے۔ جو طریقہ آپ نے اخذ کیا تھا اور اس سے جو نسبت حاصل ہوئی تھی، اس سے کوئی بات ذکر نہیں ہوئی۔ اللہ نہ کرے کہ اس میں کوئی سستی آگئی ہو۔ شعر:

یک چشمِ زدن خیال او پیشِ نظر بہتر ز وصالِ خوب رویانِ ہمہ عمر

یعنی: ایک (بار) پلک جھپکنے کی دیر تک اگر اس کا خیال پیش نظر رہے تو وہ عمر بھر کے حسینوں کے وصال سے بہتر ہے۔
ان بزرگواروں کی اگر تھوڑی سی نسبت ہاتھ آجائے تو وہ کم نہیں ہے، کیونکہ دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہے:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یعنی: میرے گلستان سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

لیکن اس سستی کا غم نہیں ہے، جبکہ محبت کا رشتہ اس نسبت والوں سے مضبوط ہے۔ جو قبائلی بار پہنی گئی ہے، وہ بھیجی گئی ہے۔ آپ کبھی کبھی اس کو پہنیں اور ادب کے ساتھ محفوظ رکھیں، کیونکہ اس سے بہت زیادہ فائدوں کی امید ہے۔ جب بھی اس کپڑے (قبا) کو پہنیں تو با وضو پہنیں اور سبق کا تکرار کریں، امید ہے کہ کامل جمعیت نصیب ہوگی۔ جب بھی کوئی چیز لکھیں تو چاہیے کہ اول اپنے باطنی حالات لکھیں، کیونکہ ظاہری حالات باطنی حالات کے بغیر اعتبار کے دائرہ سے خارج ہیں:

ع از ہر چہ میرود سخن دوست خوش تر است

یعنی: جہاں سے کی جائے محبوب کی بات زیادہ اچھی ہے۔

ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ الْمُطَهَّرِ عَنْ زَيْغِ الْبَصَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا. یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اور آپ کو سید البشر، جن کی مبارک آنکھ کجی سے پاک ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری و باطنی اتباع پر ثابت قدم رکھے (آمین)۔

مکتوب نمبر (۱۴۳)

ملائش کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جوانی کے زمانے کو غنیمت سمجھیں اور اسے لہو و لعب (کھیل کود) میں نہ گزاریں۔
فقراء کے محب مولانا شمس کو توفیق نصیب ہو کہ جوانی کے زمانہ کو غنیمت سمجھ کر کھیل کود میں نہ گزاریں اور اس کو اخروٹ و مٹھی کا بدل نہ بنائیں کیونکہ آخر میں ندامت و پشیمانی کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہوگا اور کوئی نفع نہیں ہوگا۔ بتا دینا شرط ہے۔
پانچ وقت نماز باجماعت ادا کریں اور حلال کا حرام سے فرق کریں۔ آخرت کی نجات کا طریقہ صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ کی پیروی میں ہے۔ فانی لذتیں اور ہلاک کرنے والی نعمتیں منظور نظر نہ رہیں۔ وَاللّٰہُ سُبْحٰنَہُ الْمُؤَفِّقِ لِلْخَیْرٰتِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی نیکووں کی توفیق بخشنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۴۴)

حافظ محمود لاہوری کو تحریر فرمایا۔ سیر و سلوک کے معنی کے بیان میں، اور سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور دوسری دوسروں کے

بیان میں جو ان دوسروں کے بعد ہیں۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سید البشر، جن کی مبارک آنکھ کجی سے پاک ہے عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ کے صدقے آپ کے کمالات کے درجات میں بے اندازہ ترقیاں کرامت فرمائے:

ع از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

یعنی: جہاں سے کی جائے محبوب کی بات زیادہ اچھی ہے۔

سیر و سلوک سے مراد انتقالِ علمی ہے جو مقولہ کیف سے ہے۔ انتقالِ مکانی کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ پس سیر الی اللہ حرکتِ علمی ہے جو علمِ اسفل سے علمِ اعلیٰ تک جاتی ہے اور اس اعلیٰ سے دوسرے اعلیٰ تک، یہاں تک کہ ممکنات کے علوم طے کرنے اور مکمل طور پر ان کے زائل ہو جانے کے بعد واجبِ تعالیٰ کے علم تک منتہی ہو جاتی ہے۔ یہ حالت وہی ہے جو فنا سے تعبیر کی جاتی ہے۔ سیر فی اللہ سے مراد وہ حرکتِ علمی ہے جو مراتب و وجوب یعنی اسماء و صفات، شیون و اعتبارات اور تقدیسات و تنزیہات میں ہوتی ہے، (یہ) اس مرتبہ تک پہنچ جاتی ہے جس کو کسی عبارت سے تعبیر نہیں کر سکتے اور نہ اس کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ کسی نام سے موسوم ہو سکتی ہے اور نہ کسی کنایہ سے ادا کی جاسکتی ہے اور نہ کوئی عالم اسے جانتا ہے اور کوئی مدرک اس کا ادراک کر سکتا ہے اور یہ وہ سیر ہے جس کا نام بقا ہے۔ سیر عن اللہ باللہ جو تیسری سیر ہے، اس سے مراد وہ حرکتِ علمی ہے، جو علمِ اعلیٰ سے علمِ اسفل کی جانب نیچے آتی ہے اور اسفل سے اسفل کی طرف، حتیٰ کہ ممکنات کی جانب اُلٹے پاؤں رجوع کرتی ہے اور سب مراتب و وجوب کے علوم سے نزول کرتی ہے۔ ایسا عارف اللہ کو اللہ کے ساتھ بھلانے والا، اور اللہ کی جانب سے اللہ کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے اور وہ پانے والا گم کرنے والا اور ملنے والا جدا ہونے والا ہوتا ہے۔ چوتھی سیر جو اشیاء میں سیر ہوتی ہے۔ اس سے مراد ایک کے بعد دوسری اشیاء کے علوم کا حاصل ہونا ہے، تمام اشیاء کے علوم کے سیرِ اول میں زوال کے بعد۔

پس سیرِ اول سیرِ چہارم کے بالمقابل ہے اور سیرِ سوم سیرِ دوم کے بالمقابل ہے، جس طرح بیان کیا گیا۔ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ نفسِ ولایت کے حاصل ہونے کے لیے ہیں، جس سے مراد فنا و بقا ہے اور سیرِ سوم اور سیرِ چہارم مقامِ دعوت کے حاصل ہونے کے لیے ہے جو بھیجے گئے انبیاء صَلَوَاتُ اللہِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُہُ عَلٰی اَجْمَعِہُمْ عَمُوْمًا وَعَلٰی اَفْضَلِہُمْ خُصُوْعًا (اللہ تعالیٰ کا درود و سلام عام طور پر ان سب پر اور خاص طور پر ان کے افضل پر ہو) کے ساتھ مخصوص ہے اور ان بزرگواروں علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کو بھی نصیب ہے۔ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ هٰذِہٖ سَبِیْلِیْ اَدْعُوْا اِلٰی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِیْ۔ (سورۃ یوسف، ۱۰۸)

یعنی: آپ فرمادیں میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر۔ میں بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی۔

یہ ابتدا و انتہا کا بیان ہے، جس کا تذکرہ کرنے سے مقصود طالبوں کو ابھارنا اور ان کو شوق دلانا ہے:

بر شکر غلطید اے صفرائیاں از برائے کورئے سودائیاں
یعنی: اے صفرائیو! تم شکر پر لوٹو، اس لیے کہ سودائی اندھے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ۔
یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۴۵)

ملا عبد الرحمن مفتی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور اس طریقہ کے بعض مبتدیوں کو جلدی تاثیر نہ ہونے کے راز کے بیان میں۔
 ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى جَادَةِ الشَّرِيعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ.
 یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اور آپ کو شریعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

ع وَيَرْحَمُ اللَّهُ عَبْدًا قَالَ آمِينًا

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

طریقہ نقشبندیہ کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سیر کی ابتدا عالم امر سے اختیار کی ہے اور وہ عالم خلق کو اس سیر کے ضمن میں طے کرتے ہیں بخلاف دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے جن کی سیر کی ابتدا عالم خلق سے ہے۔ وہ عالم خلق کو طے کرنے کے بعد عالم امر میں قدم رکھتے ہیں اور مقام جذبہ میں پہنچتے ہیں۔ لہذا طریقہ نقشبندیہ دوسرے طریقوں سے اقرب ٹھہرا، (پس) یقیناً دوسروں کی انتہا اس کی ابتدا میں درج ہوئی:

ع قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ من

یعنی: میرے گلستان سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

اس طریقہ عالیہ کے طالبوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو باوجود اس کے کہ ان کی سیر کی ابتدا عالم امر ہے، (لیکن) وہ جلدی متاثر نہیں ہوتے اور لذت و حلاوت جو جذبہ کا مقدمہ ہے، وہ جلدی حاصل نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم امر ان میں عالم خلق کی بہ نسبت ضعیف واقع ہوا ہے اور یہی ضعف تاثیر و تاثر کی جلدی میں رکاوٹ بنا ہے اور یہ تاثر کا دیر سے ہونا اس وقت تک متحقق ہے جب تک کہ ان میں عالم امر عالم خلق پر قوت حاصل نہ کر لے اور معاملہ برعکس نہ ہو جائے اور اس ضعف کا علاج اس طریقہ عالیہ کے مناسب کسی کامل تصرف والے کا تصرف تام ہے۔ جو علاج دوسرے طریقوں کے مناسب ہے، وہ پہلے تزکیہ نفس ہے اور سخت ریاضتیں و مجاہدے ہیں جو (صاحبِ شریعت) عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ کی شریعت کے مطابق واقع ہوں۔

جاننا چاہیے کہ تاثیر کا دیر سے ہونا، استعداد کے کم ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، کامل استعداد کے حامل گروہ کے لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۴۶)

شرف الدین حسین بدخشی کو تحریر فرمایا۔ سبق کے تکرار پر نصیحت (کے بیان) میں۔

لِلَّهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کا شکر و احسان ہے) کہ آپ فقرا کی یاد کی سعادت سے نیک بخت ہیں۔ جو سبق آپ نے لیا تھا اُس کے تکرار میں وقت کو معمور رکھیں اور فرصت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایسا نہ ہو کہ فانی شان و شوکت آپ کو پھسلا دے اور عارضی جاہ و جلال اس کو بے مزہ بنا ڈالے:

ہم اندر ز من بتو ایں است کہ تو طفلی و خانہ رنگیں است

یعنی: میری طرف سے تجھے سب نصیحت یہی ہے کہ تو ایک بچہ ہے اور گھر (بڑا) دکش ہے۔

کتنی بڑی نعمت ہے کہ حضرت اللہ سبحانہ و تعالیٰ بندے کو جوانی کے آغاز میں توبہ کی توفیق کرامت فرمادے اور اس پر استقامت بخش دے۔ کہا جاسکتا ہے کہ تمام دنیا کی نعمتیں اس نعمت کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسے گہرے دریا کے مقابلے میں شبنم کا قطرہ ہو، کیونکہ وہ نعمت مولیٰ سبحانہ کی رضا کا موجب ہے جو تمام نعمتوں سے اوپر ہے، خواہ (یہ نعمتیں) دنیا کی ہوں اور خواہ آخرت کی۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ۔ (سورۃ التوبہ، ۷۲) یعنی: اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةً الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے اُس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۴۷)

خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ (خلقت سے) توڑنا (حق سے) جوڑنے پر مقدم ہے یا جوڑنا

توڑنے پر؟

حضرت اللہ سبحانہ و تعالیٰ سید المرسلین علیہ و علیہم و آلہ الصلوٰت و التسلیمات اتمہا کے صدقے آپ کے کمالات کے درجات میں ترقیاں کرامت فرمائے۔ مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ایک جماعت نے (خلقت سے) توڑنا (حق سے) جوڑنے پر مقدم کیا ہے اور ان بزرگواروں کی ایک دوسری جماعت نے (حق سے) جوڑنے کو (خلقت سے) توڑنے پر مقدم کیا ہے اور تیسرا گروہ سکوت کی جانب گیا ہے۔

ابوسعید خرازی قدس سرہ کہتے ہیں: ”جب تک تو رہائی نہ پائے، پانہیں سکتا ہے اور جب تک نہ پائے، رہا نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں جانتا کونسا (کام) پہلے کرنے کا ہے۔“

ان سطروں کا لکھنے والا (حضرت مجدد قدس سرہ) کہتا ہے کہ توڑنا اور جوڑنا ایک وقت میں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جائز نہیں ہے کہ توڑنا جوڑنے سے جدا ہو اور جوڑنا توڑنے کے بغیر ظاہر ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر پوشیدگی ہے تو وہ تقدم ذاتی میں اور (دونوں کے) ایک دوسرے کی علت ہونے کے تعین میں ہے۔

شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ طریقت ثانی کو اختیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس طرف سبقت کرنا بہتر ہے۔ لیکن جس جماعت نے توڑنے کو مقدم رکھا ہے، وہ اس سبقت کا انکار نہیں کرتے۔ جوڑنے سے ان کی مراد ظہور تام ہے اور ظہور تام کی سبقت ظہور مطلق کی سبقت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ ظہور مطلق توڑنے پر مقدم ہے اور ظہور تام اس سے مؤخر ہے۔

اس تحقیق پر ان کا نزاع لفظ کی طرف رجوع کرتا ہے، لیکن پہلے گروہ کی نظر بلند ہے جو قلیل کو قابل اعتبار نہیں جانتے۔ جانا چاہیے کہ اس تقدم پر تقدم زمانی بھی پیدا ہو گیا ہے۔ فَافْهَمُ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ۔

یعنی: پس سمجھ لے اور اللہ سبحانہ ہی صحیح کی جانب الہام کرنے والا ہے۔

بہر حال توڑنے اور جوڑنے کا مظہر بننا چاہیے، کیونکہ مرتبہ ولایت ان دو مراتب سے وابستہ ہے۔ وَبَدُوْنَهَا خَرُطُ الْقَنَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

پہلا مرتبہ سیرالی اللہ سے اور دوسرا مرتبہ سیر فی اللہ سے وابستہ ہے اور ان دو سیروں کے مجموعہ سے (ساک) درجات کے فرق کے مطابق مرتبہ ولایت اور کمال تک پہنچتا ہے۔ دوسری دو سیریں (سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء) تکمیل حاصل کرنے اور درجہ دعوت تک پہنچنے کے لیے ہیں:

ع باغ دو کردم اگر در ده کس است
یعنی: میں نے دو دفعہ آواز لگا دی ہے اگر کوئی آدمی گاؤں میں ہے (تو سن لے گا)۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۴۸)

ملاحظہ صادق کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سیراب ہونے والا بے حاصل ہے، نیز اس بیان میں کہ خبردار مشائخ کی روحانیت اور ان کی امدادوں سے ہرگز مغرور نہ ہوں، کیونکہ مشائخ کی صورتیں درحقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں۔ (آپ کے) دو مکتوب ایک دوسرے کے بعد پہنچے۔ پہلے مکتوب نے سیرابی کے حصول کی خبریں دیں اور دوسرے مکتوب نے تشنگی اور بے حاصلی کی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کا شکر ہے) کہ (قابل) اعتبار آخری (کام) ہوتا ہے۔ سیراب ہونے والا بے حاصل ہے اور جس نے خود کو بے حاصل سمجھا، وہ واصل ہے۔

آپ کو بارہا لکھا جا چکا ہے کہ خبردار مشائخ کی روحانیت اور ان کی امدادوں کے ذریعے پر مغرور نہ ہوں، کیونکہ مشائخ کی صورتیں درحقیقت شیخ مقتدا کے لطائف ہیں جو ان صورتوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ قبلہ توجہ کے لیے وحدت شرط ہے، توجہ کو منتشر کرنا نقصان کا موجب ہے۔ عَیَّاذًا بِاللّٰہِ سُبْحَانَهُ۔ (اللہ سبحانہ کی پناہ)۔

دوسرا یہ کہ ہم نے آپ کو بارہا اور تاکید کے ساتھ کہا ہے کہ کام کی مہارت مختصر کریں، تاکہ کام جلدی سے سرانجام پا جائے۔ ضروری کام کو چھوڑ کر بے فائدہ کام میں مشغول ہونا عقل اور دوراندیشی سے بہت دور ہے، لیکن آپ اپنی رائے کے معتقد ہیں، دوسرے کی بات آپ میں کم ہی موثر ہوتی ہے۔ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ (سورۃ العنکبوت، ۱۸) یعنی: پیغام پہنچانے والے کے ذمہ تو صرف (پیغام) پہنچادینا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۴۹)

یہ بھی ملاحظہ صادق کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اگرچہ اسباب کو پیدا کرنے والے (اللہ سبحانہ و تعالیٰ) نے چیزوں کو اسباب پر مرتب بنایا ہے، لیکن کیا فائدہ کہ نظر سب پر ہی لگی رہے۔

میرے بھائی مولانا محمد صادق! عجیب ہے کہ آپ نے خود کو مکمل طور پر عالم اسباب پر چھوڑ رکھا ہے۔ اگرچہ اسباب کو پیدا کرنے والے (اللہ سبحانہ و تعالیٰ) و تقدس نے چیزوں کو اسباب پر مرتب بنایا ہے، لیکن کیا فائدہ کہ نظر سب پر ہی لگی رہے:

ع گر درے بستہ شد اے دل دگری بکشاند

یعنی: اے دل! اگر ایک دروازہ بند ہوا تو دوسرا کھول دیں گے۔

اس طرح کی کوتاہ نظری بے مناسبتی چاہتی ہے، جو آپ جیسے لوگوں سے بڑی نازیبا ہے۔ گھڑی بھراپنے حال میں تفکر کرنا چاہیے اور اس برائی کو سمجھنا چاہیے۔ فقرا کے لباس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی مغوضہ (ناپسندیدہ چیز) کو حاصل کرنے کی اس قدر تلاش بہت بری ہے۔ تعجب ہے کہ یہ بری چیز آپ کی نظر میں کس طرح خوبصورت بنا دی گئی ہے۔ ضروری امور کو حاصل کرنے کے لیے ضرورت کے مطابق کوشش کرنی چاہیے۔ تمام ہمت کو اس میں مصروف کرنا اور عمر کو اسی میں گزار دینا محض حماقت ہے۔ فرصت بڑی غنیمت ہے، ہزار افسوس! کہ آدمی اس کو بے فائدہ امور حاصل کرنے میں صرف کرے۔ خبر کر دینا شرط ہے۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ. (سورۃ العنکبوت، ۱۸) یعنی: پیغام پہنچانے والے کے ذمہ تو صرف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

لوگوں کے کہنے سننے سے دکھ نہ کھائیں، جن چیزوں کی نسبت آپ کی جانب کرتے ہیں، اگرچہ وہ آپ میں ہرگز نہیں ہیں، کوئی غم نہیں ہے۔ کتنی (بڑی) دولت ہے کہ لوگ آدمی کو بُرا سمجھیں اور وہ حقیقت میں نیک ہو۔ اگر یہ معاملہ برعکس ثابت ہو تو پھر خطرہ کی بات ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۵۰)

خواجہ محمد قاسم کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ مطلوبیت کے لائق واجب والوجود تعالیٰ و تقدس (کی ذات) کے سوا کوئی نہیں ہے۔

میرے بھائی خواجہ محمد قاسم کا محبت نامہ وصول ہوا۔ خوشی کا سبب بنا۔ آپ دنیاوی روشوں کی پریشانی اور ظاہری حالات کے تفرقہ سے تنگ دل نہ ہوں کہ اس (دنیا) کی کوئی قدر و قیمت نہیں، کیونکہ یہ جہان فنا کا مقام ہے۔ (زندگی) اللہ تعالیٰ کی رضاؤں میں بسر کرنی چاہیے، اس ضمن میں تنگی ہو یا فراخی۔ مطلوبیت کے لائق واجب الوجود جل شانہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے، خاص کر کے آپ جیسے عزیز لوگوں کے لیے۔ اس کے ساتھ اگر آپ کسی خدمت اور کسی کام کا اشارہ کریں تو (فقیر) بڑی شکرگزاری اور سعی سے اس کی جدوجہد کرے گا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۵۱)

میر مومن بلخی کو تحریر فرمایا۔ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ کی بزرگی کے بیان میں، نیز یادداشت کے معنی کے بیان میں جو ان اکابر سے مخصوص ہے۔

ع از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

یعنی: جہاں سے کی جائے محبوب کی بات زیادہ اچھی ہے۔

حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں یادداشت سے مراد بے غیبت حضور ہے، یعنی شیونی اور اعتباراتی پردوں کے غلل کے بغیر (اللہ) تعالیٰ و تقدس کی ذات کا دائمی حضور۔ اگر کبھی حضور ہو اور کبھی غیبت، یعنی ایک وقت میں تمام پردے اٹھ جائیں اور ایک دوسرے وقت درمیان میں آجائیں۔ جس طرح کہ تجلی ذاتی برقی میں کہ بجلی کی طرح تمام پردے اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کے سامنے سے اٹھ جاتے ہیں اور پھر تیزی سے شیون و اعتبارات کے پردوں کی صورت میں

آجائے ہیں۔ پس (یہ حضور) ان بزرگواروں کے ہاں مقامِ اعتبار سے ساقط ہے۔ پس بے غیبت حضور کا حاصل یہ ہے کہ تجلی ذاتی جوشیوں و اعتبارات کی وساطت کے بغیر حضرت ذات کے ظہور سے مراد ہے اور اس راستے کی نہایت میں میسر ہوتی ہے اور فنا کو اس مقام میں ثابت کرتے ہیں، وہ دائمی بن جائے اور حجابات ہرگز رجوع نہ کریں۔ اگر رجوع کریں تو حضور غیبت سے بدل جائے گا اور (اس کو) یادداشت نہ کہیں گے۔ پس ثابت ہوا کہ ان اکابر کا شہود کامل و اکمل صورت میں ہے اور فنا کا اکمل ہونا اور بقا کا کامل ہونا مشہود کے کامل ہونے اور اکمل ہونے کے اندازہ کے مطابق ہے:

ع قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا
یعنی: میرے گلستان سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

مکتوب نمبر (۱۵۲)

سرداری و قیادت کی پناہ شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عین اللہ سبحانہ کی اطاعت ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ. (سورۃ النساء، ۸۰)

یعنی: جو شخص رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ کی وہ اطاعت جو رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کے بغیر ہو وہ اللہ سبحانہ کی اطاعت نہیں ہے۔ اس مقصد کی تاکید و تحقیق کے لیے کلمہ ”قد“ تاکید یہ لایا گیا ہے، تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا نہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

نیز ایک دوسرے مقام پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس جماعت کے لوگوں کے حال کی شکایت کرتا ہے جو ان دو اطاعتوں کے درمیان فرق پیدا کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے: يُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا. أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا. (سورۃ النساء، ۱۵۰-۱۵۱) یعنی: اور (وہ) اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں، وہ بلا اشتباہ کافر ہیں۔

جی ہاں! بعض اکابر مشائخِ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے سکر وقت اور غلبہ حال میں ایسی باتیں کہی ہیں جو ان دو اطاعتوں کے درمیان فرق ظاہر کرتی ہیں اور ایک کی محبت کو دوسرے پر اختیار کرنے کی دلالت کرتی ہیں۔

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے دنوں میں خرقان کے نزدیک اُترا ہوا تھا۔ وہاں سے اس نے اپنے وکلا کو شیخ ابوالحسن خرقانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت سے بھیجا اور التماس کی کہ حضرت شیخؒ اس کی ملاقات کو آئیں اور اپنے وکیلوں سے کہا کہ اگر تم شیخؒ کی جانب سے توقف معلوم کرو تو (یہ آیت) کریمہ پڑھنا:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ. (سورۃ النساء، ۵۹) یعنی: (مومنو!) اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔

جب وکلانے شیخ سے توقف معلوم کیا تو انہوں نے مذکورہ (آیت) کریمہ پڑھی۔ شیخ نے جواب فرمایا کہ میں اَطِيعُوا اللہ میں اتنا گرفتار ہوں کہ اَطِيعُوا الرَّسُولَ سے شرمندہ ہوں اور اطاعتِ اولی الامر تک کیسے پہنچوں؟ حضرت شیخ نے اللہ سبحانہ کی اطاعت کو اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا سمجھا۔ یہ بات استقامت سے دور ہے۔ مستقیم الاحوال مشائخ اس قسم کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور وہ شریعت و طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں اللہ سبحانہ کی اطاعت کو اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت میں سمجھتے ہیں اور اللہ سبحانہ کی جو اطاعت اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے مطابق نہ ہو اُس کو عین گمراہی خیال کرتے ہیں۔

نیز منقول ہے کہ مہنہ کے بزرگ شیخ ابوسعید ابوالخیر (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاں ایک مجلس تھی اور خراسان کے اکابر سادات میں سے سید اجل بھی اس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے اسی اثناء میں ایک مغلوب الحال مجذوب ظاہر ہوا۔ حضرت شیخ (ابوسعید) نے اس کو سید اجل پر فوقیت دی۔ سید (صاحب) کو ناپسند آیا۔ (اس پر شیخ ابوسعید نے) سید (صاحب) کو فرمایا کہ آپ کی تعظیم رسول (اللہ) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی بنا پر ہے اور اس مجذوب کی تعظیم اللہ سبحانہ کی محبت کی وجہ سے ہے۔ مستقیم الاحوال اکابر اس طرح کے فرق کو بھی جائز نہیں سمجھتے اور اللہ سبحانہ کی محبت کو اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت پر غالب جانے کو سکرِ حال میں سے سمجھتے ہیں اور بیکار بات کے علاوہ کچھ خیال نہیں کرتے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ مقام کمال میں جو کہ ولایت کا مرتبہ ہے، اللہ سبحانہ کی محبت غالب ہوتی ہے اور مقام تکمیل میں جو کہ مقام نبوت کا ایک حصہ ہے، محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) غالب ہوتی ہے۔ قَبَّيْنَا اللہ سُبْحَانَهُ عَلٰی اِطَاعَةِ الرَّسُولِ النَّبِيِّ عَيْنُ اطَاعَةِ اللہ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کہ عین اللہ سبحانہ کی اطاعت ہے، ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر (۱۵۳)

میاں شیخ منزل کو تحریر فرمایا۔ ماسوی (اللہ) کی غلامی سے کامل طور پر رہائی کے بیان میں جو کہ فنائے مطلق سے تعلق رکھتی ہے۔

جو خط آپ نے بھیجا تھا، وہ پہنچا۔ الْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْاَنْعَامِ وَالْمِنَّۃِ (بڑے انعام والے اور احسان والے اللہ کا شکر ہے) جو اپنے طالبوں کو اپنی طلب میں بیقرار اور بے آرام رکھتا ہے اور اس بے آرامی میں بھی اپنے غیر کے آرام سے (ان کو) نجات بخشتا ہے۔ لیکن غیروں کی غلامی سے کامل نجات اس وقت میسر ہوتی ہے جب (سالک) فنائے مطلق سے مشرف ہو جائے اور وہ ماسوی (اللہ) کے نقوش کو دل کے آئینے سے بالکل مٹا ڈالے اور (اس کا) علمی اور سخی تعلق کسی چیز کے ساتھ بھی نہ رہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی مقصود اور کوئی مراد باقی نہ رہے۔ وَبَدُوْۤنَهَا خَرُطُ الْفِتَادِ۔ (یعنی: اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے)۔ اگرچہ بے تعلقی کا گمان رکھے، لیکن: اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ (سورۃ النجم، ۲۸) یعنی: بیشک ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد

ع

یعنی: یہ دولت کا کام ہے، دیکھئے اب کس کو دیتے ہیں۔

احوال و مقامات میں گرفتار (سالم) غیر (حق) کا گرفتار ہے، (فقیر) دوسری چیزوں سے کیا کہے:

بہر چہ از دوست و امانی چہ کفر آں حرف و چہ ایمان بہر چہ از راہ دور افتی چہ زشت آں نقش و چہ زیبا

یعنی: جس چیز کی وجہ سے تو محبوب سے جدا ہو جائے وہ کلمہ کفر ہو تو کیا اور ایمان ہو تو کیا۔ جس چیز کی وجہ سے تو راستہ سے بھٹک جائے وہ نقش برا ہو تو کیا، اچھا ہو تو کیا۔

آپ کی مسافت لمبی ہوگئی، فرصت غنیمت ہے۔ اگر دوست اہل ہیں تو رخصت (لینے) میں توقف کس طرح کریں گے اور اگر نااہل ہیں تو پھر رخصت (لینے) کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ سبحانہ کی رضا کو ملاحظہ کرنا چاہے، اہل جہان راضی رہیں یا نہ رہیں، ان کی ناراضگی سے کیا ہوگا؟

ع طفیل دوست باشد ہر چہ باشد

یعنی: دوست کے طفیل ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے۔

اللہ سبحانہ کو مقصود سمجھنا چاہیے، جو کچھ اس کے ساتھ جمع ہو جائے، وہ بھلا ہے اور اگر نہ ہو تو نہ ہو:

ع رخسارِ من اینجا و در گلِ نگری

یعنی: میرا رخسار یہاں ہے اور تو پھول کی طرف دیکھ رہا ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۵۴)

یہ بھی میاں منزل کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اپنے آپ سے گزرنا چاہیے اور اپنے آپ میں جھانکنا چاہیے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) اپنے ساتھ رکھے اور لمحہ بھر بھی اپنے غیر کے ساتھ نہ رکھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنَا اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرَفَةً عَيْنٍ فَتَهْلِكَ وَلَا اَقْلَّ مِنْهَا فَتَضَيَّعْ۔ یعنی: اے اللہ! تو ہمیں آنکھ جھپکنے کی دیر بھی اپنے نفسوں کے حوالے نہ کر، کیونکہ ہم ہلاک ہو جائیں گے اور نہ ہی اس سے کم، کیونکہ ہم ضائع ہو جائیں گے۔

جو بلا بھی ہے وہ اپنے ساتھ گرفتار ہونے کی وجہ سے ہے۔ جب (سالم) خود سے نجات پا گیا تو وہ اللہ سبحانہ کے غیر سے بھی نجات پا گیا۔ اگر (کوئی) بت پرستی کرتا ہے تو درحقیقت وہ خود کو پوجتا ہے، کیونکہ (ارشادِ الہی ہے): اَفَرَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْاِلٰهَ هُوًهُ۔ (سورۃ الجاثیہ، ۲۳) یعنی: بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے۔

ع از خود چو گذشتی ہمہ عیش است و خوشی

یعنی: جب تو نے خود کو چھوڑ دیا تو سب عیش اور خوشی ہے۔

دُعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ۔ یعنی: اپنے نفس کو چھوڑ اور آجا۔

جس طرح کہ اپنے آپ سے گزرنا فرض ہے (اسی طرح) اپنے اندر جھانکنا بھی ضروری ہے، کیونکہ یافت (پانا) اسی جگہ ہے اور اپنے سے باہر یافت (پانا) نہیں ہوتی:

با تو در زیرِ گلیم است ہر چہ ہست ہنجو نابینا مبر ہر سوئے دست
یعنی: جو کچھ ہے وہ تیرے ساتھ گودڑی کے نیچے ہے تو اندھے کی طرح ہر طرف ہاتھ مت مار۔
سیر آفاقی دور سے دور تر ہے اور سیر انفسی قریب سے قریب تر ہے۔ اگر شہود ہے تو وہ بھی اپنے اندر ہے اور اگر معرفت
ہے تو وہ بھی اپنے ہی اندر ہے اور اگر حیرت ہے تو وہ بھی اپنے اندر ہی ہے۔ اپنے سے باہر کوئی قدم گاہ (منزل) نہیں ہے۔
بات کہاں جا پہنچی! کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی سادہ (لوح) ولی اس جگہ سے حلول یا اتحاد سمجھ بیٹھے اور گمراہی کے بھنور میں جا پڑے:

ع ایجا حلول کفر بود اتحاد ہم

یعنی: اس جگہ حلول اور اتحاد کفر ہے۔

اس مقام کے ساتھ تحقیق ہونے سے پہلے اس میں سوچ بیچار کرنا منع ہے۔ رَزَقْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَاَيُّكُمْ الْاِسْتِقَامَةُ
عَلَى الطَّرِيقَةِ الْمَرْضِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ.
یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسندیدہ طریقہ پر استقامت عطا فرمائے۔
آپ اپنے حالات لکھتے رہیں، کیونکہ (یہ چیز) پورا دخل رکھتی ہے۔ ظاہری تعلقات کے باوجود آپ آزاد رہیں اور
وجود اور اس کے عدم کو برابر سمجھیں۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۱۵۵)

یہ بھی میاں شیخ منزل کو تحریر فرمایا۔ اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب (کے بیان) میں۔
اللہ سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) اپنے ساتھ رکھے:

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیج نیست بیدولت است آنکہ ہیج اختیار کرد
یعنی: اللہ کے سوا جس چیز کی بھی پرستش کریں وہ ہیج ہے، بدنصیب ہے وہ شخص جس نے بیکار چیز کو اختیار کیا۔
(فقیر) جمادی الاول کے مہینے کی پہلی تاریخ بروز جمعہ دہلی شریف کے طواف (زیارت) سے مشرف ہوا اور محمد صادق
بھی ساتھ ہیں، اگر اللہ سبحانہ کی رضا موافق ہے تو چند روز یہاں گزار کر جلدی سے اپنے اصلی وطن کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔
صحیح حدیث ہے: حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِيْمَانِ۔^(۱) یعنی: وطن کی محبت ایمان میں سے ہے۔
(کوئی) پچارہ کہاں جائے؟ پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے: مَا مِنْ دَايَةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ط اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (سورۃ ہود، ۵۶) یعنی: (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بیشک
میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔

بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ مگر یہ کہ فُفِرُواْ اِلٰى اللّٰهِ (یعنی: اللہ کی جانب دوڑو۔ سورۃ الذاریات، ۵۰) کہہ کر اللہ سبحانہ
کی طرف بھاگیں۔ بہر حال اصل کو اصل سمجھ کر، شاخ کو طفیلی جان کر اصل کی طرف منہ کرنا چاہیے:
ہر چہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است
یعنی: اللہ تعالیٰ کے عشق کے سوا جو کچھ (جتنا بھی) اچھا ہے، خواہ شکر کھانا ہو، وہ (بھی) عذاب ہے۔

مکتوب نمبر (۱۵۶)

یہ بھی میاں منزل کو تحریر فرمایا۔ اہل اللہ کی صحبت کی ترغیب میں۔

جو خط آپ نے جالندھر کے قاضی زادہ کے ہاتھ بھیجا تھا، وہ اس نے دہلی میں پہنچایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمُنَّةُ (اللہ کی حمد اور احسان ہے) کہ فقرہ کی محبت آپ کے شامل حال ہے اور اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱) (یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی رو سے آپ ان کے ساتھ ہیں۔ رجب کا مہینہ اگرچہ اوقات اور زمانوں کے لحاظ سے نزدیک ہے، لیکن بہت دور ہے:

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم مواست بسیار است

یعنی: محبوب کی جدائی اگر کم ہو تو وہ بھی کم نہیں ہے، آنکھ میں اگر آدھا بال ہو تو وہ بھی بہت (ہوتا) ہے۔

چونکہ آپ نے حقداروں کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہوئے اس مطلب کو اختیار کیا ہے، (لہذا) آپ ایسا ہی کریں۔ فقیر بھی شاید ماہ رجب تک یہیں رہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَالِیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی درست بات کو جانتا ہے اور اسی کی طرف سب کو رجوع ہونا اور پناہ ملنا ہے۔

بہر حال چند روزہ زندگی کو فقرا کے ساتھ گزارنا چاہیے: وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّہُمْ بِالْعَدْوَةِ وَالْعِشِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْہَہُ (یعنی: اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، ان کے ساتھ صبر کرتے رہو۔ سورۃ الکہف، ۲۸) خود نص قاطع ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب عَلَیْہِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمَّہَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَیْمَنُہَا کو اس کا حکم فرمایا ہے۔

ایک عزیز فرماتے ہیں: ”الہی! یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے؟ کہ جس شخص نے ان کو پہچانا، اس نے تجھے پالیا اور جب تک اس نے تجھے نہیں پایا، اس نے ان کو نہیں پہچانا۔“

رَزَقْنَا اللّٰہَ تَعَالٰی وَاَیَّاکُمْ مَحَبَّةً ہَذِہِ الطَّائِفَةِ الْعَلِیَّةِ الشَّرِیْفَةِ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس بلند اور مبارک گروہ کی محبت عطا فرمائے (آمین)۔

مکتوب نمبر (۱۵۷)

حکیم عبدالوہاب کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جب کوئی آدمی درویشوں کے پاس جائے تو اس کو چاہیے کہ خود کو خالی کر

کے جائے تاکہ بھرا ہوا واپس جائے اور اس بیان میں کہ پہلے عقائد کو صحیح کرنا چاہیے۔

دو بار آپ قدم رنج کر کے آئے ہیں اور جلدی اٹھ کر چلے گئے ہیں۔ اس کی فرصت نہیں ملی کہ صحبت کے حقوق میں سے بعض کو ادا کیا جائے۔ ملاقات سے مقصود فائدہ پہنچانا ہے، یا فائدہ حاصل کرنا اور جب مجلس ان دونوں سے خالی ہو تو وہ کسی شمار میں نہیں ہے۔

اس گروہ کے پاس خالی ہو کر آنا چاہیے تاکہ بھرا ہوا واپس جائے اور اپنی تہی دستی کا اظہار کرنا چاہیے، تاکہ ان کو اس پر شفقت آئے اور فیض پہنچانے کا راستہ کھل جائے۔ سیر آنا اور سیر جانا مزہ نہیں رکھتا۔ پر شکمی کا بیماری کے سوا کوئی پھل نہیں ہے

اور استغنا کا سرکشی کے علاوہ کوئی کام نہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے: ”پہلے خستہ دل کی نیاز مندی (اور) اس کے بعد شکستہ دل کی توجہ“ (درکار ہے)۔ پس توجہ کے لیے نیاز مندی شرط ٹھہری۔ اسی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

اس وقت میں ایک طالب علم نے آکر جب آپ کی جانب سفارش کی طلب کا اظہار کیا تو خیال آیا کہ چونکہ آپ کے صرف آنے کا بھی ایک حق ہے۔ پس اپنی جانب سے جہاں تک ممکن ہو حق ادا کرنا چاہیے۔ لہذا گزشتہ کے مدارک و تلافی کی غرض سے وقت و حال کی مطابقت سے چند باتیں لکھ کر (فقیر نے) آپ کی طرف ارسال کی ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ وَالْمُؤَفَّقِ لِلسَّادِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی بہتری کی جانب الہام کرنے والا اور راستی کی توفیق بخشنے والا ہے۔

اے سعادت مند! جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ اول: کتاب و سنت کے مطابق (اپنے) عقائد کی تصحیح اس طرح کریں، جس طرح کہ علمائے حق شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے ان عقائد کو کتاب و سنت سے سمجھا اور اس سے اخذ کیا ہے۔ اس لیے کہ ہمارا اور آپ کا سمجھنا اگر ان بزرگواروں کی فہم کے مطابق نہ ہو تو وہ اعتبار سے ساقط ہے، کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب و سنت سے سمجھتا ہے اور وہاں سے اخذ کرتا ہے۔ وَالْحَالُ اَنَّهُ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ یعنی: اور جبکہ ان سے حق کے بارے میں کسی طرح کا بھی نفع نہیں ہوتا۔

دوسرے: شرعی احکام (مثلاً) حلال و حرام اور فرض و واجب کا علم حاصل کرنا ہے۔ تیسرے: اس علم کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اور چوتھے: تصفیہ و تزکیہ کا طریقہ جو صوفیہ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے مخصوص ہے۔ پس جب تک عقائد کی تصحیح نہ کریں، شرعی احکام کا علم کچھ فائدہ نہیں دیتا اور جب تک یہ دونوں متحقق نہ ہو جائیں، عمل نفع نہیں دیتا اور جب تک یہ تینوں میسر نہ ہو جائیں تصفیہ و تزکیہ کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ ان چار اراکین اور ان کی تکمیلات اور مکملات، جیسے کہ سنت فرض کو کامل کرتی ہے، کے بعد جو کچھ ہے وہ فضول اور لایعنی کے دائرہ میں داخل ہے۔ وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَنْبَغِيهِ وَاشْتِغَالُهُ بِمَا يَنْبَغِيهِ۔^(۱) یعنی: (یہ چیز) آدمی کے حسن اسلام میں سے ہے کہ وہ لایعنی (بیہودہ) باتوں کو ترک کر دے اور مفید باتوں میں مشغول ہو جائے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتُ وَالنَّحِیَّاتُ۔
یعنی: اور اس شخص کو سلامتی نصیب ہو جو ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے۔

مکتوب نمبر (۱۵۸)

شیخ حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ کمال کے مراتب میں استعداد کے فرق کے مطابق فرق ہوتا ہے، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

جاننا چاہیے کہ کمال کے مراتب استعدادات کے فرق کے مطابق مختلف ہیں۔ کمال میں تفاوت کبھی مقدار کے لحاظ سے ہوتا ہے، کبھی کیفیت کے مطابق اور کبھی ان دونوں کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ پس بعض کا کمال مثلاً تجلی صفاتی سے ہے اور بعض دوسروں کا کمال تجلی ذاتی تک ہے، باوجود بہت زیادہ تفاوت کے جو ان دونوں تجلیوں والے افراد اور ان کے ارباب کے

درمیان بھی ہے۔ پس بعض کا کمال اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا قلب کی سلامتی اور روح کی آزادی تک ہے۔ دوسرے شخص کا کمال ان دونوں کے ساتھ بھی متحقق ہے اور (لطیفہ) سر کے شہود تک بھی۔ اور تیسرے کا کمال ان تینوں کے ساتھ ہے اور (ان کے علاوہ) اس حیرت تک (بھی) ہے جو لطیفہ خفی کے ساتھ منسوب ہے۔ اور چوتھے کا کمال ان چاروں کے ساتھ ہے اور (ان کے علاوہ) اس اتصال کے ساتھ ہے جو لطیفہ اخفی کی جانب منسوب ہے۔ ذلک فضلُ اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضلِ العظیم۔ (سورۃ الحدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مذکورہ بالا مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کمال حاصل ہونے کے بعد اُلٹے پاؤں واپس ہونا ہے، یا پھر اس مقام میں ثابت اور برقرار رہنا ہے۔ ان دونوں میں پہلا مقام تکمیل و ارشاد اور حق (تعالیٰ) کی جانب سے خلقت کی طرف دعوت کے لیے رجوع کرنا ہے اور ان میں دوسرا مقام خود کو نابود (فنا) کرنا اور خلقت سے گوشہ نشینی ہے۔

وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اور اوّل و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۵۹)

شرف الدین حسین بدخشی کو تحریر فرمایا۔ تعزیت (کے بیان) میں۔

اگرچہ دکھ اور مصیبتیں ظاہر ہیں تلخ اور جسم کو تکلیف دینے والی ہیں، لیکن باطن میں شیریں اور روح کو لذت بخشنے والی ہیں، کیونکہ جسم اور روح گویا ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ ایک کا دکھ دوسرے کی لذت کو لازم کرتا ہے۔ پس پست فطرت شخص جو ان دو ضدوں اور ان کے لوازمات میں فرق نہیں کر سکتا، وہ بحث سے خارج ہے اور وہ مخاطبت کی قابلیت نہیں رکھتا: اُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ. (سورۃ الاعراف، ۱۷۹)

یعنی: یہ لوگ (بالکل) چار پایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے ہیں۔

آگہ از خویشتن چو نیست جنیں چہ خبر دارد از چناں و چینیں

یعنی: جب جنین اپنے وجود سے آگاہ نہیں ہے تو وہ کیوں اور کیسے سے کیا خبر رکھتا ہے؟

جس شخص کی روح نے نزول کر کے مرتبہ جسم میں قرار پایا ہے اور اس کا عالم امر عالم خلق کے تابع ہو گیا ہے وہ اس معما کے راز کو کیا جانے۔ جب تک روح اپنے اصلی مقام کی جانب اُلٹے پاؤں رجوع نہ کرے اور (عالم) امر (عالم) خلق سے جدا نہ ہو جائے، (اس وقت تک) اس معرفت کا جمال جلوہ گر نہیں ہوتا۔ اس دولت کا حصول اس موت سے وابستہ ہے جو مقررہ وقت سے پہلے پیش آتی ہے اور طریقت کے مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم نے اس کو فنا سے تعبیر کیا ہے:

خاک شو خاک تا بروید گل کہ بجز خاک نیست مظهر گل

یعنی: خاک بن جا خاک، تاکہ پھول اگیں، کیونکہ خاک کے علاوہ (کوئی چیز) مظهر گل نہیں ہے۔

جو شخص مرنے سے پہلے نہیں مرا، مصیبت زدہ تو اسے سمجھنا چاہیے اور تعزیت تو اس سے کرنی چاہیے۔ آپ کے والد مرحوم کی رحلت کی خبر جو نیک نامی کی شہرت رکھتے تھے اور نیک کام کے کرنے کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کا خوب لحاظ رکھتے تھے، مسلمانوں کے لیے غم کا موجب اور دکھ کا لازمہ بنی ہے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ. (سورۃ البقرۃ، ۱۵۶)

یعنی: ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

آپ فرزند کو چاہیے کہ صبر کے شیوہ کو اختیار کریں۔ آگے چلے جانے والوں کے لیے صدقہ و دعا اور استغفار مددگار اور معاون ہے، کیونکہ مرنے والوں کو زندوں کی مدد کی سخت ضرورت ہے:

مَا لَمْ يَبْتَ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُنْعَوَثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللَّهَ لَيَدْخُلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالُ الْجِبَالِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَإِنَّ هَذِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ^(۱)۔ یعنی: مردہ فریاد کرنے والے ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے، وہ اپنے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی دعا کا منتظر رہتا ہے۔ پس جب اسے ان کی طرف سے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں پر پہاڑوں جتنی رحمت نازل کرتا ہے اور بیشک زندوں کا مردوں کے لیے یہ ہدیہ ہے کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں۔

باقی نصیحت یہ ہے کہ ذکر کے دوام اور فکر کے التزام میں (مشغول) رہیں، کیونکہ بلاشبہ فرصت بہت کم ہے اور اس کو اہم ترین کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۶۰)

اس اپنے مکتب بنده یعنی یار محمد جدید بدخشی طالقانی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں طریقت کے مشائخِ قدس اللہ تعالیٰ

اسرار ہم تین گروہ ہیں، ان میں سے ہر ایک گروہ کے احوال اور کمال و نقصان کی شرح و تفصیل کا بیان۔

مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم تین گروہ ہیں۔ پہلا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ عالم حق سبحانہ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے اور جو کچھ اس میں اوصاف و کمال ہیں، سب حق سبحانہ کی ایجاد سے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ظاہر صورت سے زیادہ کچھ نہیں جانتے، بلکہ ظاہری صورت بھی اللہ عز شانہ کی طرف سے ہے۔ وہ نیستی کے سمندر میں یوں گم ہو جاتے ہیں کہ نہ عالم سے خبر رکھتے ہیں اور نہ اپنے آپ سے۔ اس ننگے آدمی کی طرح جس نے ادھار کپڑا لے کر پہنا ہوا اور سمجھتا ہو کہ یہ کپڑا ادھار کا ہے اور یہ ادھار کی دید اُس پر ایسی غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کپڑے کو پوری طرح (اس کے) اصل کی جانب منسوب کرتا ہے اور خود کو ننگا ہی پاتا ہے۔ اگر اس طرح کے شخص کو بے شعوری اور سکر سے شعور اور صحو میں لے آئیں اور فنا کے بعد اسے بقا سے مشرف کریں تو اگرچہ وہ کپڑے کو خود پر پاتا ہے، لیکن یقین سے جانتا ہے کہ (یہ) کسی اور کی جانب سے ہے۔ کیونکہ وہ فنا اب اس کے علم میں درج (شامل) ہے اور جو گرفتاری اور تعلق اس کپڑے کے ساتھ رکھتا تھا، وہ کچھ باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح اس شخص کا حال ہے جو اپنے اوصاف و کمالات کو ادھار لیے گئے کپڑے کی مانند خیال کرتا ہے، لیکن جانتا ہے کہ یہ کپڑا بھی وہم (کے درجہ) میں ہے اور میں خارج میں کوئی کپڑا نہیں رکھتا، (بلکہ) ننگا ہوں۔ یہ دید اس حد تک غالب آتی ہے کہ وہ وہم کے لباس کو بھی اتار دیتا ہے اور خود کو ننگا پاتا ہے، لیکن افاقہ اور صحو کے بعد اس وہم کے لباس کو بھی اپنے ساتھ پاتا ہے۔ لیکن پہلے شخص کی فنا کامل ہے اور اس پر مترتب ہونے والی بقا کامل ہے۔ جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان آئے گا۔

یہ بزرگوار تمام اعتقادات کلامیہ، جو کہ کتاب و سنت اور اجماع کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں، میں علمائے اہل سنت و

جماعت کے ساتھ متفق ہیں۔ متکلمین اور ان (بزرگواروں) کے درمیان اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ متکلمین اس مطلب کو علمی اور استدلالی طور پر پاتے ہیں اور یہ (بزرگوار) کشف اور ذوق کے طریقہ سے (حاصل کرتے ہیں)۔ نیز (یہ) بزرگوار حق سبحانہ و تعالیٰ کی نہایت پاکیزگی کی بنا پر اس کے ساتھ عالم کی کوئی نسبت ثابت نہیں کرتے اور تمام نسبتوں کو سلب کرتے ہیں۔ پس پھر وہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ عینیت اور جزئیت کے کس طرح قائل ہو سکتے ہیں، سوائے اس کے کہ وہ مولیٰ ہے اور (یہ) بندے ہیں، وہ صانع (خالق) ہے اور یہ تخلیق ہیں۔ بلکہ وہ غلبہ حال میں اس نسبت کو بھی گم کر بیٹھتے ہیں۔ اس وقت وہ فناۓ حقیقی سے مشرف ہو کر تجلیات ذاتیہ کی قابلیت پیدا کر لیتے ہیں اور بے انتہا تجلیات کا مظہر بن جاتے ہیں۔

دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہ کا ظل سمجھتا ہے، لیکن اس کے قائل ہیں کہ عالم خارج میں موجود ہے، لیکن ظلیت کے طریقہ پر ہے نہ کہ اصلیت کے طریقہ پر۔ ان کا وجود حق سبحانہ کے وجود سے قائم ہے، جس طرح کہ سایہ اپنے اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کا سایہ دراز ہوا اور اس شخص نے کمال قدرت سے اپنی صفات علم و قدرت اور ارادہ وغیرہ حتیٰ کہ لذت و الم کو بھی اس سایہ میں منعکس کر دیا۔ پس اگر بالفرض وہ سایہ آگ پر پڑے اور اس سے رنج پہنچے تو عقل و عرف کے طور پر نہ کہیں گے کہ اس شخص کو تکلیف پہنچی، جس طرح کہ تیسرا گروہ اس کا قائل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس نہیں کہہ سکتے کہ تمام ناپسندیدہ افعال جو مخلوقات سے صادر ہوتے ہیں، وہ حق سبحانہ کے فعل ہیں۔ جس طرح کہ سایہ اپنے ارادہ سے حرکت کرے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آدمی متحرک ہو گیا، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ (یہ) اس کی قدرت اور ارادت (کا اثر) ہے، یعنی اس کی مخلوق ہے۔ (یہ بات) طے شدہ ہے کہ برائی کا پیدا کرنا نہیں ہے، بلکہ برا کام اور عمل برا ہے۔

تیسرا گروہ وحدت وجود کا قائل ہے، یعنی خارج میں صرف ایک ہی موجود ہے اور وہ حق سبحانہ کی ذات ہے اور عالم کا خارج میں ہرگز کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ علمی ثبوت ہے۔ کہتے ہیں: **الْأَعْيَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَةَ الْوُجُودِ**۔ یعنی: اعیان (اشیاء) نے وجود کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔

اگرچہ یہ جماعت بھی عالم کو حق سبحانہ کا ظل کہتی ہے، لیکن (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ ان کا ظلی وجود صرف مرتبہ حس میں ہے (اور مرتبہ) نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔ نیز ذات حق عز وجل کو صفات و جوہیہ اور امکانیہ سے متصف سمجھتے ہیں اور تنزلات کے مراتب کو ثابت کرتے ہیں اور ہر مرتبہ میں اسی ذات احد کو اس مرتبہ کے لائق احکام سے متصف کرتے ہیں اور اسی ذات الہی عز شانہ کو لذت حاصل کرنے اور رنج اٹھانے والی بھی جانتے ہیں۔ لیکن ان محسوسہ متوہمہ ظلال کے پردہ میں ان پر بہت زیادہ عقلی و شرعی اشکال وارد ہوتے ہیں، جن کے جواب میں وہ حیلے اور تکلفات کرتے ہیں۔ اگرچہ اس گروہ کے لوگ وصل و کمال کے درجات کے فرق سے واصل و کامل ہیں، لیکن ان کی باتوں نے خلقت کی گمراہی اور الحاد کی جانب رہنمائی کی ہے اور زندقہ (بے دینی) تک پہنچایا ہے۔

پہلے گروہ کے لوگ اکمل اور اتم ہیں اور کتاب و سنت کے ساتھ اسلم اور اوفق ہیں۔ لیکن ان کا اسلم اور اوفق ہونا ظاہر ہے اور اکمل و اتم ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ بعض مراتب میں نہایت لطافت اور تجرد کے موجب (اپنے) مبدء (حق سبحانہ) کے ساتھ مشابہت و مناسبت رکھتے ہیں، جس طرح کہ (لطیفہ) خفی اور (لطیفہ) انفی۔

پس وہ جماعت جس کے لوگ فنائے سڑی کے باوجود ان مراتب کو (اپنے) مبداء سے جدا نہیں کر سکتے، تاکہ ”لا“ کے نیچے لا کر ان کی نفی کریں، بلکہ مبداء ان کے نزدیک ملحق اور متشابہ رہا اور انہوں نے خود کو عین حق سمجھا (اور) کہنے لگے کہ خارج میں صرف حق سبحانہ ہی ہے اور ہمارا ہرگز وجود نہیں ہے، لیکن چونکہ آثار خارجہ کا پیشہار ہونا ثابت ہے، لہذا ضرورت کے تحت ثبوت علمی کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اعیان کو وجود اور عدم کے درمیان برزخ کہتے ہیں۔ چونکہ وہ مخلوقات کے وجودوں کے بعض مراتب کو مبداء سے جدا نہ کر سکے، لہذا اس کے وجود کے وجوب کے قائل نہ ہو کر اس کو برزخ کہنے لگے اور انہوں نے وجوب کے رنگ کو ممکن میں ثابت کیا اور نہ سمجھے کہ وہ رنگ بھی ممکن کی طرح کا رنگ ہے، جو واجب کے مشابہ ہے، خواہ وہ صورت اور اسم میں ہو۔ اگر وہ اس رنگ کو جدا کرتے اور ممکن کو پوری طرح واجب سے الگ کرتے تو ہرگز خود کو حق عزوجل نہ سمجھتے، بلکہ عالم کو حق سے الگ کرتے اور ایک وجود کے قائل نہ بنتے۔ جب تک اس شخص سے کوئی اثر باقی نہ رہے۔ وہ خود کو حق (تعالیٰ) نہیں سمجھتا، اگرچہ وہ جانتا ہے کہ مجھ سے کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ یہ بھی اس کی کوتاہ نظری (کی وجہ) سے ہے۔

دوسرے گروہ نے اگرچہ ان مراتب کو بھی مبداء سے جدا سمجھا اور کلمہ ”لا“ میں لا کر ان کی نفی کر دی، لیکن ایک دوسرے کے ظل اور اصل ہونے کی وجہ سے ایک چیز ان کے وجود کی بقا سے ثابت رہی، کیونکہ ظل کا اصل سے تعلق کا رشتہ بہت مضبوط ہے، (لہذا) یہ نسبت ان کی نظر سے مخفی ہوئی۔

لیکن پہلے گروہ نے حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوٰات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے ساتھ کمال مناسبت اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) متابعت کی وجہ سے ممکن کے سب مراتب کو واجب سے الگ کر دیا اور سب کو کلمہ ”لا“ کے تحت لا کر نفی کر دی اور انہوں نے ممکن کی وجہ سے الگ کے ساتھ کوئی مناسبت نہ دیکھی اور کسی نسبت کو اس کے ساتھ ثابت نہیں کیا اور خود کو غیر مقدور (عاجز) بندہ مخلوق کے سوا کچھ نہیں سمجھا اور اللہ عز شانہ کو اپنا خالق اور مولیٰ جانا۔ خود کو مولیٰ سمجھنا اور اس کا ظل خیال کرنا ان بزرگواروں پر سخت گراں اور دشوار گزرتا ہے:

ع مَا لِلثَّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو پروردگار عالم سے کیا نسبت ہے۔

یہ بزرگوار چیزوں کو حق سبحانہ کی مخلوق ہونے کی وجہ سے دوست رکھتے ہیں اور یہ ان کی نظر میں محبوب دکھائی دیتی ہیں۔ نیز اسی وجہ سے کہ وہ حق (تعالیٰ) کی بنائی ہوئی ہیں اور ان کے افعال کو بھی اللہ جل شانہ ہی نے بنایا ہے، (لہذا) وہ چیزوں کو پوری طرح ماننے اور تسلیم کرتے ہیں اور ان کے افعال کا بھی انکار نہیں کر سکتے، مگر یہ کہ جس جگہ شریعت ان کا انکار کرے۔ جس طرح کہ ارباب توحید کو اشیا کے ساتھ ان کے مظہر ہونے کی وجہ سے، بلکہ حق سبحانہ کی نسبت اشیا کے عین ہونے کی بنا پر اس طرح کی محبت و اطاعت حاصل ہوتی ہے، ان لوگوں کو صرف ان کے مصنوع اور مخلوق ہونے سے ہاتھ آ جاتی ہے:

ع نہیں کہ تفاوت رہ از کجاست تا کجا

یعنی: تو دیکھ لے کہ راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

محبوب کے عین کو تھوڑی سی محبت سے بھی دوست رکھا جاسکتا ہے، لیکن اس کی بنائی ہوئی چیزوں، مخلوقات اور بندوں کو

جب تک وہ محبوب کے ساتھ کمال محبت پیدا نہ کریں، دوست نہیں رکھ سکتے اور محبوب نہیں خیال کرتے۔ اس بلند گروہ کو عبدیت کے مقام سے جو تمام مقاماتِ ولایت کی انتہا ہے، کامل حصہ نصیب ہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کے حال کی صحت پر اس سے کامل تر اور کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے تمام کشف کتاب و سنت اور شریعت کے ظاہر کے مطابق ہیں اور ان میں بال برابر بھی ظاہر شریعت کی مخالفت واقع نہیں ہوئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّهِمْ وَ مُتَابِعِيهِمْ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وَ بَارَکَ۔ یعنی: اے اللہ! ہمیں (حضرت) محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم و بارک کے صدقے ان (بزرگواروں) کے محبوبوں اور فرمانبرداروں میں سے بنا۔

جس درویش (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ) سے ان سطور (کی تحریر) کا فائدہ حاصل ہوا ہے، وہ اوّل توحید (وجودی) کا معتقد تھا۔ بچپن کے زمانہ سے اس توحید (وجودی) کا علم رکھتا تھا اور یقین حاصل ہو چکا تھا، اگرچہ حال نہ رکھتا تھا۔ جب وہ اس راستے میں آیا تو پہلے توحید کی راہ منکشف ہوئی اور اس نے ایک مدت تک اس مقام کے مراتب میں گردش کی اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے، ان کا فیض ملا اور جو مشکلات اور واردات ارباب توحید پر وارد ہوتی ہیں، وہ کشف اور فیض پہنچانے والے علوم سے حل ہو گئیں۔ اس کے بعد ایک اور نسبت نے اس درویش پر غلبہ پایا اور اس نے اس کے غلبہ میں توحید (وجودی) میں توقف کیا، لیکن یہ توقف حسن ظن سے تھا، انکار سے نہیں تھا۔ ایک مدت تک متوقف رہا، لیکن بالآخر معاملہ انکار تک جا پہنچا۔ اور ظاہر کیا گیا کہ یہ مرتبہ پست ترین ہے، سامان کو ظلیت کے مقام میں لے جایا جائے۔ لیکن (درویش) اس انکار میں بے اختیار تھا، نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر آئے، اس وجہ سے کہ مشائخ عظام اس مقام میں اقامت رکھتے ہیں۔ جب مقام ظلیت میں پہنچا اور خود کو اور عالم کو ظل پایا، جس طرح کہ دوسرے گروہ کے لوگ قائل ہیں تو یہ آرزو ہوئی کہ کاش (درویش) کو اس مقام سے نہ نکالا جائے، کیونکہ (درویش) کمال وحدت وجود ہی میں سمجھتا تھا اور یہ مقام درحقیقت اس سے مناسب رکھتا ہے۔ اتفاقاً کمال عنایت اور غریب نوازی سے (درویش کو) اس مقام سے بھی اوپر لے گئے اور مقام عبدیت میں پہنچایا گیا۔ اس وقت اس مقام کا کمال نظر آیا اور اس کی بلندی واضح ہو گئی اور (درویش نے) گزشتہ مقامات سے توبہ واستغفار کی۔ اگر اس درویش کو اس طرح سے (اوپر) نہ لے جاتے اور بعض (مقامات) کی بعض سے فوقیت ظاہر نہ کرتے تو وہ اپنے تنزل کو اس مقام میں سمجھتا، کیونکہ اس کے نزدیک توحید (وجودی) سے اوپر کوئی اور مقام نہ تھا: وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ، وَهُوَ یَهْدِی السَّبِيلَ۔ یعنی: اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ علوم و معارف کے فرق کا جو سبب مکتوبات و رسائل میں اس درویش سے، بلکہ ہر سالک سے بھی بیان ہوا ہے، یہی مختلف مقامات کے حاصل ہونے کا فرق ہے، (کیونکہ) ہر مقام کے علوم و معارف جدا ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے۔ پس درحقیقت علوم میں کوئی مزاحمت اور مخالفت نہیں ہے، بلکہ (یہ) شرعی احکام کے نسخ کی طرح ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُتَمَرِّئِينَ (سورۃ آل عمران، ۶۰) وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

یعنی: پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں، اور ہمارے سردار (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل (اطہار) پر درود (وسلام) ہو۔

مکتوب نمبر (۱۶۱)

ملا صالح بدخشی کولابی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کا مقصد ایمان حقیقی کا حاصل کرنا ہے، جو اطمینانِ نفس سے وابستہ ہے۔

سلوک کی منزلیں طے کرنے کا مقصد ایمان حقیقی کا حاصل کرنا ہے جو اطمینانِ نفس سے وابستہ ہے۔ جب تک نفس مطمئنہ نہ بن جائے، نجات کی توقع نہیں ہے۔ نفس اطمینان کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا، جب تک قلب کی صلاحیت کی تدبیر نہ کریں اور قلب کی صلاحیت اس وقت میسر ہوتی ہے جب قلب اس کام سے فارغ ہو جائے اور اللہ سبحانہ کے علاوہ چیزوں کی گرفتاری سے سلامتی حاصل کر لے اور اس سلامتی کی علامت ماسوی اللہ تعالیٰ و تقدس کو بھول جاتا ہے اور (ساک) جب تک بال برابر بھی غیر سے آگاہ ہے، سلامتی سے گمراہ ہے۔ فَطُوبَىٰ لِمَنْ سَلِمَ قَلْبُهُ لِرَبِّهِ۔ یعنی: پس سعادت مند ہے وہ شخص جس کا دل اللہ تعالیٰ کے لیے سلامت ہو گیا۔

کوشش کرنا ضروری ہے، تاکہ قلب کی سلامتی سے مشرف ہو جائے اور نفس کا اطمینان حاصل ہو جائے۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (سورۃ الحديد، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۶۲)

خواجہ محمد صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ رمضان مبارک کی فضیلت کے بارے میں اور اس کی قرآن مجید کے ساتھ مناسبت، کہ اس کے نازل ہونے کا سبب اس ماہ میں ہوا ہے اور کجیور کی جامعیت کا بیان جس سے افطار (کرنا) مستحب ہے اور جو کچھ اس سے متعلق ہے۔

بِاسْمِهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔

(اللہ سبحانہ کے) کلام کی جو شان شیونات ذاتیہ میں سے ہے وہ تمام کمالات ذاتی اور شیونات صفاتی کا جامع ہے، جس طرح کہ پہلے علوم (دفتر ۱: ۱۴) میں ذکر کیا گیا ہے اور رمضان مبارک کا مہینہ خیرات و برکات کا جامع ہے۔ جو خیر و برکت بھی ہے وہ حضرت اللہ سبحانہ و تعالیٰ و تقدس کی ذات (پاک) کی طرف سے فیض پہنچا رہی ہے اور اللہ سبحانہ کے شیونات کا نتیجہ ہے، کیونکہ جو شر اور نقص بھی وجود میں آتا ہے، اس کا منشاء اور مبداء ذات و صفات محدثہ ہے۔ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (سورۃ النساء، ۷۹) نص قاطع ہے۔ یعنی: تجھے جو فائدہ پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامتِ اعمال کی) وجہ سے ہے۔

پس اس مبارک مہینے کی تمام خیرات و برکات ان کمالات ذاتیہ کا نتیجہ ہے، جن کی جامع شان کلام ہے اور قرآن مجید اس جامع شان کی تمام حقیقت کا حاصل ہے۔ پس اس مبارک مہینہ کو قرآن مجید کے ساتھ مکمل مناسبت ہے، کیونکہ قرآن مجید ان تمام کمالات کا جامع اور یہ مہینہ ان تمام خیرات کا جامع ہے، جو ان کمالات کے نتائج اور ثمرات ہیں اور یہی مناسبت اس

مہینے میں قرآن مجید کے نازل ہونے کا سبب بنی ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ. (سورة البقرة، ۱۸۵)

یعنی: رمضان (وہ) مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے۔

شب قدر اس مہینے میں ہے جو اس مہینے کا خلاصہ اور زبدہ ہے۔ وہ رات اس کا مغر ہے اور یہ مہینہ اس کی کھال کی صورت میں ہے۔ پس جو شخص اس ماہ کو جمعیت کے ساتھ گزارے اور اس کی خیرات و برکات سے فائدہ اٹھائے، وہ سارا سال جمعیت سے گزارے گا اور خیر و برکت سے لبریز و معمور رہے گا۔ وَفَقْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ لِلْخَيْرَاتِ وَالْبَرَكَاتِ فِي هَذَا الشَّهْرِ الْمُبَارَكِ وَرَزَقْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ النَّصِيبُ الْأَعْظَمُ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اس مبارک مہینے کی خیرات و برکات حاصل کرنے کی توفیق بخشے اور اللہ سبحانہ ہمیں اس سے بہت زیادہ حصہ نصیب فرمائے۔

حضرت رسالت خاتمت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتَّحِيَّةُ نے فرمایا ہے: إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ. (۱) یعنی: جب تم میں سے کوئی افطار کرنا چاہے تو وہ کھجور سے افطار کرتے، کیونکہ بیشک اس میں برکت ہے۔

آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور سے روزہ افطار فرمایا ہے۔ کھجور میں برکت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا درخت ایسا درخت ہے جو (اپنی) جامعیت اور صفتِ اعدلیت کے لحاظ سے انسان جیسی مخلوق ہے۔ اسی لیے رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے کھجور کو بنی آدم کی پھوپھی فرمایا ہے، کیونکہ وہ آدم کی مٹی سے پیدا ہوا ہے، جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: أَكْرَمُوا عَمَّتَكُمْ النَّخْلَةَ فَإِنَّهَا خَلَقَتْ مِنْ بَقِيَّةِ طِينَةِ آدَمَ. (۲) یعنی: تم اپنی پھوپھی کھجور کے درخت کی تکریم کرو، پس یہ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا ہوئی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اس کی اسی جامعیت کے اعتبار سے اس کا نام ”برکت“ رکھا گیا ہو۔ پس اس کے پھل سے، جو کھجور ہے، افطار کرنا، صاحب افطار کا جزو بن جاتا ہے اور اس کی حقیقت جامعہ اس جزئیت کے لحاظ سے اس کے کھانے والے کی حقیقت کا جزو ہو جاتی ہے اور اس کا کھانے والا اس اعتبار سے ان بے شمار کمالات کا جامع بن جاتا ہے، جو اس کھجور کی حقیقت جامعہ میں درج ہیں۔

یہ حقیقت اگرچہ اس کے مطلق کھانے میں حاصل ہو جاتی ہے، لیکن افطاری کے وقت میں جو روزہ دار کی منع شدہ شہوتوں اور فانی لذتوں سے خالی ہونے کا وقت ہے، اس کا کھانا زیادہ تاثیر کرتا ہے اور وہ حقیقت پوری طرح اور مکمل طور پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ آنسرور علیہ من الصلوٰات اتمہا ومن التحیات اکملہا نے جو فرمایا ہے: نَعْمَ سُحُورُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ. (۳) یعنی: مومن کی بہترین سحری کھجور ہے۔

یہ اس اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ اس کی غذا میں جو صاحب غذا کی جزو بنتی ہے، اس کی حقیقت کی تکمیل ہے، نہ کہ اس کی غذا کی حقیقت۔ چونکہ یہ حقیقت روزہ میں مفقود ہے تو اس کی تلافی کے لیے کھجور کی ساحری پر ترغیب فرمائی کہ گویا اس کا کھانا تمام کھانے کی چیزوں کے کھانے کا فائدہ رکھتا ہے اور اس کی برکت جامعیت کے اعتبار سے افطاری کے وقت تک رہتی ہے۔ غذا کا جو فائدہ مذکور ہوا ہے، یہ اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ غذا شرعی جواز کے مطابق واقع ہو اور شرعی حدود سے بال کے برابر بھی متجاوز نہ ہو۔ نیز اس فائدہ کی حقیقت اس وقت میسر ہوتی ہے جبکہ اس کا کھانے والا صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچے

گیا ہو اور وہ ظاہر سے باطن میں آگیا ہو (اور) غذا کا ظاہر اس کے ظاہر کا مدگار ہو اور غذا کا باطن اس کے باطن کی تکمیل کرے، ورنہ صرف ظاہری امداد مقصور ہے اور اس کا کھانے والا عین تصور میں ہے:

سعی کن تا لقمہ را سازی گہر بعد ازاں چند آنکہ میخوای بخور
یعنی: تو کوشش کرتا کہ لقمہ کو گہر بنائے، اس کے بعد جتنا چاہے کھا۔

افطاری میں جلدی کرنے اور سحری میں دیر کرنے میں یہی حکمت ہے کہ روزہ دار کی غذا مکمل ہو جائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۶۳)

سرداری اور قیادت کی پناہ شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دوسروں کے جمع ہونے کا گمان محال ہے۔ ایک کو عزت دینے سے دوسرے کی ذلت لازم آتی ہے۔ مکتوب شریف کے آخر تک حضرت مجدد سلمہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ذلیل کرنے، ان سے میل جول نہ رکھنے اور ان کے اس میل جول کے نقصان (کے بارے) میں تحریر فرمایا ہے اور اس بیان میں کہ دنیا و آخرت بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْعَمَ عَلَيْنَا وَهَدَانَا إِلَى الْإِسْلَامِ وَجَعَلَنَا مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے، جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہمیں اسلام کی جانب ہدایت بخشی اور ہمیں (حضرت) محمد علیہ الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ کی امت میں بنایا۔

دو جہان کی سعادت صرف سید الکونین علیہ وعلیٰ الہ من الصَّلَوَاتِ وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ اكْمَلُهَا کی فرمانبرداری سے وابستہ ہے اور آنحضرت علیہ الصَّلَاةُ وَالسَّلَام کی فرمانبرداری اسلامی احکام کے بحالانے اور کفر کی رسوں کے چھوڑ دینے میں ہے، کیونکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا ثابت کرنا دوسرے کو چھوڑ دینے کا سبب ہے۔ ان دو ضدوں کے جمع ہونے کا احتمال ناممکن ہے اور ایک کو عزت دینے سے دوسرے کی ذلت لازم آتی ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب (حضرت محمد) علیہ الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ کو فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (سورۃ التحریم، ۹)

یعنی: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے لڑیں اور ان پر سختی کریں۔

پس (اللہ سبحانہ) نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، جو بلند اخلاق سے متصف ہیں، کافروں کے ساتھ جہاد اور سختی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (اس سے) معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ سختی کرنا بلند اخلاق میں داخل ہے۔ پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی رسوائی میں ہے۔ جس شخص نے کافروں کو عزیز رکھا، اس نے مسلمانوں کو رسوا کیا۔ عزیز رکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کی یقیناً تعظیم کریں اور بلند (جگہ) بٹھائیں، بلکہ ان کو اپنی مجلسوں میں جگہ دینا، ان کے ساتھ ہم نشینی کرنا اور ان کے ساتھ بات چیت کرنا بھی عزت کرنے میں داخل ہے۔ کتوں کی طرح ان کو دُور رکھنا چاہیے۔ اگر دنیاوی اغراض میں سے کوئی غرض ان سے متعلق ہو اور وہ ان کے بغیر میسر نہ ہوتی تو پھر بھی بے اعتباری کے طریقہ کو سامنے رکھتے ہوئے بقدر ضرورت ان سے مشغول ہونا چاہیے۔ اسلام کا کمال تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض میں بھی ان کو چھوڑ دیا جائے اور ان سے مشغول نہ ہوا

جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں اہل کفر کو اپنا دشمن اور اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دشمن فرمایا ہے۔^(۱) پس اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان دشمنوں کے ساتھ میل جول کرنا اور محبت رکھنا بھاری گناہوں میں سے ہے۔ ان دشمنوں کی ہم نشینی اور میل جول کا کم سے کم نقصان یہ ہے کہ شرعی احکام کے جاری کرنے اور کافرانہ رسموں کے مٹانے کی طاقت مغلوب ہو جاتی ہے اور دوستی کا حیا اس میں رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی اور اُلفت رکھنا اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی تک پہنچا دیتا ہے۔ ایک شخص گمان کرتا ہے کہ وہ اہل اسلام میں سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھنے کی تصدیق بھی کرتا ہے، لیکن نہیں سمجھتا کہ اس قسم کے برے اعمال اس کے اسلام کی دولت کو پوری طرح مٹا دیتے ہیں۔

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔^(۲)

یعنی: ہم اپنے نفس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں:

خواجه پندارد کہ مرد واصل است حاصل خواجه بجز پندار نیست

یعنی: خواجه خیال کرتا ہے کہ وہ واصل آدمی ہے، لیکن خواجه کو (اس) خیال کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ان نکتوں کا کام اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تمسخر اور مذاق کرنا ہے اور وہ منتظر ہیں کہ اگر قابو پائیں تو ہمیں اسلام سے خارج کر دیں، یا سب کو قتل کر دیں، یا کفر کی طرف لوٹا دیں۔ پس اہل اسلام کو بھی شرم کرنی چاہیے، کیونکہ الْحَيَاءُ (شُعْبَةُ) مِنَ الْاَيْمَانِ۔^(۳) یعنی: حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

مسلمانی کی آبروروری ہے اور ہمیشہ ان (کافروں) کے مقام کی تذلیل کی فکر میں لگا رہنا چاہیے۔ ہندوستان میں اہل کفر سے جو جزیہ روک دیا گیا ہے، یہ اس ملک کے بادشاہوں کے ساتھ اہل کفر کی ہم نشینی کی بدبختی کی وجہ سے ہے۔ ان سے جزیہ لینے کا اصلی مقصد ان کی رسوائی ہے اور یہ رسوائی اس حد تک ہے کہ وہ جزیہ کے خوف سے اچھا کپڑا نہیں پہن سکتے اور شان و شوکت سے نہیں رہ سکتے اور ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں۔ بادشاہوں کو کیا حق پہنچتا کہ وہ ان سے جزیہ کے مال لینے سے منع کر دیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جزیہ کو ان کی رسوائی کے لیے مقرر کیا ہے۔ (اس کا) مقصد ان کی رسوائی ہے اور اہل اسلام کی عزت اور غلبہ ہے:

ع جہود ہر کہ شود کشتہ سودِ اسلام است

یعنی: کافر جس قدر مارا جائے اسلام کا فائدہ ہے۔

دولتِ اسلام کے حاصل ہونے کی نشانی کافروں کے ساتھ بغض اور دشمنی (رکھنا) ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں ان کو نجس فرمایا ہے اور دوسری جگہ جس فرمایا ہے۔ پس اہل اسلام کی نظر میں اہل کفر نجس اور پلید ہونے چاہئیں اور جب یوں دیکھیں اور جانیں گے تو یقیناً ان کی صحبت سے پرہیز کریں گے اور ان کی مجلس میں جانے کو برا سمجھیں گے۔ ان سے چیزوں کے پوچھنے اور ان کے کہنے کی رو سے عمل کرنے میں ان دشمنوں کی کمال عزت کرنا ہے۔ جوہت (دعا) ان سے طلب کی جائے اور جو دعائیں ان کے توسط سے مانگی جائے، وہ کیا ہوگی؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے کلامِ مجید میں فرماتا ہے:

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ (سورۃ الرعد، ۱۴) یعنی: اور کافروں کی دعا محض بیکار ہے۔

ان دشمنوں کی دعا بیکار اور بے فائدہ ہے۔ اس کی قبولیت کا یہاں کیا گمان ہے؟ ہاں! اس قدر فساد لازم آتا ہے کہ ان کتوں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر وہ دعا کریں گے تو اپنے بتوں کو وسیلہ بنائیں گے۔ خیال کرنا چاہیے کہ معاملہ کہاں تک پہنچ جاتا ہے اور مسلمانی کی بوجھ بھی باقی نہیں رہتی۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے: جب تک تم میں سے کوئی دیوانہ نہیں ہوتا، مسلمانی تک نہیں پہنچتا۔ دیوانگی سے مراد ہے کہ کلمہ اسلام کو بلند کرنے کے لیے اپنے نفع و نقصان کو بھلا دیا جائے۔ مسلمانی کی صورت میں جو کچھ پیش آئے آتا رہے اور اگر نہیں آتا تو نہ آئے۔ چونکہ جب مسلمانی (نصیب) ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا اور اس کے محبوب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام واثقہ کی رضا بھی حاصل ہے۔ کوئی دولت مولیٰ (تعالیٰ) کی رضا سے زیادہ بڑی نہیں ہے۔ رَضِينَا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ رَبَّنَا وَبِالْإِسْلَامِ دِينَنَا وَبِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَبِيَّنَا وَرَسُولَنَا (۴)۔

یعنی: ہم اللہ سبحانہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر راضی ہیں۔

ع ہم برینم بداریم یارب
یعنی: اے پروردگار! مجھے بھی اسی پر (قائم) رکھنا۔

سَيِّدَ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا کے صدقے، اور اول و آخر میں سلام ہو۔

(فقیر نے) جلدی میں جو کچھ ضروری اور لازمی سمجھا، وہ مختصر طور پر لکھ کر بھیج دیا اور بعد میں اگر توفیق نے ساتھ دیا تو اس سے زیادہ مفصل لکھ کر بھیجا جائے گا۔

جیسا کہ اسلام کفر کی ضد ہے، آخرت بھی دنیا کی ضد ہے۔ دنیا اور آخرت جمع نہیں ہوتیں۔ دنیا کے ترک کرنے کی دو اقسام ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ ضرورت کے سوا اس کی تمام چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔ یہ دنیا ترک کرنے کی اعلیٰ قسم ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ حرام اور شبہ والی چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے مباح امور سے راحت حاصل کی جائے۔ یہ قسم بھی اس زمانے میں بہت عزیز الوجود ہے:

آسمان نسبت بعرش آمد فردود ورنہ بس عالیست پیش خاک تود
یعنی: آسمان اگرچہ عرش سے نیچے ہے، لیکن وہ زمین سے بلند ہے۔

پس مجبوراً سونے، چاندی، ریشمی لباس اور اس طرح کی چیزیں جن کو شریعت مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرام کیا ہے، سے پرہیز کیا جائے۔ سونے اور چاندی کے برتن اگر آرائش کے لیے استعمال کیے جائیں تو اس کی گنجائش ہے، لیکن ان کا استعمال کرنا حرام ہے، (مثلاً) ان میں کھانا پینا، خوشبو رکھنا، اور سرمہ دانی بنانا وغیرہ (حرام ہے)۔

مختصر یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مباح امور کا دائرہ بہت وسیع بنایا ہے، ان سے راحت و نفع حاصل کرنا حرام چیزوں کی نسبت زیادہ عیش و لذت والا ہے، کیونکہ مباح چیزوں میں اللہ سبحانہ کی رضا ہے اور حرام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ عقل سلیم اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ کوئی شخص اس لذت کے لیے جو کہ بقا بھی نہیں رکھتی، اپنے مولیٰ (تعالیٰ) کی ناراضگی اختیار کرے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس حرام لذت کے مقابلے میں مباح لذت بھی تجویز فرمائی ہے۔ رَزَقَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ الْإِسْتِقَامَةَ عَلَى مُتَابَعَةِ صَاحِبِ الشَّرِيعَةِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔
یعنی: اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ و آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی اتباع پر استقامت نصیب فرمائے۔

حلال و حرام کے معاملہ میں ہمیشہ دین دار علماء کی جانب رجوع کرنا چاہیے اور ان ہی سے معلوم کرنا چاہیے اور ان کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا چاہیے، کیونکہ نجات کا راستہ شریعت ہے اور شریعت کے سوا جو کچھ ہے وہ باطل اور بے اعتبار ہے۔
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَلُ۔ (سورۃ یونس، ۳۲) یعنی: اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟
وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۶۴)

حافظ بہاء الدین سرہندی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اللہ سبحانہ کا فیض ہمیشہ خاص و عام پر وارد (ہوتا) ہے، اس کے قبول کرنے اور نہ کرنے کا فرق بندہ کی جانب سے پیدا ہوتا ہے۔
اللہ سبحانہ اپنے احسان اور کرم سے شریعت کے راستے پر استقامت بخشے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فیض ہمیشہ خاص و عام اور بزرگوں و نالائقوں پر، خواہ وہ مال و اولاد کی قسم سے ہو اور خواہ ہدایت و ارشاد کی قسم سے ہو، بلا تفریق وارد (ہوتا) ہے، (لیکن) بعض فیوض کے قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق بندہ کی جانب سے پیدا ہوتا ہے: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔ (سورۃ النحل، ۳۳)

یعنی: اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔
گرمی کا سورج دھوبی اور کپڑے پر ایک جیسا چمکتا ہے۔ دھوبی کا چہرہ سیاہ اور اس کا کپڑا سفید ہو جاتا ہے، یہ قبول نہ کرنا اللہ جل سلطانہ کی پاک بارگاہ سے منہ موڑنے کی وجہ سے ہے۔ منہ موڑنے والے کے لیے بد نصیبی لازم ہے اور نعمت سے محرومی ضروری ہے۔ یہاں کوئی یہ نہ کہے کہ بہت سے منہ موڑنے والے ایسے ہیں جو دنیاوی راحتوں سے ممتاز ہیں اور منہ موڑنا ان کی محرومی کا سبب نہیں بنا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ وہ بد قسمتی ہے جو استدراج کے طور پر اس کی خرابی کے لیے نعمت کی صورت میں ظاہر کی گئی ہے، تاکہ وہ منہ موڑنے اور گمراہی میں محو ہو جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَيْنَيْنَا نَسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ۔ (سورۃ المؤمنون، ۵۵-۵۶)

یعنی: کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی

میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔

پس منہ موڑنے کے باوجود دنیا اور اس کی راحتیں عین خرابی ہیں۔ اس سے بچو، بچو! والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۶۵)

سرداری اور قیادت کی پناہ والے شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی اتباع کی ترغیب اور آپ علیہ الصلوٰة والسلام کی شریعت کے مخالفوں کے ساتھ دشمنی اور بغض رکھنے اور ان پر سختی کرنے (کے بیان) میں۔

شَرَفَكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ بِتَشْرِيفِ الْمِيرَاثِ الْمَعْنَوِيِّ مِنَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الْقُرَشِيِّ الْهَاشِمِيِّ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا كَمَا شَرَفَكُمْ بِتَشْرِيفِ الْمِيرَاثِ الصُّورِيِّ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو نبی امی قرشی ہاشمی (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وعلی آلہ من الصلوٰات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی معنوی میراث کے شرف سے مشرف فرمائے، جیسا کہ اس نے آپ کو ظاہری میراث کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔

ع وَيَرْحَمُ اللَّهُ عَبْدًا قَالَ آمِينَ

یعنی: اور اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

آنسرو علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی ظاہری میراث عالم خلق سے تعلق رکھتی ہے اور معنوی میراث عالم امر سے متعلق ہے، جہاں سراسر ایمان و معرفت اور رشد و ہدایت ہے۔ ظاہری میراث کی بزرگ نعت کا شکریہ ہے کہ (آپ) معنوی میراث سے آراستہ ہو جائیں اور معنوی میراث سے آراستہ ہونا (حضرت) مصطفیٰ علیہ الصلوٰة والسلام والتحیہ کی کامل اتباع کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ پس آپ پر اوامر و نواہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کرنا واجب ہے:

ع إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ هُوَ مُطِيعٌ

یعنی: بلاشبہ عاشق محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال (درجہ) کی محبت کی علامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ کمال (درجہ) کا بغض رکھنا ہے اور آپ علیہ الصلوٰة والسلام کے مخالفوں کے ساتھ عداوت کا اظہار کرنا ہے۔ محبت میں سستی کی گنجائش نہیں ہے۔ محبت محبوب کا دیوانہ ہوتا ہے، وہ مخالفت کی تاب نہیں رکھتا اور محبوب کے مخالفوں کے ساتھ کسی طرح بھی صلہ نہیں کرتا۔ دو مختلف محبتیں جمع نہیں ہوتیں، دو ضدوں کا جمع ہونا محال کہا گیا ہے۔ ایک کی محبت دوسرے کی عداوت کو لازم کرتی ہے۔ خوب غور فرمانا چاہیے، کیونکہ ابھی معاملہ ہاتھ سے نہیں نکلا ہے، گزشتہ کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔ کل کو معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور شرمندگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا:

بوقت صبح شود ہنچو روز معلومت کہ با کہ باحیۂ عشق در شب دیجور

یعنی: صبح کے وقت تجھے دن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تو نے اندھیری رات میں کس کے ساتھ عشق کو ضائع کیا تھا۔

دنیا کی دولت سب غرور ہی غرور ہے اور آخرت کا ابدی معاملہ اسی پر ترتیب پائے گا۔ چند روز کی زندگی اگر سیدِ اولین و آخرین علیہ علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی اتباع میں گزاری جائے تو پھر ابدی نجات کی امید ہے، ورنہ سب کچھ بیکار ہے (خواہ) کوئی شخص ہو اور کیسا ہی نیک عمل اس نے کیا ہو:

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دو سراست کسی کہ خاکِ درش نیست خاکِ بر سر او
یعنی: عرب کے (حضرت) محمدؐ (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) جو دونوں جہان کی آبرو ہیں، اس آدمی کے سر پر خاک ہو جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے در کی خاک نہیں ہے۔

متابعت کی دولتِ عظمیٰ کا حاصل ہونا دنیا کو پوری طرح ترک کرنے پر موقوف نہیں ہے، تاکہ مشکل نظر آئے، بلکہ اگر فرض کی گئی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو نقصان کے نہ پہنچنے میں (یہ) ترکِ کل کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ جس مال پر زکوٰۃ دی گئی ہو وہ نقصان سے بچ جاتا ہے۔ پس دنیاوی مال سے نقصان کو دور کرنے کا علاج اس سے زکوٰۃ نکالنے میں ہے۔ اگرچہ ترکِ کلی بہتر و افضل ہے، لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اس کا کام کرتی ہے:

آسمان نسبتِ بعرش آمدِ فرد ورنہ بس عالی است پیشِ خاک تو
یعنی: آسمان اگرچہ عرش سے نیچے ہے، لیکن وہ زمین سے بلند ہے۔

پس ضروری ہے کہ ہمیشہ ہمت کو شرعی احکام کی بجا آوری میں صرف کیا جائے اور اہل شریعت علماء و صلحاء کی تعظیم اور عزت کرنی چاہیے اور شریعت کی ترویج میں کوشش کرنی چاہیے اور اہل بدعت کو ذلیل و خوار کرنا چاہیے: مَنْ وَقَرَّ صَاحِبٌ بِدَعَاةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هٰذِهِمُ الْاِسْلَامَ۔^(۱) یعنی: جس نے بدعت کی تعظیم کی پس اس نے اسلام کے گرانے میں اس کی مدد کی۔

کفار جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے دشمن ہیں اور اس کے رسول علیہ علیہ الصلوٰات والتسلیمات کے دشمن ہیں، (ان کا) دشمن ہونا چاہیے اور اس کی ذلت و خواری میں کوشش کرنی چاہیے اور ان کو کسی طرح بھی عزت نہیں دینی چاہیے اور ان بد نصیبوں کو اپنی مجلس میں داخل نہیں ہونے دینا چاہیے اور ان سے محبت نہیں کرنی چاہیے اور ان کے ساتھ شدت اور سختی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو کسی معاملہ میں ان کی جانب رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ اگر بالفرض کوئی ضرورت پڑ جائے تو انسانی قضائے حاجت کی صورت میں کراہت و اضطراب کے ساتھ ان سے اپنی حاجت پوری کرنی چاہیے۔ جو راستہ آپ کے جد بزرگوار علیہ علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی بارگاہِ پاک تک پہنچاتا ہے، وہ یہ ہے۔ اگر اس راستہ پر نہ چلا جائے تو اس پاک بارگاہ تک پہنچنا مشکل ہے، افسوس ہائے افسوس!

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادٍ وَ ذُنُوبَهَا قُلُّ الْجَبَالِ وَ ذُنُوبُهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہو؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔
(فقیر) زیادہ اصرار کیا کرے؟

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است
یعنی: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غمِ دل بیان کیا ہے، تاکہ تو آزرده نہ ہو جائے ورنہ بات بہت لمبی ہے۔

مکتوب نمبر (۱۶۶)

ملا محمد امین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ چند روز کی فانی زندگی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے اور اس تھوڑی سی فرصت میں زیادہ ذکر کے ساتھ قلب کی بیماری کو دور کرنا چاہیے جو انتہائی ضروری کاموں میں سے ہے۔

میرے مخدوم! کب تک خود پر مہربان ماں کی طرح کانپنا چاہیے اور کب تک اپنے اوپر غصہ و غم سے پیچ و تاب کھانا چاہیے؟ خود کو اور سب کو مردہ خیال کرنا چاہیے اور چند بے حس و حرکت جمادگمان کرنا چاہیے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اَنْهُمْ مَيِّتُونَ۔ (یعنی: بیشک آپ بھی موت کی آغوش میں جانے والے ہیں اور یہ بھی مرجائیں گے۔ سورۃ الزمر، ۳۰) نص قاطع ہے۔ اس تھوڑی سی فرصت میں زیادہ ذکر کے ساتھ قلب کی بیماری کا دور کرنا انتہائی ضروری کاموں میں سے ہے اور اس قلیل مہلت میں رب جلیل کی یاد سے باطنی بیماری کا علاج کرنا عظیم مقاصد میں سے ہے۔ جو دل غیر کا گرفتار ہے اس سے خیر کی کیا توقع ہے؟ جو روح زیادہ چھوٹی چیز (دنیا) کی طرف مائل ہے، اس سے نفسِ امارہ بہتر ہے۔ وہاں (آخرت میں) سب سلامتی (قلب) طلب کرتے ہیں اور روح کی خلاصی چاہتے ہیں، لیکن ہم کوتاہ اندیش سراسر روح اور قلب کی گرفتاری کے اسباب حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ افسوس! ہائے افسوس! کیا کیا جائے؟ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلَكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ (سورۃ النحل، ۳۳) یعنی: اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

دوسرا (یہ کہ) آپ ظاہری ضعف پر فکر مند نہ ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (یہ) صحت و عافیت میں تبدیل ہو جائے گا۔ فقیر کا دل اس معاملے میں مطمئن ہے۔ فقیر کا جو کپڑا آپ نے طلب کیا تھا، کرتا بھیجا گیا ہے، آپ اس کو پہن لیں گے اور اس کے نتائج و ثمرات کے امیدوار رہیں گے، کیونکہ (یہ) بڑی برکت والا ہے:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است و آنکہ دیدش نقدِ خود مردانہ است

یعنی: جس شخص نے افسانہ کہا اس کے لیے افسانہ ہی ہے اور جس نے اسے نقد خود پایا، مردانہ ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی وَاَلْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَاَلٰہِ الصَّلٰوۃُ وَاَلتَّسْلِیْمٰتُ۔

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۶۷)

ہر دے رام ہندو کو تحریر فرمایا جس نے اس طریقہ عالیہ (نقشبند یہ مجددیہ) سے اخلاص کا اظہار کیا تھا۔ سب جہانوں کے پروردگار کی عبادت کی ترغیب میں جو بے مثل و بے مثال ہے، اور ہندوؤں کے باطل معبودوں کی پرستش سے بچنے (کے بیان میں)۔^(۱)

آپ کے دونوں مکتوب پہنچے اور دونوں سے فقرا کی محبت اور اس بلند گروہ سے التماس کرنے کا مفہوم واضح ہوا۔ کتنی (بڑی) نعمت ہے کہ آدمی کو اس دولت سے نوازا جائے۔ دوسرا (یہ کہ):

من آنچه شرطِ بلاغ است با تو می گویم تو خواه از ختم پند گیر و خواه ملال یعنی حق بات کہنے کا جو حق ہے، میں تجھ سے کہتا ہوں، خواہ تو میری بات سے نصیحت پکڑے یا رنجیدہ ہو۔

جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ ہمارا اور تمہارا پروردگار، بلکہ سب جہانوں، کیا آسمان اور کیا زمین والے، کیا بلند ترین اور کیا گھٹیا ترین کا پروردگار ایک ہی ہے اور وہ بے مثل و بے مثال اور تشبیہ و مشابہت سے پاک ہے اور شکل و مثال سے مبرا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے کسی کا باپ ہونا یا بیٹا ہونا محال ہے۔ اس ہستی پاک کا ہمسرا اور ہم مثل ہونے کی گنجائش کہاں ہے؟ اتحاد و حلول اللہ سبحانہ کی شان میں نازیبا ہے اور اس کی ذات کے بارے میں پوشیدہ ہونے اور ظاہر ہونے کا گمان برا ہے۔ وہ زمانی نہیں ہے، کیونکہ زمانہ اسی کی مخلوق ہے اور وہ مکانی نہیں ہے، کیونکہ مکان اسی کا بنایا ہوا ہے۔ اس کے وجود کی کوئی ابتداء نہیں ہے اور اس کی بقا کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ہر قسم کا خیر اور کمال اللہ سبحانہ کی ذات میں ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ہستی ہر طرح کے نقص و زوال سے پاک ہے۔ پس عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور پرستش کے لائق اللہ سبحانہ ہے۔

رام و کرشن اور اس طرح کے ہندوؤں کے جو دوسرے معبود ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی حقیر مخلوقات میں سے ہیں، اور وہ ماں اور باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ رام بحرِ ت کا بیٹا، کچھن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ جب رام اپنی بیوی کی حفاظت نہ کر سکا تو پھر کسی اور کی کیا مدد کرے گا؟ دورانِ دلش عقل سے کام لینا چاہیے اور ان کی تقلید پر نہیں چلنا چاہیے۔ ہزاروں شرم کی بات ہے کہ آدمی (سب) جہانوں کے پالنے والے کو رام یا کرشن کے نام سے یاد کرے۔ یہ اس طرح ہے جیسے عظیم الشان بادشاہ کو کمینے کا روبرو کے نام سے یاد کرے۔ رام اور کرشن کو ایک سمجھنا نہایت بے وقوفی ہے۔ خالق مخلوق جیسا نہیں ہوتا اور بے مثل ذات مثل کے ساتھ متحد نہیں ہوتی۔ رام اور کرشن کی پیدائش سے پہلے پروردگار عالم کو رام اور کرشن نہیں کہتے تھے۔ ان کے پیدا ہونے کے بعد کیا ہوا کہ رام اور کرشن کے نام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر اطلاق کرتے ہیں اور کرشن اور رام کی یاد کو پروردگار کی یاد سمجھتے ہیں۔ حَاشَا وَكَأَلَا ثُمَّ حَاشَا وَكَأَلَا۔ یعنی: ہرگز ایسا نہیں ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے۔

ہمارے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات، جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب گزرے ہیں، انہوں نے خلقت کو خالق کی عبادت کی ترغیب فرمائی ہے اور غیر کی پرستش سے منع کیا ہے اور خود کو عاجز بندہ سمجھا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور عظمت سے ڈرتے اور لرزتے رہے ہیں اور ہندوؤں کے معبودوں نے خلقت کو اپنی عبادت کی ترغیب دی ہے اور خود کو معبود سمجھا ہے۔ اگرچہ وہ پروردگار کے قائل ہیں، لیکن انہوں نے اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا حلول و اتحاد ثابت کیا ہے۔ اس طرح وہ خلقت کو اپنی پرستش کی دعوت دیتے ہیں اور خود کو معبود کہلاتے ہیں۔ وہ بلا خوفِ حرام چیزوں میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس گمان سے کہ معبود کو کوئی چیز منع نہیں ہے، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اس قسم کے بہت زیادہ فاسد خیالات رکھتے ہیں۔ صَلُّوْا فَاَصْلُوْا۔^(۲) یعنی: یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا ہے۔

برخلاف انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کہ انہوں نے جس چیز سے مخلوق کو منع فرمایا ہے، خود کو بھی پورے اور کامل طور پر اس چیز سے دور رکھا ہے، وہ خود کو سب انسانوں کی طرح انسان ہی کہتے تھے:

عینیں تفاوتِ راہ از کجاست تا کجاست^(۳)

یعنی: تو دیکھ لے کہ راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

مکتوب نمبر (۱۶۸)

مخدوم زادہ (خواجه) الملکنی یعنی (حضرت) خواجہ محمد قاسم کو تحریر فرمایا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بلندی اور اس جماعت کی شکایت کے بیان میں جنہوں نے اس طریقہ عالیہ میں نئی باتیں اور چیزیں شامل کر لی ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ.
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کی سب آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

اما بعد، مشائخ عظام کے سلسلوں کے مرکز، اولیائے عظام کے نتیجہ عالی جناب، سیدھے راستے پر چلنے والے مخدوم زادہ سَلَّمَہُ اللہُ تَعَالٰی سُبْحَانَهُ وَآبِقَاءَهُ (اللہ تعالیٰ سبحانہ انہیں سلامت رکھے اور بقا بخشے) کی خدمت میں بہت زیادہ دعائیں اور بیشمار سلام پہنچا کر (فقیر) اشتیاق اور آرزو مندی کا اظہار کرتا ہے۔ شعر:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادٍ وَ ذُونَهَا قُلُّ الْجِبَالِ وَ ذُونُهَا خُيُوفُ

یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہو؟ کیونکہ (درمیان میں) پہاڑوں کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔
(حضرت) مخدوم زادہ کو معلوم ہو کہ اس طریقہ عالیہ کی بلندی اور حضرات نقشبندیہ کی رفعت سنت کو لازم پکڑنے اور بدعت سے بچنے کی بنا پر ہے، لہذا اس طریقہ عالیہ کے اکابر نے ذکر جہر سے دوری اختیار فرما کر ذکر قلبی کی تلقین کی ہے اور سماع و رقص اور وجد و تواجہ جو آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین علیہم الرضوان کے زمانہ میں نہ تھے، سے منع فرمایا ہے، نیز گوشہ نشینی اور چلہ کشی، جو صدر اول میں نہ تھا، اس کی جگہ خلوت در انجمن (محفل میں تنہائی) کو اختیار کیا ہے۔ یقیناً اس کو لازم پکڑنے سے بہت بڑے نتائج مرتب ہوئے ہیں اور اس سے پرہیز کی بدولت بہت زیادہ فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہو گئی ہے۔ ان کا کلام قلبی بیماریوں کی دوا ہے اور ان کی نظر روحانی بیماریوں کے لیے شفا ہے اور ان کی بزرگ توجہ طالبوں کو دونوں جہان کی گرفتاری سے نجات بخشتی ہے اور ان کی بلند ہمت مریدوں کو امکان کی پستی سے (نکال کر) وجوب کی بلندی پر پہنچا دیتی ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برند از راہِ پنہاں بحرِ قافلہ را
از دلِ سالکِ رہِ جاذبہٴ صحبتِ شان میرد و سوسہٴ خلوت و فکرِ چلہ را^(۱)

یعنی: (حضرات) نقشبندیہ قافلہ کے عجیب سالار ہیں، جو پوشیدہ راستے سے قافلہ کو حرم تک لے جاتے ہیں۔

♦ ان کی صحبت کا جذبہ سالکِ راہ کے دل سے گوشہ نشینی کے سوسہ اور چلہ کشی کے فکر کو نکال دیتا ہے۔

لیکن اس وقت میں جبکہ وہ نسبت شریفہ عنقائے مغرب (ناپید) ہو گئی ہے اور اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا ہے۔ اسی گروہ سے ایک جماعت نے اس دولتِ عظمیٰ کے نہ پانے اور اس بلند نعمت کے فقدان سے ہر طرف ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور نفیس

جواہر چھوڑ کر مٹی کی چند ٹھیکریوں پر خوش ہو گئے ہیں اور بچوں کی طرح اخروٹ اور مٹھی پر قرار پالیا ہے۔ وہ نہایت بیقراری اور حیرانی میں اپنے اکابر کے طریقہ کو چھوڑ کر کبھی (ذکر) جہر سے تسلی تلاش کرتے ہیں اور کبھی سماع و رقص سے آرام طلب کرتے ہیں۔ چونکہ انہیں محفل میں خلوت میسر نہیں ہوئی، (لہذا) وہ چلہ کشی میں خلوت اختیار کرتے ہیں۔ زیادہ تعجب اس پر ہے کہ وہ ان بدعتوں کو اس نسبت شریفہ کی تکمیل اور کمال خیال کرتے ہیں اور خراب کاری کو عین آبادی سمجھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف (کی توفیق) بخشے اور نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل امجاد اور نون اور صاد کے صدقے اس طریقہ کے اکابر کے کمالات سے ذرا بھر خوشبو ان کی جان کے دماغ تک پہنچا دے۔

چونکہ اس قسم کی بدعات نے اس ملک میں اس حد تک شہرت حاصل کر لی ہے کہ اس نے اکابر کے اصل طریقہ کو پوشیدہ کر ڈالا ہے، اور وہاں کے ادنیٰ و اعلیٰ نے بدعت اور نئی چیز کو اختیار کر رکھا ہے اور انہوں نے اصل اور قدیم طریقہ سے منہ پھیر لیا ہے، لہذا (فقیر کے) دل میں خیال آیا کہ اس ماجرا سے ذرہ بھر اس آستانہ عالیہ کے خدام کی خدمت میں ظاہر کرے اور اس ذریعہ سے دل کے درد کو باہر نکالے۔ (فقیر) نہیں جانتا کہ (حضرت) مخدوم زادہ کی مجلس میں کون سا گروہ ہم نشین ہے اور محفل کا مولس کون سا فرقہ ہے؟

خواہم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز کا غوش کہ شد منزل و آسائش خوابت (۲)

یعنی: اس جگر سوز فکر میں میری آنکھوں سے نیند اڑ گئی کہ کس کی آغوش تیری نیند و آرام کی جگہ بنی؟

وَالْمَسْئُولُ مِنَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ أَنْ يَعْصِمَ جَنَابَ قُدْسِكُمْ مِنْ غُمُومٍ هَذِهِ الْبُلُوى وَأَنْ يَحْفَظَ عَتَبَةَ شَرَفِكُمْ عَنْ شُمُولِ هَذَا الْإِتِلَاءِ. یعنی: اللہ سبحانہ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی پاکیزہ جناب کو ان عام آفتوں سے محفوظ فرمائے اور آپ کے آستانہ عالیہ کو ان آزمائشوں سے محفوظ فرمائے۔

میرے مخدوم (و) مکرم! لوگوں نے نئی باتوں اور بدعتوں کو اس طریقہ عالیہ میں اس قدر رواج دے دیا ہے کہ اگر مخالف کہیں کہ اس طریقہ میں بدعت کا التزام ہے اور سنت سے دوری تو اس کی گنجائش ہے۔ (مثلاً) نماز تہجد کو کامل جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس بدعت کو سنت تراویح کی طرح مسجد میں رواج اور رونق بخشتے ہیں اور اس عمل کو نیک سمجھتے ہیں اور لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں، حالانکہ فقہاء شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے نوافل کو جماعت سے ادا کرنے کو شدید کراہت کے ساتھ مکروہ کہا ہے۔ فقہاء کی ایک جماعت جنہوں نے تداعی (ایک دوسرے کو بلانے) کو نفل کی جماعت میں کراہت کی شرط قرار دیا ہے، انہوں نے بھی نفل کی جماعت کے جواز کو مسجد کے کونے میں ادا کرنے کی قید لگائی ہے اور تین آدمیوں سے زیادہ (کی جماعت) کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے۔

نیز (یہ لوگ) نماز تہجد کی تیرہ رکعت کو اس طرح خیال کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور دو رکعت بیٹھ کر، تاکہ (یہ) ایک رکعت کے حکم میں آجائے۔ اس (چیز) کو انہوں نے یہاں سے لیا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے ثواب سے آدھا ہے اور یہ علم اور عمل بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام و اختیاء کی سنت کے مخالف ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو تیرہ رکعت ادا فرمائیں ہیں، اس میں وتر بھی شامل ہیں۔ نماز تہجد کی رکعتوں کا طاق

ہونا وتر کی رکعت کے طاق ہونے کی وجہ سے ہوا ہے، نہ کہ جس طرح ان بزرگوں نے سمجھ رکھا ہے:

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

یعنی: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غم دل بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده دل ہو جائے گا ورنہ بات لمبی ہے۔

عجیب ہے کہ ماوراء النہر کے شہروں میں جو کہ علمائے حق کا ٹھکانہ ہے، اس قسم کی بدعتیں رواج پا گئی ہیں اور اس طرح کی نئی باتیں مشہور ہو گئی ہیں، حالانکہ ہم فقیرانہی کی برکات سے علوم شرعیہ کا استفادہ کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی بھلائی کی جانب الہام کرنے والا ہے۔

تَبَتْنَا لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَآيَاكُمْ عَلَىٰ جَادَةِ الشَّرِيعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَىٰ صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالِ آمِينَ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے اور اللہ (تعالیٰ) اس بندے پر رحم فرمائے جس نے آمین کہا۔

مکتوب نمبر (۱۶۹)

شیخ عبدالصمد سلطانپوری کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے ایک مرید کے حال کے بارے

میں کیا۔ جس نے اپنے پیر سے کہا کہ اگر میرے خاص وقت میں جب میں حق سبحانہ کے ساتھ ہوتا ہوں، آپ درمیان

میں آجائیں تو میں آپ کا سرتن سے جدا کر دوں۔ پیر کو اس کی بات پسند آئی اور اس کو بغل میں لے لیا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق پروردگار عالم ہے اور سردار الانبیاء (حضرت محمد) (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی

اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

آپ کا مکتوب شریفہ اور عمدہ تبادلہ خیالات جو آپ نے از روئے کرم ارسال فرمایا تھا، پہنچ گیا (اور) خوشی کا باعث بنا۔

اس میں ایک سوال کیا گیا تھا۔

میرے مخدوم! سب سے اعلیٰ مقصد اور بلند مطلب خداوند جل سلطانہ کی ذات اقدس کا وصول ہے۔ لیکن چونکہ طالب

شروع میں مختلف دنیاوی تعلقات کی وجہ سے آلودگی و پستی کے کمال میں (ہوتا) ہے اور اللہ سبحانہ کی ذات اقدس انتہائی تقدس

اور بلندی میں ہے، اور جو مناسبت فیض دینے اور فیض لینے والی ہے، وہ طالب و مطلوب کے درمیان بند (ہوتی) ہے، لہذا

ناچار راستہ جاننے والے رہنما مرشد کی ضرورت ہوتی ہے جو دونوں کے درمیان پل کی مانند ہو اور وہ دونوں جانب سے بہت

زیادہ حصہ رکھتا ہو، تاکہ وہ طالب کے مطلوب تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ جس قدر طالب کی مطلوب کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی

ہے، اتنا ہی پیر خود کو درمیان سے نکال لیتا ہے، اور جب طالب کی مطلوب کے ساتھ کامل مناسبت پیدا ہوگئی تو پیر نے خود کو مکمل

طور پر درمیان سے نکال لیا اور اپنے واسطہ کے بغیر طالب کو مطلوب سے واصل کر دیا۔ پس شروع میں اور درمیان میں پیر کے

آئینے کے بغیر (مرید) مطلوب کو نہیں دیکھ سکتا اور انتہا میں پیر کے آئینہ کے بغیر مطلوب کا جمال جلوہ گر ہوتا ہے اور بے پردہ

وصل نصیب ہو جاتا ہے۔ اور (اس مرید نے) جو یہ کہا کہ اگر اس وقت میں پیر حاضر ہو جائے تو میں اس کا سرتن سے جدا کر

دوں، اس نے یہ (بات) دیوانگی (سکر) سے کہی ہے۔ اور اربابِ استقامت اس طرح نہیں کہتے اور وہ بے ادبی کے راستے پر نہیں چلتے اور وہ مرادوں کو پیر کی برکات سے تلاش کرتے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۷۰)

شیخ نور کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ جس طرح آدمی کو حق جل و علا کے اوامر و نواہی کے بجالانے سے چارہ نہیں ہے، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی رعایت اور ان کے ساتھ غمخواری کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

اے سعادت مند بھائی! آدمی کو جس طرح حق جل و علا کے اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے دوری کے بغیر چارہ نہیں ہے، اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی رعایت اور ان کے ساتھ غمخواری کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ الْعَظِيمُ لَا مَرِ اللَّهُ وَالشَّفَقَةُ عَلَى خَلْقِ اللَّهِ^(۱) (یعنی: اللہ کے حکم کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا) انہی دو حقوق کی ادائیگی کا بیان فرماتی ہے اور دونوں کی رعایت کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ پس ان حکموں میں سے ایک پر انحصار کرنا کوتاہی ہے اور کل کو چھوڑ کر جزو پر اکتفا کرنا کمالیت سے دوری ہے۔ لہذا مخلوق کے حق کی ادائیگی کا بوجھ اٹھانا بھی ضروری ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا واجب ہے۔ بے التفاتی زیب نہیں دیتی اور لا پرواہی نہیں چھتی:

ہر کہ عاشق شد اگر چہ ناز میں عالم است ناز کی کے راست آید باری باید کشید

یعنی: جو شخص عاشق بنا، خواہ وہ جہان کا ناز میں ہو، اُسے نزاکت کب چھتی ہے، اُسے غم برداشت کرنا چاہیے۔

چونکہ آپ مدتوں صحبت میں رہے ہیں اور مواعظ و نصائح سنے ہیں، لہذا طوالت کلامی سے روگردانی کر کے چند کلمات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

تَبَتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى جَادِهِ الشَّرِيعَةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ.

یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اور آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر (۱۷۱)

ملاحظہ فرمادیں! اس بیان میں کہ جو کچھ فقر پر لازم ہے وہ ہمیشہ کی عاجزی و فقر ہے اور بندگی کے وظائف کی

ادائیگی، شرعی حدود کی حفاظت، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روشن سنت کی پیروی، گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ اور غیب

کی باتوں کو جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کے انتقام کا خوف۔ نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ الطَّاهِرِينَ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق پروردگار عالم ہے اور سردار الانبیاء (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ

وسلم) کی آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

جو چیز ہم فقرا پر لازم ہے وہ ہمیشہ کی عازمی ہے اور فقر و انکسار، زاری و التجا، بندگی کے وظائف کی ادائیگی، شرعی حدود کی حفاظت، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی روشن سنت کی متابعت، نیکیوں کے حاصل کرنے میں نیتوں کی تصحیح، (اپنے) باطنوں میں اخلاص، (اپنے) ظاہروں کی سلامتی، عیبوں کو دیکھنا، گناہوں کے غلبہ کا مشاہدہ، اور غیب کی باتوں کو جاننے والے (اللہ تعالیٰ) کے انتقام کا خوف۔ اپنی نیکیوں کو قلیل خیال کرنا، خواہ وہ زیادہ ہوں اور اپنی برائیوں کو کثیر سمجھنا، خواہ وہ کم ہوں۔ خلقت کی قبولیت کی شہرت سے ڈرتے اور کانپتے رہنا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يُشَارَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فِي دِينٍ أَوْ دُنْيَا إِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللَّهُ^(۱) یعنی: آدمی کی برائی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ لوگ دین یا دنیا کے بارے میں اس کی جانب انگلیاں اٹھائیں، لیکن جس کو اللہ محفوظ فرمائے۔

نیز اپنے افعال اور نیتوں کو تہمت زدہ رکھنا، خواہ وہ صبح کے نور کی مانند ہوں، اپنے احوال و مواجید پر توجہ نہ کرنا، خواہ وہ صحیح اور مناسب ہوں۔ صرف دین کی تائید، ملت کی تقویت، شریعت کی ترویج اور مخلوق کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے ہی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے اور اس کو مستحسن نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ اس قسم کی تائید کا فر اور فاجر سے بھی ہو جاتی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ^(۲)۔

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید کبھی کسی فاجر آدمی سے بھی کرا لیتا ہے۔

جو مرید طلب کے لیے آئے اور مشغولیت کا ارادہ ظاہر کرے، اس کو ہر شیر کی طرح سمجھنا چاہیے اور ڈرنا چاہیے کہ کہیں اس طرح نہ ہو کہ اس (پیر) کی خرابی مطلوب ہو اور یہ اس کی استدرج بنا دی جائے۔ اگر بالفرض کسی مرید کے آنے سے خود میں خوشی و سرور پائے تو اس کو کفر و شرک سمجھیں اور اس کا تذکرہ ندامت و استغفار سے اس قدر کریں کہ اس سرور سے کوئی اثر باقی نہ رہے، بلکہ اس خوشی کی جگہ غم اور خوف بیٹھ جائے۔ (اپنے خلفاء کو) اچھی طرح تاکید کریں کہ مرید کے مال میں کوئی طمع اور اس کے دنیاوی نفع میں کوئی توقع نہ رکھیں، کیونکہ (یہ چیز) مرید کی ہدایت میں رکاوٹ اور پیر کے لیے خرابی کا باعث ہے۔ کیونکہ وہاں (آخرت میں) صرف خالص دین طلب کریں گے: لَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ۔ (سورۃ الزمر، ۳) یعنی: دیکھو خالص عبادت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔

اس کی پاک درگاہ میں شرک کی کسی طرح بھی گنجائش نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو ظلمت اور کدورت بھی دل پر طاری ہو جائے اس کا ازالہ توبہ و استغفار اور ندامت و التجا سے انتہائی آسان طریقہ سے میسر ہے، مگر جو ظلمت اور کدورت کمینی دنیا کی محبت کے راستے سے دل پر چھا جائے، جو دل کو غلیظ اور ناپاک بناتی ہے، اس کا دور کرنا بڑا مشکل اور انتہائی دشوار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سچ فرمایا:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ^(۳)۔ یعنی: دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

نَجَانَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَنْ مَحَبَّةِ الدُّنْيَا وَمَحَبَّةِ أَبْنَائِهَا وَأَرْبَابِهَا وَالْإِخْتِلَاطِ بِهِمْ وَالْمُصَاحَبَةِ مَعَهُمْ، فَإِنَّهَا سَمٌّ قَاتِلٌ وَمَرَضٌ هَالِكٌ وَبَلَاءٌ عَظِيمٌ وَدَاءٌ عَمِيمٌ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو دنیا کی محبت، دنیا داروں اور دو تہندوں کی محبت، ان کے ساتھ میل جول رکھنے اور ان کی

ہم نشینی سے محفوظ فرمائے، پس بیشک یہ (چیز) زیرِ قاتل، ہلاک کرنے والا مرض، عظیم بلا اور عام بیماری ہے۔
میرے بھائی! میرے سعادتمند! شیخ حمید بڑی اچھی طرح اس علاقے کی طرف روانہ ہونے والے ہیں۔ آپ نئی اور
تازہ باتوں کو ان سے سننا غنیمت سمجھیں۔ وَالْبَاقِي عِنْدَ اللَّاحِقِ. یعنی: اور باقی ملاقات پر۔

مکتوب نمبر (۱۷۲)

شیخ بدیع الدین کی طرف تحریر فرمایا۔ بعض ایسے خاص اسرار کے بیان میں جو خاص حضرات میں سے بھی بہت کم لوگوں کو
نصیب ہوتے ہیں، نیز اس بیان میں کہ اس مقام میں عارف خود کو شریعت کے دائرہ سے باہر پاتا ہے، اس کے سبب کے
ذکر، اس کی روشن شریعت کے ظاہر کے ساتھ مطابقت کرنے اور جو کچھ اس سے متعلق ہے (اس کے بیان میں)۔
حمد و صلوة کے بعد میرے پیارے بھائی کو معلوم ہو کہ شریعت کی ایک صورت (ظاہر) ہے اور ایک حقیقت (باطن)
ہے۔ اس کی صورت (ظاہر) وہ ہے، جس کے بیان کے ذمہ دار علمائے ظاہر ہیں اور اس کی حقیقت (باطن) وہ ہے جس سے
بلند مرتبہ صوفیہ ممتاز ہیں۔ شریعت کی صورت (ظاہر) کے عروج کی انتہا ممکنات کے سلسلہ کی نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر
وجوب کے مراتب میں سیر واقع ہو تو صورت حقیقت کے ساتھ مل جائے گی اور اس آمیزش کا معاملہ بھی اس علم کی شان کے
عروج تک ہے جو سید البشر علیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے تعین کا مبداء ہے۔ اس کے بعد اگر ترقی واقع ہو تو صورت و
حقیقت دونوں کو وداع کریں گے اور عارف کا معاملہ شانِ حیات میں جا پڑے گا۔ اس عظیم الشان کی شان کو عالم کے ساتھ کوئی
مناسبت نہیں ہے، (یہ) حقیقی شیونات میں سے ہے، جس تک اضافت کی گرد نہیں پہنچی تاکہ وہ دنیا کے ساتھ تعلق پیدا کر لے،
اور یہ شان مقصود کا دروازہ اور مطلوب کا پیش خیمہ ہے۔ اس مقام میں عارف خود کو شریعت کے دائرہ سے باہر پاتا ہے لیکن
چونکہ محفوظ ہے، (لہذا) شریعت کے معاملات میں سے کسی معاملہ کو بھولتا نہیں اور جو لوگ اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف ہوئے
ہیں وہ بہت کم ہیں۔ اگر ان کی تعداد کو بیان کیا جائے تو شاید بہت لوگ (اسے) قبول کریں۔ صوفیہ میں سے بہت زیادہ لوگ
ایسے ہیں جو اس بلند مقام کے ظلال (سایوں) تک پہنچے ہیں۔ کیونکہ ہر بلند مقام کے لیے اس کے نیچے ان ظلال میں سے
ایک ظل (سایہ) ہے، (لہذا) لوگوں نے سمجھا ہے کہ انہوں نے شریعت کے دائرہ سے باہر قدم رکھا ہے اور کھال کو چھوڑ کر مغز
تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ مقام صوفیہ کے قدموں کے پھسلنے کی جگہ ہے۔ ناقصوں کا ایک گروہ اس راستے سے الحاد اور بے دینی تک
پہنچ گیا ہے اور ان لوگوں نے روشن شریعت کے پٹے سے اپنی گردن نکال لی ہے۔ صَلُّوْا فَاصْلُوْا۔^(۱)

یعنی: وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

کالمین کی جو جماعت ولایت کے درجات میں سے کسی درجہ سے مشرف ہوئی ہے اور اس نے اس بلند مقام کے ظلال
(سایوں) میں سے کسی ظل (سایہ) میں یہ معرفت حاصل کی ہے، اگرچہ (یہ) لوگ اس مقام کے اصل تک نہیں پہنچے ہیں،
لیکن محفوظ ہیں اور وہ شریعت کے آداب میں سے کسی ایک کو بھی بھلانا پسند نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ اس معرفت کا راز نہیں جانتے
اور معاملہ کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ چونکہ اس فقیر پر اللہ سبحانہ کی عنایت اور اس کے حبیب علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
صدقے اس پیچیدہ بات کا راز ظاہر ہوا ہے اور معاملہ کی حقیقت جیسا کہ چاہیے تھا واضح ہو گئی ہے، (لہذا) اس میں سے تھوڑا سا

ما جرایان کرتا ہے، ممکن ہے کہ ناقصوں کو (سیدھے) راستے پر لائے اور کاملین کو معاملہ کی حقیقت دکھائے۔
جاننا چاہیے کہ شرعی تکلیفات کا تعلق جسم اور دل سے مخصوص ہے، کیونکہ تزکیہ نفس انہی پر موقوف ہے۔ اور وہ لطائف جو شریعت کے دائرے سے باہر قدم رکھتے ہیں، ان کے علاوہ ہیں۔ پس جو (لطیفہ) شریعت کا مکلف (پابند) ہے، وہ ہمیشہ پابند رہے گا، اور جو پابند نہیں ہے، وہ ہرگز پابند نہ ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سلوک سے پہلے لطائف ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، وہ دل سے جدائی نہیں رکھتے تھے۔ جب سیر و سلوک نے ہر ایک کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا اور ہر ایک کو اپنے اصلی مقام پر پہنچا دیا تو معلوم ہوا کہ کون مکلف (پابند) تھا اور کون غیر مکلف تھا۔

سوال: اگر کہیں کہ اس مقام میں عارف اپنے جسم اور دل کو بھی شریعت کے دائرہ سے باہر پاتا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟
جواب: ہم کہتے ہیں کہ وہ یافت (پانا) یقینی نہیں ہے، (بلکہ) خیالی ہے۔ اور اس تخیل کا منشاء جسم اور دل کو ان لطائف سے زیادہ لطیف رنگ کے لطیفہ میں رنگنا ہے جنہوں نے قدم (شریعت کے دائرہ سے) باہر رکھا ہے۔ اگر کہیں کہ اگرچہ شریعت کی ظاہری تکلیفات (پابندیوں) کا تعلق دل اور جسم سے مخصوص ہے، لیکن شریعت کی حقیقت کو دل سے بالابھی گنجائش ہے تو پھر مطلق شریعت سے (قدم) باہر رکھنا کس معنی میں ہوا؟ ہم کہتے ہیں کہ شریعت کی حقیقت بھی (لطیفہ) روح اور سر سے آگے نہیں جاتی اور (لطیفہ) خفی اور انہی تک نہیں پہنچتی اور (شریعت کے دائرہ سے) باہر قدم رکھنے والے درحقیقت یہی (لطیفہ) خفی اور انہی ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ ثَبَّتْنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَجَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوَاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو جانتا ہے۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور سب مسلمانوں کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

مکتوب نمبر (۱۷۳)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ایک سوال کے جواب میں جو انہوں نے کیا تھا۔ بعض عجیب اسرار کے بیان کے ساتھ جو کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی نفی و اثبات سے متعلق ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد جناب سیادت پناہ کو معلوم ہو کہ آپ نے پوچھا تھا کہ جو کچھ دید و دانش (نگاہ اور علم) میں آئے، کلمہ ”لا“ کے ساتھ اس کی نفی کرنا ضروری ہے، کیونکہ مطلوب مثبت دید و دانش (دیکھنے اور سمجھنے) سے بالاتر ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہود بھی نفی کے لائق ہوا اور مطلوب مثبت اس سے بالاتر متحقق ہو۔
اے بھائی! اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر بلند شان (رتبہ) کے باوجود بشر تھے اور حدوث و امکان کے بشری نشان سے متصف تھے۔ بشر خالق البشر جلّ سلطانہ کی نسبت کیا معلوم کر سکتا ہے اور ممکن واجب تعالیٰ شانہ کی نسبت کیا حاصل کر سکتا ہے اور حادث، قدیم جلّت عظمتہ کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے، (کیونکہ) لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (یعنی) لوگ اپنے علم سے اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ سورۃ طہ، ۱۱۰) نص قاطع ہے۔ شیخ (فرید الدین) عطار (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

نمی بینی کہ شاہے چو پیمبر نیافت او فقر گُل تو رنج کم بر
یعنی: تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے بادشاہ نے فقرِ کل نہیں پایا، (لہذا) تو بھی اس کا تھوڑا رنج اٹھا۔
اے عزیز! یہ مقام تفصیل چاہتا ہے، (لہذا) غور سے سننا چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے دو مقام، نفی اور اثبات ہیں۔ اور نفی و اثبات میں سے ہر ایک کے دو اعتبار ہیں۔ پہلا اعتبار یہ ہے کہ باطل معبودوں کے عبادت کے مستحق ہونے کی نفی کی جائے اور دوسرا اعتبار یہ ہے کہ غیر مقصود مقصودوں اور غیر مطلوب مطلوبوں کی نفی کی جائے اور مطلوب حقیقی کے سوا (کسی کا) اثبات نہ کیا جائے اور اس کے سوا کوئی مقصود اصلی نہ ہو۔ پہلے اعتبار میں، شروع کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بھی معلوم اور مشہود ہوا ہے، وہ سب ”لا“ کے نیچے داخل ہو جائے اور اثبات کی طرف میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے تکلم کے سوا کوئی چیز بھی ملحوظ نہ رہے۔ کچھ وقت کے بعد جب بصیرت میں تیزی پیدا ہو جائے اور وہ مطلوب کے راستے کی خاک کے سرمہ سے سرگیں ہو جائے تو مستثنیٰ (اللہ) بھی مستثنیٰ منہ کے رنگ میں مشہود ہو جاتا ہے، باوجود اس کے کہ سالک خود کو اس مشہود کے ماوراء میں گرفتار پاتا ہے اور مطلوب کو اس کے باہر طلب کرتا ہے۔ کیونکہ اس کمال کے آغاز میں جو کچھ ”لا“ کے نیچے داخل ہوا تھا، وہ سب دائرہ ممکنات میں سے تھا، جو عبادت کا حق نہیں رکھتا تھا۔ اور اس کلمہ کے تکرار کی برکت سے اس معبود سے جو عبادت کے مستحق تھا، الگ ہو گیا تھا۔ لیکن بصیرت کے ضعف کے باعث مرتبہ وجوب جو کہ عبادت کے لائق ہے، کو کلمہ ”الا“ کے ساتھ ثابت کر کے نہیں دیکھتا تھا اور کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے تکلم کے سوا اس مقام سے کچھ نصیب نہیں رکھتا تھا، لیکن بصیرت کی قوت کے بعد سے مستثنیٰ (اللہ) بھی مستثنیٰ منہ کے رنگ میں مشہود ہوا اور چونکہ مرتبہ وجوب اللہ جل سلطانی کے اسماء و صفات کا جامع ہے اور سالک کی ہمت (ذات) احدیت مجردہ سے متعلق ہے، کیونکہ (اس مقام میں) عبادت کا استحقاق بھی عبادت کے عدم استحقاق کی طرح راستے میں رہ گیا ہے، (لہذا) وہ اپنے مقصود کو اسماء و صفات کے ماوراء میں طلب کرتا ہے اور اس کے ماسوا کی گرفتاری سے دوری اختیار کرتا ہے:

چو دل با دلبرے آرام گیرد ز وصل دیگرے کے کام گیرد
نہی صد دستہ ریحان پیش بلبل نخواہد خاطرش جز نگاہت گل
ز مہر آتش چو در نیلوفر افتد تماشائے مہش کے در خور افتد
چو خواہد تشنہ جانے شربت آب میفتد سود مندش شکر ناب

یعنی: جب دل دلبر کے ساتھ آرام پاتا ہے تو پھر اسے کسی اور کے ملنے سے کیا کام ہے۔

✦ اگر تو ریحان کا سودستہ بلبل کے سامنے رکھے تو بھی اس کا دل گلاب ہی کو چاہے گا۔

✦ جب نیلوفر کے دل میں سورج کی گرمی پڑتی ہو تو پھر اسے چاند کا نظارہ کیسے بھائے۔

✦ جب پیاسا پانی طلب کرے تو اس کے لیے خالص شکر فائدہ مند نہیں ہوتی۔

دوسرا اعتبار جس میں غیر مطلوب مطلوبوں کی نفی مقصود ہے، اس کا کمال یہ ہے کہ مرتبہ وجوب کا مشہود بھی امکانی مراتب کے مشہود کے رنگ میں ”لا“ کے نیچے داخل ہو جائے اور جانب اثبات میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے تکلم کے سوا کوئی چیز ملحوظ نہ رہے:

چہ گویم با تو از مرغ نشانه کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
ز عنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم

یعنی: میں تجھے اس پرندے کی نشانی کیا بتاؤں کہ وہ عنقا کا ہم گھونسلہ ہے۔

✦ عنقا کا ایک نام لوگ جانتے ہیں، لیکن میرے پرندے کا یہ نام بھی گم ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ فطرت اور بلند ہمت اسی قسم کے مطلوب کو چاہتی ہے، جس سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے، بلکہ اس کے دامن ادراک کو ذرہ بھر گرد بھی نہ لگے۔

آخرت میں رُویت (حق تعالیٰ کا دیدار) برحق ہے، لیکن اس کا تصور مجھے ہلاک رکھ دیتا ہے۔ لوگ آخرت کے دیدار کے وعدہ سے مسرور و محفوظ ہیں، لیکن میری گرفتاری غیب الغیب (ذات) کے سوا کسی سے نہیں ہے، بلکہ پوری ہمت اس کی طالب ہے کہ مطلوب سر مُو بھی (پردہ) غیب سے شہادت (ظہور) میں نہ آئے اور گوش سے آغوش تک نہ پہنچے اور معاملہ علم سے عین تک نہ پہنچے۔ کیا کیا جائے اسی طرح پیدا کیا گیا ہے:

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند

یعنی: ہر شخص کو ایک کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اگرچہ اس مقام میں بہت زیادہ دیوانگیاں رکھتا ہوں، لیکن ادب (کی وجہ) سے لب نہیں ہلا سکتا:

ع جُنُونِي مِنْ حَبِيبِ ذِي فُنُونٍ

یعنی: میری دیوانگی پُر فنون دوست سے ہے۔

عمر بگذشت و حدیث دردِ ما آخر نشد شب باخشد کنون کوتاہ کنم افسانہ را

یعنی: عمر گزر گئی اور ہمارے عشق کی کہانی ختم نہ ہوئی، رات آخر کو پہنچ گئی، اب میں افسانہ کو چھوٹا کرتا ہوں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةً الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ مِنَ الصَّلٰوٰتِ
وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَتَمَّہَا وَاكْمَلُہَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۷۴)

خواجہ محمد اشرف کلبلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس راستے کے دیوانے اس معیت کے ساتھ مطمئن نہیں ہوتے اور اس قرب جیسے بُعد (دوری) سے تسکین نہیں پاتے۔ وہ ایک ایسا قرب چاہتے ہیں جو بُعد جیسا ہو اور ایک (ایسا) وصل تلاش کرتے ہیں جو ہجر جیسا ہو۔ نیز اس بیان میں کہ انہوں نے جو واقعہ لکھا تھا وہ جن کا ظاہر ہونا اور اس کا باطل تصرف تھا۔

میرے پیارے بھائی کا پسندیدہ مکتوب وصول ہوا۔ چونکہ وہ فقر کی محبت اور اس بلند گروہ سے التجا (کرنے) پر مشتمل تھا، (لہذا) خوشی کا باعث بنا۔

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱) (آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کو (اپنے) وقت کا تقاضا سمجھیں۔ لیکن جاننا چاہیے کہ اس راستے کے دیوانے اس سے مطمئن نہیں ہوتے اور قرب جیسے بعد سے تسکین نہیں پاتے۔ وہ ایک ایسا قرب چاہتے ہیں جو بعد جیسا ہو اور ایک (ایسا) وصل تلاش کرتے ہیں جو ہجر جیسا ہو۔ وہ ٹال مٹول اور تاخیر کو تجویز نہیں کرتے، نیز بیکاری اور دیر کرنے کو برا خیال کرتے ہیں۔ وہ وقت کی دولت کو بیہودہ یا وہ گونیوں میں صرف نہیں کرتے اور زندگی کے سرمائے کو بے فائدہ ملمع سازیوں پر ضائع نہیں فرماتے۔ بزرگ کو چھوڑ کر کمینہ سے وابستہ نہیں ہوتے اور (اللہ تعالیٰ کی) پسندیدہ چیز کو چھوڑ کر غضب کی ہوئی (چیز) کی جانب توجہ نہیں کرتے۔ خود کو روغنی اور بیٹھے لقموں کے لیے نہیں بیچتے اور باریک وزینت والے کپڑوں کی خاطر بندگی کی لذت ضائع نہیں کرتے۔ انہیں شرم آتی ہے کہ تخت شاہی (دل) کو (دنیاوی) تعلقات کی نجاستوں سے آلودہ کریں اور وہ اس چیز سے نادم ہوتے ہیں کہ اللہ جل سلطانہ کے ملک میں لات اور عزمی کو شریک بنائیں۔ اے بھائی! یہاں مکمل خالص دین طلب کرتے ہیں: ”إِلَّا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ“ (سورۃ الزمر، ۳) یعنی: سن لو! خالص عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے (زیبا) ہے۔

نیز (یہ لوگ) شراکت کے (گردو) غبار کو پسند نہیں فرماتے۔ لَيْسَ أَشْرَكَتَ لِيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (سورۃ الزمر، ۶۵) یعنی: اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے۔

گھڑی بھر کے لیے اپنی حالت پر غور کریں، اگر خالص دین میسر آ گیا ہے تو آپ کے لیے بشارت ہے، ورنہ کسی حادثہ کے پیش آنے سے پہلے علاج کرنا چاہیے۔

آپ نے جو واقعہ لکھا تھا وہ جن کا ظہور اور اس کا باطل تصرف تھا۔ اس کا اس طرح کا ظہور اور تصرف طالبین پر بہت واقع ہوتا ہے، اس کا کوئی غم نہیں ہے: إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا (سورۃ النساء، ۷۶) یعنی: بیشک شیطان کا دَاؤ ضعیف ہوتا ہے۔

اگر دوبارہ ظاہر ہو تو کلمہ تجید ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“^(۲) (یعنی: گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے، جو عالی شان اور عظمت والا ہے) کے تکرار سے اس کو دفع کریں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِيْمٰتِ اَتَمَّهَا وَاکْمَلَهَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۷۵)

حافظ محمود کو تحریر فرمایا۔ احوال کی تلوینات (تبدیلیوں) تمکین (دل جمعی) کے حاصل ہونے، نیز حدیث (قدسی) ”لَیْیَ مَعَ اللّٰهِ وَفَتْ“ کے بیان میں۔

میرے بھائی کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے اپنے حالات کی تلوینات (رنگ برنگیوں) سے تھوڑا سا لکھا تھا۔ جاننا چاہیے کہ سالکین کو خواہ ابتدا میں ہوں اور خواہ انتہا میں احوال کی تلوینات سے چارہ نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر وہ تلوین

دل پر ہے تو سالک اہل دل میں سے ہے اور ابن الوقت (زمانہ ساز) کے نام سے موسوم ہے۔ اور اگر دل تلوین (تبدیلی) سے نکل گیا اور احوال کی غلامی سے آزاد ہو گیا اور مقام تمکین تک جا پہنچا تو اس وقت احوالِ مملونہ کا ورود نفس پر ہوتا ہے، جو دل کے مقام میں اس کی خلافت میں بیٹھا ہے۔ یہ تلوین تمکین کے حاصل ہونے کے بعد ہے اور تلوین والے کو اگر ابوالوقت کہا جائے تو روا ہے اور اگر محض اللہ جل سلطانہ کے فضل سے نفس بھی ان تلوینات سے گزر گیا اور مقام تمکین تک جا پہنچا تو اس وقت تلوینات کا ورود جسم پر ہوتا ہے جو مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ یہ تلوین دائمی ہے، کیونکہ تمکین، جسم کے حق میں متصور نہیں ہے۔ خواہ وہ سب سے زیادہ لطیف لطیفہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، کیونکہ جو تمکین اس رنگین ہونے کے راستے سے آتی ہے وہ تبعیت کے طریقہ سے ہے اور احوالِ مملونہ کا ورود وصال کے طور پر ہے اور اعتباراً اصل کا ہے، نہ کہ تبع (فرع) کا۔ اس مقام کا حال خاص الخاص میں سے ہے اور درحقیقت ابوالوقت بھی یہی ہوتا ہے۔

حدیث (شریف) لَیْ مَعَ اللّٰهِ وَقَتٌ^(۱) (یعنی: میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے) جو آنسور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی گئی ہے۔ ایک جماعت نے (اس) وقت سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسری جماعت نے اسے (ایک) نادر وقت کہا ہے، کیونکہ (یہ) بعض لطائف کی نسبت دائمی (طور پر) ہے اور بعض دوسرے (لطائف) کی نسبت ندرت (قلت و کمی) کے طور پر ہے۔ پس (ان میں) کوئی مخالفت نہیں۔

الغرض آپ (اپنے) ظاہر کو روشن شریعت سے آراستہ کر کے سبق باطن کے تکرار پر مداومت (ہیشگی) اختیار کریں:

اندر این بحر بے کرانہ چو غوک دست و پائے بزن چہ دانی بوک
یعنی: اس بحر بیکراں کے اندر مینڈک کی طرح ہاتھ اور پاؤں مار، شاید کہ تو سمجھ جائے۔
میرے پیارے بھائی محمد صدیق آگرہ میں ہیں، ان کی ملاقات کو آپ غنیمت سمجھیں۔

مکتوب نمبر (۱۷۶)

ملا محمد صدیق کی طرف تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اوقات کی حفاظت اس راستے کی ضروریات میں سے ہے، تاکہ وہ بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ ہوں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (سورۃ النمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ اِشْتِغَالُهُ بِمَا یَعْنِیْهِ وَاعْرَاضُهُ عَمَّا لَا یَعْنِیْهِ۔^(۱)

یعنی: (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) آدمی کے حسنِ اخلاق میں سے ہے کہ وہ مفید باتوں میں مشغول ہو جائے اور بے فائدہ باتوں کو ترک کر دے۔

پس اپنے اوقات کی حفاظت کے بغیر چارہ نہیں ہے، تاکہ وہ بے فائدہ کاموں میں ضائع نہ ہو جائیں۔ شعر خوانی اور قصہ گوئی کو دشمنوں کا نصیب سمجھ کر مراقبہ (خاموشی) اور نسبتِ باطن کی حفاظت میں مشغول ہونا چاہیے۔ اس طریقہ میں دوستوں کا باہم جمع ہونا باطنی جمعیت کے لیے ہے، نہ کہ دل کی پراگندگی کے لیے۔ اس لیے خلوت کی بجائے انجمن (مجلس) کو

اختیار کیا گیا ہے اور جمعیت (اطمینان) کو اجتماع میں تلاش کیا گیا ہے۔ جو اجتماع تفرقہ (پراگندگی) کا سبب ہو، اس سے بچنا ضروری ہے۔ جمعیت باطنی کے ساتھ جو کچھ مل جائے وہ مبارک ہے اور جو نہ ملے وہ منحوس ہے۔ زندگی اس طرح گزرنی چاہیے کہ اس آدمی کی صحبت میں ایک جماعت کو جمعیت حاصل ہو، نہ یہ کہ ان کو تفرقہ (پراگندگی) میں ڈال دے۔ اپنے وقت کو الٹنا چاہیے اور بول چال چھوڑ کر خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ مشاعرے اور آپس میں باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے:

ع چہ وقتِ مدرسہ و بحث کشف و کشف است
یعنی: مدرسے اور کشف و کشف کی بحث کا وقت نہیں ہے۔

مکتوب نمبر (۱۷۷)

جمال الدین حسین بدخشی کی طرف تحریر فرمایا۔ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی صائب رائے کے مطابق عقائد کی تصحیح کرنے کی ترغیب میں۔

خواجہ جمال الدین حسین اپنی جوانی کے آغاز کو غنیمت سمجھیں اور جہاں تک ممکن ہو حق تبارک و تعالیٰ کی رضا مندی کے امور میں صرف کریں۔ یعنی اول اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی صائب رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرنا لازم سمجھیں، دوم شرعی احکام پر فقہ کے مطابق عمل کریں، سوم صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے بلند طریقہ کو اختیار کریں۔ وَمَنْ وَفَّقَ لِهَذَا فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْ هَذَا فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُّبِينًا۔ یعنی: جس شخص کو اس کی توفیق مل گئی، پس اسے بہت بڑی کامیابی حاصل ہوگئی اور جو اس سے محروم ہو گیا، پس اس نے بڑا واضح نقصان اٹھایا۔

آپ خواجہ محمد صالح کے بیٹوں کی خدمت گزاری کو سعادتِ عظمیٰ سمجھیں، کیونکہ وہ خدمت درحقیقت ان خواجہ (صاحب) ہی کی مدد اور اعانت ہے، جو مقبول لوگوں میں سے ہیں۔

ع دادیم ترا ز گنج مقصود نشان
یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتہ بتا دیا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۷۸)

مرزا مظفر کو تحریر فرمایا۔ کسی شخص کی سفارش میں اور جہانوں کے سردار اور انسانوں کے خلاصہ (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت کی ترغیب میں۔

عَظَّمَ اللَّهُ تَعَالَى أَجْرَكُمْ وَرَفَعَ قَدْرَكُمْ وَيَسِّرْ أَمْرَكُمْ وَشَرَحْ صَدْرَكُمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے، آپ کا مرتبہ بلند فرمائے، آپ کے کام کو آسان فرمائے اور آپ کے سینہ کو کھول دے۔

جو لوگ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آراستہ ہیں، انہیں احسان اور حسن معاشرت کی طرف رہنمائی کرنے کی کیا ضرورت ہے، کیونکہ یہ رہنمائی بے ادبی میں داخل ہے۔ مختصر یہ کہ آدمی ضرورت کے وقت ہر حقیر اور معمولی چیز کا سہارا لیتا ہے

اور ہر ضعیف اور کمزور سے اپنی تسلی تلاش کرتا ہے، اس بنا پر فقیر نے آپ کو تکلیف دے کر حاجت مندوں کو تسلی دی ہے۔
میرے مخدوم اور مکرم! احسان ہر جگہ قابل تحسین ہے، خاص کر ان لوگوں سے جو قریبی ہمسائے ہوں۔ خاتم النبیین
حضرت (محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر مبالغہ فرمایا کرتے تھے کہ صحابہ
کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اس مبالغہ سے گمان کرتے تھے کہ شاید ہمسائیوں کو وراثت سے حصہ دلائیں گے۔ مثنوی:

چوں چنین با یکدگر ہمسایہ ایم تو چو خورشیدی و ما چوں سایہ ایم

چہ بدی اے مایہ بے مانگاں گر نگہداری حق ہمسایگان

یعنی: جب ہم آپس میں اس طرح ہمسایہ ہیں تو سورج کی مانند ہے اور ہم سائے کی طرح ہیں۔

✦ اے مفلسوں کے سرمایہ! کیا ہوا اگر تو ہمسائیوں کے حق کی حفاظت کرے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۷۹)

میر عبد اللہ بن میر محمد نعمان کی طرف تحریر فرمایا، نصیحت کے بیان میں۔

میرے پیارے بیٹے لَا زَالَ كَا سَمِهِ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ انہیں اپنے نام کی مانند) کامیاب رکھیں۔

جوانی کے وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے شرعی علوم کو سیکھنے اور ان علوم کے تقاضا کے مطابق عمل کرنے میں مشغول رہیں اور
کوشش کریں کہ یہ پیاری عمر فضول باتوں میں صرف نہ ہو اور کھیل کود میں ضائع نہ ہو۔

دوسرا یہ کہ آپ کے والد بزرگوار چند روز کے بعد آپ سے ملیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آپ ان کے پہنچنے تک
(اپنے) متعلقین کی پوری طرح خبر گیری رکھیں:

ع پدر خویش باش اگر مردی

یعنی: اگر تو مرد ہے تو اپنا باپ بن جا (یعنی باپ کی عدم موجودگی میں اس کی ذمہ داری نبھا)۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۸۰)

مخدوم زادہ الملنگی یعنی خواجہ ابوالقاسم کی طرف تحریر فرمایا۔ بعض پیروں کے ناموں کے دریافت کرنے میں، جن کے

بارے میں تردد پیدا ہو گیا تھا۔

میرے مخدوم مکرم! جو کچھ ہمارے حضرت خواجہ، یعنی حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ سے ان پیروں کے ناموں کی
تحقیق کے بارے میں ہم تک پہنچا ہے، جو حضرت مولانا خواجگی الملنگی (قدس سرہ) اور حضرت خواجہ احرار (قدس سرہ) کے
درمیان گزرے ہیں، وہ یہ ہے کہ وہ دو بزرگ ہیں، ان دو بزرگوں میں سے ایک حضرت مولانا (خواجگی قدس سرہ) کے والد
بزرگوار ہیں، یعنی (حضرت) مولانا درویش محمد (قدس سرہ) اور ان میں سے دوسرے (حضرت) مولانا محمد زاہد (قدس سرہ)
ہیں، جو (حضرت) مولانا درویش محمد (قدس سرہ) کے ماموں ہیں۔

قریب ہی کے دنوں میں مشیخت پناہ (حضرت) خواجہ خاوند محمود اس علاقے میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے پہلی ملاقات میں حضرت مولانا ندکور (خواجہ درویش محمد قدس سرہ) کے بارے میں بات کی اور کہا کہ وہ کسی سے مجاز نہ تھے، لہذا ابتدا میں مرید نہیں کرتے تھے اور آخری عمر میں مشیخت شروع کی۔ کہا گیا ہے کہ وہ بزرگ تھے اور تمام ماوراء النہر ان کی بزرگی کا قائل تھا۔ وہ ہرگز اس چیز کو پسند نہیں کر سکتے تھے کہ ابتدا یا آخر میں بغیر اجازت کسی کو مرید کر لیں، کیونکہ اس طرح کا عمل خیانت میں داخل ہے، کسی ادنیٰ مسلمان سے اس کا گمان نہیں کیا جاسکتا تو پھر اکابر دین پر کیسے کیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد (حضرت) خواجہ خاوند محمود نے کہا کہ ایک روز مولانا (درویش محمد قدس سرہ) خواجہ کلاں دہ بیدی (رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس گئے اور وہ خبر بوزہ کھا رہے تھے، مولانا نے طلب کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کا خبر بوزہ پک گیا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا خبر بوزہ پک گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کا خبر بوزہ پک گیا ہے۔ اس وقت مولانا (درویش محمد قدس سرہ) نے مرید کرنا شروع کیا۔ یہ نقل بھی بہت بعید معلوم ہوئی کہ صرف اس قول سے مولانا (درویش محمد قدس سرہ) خود کو شیخ بنالیں اور مرید بنانے میں مصروف ہو جائیں۔

اس کے بعد حضرت خواجہ خاوند محمود نے کہا کہ ان دو بزرگوں کے نام جو مولانا (درویش محمد قدس سرہ) اور حضرت خواجہ احرار (قدس سرہ) کے درمیان نقل کیے جاتے ہیں اور ان دونوں سے موسوم کرتے ہیں، یہ غلطی ہے۔ انہوں (خواجہ خاوند محمود رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کی بجائے دوسرے نام نقل کیے۔ نیز کہا کہ مولانا درویش محمد (قدس سرہ) کو اپنے ماموں سے کوئی نسبت نہیں ہے (بلکہ) کسی دوسرے شخص سے ہے۔

ان کی ان باتوں سے بہت تعجب حاصل ہوا، (لہذا) ضرورت کے تحت آپ کو تکلیف دی گئی ہے کہ آپ تحقیق کر کے ان دو بزرگوں کے نام لکھیں، تاکہ کسی کو کوئی بات کرنے کی مجال نہ ہو اور اجازت کی بات لکھنے کی کیا ضرورت ہے، ان کی بزرگی ہی معتبر گواہ ہے، پھر بھی اگر آپ لکھیں تو طعنہ زنی کرنے والوں کی زبان بند ہو جائے۔

دیگر یہ کہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان پریشان باتوں سے حضرت خواجہ خاوند محمود کا مقصد کیا تھا؟ اگر ان کا مقصد ان بے سرو سامان فقراء کی مکمل طور پر نفی کرنا تھا، کیونکہ پیر کی نفی سے مرید کی بھرپور نفی لازم آتی ہے۔ پس ان بے سرو سامان (فقراء) کی نفی کے بہت سے طریقے تھے، (لہذا) اس کی کیا ضرورت تھی کہ ان بزرگوں کی نفی کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور اگر وہ کوئی اور مقصد رکھتے تھے اور انہوں نے اصالتاً (ان دو بزرگوں کی) نفی کرنی چاہی تو بھی (یہ طریقہ) اچھا نہیں ہے، جیسا کہ یہ تھوڑی سی عقل رکھنے والے آدمی پر بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (سورۃ آل عمران، ۸)، بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷) یعنی: اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ فرمانا اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما، بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے، سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے، اور جو ہدایت کی بات مانے اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۸۱)

حضرت مخدوم زادہ یعنی میاں خواجہ محمد صادق سَلَّمَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ اَبْقَاهُ عَلٰی مَفَارِقِ الْمُحِبِّیْنَ (اللہ تعالیٰ انہیں محبت کرنے والوں کے سروں پر سلامت اور باقی رکھے) کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا سبب ہے کہ میں مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں، جو قرب الہی جل شانہ کے مراتب میں ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں، جبکہ زہد و توکل وغیرہ کے مقامات میں ان کے درجات بلند ہیں۔ نیز میں مشائخ کے ایک دوسرے گروہ کو دیکھتا ہوں جو قرب کے مراتب میں برتری رکھتے ہیں اور مذکورہ مقامات (زہد و توکل وغیرہ) میں تنزل۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

میرے بلند منصب بیٹے محمد صادق نے پوچھا ہے کہ کیا سبب ہے کہ مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں جو قرب الہی جل سلطانہ کے مراتب میں ادنیٰ درجہ رکھتے ہیں، جبکہ زہد و توکل اور صبر و رضا کے مقامات میں ان کے درجات بلند سمجھ آتے ہیں۔ نیز میں مشائخ کے ایک دوسرے گروہ کو دیکھتا ہوں، جو قرب کے مراتب میں بلند درجہ رکھتے ہیں اور زہد و توکل وغیرہ کے مقامات میں ان کے قدم نیچے ہیں۔ یہ چیز مقرر ہے کہ جس قدر یقین زیادہ کامل ہوگا اُسی قدر یہ مقامات بھی زیادہ اکمل ہوں گے اور یقین کا زیادہ کامل ہونا اللہ جل شانہ کی پاک بارگاہ کی قربت کے سبب سے ہے۔ پس یہ چیز چند امور سے خالی نہیں ہے، یا تو ہماری نظر کشفی خطا کرتی ہے جو قرب کو بعید اور بعید کو قرب سمجھتی ہے، یا ان مقامات کے اکمل ہونے کا سبب یقین سے برتر کوئی شے ہے، یا پھر یقین کا مرتب ہونا قرب پر نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یقین قرب پر مرتب (ہوتا) ہے۔ جس قدر قرب زیادہ ہو، اُسی قدر یقین بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان مقامات کے زیادہ اکمل ہونے کا سبب بھی یقین کے زیادہ کامل ہونے پر ہے، نہ کہ کوئی اور چیز اور نظر کشفی بھی صحیح ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قرب لطیف ترین لطائف والے (بزرگوں) کو حاصل ہوتا ہے۔ پس یقین بھی انہی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان مقامات کا زیادہ اکمل ہونا بھی چونکہ یقین کے زیادہ کامل ہونے پر مرتب ہوتا ہے، لہذا یہ بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ ایک بزرگ نے قرب کی کمی کے باوجود لطیف ترین لطائف کے کسی مقام میں اقامت اختیار کی ہو اور کثیف ترین لطائف کی طرف رجوع نہ کیا ہو اور وہ مذکورہ مقامات میں کسی دوسرے ایسے بزرگ سے اکمل ہو جو قرب زیادہ رکھتا ہو اور (اس نے) کثیف ترین لطیفہ جو کہ لطیفہ جسم ہے، کی طرف رجوع کیا ہو، کیونکہ لطیفہ جسم جب اس قرب سے محروم ہے تو پھر یقین بھی اس کو نصیب نہیں ہوگا۔ پھر وہ ان مقامات کی اکملت کہاں سے حاصل کرے گا۔ جس بزرگ کا اس لطیفہ کی طرف رجوع ہو گیا ہے اور اس نے اس لطیفہ کا حکم پیدا کر لیا ہے، اور دوسرے لطائف کی یقینیت جو اسے پہلے حاصل ہو گئی تھیں، وہ پنہاں ہو گئی ہوں، برخلاف اس بزرگ کے جس کا رجوع (لطیفہ) جسم کی طرف نہیں ہوا ہے، اس کا حکم بھی لطیف ترین لطیفہ کے حکم میں ہے (اور) قرب و یقین اس کے حق میں استقامت رکھتے ہیں اور پنہاں نہیں ہوتے ہیں تو مجبوراً وہ مذکورہ مقامات میں اتم و اکمل ہوگا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ صاحب رجوع جس طرح کہ قرب و یقین میں اکمل ہے، (اسی طرح) مقامات میں بھی اکمل ہے۔

لیکن اس کے ان کمالات کو پوشیدہ کر دیا گیا ہے اور خلقت کی دعوت کے لیے اور لوگوں کے ساتھ مناسبت حاصل کرنے کے لیے جو کہ افادہ اور استفادہ کا ذریعہ ہے، اس کے ظاہر کو عوام الناس کے ظاہر کی مانند بنایا گیا ہے۔ یہ مقام درحقیقت بھیجے گئے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا ہے۔ لہذا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے دل کا اطمینان طلب فرمایا اور یقین حاصل کرنے کے لیے عوام الناس کے رنگ میں ظاہری نظر سے دیکھنے کے محتاج بنے اور حضرت عزیر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِنِّیْ یُحْیِیْ ہٰذِہُ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِہَا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۵۹)

یعنی: اللہ تعالیٰ اس بستی (کے لوگوں) کو مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟

اور جس نے رجوع نہیں کیا، اس نے اپنے یقین سے کہا: لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا رُدَّدْتُ یَقِیْنًا۔

یعنی: اگر پردے ہٹا دیے جائیں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔

اگر ثابت ہو جائے کہ یہ حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا قول ہے تو (اس کو) اس پر محمول کرنا چاہیے کہ آپ نے رجوع کے حاصل ہونے سے پہلے فرمایا ہے، کیونکہ رجوع کے بعد صاحبِ رجوع عوام الناس کی مانند یقین کے حاصل میں دلائل اور براہین کا محتاج ہے۔ اس درویش کے لیے رجوع سے پہلے علم کلام کے تمام معتقدات ظاہر ہو گئے تھے اور وہ ان معتقدات کے یقین کو محسوسات کے یقین سے زیادہ پاتا تھا، لیکن رجوع کے بعد وہ یقین پوشیدہ ہو گیا اور وہ عوام الناس کی مانند دلائل اور براہین کا محتاج ہو گیا:

چنانکہ پرورشم می دہند می رویم
یعنی: جس طرح میری پرورش کرتے ہیں، میں اسی طرح نشوونما پاتا ہوں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۸۲)

ملا صالح کو لابی کو تحریر فرمایا۔ اس حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ان صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو، جنہوں نے اپنے برے خطرات (وسوسوں) کی شکایت کی تھی، فرمایا تھا کہ ذَلِکَ مِنْ کَمَالِ الْاِیْمَانِ (یہ ایمان کے کمال میں سے ہے)، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

درویشوں کی ایک جماعت (کے لوگ) بیٹھے تھے۔ انہوں نے طالبین کے خطرات اور وسوسوں کی بات شروع کر دی۔ اسی اثناء میں ایک حدیث کا ذکر ہوا کہ ایک روز خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے بعض صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے اپنے برے خطرات (وسوسوں) کی شکایت کی تو آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ذَلِکَ مِنْ کَمَالِ الْاِیْمَانِ۔^(۱) یعنی: یہ ایمان کے کمال میں سے ہے۔

اس وقت اس فقیر کے دل میں اس حدیث کے معنی اس طرح آئے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ (اور حقیقتِ حال کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کہ ایمان کے کمال سے مراد یقین کا کمال ہے اور یقین کا کمال قرب کے کمال پر مرتب ہوتا ہے۔ دل اور اس کے اوپر کے لطائف کو جس قدر زیادہ قرب الہی جل شانہ حاصل ہوگا تو اتنا ہی ایمان اور یقین زیادہ ہو جائے گا اور جسم

کے ساتھ اس کی بے تعلقی مزید بڑھ جائے گی۔ اس وقت خطرات جسم میں بہت زیادہ پیدا ہوں گے اور زیادہ نامناسب وسوسے ظاہر ہوں گے۔ پس ناچار برے خطرات کا سبب ایمان کا کمال ہوگا۔

پس نہایت نہایت کے منتہی کو جس قدر زیادہ اور نامناسب تر خطرات (پیش) ہوں گے، اسی قدر ایمان کی اکملیت زیادہ ہو جائے گی۔ کیونکہ ایمان کا کمال اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ لطیف ترین لطیفہ کو لطیفہ جسم کے ساتھ کامل بے مناسبتی ہو اور یہ بے مناسبتی جس قدر زیادہ ہوگی جسم اُسی قدر زیادہ خالی، ظلمت و کدورت کے زیادہ نزدیک اور خطرات اور وسوسوں کا ورود اُس میں زیادہ ہوگا، بخلاف مبتدی اور متوسط کے، جن کے لیے اس طرح کے خطرات زہر قاتل اور باطنی مرض میں اضافہ کرنے والے ہیں۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِينَ۔ یعنی: پس تم قاصر رہنے والوں میں سے مت بنو۔

یہ معرفت اس درویش کے دقیق معارف میں سے ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۸۳)

ملا معصوم کالی کو تحریر فرمایا۔ نصیحت (کے بیان) میں۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کے راستے پر استقامت کرامت فرما کر پوری طرح اپنی ذات مقدس کا گرفتار بنائے۔ امید ہے کہ مختلف تعلقات اور منتشر توجہات، جنہوں نے ظاہری طور پر آپ پر غلبہ پارکھا ہے، وہ باطنی نسبت میں خلل انداز نہیں ہوں گی۔ اس کے ساتھ (آپ) کوشش کریں کہ ظاہری تفرقہ میں جو کمی میسر آئے، ایسا نہ ہو کہ وہ باطن میں سرایت کر جائے اور مطلوب تک پہنچنے سے باز رکھے۔ عَیَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ۔ یعنی: اللہ سبحانہ اس سے محفوظ رکھے۔

دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ اس لائق نہیں کہ کوئی شخص عمر عزیز اس کو پانے کے لیے صرف کرے۔ بانہر کرنا شرط ہے۔ خوابِ خرگوش (غفلت) کب تک رہے گی؟

اے سرائے و باغِ تو زندانِ تو خان و مانِ تو بلائے جانِ تو

یعنی: اے (دوست!) تیرا محل اور باغ ہی تیرا قید خانہ ہے اور تیرا گھر ہی تیرے لیے وبالِ جان ہے۔

اگر (آدمی نے) مرنے سے پہلے کوئی کام کر لیا تو خوب، ورنہ خرابی ہی خرابی ہے۔ باطنی سبق کو عزیز سمجھنا چاہیے۔ اور

جو چیز اس کے مخالف ہو، اُس کو دشمن جاننا چاہیے:

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

یعنی: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا جو کچھ (جتنا بھی) اچھا ہے، خواہ شکر کھانا ہو، وہ (بھی) عذاب ہے۔

مَا عَلٰی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ (سورۃ العنکبوت، ۱۸) یعنی: رسول کے ذمہ تو صرف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۸۴)

قلیج اللہ کی طرف تحریر فرمایا۔ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی متابعت کی ترغیب (کے بیان) میں۔

میرے پیارے بیٹے کا پسندیدہ مکتوب، جو انہوں نے محبت اور اخلاص کے ساتھ لکھا تھا، میرے سید خواجہ نے پہنچایا۔ (یہ) خوشی کا باعث بنا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نبی کریم اور آپ کی آلِ امجاد علیہم الصلوٰۃ والسلام والتسلیمات اتہا کے صدقے اپنے پسندیدہ کاموں کی رفاقت نصیب فرمائے۔

اے فرزند! جو چیز کل قیامت کو کام آئے گی، وہ صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی فرمانبرداری ہے، (لہذا) احوال و مواجید، علوم و معارف اور اشارات و رموز اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہت خوب اور نعمت ہیں، ورنہ خرابی اور استدرار کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

سید الطائفہ (حضرت) جنید (بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) کوفت ہونے کے بعد ایک شخص نے خواب میں دیکھا اور ان کا حال پوچھا۔ (حضرت) جنید (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کے جواب میں فرمایا: طَاحَتِ الْعِبَارَاتُ وَفَنِيَتِ الْأَشَارَاتُ وَمَا نَفَعْنَا إِلَّا رُكْبَعَاتُ رُكْعِنَاهَا فِي جَوْفِ اللَّيْلِ. یعنی: (سب) عبارتیں مٹ گئیں اور سب اشارات فنا ہو گئے اور ہمیں ان دور کعتوں کے سوا کسی چیز نے نفع نہ دیا جو رات کے درمیان پڑھا کرتے تھے۔

فَعَلَيْكُمْ بِمُتَابَعَتِهِ وَمُتَابَعَةِ خُلَفَائِهِ الرَّاشِدِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَإِيَّاكُمْ وَمُخَالَفَةِ شَرِيعَةِ قَوْلًا وَعَمَلًا وَاعْتِقَادًا، فَإِنَّ الْأُولَى يُمْنٌ وَبَرَكَاتٌ وَالثَّانِيَةُ شَوْمٌ وَهَلَكَةٌ. یعنی: پس آپ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی متابعت لازم ہے، نیز قول و فعل اور عمل و اعتقاد میں شریعت کی مخالفت سے بچنا ضروری ہے، کیونکہ متابعت میں خیر و برکت اور مخالفت میں بد قسمتی اور ہلاکت ہے۔ اس کو یاد رکھیں۔

دوسرا یہ کہ جو رسالہ آپ نے بھیجا تھا، وہ پہنچا۔ جو بعض مقامات پڑھے، بہت بھلے لگے۔ لیکن دوسرا کام تصنیف سے زیادہ اہم ہے، اس میں مشغول ہونا زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۸۵)

منصور عرب کو تحریر فرمایا۔ ایک شخص کی سفارش (کے بیان) میں۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی شریعت کے راستے پر استقامت عطا فرما کر پوری ہمت کے ساتھ اپنی ذات اقدس کی طرف متوجہ بنائے۔

ہم پر اور آپ پر جو چیز لازم ہے، وہ دل کی حق سبحانہ کے ماسوا کی گرفتاری سے سلامتی ہے اور یہ سلامتی اس صورت میں میسر ہوتی ہے جب حق سبحانہ کے غیر کا دل پر گزر نہ رہے۔ فرض کیا اگر ہزار سال زندگی وفا کرے تو بھی اس نسیان کی وجہ سے جو دل کو ماسوائے حق تعالیٰ سے حاصل ہوا ہے، غیر کا دل پر گزر نہ ہو:

ع کار این است غیر این ہمہ ہیج

یعنی: کام یہی ہے، اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ مولانا فضل سرہندی جو (آپ کی) خدمت عالیہ میں رہتے ہیں اور اس کے باپ سرہند میں ہیں، یہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ بڑھاپے اور ضعف میں اپنے بیٹے کی ملاقات سے خوشحال اور مسرور بنیں، اس بنا پر انہوں نے اس معاملے کی زحمت کے لیے فقیر کو ذریعہ بنایا ہے۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَكُمْ بَلْ كُلُّ مَنْ عِنْدَ اللَّهِ۔
یعنی: اور معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۸۶)

خواجہ عبدالرحمن مفتی کابلی کو تحریر فرمایا۔ سنت کی پیروی اور بدعت سے بچنے کی ترغیب میں، نیز اس بیان میں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

(فقیر) حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے تضرع و زاری، التجا و محتاجی اور عاجزی و انکساری سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر سوال کرتا ہے کہ دین میں جو نئی چیز پیدا ہو گئی ہے اور جو بدعت ظاہر ہو گئی ہے، جو سید البشر علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے زمانے میں نہ تھی، اگرچہ وہ چیز روشنی میں صبح کی سفیدی کی طرح ہو، اس ضعیف کو ان لوگوں کے ساتھ جو اس چیز میں سرگرم ہیں، ان بدعات میں گرفتار نہ کرنا اور اس بدعت کے حسن کا دیوانہ نہ بنانا، سید المختار اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل ابراہیم علیہم الصلوٰة والسلام کے طفیل۔
(بعض علماء نے) کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، حسنہ (اچھی) اور سیئہ (بری)۔ (بدعت) حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنسرو اور خلفائے راشدین علیہ وعلیہم من الصلوٰات اتمہا ومن التحیات اتملہا کے زمانے کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو مٹانے والا نہ ہو۔ اور (بدعت) سیئہ وہ ہے جو سنت کو مٹانے والی ہو۔

یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں بھی حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت اور کدورت کے سوا کچھ نہیں پاتا۔

فرض کیا اگر آج بدعتی کے عمل کو نظر کی کمزوری کی وجہ سے تروتازہ اور خوبصورت پاتے ہیں تو کل (قیامت) کو جب نظر تیز ہو جائے گی تو سمجھ جائیں گے کہ اس کا نتیجہ نقصان اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ شعر:

بوقتِ صبح شود، بہجو روز معلومت کہ با کہ باحتہ عشق در شب دیجور

یعنی: صبح کے وقت تجھے روز (روشن) کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ تو نے اندھیری رات میں (عمر) کس کے عشق میں ضائع کر دی۔

سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات فرماتے ہیں: مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ وَهُوَ رَدٌّ۔^(۱) یعنی: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ رد کرنے کے لائق ہے۔
جو چیز مردود ہو، وہ حسن کہاں سے پیدا کر سکتی ہے۔

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ خَيْرَ الْهَدْيِ هَذَا مُحَمَّدٌ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. ^(۲) یعنی: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد (واضح ہو کہ) بہترین کلام قرآن مجید ہے اور بہترین راستہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ ہے اور سب امور میں سے بدترین چیزیں نئی باتیں (بدعات) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: أَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبِشًا فَإِنَّهُ مَنْ يَعْشُ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسِيرَىٰ اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّتِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَأَيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. ^(۳) یعنی: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (اپنے حاکم کی بات کو) سنو اور اس کی اطاعت کرو، خواہ وہ حبشی غلام ہی ہو، پس بلاشبہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کو مضبوط تھامو اور دانتوں سے (مضبوط) پکڑو اور نئی پیدا ہونے والی چیزوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

جب ہر نئی پیدا ہونے والی شے بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے تو پھر بدعت میں حسن (اچھائی) کے کیا معنی ہوئے۔ نیز جو کچھ احادیث سے سمجھ آتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کو مٹانے والی ہے، بعض کی کوئی تخصیص نہیں ہے، پس ہر بدعت بری ہے۔

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا أَحَدَتْ قَوْمٌ بَدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ أَحْدَاثِ بَدْعَةٍ. ^(۴) یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی قوم بدعت کو جاری کرتی ہے تو اس جیسی ایک سنت اٹھالی جاتی ہے۔ پس سنت کو مضبوط پکڑنا، بدعت کے جاری کرنے سے بہتر ہے۔

وَعَنْ حَسَّانَ قَالَ مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بَدْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يَعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. ^(۵) یعنی: اور حضرت حسان (بن ثابت رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی، مگر اللہ تعالیٰ اس جیسی ایک سنت کو اُن میں سے اٹھا لیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سنت کو ان کی طرف واپس نہیں لوٹاتا۔

جاننا چاہیے کہ بعض بدعات جن کو علماء اور مشائخ نے حسنہ سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو مٹانے والی ہیں۔

مثلاً: انہوں نے میت کے کفن میں پگڑی کو بدعت حسنہ کہا ہے، جبکہ یہی بدعت سنت کو مٹانے والی ہے، کیونکہ عدد مسنون یعنی (کفن کے) تین پگڑیوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔ نیز اسی طرح مشائخ نے شملہ کو پگڑی کی بائیں جانب چھوڑنا پسند کیا ہے، حالانکہ شملہ کا دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑنا روشن سنت ہے۔ انتہائی واضح ہے کہ یہ بدعت سنت کو مٹانے والی ہے۔

اسی طرح وہ معاملہ ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن سمجھا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی (نیت) کہنی چاہیے، حالانکہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا ہے اور نہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو، بلکہ جب اقامت کہہ لیتے تھے تو (ساتھ ہی) تکبیر تحریر فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کہنا بدعت ہے اور اس بدعت کو انہوں نے حسنہ کہا ہے۔ یہ فقیر سمجھتا ہے کہ یہ بدعت سنت کو ہی نہیں مٹاتی، بلکہ یہ فرض کو بھی مٹاتی ہے، کیونکہ اس کی تجویز میں اکثر لوگ زبان پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ولی غفلت سے نہیں ڈرتے۔ پس اس صورت میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض جو کہ دل کی نیت ہے، ترک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ عَلٰی هٰذَا الْقِيَاسِ سَأْتِرُ الْمُتَبَدِّعَاتِ وَالْمُحَدَّثَاتِ فَإِنَّهَا زِيَادَاتٌ عَلَى السُّنَّةِ وَلَوْ بَوَاجَةٍ مِنَ الْوُجُوهِ وَالزِّيَادَةُ وَالنَّسْخُ. یعنی: اسی طرح تمام بدعتوں اور محدثات کا حال ہے، کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہیں، خواہ کسی طرح کی ہوں اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ (سنت کو) مٹانے والا ہے۔

فَعَلَيْكُمْ بِالْإِقْتِصَارِ عَلَى مُتَابَعَةِ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَالْإِكْتِفَاءِ عَلَى إِقْتِدَاءِ أَصْحَابِهِ الْكَرَامِ فَإِنَّهُمْ كَالنَّجْمِ بِأَيْهِمْ أَقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ. (۶) وَأَمَّا الْقِيَاسُ وَالْإِجْتِهَادُ فَلَيْسَ مِنَ الْبُدْعَةِ فِي شَيْءٍ فَإِنَّهُ مُظْهِرُ الْمَعْنَى النَّصُوصِ لَا مُثَبِّتِ أَمْرِ زَائِدٍ، فَاعْتَبِرُوا يَا وَلِيَّ الْأَبْصَارِ (سورة الحشر، ۲) یعنی: پس آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر کمر بستہ رہیں اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اقتدا پر اکتفا کریں، کیونکہ وہ (سب) ستاروں کی مانند ہیں، جن کے پیچھے چلو گے، ہدایت پاؤ گے، لیکن قیاس اور اجتہاد میں کوئی بدعت نہیں ہے، کیونکہ وہ نصوص کے معانی کو ظاہر کرتے ہیں، کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔ پس اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورة طہ، ۴۷) وَالنَّزَمُ مُتَابَعَةُ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَ عَلَيَّ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ. اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۸۷)

خواجہ محمد اشرف کالپی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ رابطہ کا طریقہ (اللہ تک) پہنچانے والے طریقوں میں سب سے قریب ترین راستہ ہے، نیز اس بیان میں کہ رابطہ مرید کے لیے اس کے ذکر کرنے سے زیادہ مفید ہے۔ آپ نے دوستوں کے لیے جو خط لکھا تھا، وہ نظر سے گزرا اور (فقیر) لکھے گئے حالات سے آگاہ ہوا۔ جاننا چاہیے کہ تکلف اور بناوٹ کے بغیر مرید کو شیخ کا رابطہ حاصل ہونا، پیر اور مرید کے درمیان اس کامل مناسبت کی علامت ہے جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے اور وصول (الی اللہ) کے لیے رابطہ سے زیادہ قریب ترین طریقہ کوئی نہیں ہے۔ دیکھئے کس دولت مند کو اس سعادت سے خوش نصیب بناتے ہیں۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ”فقرات“ میں لکھتے ہیں کہ:

سایہ رہبر بہ است از ذکرِ حق

ع

یعنی: رہبر (شیخ) کا سایہ (تصور) ذکرِ حق سے بہتر ہے۔

بہتر کہنا نفع کے اعتبار سے ہے، یعنی رہبر (شیخ) کا سایہ (تصور) مرید کے لیے اس کے ذکر کرنے سے زیادہ مفید ہے، کیونکہ اس وقت میں (مرید کو) مذکور (اللہ) جل و علا سے کامل مناسبت حاصل نہیں ہوتی، تاکہ ذکر کے ذریعے نفع حاصل کر سکے۔ وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اوّل و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۸۸)

خواجہ محمد صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان مسائل کے حل میں جو انہوں نے پوچھے تھے۔

میرے پیارے بھائی کا پسندیدہ مکتوب موصول ہوا۔ آپ نے تین امور کے بارے میں پوچھا تھا۔

اے محبت کے اثرات والے! مرتبہ قلب میں بعض لطائف کا پوشیدہ رہنا صرف ان لطائف پر موقوف ہے جن کا دل متضمن ہے، نہ کہ ان لطائف پر جو دل کے علاوہ متحقق (ثابت) ہیں، کیونکہ ان کا مرتبہ قلب میں پوشیدہ رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دوسرا یہ کہ جس شخص کی استعداد مرتبہ قلب یا روح تک ہے، صاحبِ تصرف پیر اُس کو اوپر کے مراتب تک پہنچا سکتا ہے، لیکن یہاں ایک باریک نکتہ ہے جو حاضری (ملاقات) سے تعلق رکھتا ہے اور تحریر میں اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔

نیز (تیسرا) یہ کہ جب ظاہر باطن کے رنگ میں رنگا جائے اور باطن ظاہر کے رنگ میں رنگیں ہو جائے تو پھر کیا مشکل ہے کہ ظاہر کے احکام باطن میں اور باطن کے حالات ظاہر میں عیاں ہو جائیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۸۹)

شرف الدین حسین بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فضولِ مصروفیات کے باوجود فقرا کو یاد کرنا۔ ان کے ساتھ بہت

زیادہ مناسبت (کی علامت) ہے۔ کیمینی دنیا کی تروتازگی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے اور باطنی سبق کو محبوب رکھنا چاہیے۔

نیز اس بیان میں کہ شریعت کے حکموں سے سرکشی نہیں کرنی چاہیے اور مکمل منت اور زاری سے (ان کو) قبول کرنا

چاہیے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ۔

یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آلِ اطہار پر درود و سلام ہو۔

میرے ارجمند، پیارے (اور) سعادتمند بیٹے شرف الدین حسین کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ خوشی کا موجب اور مسرت کا باعث بنا۔ کیسی نعمت ہے کہ فضولِ مصروفیات کے باوجود آپ درواز کارِ فقر کو نہیں بھولے۔ یہ چیز اس نسبت کو شدت سے یاد دلاتی ہے جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے۔ بعض واقعات جو لکھے گئے تھے، وہ نیک اور اصلی ہیں اور پہلے باطنی رابطوں کی محکم دلیل ہیں۔

اے بیٹا! کیمینی دنیا کی تروتازگی پر فریفتہ نہ ہو اور اس کے بے فائدہ جاہ و جلال کا دیوانہ مت بنو، کیونکہ یہ ناپائیدار اور

بے اعتبار ہے۔ آج اگر یہ چیز تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو کل (قیامت کو) یقیناً سمجھ آ جائے گی اور (پھر) کوئی فائدہ نہیں دے گی:

گوشش از بارِ دُرِّ گراں شدہ است نشود نالہ و نغانِ مرا

یعنی: اس کا کان موتی کے بوجھ سے بھاری ہو چکا ہے، (لہذا) وہ میری آہ و نغان نہیں سنتا۔

چاہیے کہ (آپ) باطنی سبق کو اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمتوں میں سے سمجھتے ہوئے اس کے مشتاق اور حریص رہیں اور پانچ وقت کی نماز بغیر سستی اور کمزوری کے ادا کریں اور چالیس میں سے ایک (روپیہ) زکوٰۃ شکرگزاری کے ساتھ فقیروں اور مسکینوں کو پہنچائیں اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچیں اور مخلوقات پر شفیق اور مہربان رہیں، نجات اور بچاؤ کا طریقہ یہی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۹۰)

میر محمد نعمان بدخشی کے صاحبزادگان میں سے ایک صاحبزادے کو تحریر فرمایا۔ ذکر الہی جل سلطانہ کے دوام کی ترغیب میں اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو اختیار کرنے کا شوق دلانے میں، ذکر کے طریقہ کے بیان کے ساتھ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ. یعنی: شروع اللہ سبحانہ کے نام سے جو بڑا مہربان (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

جان لو اور آگاہ رہو کہ تمہاری سعادت، بلکہ تمام بنی آدم کی مکمل سعادت و فلاح اور نجات اپنے مولیٰ جل سلطانہ کے ذکر میں ہے۔ جہاں تک ممکن ہو، تمام اوقات کو ذکر الہی جل شانہ میں مستغرق بنانا چاہیے اور ایک لمحہ بھی غفلت پسند نہیں کرنی چاہیے۔

لِلَّهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور شکر ہے) کہ ذکر کا دوام حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں ابتدا ہی میں میسر ہو جاتا ہے اور انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے طریقہ سے حاصل ہوتا ہے۔ پس اس طریقہ عالیہ کا اختیار کرنا طالب کے لیے بہتر اور زیادہ مناسب ہے، بلکہ واجب اور لازم ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ توجہ کے قبلہ کو سب طرف سے پھیر کر پوری طرح اس طریقہ عالیہ کے اکابرین کی بلند بارگاہ کی جانب متوجہ ہو جاؤ اور ان کے باطن شریف سے ایک ہمت طلب کرو۔

شروع میں ذکر (کرنے) کے سوا چارہ نہیں۔ چاہے کہ تم قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ وہ گوشت کا ٹکڑا قلب حقیقی کے لیے ایک حجرے کی مانند ہے۔ اسم مبارک اللہ کو اس قلب سے ادا کرو اور اس وقت ارادی طور پر کسی عضو کو حرکت نہ دو اور پوری طرح قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھو اور خیل میں قلب کی صورت کو جگہ نہ دو اور اس کی جانب التفات نہ کرو، کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ کرنا ہے، نہ کہ اس کی صورت کا تصور کرنا۔ لفظ مبارک ”اللہ“ کو بے مثل و بے مثال ملاحظہ کرو اور کسی صفت کو

اس کے ساتھ شامل نہ کرو اور حاضر و ناظر بھی ملحوظ نہ کرو، تاکہ حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس کی بلندی سے صفات کی پستی میں نہ آ جاؤ اور اس طرح وحدت کے مشاہدہ سے کثرت میں نہ جا پڑو اور بے مثال کی گرفتاری سے مثال کے مشاہدہ میں آرام نہ پاؤ۔ کیونکہ جو کچھ مثال کے آئینے میں ظاہر ہو، وہ بے مثال نہیں ہے اور جو کچھ کثرت میں نمودار ہو، وہ واحدِ حقیقی نہیں ہے۔ بے مثال کو مثال کے دائرے سے باہر تلاش کرنا چاہیے اور بسطِ حقیقی کو کثرت کے احاطہ سے باہر طلب کرنا چاہیے۔ اگر ذکر کرتے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو تو اس کو بھی قلب میں لے جانا چاہیے اور قلب میں نگاہ رکھتے ہوئے ذکر کرنا چاہیے۔

تم جانتے ہو کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے جس سے تو اللہ جل شانہ کی بارگاہِ پاک میں پہنچنے کا طریقہ سیکھے اور اس راستہ میں اس سے امداد اور اعانت حاصل کرے۔ صرف ٹوپی، پیرا ہن کا ٹکڑا اور شجرہ جو معروف ہو گیا ہے، یہ پیری و مریدی کی حقیقت سے خارج ہے اور رسموں اور رواجوں میں داخل ہے۔ مگر یہ کہ تو شیخِ کامل و مکمل سے کوئی کپڑا بطور تبرک حاصل کرے اور اعتقاد و اخلاص کے ساتھ اس سے زندگی بسر کرے۔ اس صورت میں ثمرات و نتائج کا بھی قوی احتمال ہے۔

جان لو کہ خواب اور واقعات اعتماد اور اعتبار کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ اگر کسی شخص نے خواب یا واقعہ میں خود کو بادشاہ دیکھا، یا وقت کا قطب پایا تو درحقیقت اس طرح نہیں ہے۔ اگر وہ خواب اور واقعہ کے باہر بادشاہ بن جائے، یا قطب بن جائے تو مسلم ہے۔ پس جو احوال و مواجید بیداری اور ہوش میں ظاہر ہوں، یہ قابلِ بھروسہ ہیں، ورنہ نہیں۔

جان لو کہ ذکر کا نفع اور اس پر اثرات کا مرتب ہونا شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے۔ پس فرائض و سنن کی ادائیگی اور حرام اور مشتبہ سے اجتناب میں اچھی طرح احتیاط کرنی چاہیے اور کم و زیادہ میں علما کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان کے فتویٰ کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۹۱)

خان خانان کو تحریر فرمایا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی ترغیب میں، نیز اس بیان میں کہ شرعی احکامات میں آسانی کی خوب رعایت کی گئی ہے اور خوب کی فرمائی گئی ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ. (سورة الاعراف، ۴۳) یعنی: اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں کا راستہ دکھایا اور اگر اللہ ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول (علیہم الصلوٰۃ والسلام) حق بات لے کر آئے تھے۔

دائمی سعادت اور ازلی نجات انبیاء صَلَّوْاٹُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالتَّسْلِيْمَاتُہُ سُبْحَانُہُ عَلٰی اَجْمَعِہُمْ عَمُوْمًا وَعَلٰی اَفْصَلِہُمْ خَصُوْمًا (اللہ تعالیٰ کا درود و سلام ان سب پر عام طور پر اور ان میں سے افضل پر خاص طور پر ہو) کی متابعت سے وابستہ ہے۔ فرض کریں اگر ہزار سال عبادت کی جائے، مشکل ریاضتیں اور سخت مجاہدے بجالائے جائیں، اگر وہ ان بزرگوں کی متابعت کے نور سے منور نہ ہوں تو ایک جَو کے برابر قیمت نہیں رکھتے اور دوپہر کا وہ سونا (قیلولہ) جو بالکل غفلت اور بیکاری ہے، لیکن اگر ان برگزیدہ (ہستیوں) کے حکم سے کیا جائے تو وہ (ریاضتیں اور مجاہدے) اس کی برابر نہیں کر سکتے اور ان کو ”کَسْرَابٍ بَقِیْعَہ“ (یعنی: ان کی مثال ایسے ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے۔ سورة النور، ۳۹)

کی مانند سمجھتے ہیں۔ اللہ جل سلطانہ کی کمال عنایت یہ ہے کہ اس نے تمام شرعی احکامات اور دینی امور میں نہایت آسانی اور بہت زیادہ سہولت کی رعایت فرمائی ہے۔

مثلاً رات دن کے آٹھ پہروں میں سترہ رکعات (فرض) نماز کا حکم فرمایا ہے جن کی ادائیگی میں مجموعی وقت ایک گھنٹہ بھی نہیں صرف ہوتا۔ اس کے علاوہ اس کی قرأت میں جو کچھ میسر ہو سکے، اس کو کافی قرار دیا ہے اور اگر قیام میں عذر ہو تو بیٹھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے اور بیٹھنے میں عذر ہو تو پہلو کے بل (قبلہ رو) ہو کر لیٹ کر ادائیگی کا اشارہ فرمایا ہے۔ اور اگر رکوع اور سجدہ کرنا مشکل ہو تو اشارہ سے ادا کرنے کی سہولت دی ہے۔ نیز وضو میں اگر پانی کے استعمال کرنے کی قدرت نہ ہو تو تیمم کو اس کا نعم البدل بنا دیا ہے۔ زکوٰۃ میں چالیس میں سے ایک حصہ فقیروں اور مسکینوں کے لیے مقرر فرمایا اور اس میں بھی بڑھنے والے مالوں اور چرنے والے جانوروں کی شرط رکھی۔ تمام عمر میں ایک بار حج کرنے کو فرض بنایا۔ اس کے ساتھ زادراہ، سواری اور راستے کے امن کو شرط بنایا۔ مباح کا دائرہ وسیع بنایا۔ نکاح میں چار عورتیں اور لونڈیاں جس قدر چاہے مباح فرمائیں اور طلاق کو عورتوں کی تبدیلی کا ذریعہ بنایا۔ کھانے پینے اور پہننے کی اکثر چیزوں کو مباح اور تھوڑی سی کو حرام بنایا اور وہ بھی لوگوں کی بہتری کے لیے۔ اگرچہ اس نے ایک بے مزہ اور پُر ضرر شراب کو حرام کیا ہے، لیکن اس کے بدلے بہت سے خوشگوار اور پُر نفع مشروبات کو مباح بنایا۔ عرق لوگ اور عرق دار چینی اپنی خوشگوار اور خوشبوداری کے ساتھ اس قدر منافع اور فوائد رکھتے ہیں کہ ان کو کہاں تک لکھا جائے۔ بھلا کڑوی، بد مزہ، تیز بُو، بد خو، ہوش اڑانے والی اور پُر خطر چیزوں کو اس خوشبودار اور خوشگوار عرق سے کیا مناسبت ہے۔ شَتَّانُ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

اس کے علاوہ حلال و حرام ہونے کی وجہ سے جو فرق پیدا ہوتا ہے، وہ الگ بات ہے اور جو امتیاز پروردگار جل سلطانہ کی رضا اور عدم رضا سے پیدا ہوتا ہے، وہ جدا ہے۔

اگر بعض ریشمی لباسوں کو حرام فرمایا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ (اس نے) کئی قسم کے زیب و زینت والے کپڑے اور خوبصورت لباس اس کے عوض حلال بنائے ہیں اور پشیمینہ کا لباس مطلقاً مباح بنایا ہے جو درجات میں ریشمی لباس سے بہتر ہے۔ اس کے ساتھ (اس نے) ریشمی لباس عورتوں کے لیے مباح فرمایا ہے، جس کے منافع بھی مردوں کو ہی پہنچتے ہیں اور اسی طرح سونے اور چاندی کا حال ہے کہ عورتوں کی زیب و زینت بھی مردوں کے نفع کے لیے ہے۔ اگر کوئی بے انصاف اس آسانی اور اس سہولت کے باوجود مشکل اور دشوار سمجھے تو وہ دل کی بیماری میں مبتلا ہے اور باطنی عارضہ کا شکار ہے۔ بہت سے کام ایسے ہیں جو تندرست لوگوں کے لیے پوری طرح آسان ہیں اور ضعیفوں کے لیے مکمل طور پر مشکل ہیں۔ دلی بیماری سے مراد آسمان سے نازل شدہ احکام پر یقین نہ کرنا ہے۔ (اس طرح کے لوگ) جو تصدیق رکھتے ہیں، وہ صرف ظاہری تصدیق ہے، حقیقی تصدیق نہیں ہے۔ حقیقی تصدیق حاصل ہونے کی علامت شرعی احکام کے بجالانے میں آسانی کا ثابت ہونا ہے۔ وَبَدُّوْنَهَا حَرْطُ الْفِتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ط اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ۔ (سورۃ الشوریٰ، ۱۳) یعنی: جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلا تے ہو، وہ ان کو دشوار گزرتی ہے، اللہ

جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ بنالیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے، اسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوٰتِ
وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَتَمُّہَا وَاَكْمَلُہَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۹۲)

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے پوچھا تھا۔
میرے سعادتمند، پیارے بھائی شیخ بدیع الدین نے پوچھا تھا کہ گیارہویں عرضداشت جو حضرت خواجہ (باقی باللہ)
قدس سرہ کی خدمت میں لکھی گئی تھی (اس میں لکھا گیا تھا) کہ (فقیر) کا ”ایک رنگین مقام سے گزر رہا جو حضرت صدیق اکبر
رضی اللہ عنہ سے بلند تر ہے۔“ اس بات کے کیا معنی ہیں؟
اے بھائی! اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت بخشے، جان لو کہ ہم ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ اس عبارت سے (حضرت ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ پر) فضیلت لازم آتی ہے، جبکہ لفظ ”ہم“ (یعنی ”بھی“) بھی لکھا ہے، اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ
یہ بات اور دوسری باتیں جو اس عرضداشت میں لکھی گئی ہیں، سب ایسے واقعات میں سے ہیں جو (فقیر نے) اپنے پیرو کو لکھے
ہیں اور اس گروہ (صوفیہ) میں طے شدہ چیز ہے کہ (مرید کو) واقعات میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، وہ صحیح ہو یا غلط، بے تکلف اپنے
پیرو پر ظاہر کر دیتے ہیں، کیونکہ غیر صحیح میں بھی تاویل اور تعبیر کا احتمال ہے۔ پس اس کے ظاہر کرنے کے بغیر چارہ نہ تھا اور جو
بات ہم اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کر رہے ہیں، اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ دوسرا حل یہ ہے کہ (علماء نے) تجویز
کیا ہے کہ اگر جزئیات میں سے کسی جزئی میں غیر نبی کو نبی پر فضیلت ثابت ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ (ایسا ہونا)
واقع ہے، جیسا کہ شہداء کے بارے میں ایسی روایات زیادہ آئی ہیں، جو انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے لیے نہیں ہیں،
اس کے باوجود کلی فضیلت نبی علیہ وآلہ الصلوٰت والتحیات کے لیے ہے۔

اس رو سے اگر کسی غیر نبی کو ان جزئی کمالات میں سیر واقع ہو جائے اور وہ خود کو اس مقام میں زیادہ بلند پائے تو بھی
جائز ہے۔ اگرچہ اس کو یہ مقام نبی کی متابعت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور نبی کو بھی اس مقام میں حدیث: مَنْ سَنَّ سُنَّةَ
حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا^(۱) (یعنی: جس نے کسی اچھی سنت کو جاری کیا، اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس
کے ساتھ اس پر عمل کرنے والے کا بھی اجر ہے) کے مطابق کامل (حصہ) نصیب ہے۔ پھر جب غیر نبی کے لیے جزئی
فضیلت نبی پر جائز ہے تو غیر نبی پر بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ فَلَا اِشْكَالَ اَصْلًا وَالسَّلَامُ۔
یعنی: پس اس بات میں کوئی اشکال نہیں ہے اور سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۹۳)

سیادت پناہ شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ اہل سنت و جماعت کی آراء کے مطابق عقائد کو درست کرنے کی ترغیب میں، نیز حلال
و حرام، فرض و واجب اور سنت و مندوب کے فقہی احکام کو سیکھنے کا شوق دلانے میں، اسلام کی غربت اور اس کی ترقی و

تائید پر اُبھارنے کے بیان میں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ تَعَالَى نَاصِرُكُمْ وَمُعِينُكُمْ عَلَى كُلِّ مَا يَعْيبُكُمْ وَيَشِينُكُمْ.

یعنی: شروع اللہ سبحانہ کے نام سے جو بڑا مہربان (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اُس چیز میں جو آپ کو عیب لگانے والی اور داندار کرنے والی ہو، آپ کا مددگار اور حامی ہو۔

مکلفین حضرات کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت کے علماء شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی آراء کے مطابق عقائد درست کریں، کیونکہ آخرت کی نجات ان بزرگواروں کی صحیح آراء کی تابعداری سے وابستہ ہے اور فرقہ ناجیہ بھی یہی لوگ اور ان کے تابعدار ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو آنسور علیہ وعلی آلہ الصلوٰت والتسلیمات اور آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے طریقہ پر ہیں اور جو علوم کتاب و سنت سے حاصل ہوئے ہیں، ان میں سے وہی معتبر ہیں جو ان بزرگواروں نے کتاب و سنت سے اخذ کیے اور سمجھے ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ بھی اپنے فاسد عقائد کو اپنے فاسد خیال سے کتاب و سنت سے اخذ کرتا ہے، پس ان کے اخذ کردہ معانی میں سے ہر معنی معتبر نہیں ہے اور ان عقائد حقہ کی تصحیح کے لیے امام اجل تو رپشتی کا رسالہ بہت مناسب اور عام فہم ہے۔ (اپنی) مجلس شریف میں اس کا ذکر (تعلیم) ہونا چاہیے، لیکن چونکہ مذکورہ رسالہ کئی استدلال پر مشتمل ہے اور بہت زیادہ لمبا چوڑا ہے۔ اگر کوئی رسالہ خالص مسائل پر مشتمل ہو تو وہ زیادہ بہتر اور مناسب ہوگا۔ اسی اثناء میں فقیر کے دل میں بھی خیال آیا ہے کہ وہ اس بارے میں رسالہ لکھے جو اہل سنت و جماعت کے عقائد پر مشتمل ہو اور اخذ کرنے میں آسان ہو، اگر میسر ہو تو بعد میں لکھ کر بھیج دیا جائے گا۔

ان عقائد کو درست کرنے کے بعد حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مندوب اور مکروہ کا علم (سیکھنا)، جس کا ضامن علم فقہ ہے، نیز اس علم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض طلبہ کو فرمائیں کہ فقہ کی کتاب جو فارسی میں ہو، مجلس میں پڑھیں، مثلاً مجموعہ خانی اور عمدۃ الاسلام۔ اللہ سبحانہ کی پناہ! اگر اعتقادی مسائل میں سے کسی ضروری مسئلہ میں خلل پڑ گیا تو آخرت کی نجات کی دولت سے محرومی ہے۔ اگر عمل کرنے میں سستی واقع ہو جائے تو احتمال ہے کہ بغیر توبہ کے بھی معاف کر دیں، اور اگر مواخذہ بھی کریں تو آخر کار نجات ہی ہے۔ پس عمدہ کام عقائد کا درست کرنا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام احوال و مواجید ہمیں عطا کر دیے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد سے آراستہ نہ کریں تو ہم (ان کو) سوائے خرابی کے کچھ نہیں سمجھتے اور اگر تمام خرابیاں ہمارے ساتھ جمع کر دی جائیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد سے نواز دیں تو ہمیں کوئی خوف نہیں ہے۔ تَبَتَّنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى طَرِيقَتِهِمُ الْمَرْضِيَّةِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى إِلَهٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ان کے پسندیدہ

طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔

ایک درویش لاہور کی طرف سے آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ شیخ جیو (شیخ فرید) پرانی منڈی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لیے حاضر ہوئے تھے اور میاں رفیع الدین نے آپ کے التفات کے اظہار کے بعد کہا کہ نواب شیخ جیو (شیخ فرید) نے اپنی حویلی میں جامع مسجد بنائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِکَ۔ یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (آپ کو) مزید توفیق عطا فرمائے۔ اس طرح کی خبریں جب مخلصین سنتے ہیں تو بہت ہی زیادہ مسرور اور خوش ہوتے ہیں۔

میرے مکرم سیادت پناہ! آج اسلام بہت غریب ہے۔ ایک جیتل (سکہ) جو اس (اسلام) کی تقویت میں خرچ کرتے ہیں، اس کو کروڑوں (روپے) کے بدلے میں خریدتے ہیں۔ دیکھئے (اب) کس شاہباز کو اس عظیم دولت سے مشرف کرتے ہیں۔ دین کی ترقی اور ملت کی تقویت جس وقت اور جس شخص میں بھی واقع ہو وہ اچھی اور بھلی ہے، لیکن اس زمانے میں جب کہ اسلام غریب ہے، آپ جیسے اہل بیت کے بہادر جوانوں سے زیادہ اچھی اور زیادہ بھلی ہے۔ کیونکہ یہ دولت آپ کے بزرگ خاندان کی خانہ زاد ہے۔ اس کا آپ سے تعلق ذاتی ہے اور دوسروں سے عارضی۔ درحقیقت نبی علیہ و علیٰ آلہ من الصَّلٰوٰتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَکْمَلُہَا کی وراثت اسی عظیم القدر امر کے حاصل کرنے میں ہے۔ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ (کرامؓ) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ایسے زمانہ میں موجود ہوئے ہو کہ اگر اوامر و نواہی میں دسواں حصہ ترک کرو تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد ایک گروہ آئے گا کہ اگر وہ اوامر و نواہی کا دسواں حصہ بجالائیں گے تو نجات پائیں گے۔^(۱) یہ وہی وقت ہے اور یہ گروہ وہی گروہ ہے:

گوئے توفیق و سعادت در میاں افکنده اند کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

یعنی: توفیق و سعادت کی گیند درمیان میں پھینک دی گئی ہے، کوئی آدمی میدان میں نہیں اترتا سواروں کو کیا ہوا؟

اس وقت کافر لعین گوبند اور اس کی اولاد کا ہلاک ہونا بہت خوب ہوا اور کفار مردود کی عظیم شکست کا باعث بنا۔ جس نیت سے بھی مارا گیا ہوا اور جس غرض سے بھی ہلاک کیا گیا ہو، کفار کی ذلت خود اہل اسلام کی ترقی ہے۔

اس فقیر نے اس سے پہلے کہ اس کافر کو ہلاک کریں، خواب میں دیکھا تھا کہ بادشاہ وقت نے شرک کے سر کی کھوپڑی توڑ ڈالی ہے۔ حقیقت ہے کہ وہ کافر اہل شرک کا سردار اور اہل کفر کا امام تھا۔ خَذَلَهُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَهُ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ان کو رسوا کرے۔

دین و دنیا کے سردار (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض دعاؤں میں اہل شرک پر اس عبارت میں

بددعا فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ شَتِّتْ شَمْلَهُمْ وَفَرَّقْ جَمْعَهُمْ وَخَرَّبْ بُنْيَانَهُمْ وَخَذَلْهُمْ اَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ۔

یعنی: اے اللہ! تو ان کی جماعت کو منتشر فرما اور ان کے اتحاد میں تفرقہ ڈال اور ان کے گھروں کو تباہ کر اور ان کو یوں پکڑ

لے جس طرح غالب طاقتور پکڑتا ہے۔

اسلام اور اہل اسلام کی عزت کفر اور اہل کفر کی خواری میں ہے۔ جذبہ لینے سے مقصود کفار کی خواری اور ان کی اہانت ہے۔ جس قدر اہل کفر کی عزت ہو، اُسی قدر اسلام کی ذلت ہے۔ اس تجربے کو اچھی طرح نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ اکثر لوگوں نے اس تجربے کو ضائع کر دیا ہے اور اس بد قسمتی سے دین کو برباد کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ**۔ (سورۃ تحریم، ۹)

یعنی: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو۔

کفار کے ساتھ جہاد اور ان کے ساتھ سختی دین کی ضروریات میں سے ہیں۔ کفر کی باقی رسمیں جو پہلے زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں، اس وقت جبکہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی تو مسلمانوں کے دلوں کو بھی وہ بہت بری لگتی ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان بد دینوں کی رسموں کی برائی سے بادشاہ اسلام کو باخبر کریں اور ان کے مٹانے کی کوشش کریں۔ شاید یہ باقی ماندہ رسمیں بادشاہ کے ان کی برائی سے آگاہ نہ ہونے کی بنا پر ہوں۔ مختصر یہ کہ اگر موقع ملے تو بعض مسلمان علماء کو مطلع فرمائیں کہ وہ آکر اہل کفر کی رسموں کی برائی کو ظاہر کریں، کیونکہ شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے خوارق و کرامات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت میں (یہ) عذر نہیں سنا جائے گا کہ تصرف کے بغیر شرعی احکام کی تبلیغ نہیں کر سکا۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات جو موجودات میں سب سے بہتر ہیں، شرعی احکام کی تبلیغ کرتے تھے۔ اگر اُمّتیں معجزات طلب کرتی تھیں تو وہ فرماتے تھے کہ معجزات تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں سے ہیں، ہمارے ذمہ احکام کا پہنچانا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس اثناء میں حق سبحانہ و تعالیٰ کوئی ایسا واقعہ ظاہر فرمادے جو اس جماعت کے حق پر ہونے کے یقین کا ذریعہ ہو۔ بہر حال شرعی مسائل کی حقیقت سے باخبر کرنا ضروری ہے، جب تک یہ (کام) نہیں ہوتا، اس کو پورا کرنا علماء اور حضرت بادشاہ کے مقررین کی ذمہ داری ہے۔ کتنی بڑی سعادت ہے کہ کوئی جماعت اس گفتگو کے کرنے کی زحمت اٹھائے۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے شرعی احکام کی تبلیغ میں کوئی تکلیفیں نہیں اٹھائیں اور کیسی سختیاں برداشت نہیں کیں۔ سب سے بہتر و مہتر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہم الصلوٰات افضلہا و من التّحیّات اکملہا نے فرمایا ہے: **مَا أُؤَذَى نَبِيٌّ مِّثْلَ مَا أُؤَذِيْتُ**۔ (۲) یعنی: کسی نبی کو ایسی ایذا نہیں پہنچی جو ایذا مجھے پہنچی ہے۔

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نشد
شبِ باختر شد کنوں کو تہ کنم افسانہ را
یعنی: عمر گزر گئی اور ہمارے درد کی کہانی ختم نہ ہوئی، رات آخر کو پہنچ گئی، (لہذا) اب میں افسانے کو مختصر کرتا ہوں۔
والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۱۹۴)

صدر جہاں کو تحریر فرمایا۔ ملت کی ترقی اور دین کی تائید کی ترغیب میں اور جو کچھ اس سے متعلق ہے۔
سَلِّمْتُكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَ عَافَاكُمْ۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو سلامت رکھے اور عافیت بخشے۔
شرعی احکام کی ترقی اور ملتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰة والسلام و اختیاء کے دشمنوں کی ذلت کی باتیں سننا ماتم زدہ مسلمانوں کے لیے فرحت بخش اور روح افزا بنا ہے۔ **الْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ وَالْمَسْئُولُ مِنَ اللّٰهِ**

سُبْحَانَهُ الْمَلِكِ الْقَدِيرِ اَزْدِيَاذُ هَذَا اَمْرٍ الْخَطِيرِ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْبَشِيرِ النَّذِيرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے اور اللہ سبحانہ مالکِ قدیر سے سوال ہے کہ وہ اپنے بشیرِ نذیری (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس اہم کام میں ترقی بخشنے۔

یقین ہے کہ ساداتِ عظام اور علمائے کرام میں سے اسلام کے پیشوا غلوت و جلوت میں اس دینِ متین کی ترقی اور اس صراطِ مستقیم کی تکمیل میں سرگرم ہوں گے۔ عاجز اور در ماندہ اس بارے میں کیا دراز نفسی کرے، سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام اسلامی استعداد کی خوبی کی وجہ سے علماء کے چاہنے والے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِكَ. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ پہلے زمانہ (عہدِ اکبری) میں جو فساد بھی پیدا ہوا، وہ علمائے سو کی بد قسمتی کی وجہ سے ظاہر ہوا، (لہذا اُمید ہے کہ) آپ اس بارے میں مکمل تحقیق کا لحاظ رکھتے ہوئے دین دار علماء سے انتخاب کر کے پیش قدمی فرمائیں گے۔ علمائے سو دین کے چور ہیں، ان کا مقصد خلقت کے ہاں مرتبہ و سرداری اور قدر و منزلت حاصل کرنا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہِ سُبْحَانَهُ مِنْ فَتْنَتِهِمْ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ان کے فتنے سے بچائے۔

جی ہاں! ان میں سے جو بہترین ہیں وہ سب خلقت سے بہترین ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ کل قیامت کو ان (کے قلموں) کی سیاہی کو اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ تولا جائے گا اور اس سیاہی کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ شَرُّ النَّاسِ شَرُّاُ الْعُلَمَاءِ وَخَيْرُ النَّاسِ خَيْرُ الْعُلَمَاءِ. (۱)

یعنی: لوگوں میں سب سے برے لوگ برے علماء ہیں۔ اور لوگوں میں سب سے اچھے لوگ اچھے علماء ہیں۔ دوسری التماس یہ ہے کہ بعض ارادے یوں آمادہ کر رہے ہیں کہ (یہ فقیر) خود کو لشکر میں پہنچائے، رمضان کا مبارک مہینہ قریب آنے کی وجہ سے دہلی شریف میں ٹھہرنا پڑا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مبارک مہینے کے گزرنے کے بعد (فقیر) عزیزوں کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۱۹۵)

یہ بھی صدر جہاں کو تحریر فرمایا۔ روشن شریعت کی ترقی کے لیے ابھارنے اور ترغیب دینے اور اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری پر اظہارِ افسوس (کے بیان) میں۔

سَلِّمَتْکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَهُ وَآبَقَاکُمْ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو سلامت رکھے اور باقی رکھے۔ بادشاہوں کا احسان چونکہ تمام مخلوق کو ضرورت کے مطابق حاصل ہے، لہذا مخلوق کے دل (اس حدیث کی) رُو سے محسنوں کی طرف مائل ہیں: جُبِلَتْ الْخَلَائِقُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهِمْ. (۱) یعنی: مخلوق کی فطرت میں اپنے محسن کی محبت رکھی گئی ہے۔

پس مجبوراً اس جی تعلق کی وجہ سے بادشاہوں کے نیک و برے اخلاق اور اچھی و بری عادات احسان کے درجات کے فرق سے عام لوگوں میں جاری ہیں، جیسا کہ آیا ہے: النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ. (۲)

یعنی: لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہیں۔

پہلے زمانہ (عہد اکبری) کے حالات اسی بات کے گواہ ہیں۔ اب جبکہ حکومتوں میں انقلاب پیدا ہو گیا اور اہل مذاہب کی دشمنی کی تندہ و تیزی درہم برہم ہو گئی ہے، (لہذا) اسلام کے پیشواؤں، بڑے بڑے صدور عظام اور علمائے کرام پر لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو روشن شریعت کے رواج میں مصروف کر کے ابتداء میں اسلام کے گرے ہوئے ارکان کو قائم اور کھڑا کریں، کیونکہ دیر میں خیریت ظاہر نہیں ہوتی۔ غریبوں کے دل اس تاخیر کی وجہ سے پریشان ہیں۔ سابقہ زمانے کی سختیاں مسلمانوں کے دلوں میں جا گزریں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی تلافی نہ ہو اور اسلام کی غربت اور بڑھ جائے۔ جب بادشاہ (حضرت) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی بلند سنت کی ترویج میں سرگرم نہ ہوں اور ان کے مقرب بھی اس بارے میں خود کو معاف رکھیں اور چند روز کی زندگی کو عزیز سمجھیں تو اہل اسلام کے فقراء پر معاملہ بہت تنگ اور تاریک ہو جائے گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ، ۱۵۶) یعنی: ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

آنچه از من گم شدہ گراز سلیمان گم شدہ
ہم سلیمان، ہم پری، ہم اہرمن بگریستے
یعنی: جو چیز مجھ سے گم ہوئی ہے، اگر (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) سے گم ہوتی، تو (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) بھی، پری بھی (اور) دیوبھی روتا۔
شعر:

صُبَّتْ عَلَیْ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَیْ الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِیَا

یعنی: ایسی مصیبتیں مجھ پر آ پڑی ہیں، اگر وہ دنوں پر پڑیں تو وہ راتیں بن جائیں۔

اسلامی شعائر میں سے ایک اسلامی شہروں میں قاضیوں کا مقرر کرنا ہے جو سابقہ زمانے میں ختم ہو گیا تھا۔ سرہند، جو بڑے اسلامی شہروں میں سے ہے، چند سال سے اس میں کوئی قاضی نہیں ہے۔ اس مکتوب کے حامل قاضی یوسف کے آباء اجداد سرہند کے آباد ہونے سے قاضی بنتے آئے ہیں، جیسا کہ بادشاہوں کی اسناد ان کے پاس ہیں۔ موصوف نیکی اور تقویٰ سے بھی آراستہ ہیں، اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ بلند مرتبہ والا کام ان کے سپرد فرمادیں۔ ثَبَّتْنَا اللّٰہُ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالٰی وَاَیَّاکُمْ عَلَیْ جَاذَۃِ الشَّرِیْعَةِ الْحَقِّۃِ عَلَیْ مَصْدِرِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ۔

یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حقہ کے راستے پر ثابت قدم رکھیں۔

مکتوب نمبر (۱۹۶)

منصور عرب کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ وہ راستہ جس کے طے کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں، کل سات قدم ہے اور ہر

قدم پر سالک خود سے دور ہوتا جاتا ہے اور حق سبحانہ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔

آپ کا عنایت نامہ اور مکتوب گرامی بڑے عزیز ترین اوقات میں موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے) کہ خواص (لوگ) عوام کی یاد سے فارغ نہیں ہیں اور بزرگ چھوٹوں کی غنچواری سے خالی نہیں

ہیں۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہماری طرف سے آپ کو بھلی جزا عطا فرمائے۔
میرے مخدوم!

ع از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر است

یعنی: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو وہ بہت بھلی ہے۔

یہ راستہ جس کے طے کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں، کل سات قدم ہے۔ دو قدم عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم عالم امر سے۔ پہلے قدم پر، جو سالک عالم امر میں رکھتا ہے، ”تجلی افعال“ ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے قدم پر ”تجلی صفات“ اور تیسرے قدم پر ”تجلی ذاتی“ شروع ہو جاتی ہے۔ ثُمَّ وَثَّمْ عَلَى تَفَاوُتِ دَرَجَاتِهَا كَمَا لَا يَخْفَى عَلَى أَرْبَابِهَا كُلِّ ذَلِكَ مَنْوُطٌ بِمُتَابِعَتِ سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ وَالتَّحِيَّاتِ أَكْمَلُهَا۔

یعنی: اس کے بعد اور بعد ازاں درجات کے فرق سے (ترقی) ہوتی جاتی ہے، جیسا کہ اس کے حامل حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ سیدِ اولین و آخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہے۔ جن حضرات نے کہا ہے کہ یہ راستہ (صرف) دو قدم ہے، اس سے ان کی مراد عالم خلق اور عالم امر ہیں اور یہ مختصر کرنے اور طالبین کی نظر میں معاملہ کو آسان بنانے کے لیے ہے۔

ان سات قدموں میں سے ہر قدم پر (سالک) خود سے دور ہوتا جاتا ہے اور حق سبحانہ کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ ان (سات) قدموں کو طے کر لینے کے بعد ”فنائے اتم“ ہے، جس پر ”بقائے اکمل“ مرتب ہوتی ہے اور اس فنا اور بقا سے ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کا حاصل ہونا ہے:

ع ایں کار دولت ست اکنوں تا کرا رست

یعنی: یہ دولت کا کام ہے، دیکھئے اب کسے نصیب ہوتا ہے۔

ہم بے مراد فقیروں کو اس طرح کی باتوں کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ سوائے اس کے کہ ہم اپنے تالو اور منہ کو اہل کمال کے شفاف پانی سے سیراب اور شیریں کریں:

گر نداریم از شکر جز نام بہر ایں بسے خوشتر کہ اندر کام زہر

آسمان نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیش خاکِ تود

یعنی: اگر ہم شکر سے نام کے سوا کچھ نہیں رکھتے تو بھی یہ اس سے بہتر ہے کہ منہ میں زہر ہو۔

♦ آسمان اگر چہ عرش سے نیچے ہے، لیکن وہ زمین سے بلند ہے۔

وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۱۹۷)

پہلوان محمود کے نام تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سعادت مند وہ آدمی ہے جس کا دل دنیا سے سرد اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت

کی حرارت سے گرم ہو گیا ہو اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

ثَبَّتْكُمْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى جَادَةِ الشَّرِيعَةِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

سعادتمند وہ آدمی ہے جس کا دل دنیا سے سرد اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی محبت کی حرارت سے گرم ہو گیا ہو۔ دنیا کی محبت گناہوں کی جڑ ہے ^(۱) اور اس کا ترک کرنا تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، کیونکہ وہ حق سبحانہ کی مغضوبہ ^(۲) (ناپسندیدہ) ہے اور اس نے جب سے اس کو پیدا کیا ہے، اس کی طرف نظر نہیں فرمائی۔ دنیا اور اہل دنیا طعن و لعن سے موسوم ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ: **الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ وَمَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللَّهِ**۔ ^(۳)

یعنی: دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، وہ بھی ملعون ہے۔

چونکہ ذکر کرنے والے، بلکہ ان کے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ اللہ سبحانہ کے ذکر سے لبریز ہے، پس حق سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اس وعید سے خارج ہیں اور ان کا شمار اہل دنیا میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ دنیا ایک ایسی چیز ہے جو دل کو حق سبحانہ سے روکتی ہے اور اس کے غیر کے ساتھ مشغول کرتی ہے۔ خواہ وہ چیز مال و اسباب ہو، خواہ مرتبہ و سرداری اور خواہ آبر و اور عزت ہو۔ **فَاغْرُضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى عَنْ ذِكْرِنَا**۔ (یعنی: جو ہماری یاد سے روگردانی کرے تو بھی اس سے منہ موڑ لے۔ سورۃ النجم، ۲۹) **لَوْ قَاطَعَ** ہے۔ دنیا سے جو کچھ ہے وہ بلائے جان ہے۔ اس کے رہنے والے دنیا میں ہمیشہ تفرقہ (انتشار) میں ہیں اور آخرت میں ندامت و حسرت میں ہوں گے۔ اس کے ترک کرنے کی حقیقت سے مراد اس کی رغبت کا خاتمہ ہے اور اس کی رغبت کا خاتمہ اس وقت ثابت ہوتا ہے جب (اس کا) ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے، اور اس چیز کا حاصل ہونا اور باب جمعیت کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔ ان بزرگواروں کی صحبت اگر میسر ہو جائے تو (اس کو) غنیمت شمار کرنا چاہیے اور خود کو ان کے سپرد کر دینا چاہیے۔

میاں شیخ مزمل کی صحبت اگر چہ غنیمت میں شمار ہے اور ایسے عزیز بزرگوں کا وجود سرخ گندھک سے بھی زیادہ قیمتی ہے، لیکن اہل کرم کا شیوہ ایثار ہے، یعنی دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا ہے۔ اگر آپ چند روز کے لیے میاں شیخ مزمل کو رخصت فرمادیں تو مناسب ہے۔ وہ کام سے فارغ ہونے کے بعد ان شاء اللہ العزیز واپس چلے جائیں گے اور غائبانہ اخلاص بھی آپ کے لیے حضور (حاضری) کا کام کرے گا۔ زیادہ (لکھنا) در دوسرے۔ **رَزَقْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ الْإِسْتِقَامَةَ عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ أَكْمَلُهَا**۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت پر استقامت عطا فرمائے۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۱۹۸)

خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ فقیروں کی دوستی امیروں کے ساتھ اس زمانے میں بہت مشکل ہے اور جو کچھ

اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

نبی کریم اور آپ کی آل اطہار علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے فتوحاتِ مکیہ، فتوحاتِ مدنیہ کی کنجی ہو۔ آپ

نے جو محبت نامہ گرامی فقیروں کے نام ارسال فرمایا تھا، وہ موصول ہوا (اور) محبت کی زیادتی کا باعث بنا۔ بُشْرٰی لَکُمْ، ثُمَّ بُشْرٰی لَکُمْ۔ یعنی: آپ کے لیے خوشخبری ہے اور آپ کے لیے مسرت بخش خبر ہے۔

میرے مخدوم! فقیروں کے لیے امیروں سے دوستی کرنا اس زمانے میں بہت مشکل ہے، کیونکہ اگر فقراء کچھ کہنے یا لکھنے میں تواضع اور حسن اخلاق جو فقیروں کے لوازمات میں سے ہے، کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ناعاقبت اندیش اپنی بدظنی سے خیال کرتے ہیں کہ (یہ لوگ) لالچی اور محتاج ہیں۔ لہذا وہ اس بدظنی میں دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ جاتے ہیں اور ان بزرگواروں کے کمالات سے محروم رہتے ہیں اور اگر فقراء استغنا برتتے ہیں تو کوتاہ نظر اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ (فقراء) متکبر اور بد اخلاق ہیں وہ نہیں جانتے کہ استغنا بھی فقر کے لوازمات میں سے ہے، کیونکہ اس جگہ دوسدوں کا جمع ہونا محال نہیں ہے۔ (حضرت) ابوسعید خراز (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: عَرَفْتُ رَبِّي بِجَمْعِ الْأَضْدَادِ۔

یعنی: میں نے اپنے رب کو سدوں کے جمع ہونے سے پہچانا ہے۔ اگرچہ اہل نظر اس بات کو قبول نہیں کرتے اور محال سمجھتے ہیں، لیکن غم نہیں ہے کیونکہ ولایت کے طور اور طریقے نظر و عقل سے برتر ہیں۔

باقی حالات میرا مولانا تفصیل سے عرض کریں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷) یعنی: جو شخص ہدایت کی بات مانے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۱۹۹)

ملا محمد امین کا بلی کو تحریر فرمایا۔ ورد و وظائف سے جو کچھ انہوں نے طلب کیا تھا، اس کو قبول فرمانے کے بیان میں۔ (آپ کا) مکتوب گرامی جو محبت و اخلاص کی زیادتی کی خبر دینے والا اور مہر و محبت اور خصوصیت دینے کی دلالت کرنے والا تھا، موصول ہوا (اور) خوشی کا موجب بنا۔ عَافَاكَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ! آپ کو عافیت سے رکھے۔ آپ نے اور اد میں سے ایک ورد کی طلب کا اظہار کیا تھا، اس بنا پر اپنے پیارے بھائی مولانا محمد صدیق کو بھیجا گیا ہے، تاکہ وہ اس طریقہ عالیہ کے ایک ذکر میں (آپ کو) مشغول کریں۔ وہ جس کام کا حکم فرمائیں، آپ اس کو بجالانے کی پوری کوشش کریں۔ امید ہے کہ خوب مفید ہوگا۔ چونکہ (ذکر کی تلقین کے لیے) صرف لکھنا کافی نہیں تھا اور (یہ) صحبت میں حاضر ہونے سے متعلق تھا، لہذا امثالہ الیہ بھائی (محمد صدیق) کے بھیجنے کی زحمت دی گئی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۰۰)

ملائیکیی اصفہانی کو تحریر فرمایا۔ نجات (الانس) کی مشکل عبارت کے حل میں، جس کی انہوں نے شرح طلب کی تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلٰی آلِهِ الطَّاهِرِينَ اَجْمَعِينَ۔ یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل اطہار پر درود و سلام ہو۔ نجات (الانس) کی عبارت جو درحقیقت مشکل تھی (اور آپ نے) فرمایا تھا کہ اس کی شرح کی جائے۔ اس بنا پر (فقیر

نے) چند کلمات (لکھنے کی) جسارت کی ہے۔

میرے کرم مخدوم! عین القضاۃ ہمدانی (رحمۃ اللہ علیہ) اس جماعت کے حال کے بیان میں جو بغیر پیر و شیخ کے اُن دیکھے راستے پر چلے۔ کہتے ہیں: ”ان میں سے بعض کو مغلوبی نے اپنی پناہ میں محفوظ رکھا اور مستی ان کے سر پر چتر بن گئی اور جو باتمیز (عیب سے پاک) رہا، اس کا سر کاٹ دیا گیا۔“

راہ مسلوک (دیکھا ہوا راستہ) سے مراد جسے اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے، حق تعالیٰ کی تلاش کا طریقہ اور مشہور ”دس مقامات“ کو ترتیب و تفصیل کے ساتھ طے کرنا ہے۔ اس طریقہ میں نفس کا تزکیہ قلب کے تصفیہ سے مقدم ہے، اور اس میں انابت (وتوبہ) ہدایت کی شرط ہے۔ راہ نامسلوک (نہ دیکھے ہوئے راستے) سے مراد جذبہ و محبت کا طریقہ ہے اور اس میں تصفیہ (قلب) تزکیہ (نفس) پر مقدم ہے اور یہ انتخاب کا راستہ ہے جو انابت (وتوبہ) کی شرط نہیں ہے اور یہ طریقہ محبوبوں اور مرادوں کا طریقہ ہے، پہلے طریقہ کے برعکس جو محبوب کا طریقہ اور مریدوں کا راستہ ہے۔ ان میں سے بعض جو قوت جذبہ اور غلبہ محبت رکھتے تھے، جس سے مغلوبی اور مستی مراد ہے، وہ آفاقی (بیرونی) اور انفسی (اندرونی) شیطانوں کے شر سے محفوظ رہے اور ان کے بھٹکانے اور گمراہ کرنے سے مامون رہے۔ اگرچہ رہبر نہ رکھتے تھے، لیکن اللہ جل سلطانہ کے فضل نے ان کی رہنمائی فرما کر انہیں مطلوب حقیقی تک پہنچا دیا۔ اور ان میں سے جو باتمیز (عیب سے پاک) تھا، یعنی قوت جذبہ نہیں رکھتا تھا اور غلبہ محبت اس کے حق میں مفقود تھا، چونکہ وہ رہبر نہیں رکھتا تھا، (لہذا) دین کے دشمنوں نے اسے راستے سے بھٹکا دیا اور اس کو ہلاک کر ڈالا اور اس کو ابدی موت میں مبتلا کر دیا۔

مجملہ ان مغلوب الحال میں سے دو وہ ترک تھے جن کی حکایت حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے رمز و اشارہ سے بیان کی ہے کہ ”ہم (ایک) بڑے قافلے کے ہمراہ ایک راستے پر جا رہے تھے۔ اچانک دو ترک قافلہ سے باہر گئے اور نامسلوک (اُن دیکھے) راستے پر چل پڑے“ قصہ کے آخر تک۔

(یعنی) جس راستے پر (ایک) بڑا قافلہ چل رہا تھا، وہ سلوک کا راستہ ہے جو مشہور ”دس مقامات“ کو ترتیب اور تفصیل سے طے کرنے سے پورا ہوتا ہے، کیونکہ اکثر مشائخ خاص کر کے متقدمین اسی راستے کے ذریعے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور جو نامسلوک (اُن دیکھا) راستہ ان ترکوں نے اختیار کیا اور حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس راستے میں ان کی پیروی کی وہ جذبہ و محبت کا طریقہ ہے، جو مقررہ راہ سلوک کی نسبت (اللہ تک) پہنچنے کے لیے زیادہ نزدیک ہے اور اس طریقہ کا مقدمہ لذت و آرام ہے جو حس سے بے حس ہونے اور شعور سے بے شعور ہونے کا باعث ہے اور انہوں نے اشارہ سے اس حالت کو ”رات“ کہا ہے۔ اور چونکہ مخلوق سے یہ غیبت و بے حسی حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ حضور اور شعور کو شامل ہے، (لہذا انہوں نے) اس حضور و شعور کو چاند سے اشارہ فرمایا ہے۔

یہ مقام کچھ بیان کا تقاضا کرتا ہے، لہذا کان لگا کر سننا چاہیے کہ جسم کی منظم روح ہے اور جسم کا مربی (تربیت کرنے والا) دل ہے۔ جسمانی قوتیں روحانی قوت سے اکتساب کرتی ہیں اور جسمانی حواس قلبی نورانیت سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ پس مجبوراً بارگاہ خداوندی جل شانہ کی طرف قلب و روح کے متوجہ ہونے کے وقت جو طریقہ جذبہ میں لازم ہے، حال

کے شروع میں جو کہ نقص کا وقت ہے جسم کی تدبیر اور جسم کی تربیت میں سستی راستہ پالیتی ہے جس کے معطل ہونے اور شعور سے بے خبری کا سبب بنتی ہے اور قوتوں اور اعضاء کو سست بنا ڈالتی ہے اور بے اختیار کر کے زمین پر سلا ڈالتی ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں اس حالت کو ”سماع روجی“ سے تعبیر فرمایا ہے اور جس سماع میں رقص و حرکت سے دوری ہے، اس کو ”سماع طبعی“ کہا ہے اور مبالغہ کے ساتھ اس سے منع کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ ظاہری غیبت باطنی حضوری کو شامل ہے اور یہ جسمانی بے حسی روجی شعور پر مشتمل ہے، جس کی تعبیر چاند سے مناسب ہے۔ اب ہم اصل بات بیان کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ”چاند کا چہرہ سیاہ بادل میں چھپ جانا“ سے مراد بشری صفات کا ظہور ہے، جو مبتدیوں کو مخفی طور پر اس حضور آگاہی تک پہنچا دیتا ہے اور یہ مخفی رکھنا احوال کے توسط تک ہی ہے، کیونکہ متوسطوں کے لیے یہ استتار (پوشیدگی) نہیں ہے، اگرچہ وہ استتار کے بغیر بھی نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ انہی معنوں میں کہا ہو کہ جب آدھی رات ہوئی تو چاند دوبارہ بادل سے باہر آیا تو میں نے ان دو جوانوں کے قدموں کے نشان کو پایا، کیونکہ بسط کی حالت میں، جو کہ حضور آگاہی کا وقت ہے، راستہ روشن ہو جاتا ہے اور مسافت زیادہ طے کی جاتی ہے۔ ”جب صبح ہوئی“۔ یعنی وہ غیبت اور غفلت شعاری زائل ہو گئی اور اس حضور آگاہی نے قوت پکڑی اور خلق کی توجہ کے ساتھ جمع ہو گئی۔ انہوں نے اس حضور سے (متعلق) کنایہ سورج کے طلوع ہونے سے کیا ہے۔ پہاڑ سے مراد بشریت کا ”وجود“ ہے، جو اس وقت اس پر ظاہر کیا گیا ہے، کیونکہ اس طریقہ میں تزکیہ نفس تصفیہ قلب کے بعد ہے۔ چونکہ وہ دونوں ترک قوت جذبہ اور غلبہ محبت رکھتے تھے، لہذا انہوں نے مردانہ وار بشریت کے پہاڑ کے اوپر قدم رکھ دیے اور لمحہ بھر میں اس کے اوپر چڑھ گئے اور ایک قسم کی فنا سے مشرف ہو گئے اور حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) چونکہ وہ قوت جذبہ نہیں رکھتے تھے، لہذا وہ بڑی مشقت سے اس پہاڑ کے اوپر آئے، لیکن یہ بھی ان دو ترکوں کی پیروی سے میسر ہوا، ورنہ ان کی گردن کاٹ دی جاتی۔

”لشکر گاہ“ سے مراد ”اعیان ثابتہ“ کا مرتبہ ہے، جو حقائق امکانی کے تعینات اور وجوبی علمی تعین کا جامع ہے، کیونکہ بے نہایت خیمہ ان تعینات سے کنایہ ہیں۔ ”اور ان کے درمیان ایک عظیم خیمہ“ جس کو انہوں نے ”سلطانی خیمہ“ کہا ہے، سے حق تعالیٰ و تقدس کے تعین علمی وجوبی کی جانب اشارہ ہے۔ جب حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے سنا کہ یہ ”سلطانی خیمہ“ ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ مطلب کو پالیا ہے۔ پس چاہا کہ سکرو مستی کی سواری سے، جس کی مدد کے بغیر یہ راستہ طے نہیں ہو سکتا، نیچے اترے اور مطلوب کے وصال سے آرام حاصل کرے۔

”دایاں پاؤں“ سے مراد روح ہے، کیونکہ اس راہِ نامسلوک (ان دیکھے راستے) میں قلب اور روح کے پاؤں سے چلتے ہیں، نہ کہ علم و عمل کے پاؤں سے، کیونکہ یہ راہِ مسلوک (دیکھے ہوئے راستے) سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اول جو مستی سے نکلتا ہے، یہی روح ہے۔ اور پھر قلب جس سے مراد بایاں پاؤں ہے، رکاب سے باہر نکلا ہی تھا کہ ان کے کام میں الہام ہوا کہ سلطان خیمہ میں نہیں ہے اور واقعی ایسا ہی ہے۔ حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) چونکہ قوت جذبہ نہ رکھتے تھے، لہذا معمولی خوشخبری پر مستی سے باہر آ گئے اور وہ دونوں ترک چونکہ جذبہ قوی اور غلبہ محبت رکھتے تھے، لہذا اس طرح کی خوشخبریوں پر فریب میں نہ

آئے اور مردانہ وار اوپر چلے گئے۔ حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) اگر ہزار سال انتظار کریں تو بھی سلطان کو خیمہ میں نہ پائیں گے، کیونکہ وہ (اللہ تبارک و تعالیٰ) بہت ہی زیادہ بالاتر ہے۔

قولہ: (وہ گھوڑے پر) ”بیٹھ کر شکار کو گیا ہے“۔ یعنی: وہ خوبصورت جلوہ گاہ اور مظاہر میں بیٹھا ہے اور عاشقوں کے دلوں کا شکار کر رہا ہے۔ یہ آواز اور یہ بات حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) کی فہم اور سمجھ کے مطابق تھی کہ تنزل کے طریقہ سے اس کے ساتھ بات کی گئی ہے، ورنہ جہاں اس (اللہ) تعالیٰ و تقدس کی ذات اقدس ہے، وہاں بیٹھنا اور شکار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔
شعر:

لا و ہُوَ زَاں سِرَائے روز بھی باز گشتند جیب و کیسہ تہی

یعنی: لا اور ہُو (کی معرفت اتنی بلند ہے) کہ اس خوش بخت سر میں جانے والے خالی جیب اور ہاتھ واپس آئے ہیں۔
(فقیر کی) ناقص سمجھ میں اس عبارت کا ایک اور معنی بھی آیا ہے، جو تفر داور کبریائی کے مقام کے مناسب ہے۔ اگرچہ یہ معنی بھی اللہ جل سلطانہ کی ذات اقدس کے شایان شان نہیں ہے، لیکن دوسرے معانی سے بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔ وہ معنی یہ ہے کہ وحدت پر جو کہ تعین اول اور وحدیت کے مرتبہ کے اوپر ہے، بیٹھا ہے اور چونکہ مرتبہ وحدت میں علمی و یعنی تعینات کا نیست ہونا اور فنا ہے، لہذا شکار کو، جو کہ چرندوں اور پرندوں کی ہلاکت کا سبب ہے، اس مقام کے مناسب سمجھتے ہوئے ”شکار کو گیا ہے“ فرمایا ہے۔

شیخ محمد معشوق طوسی (رحمۃ اللہ علیہ) اور امیر علی عبو (رحمۃ اللہ علیہ) سلطان کی شکار گاہ پہنچے اور اس کا شکار بن گئے، لیکن معشوق طوسی (رحمۃ اللہ علیہ) زیادہ آگے اور زیادہ قریب ہیں اور حسین قصاب (رحمۃ اللہ علیہ) سلطان کے واپس آنے کی امید پر واحدیت کے خیموں میں ہی رہ گئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْمُرَادِ وَمَا فِیْهِ مِنَ الصَّوَابِ وَالسَّادِدِ۔
یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی مراد کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے اور اس کی بہتری اور درستی سے بھی وہی آگاہ ہے۔

میرے مخدوم! طریقہ نقشبندیہ کے اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے اسی نامسلوک (اُن دیکھے) راستے کو اختیار کیا ہے اور یہ غیر مقررہ راستہ ان بزرگواروں کے طریقہ میں مقررہ راستہ بن گیا ہے اور وہ جہاں جہاں کو اس راستے سے توجہ اور تصرف کے ذریعے مطلب تک پہنچاتے ہیں۔ اس طریقہ میں وصول لازم ہے، بشرطیکہ پرمقتدا کے آداب کا لحاظ رکھا جائے، کیونکہ اس طریقہ میں بوڑھے و جوان اور عورتیں و بچے وصول میں برابر ہیں، بلکہ فوت ہونے والے بھی اس دولت کی امید رکھتے ہیں۔
حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے حق سبحانہ و تعالیٰ سے ایک ایسا طریقہ مانگا ہے جو یقیناً موصل (اللہ تک پہنچانے والا) ہے۔ حضرت خواجہ علاء الدین قدس سرہ، جو آپ کے پہلے خلیفہ ہیں، اس بارے میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

گر نَشکستے دلی دربان راز قفلِ جہاں را ہمہ بگشادے

یعنی: اگر راز کے محافظ کا دل نہ ٹوٹتا تو میں جہاں کے سب تالے کھول دیتا۔

تَبَتَّنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلٰی طَرِیْقَةِ هٰؤُلَاءِ الْاَکَابِرِ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں ان اکابر کے طریقہ پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۰۱)

کوچک بیگِ حصار کی کوٹھری فرمایا۔ ان کے سوال کے جواب میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

جناب کوچک بیگِ حصار نے پوچھا ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ سارے علوم دو تین حروف میں درج ہیں، بات کا یقین کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ظاہراً اس شخص نے علم، سماع اور کتابوں کے مطالعہ کے لحاظ سے کہا ہوگا، کیونکہ متقدمین اکابر سے اس طرح کی باتیں سرزد ہوئی ہیں۔ حضرت امیر (علی) کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا ہے کہ تمام علوم بسم اللہ کی ”با“ میں درج ہیں، بلکہ اس ”با“ کے نقطہ میں۔

اگر وہ شخص اس بات کے کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو پھر اس کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ سب علوم دو تین حروف میں درج ہیں۔ اس سے بھی زیادہ عام بات یہ ہے کہ خواہ ان دو تین حروف کو خصوصیت سے اس کے علم میں لایا گیا ہو، یا نہ لایا گیا ہو، تو بھی یہ صدق کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اگر وہ کہے کہ تمام علوم کو دو تین حروف میں میرے اوپر ظاہر کیا گیا ہے اور ان دو تین حروف کے صفحہ میں میں سب علوم کو مطالعہ کرتا ہوں تو پھر وہ جھوٹا دعویٰ دار ہے، اس بات کا یقین نہیں کرنا چاہیے۔ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا.

یعنی: جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۰۲)

میرزا فتح اللہ حکیم کو تحریر فرمایا۔ اس جماعت کے حال پر افسوس میں کرنے جنہوں نے خود کو ان اکابر کی سلکِ ارادت میں شامل کیا اور پھر بلا وجہ ان بزرگواروں سے تعلق توڑ لیا۔

تَبَتَّنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى الطَّرِيقَةِ الْمَرْضِيَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَوَةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

ایک روز مشائخِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی غیرت سے ایک بات بیان کی جا رہی تھی۔ اسی اثناء میں ذکر ہوا کہ اس جماعت کا کیا حال ہوگا جس نے خود کو ان اکابر کی سلکِ ارادت میں شامل کیا، یا ان کے ضمن میں خود کو لے آئی اور انہوں نے ان کو قبول فرمایا۔ بعد ازاں اس نے بلا وجہ اور بلا سبب ان بزرگواروں سے تعلق توڑ لیا اور ظن و گمان سے دوسروں کے دامن کو پکڑ لیا۔ اس ضمن میں آپ کا اور قاضی سنام کا نام بھی لیا گیا تھا۔ یہ مذاکرہ معلوم نہیں ہے کہ ایک لمحہ جاری رہا ہو اور وہ بھی

ایک تقریب پر مبنی تھا۔ بعد ازاں اللہ جل شانہ نہ کرے کہ فقیر نے کسی مسلمان کو دکھ دینا چاہا ہو یا دل میں کینہ رکھا ہو۔ آپ اپنی خاطر شریف کو اس بارے میں مطمئن رکھیں۔

آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہمارا طریقہ دعوتِ اسماء کا طریقہ نہیں ہے۔ اس طریقہ (نقشبندیہ) کے بزرگوں نے ان اسماء کے مسمائے فنا ہونا اختیار فرمایا ہے۔ ابتدا سے ہی ان کی توجہ احدیتِ صرف کی جانب ہے اور وہ اسم و صفت سے اللہ تعالیٰ و تقدس کی ذات کے سوا کچھ نہیں چاہتے، (لہذا) یقیناً دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں شامل ہوگئی ہے:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا
یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

اب چونکہ اس باہمی گفتگو نے کئی نقلوں کے ذریعے ایک اور شکل اختیار کر لی ہے اور اس لائق ہوگئی ہے کہ اس سے دوسرے توہمات پیدا ہوں۔ ان چند کلمات کے ذریعے ان کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کی جان پہچان سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور آپ کی عدم دوستی سے کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا، صرف آپ کی بھلائی ملحوظ اور منظور تھی۔ مثل مشہور ہے: *أَمَّا الرَّاضِي بِالضَّرَرِ لَا يَسْتَحِقُّ النَّظَرَ*۔ یعنی: جو شخص اپنے ضرر پر راضی ہو، وہ کسی نظر (شفقت) کا مستحق نہیں ہوتا۔

یقین کریں کہ اس فقیر نے آپ کا نقصان نہیں چاہا اور نہ ہی (آئندہ) چاہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ وہ غیرت کے لحاظ سے ایک بات تھی جو درویشوں میں ہوتی ہے (اور) ایک تقریب میں کہی گئی تھی۔ آپ اس سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔

دوسرا یہ کہ جو شخص خود کو حضرت (ابوبکر) صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھے، اس کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے: (۱) وہ زندیق محض ہے، (۲) یا جاہل مطلق۔ اس فقیر نے اس سے چند سال پہلے ایک مکتوب آپ کی خدمت میں فرقہ ناجیہ جو کہ اہل سنت و جماعت ہیں، کے بیان میں لکھا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ اس کے مطالعہ کے بعد بھی اس قسم کی باتیں تجویز کر رہے ہیں۔ جو شخص حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کو حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) سے افضل کہے، وہ اہل سنت و جماعت کے دائرہ سے نکل جاتا ہے۔ پھر اس کا کیا حال ہوگا جو خود کو افضل سمجھے۔ اس گروہ (صوفیہ) میں یہ بات مقرر ہے کہ اگر کوئی سالک خود کو خارش زدہ کہتے سے بہتر سمجھے تو وہ ان بزرگواروں کے کمالات سے محروم ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں پر حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کی افضلیت پر سلف کا اجماع قائم ہو چکا ہے، وہ شخص احمق ہوگا جو اس اجماع کی مخالفت کا خیال کرے۔

اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسائل میں لکھا ہے کہ (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے قاتل (حضرت) وحشی (رضی اللہ عنہ) جو ایک مرتبہ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں پہنچے ہیں، وہ (حضرت) اولیس قرنی (رضی اللہ عنہ) جو خیر التابعین ہیں، سے بہتر ہیں۔ پس ایسی شخصیت کے بارے میں اس قسم کی باتیں خیال میں لانا عقل دور اندیش سے بعید ہے وہ عبارت^(۱) جس سے لوگوں کو یہ وہم پیدا ہو گیا ہے، دیکھنی چاہیے اور معاملہ کی حقیقت تک پہنچنا چاہیے۔ صرف اہل حسد کی تقلید کرنا کہاں مناسب ہے، جبکہ مشائخ نے غلبہ سکر میں نامناسب باتیں کہیں ہیں۔ شیخ بسطام (بایں درجۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں: *لَوَائِي أَرْفَعُ مِنْ لَوَاءِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)*۔

یعنی: میرا جھنڈا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے سے بلند ہے۔
ایسی باتوں سے افضلیت کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، کیونکہ یہ عین زندیقی ہے اور خدا نہ کرے کہ فقیر کی عبارت میں اس قسم کی کوئی چیز بیان ہوئی ہو۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۰۳)

ملاحسنی کو تحریر فرمایا۔ اس بلند گروہ (صوفیہ) کی محبت کی ترغیب میں اور اس بیان میں کہ ان کا ہم نشین بد قسمتی سے محفوظ ہے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

أَحْسَنَ اللَّهُ تَعَالَى أَحْوَالَكُمْ وَأَصْلَحَ سُبْحَانَهُ أَعْمَالَكُمْ وَأَمَالَكُمْ.

یعنی: اللہ تعالیٰ آپ کے احوال کو بہترین بنائے اور آپ کے اعمال اور آرزوؤں کو نیک بنائے۔

آپ کا مکتوب شریف فقراء کی محبت پر مبنی تھا، (لہذا) اس کے ملنے پر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس بلند گروہ (فقراء) کی محبت کو روز بروز زیادہ کرے اور ان کی نیاز مندی کی نسبت کو سرمایہ روزگار بنائے۔ (اس حدیث): اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ^(۱) (آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کی رو سے ان (فقراء) سے محبت کرنے والے ان کے ساتھ ہیں، اور وہ ایسے ہیں جن کا ہم نشین بد قسمتی سے محفوظ ہے۔ حدیث نبوی عَلَیْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے کراماً کاتبین کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو راستوں اور گزرگاہوں میں پھرتے رہتے ہیں اور اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں، جب وہ اس گروہ کو ذکر میں (مشغول) پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ اپنے مطلب کی طرف جلدی آؤ۔ پس وہ اپنے ہاتھ اور بازوؤں سے ان کے گرد دائرہ بنا لیتے ہیں اور کثرت کی وجہ سے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے حال کو خوب جانتا ہے، ان فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کیسے پایا؟ فرشتے کہتے کہ الہی! وہ تیری حمد و ثنا پڑھ رہے تھے اور تجھے بزرگی کے ساتھ یاد کر رہے تھے اور تجھے تمام عیوب اور نقصان سے پاک بیان کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر کیا حال ہو؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ تیری حمد اور بزرگی اور بڑائی بیان کریں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا طلب کرتے ہیں؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ جنت طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے کہ اگر وہ دیکھ لیں تو کیسا ہو؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ اور زیادہ طلب کریں اور اس کی زیادہ حرص کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ یارب! یہ گروہ تیری دوزخ سے ڈرتے ہیں اور تیری پناہ تلاش کرتے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔ (اللہ تعالیٰ) فرماتا ہے کہ اگر وہ دیکھ لیں تو کیا ہو؟ (فرشتے) کہتے ہیں کہ اگر دیکھ لیں تو بہت زیادہ پناہ مانگیں اور اس سے زیادہ اس سے بھی دور بھاگیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔^(۲) فرشتے کہتے ہیں کہ یارب! ان ذکرین کی مجلس میں فلاں آدمی ذکر کے لیے نہیں آیا تھا، وہ دنیاوی حاجت رکھتا تھا اور اس کے لیے آیا تھا۔ حق

سجاء فرماتا ہے کہ یہ لوگ اَنَا جَلِيسُ مَنْ ذَكَرْنِي^(۳) (میں اُس کا ہم نشین ہوں جس نے میرا ذکر کیا) کی رو سے میرے ہم نشین ہیں اور ان کا ہم نشین بدقسمت نہیں ہوتا۔

پس اس حدیث اور پہلی حدیث الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ سے لازم آتا ہے کہ اس گروہ (فقراء) کے محبت ان کے ساتھ ہیں اور جو ان کے ساتھ ہے وہ بدقسمت نہیں ہوتا۔ ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى مَحَبَّةِ هَؤُلَاءِ الْكِرَامِ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الْهَاشِمِيِّ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُونَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُونَ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو نبی (کریم) الامی الهاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ان بزرگوں کی محبت میں ثابت قدم رکھے، جب تک ذکر کرنے والے اس کے ذکر میں مشغول رہیں اور جب تک غفلت کرنے والے اس کے ذکر سے غافل رہیں۔

آپ نے اپنے حالات سے جو کچھ میاں شیخ اللہ داد کے مکتوب میں تحریر کیا تھا، اس طرح کی نیستیاں اور غیر موجودگیاں طالبین پر زیادہ ظاہر ہوتی ہیں۔ آپ ہمت بلند رکھیں اور جو کچھ ہاتھ آئے، اس پر قناعت نہ کریں:

بس بے رنگ است یارِ دلخواہ اے دل قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل

یعنی: اے دل! دلبر بہت بے رنگ ہے، (لہذا) تو اچانک رنگ پر قناعت کرنے والا مت بن۔

اس گروہ کی صحبت اہم ضروریات میں سے ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ ان کی صحبت میں داخل کرے:

گردِ مستان گردِ اگر می کم رسد بوئے رسد گرچہ بوئے ہم نباشد رویتِ ایشان بس است

یعنی: مستوں کے ارد گرد گھوم، اگر شراب تھوڑی ملی تو بو تو ملے گی ہی۔ اگرچہ بو نہ ملے تو دیدار ہی کافی ہے۔

اسی طریقہ سے جو کہ آپ نے حضرت قبلہ گاہی یعنی خواجہ عبدالباقی قدس سرہ سے اخذ کیا ہے، اسم مبارک ”اللہ“ کو بے مثلی اور بے مثالی کے (معنی) سے دل میں لائیں اور حاضر و ناظر کے معنی کا تصور نہ کریں، کوئی صفت بھی ملحوظ نہ رکھیں۔ اسی اسم مبارک کو مذکورہ توجہ کے ساتھ ہمیشہ دل میں حاضر رکھیں۔ بعض ضروری امور حاضری اور صحبت سے تعلق رکھتے ہیں، اگر ملاقات میسر ہوگئی تو بیان کیے جائیں گے۔ ملاقات کے وقت تک نئے حالات لکھتے رہیں، کیونکہ ان کا مطالعہ غائبانہ توجہ کا باعث بنتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۰۴)

میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اہل خسارہ کے اعتراضات سے غمزدہ نہ ہوں اور جو کام درپیش ہے

(اس میں) مشغول رہیں، نیز دوستوں کی جمعیت اور ان کی ترقیوں کے حاصل ہونے میں اور جو کچھ اس کے مناسب

ہے (اس کے بیان میں)۔

جناب میر محمد نعمان اہل خسارہ کی پریشان (کرنے والی) باتوں کا غم نہ کھائیں۔ كُلُّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ۔ (سورۃ بنی

اسرائیل ۸۴) یعنی: ہر شخص اپنے طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے۔

(لہذا آپ کے) لائق ہے کہ اعتراض کرنے والے کو بدلہ اور جزا نہ دیں۔ جھوٹ کو روشنی نہیں ملتی۔ ان کے متضاد کلمات

ہی ان کے بازار کی بے رونقی کا سبب بن جائیں گے: مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ. (سورۃ نور، ۴۰) یعنی: اللہ تعالیٰ جس کو روشنی نہ دے، اس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

جوشغل آپ کو درپیش ہے، اسی میں کوشش کریں اور اس کے علاوہ دوسرے سے چشم پوشی کریں: قُلِ اللَّهُ لَا تُمُّ ذَرَّهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ. (سورۃ انعام، ۹۱) یعنی: آپ کہیں ’اللہ‘، اور پھر اُن کو چھوڑ دیں کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ میرے بھائی خواجہ محمد صادق بروقت پہنچے، (آخری) دس دنوں کا اعتکاف سازگاری کے ساتھ بجالائے اور فتوحات و واردات تازہ سے مشرف ہوئے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کا شکر ہے) کہ سب دوستوں کے اوقات بھی جمعیت سے گزر رہے ہیں اور مسلسل ترقیاں (حاصل ہو رہی) ہیں۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ جمعہ، ۴) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔ وَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ صَحْبِهِ وَ سَلَّمَ وَ بَارَكَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

مکتوب نمبر (۲۰۵)

خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ صاحبِ شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والحقہ کی متابعت اصلی مقصود ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو حضرت (محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت سے مشرف فرمائے، پس بلاشبہ صدیقیوں کا اصلی مقصود اور آرزو یہی ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے، پس وہ باطل و سو سے اور فاسد خیالات ہیں۔ اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو ان سے نجات بخشے۔ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّوَكَّلْ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَ عَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ دَائِمًا. یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو ہمیشہ لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۰۶)

ملا عبد الغفور سمرقندی کو تحریر فرمایا۔ دنیا کی مذمت اور اس کے عیش و عشرت میں گرفتاری کی برائی (کے بیان) میں۔

اللَّهُمَّ نَبِّهْنَا قَبْلَ أَنْ يُنَبِّهَنَا الْمَوْتُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَفْضَلُهَا. یعنی: اے اللہ! تو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمیں (غفلت سے) بیدار کر، اس سے پہلے کہ موت ہمیں بیدار کرے۔

آپ نے جو عمدہ مکتوب اور مبارک خط اس دور پڑے ہوئے حقیر کے نام تحریر کیا تھا، اس کے موصول ہونے پر خوش اور مسرور ہوا۔ جَزَاكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عِنْدَ خَيْرِ الْجَزَاءِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اے بھائی! آدمی کو دنیا میں مرغن و لذیذ کھانوں اور خوبصورت و نفیس لباسوں کے لیے نہیں بھیجا گیا اور فائدہ حاصل کرنے، عیش و عشرت اور کھیل کود کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ اس کی تخلیق کا مقصد اس کی وہ خواری و انکساری اور عاجزی و محتاجی

ہے جو بندگی کی حقیقت ہے۔ لیکن وہ انکساری و محتاجی جس کی شریعت مصطفویٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقیت نے اجازت فرمائی ہے، کیونکہ اہل باطن کی جو ریاضتیں اور مجاہدے روشن شریعت کی موافقت نہیں رکھتے، ان سے نقصان اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں ملتا اور وہ حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں دیتے۔

چاہیے کہ آپ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے علماء کی آراء کے مطابق اپنے ظاہر کو عملی اور اعتقادی طور پر روشن شریعت کے احکام کی بجا آوری سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے بعد اپنے باطن کو ذکر الہی جل سلطانہ سے معمور رکھیں اور جو سبق اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ عالیہ میں اخذ کیا ہے اس کا تکرار فرمائیں، کیونکہ ان بزرگواروں کے طریقہ میں انتہا ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ کم عقل اس بات کا یقین کریں یا نہ کریں (فقیر کا) مقصد دوستوں کو رغبت اور شوق دلانا ہے، مخالفین بحث سے خارج ہیں:

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است و آنکہ دیدش نقد خود مردانہ است

یعنی: جس نے افسانہ کہا، افسانہ ہے۔ جس نے اس کو اپنا نقد دیکھا، وہ جرأت مند ہے۔

مختصر یہ کہ آخرت کی نجات کو ذکر کثیر سے وابستہ کیا گیا ہے: **وَاذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**. (سورۃ جمعہ، ۱۰) یعنی: اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتے رہو، تاکہ نجات پاؤ۔

(مذکورہ بالا آیت) اس پر سچا گواہ ہے۔ پس ذکر کثیر کو برقرار رکھنا چاہیے اور جو چیز اس دولت کے مخالف ہے، اس کو دشمن سمجھنا چاہیے۔ نجات کی یہی تدبیر ہے: **مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ**. (سورۃ مائدہ، ۹۹) یعنی: پیغام پہنچانے والے کے ذمے تو صرف (اللہ کا پیغام) پہنچانا ہے۔

ذکر گو ذکر تا ثرا جان است پاکي دل ز ذکر رحمان است

یعنی: ذکر کر ذکر، جب تک تیری جان ہے، کیونکہ دل کی پاکیزگی رحمن (اللہ) کا ذکر کرنے سے (نصیب ہوتی) ہے۔ **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ**. (سن لو! اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔ سورۃ رعد، ۲۸) اس پر نص قاطع

ہے۔

وَالْمَسْئُولُ مِنَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ التَّوْفِيقُ عَلَى ذَلِكَ وَالثَّبَاتُ وَالْإِسْتِقَامَةُ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَلَكَ الْأَمْرِ.

یعنی: اللہ سبحانہ سے التجا ہے کہ وہ اس پر ثبات قدم اور استقامت کی توفیق بخشے، کیونکہ اصلی مقصود یہی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷) **وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتْمَمَهَا وَاكْمَلَهَا**.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو

ہدایت نصیب ہو۔

جو قبائیک اوقات میں بارہا پہنی گئی ہے وہ بھیجی گئی ہے، (آپ اس کو) پہنیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل امجاد کے صدقے آپ کے تمام کاموں کا انجام نیک ہو۔

مکتوب نمبر (۲۰۷)

میرزا حسام الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب میں بڑی تاثیر حاصل ہے، نیز اس بیان میں کہ وجد اور حال کو جب تک شرع کے ترازو سے نہ تولیں تو اس کی آدھا پیسہ بھی قیمت نہیں لگاتے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

ایک مدت ہوئی ہے کہ آپ جناب، حضراتِ مخدوم زادگان، میرے بیٹے میاں جمال الدین حسین، باقی عزیزوں اور بلند درگاہ کے خادموں، خاص کر کے میاں شیخ اللہ داد اور میاں شیخ اللہ دیا کی خیریت کی اطلاعات نہیں پہنچیں۔ اس کا مانع اس دور پڑے ہوئے کو بھلا دینے کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ جی ہاں! بدنوں کے قرب کو دلوں کے قرب سے بڑی تاثیر حاصل ہے، لہذا کوئی ولی صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچتا۔ (حضرت) اولیس قرنی (رضی اللہ عنہ) نے اس قدر بلند شان کے باوجود چونکہ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وآلہ الصلوٰات والتسلیمات کے شرفِ صحبت کو نہیں پایا، لہذا ادنیٰ صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچتے۔ ایک شخص نے (حضرت) عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: أَيُّهُمَا أَفْضَلُ مَعَاوِيَةُ أَوْ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ؟ یعنی: حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) افضل ہیں یا (حضرت) عمر بن عبد العزیز (رحمۃ اللہ علیہ)؟

تو انہوں نے جواب میں فرمایا: الْغُبَارُ الَّذِي دَخَلَ أَنْفَ فَرَسٍ مُّعَاوِيَةَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ خَيْرٌ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ كَذًا مَرَّةً.

یعنی: جو دھول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی میں (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوئی ہے، وہ (حضرت) عمر بن عبد العزیز (رحمۃ اللہ علیہ) سے کئی درجے بہتر ہے۔

اس علاقے کے احوال اور حالتیں متعلقین اور فرمانبرداروں سمیت بخیر و عافیت ہیں۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ بَلْ عَلَىٰ جَمِيعِ النُّعْمَاءِ وَالْآلَاءِ وَعَلَىٰ الْخُصُوصِ عَلَىٰ نِعْمَةِ الْإِسْلَامِ وَمُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْآلَامِ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ فَإِنَّهُ مَلَكَ الْأُمْرِ وَمَدَارُ النَّجَاتِ وَمَنَاطُ الْفَوْزِ بِالسَّعَادَاتِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْآخِرَوِيَّةِ. ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا. یعنی: اس پر، بلکہ سب نعمتوں و عطاؤں اور خاص کر کے اسلام اور سید الانام (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے، کیونکہ اصلی مقصود، نجات کا مدار اور دنیا و آخرت کی سعادتوں کا پانا اسی سے وابستہ ہے۔ اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس پر ثابت قدم رکھے۔

ع کار اینست و غیر ایں ہمہ ہیچ

یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

صوفیہ کی ہرزہ سرائی سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ اور ان کے احوال سے کیا بڑھتا ہے۔ وہاں وجد و حال کو جب تک شرع

کے ترازو پر نہ تو لیں، اس کی آدھا پیسہ بھی قیمت نہیں لگاتے اور کشفوں اور الہاموں کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پڑھیں، اسے آدھے جو کے برابر بھی (لینا) پسند نہیں کرتے۔ صوفیہ کے طریقہ پر چلنے کا مقصد یہ ہے کہ شرعی اعتقادات جو ایمان کی حقیقت ہیں، کے یقین میں اضافہ کا حصول ہے، نیز فقہی احکام کی ادائیگی کی سہولت کا میسر ہونا ہے، نہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور کام۔ کیونکہ رؤیت (باری تعالیٰ) کا وعدہ آخرت پر ہے، دنیا میں البتہ واقع نہیں ہے۔ جن مشاہدوں اور تجلیوں سے صوفیہ خوش ہیں، وہ صرف ظلال (سایوں) سے آرام اور شبہ و مثال سے تسلی (پانا) ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ (اس سے) بہت زیادہ بلند و برتر ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ اگر ان کے مشاہدات اور تجلیات کی حقیقت جیسا کہ وہ ہیں، بیان کی جائے تو (اس کا) خوف ہے کہ اس راستے کے مبتدیوں کی طلب میں ایک کمی پیدا ہو جائے اور ان کے شوق میں ایک سستی آجائے۔ نیز (فقیر) اس سے بھی ڈرتا ہے کہ اگر علم کے باوجود بیان نہ کرے تو پھر (گویا) اس نے باطل کو حق کے ساتھ ملانے کی اجازت دے دی ہے۔ **يَا ذَلِيلَ الْمُتَحَيِّرِينَ ذُلِّي بِحُرْمَةٍ مَنْ جَعَلَتْهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ**۔
یعنی: اے حیرت زدہ لوگوں کے رہنما! اس ہستی کے صدقے جن کو تو نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنایا ہے، میری رہبری فرما (اور مجھے راستہ دکھا)۔

(آپ) کبھی کبھار اپنے احوال کی کیفیات سے آگاہ فرماتے رہیں، (کیونکہ یہ چیز) محبت میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ **وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورة طه، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَفْضَلُهَا وَأَكْمَلُهَا**۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۰۸)

حضرت مخدوم زادہ یعنی میاں محمد صادق سلمہ اللہ سُبْحَانَهُ عَلٰی مَفَارِقِ الْمُحْبِبِينَ (اللہ سبحانہ ان کا سایہ محبوبوں کے سروں پر قائم رکھیں) کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے کیا تھا کہ اس طریقہ کا سالک کبھی خود کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے مقام میں پاتا ہے، بلکہ بعض اوقات میں دیکھتا ہے کہ ان مقامات سے بھی بالا گیا ہے۔ اس معنی کا راز کیا ہے؟

میرے بیٹے نے پوچھا تھا کہ اس طریقہ کا سالک مقاماتِ عروج میں کبھی خود کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتَّسْلِيمَاتِ اَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا کے مقامات میں پاتا ہے، بلکہ بعض اوقات میں سمجھتا ہے کہ ان مقامات سے بھی اوپر چلا گیا ہے، اس معنی کا راز کیا ہے؟ جبکہ مقرر ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتَّحِيَّاتِ أَفْضَلُ ہیں۔ اولیاء جو کچھ بھی پاتے ہیں، انہی کے صدقے پاتے ہیں اور ولایت کے کمالات تک ان کی متابعت سے پہنچتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والبرکات کے وہ مقامات ان کے عروج کے مقامات کی نہایتیں نہیں ہیں، بلکہ ان بزرگواروں کا عروج مراتب (کے لحاظ) سے بہت بالا ہو گیا ہے۔ کیونکہ ان مقامات سے مراد اسمائے الہی جل سلطنت

ہیں جو ان کے تعینات کے مبادی ہیں اور حضرت حق تعالیٰ کی ذات اقدس کے فیوض کے وسیلے ہیں۔ کیونکہ حضرت حق تعالیٰ کی ذات اقدس کو اسماء کے توسط کے بغیر عالم سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور بے نیاز ہونے کے سوا کوئی نسبت حاصل نہیں۔ (یہ آیت) کریمہ اس معنی کی گواہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ (سورۃ عنکبوت، ۶)

یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب جہانوں سے بے پروا ہے۔

جب یہ بزرگوار عروج کے مراتب سے نزول فرماتے ہیں اور اوپر کے انوار کو اپنے ساتھ لے کر نیچے آتے ہیں تو ان اسماء میں اپنے درجات کے مطابق، جو ان کے طبعی مقامات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اقامت فرماتے ہیں اور وطن بنا لیتے ہیں، لہذا اگر کوئی شخص ان کو استقرار کے بعد تلاش کرے تو انہی اسماء میں پائے گا۔ پس بلند صلاحیت والا جو حضرت حق تعالیٰ و تقدس کی ذات اقدس کی طرف متوجہ ہے، ناچار عروج کے وقت میں انہی اسماء میں پہنچ جائے گا اور وہاں سے اوپر گزر جائے گا۔ اِلٰی مَا شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ یعنی: جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

لیکن جب یہ سالک اوپر سے نیچے آتا ہے اور اس اسم میں جو اس کے وجود کے تعین کا مبداء ہے، نزول کرتا ہے تو وہ اسم الہیہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے مقامات کے اسموں سے بہت نیچے ہوگا اور اس جگہ مقامات کا فرق ظاہر ہو جائے گا، کیونکہ فضیلت کی بنیاد یہ ہے کہ جس کا مقام بلند ہے وہی افضل ہے۔ جب تک سالک اپنے اسم سے واپس نہیں لوٹتا اور اپنے اسم کو ان (انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے) اسموں سے بہت نیچے نہیں پاتا (اس وقت تک) ذوق و حال کے طریقہ سے ان بزرگواروں کی فضیلت کو معلوم نہیں کر سکتا، بلکہ تقلید کے طور پر ان کو افضل کہتا ہے اور پہلے یقین کی وجہ سے ان کی اولیت کا حکم کرتا ہے۔ لیکن اس کا وجدان اس کے حکم کا انکار کرنے والا ہوتا ہے۔ اس وقت میں حضرت حق سبحانہ کی درگاہ میں التجا و زاری اور عاجزی و نیاز مندی کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ جو چیز معاملے کی حقیقت ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ یہ مقام سالکین کے قدموں کے پھسلنے کی جگہ ہے۔

ہم اس جواب کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔ ارباب فلاسفہ نے کہا ہے کہ دھواں خاکی اجزا اور آتش اجزا سے مرکب ہے، جب دھواں اوپر کو جاتا ہے تو خاکی اجزا آتش اجزا کے ہمراہ اوپر کو چلے جائیں گے اور قاسر (یعنی جبر سے کام کرانے والے) اور قسر (جبر) حاصل ہونے کی وجہ سے عروج کر جائیں گے۔ فلاسفہ نے کہا ہے کہ اگر دھواں قوی ہو تو اس کا عروج کرۂ نارتک ثابت ہوتا ہے۔ اس عروج میں خاکی اجزا، آبی اجزا اور ہوائی اجزا کے مقامات میں جو کہ طبعی طور پر برتری رکھتے ہیں، پہنچ جائیں گے اور (پھر) وہاں سے عروج کر کے اوپر چلے جائیں گے۔ اس صورت میں نہیں کہا جاسکتا کہ خاکی اجزا کا مرتبہ اجزائے آبی اور ہوائی سے زیادہ بلند ہے، کیونکہ وہ برتری قاسر (یعنی جبر سے کام کرانے والے) کے اعتبار سے ہوئی ہے، ذات کے لحاظ سے نہیں ہوئی۔ اور کرۂ نارتک پہنچنے کے بعد وہ خاکی اجزا نیچے گرتے ہیں اور اپنے طبعی مرکز میں پہنچتے ہیں تو یقیناً ان کا مقام آب اور ہوا کے مقام سے زیادہ نیچے ہوگا۔

پس ہماری اس بحث کے مطابق اس سالک کا ان مقامات میں عروج بھی قاسر (یعنی جبر سے کام کرانے والے) کے اعتبار سے ہے، کیونکہ وہ قاسر گرمی محبت کی زیادتی اور جذبہ عشق کی قوت ہے اور ذات کے اعتبار سے اس کا مقام ان مقامات

کے نیچے ہے۔

یہ جواب جو بیان ہوا ہے منہی کے حال کے مناسب ہے، لیکن اگر ابتدا میں یہ وہم پیدا ہو جائے اور خود کو اکابر کے مقامات میں پائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مقام کا ابتداء و توسط میں ایک ظل (سایہ) اور مثال ہے اور مبتدی و متوسط جب ان کے ظلال (سایوں) تک پہنچتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ ان مقامات کی حقیقت تک پہنچ گئے ہیں۔ ظلال (سایوں) اور حقائق کے درمیان فرق نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اکابر کی شبہ و مثال کو جب ان کے مقامات میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے مقامات میں اکابر کے ساتھ ایک شرکت (برابری) پیدا کر لی ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس جگہ چیز کے ظل (سایہ) کا چیز کے نفس کی طرح ہونا لازم آتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْأَشْيَاءِ كَمَا هِيَ وَاجْتَنِبْنَا عَنِ الْأَشْتِغَالِ بِالْمَلَاهِي بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمُّهَا وَاكْمَلُهَا۔
یعنی: اے اللہ! تو ہمیں سید الاولین والآخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے چیزوں کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ فرما اور کھیل کود میں مشغول ہونے سے محفوظ فرما۔

مکتوب نمبر (۲۰۹)

میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ رسالہ ”مبدأ و معاد“ کی بعض مشکل عبارتوں کے حل کرنے میں جو انہوں نے پوچھا تھا، نیز بعض دوسری عبارتیں جو اس کی تائید میں لکھی گئی ہیں، اور ان کے مکتوب کے جواب میں جو اس راستے کی بعض ضروری باتوں پر مشتمل تھا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ۔ یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

میرے سیادت پناہ پیارے بھائی محمد نعمان جمعیت سے رہیں۔ اس علاقے کے حالات (اللہ تعالیٰ) کے شکر کے لائق ہیں۔ سرائے فرخ میں رخصت کے وقت آپ اور میرے بھائی خواجہ محمد اشرف نے اس عبارت کے معنی پوچھے تھے، جو رسالہ مبدأ و معاد میں آئی ہے۔ چونکہ وقت نے یاری نہ کی، (لہذا) موقوف رہا۔ اب دل میں خیال آیا کہ اس عبارت کے حل میں کچھ لکھا جائے جو احباب کی تسلی کا باعث بنے۔ اس رسالہ کی عبارت یہ ہے:

آنسور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال (مبارک) کے ایک ہزار اور چند سال بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقت کعبہ کے مقام سے متحد ہو جائے گی۔ اس زمانے میں حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام حقیقت احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو جائے گا اور وہ ذات احد جل سلطانہ کی مظہر بن جائے گی اور دونوں اسم مبارک (محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مستحق کے ساتھ متحقق ہو جائیں گے اور حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پہلا مقام خالی رہ جائے گا، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے

اور شریعت محمدی علیہا الصلوٰات والتحیات کے مطابق عمل کریں گے۔ اس وقت حقیقت عیسوی (علیہ السلام) اپنے مقام سے عروج فرما کر حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام میں جو کہ خالی رہ گیا تھا، قرار پکڑے گی۔^(۱)

جاننا چاہیے کہ کسی شخص کی حقیقت اس کے تعین و جوبی سے مراد ہے کہ اس شخص کا تعین امکانی اس تعین کا ظل ہے اور وہ تعین و جوبی اسمائے الہی جل سلطانہ میں ایک اسم ہے، جیسے علیم، قدیر، مرید اور متکلم وغیرہ۔ اور وہ اسم الہی جل سلطانہ اس شخص کا رب اور اس کے وجودی اور توابع وجودی فیوض کا مبداء ہے۔ اور اس اسم کی حضرت حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے ساتھ نسبت مختلف مراتب میں ہے۔ صفت کے مرتبہ میں جس کا وجود ذات وجود پر زائد ہے، اس پر بھی اسی اسم کا اطلاق ہوتا ہے اور شان کے مرتبہ میں بھی جس کی زیادتی ذات پر مجرد اعتبار سے ہے یہی اسم صادق آتا ہے۔ صفت اور شان کے درمیان کا فرق اس مکتوب (۱: ۲۸) میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، جو سلوک و جذبہ کے بیان میں لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی چیز مخفی ہو تو آپ اس مکتوب کی طرف رجوع کریں اور شک نہیں ہے کہ شان کا حاصل ہونا بھی اگرچہ مجرد اعتبار سے ہے، لیکن اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے اوپر اس شان کے مناسب اور زائد معنی ہوں جو اس کے وجود اعتباری کا مبداء بنیں۔ پس اس اسم کو اس مرتبہ سے بھی ایک نصیب حاصل ہے اور اس زائد معنی کے اوپر میں بھی یہ احتمال جاری ہے، لیکن قوت بشری اس کے ضبط سے عاجز ہے۔ اس کم بضاعت فقیر نے ایک اور مرتبہ کو بھی عبور کیا ہے، لیکن اس مرتبہ کے اوپر فنا و نیستی کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہے۔ وَفَوْقُ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ (سورۃ یوسف، ۷۶) یعنی: اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔

هَبْنِيَا لِرَبِّابِ النِّعَمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَتَجَرَّعُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

عَلَى تَفَاوُتِ الْإِسْتِعْدَادِ وَالْقَابِلِيَّاتِ وَالْوَاصِلُونَ إِلَى الْإِسْمِ قَلِيلُونَ مِنَ الْأَوَّلِيَاءِ فَإِنْ أَكْثَرَهُمْ وَاصِلُونَ إِلَى ظِلِّ مَنْ ظَلَالٍ ذَلِكَ الْإِسْمِ بَعْدَ أَنْ عَرَجُوا مِنَ الْمَرَاتِبِ الْإِمْكَانِيَّةِ بِأَسْرِهَا بِطَرِيقِ السَّلُوكِ وَالسَّيْرِ التَّفْصِيلِيِّ وَقَدْ يَتَوَهَّمُ الْوُضُوءُ إِلَى ذَلِكَ الْإِسْمِ فِي طَرِيقِ الْجَذْبَةِ الصَّرْفَةِ أَيْضًا لَكِنَّهُ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ وَلَا يُعْتَدُّ بِهِ وَالَّذِينَ عَرَجُوا مِنْ ذَلِكَ الْإِسْمِ وَقَطَعُوا مَرَاتِبَهُ الْمُتَفَاوِتَةَ قَلَّتْ أَوْ كَثُرَتْ فَهَؤُلَاءِ أَقَلُّ قَلِيلٍ مِنْهُمْ۔ یعنی: اہل اللہ کی ایک دوسرے پر فضیلت ان کی استعدادوں اور قابلیتوں کے مطابق ان مختلف درجات کو طے کرنے کے لحاظ سے ہے اور اس اسم سے واصل اولیاء بہت کم ہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر سلوک اور تفصیلی سیر کے طریقہ سے سب مراتب امکانیہ میں عروج حاصل کرنے کے بعد اسم کے ظلال میں سے کسی ظل تک واصل ہیں اور صرف جذبہ کے طریقہ سے بھی اس اسم تک واصل ہونے کا وہم ہو سکتا ہے، لیکن یہ غیر معتبر اور ناقابل بھروسہ ہے اور جن لوگوں نے اس اسم سے عروج کیا ہے اور ان مختلف مراتب کو کم یا زیادہ طے کیا ہے، وہ ان میں سے بہت سے تھوڑے ہیں۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی شخص کی حقیقت کو جیسا کہ تعین و جوبی کہتے ہیں، اس کو تعین امکانی بھی کہتے ہیں۔ جب یہ ابتدائی باتیں معلوم ہو گئیں تو ہم کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الصلوٰات والتحیات سب مخلوقات کی مانند عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہیں اور جو اسم الہی جل سلطانہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عالم خلق کی

تربیت کرنے والا ہے، وہ ”شان العلیم“ ہے اور جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عالم امر کی تربیت فرماتا ہے، وہ معنی ہے جو اس شان کے اعتباری وجود کا مبداء ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد ”شان العلیم“ ہے اور حقیقت احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس معنی کی طرف اشارہ ہے جو اس شان کا مبداء ہے اور حقیقت کعبہ سبحانی سے بھی یہی مراد ہے اور وہ نبوت جو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے پہلے آنسو و صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس مرتبہ کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ: كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ. (۲)

یعنی: میں اس وقت بھی نبی تھا جب (حضرت) آدم (علیہ السلام) پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

(یہ چیز) حقیقت احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعتبار سے تھی جو عالم امر سے تعلق رکھتی ہے اور اسی اعتبار سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو کلمۃ اللہ تھے اور عالم امر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے، نے آنسو و صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیمات کی تشریف آوری کی بشارت (حضرت) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے دی ہے اور فرمایا ہے کہ: وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ. (سورۃ صف، ۶) یعنی: ایک رسول جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام (مبارک) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا، میں ان کی بشارت سناتا ہوں۔

وہ نبوت جو عنصری پیدائش سے تعلق رکھتی ہے، وہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ دونوں حقیقتوں کے اعتبار سے ہے اور اس مرتبہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تربیت کرنے والی وہ شان ہے اور اس شان کا مبداء ہے، لہذا اس مرتبہ کی دعوت پہلے مرتبہ کی دعوت سے زیادہ کامل ہے، کیونکہ اُس مرتبہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت عالم امر سے مخصوص تھی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تربیت کا انحصار صرف ارواح تک تھا اور اس مرتبہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت (عالم) خلق اور (عالم) امر (دونوں) کو شامل ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تربیت اجسام اور ارواح (دونوں) پر مشتمل ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنصری پیدائش کو ملکی پیدائش پر غالب بنایا گیا تھا، تاکہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے، وہ مناسبت جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے، زیادہ پیدا ہو جائے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بشریت کا اظہار کرنے کے لیے بڑی تاکید سے حکم فرماتا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ. (سورۃ کہف، ۱۱۰) یعنی: آپ کہہ دیں کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے۔

لفظ ”مِثْلُكُمْ“ کا لانا بشریت کی تاکید کے لیے ہے۔ عنصری وجود سے رحلت فرمانے کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کی جانب غالب آگئی ہے اور بشریت کی مناسبت کم ہوگئی ہے اور دعوت کی نورانیت میں امتیاز پیدا ہو گیا ہے۔ بعض صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے فرمایا ہے کہ ہم ابھی آنسو و صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں فرق پایا۔ (جی ہاں! ایمان شہودی ایمان نبوی میں تبدیل ہو گیا اور معاملہ گود سے کان تک آپ پہنچا اور دیکھنے سے سننے تک آ گیا۔ نبی کریم علیہ وسلم کی آواز اللہ کے وصال (مبارک) کے زمانہ سے

جب ہزار سال گزر گئے جو بہت زیادہ عرصہ اور طویل زمانہ ہے تو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) روحانیت کی جانب اس طرح غالب آگئی کہ (اس نے) جانبِ بشریت کو پوری طرح اپنے رنگ میں رنگ لیا اور عالمِ خلق کو عالمِ امر کے رنگ میں رنگ دیا۔ پس ناچار جس چیز نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالمِ خلق سے اپنی حقیقت کی طرف رجوع کیا تھا، وہی ظاہر ہوئی اور حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) عروج فرما کر حقیقتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملحق ہوگئی اور حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) حقیقتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متحد ہوگئی۔

اس جگہ حقیقتِ احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (عالمِ خلق اور) (عالمِ امر) کا تعین امکانی ہے، نہ کہ تعینِ وجوبی جس کا ظل تعینِ امکانی ہے۔ کیونکہ تعینِ وجوبی کے عروج کے کوئی معنی نہیں اور (اس کا) اس تعین کے ساتھ متحد ہونا معقول نہیں ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے (اور) اپنے مقام سے عروج فرماتے ہوئے پیروی کے طور پر حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقام پر پہنچ جائیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تقویت کریں گے۔ یہاں سے ہی نقل کرتے ہیں کہ پہلی شریعتوں میں اولوالعزم پیغمبر کے وصال کے ہزار سال بعد انبیائے کرام اور رسولانِ عظام مبعوث ہوا کرتے تھے، تاکہ اس پیغمبر کی شریعت کی تقویت فرمائیں اور اس کے کلمہ کو بلند کریں۔ جب اس (پیغمبر) کی دعوت کا دور مکمل ہو جاتا تھا تو دوسرا اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہو جاتا تھا اور اپنی شریعت کی تجدید فرماتا تھا۔ چونکہ خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت نسخ اور تبدیلی سے محفوظ ہے، لہذا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کے علماء کو انبیاء کا درجہ دے کر شریعت کی تقویت اور ملت کی تائید کو ان کے سپرد فرما دیا گیا ہے۔ نیز اس کے ساتھ ایک اولوالعزم پیغمبر کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تابع بنا کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت کی ترویج کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (سورۃ حجر، ۹)

یعنی: بیشک یہ ذکر (قرآن مجید) ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

جاننا چاہیے کہ خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال (مبارک) کے ہزار سال بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں جو اولیاء ظاہر ہوں گے، اگرچہ بہت ہی چھوٹے ہوں گے، (مگر) اکمل ہوں گے، تاکہ وہ اس شریعت کی زیادہ کامل طور پر ترویج کر سکیں۔

حضرت مہدی (رضوان اللہ علیہ) جن کی تشریف آوری کے بارے میں خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام والاحتیات نے بشارت فرمائی ہے، ہزار سال کے بعد تشریف لائیں گے اور خود حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہزار سال کے بعد نزول فرمائیں گے۔ اس گروہ کے اولیاء کے تمام کمالات صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے کمالات کی طرح ہیں۔ اگرچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بزرگی صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے لیے ہے، لیکن اس کی گنجائش ہے کہ مشابہت کے کمال کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ ممکن ہے کہ اسی بنا پر آنسور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہو: لَا يُدْرَى اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ۔^(۴) یعنی: معلوم نہیں کہ ان میں اول والے بہتر ہیں یا آخر والے۔

اور یہ نہیں فرمایا کہ لَا أَذْرِي أَوْ لَهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ.

یعنی: میں نہیں جانتا کہ ان کے اول والے بہتر ہیں یا آخر والے۔

کیونکہ فریقین میں سے ہر ایک کا حال آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معلوم تھا، اسی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي. ^(۵) یعنی: سب زمانوں سے بہتر زمانہ میرا ہے۔

لیکن چونکہ مشابہت کے کمال کی وجہ سے تردد کا مقام تھا، لہذا فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔

اگر پوچھا جائے کہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ (کرامؓ) کے زمانہ کے بعد تابعینؓ کے زمانہ کو بہتر (زمانہ) فرمایا ہے اور تابعینؓ کے بعد تبع تابعینؓ کے زمانہ کو۔ پھر ان دو زمانوں کی اس گروہ سے بہتری بھی یقینی ہے۔ اس طرح اس گروہ کی صحابہ (کرامؓ) کے ساتھ کیسی مشابہت ہوگی؟ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کا اس گروہ سے بہتر ہونا اولیاء اللہ کے کثرت کے ساتھ ظاہر ہونے، اہل بدعت کے وجود کی کمی اور ارباب فسق و معصیت کی کمیابی کے اعتبار سے ہو اور یہ چیز ہرگز اس کے منافی نہیں ہے کہ اس گروہ کے اولیاء اللہ میں سے بعض حضرات ان دونوں زمانوں کے اولیاء سے بہتر ہوں، جس طرح کہ حضرت مہدی (رضوان اللہ علیہ) ہیں:

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگران ہم بکند آنچہ مسیحا می کرد

یعنی: اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہی کام کریں جو (حضرت) مسیح (علیہ السلام) کرتے

تھے۔

لیکن صحابہ (کرامؓ) کا زمانہ ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اس بارے میں بات کرنا فضول ہے، وہ ایمان لانے والوں میں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور نعمتوں والی جنت میں ایسے مقربین (درگاہ) ہیں کہ دوسروں ^(۶) کا پہاڑ جتنا سونا خرچ کرنا، ان کے مدبھر جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ. (سورۃ بقرہ، ۱۰۵)

یعنی: اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ پہلے بیان سے اس عبارت کے معنی واضح ہو گئے ہیں جو رسالہ مبداء و معاد میں ان الفاظ سے پہلے لکھی گئی ہے کہ ”کعبہ ربانی کی حقیقت، حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مسجود بنی ہے۔“ کیونکہ کعبہ ربانی کی حقیقت بعینہ حقیقت احمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، اس لیے کہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) درحقیقت اس کا ظل ہے، پس ناچار وہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مسجود ہوگی۔

اگر سوال کریں کہ کعبہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کے اولیاء کے لیے آتا ہے اور ان سے برکات تلاش کرتا ہے اور چونکہ اس کی حقیقت کو حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فوقیت ہے تو پھر یہ بات کس طرح جائز ہوگی؟

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) تنزیہ و تقدیس کی بلندی کی بنا پر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقامات نزول کی انتہا ہے اور حقیقت کعبہ عروج کعبہ کے مقامات کی انتہا ہے اور حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے مرتبہ تنزیہ پر عروج کا پہلا زینہ حقیقت کعبہ ہے اور اس کے عروج و جات کی انتہا کی اطلاع حق سبحانہ کے سوا

کوئی نہیں رکھتا اور چونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کے کامل اولیاء کو آنسو و رعلیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے عروج و جات سے مکمل (حصہ) نصیب ہے، اگر کعبہ ان بزرگواروں کی برکات کی گدائی کرے تو کیا تعجب ہے۔ شعر:

زمین زادہ بر آسماں تاختہ زمیں و زماں را پس انداختہ

یعنی: زمین زادے آسمان پر تیزی سے گئے (اور) زمین و زمان کو پیچھے چھوڑ گئے۔

اس رسالہ کی دوسری عبارت جو اس مقام میں لکھی گئی ہے، وہ بھی حل ہوگئی ہے اور وہ عبارت یہ ہے کہ ”صورتِ کعبہ جس طرح کہ اشیا کی صورتوں کی مسجود ہے، اسی طرح حقیقتِ کعبہ بھی ان اشیا کے حقائق کی مسجود ہے۔“ کیونکہ پہلے مقدمات سے معلوم ہو چکا ہے کہ اشیا کے حقائق سے مراد وہ اسمائے الہی جلِ سلطنت ہیں جو ان کے وجودی فیوض اور وجودی توابع (متعلقات) کا مبداء ہیں اور حقیقتِ کعبہ ان اسماء سے بالا ہے۔ پس بلاشبہ حقیقتِ کعبہ اشیا کے حقائق کی متبوع ہوگی۔ ہاں! اگر کامل اولیاء کو حقیقتِ کعبہ سے بالاتر سیر نصیب ہو جائے اور وہ انوارِ بالا کو حاصل کر کے اپنے حقائق کے مراتب، جو مراتبِ عروج میں اشیا کے طبعی مقامات کی مانند ہیں، میں نیچے اتر آئیں تو کعبہ بھی ان کی برکات سے توقع رکھے گا، جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

نیز رسالہ مبداء و معاد میں اولو العزم انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیما تہ علیہم کی افضلیت کے بارے میں چند فقرے لکھے گئے ہیں۔ یعنی ان میں سے بعض کے بعض سے افضل ہونے کے بارے میں۔ چونکہ اس کی بنیاد (اس) کشف والہام پر ہے جو ظنی ہے، لہذا (اس کے) لکھنے اور فضیلت میں تفرقہ کرنے پر (فقیر) پشیمان اور معافی چاہنے والا ہے، کیونکہ اس بارے میں قطعی دلیل کے بغیر بات کرنا جائز نہیں ہے: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ جَمِیْعٍ مَا كَرِهَ اللّٰهُ قَوْلًا وَ فِعْلًا۔ (۷)

یعنی: میں ان تمام باتوں اور کاموں کے کرنے سے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا تھا کہ میں نے سرائے فرخ میں پوچھا تھا کہ طالبین کو طریقت کی تعلیم دینا میرے لیے اچھا ہے یا نہیں تو آپ نے جواب میں کہا تھا کہ ”نہیں“۔ فقیر کو یاد نہیں ہے کہ اس نے مطلق نفی کی ہو۔ بلکہ کہا ہوگا کہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے، مطلقاً مناسب نہیں۔ اب بھی (فقیر) یونہی سمجھتا ہے۔ چاہیے کہ (آپ) شرائط کی رعایت میں خوب احتیاط کریں، ایسا نہ ہو کہ سستی کریں۔ جب تک استخاروں سے یقین نہ ہو جائے کہ (طریقہ کی تعلیم) دینی چاہیے (اس وقت تک تعلیم طریقہ) نہ کریں۔

میرے بھائی مولانا یار محمد قدیم کی بھی اسی جانب رہنمائی کریں اور تاکید کے ساتھ کہیں کہ طریقہ کی تعلیم میں جلدی نہ کریں، مقصد دکان و سبج کرنا نہیں ہے، (بلکہ) حق سبحانہ کی مرضی کا ملاحظہ کرنا چاہیے، اطلاع (دینا) شرط ہے۔ دوسرا آپ نے اپنے مریدوں کا گلہ کیا تھا۔ شکوہ اپنی حالت کا کرنا چاہیے کہ آپ اس جماعت کے ساتھ اس طرح زندگی گزار رہے ہیں کہ یقیناً اس کا نتیجہ تکلیف ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ پیر کو چاہیے کہ مرید کی نظر میں خود کو خوبصورت بنائے، نہ یہ کہ میل جول کا دروازہ کھولے، ہم نشینوں کا سلوک کرے اور بات چیت اور حکایت کا ہنگامہ گرم رکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱۰)

ملاشکیبی اصفہانی کی طرف تحریر فرمایا۔ نجات (الانس) کی عبارت کے حل میں جو انہوں نے پوچھا تھا اور بعض ضروری نصیحتوں کے بیان میں جن کے بارے میں انہوں نے دریافت کیا تھا۔

آپ کا مبارک مکتوب اور عمدہ نوازش نامہ جو شفقت و مہربانی کرتے ہوئے آپ نے اس حقیر بے سروسامان کے نام (ارسال) فرمایا تھا، (فقیر) اس کے مطالعہ سے مشرف ہو کر خوش اور مسرور ہوا۔ آپ سلامت رہیں اور سلامت ہی جائیں اور جب تک زندہ رہیں، فقراء کی محبت پر (قائم) رہیں اور جب جائیں تو ان کی محبت کا سرمایہ (ساتھ) لے جائیں۔ جب (محشر میں) انھیں تو ان کی محبت میں انھیں، نبی کریم علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات ائمہا واکملہا کے صدقے، جنہوں نے فقر پر فخر کیا اور اس کو امیری پر ترجیح دی۔

آپ نے مہربانی کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ اس حکایت کے معاملہ کی حقیقت کیا ہے جو نجات (الانس) میں (حضرت) شیخ ابن سکینہ قدس سرہ کے مرید کے بارے میں آئی ہے کہ ”ایک روز اس نے غسل کرنے کے لیے (دریائے) دجلہ کے پانی میں غوطہ لگایا اور وہ (دریائے) نیل کے پانی سے سر نکال کر مصر میں داخل ہو گیا۔ اس نے یہاں شادی کی اور فرزند پیدا کیے اور سات سال تک مصر میں مقیم رہا۔ اتفاق سے ایک روز پھر اس نے (دریائے) نیل کے پانی میں غوطہ لگایا اور (دریائے) دجلہ کے پانی سے سر باہر نکالا تو اس نے دیکھا کہ دجلہ کے کنارے اس کے تمام کپڑے جو اُس نے شروع میں دجلہ کے کنارے چھوڑے تھے، اسی طرح موجود ہیں۔ وہ کپڑے پہن کر گھر آیا تو اس کی بیوی نے کہا: آپ نے مہمانوں کے لیے جو کھانا پکانے کا کہا تھا، وہ تیار ہے۔“ قصہ کے آخر تک۔

میرے مکرم مخدوم! اس حکایت میں اس وجہ سے کوئی اشکال نہیں ہے کہ ایک گھڑی میں سالوں کا کام کس طرح میسر ہو گیا، کیونکہ اس قسم کا معاملہ بہت واقع ہوا ہے۔ حضرت خاتم النبیین علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ معراج کی رات میں عروج کے درجات طے کرنے اور وصول کی منزلیں عبور کرنے کے بعد جو کہ ہزاروں سال میں میسر ہوتے ہیں، جب اپنے حرم سرا میں واپس تشریف فرمائے ہوئے تو دیکھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نیند کے بستر میں ابھی تک گرمی ختم نہیں ہوئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وضو کے لیے جو پانی کوزے میں الگ کیا تھا، اس کی حرکت رکی نہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو نجات (الانس) میں اس حکایت کے لکھنے کے بعد بیان ہوئی ہے کہ (یہ بات) زمانے کے بسط (وسیع ہونے) کی قسم سے ہے۔ بلکہ اس حکایت میں اشکال اس وجہ سے ہے کہ بغداد میں تو (یہ) ایک آن میں ہوا اور مصر میں وہی آن سات سال لمبی ہو جاتی ہے۔ مثلاً بغداد کے لوگ اس زمانے میں ۳۶۰ھ کے سال میں ہوں اور اہل مصر اس وقت میں ۳۶۷ھ کے سال میں ہوں۔ عقل و نقل اس چیز کو جائز نہیں سمجھتے۔ یہ معاملہ ایک شخص یا دو شخصوں کے بارے میں تو جائز ہے، لیکن مختلف شہروں اور کئی مقامات کے بارے میں محال ہے۔ جو چیز اس حقیر کی عاجز خاطر میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حکایت عالم بیداری سے نہیں ہے، بلکہ خواب اور واقعات کی قسم سے ہے۔ جس کے سننے والے کو خواب کی بجائے دیکھنے کا شبہ ہو گیا ہے اور نیند بیداری کے مشابہ ہو گئی ہے۔ اس طرح کی غلطی اکثر واقع ہو جاتی ہے، بلکہ یہ گمان کی غلطی میں سے ہے کہ اس نے ”خواب میں دیکھا ہے اور

خواب میں اپنے پیر سے کہا ہے اور فرزندوں کو لایا ہے“ (وغیرہ وغیرہ)۔ نیز جو حکایت اس کے بعد (حضرت) شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ سے نقل کرتے ہیں، وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُورِ كُلِّهَا۔
یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سب کاموں کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس عبارت کی شرح لکھنی چاہیے کہ ”بدن کی پرورش کرنے والی روح ہے اور قالب کا پرورش کرنے والا قالب ہے۔“

میرے مخدوم! دونوں عبارتوں سے حاصل ہونے والا نتیجہ ایک ہے اور وہ انسان کے عالمِ خلق کی اس کے عالمِ امر سے تربیت کرنا ہے اور چونکہ بدن کا لفظ روح کے لفظ کے ساتھ اکثر محاورات میں استعمال ہوتا ہے اور قالب اور قلب کے درمیان لفظی مناسبت ہے، (لہذا) ہر ایک کو اپنے مناسب لفظ کے ساتھ جمع کر کے عبارت میں اختلاف پیدا کیا گیا ہے۔
آپ نے نصیحتیں طلب کی تھیں۔

میرے مہربان مخدوم! شرم آرہی ہے کہ (فقیر) باوجود اس سب خرابی و گرفتاری، کم سامانی اور بے حاصلی کے، اس بارے میں کوئی چیز لکھے اور وضاحت یا اشارہ سے اس طرح کی بات کرے۔ لیکن اس سے بھی ڈرتا ہے کہ اگر قول معروف سے بھی خود کو معاف رکھے تو خدا نہ کرے کہ معاملہ کم ہمتی و پستی سے جا ملے اور کنجوسی و بخل تک پہنچ جائے۔ اس بنا پر چند کلمات کی جرأت کر رہا ہے۔

میرے مخدوم! دنیا کی بقا کی مدت بہت کم ہے اور اس کم میں سے بھی اکثر ضائع ہو چکی ہے اور بہت ہی قلیل باقی رہ گئی ہے اور آخرت کی بقا کی مدت ابدیت اور ہمیشگی ہے اور ابدیت کے معاملہ کو چند روزہ زندگی سے مربوط بنایا گیا ہے، جس کے بعد یاد انمی عیش ہے یا ابدی عذاب۔ مخیر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی خبر دی ہے، جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیے۔

میرے مخدوم! سب سے بہتر عمر ہوا و ہوس میں گزری اور اللہ جلّ سلطانہ کے دشمنوں کی رضا میں بسر ہوئی اور نکی عمر باقی رہ گئی ہے۔ اگر ہم آج اس کو بھی اللہ جلّ سلطانہ کی رضاؤں میں صرف نہ کریں اور سب سے بہتر کی تلافی نکلی سے بھی نہ کریں اور بہت قلیل محنت کو ہمیشہ کی راحت کا ذریعہ نہ بنائیں اور کثیر گناہوں کا کفارہ قلیل نیکیوں سے بھی نہ فرمائیں تو پھر کل (قیامت کو) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے کس منہ سے جائیں گے؟ اور کونسا بہانہ پیش کریں گے؟ خواب خرگوش کب تک رہے گی؟ اور غفلت کی روئی کان میں کب تک رہے گی؟ آخر آنکھوں سے پردہ ہٹا دیں گے اور غفلت کی روئی کانوں سے دور کر دیں گے، لیکن فائدہ نہیں ہوگا اور حسرت و ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ موت کے آنے سے پہلے اپنا کام کر لینا چاہیے اور اے شوق! کہتے ہوئے مرنا چاہیے۔

اول عقائد کا درست کرنا ضروری ہے اور اس چیز کی تصدیق سے جو ضرورت اور تواثر کے طور پر دین سے معلوم ہوئی ہے، چارہ نہیں ہے۔

دوسرا ان باتوں کا علم و عمل ضروری ہے جن کا قلیل علم فقہ ہے۔ تیسرا صوفیہ کے طریقہ کا سلوک بھی درکار ہے۔ اس غرض

کے لیے نہیں کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور انوار اور رنگوں کا معائنہ فرمائیں۔ یہ خود ہوا و لعب میں داخل ہیں۔ حتیٰ صورتیں اور انوار کیا نقصان رکھتے ہیں کہ آدمی ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے غیبی صورتوں اور انوار کی ہوس کرے۔ یہ صورتیں اور انوار اور وہ صورتیں اور انوار دونوں حق سبحانہ کی مخلوق ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے صانع ہونے پر روشن دلیلیں ہیں۔ سورج اور چاند کا نور جو عالم شہادت میں سے ہے، وہ ان انوار پر کئی وجوہات سے فضیلت رکھتا ہے جو (لوگ) عالم مثال میں دیکھتے ہیں، لیکن چونکہ دیکھنا دائمی ہے اور خاص و عام اس میں شریک ہیں، (لہذا) اس کو نظر اعتبار سے گرا کر غیبی انوار کی ہوس کرتے ہیں، ہاں!

ع آ بے کہ رود پیش درت تیرہ نماید

یعنی: جو پانی تیرے دروازے کے سامنے چلتا ہے وہ تجھے سیاہ نظر آتا ہے۔

بلکہ طریقہ صوفیہ کے سلوک کا مقصود یہ ہے کہ شرعی اعتقادات کے یقین میں (مزید) اضافہ حاصل ہو جائے، تاکہ استدلال کی تنگی سے (نکل کر) کشف کے کھلے میدان میں آجائیں اور اختصار سے تفصیل کی جانب مائل ہو جائیں۔

مثلاً واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا وجود اور اللہ سبحانہ کی وحدت اول استدلال یا تقلید سے معلوم ہوئی تھی اور اس کے اندازہ کے مطابق یقین حاصل ہوا تھا اور طریقہ صوفیہ کا سلوک میسر ہو جائے تو وہ استدلال و تقلید کشف و شہود میں بدل جاتا ہے اور کامل یقین حاصل ہو جاتا ہے، تمام اعتقادات میں یہی قیاس ہے۔ نیز مقصود یہ ہے کہ فقہی احکام کی ادائیگی میں آسانی حاصل ہو جائے اور وہ مشکل دور ہو جائے جو نفس کی امارگی (برائی کی طرف رغبت) سے پیدا ہوتی ہے۔

اس فقیر کا یقین یہ ہے کہ طریقہ صوفیہ درحقیقت شرعی علوم کا خادم ہے، نہ کہ شریعت کے خلاف کوئی اور چیز۔ (فقیر نے) اپنی کتابوں اور رسائل میں اس چیز کی تحقیق کی ہے اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا تمام طریقوں سے زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو لازم سمجھا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ لہذا اگر وہ متابعت کی دولت رکھتے ہیں اور احوال میں سے کچھ نہیں رکھتے تو خوش ہیں اور اگر احوال کے باوجود متابعت میں فتور دیکھیں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر احوال و مواجید ہمیں عطا کر دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے اعتقاد سے نہ نوازیں تو ہم (اسے) سوائے خرابی کے کچھ اور نہیں سمجھتے اور اگر اہل سنت و جماعت کا اعتقاد عطا فرمادیں اور احوال میں سے کچھ بھی نہ دیں تو ہمیں کوئی غم نہیں۔

نیز اس طریقہ میں انتہا، ابتدا میں درج ہے۔ پس (سالکین) پہلے قدم میں وہ کچھ پالیتے ہیں جو دوسرے انتہا میں پاتے ہیں۔ اگر فرق ہے تو اختصار و تفصیل اور شمول و عدم شمول کا ہے۔ یہ نسبت بعینہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی نسبت ہے، کیونکہ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی پہلی صحبت ہی میں (صحابہ کرامؓ) نے وہ کچھ حاصل کیا ہے جو امت کے اولیاء کو معلوم نہیں ہے کہ نہایت میں بھی میسر ہو (یا نہ ہو)۔ یہی وجہ ہے کہ (حضرت) اویس قرنی قدس سرہ جو خیر التابعین ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل (حضرت) وحشی (رضی اللہ عنہ) کے مرتبہ کو نہیں پہنچے، جو انہیں (حضرت وحشی

رضی اللہ عنہ کو) خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت میں نصیب ہو گیا تھا۔ کیونکہ صحبت کی فضیلت تمام فضائل و کمالات سے برتر ہے۔ اس لیے کہ ان کا ایمان شہودی ہے اور دوسروں کو یہ دولت ہرگز میسر نہیں ہوئی ہے:

ع شنیہ کے بود مانند دیدہ

یعنی: سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی کی طرح کب ہو سکتی ہے۔

لہذا ان کا ایک مدّ (سیر) جو خرچ کرنا دوسروں کے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے کے برابر آیا ہے اور تمام صحابہ (کرامؓ) اس فضیلت میں برابر ہیں۔ پس سب کو بزرگ سمجھنا چاہیے اور بھلائی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے، کیونکہ صحابہ (کرامؓ) سب عادل ہیں اور روایت اور احکام کی تبلیغ میں برابر ہیں۔ ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ حاملین قرآن مجید یہی ہیں اور متفرق آیات کو ان کے عادل ہونے کے اعتماد پر، ہر کسی سے دو آیتیں، تین آیتیں کم و بیش اخذ کر کے جمع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص صحابہ (کرامؓ) میں سے کسی ایک پر اعتراض کرے تو یہ اعتراض قرآن مجید تک جا پہنچتا ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض آیات کا حامل وہی (صحابیؓ) ہو۔ ان بزرگواروں (صحابہ کرامؓ) کے درمیان جو مخالفتیں اور جھگڑے ہوئے ہیں، ان کو اچھے معافی پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے خود کو دُور رکھنا چاہیے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو صحابہ (کرامؓ) رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حال سے خوب واقف ہیں، نے فرمایا ہے: قُلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا أَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا۔ یعنی: یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے، پس ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔

نیز اسی طرح کی بات امام اجل حضرت جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) سے بھی منقول ہے۔

وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا۔ یعنی: اور اوّل و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۱۱)

مولانا یار محمد بدخشی کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے مولوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقولہ کے بارے میں کیا

تھا، نیز تکمیل و ارشاد کے مقام کی ضروری شرائط کے بیان میں۔

میرے پیارے بھائی یار محمد قدیم کا پسندیدہ مکتوب موصول ہوا (اور) خوشی کا سبب بنا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نبی مختار (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی آلِ امجاد علیہم وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے آپ کو کمال اور تکمیل کی بلندی تک پہنچائے۔

آپ نے مولوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقولہ کے بارے میں پوچھا تھا کہ انہوں نے کہا ہے کہ ”جو نازنین میرے پہلو میں تھا، وہ حق (سبحانہ و تعالیٰ) تھا۔“ کیا یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے امور اس راستے میں بہت واقع ہوتے ہیں اور زبان پر آتے ہیں۔ یہ تجلی صورتی کا معاملہ ہے کہ صاحب معاملہ اس صورتِ تجلی کو حق تعالیٰ شائے خیال کرتا ہے۔ بات وہی ہے جو شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی (قدس سرہ) نے فرمائی ہے:

تِلْكَ خَيَالَاتٌ تُرَبِّي بِهَا أَطْفَالُ الطَّرِيقَةِ.

یعنی: یہ وہ خیالات ہیں جن سے طریقہ کے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے۔

دوسرا (یہ کہ) چونکہ آپ کو طریقہ کی تعلیم کی ایک قسم کی اجازت دی گئی ہے، (لہذا) اس بارے میں چند فوائد لکھے جاتے ہیں۔ (امید ہے کہ آپ) گوش ہوش سے سن کر (ان پر) عمل کریں گے۔

جاننا چاہیے کہ جب کوئی طالب ارادت سے آپ کے پاس آئے۔ اس کو طریقہ کی تعلیم دینے میں بہت تامل کرنا چاہے۔ خدا نہ کرے کہ اس معاملے میں آپ کا استدراج مطلوب ہو اور خرابی منظور ہو۔ خاص کر کے جب مرید کے آنے پر ایک خوشی اور سرور پیدا ہو تو چاہیے کہ اس بارے میں التجا اور زاری کا راستہ اختیار کر کے (آپ) کئی استخارے کریں، یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اسے طریقہ سکھانا چاہیے اور استدراج و خرابی مراد نہیں ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ کے بندوں میں تصرف کرنا اور اپنے وقت کو ان کے لیے غارت کرنا اللہ سبحانہ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ (یہ) آیت کریمہ اس معنی پر دلالت کرتی ہے:

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ. (سورۃ ابراہیم، ۱)

یعنی: تاکہ آپ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں، ان کے پروردگار کے اذن سے۔

ایک بزرگ فوت ہوئے تو ان کو خطاب ہوا کہ تو وہی ہے جس نے میرے دین میں میرے بندوں پر زرہ پہنی تھی؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: هَلَّا وَكَلْتُ خَلْقِي إِلَيَّ وَأَقْبَلْتُ بِقَلْبِكَ عَلَيَّ.

یعنی: پھر تو نے میرے بندوں کو میرے حوالے کیوں نہ کیا اور اپنے دل کو میری جانب متوجہ کیوں نہ کیا۔

جو اجازت آپ کو اور دوسروں کو دی گئی ہے وہ شرائط سے مشروط ہے اور حق تعالیٰ کی رضا کا علم حاصل کرنے سے وابستہ ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اجازت مطلق دی جائے۔ اس کے جاری ہونے تک شرائط کا اچھی طرح لحاظ رکھیں۔ اطلاع (دینا) شرط ہے۔ میر نعمان کو بھی (فقیر نے) یہ چیز لکھی ہے، آپ وہاں سے بھی معلوم کر لیں گے۔ غرض کوشش کریں کہ وہ وقت آپنچے اور آپ شرائط کی قید سے آزاد ہو جائیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱۲)

مولانا محمد صدیق بدخشی کو تحریر فرمایا۔ ان کے بعض سوالوں کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے، اور اس واقعہ کا حل

جو انہوں نے دیکھا اور لکھا تھا۔

(آپ کے) دو مکتوبات لگا تار پہنچے (اور) خوشی پر خوشی بڑھائی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا کے صدقے (آپ کو) بے نہایت ترقیاں کرامت فرمائے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ کیا صاحبِ تصرف پیر مستعد مرید کو اپنے تصرف سے ایسے مراتب جو اس کی استعداد سے بلند ہوں، پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟

جی ہاں! پہنچا سکتا ہے۔ لیکن ان بلند مراتب تک جو اس کی استعداد کے مناسب ہوں، نہ کہ ان مراتب پر جو اس کی استعداد کے مخالف ہوں۔ مثلاً جو مرید ولایتِ موسوی (علیہ السلام) کی استعداد رکھتا ہے اور اس کی استعداد کی قوت کی انتہا اس ولایت کے آدھے راستے تک (پہنچنے کی) ہے، صاحبِ تصرف پیر اس کو اپنے تصرف سے اس ولایت کے آخری درجات تک پہنچا سکتا ہے، لیکن یہ کہ (اسے) ولایتِ موسوی (علیہ السلام) سے ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لے آئے اور اس ولایت میں اسے ترقیاں بخشے (اس کا) واقع ہونا معلوم نہیں ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ وہ کونسا مرتبہ ہے جس میں انھی جو کہ انسانی لطائف میں سے زیادہ لطیف (لطیفہ) ہے، نفسِ امارہ کا حکم رکھتا ہے اور وہ پستی اور کمینگی میں اس کے ساتھ مشابہت پیدا کر لیتا ہے۔

میرے بھائی کو معلوم ہو کہ (لطیفہ) انھی اگرچہ لطائف میں سے زیادہ لطیف ہے، لیکن وہ دائرہ امکان میں داخل ہے اور حدود کے داغ سے داغدار ہے۔ جب سا لک دائرہ امکان سے پاؤں باہر رکھتا ہے اور مراتبِ وجوب میں سیر فرماتا ہے اور غلالِ وجوبی سے اس کے اصول میں پہنچتا ہے اور صفت و شان کی قید سے رہا ہوتا ہے تو مجبوراً ”ممکن“ اس کی نظر میں خوار اور بے اعتبار دکھائی دیتا ہے اور وہ اس کے ”بہترین“ اور ”لطیف ترین“ کو پستی اور کمینگی میں برابر دیکھتا ہے اور (لطیفہ) نفس اور (لطیفہ) انھی کو اس مقام میں جڑواں خیال کرتا ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ ہم نے واسطہ سے یا بغیر واسطہ کے آپ سے سنا ہے کہ عبادت کے وقت میں حق سبحانہ کو حاضر دیکھ کر عبادت کرنا حق سبحانہ کے منزل کا موجب ہے، بندہ کی مانند عبادت کرنی چاہیے۔ یعنی یہ کہ حق سبحانہ کو حاضر سمجھ کر عبادت کرے تو (یہ) بے ادبی ہے۔ میرے مہربان محبت! اس قسم کی بات معلوم نہیں ہے کہ اس فقیر سے سرزد ہوئی ہو، آپ نے کسی اور جگہ سے سنی ہوگی۔

آپ نے جو واقعہ لکھا تھا اور اس واقعہ میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہے، بہت نیک ہے اور اصلیت رکھتا ہے۔ پانی جس سے مراد علم ہے، اس میں ہاتھ ڈالنا، علم میں قابلیت حاصل ہونا ہے اور اس چیز میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرکت اس کے حاصل ہونے کی تاکید کرتی ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت رحمن (باری تعالیٰ) کے شاگرد ہیں: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا. (سورۃ بقرہ، ۳۱)

یعنی: اور اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔

حاصل کلام یہ کہ اس واقعہ میں علم سے مراد علمِ باطن ہے، بلکہ علمِ باطن کی بھی وہ قسم جو اہل بیعت علیہم الرضوان کی نسبت سے مناسبت رکھتی ہے۔ وَالْبَاقِي عِنْدَ التَّلَاقِي. یعنی: اور باقی ملاقات ہونے پر۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱۳)

سیادت پناہ شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ مواعظ اور نصائح کے بیان میں اور علمائے اہل سنت و جماعت جو کہ فرقہ ناجیہ ہیں، کی پیروی اور علمائے سوجنہوں نے علم کو دنیا کی حقیر چیزوں (کے حاصل کرنے) کا ذریعہ بنایا ہے، ان کی صحبت سے بچنے کی ترغیب میں۔

عَصَمَكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِجَنَابِكُمْ بِحُرْمَةِ جَدِّكُمْ الْأَمَّجِدِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو آپ کے جد امجد (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ان باتوں سے محفوظ رکھے جو آپ کی جناب کے لائق نہیں ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ. (سورۃ زمر، ۶۰)

یعنی: نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے؟

فقیر نہیں جانتا کہ آپ کے احسان کا بدلہ کس احسان سے ادا کرے، سوائے اس کے کہ نیک اوقات میں داریں کی سلامتی کی دعا سے زبان کو تر رکھے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے) کہ یہ چیز بغیر طلب کے میسر ہے اور دوسرا احسان جو بدلے کے لائق ہے، وہ وعظ و نصیحت ہے۔ اگر قبولیت پالے تو کتنی بڑی نعمت ہے۔

اے سرداری اور شرافت کے مرتبہ والے! مواظظ کا خلاصہ اور نصیحتوں کا لب لباب دیندار لوگوں اور شریعت کے پابند حضرات اہل سنت و جماعت کے طریقہ حقہ کے سلوک سے وابستہ ہے، کیونکہ وہ تمام اسلامی فرقوں میں سے فرقہ ناجیہ ہیں۔ ان بزرگواروں کی متابعت کے بغیر نجات محال ہے اور ان کی آراء کی پیروی کے بغیر فلاح ناممکن ہے۔ عقلی و نقلی اور کشفی دلائل اس چیز پر شاہد ہیں، جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ ایک شخص رائی کے دانہ کے برابر ان بزرگواروں کے سیدھے راستے سے دور ہو گیا ہے تو اس کی صحبت کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے اور گنجائش ہے کہ اس کی صحبت کو سانپ کا زہر خیال کیا جائے۔ بے باک طالب علم جس فرقہ کے بھی ہوں، وہ دین کے چور ہیں، ان کی صحبت سے بچنا بھی ضروریات میں سے ہے۔ یہ سب فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہو چکا ہے، اس جماعت کی بد قسمتی کی وجہ سے ہے جنہوں نے دنیا کی حقیر چیزوں کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے: أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ صَ فَمَا رَبَحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ. (سورۃ بقرہ، ۱۶) یعنی: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی خریدی۔ پس نہ تو ان کی تجارت ہی نے ان کو کچھ نفع دیا اور نہ ہی انہوں نے ہدایت پائی۔

ایک شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ وہ آسودہ اور بے فکر بیٹھا ہے اور اس نے گمراہ کرنے اور بہکانے سے ہاتھ کو روک رکھا ہے۔ اس شخص نے اس کا راز پوچھا تو لعین نے کہا کہ اس زمانے کے علمائے سوء میرے کام کے لیے کافی ہو گئے ہیں اور وہ گمراہ کرنے اور بہکانے کے ذمہ دار بن گئے ہیں۔

وہاں کے طلبہ میں سے مولانا عمر نیک طبیعت آدمی ہے بشرطیکہ آپ اسے حوصلہ دیں اور اظہار حق میں دلیر بنائیں اور حافظ امام بھی اسلام کا جنون رکھتا ہے اور اسلام میں اس جنون کے بغیر چارہ نہیں ہے: لَنْ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُقَالَ إِنَّهُ مَجْنُونٌ. (۱) یعنی: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے۔

(آپ کو) معلوم شریف ہے کہ اس فقیر نے نیک صحبت کی ترغیب میں کہنے اور لکھنے (کے لحاظ) سے کوتاہی نہیں کی ہے اور برے ساتھی سے بچنے کے لیے تاکید کرنے میں خود کو معاف نہیں رکھا، کیونکہ (فقیر) اس کو اصل عظیم سمجھتا ہے۔ آگے قبول کرنا آپ کا کام ہے، بلکہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ فَطُوبَىٰ لِمَنْ جَعَلَهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ مَظْهَرَ الْخَيْرِ. (۲)

یعنی: پس اس شخص کے لیے بشارت ہو جس کو اللہ سبحانہ نے بھلائی کا مظہر بنایا۔
آپ کے احسانات کی یاد اس گفتگو (کے کرنے) پر آمادہ کرتی ہے اور دوسرا ملال کے ملاحظہ کو درمیان سے اٹھا لیتی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱۴)

خانِ خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس مشہور سوال کے جواب میں کہ کافروں کو کُفْرِ مُؤَقَّت کے سبب ابدی عذاب کیوں ہوگا، نیز ایک حاجتمند کی سفارش۔

طُوبَى لِمَنْ جَعَلَهُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ مَظْهَرَ الْخَيْرِ. ^(۱)

یعنی: اس شخص کے لیے بشارت ہو، جس کو اللہ سبحانہ نے بھلائی کا مظہر بنایا۔

حضرت حق سبحانہ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا۔ وہ شخص بڑا بے نصیب ہے جو سارا بیج کھالے اور اسے استعداد کی زمین میں نہ ڈالے اور ایک دانہ سے سات سودا نہ بنائے اور اس روز (قیامت) کے لیے ذخیرہ نہ کرے، جس میں بھائی سے بھاگے گا اور ماں فرزند سے نہیں ملے گی۔ اس شخص کو دنیا و آخرت کا نقصان نصیب ہے اور دونوں جہانوں کی حسرت و ندامت اسے حاصل ہے۔ صاحبِ نصیب (لوگ) دنیا کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ نہ اس غرض کے لیے کہ اس فرصت میں ان نعمتوں اور لذتوں سے محفوظ ہوں جو ناپائیدار و فانی ہیں، نیز دکھوں و مشکلات کا سامان اور گھائیاں ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ اس فرصت میں کاشتکاری اور کام کریں اور نیک عمل کے ایک دانہ سے (آیت) کریمہ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ. (یعنی: اور اللہ جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ سورۃ بقرہ، ۲۶۱) کی رُو سے بے انتہا پھل حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چند روز کے نیک اعمال کی جزا میں ابدی نعمتیں (مقرر) فرمائی ہے۔

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

اگر پوچھیں کہ اجر کا اضافہ نیکیوں میں ہے اور برائیوں میں ان کے برابر جزا ہے تو پھر کافروں کو معدود گناہوں کی وجہ سے ابدی عذاب کیوں ہوگا؟ ہم کہیں گے کہ عمل کے لیے جزا کا ہم مثل ہونا واجب تعالیٰ و تقدس (اللہ سبحانہ) کے علم پر موقوف ہے، ممکن (انسان) کا علم اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

مثلاً پاکیزہ شادی شدہ عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اس کے ہم مثل اسی کوڑے فرمائی ہے اور چوری کی حد میں چور کا دایاں ہاتھ کاٹ دینا اس کی جزا مقرر کی ہے اور زنا کی حد میں کنوارے مرد کا کنواری عورت سے زنا کرنے کی سزا سو کوڑے اور ایک برس کی جلا وطنی مقرر کی ہے اور شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کے زنا کرنے پر سنگساری کا حکم فرمایا ہے۔ ان حدود اور تقذیرات کا علم انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ. (سورۃ حم سجدہ، ۱۲)

یعنی: یہ غالب اور دانا (اللہ تعالیٰ) کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔

پس حق سبحانہ و تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں کُفْرِ مُؤَقَّت کے لیے موافق جزا ابدی عذاب (مقرر) فرمائی ہے۔ (پس) معلوم ہوا کہ کُفْرِ مُؤَقَّت کی ہم مثل جزا یہی ابدی عذاب ہے۔ جو شخص چاہے کہ تمام شرعی احکام کو اپنی عقل کے مطابق

بنائے اور عقلی دلائل کے برابر کرے۔ وہ شخص شانِ نبوت کا منکر ہے، اس کے ساتھ بات کرنا بیوقوفی ہے۔ شعر:

زاں کس کہ بقرآن و خبر می نہی آست جوابش کہ جوابش ندی
یعنی: جو شخص قرآن و حدیث کو نہیں مانتا، اس کا جواب یہ ہے کہ تو اسے جواب نہ دے۔

باقی مقصد یہ ہے کہ فقراء کے مکتوب کا حامل میاں شیخ احمد محترم مغفرت پناہی شیخ سلطان تھانیسری کا بیٹا ہے، آپ نے اس کے والد بزرگوار کے ساتھ جو مہربانیاں اور احسان کیے تھے، ان کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس نے فقیر کے توسل سے خود کو آپ کی خدمت عالیہ میں پہنچایا ہے۔ آپ کی سب مہربانیوں میں سے ایک (یہ تھی) کہ پرگنہ اندور میں ایک موضع عنایت فرمایا ہوا تھا۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَكُمْ بَلْ كُلُّ مَنْ عِنْدَ اللَّهِ۔

یعنی: اور معاملہ آپ کے ہاتھ میں، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ۔ یعنی: اور آپ کو اور ان سب لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد مصطفیٰ) صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۱۵)

میرزا داراب کو تحریر فرمایا، دنیا کی مذمت میں۔

مکتوب شریف جو آپ نے فطری استعداد کی خوبی سے کامل نیاز مندی کے ساتھ بے سرمایہ فقر کی طرف ارسال کیا تھا، وہ پہنچا۔ جَزَاكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ بِصَدَقَةِ حَبِيبِهِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ۔
یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ہماری طرف سے اپنے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اے بیٹا! اہل دنیا اور دولت مند لوگ بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں اور عظیم آزمائش میں مبتلا ہیں، کیونکہ دنیا جو حق سبحانہ کی مبعوضہ (ناپسندیدہ) ہے اور تمام نجاستوں میں سے مردار ترین ہے، وہ ان کی نظر میں سجادگی گئی ہے اور خوبصورت بنادی گئی ہے، اس طرح کہ جیسے کسی نجاست پر سونا چڑھا دیں اور کسی زہر میں شکر ملا دیں۔ اس کے ساتھ دورانِ اندیش عقل کو کمینی دنیا کی برائی سے آگاہ کیا گیا ہے اور اس ناپسندیدہ کی قباحت اس پر ظاہر فرمائی ہے۔ لہذا علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال زمانے کے عقلمند کو دیں تو زائد کو دینا چاہیے جو دنیا سے بے رغبت ہے اور وہ بے رغبتی اس کے عقل کے کمال کی وجہ سے ہے۔ اس کے باوجود (اللہ تعالیٰ نے) اپنی رحمت کے کمال سے ایک گواہ عقل پر کفایت نہیں کی، (بلکہ) دوسرے گواہ نقل کو بھی اس میں شامل فرمایا ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات جو (سب) جہانوں کے لیے رحمت ہیں، کی زبان سے اس بے قیمت سرمائے کی اطلاع بخشی ہے اور اس بدکارہ کی محبت و گرفتاری سے سخت منع فرمایا ہے۔ ان دو عادل گواہوں کے باوجود اگر کوئی شخص فرضی شکر کے لالچ میں زہر کھالے اور خیالی سونے کی امید سے نجاست اختیار کر بیٹھے تو وہ بڑا نادان اور طبعی طور پر کند ذہن ہے، بلکہ درحقیقت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ارشادات کا منکر ہے اور وہ منافق کے حکم میں

ہے، جس کے ایمان کی حالت آخرت میں اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہوگی اور اس کا نتیجہ دنیاوی خونوں اور مالوں کو بچانے کے سوا کچھ اور نہیں ہوگا۔ آج ہوش کے کان سے غفلت کی روئی نکالنی چاہیے، کیونکہ کل (قیامت کو) حسرت و ندامت کے علاوہ کوئی سرمایہ حاصل نہیں ہوگا۔ اطلاع دینا شرط ہے۔ شعر:

ہمہ اندر ز من بتو اینست کہ تو طفلی و خانہ رنگیں است
یعنی: میری طرف سے تجھے سب نصیحت یہی ہے کہ تو ایک بچہ ہے اور گھر (بڑا) دکش ہے۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱۶)

میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ بعض اولیاء سے کثرت کے ساتھ خوارق کے ظاہر ہونے اور بعض دوسروں سے اس کے کم ظاہر ہونے کے بیان میں اور تکمیل و ارشاد کے مقام کی زیادہ کاملیت کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ۔ یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل اطہار پر درود و سلام ہو۔

نا تو اس دل میں آتا ہے کہ جب دوستوں کے درمیان ظاہری دوری حائل ہوگئی ہے اور ظاہری ملاقات نایاب ہوگئی ہے، لہذا اگر کبھی بکھاراں کو بعض علوم و معارف لکھے جائیں تو مناسب ہے۔ اسی بنا پر (فقیر) اس قسم کی کوئی چیز لکھتا ہے، امید ہے کہ رنجیدگی نہیں ہوگی۔

میرے مخدوم! چونکہ ولایت کی بحث درمیان میں ہے اور عوام کی نظر کرامات کے ظاہر ہونے پر ہے۔ اس وجہ سے (فقیر) اس موضوع پر چند باتیں بیان کرتا ہے، (امید ہے کہ) آپ غور سے سنیں گے۔

ولایت سے مراد فنا اور بقا ہے، جس میں کرامات و کشفیات خواہ کم ہوں یا زیادہ، وہ اس کے لوازمات میں سے ہیں۔ لیکن یہ نہیں ہے کہ جو کرامات زیادہ رکھتا ہے اس کی ولایت بھی زیادہ مکمل اور کامل ترین ہے۔ بلکہ اکثریوں ہوتا ہے کہ کرامات کم ظاہر ہوتی ہیں اور ولایت کامل ترین ہوتی ہے۔ کرامات کے ظہور کی کثرت کا مدار دو چیزوں پر ہے: (۱) عروج کے وقت میں زیادہ بلند جانا اور (۲) نزول کے وقت بہت کم نیچے آنا۔ بلکہ کرامات کی کثرت کے ظاہر ہونے میں عظیم اصل نزول کی کمی ہے، خواہ وہ عروج کی جانب کسی کیفیت سے ہو۔ کیونکہ صاحب نزول عالم اسباب میں اتر آتا ہے اور چیزوں کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب (اللہ تعالیٰ) کے فعل کو اسباب کے پردہ کے پیچھے ملاحظہ کرتا ہے۔ جس شخص نے نزول نہیں کیا ہے، یا نزول کیا ہے اور اسباب تک نہیں پہنچا، اس کی نظر صرف مسبب الاسباب (اللہ تعالیٰ) کے فعل پر ہے۔ کیونکہ اسباب مکمل طور پر اس کی نظر (کے سامنے) سے ہٹا دیے گئے ہیں۔ یقیناً حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (ان میں سے) ہر ایک کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق الگ معاملہ فرماتا ہے اور ’اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے‘ اور جو

شخص اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام اسباب کے وسیلہ کے بغیر مہیا کر دیتا ہے۔ (یہ) حدیث قدسی اس معنی پر گواہ ہے:
 اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي. ^(۱) یعنی: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔

مدتوں دل میں یہ الجھن رہی کہ کیا وجہ ہے کہ اس امت میں کامل ترین اولیاء بہت گزرے ہیں لیکن جس قدر کرامات حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ سے ظاہر ہوئی ہیں، ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئی ہیں؟ بالآخر حضرت حق سبحانہ نے اس پیچیدہ بات کا راز ظاہر کیا اور آگاہ فرمایا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء سے زیادہ بلند واقع ہوا ہے اور وہ نزول کی جانب روح کے مقام تک نیچے اترے ہیں جو عالم اسباب سے زیادہ بلند ہے۔

(حضرت) خواجہ حسن بصری قدس سرہ اور (حضرت) حبیب عجمی قدس سرہ کی حکایت اسی مقام کے مناسب ہے۔ منقول ہے کہ ایک روز (حضرت) خواجہ حسن بصری (قدس سرہ) دریا کے کنارے کھڑے تھے اور کشتی کا انتظار کر رہے تھے، تاکہ دریا عبور کریں۔ اسی اثناء میں (حضرت) حبیب عجمی (قدس سرہ) پہنچے اور پوچھا کہ کیوں کھڑے ہیں؟ انہوں نے کہا: ”میں کشتی کا انتظار کر رہا ہوں۔“ (حضرت) حبیب (قدس سرہ) نے کہا: ”کشتی کی کیا ضرورت ہے کیا آپ یقین نہیں رکھتے؟“ (حضرت) خواجہ حسن بصری (قدس سرہ) نے کہا: ”تم علم نہیں رکھتے؟“ (حضرت) حبیب (قدس سرہ) کشتی کی مدد کے بغیر دریا کو عبور کر گئے اور (حضرت) خواجہ (حسن بصری قدس سرہ) کشتی کے انتظار میں کھڑے رہے۔ (حضرت) خواجہ حسن بصری (قدس سرہ) چونکہ عالم اسباب میں نیچے اترے ہوئے تھے، لہذا ان کے ساتھ اسباب کے ذریعے معاملہ فرمایا گیا اور (حضرت) حبیب عجمی (قدس سرہ) نے چونکہ اسباب کو پوری طرح نظر (کے سامنے) سے ہٹا دیا تھا، (لہذا) ان سے اسباب کے وسیلہ کے بغیر معاملہ کیا جاتا تھا۔ لیکن فضیلت (حضرت) حسن (بصری قدس سرہ) کے لیے ہے جو صاحب علم ہیں اور انہوں نے عین یقین کو علم یقین کے ساتھ جمع کیا ہے اور چیزوں کو، جیسی کہ وہ ہیں سمجھا ہے۔ کیونکہ قدرت کی اصل حقیقت کو حکمت کے پردہ میں پوشیدہ رکھا گیا ہے اور (حضرت) حبیب عجمی (قدس سرہ) صاحب سکر ہیں اور وہ فاعل حقیقی (اللہ تعالیٰ) پر ایسا یقین رکھتے ہیں جس میں اسباب کو کوئی دخل نہ ہو۔

یہ دید اصل حقیقت کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ اسباب کا وسیلہ واقع کے مطابق (دنیا میں) موجود ہے، لیکن تکمیل و ارشاد کا معاملہ، کرامات کے ظاہر ہونے کے معاملہ کے برعکس ہے۔ اس لیے کہ مقام ارشاد میں جس کا نزول جس قدر زیادہ ہوتا ہے وہ اتنا ہی کامل تر ہوتا ہے، کیونکہ ارشاد میں مرشد اور مسترشد کے درمیان (اس) مناسبت کا حاصل ہونا ضروری ہے جو نزول سے وابستہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ زیادہ تر ایسا ہے کہ جو کوئی جس قدر زیادہ بالا جاتا اتنا ہی زیادہ نیچے آتا ہے، لہذا حضرت خاتم النبیین (محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ سب سے زیادہ بالا تشریف لے گئے اور نزول کے وقت سب سے زیادہ نیچے تشریف فرما ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کامل تر ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام نوع انسانی کی طرف (اللہ تعالیٰ کے) بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ کیونکہ نزول کی نہایت کی وجہ سے سب کے ساتھ مناسبت پیدا کر لی اور افادہ کا راستہ زیادہ مکمل ہو گیا۔ اکثر ایسا (ہوتا) ہے کہ اس راستے کے متوسط حضرات سے طالبین کا اس قدر فائدہ واقع ہوتا

ہے، جو غیر مرجوع منتہی بزرگوں سے بھی میسر نہیں ہوتا، کیونکہ متوسط (حضرات) غیر مرجوع منتہی بزرگوں کی نسبت مبتدیوں کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ نے کہا ہے کہ ”اگر خرقانی اور محمد قصاب زندہ ہوتے تو میں تمہیں ان (محمد قصاب) کے پاس بھیجتا، نہ کہ خرقانی کے پاس، کیونکہ وہ (محمد قصاب) تمہارے لیے خرقانی کی نسبت زیادہ فائدہ مند ہے، یعنی خرقانی منتہی تھے، میدان سے بہت تھوڑا فائدہ حاصل کرتے تھے۔“ یعنی (آپ) غیر مرجوع منتہی تھے، نہ کہ مطلق منتہی، کہ کامل افادہ کا نہ ہونا ان کے حق میں غیر واقع ہے۔ کیونکہ اللہ کے رسول (حضرت) محمد (مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ منتہی تھے، جبکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا افادہ سب سے زیادہ تھا۔ پس افادہ کی زیادتی اور اس کے کمتر ہونے کا مدار رجوع اور نزول پر ہے، نہ کہ انتہا اور عدم انتہا پر۔

جاننا چاہیے کہ جیسا کہ نفس ولایت کے حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے جس طرح کہ مشہور ہے، اسی طرح (اس کے لیے) اپنی کرامات کے وجود کو جاننا بھی شرط نہیں ہے، بلکہ اکثریوں ہے کہ لوگ اس سے کرامات نقل کرتے ہیں اور اسے اصلاً ان کرامات کی خبر نہیں ہوتی اور جو اولیاء صاحب علم و کشف ہیں، ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بعض کرامات پر اطلاع پیدا نہ کریں، بلکہ ان کی مثالی صورتوں کو متعدد مقامات میں ظاہر کریں اور دور و دراز فاصلوں پر ان صورتوں سے ایسے عجیب و غریب کام ظہور میں لائیں جن کی اس صاحب صورت (ولی) کو اصلاً کوئی اطلاع نہیں ہے:

ع از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند

یعنی: ہم اور تم سے بہانہ بنایا ہے۔

حضرت مخدومی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور آپ حج کے موسم میں (وہاں) حاضر تھے اور ہم نے ایک ساتھ حج کیا ہے۔ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا ہے اور اپنی جان پہچان کا اظہار کرتے ہیں اور میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور میں نے ہرگز اس قسم کے آدمیوں کو نہیں دیکھا ہے، کیسی تہمت ہے جو مجھ پر لگاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سب کاموں کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

اس سے زیادہ لکھنا اس (موضوع) کو لمبا کرنا ہے۔ اگر (فقیر کو) آپ کی پیاس معلوم ہوئی تو زیادہ جلدی اور بیشتر لکھے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مکتوب نمبر (۲۱۷)

ملاحظہ فرمائیے کہ نسبت باطن جس قدر جہالت و حیرت کی جانب لے جائے، وہ اتنی ہی زیادہ خوبصورت ہے، اور اس بیان میں کہ کیا سبب ہے کہ اولیاء اللہ کے بعض کشف میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے؟ نیز قضائے معلق (لکھی ہوئی قضا) اور قضائے مبرم (نہ ملنے والی قضا) کے درمیان فرق اور ان

میں سے ہر ایک کا حکم، اور اس بیان میں کہ جو چیز قطعی اور اعتماد کے شایانِ شان ہے، وہ کتاب و سنت ہے، اور اس بیان میں کہ بعض مخلصین کو طریقت کی تعلیم دینے کی اجازت دینا، ان کے کمال و تکمیل کی علامت نہیں ہے، اور جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ. یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آلِ اطہار پر درود و سلام ہو۔

ایک مدت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے حالات و کیفیات کی اطلاع نہیں دی ہے۔ ہر حال میں استقامت مطلوب ہے۔ کوشش کریں کہ اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے بال برابر بھی شریعت کے خلاف واقع نہ ہو۔ اپنی باطنی نسبت کی حفاظت کو، اہم ترین مقاصد میں سے سمجھیں اور وہ جس قدر جہالت کی جانب لے جائے زیادہ خوبصورت ہے اور جتنا حیرت کی طرف جائے بہتر ہے، کیونکہ کشفِ الہی اور ظہورِ اسائی راستے کے درمیان میں ہیں۔ وصول کے بعد یہ سب کم ہو جاتے ہیں اور جہالت اور مطلوب کے نہ پانے کے سوا کوئی اور چیز نہیں رہتی۔ (فقیر) کشف کوئی میں سے کیا لکھے، کیونکہ وہاں خطا کی گنجائش زیادہ اور غلطی کا گمان غالب ہے۔ ان کے وجود اور عدم کو برابر سمجھنا چاہیے۔ اگر پوچھیں کہ کیاجہ ہے کہ بعض کشف کوئی جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتے ہیں، میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ان کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے؟ مثلاً انہوں نے خبر دی کہ فلاں شخص ایک ماہ بعد مرجائے گا یا سفر سے وطن واپس آجائے گا۔ اتفاق سے ایک مہینہ کے بعد ان دو چیزوں میں سے کوئی ایک بھی واقع نہ ہوئی۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جس چیز کا کشف ہوا ہے اور جس کی خبر دی گئی ہے، اس کا حاصل ہونا شرائط سے مشروط تھا اور صاحبِ کشف نے اس وقت ان شرائط کی تفصیل کی اطلاع نہیں پائی اور اس نے اس چیز کے مطلق حاصل ہونے کا حکم کر دیا۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ لوحِ محفوظ کے احکام میں سے ایک ایسا حکم کسی عارف پر ظاہر ہوا جو حقیقت میں محوِ اثبات (مٹانے اور ثابت کرنے) کے قابل تھا اور قضائے معلق (لٹکی ہوئی قضا) کی قسم سے تھا اور اس عارف کو اس کے مٹانے کی تعلیق اور قابلیت کی خبر نہیں تھی۔ اس صورت میں اگر (عارف) اپنے علم کے مطابق حکم کرے گا تو مجبوراً اس کے خلاف ہونے کا احتمال ہوگا۔

منقول ہے کہ ”ایک روز حضرت جبریل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے نبی حضرت (محمد مصطفیٰ) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور ایک شخص کے بارے میں خبر دی کہ یہ جوان کل صبح سویرے مرجائے گا۔ حضرت نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو اس جوان کے حال پر رحم آیا (اور اس سے) دریافت فرمایا کہ تو دنیا میں کس چیز کی آرزو رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ دو چیزوں کی تمنا رکھتا ہوں: ایک کنواری عورت سے نکاح کی اور دوسری حلوا کی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اور اس کو یہ دونوں چیزیں مہیا کر دی گئیں۔ یہ جوان رات کو اپنی اہلیہ کے ساتھ خلوت خانہ میں بیٹھا تھا اور حلوے کا تھال ان کے سامنے تھا۔ اتفاق سے محتاجِ سوالی نے دروازے پر آکر (اپنی) ضرورت کا اظہار کیا۔ اس جوان نے حلوے کا وہ پورا تھال اٹھا کر اس فقیر کو دے دیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت نبی (کریم) علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اس جوان کی

موت کی خبر کا انتظار فرمانے لگے۔ جب دیر ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ خبر لے آؤ کہ اس جوان کا کیا حال ہے؟ خبر لائی گئی کہ وہ خوش و خرم ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) حیران ہوئے۔ اسی اثناء میں حضرت جبریل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر کہا کہ حلوے کے صدقہ نے اس جوان کی بلا کو دفع کر دیا۔ اس کے بستر کے نیچے ایک بڑا سانپ پایا گیا جو مرا پڑا تھا اور اس سانپ کے پیٹ کے اندر اس قدر حلوہ بھر دیا گیا تھا کہ حلوہ کی زیادتی کی وجہ سے اس نے جان دے دی۔“

یہ فقیر اس روایت کو پسند نہیں کرتا اور (حضرت) جبریل امین (علیہ السلام) پر خطا تجویز نہیں کرتا، کیونکہ آپ وحی قطعی کے حامل ہیں اور (فقیر) وحی کے حامل پر خطا کا احتمال تجویز کرنا برا سمجھتا ہے، مگر یہ کہ ہم کہیں کہ اس کی عصمت و امانت اور خطا کا احتمال نہ ہونا اس وحی سے مخصوص ہے جو حق سبحانہ کی جانب سے (صرف) تبلیغ پر موقوف ہے اور یہ (مذکورہ بالا) خبر اس قسم کی وحی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسے علم کی خبر ہے جو لوح محفوظ سے حاصل ہوا ہے جو محو واثبات (مٹانے اور ثابت کرنے) کا محل ہے۔ پس اس خبر میں خطا کی گنجائش پیدا ہوئی، بخلاف اس وحی کے جو محض تبلیغ ہے۔ پس دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا جس طرح کہ شہادت اور اخبار کے درمیان ہے، کیونکہ شرع کے لحاظ سے پہلا معتبر ہے اور دوسرا غیر معتبر ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو سعادت مند بنائے۔ آپ کو جاننا چاہیے کہ قضا کی دو اقسام ہیں: ایک قضاۃ معلق (الٹکی ہوئی قضا) اور دوسری قضاۃ مبرم (نہ ٹلنے والی قضا)۔ قضاۃ معلق میں تغیر اور تبدیلی کا احتمال ہے اور قضاۃ مبرم میں تغیر اور تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا يَبْدُلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ. (سورۃ ق، ۲۹) یعنی: میری بات کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

یہ (آیت) قضاۃ مبرم کے بارے میں ہے اور (اللہ سبحانہ) قضاۃ معلق کے بارے میں فرماتا ہے: يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنَبِّتُ ج وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ. (سورۃ رعد، ۳۹)

یعنی: اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔ میرے حضرت قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید محمد الدین حیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ ”قضاۃ مبرم میں کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ اس میں تبدیلی کرے، مگر مجھے ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس میں بھی تصرف کر سکتا ہوں۔“ اور وہ (حضرت خواجہ قدس سرہ) اس بات پر بہت تعجب کرتے تھے اور اس کو سمجھ سے بالاتر فرمایا کرتے تھے۔

یہ روایت مدتوں اس فقیر کے ذہن میں محفوظ رہی، یہاں تک کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس دولتِ عظمیٰ سے مشرف فرمایا کہ ایک روز میں نے ایک مصیبت کے دور کرنے کا ارادہ کیا جو دوستوں میں سے بعض کے لیے مقرر ہو چکی تھی اور اس وقت میں کامل التجا و زاری اور نیاز و خشوع رکھتا تھا۔ ظاہر ہوا کہ لوح محفوظ میں اس معاملہ کی قضاۃ کسی معاملے سے معلق نہیں ہے اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے۔ ایک طرح کی مایوسی اور ناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت سید محمد الدین قدس سرہ کی بات یاد آ گئی۔ (فقیر) دوسری بار التجا و زاری کرنے لگا اور عجز و نیاز کا راستہ اختیار کر کے متوجہ ہوا۔ محض فضل و کرم سے ظاہر کیا گیا کہ قضاۃ معلق دو قسم کی ہے۔ ایک قضاۃ وہ ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر کیا گیا ہے اور فرشتوں کو اس کی

اطلاع دی گئی ہے اور دوسری قضاء وہ ہے جس کا معلق ہونا صرف اللہ جل شانہ کے علم میں ہے اور یہ لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔ قضائے معلق کی یہ قسم بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال رکھتی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ (حضرت) سید (محی الدین قدس سرہ) کی بات کا تعلق بھی اسی دوسری قسم سے ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے، نہ کہ اس قضاء سے ہے جو کہ حقیقت میں مبرم ہے، کیونکہ اس میں تصرف و تبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ حق یہ کہ جب اس قضا کی حقیقت سے کسی کو کم ہی اطلاع ہے تو پھر اس میں کوئی تصرف کیسے کر سکتا ہے۔ دوست کی جس مصیبت میں (فقیر) متوجہ ہوا تھا، اس کو قضاء کی اس آخری قسم میں پایا اور معلوم ہوا کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس مصیبت کو دفع فرمادیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِكَ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیْبًا مُّبَارِکًا فِیْہِ مُبَارِکًا عَلَیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ الَّذِیْ اَرْسَلَهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِہٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالشَّہِدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ اَجْمَعِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّیْہُمْ وَمُتَابِعِیْ اَثَارِہُمْ بِرُکَّۃٍ هُوَ لَآءِ الْکُبَرَاۃِ وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالًا آمِیْنًا۔ یعنی: اور اس پر اللہ سبحانہ کی ستائش ہے، ایسی کثیر، طیب اور مبارک ستائش ہے جس طرح کہ ہمارا پروردگار چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے اور اولین و آخرین کے سردار اور خاتم النبیین والمرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، جن کو اللہ تعالیٰ نے سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب بھائیوں پر جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور تمام مقرب فرشتوں پر درود و سلام ہو۔ اے اللہ! تو ہمیں ان بزرگواروں کی برکت سے ان سب کا محبت اور ان کے افعال کا پیروکار بنا اور اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو آمین کہے۔

ہم اصل بات کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات بعض الہامی علوم میں جو خطا واقع ہو جاتی ہے وہ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ بعض مسلمہ مقدمات جو صاحب الہام کے نزدیک ثابت ہیں اور حقیقت میں کاذب ہیں، وہ الہامی علوم سے اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ صاحب الہام (ان میں) فرق نہیں کر سکتا، بلکہ سب کو الہامی علوم خیال کرتا ہے۔ پس مجبوراً ان کے بعض اجزاء میں خطا ہونے کی وجہ سے سب میں خطا واقع ہو جاتی ہے۔ نیز کبھی یوں ہوتا ہے کہ (عارف) کشف اور واقعات میں امور غیبی کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ (یہ) ظاہر پر محمول ہیں اور صورت پر منحصر ہیں اور اس کے مطابق حکم کرتا ہے اور خطا واقع ہو جاتی ہے اور نہیں سمجھتا کہ وہ امور ظاہر سے پھرے ہوئے ہیں اور تاویل و تعبیر پر محمول ہیں۔ اس مقام پر بھی تمام کشف غلط واقع ہوتے ہیں۔

غرض جو چیز قطعی اور قابل بھروسہ ہے وہ کتاب و سنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں اور فرشتہ کے نازل ہونے سے مقرر ہوئے ہیں اور علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی ان دو اصولوں کی طرف راجع ہے اور ان چار شرعی اصولوں کے سوا جو کچھ ہے، اگر وہ ان اصولوں کے موافق ہے تو مقبول ہے، ورنہ نہیں۔ خواہ وہ صوفیہ کے علوم و معارف سے ہوں اور ان کے الہام و کشف سے ہوں۔ وہاں وجد و حال کو جب تک شرعی میزان پر تول نہ لیں، ان کو آدھے جو سے بھی نہیں خریدتے اور

کشف والہام کو جب تک کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں، ان کو آدھے پیسے کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔
صوفیہ کے طریقہ کے سلوک سے مقصود شرعی اعتقادات، جو کہ ایمان کی حقیقت ہیں، پر یقین میں زیادتی حاصل کرنا ہے اور شرعی احکام کی ادائیگی میں آسانی میسر ہونا ہے، نہ کہ اس کے سوا کوئی اور بات۔ کیونکہ رویت کا وعدہ آخرت کے لیے ہے اور وہ دنیا میں واقع نہیں ہے۔ مشاہدات و تجلیات جن سے صوفیہ خوش ہیں، وہ صرف ظلال (سایوں) سے آرام اور مشابہت و مثال کے ساتھ تسلی پا رہے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان سے وراء الراء ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان مشاہدات و تجلیات کی حقیقت جیسا کہ وہ ہیں، بیان کروں تو اس راستے کے مبتدیوں کی طلب میں ایک فتور پڑ جائے گا اور ان کے شوق میں ایک کمی پیدا ہو جائے گی۔ میں اس چیز سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر علم کے باوجود بیان نہ کروں تو (گویا) حق کو باطل کے ساتھ ملانا تجویز کروں گا۔ ضرورت کے تحت اس قدر اظہار کرتا ہوں کہ اس راستے کے مشاہدات و تجلیات کو (حضرت) موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہاڑ کی تجلی و شہود کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے، اگر درست نہ نکلیں تو مجبوراً ان کو ظلال (سایے) اور مشابہت و مثال پر محمول کرنا چاہیے۔ البتہ درست نہیں نکلیں گے، کیونکہ ریزہ ریزہ ہونا مفقود ہے اور دنیا میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ خواہ باطن پر متجلی ہو اور خواہ ظاہر پر، ریزہ ریزہ ہونا ضروری ہے۔ (البتہ) خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اس داغ سے پاک ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دنیا میں رویت میسر ہوئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بال برابر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جن کامل متبعین کو اس مقام سے (حصہ) نصیب ہوا ہے، ان کو بھی کسی ظل کے پردہ کے بغیر رویت نہ ہوگی۔ صاحب تجلی سمجھے یا نہ سمجھے۔ جب (حضرت موسیٰ) کلیم اللہ (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس حال کے مشاہدہ سے بغیر اس کے کہ تجلی ہو، بیہوش ہو گئے تو اوروں کا کیا حال ہے۔

دوسرا جاننا چاہیے کہ بعض مخلصین کو اجازت دینے سے مقصود یہ تھا کہ وہ اس طرح سے گمراہی کے بھنور میں پھنسی ہوئی ایک جماعت کی حق تبارک و تعالیٰ کے راستے کی طرف رہنمائی کریں اور خود بھی ان طالبین کے ساتھ مشغول رہیں اور تر قیاں حاصل کریں۔ اس صلاحیت کو خوب نگاہ رکھتے ہوئے کوشش کریں کہ اپنی بقایا بری خصلتوں کو دور کریں۔ کوشش کریں کہ مسترشد بھی اس دولت سے مشرف ہوں، نہ کہ یہ اجازت کمال و تکمیل کے وہم میں مبتلا کر دے اور مقصود سے باز رکھے۔ وَمَا عَلَی الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ. (سورۃ مائدہ، ۹۹) یعنی: اور پیغام پہنچانے والے کے ذمے تو پیغام کا پہنچا دینا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱۸)

ملاد اؤد کو تحریر فرمایا۔ پیر طریقت کے آداب کی رعایت کے بیان میں۔

میرے بہت ہی پیارے بھائی مولانا داؤد کا مکتوب شریف پہنچا (اور) خوشی کا موجب بنا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نبی (کریم) اور آپ کی آل امجاد علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صدقے آپ کے ظاہر و باطن کو اپنی رضاؤں سے آراستہ و پیراستہ رکھے۔

باطن کے سبق کی تکرار اور اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ پر استقامت میں پراگندہ توجہات کی وجہ سے کوئی

فتور واقع نہیں ہونا چاہیے۔ اگر بالفرض کوئی ظلمت اور کوئی کدورت طاری ہو جائے تو اس کا علاج اللہ جل سلطانہ کی پاک بارگاہ میں التجا و زاری اور نیاز و عاجزی (کرنا) ہے اور اپنے مربی (پیر) جو اس دولت کے حاصل ہونے کا وسیلہ ہے، کی طرف کامل توجہ (کرنا) ہے۔ آپ حضور و غیبت میں اس دولت کے وسائل کے آداب کی خوب رعایت کریں اور ان بزرگواروں کی رضا کو حق سبحانہ کی رضا کا وسیلہ بنائیں۔ نجات و فلاح کا طریقہ یہ ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۱۹)

میرزا ایرج کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ آدمی اپنی نادانی سے اپنی ظاہری مرض کے دور کرنے کی فکر میں (مصروف) ہے اور باطنی مرض جس سے مراد دل کی گرفتاری ہے، سے غافل ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

عَصَمَكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا يَصْمُكُمُ وَصَانَكُمُ عَمَّا شَانَكُمُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ أَجْمَعِينَ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَتَمُّهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو سید الاولین والآخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اس چیز سے محفوظ رکھے جو آپ کو انداز کرے اور اس چیز سے بچائے جس سے آپ کی شان پر عیب لگے۔

اے سعادت اور شرافت کے حامل! آدمی کو جب ظاہری امراض میں سے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اور اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کوئی آفت پہنچتی ہے تو وہ اسی قدر سعی اور مبالغہ کرتا ہے تاکہ وہ مرض دور ہو جائے اور وہ آفت زائل ہو جائے۔ قلبی بیماری جس سے مراد حق جل و علا کے ماسویٰ کی گرفتاری ہے، اس پر یوں غلبہ پا چکی ہے کہ نزدیک ہے کہ اسے ابدی موت تک پہنچا دے اور اسے دائمی عذاب میں گرفتار کر دے، لیکن (آدمی) اس کے ازالہ کا کوئی فکر نہیں کرتا اور اس کے دفع کرنے کی کوشش نہیں فرماتا۔ اگر وہ اس گرفتاری کو مرض نہیں سمجھتا تو بڑا نادان ہے اور اگر جانتا ہے اور خوف نہیں رکھتا تو بڑا پلید ہے۔ جیسا کہ اس مرض کے سمجھنے کے لیے عقل معاد (آخرت) درکار ہے، عقل معاش (دنیوی عقل) اپنی کوتاہ اندیشی سے ظاہر بینی میں گرفتار ہے اور جس طرح عقل معاش معنوی آفات کو دنیا کی فانی لذتوں کی وجہ سے بیماری خیال نہیں کرتی، اسی طرح عقل معاد بھی ظاہری امراض کو آخرت کے ثوابات کی وجہ سے مرض نہیں سمجھتی۔ عقل معاش کو تاہ نظر ہے اور عقل معاد تیز نظر ہے۔ عقل معاد انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو نصیب ہے اور عقل معاش دولت مندوں اور دنیا والوں کے لیے پسندیدہ ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا. یعنی: ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

جو اسباب عقل معاد کو حاصل کرنے والے ہیں، وہ موت کا ذکر، آخرت کے حالات کی یاد اور ایسی جماعت کے لوگوں کی مجلس میں بیٹھنا جو آخرت کی یاد کی دولت سے مشرف ہیں:

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتہ بتا دیا ہے، اگر ہم نہیں پہنچے تو شاید تو پہنچ جائے۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح ظاہری بیماری کی وجہ سے شرعی احکام کی ادائیگی دشوار ہے، اسی طرح باطنی مرض میں بھی (یہ)

دشواری لازم ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ. (سورۃ شوریٰ، ۱۳) یعنی: جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلا تے ہو وہ ان پر بھاری ہے۔

نیز اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ. (سورۃ بقرہ، ۲۵)

یعنی: اور بیشک نماز بھاری ہے، مگر ان لوگوں پر بھاری نہیں جو خشوع کرنے والے ہیں۔

ظاہری بیماری میں قویٰ اور اعضاء کا ضعف اس دشواری کو لازم بناتا ہے اور باطنی مرض میں یقین کا ضعف اور ایمان کا نقص اس دشواری کا موجب بنتا ہے، ورنہ شرعی تکالیف میں سراسر تخفیف، مکمل آسانی اور سہولت ہے: يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (سورۃ بقرہ، ۱۸۵)

یعنی: اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

اور (آیت) کریمہ: يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا. (سورۃ نساء، ۲۸)

یعنی: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

(مذکورہ بالا) دونوں آیات اس معنی پر گواہ ہیں:

ع خورشید نہ مجرم ار کسے مینا نیست

یعنی: اگر کوئی شخص اندھا ہے تو سورج قصور وار نہیں ہے۔

پس اس مرض کے ازالہ کا فکر کرنا ضروری ہوا اور ماہر طبیوں سے التجا کرنا فرض عین ہوا۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ.

(سورۃ مائدہ، ۹۹) یعنی: پیغام پہنچانے والے کے ذمے تو پیغام کا پہنچا دینا ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۰)

شیخ حمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ صوفیہ کی بعض غلطیاں اور ان غلطیوں کے منشا کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ. یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب آل (اطہار) اور صحابہ کرام) پر درود و سلام ہو۔

یہاں کے فقراء کے احوال و کیفیات روز بروز شکر کے اضافے کا موجب ہیں اور (فقیر) دور پڑے ہوئے دوستوں کے بارے میں بھی یہی توقع رکھتا ہے۔

اے عزیز! اس غیب الغیب کے راستے میں سالکین کے قدموں کے پھسلنے کی جگہ زیادہ ہے۔ آپ اعتقادات و عملیات میں شریعت کی ڈوری کو خوب نگاہ میں رکھ کر زندگی بسر فرمائیں۔ حضور اور غیبت میں یہی نصیحت ہے، ایسا نہ ہو کہ غفلت واقع ہو جائے۔

(فقیر) اس راستے کی بعض غلطیاں تحریر کرتا ہے اور غلطی کے منشا کا تعین کرتا ہے، (امید ہے کہ) آپ اعتبار کی نظر سے ملاحظہ کریں گے اور مذکورہ جزئیات کے سوا ان کے اندازہ کے مطابق کام کریں گے۔

جاننا چاہیے کہ صوفیہ کی بعض اغلاط یہ ہیں کہ کبھی سالک عروج کے مقامات میں خود کو دوسروں سے بلند پاتا ہے جن کی افضلیت درحقیقت علماء کے اجماع سے ثابت ہو چکی ہے اور یقیناً اس سالک کا مقام ان بزرگواروں سے پست ہے۔ بلکہ کبھی ایسا ہے کہ یہ اشتباہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات جو قطعی طور پر بہترین مخلوق ہیں، کی نسبت بھی واقع ہو جاتا ہے۔

عَيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْ ذٰلِكَ. یعنی: اللہ سبحانہ اس سے محفوظ رکھے۔

اس بارے میں بعض کی غلطی کا منشا یہ ہے کہ اول: انبیاء اور اولیاء میں سے ہر ایک کو عروج ان اسماء تک (حاصل) ہے جو ان کے وجودی تعینات کے مبادی ہیں اور اس عروج سے ولایت کا اسم متحقق ہوتا ہے۔ دوم: ان کا عروج ان اسماء میں ہے اور ان اسماء سے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے ہے۔ لیکن اس عروج کے باوجود ان میں سے ہر ایک کا مقام و منزل وہی اسم ہے جو اس کے وجودی تعین کا مبداء ہے، لہذا جو شخص ان کو عروج کے مقامات میں تلاش کرتا ہے وہ ان کو اکثر انہی اسماء میں پاتا ہے، کیونکہ عروج کے مراتب میں ان بزرگواروں کا طبعی مقام یہی اسماء ہیں اور ان اسماء سے عروج و نزول کرنا عوارض کے پیش آنے کی وجہ سے ہے۔ پس بلند فطرت سالک کی سیر جب ان اسماء سے بلند تر واقع ہو تو وہ یقیناً ان اسماء سے بھی بلند تر جائے گا اور اس کو اس کا وہم پیدا ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ اس چیز سے بچائے کہ یہ وہم اس پہلے یقین کو زائل کر دے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی افضلیت اور اولیاء کے اولی ہونے، جو کہ اجماع کے ساتھ افضل ہیں، میں اشتباہ پیدا کر دے۔ یہ مقام سالکین کے قدموں کے پھسلنے کی جگہ ہے۔ اس وقت سالک نہیں جانتا کہ ان اکابر نے ان اسماء سے بے نہایت عروج فرمائے ہیں اور بالا سے بالاتر پہنچے ہیں۔ نیز وہ نہیں جانتا کہ وہ اسماء ان کے عروج کے طبعی مکان ہیں اور اس کا بھی اس جگہ ایک طبعی مکان ہے جو ان اسماء سے بہت پست اور زیادہ نیچے ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی افضلیت اس کے اسم کی اقدیمیت کے اعتبار سے ہے، جو اس کے تعین کا مبداء بناتا ہے۔

یہ بات اسی قسم کی ہے جو بعض مشائخ نے کہی ہے کہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ عارف عروج کے مقامات میں برزحیت کبریٰ کو حائل نہیں پاتا اور اس کے وسیلہ کے بغیر ترقی فرماتا ہے۔ ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ قدس سرہ) فرماتے تھے کہ رابعہ (بصریؒ) بھی اسی جماعت میں سے ہیں۔ اس جماعت کے لوگ چونکہ عروج کے وقت اس اسم سے جو برزحیت کبریٰ کے تعین کا مبداء ہے، بالا گزرے ہیں، (لہذا) ان کو وہم ہوا ہے کہ برزحیت کبریٰ (ان کے) درمیان میں حائل نہیں رہی اور انہوں نے برزحیت کبریٰ سے مراد حضرت خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت لی ہے اور معاملہ کی حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔

ایک دوسری جماعت کا اس غلطی سے منشا یہ ہے کہ جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے اور وہ اسم مختصر طور پر تمام اسماء کا جامع ہے، کیونکہ انسان کی جامعیت اسی اسم کی جامعیت کی بدولت ہے، پس مجبوراً (سالک) اس ضمن میں وہ اسماء جو دوسرے مشائخ کے تعینات کے مبادی ہیں، بھی مختصر طریقے سے اس سیر میں طے کرے گا اور ہر ایک سے گزر کر اس اسم کی انتہا تک پہنچ جائے گا اور اپنی فوقیت کا وہم پیدا کر لے گا۔ وہ نہیں جانتا کہ جو کچھ اس نے مشائخ کے مقامات میں دیکھا ہے اور ان سے گزرا ہے وہ ان (بزرگواروں) کے مقامات میں سے ایک نمونہ ہے، نہ کہ ان مقامات کی

حقیقت ہے۔ جب وہ اس مقام میں خود کو ایک جامع پاتا ہے اور دوسروں کو اپنے اجزا خیال کرتا ہے تو یقیناً اپنی برتری کا وہم پیدا کر لیتا ہے۔ اسی مقام میں شیخ بسطام (حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ) کہتے ہیں: لَوَائِحِي أَرْفَعُ مِنْ لَوَاءِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ). یعنی: میرا جھنڈا (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے سے بلند ہے۔

وہ سر کے غلبہ کی وجہ سے نہیں جانتے کہ ان کے جھنڈے کی بلندی (حضرت) محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے سے نہیں ہے، بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھنڈے کے نمونہ سے ہے، جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسم کی حقیقت کے ضمن میں ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح کی یہ بات ہے جو انہوں (بایزید بسطامی) نے اپنے دل کی وسعت کے بارے میں کہی ہے کہ اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے، اُس کو عارف کے دل کے گوشہ میں رکھ دیں تو کچھ محسوس نہ ہو۔ اس جگہ بھی نمونے کا حقیقت سے اشتباہ ہے، ورنہ عرش جس کو حضرت حق سبحانہ عظیم فرماتا ہے (اس کے مقابلے) میں عارف کے پہلو میں اس کے دل کا کیا اعتبار اور کیا مقدار ہے؟ جو ظہور عرش میں ہے، اس کا عشرِ شیر بھی دل میں نہیں ہے، خواہ وہ دل عارف کا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ آخرت کی رؤیت عرش کے ظہور سے منتحق ہوگی۔ اگرچہ یہ بات آج بعض صوفیہ پر گراں گزرے گی، لیکن آخر کار ان کو سمجھ آ جائے گی۔

ہم اس بات کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ انسان جو کہ عناصر و افلاک کا جامع ہے، اس کی نظر جب اپنی جامعیت پر پڑتی ہے اور عناصر و افلاک کو اپنے اجزا دیکھتا ہے اور جب یہ دید غالب آتی ہے تو بعید نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں کرہ زمین سے زیادہ بڑا ہوں اور آسمانوں سے زیادہ عظیم ہوں۔ اس وقت عقلمند لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اس کی عظمت اور بڑائی ان نمونوں کی وجہ سے ہے جو اس کے اجزا ہیں، نہ کہ زمینی اور آسمانی کرہ کی حقیقت سے۔ اور کسی چیز کے نمونہ کی حقیقت کے اسی اشتباہ کی بنا پر فتوحاتِ مکیہ کے مصنف (محمی الدین بن العربی) نے کہا ہے کہ ”جمع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) جمع الہی سے الجمع (جامع تر) ہے، کیونکہ جمع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی والہی حقائق پر مشتمل ہے، پس وہ الجمع (جامع تر) ہوگی۔“ وہ (ابن العربی) نہیں جانتے کہ یہ اشتمال (مشتمل ہونا) مرتبہ الوہیت کے ظلال میں سے ایک ظل میں ہے اور اس کے نمونوں میں سے ایک نمونہ ہے، نہ کہ وہ (مشتمل ہونا) اس مقدس مرتبہ کی حقیقت پر ہے۔ بلکہ اس مرتبہ مقدسہ کی حقیقت پر جو اس کی عظمت و کبریائی کے لوازمات میں سے ہے، جمع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی مقدار نہیں ہے:

ع مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو عالمِ پاک سے کیا نسبت ہے۔

نیز اسی مقام میں جب سالک کی سیر اس اسم میں واقع ہوتی ہے، جو اس کا رب ہے تو کبھی یوں خیال کرتا ہے کہ بعض بزرگوار جو یقیناً اس سے افضل ہیں، وہ اس کے ذریعے بعض بلند درجات پر پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اس کے وسیلہ سے ترقی فرمائی ہے۔ یہ جگہ بھی سالکین کے پاؤں پھسلنے کا مقام ہے۔ اللہ سبحانہ اس چیز سے محفوظ رکھے کہ سالک اس گمان سے خود کو افضل سمجھے اور ہمیشہ کے نقصان میں پڑ جائے۔ اگر ایک عظیم الشان بادشاہ اور کامل سلطان کسی زمیندار کو کہ اس کی مملکت میں داخل ہے، کے تصرف میں جائے اور اس زمیندار کے ذریعے بعض مقامات میں پہنچے اور اس کے وسیلہ سے بعض جگہوں کو فتح

کرے تو اس میں کیا تعجب ہے اور کونسی فضیلت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں جزئی فضیلت کا احتمال ہے جو بحث سے خارج ہے، کیونکہ ہر جام اور جولاہا اپنی بعض مخصوص وجوہات کی بدولت متعدد فنون کے ماہر عالم اور حکیم بوقلموں (گونا گوں علوم و صنائع کو جاننے والے) پر فضیلت رکھتا ہے۔ لیکن یہ فضیلت اعتبار سے خارج ہے۔ جو چیز معتبر ہے وہ فضیلت کئی ہے جو عالم اور حکیم کے لیے ثابت ہے۔

اس درویش کو بھی اس طرح کے اشتباہات بہت واقع ہوئے ہیں اور اس قسم کے بہت سے خیالات آئے ہیں اور مدتوں یہ حالت رہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اللہ جل شانہ کی حفاظت شامل حال رہی ہے، جس کی وجہ سے پہلے یقین میں بال برابر بھی تردد نہیں ہوا اور متفق علیہ اعتقاد میں کوئی فتور پیدا نہیں ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعَمَاتِہٖ۔ یعنی: اس نعمت پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے۔

جو کچھ متفق علیہ کے خلاف ظاہر ہوتا تھا (فقیر) اس کا کچھ اعتبار نہ کرتا تھا اور اس کو اچھے معانی پر محمول کرتا تھا اور مختصر طور پر اتنا جانتا تھا کہ اس کشف کے درست ہونے پر بھی یہ زیادتی جزئی فضیلت کی طرف راجح ہوگی۔ اگرچہ یہ وسوسہ بھی پیش آتا تھا کہ فضل کا مدار قرب الہی جل سلطانیہ پر ہے اور یہ زیادتی اسی قرب میں ہے، پھر جزئی کس طرح ہوگی۔ لیکن پہلے یقین کے مقابلہ میں یہ وسوسہ غبار کی طرح اڑ جاتا تھا اور کوئی اعتبار نہیں رکھتا تھا، بلکہ (فقیر) توبہ و استغفار اور انابت کے ساتھ التجا کرتا تھا اور عاجزی و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں اور اہل سنت و جماعت کے اعتقادات کے خلاف بال برابر بھی منکشف نہ ہو۔

ایک روز یہ خوف غالب ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کشف پر مواخذہ کریں اور ان توہمات کے بارے میں سوال فرمائیں۔ اس خوف کے غلبہ نے بیقرار اور بے چین کیا اور اللہ جل سلطانیہ کی بارگاہ پاک میں التجا اور زاری بڑھادی اور یہ حالت ایک مدت تک جاری رہی۔ اتفاق سے اسی وقت میں ایک بزرگ کے مزار پر گزر رہا تھا اور اس معاملہ میں اس بزرگ کو اپنا مددگار و معاون بنایا۔ اسی اثناء میں اللہ جل شانہ کی عنایت شامل حال ہوئی اور اس نے معاملہ کی حقیقت کو کما حقہ ظاہر کر دیا اور حضرت خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام، جو سب جہانوں کے لیے رحمت ہیں، کی روحانیت نے اس وقت ظہور فرمایا اور غمگین دل کو تسلی دی اور معلوم ہوا کہ ہاں! قرب الہی ہی فضل کئی کا موجب ہے، لیکن جو قرب تجھے حاصل ہوا ہے، یہ مرتبہ الوہیت کے ظلال میں سے ایک ظل کا قرب ہے، جو اس اسم سے مخصوص جو تیرا رب ہے۔ پس فضل کئی کا موجب نہ ہوگا۔ اس مقام کی مثالی صورت کو مجھ پر اس طرح منکشف کیا گیا کہ شک کی کوئی گنجائش نہ رہی اور اشتباہ کا محل پوری طرح ختم ہو گیا۔

ان علوم میں سے بعض جو اشتباہ کا محل اور تاویل و توجیہ کی گنجائش رکھتے ہیں اور یہ درویش اپنی کتب اور رسائل میں ان کو لکھ چکا ہے اور وہ منتشر ہو گئے ہیں، اس درویش نے چاہا کہ ان علوم کے اغلاط کا منشاء جو محض اللہ جل شانہ کے فضل سے روشن ہوا ہے، وہ لکھے اور شائع کرے، کیونکہ مشہور گناہ کے لیے توبہ کا اعلان کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ لوگ ان علوم کو شریعت کے خلاف نہ سمجھیں اور (ان کی) تقلید سے گمراہی میں نہ پڑیں، یا تعصب و تکلف سے گمراہی اور جہالت اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس غیب الغیب راستے میں ایسے پھول بہت کھلتے ہیں، جو ایک گروہ کو ہدایت کی طرف لے جاتے ہیں اور دوسرے گروہ کو

گمراہی کی جانب رہنمائی فرماتے ہیں۔

(فقیر نے) اپنے والدِ بزرگوار قدس سرہ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ بہتر فرقوں میں سے جو اکثر گمراہ ہو گئے ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں، ان کا باعثِ صوفیہ کے طریقہ میں داخل ہونا ہے، کیونکہ انہوں نے کام کو تکمیل تک نہ پہنچا کر غلطیاں کی ہیں اور گمراہ ہو گئے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۱)

سید حسین مانک پوری کو تحریر فرمایا۔ طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے خصائص اور کمالات کے بیان میں، مثلاً اس طریقہ کی افضلیت، (دوسروں کی) انتہا کا اس کی ابتدا میں درج ہونا، اس طریقہ کی انتہا کے بیان کے ساتھ۔ نیز سفر و وطن، خلوت در انجمن، سلوک پر جندہ کا تقدّم، اور عالمِ امر سے سیر کی ابتدا ہونا۔ نیز اس طریقہ کا (سب طریقوں سے) اقرب ہونا جو یقیناً موصل (الی اللہ) ہے، نیز اس طریقہ کا یوں ہونا کہ اس کی ابتدا میں حلاوت و وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی و فقدان ہے جو ناامیدی کے لوازمات میں سے ہے۔ اس طرح اس طریقہ کی ابتدا میں قرب و شہود ہے اور انتہا میں بُعد و حرمان۔ نیز اس طریقہ عالیہ کے اکابر نے احوال و مواجید کو شرعی احکام کے تابع بنایا ہے اور اذواق و معارف کو دینی علوم کا خادم رکھا ہے، اس طریقہ میں پیری و مریدی سیکھنے اور سکھانے میں ہے، نہ کہ پگڑی اور شجرہ (طریقت) میں۔ نیز اس طریقہ میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے شرعی احکام کو بجالانا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام و اتحیہ کی روشن سنت کی متابعت کو لازم پکڑنا ہے، نیز اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخ مفتدا کے تصرف سے وابستہ ہے، اور یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے کی کامل طاقت رکھتے ہیں، اسی طرح اس کے سلب کرنے کی مکمل طاقت رکھتے ہیں۔ نیز اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ سکوت (خاموشی) میں ہے اور یہ سکوت ان کے طریقہ کے لوازمات میں سے ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔
یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب آلِ اطہار اور صحابہ (کرامؓ) پر درود و سلام ہو۔

میرے عزیز بھائی سیادت پناہی میر سید حسین دور پڑے ہوؤں کو بھولے نہیں ہوں گے اور اس طریقہ عالیہ، جو مشائخِ کرام کے تمام طریقوں سے کئی وجوہات سے ممتاز ہے، کی رعایت کو چھوڑا نہیں ہوگا۔ کیونکہ آپ کو ملاقات کی فرصت بہت کم تھی۔ اس چیز کے ملاحظہ کی وجہ سے (فقیر) اس طریقہ عالیہ کے بعض خصائص و کمالات کو بلند علوم اور ارجمند معارف کے ضمن میں لکھ کر پیش کرتا ہے۔

اگرچہ (فقیر) جانتا ہے کہ درحقیقت اس قسم کے علوم کا ادراک سننے والوں کے اذہان سے بعید ہے، لیکن اس طرح کے معارف کا اظہار دو لحاظ سے ہے، اول یہ کہ سننے والے کو ان علوم کی استعداد (حاصل) ہے، اگرچہ حقیقت میں وہ اسے بیکار نظر آتے ہیں۔ دوم یہ کہ ظاہر میں مخاطب معین (مخصوص) ہے، لیکن درحقیقت مخاطب وہ شخص ہے جو اس معاملے کا محرم ہے۔

مثل مشہور ہے کہ السَّيْفُ لِلضَّارِبِ۔ یعنی: تلوار لڑنے والے کے لیے ہے۔

اے بھائی! اس روشن طریقہ کے حلقہ کے سردار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جو انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بعد تحقیق کے ساتھ تمام بنی آدم سے افضل ہیں اور اسی اعتبار سے اس طریقہ کے اکابر کی تحریروں میں آیا ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بالاتر ہے، کیونکہ ان کی نسبت جس سے مراد خاص حضور آگاہی ہے، وہ وہی حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی نسبت و حضور ہے جو تمام آگاہیوں سے بالاتر ہے اور اس طریقہ میں انتہا ابتدا میں درج ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ”ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں“:

ع قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

اگر پوچھیں کہ جب دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہے تو پھر ان کی انتہا کیا ہوگی؟ نیز دوسروں کی انتہا جب حق سبحانہ کا وصول ہے تو پھر ان کو حق سے (آگے) سیر کہاں (میسر) ہوگی؟ مثل مشہور ہے کہ لَيْسَ وَرَاءَ الْعِبَادَانِ قَرِيْنٌ۔ یعنی: جزیرہ عبادان سے آگے کوئی بستی نہیں ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر اس طریقہ عالیہ کی انتہا میسر آجائے تو وہ وصلِ عریان ہے جس کے حاصل ہونے کی نشانی حصولِ مطلوب کی ناامیدی حاصل ہونا ہے۔ فَافْهَمُ فَإِنَّ كَلَامَنَا إِشَارَةً لَا يُدْرِكُهَا إِلَّا قَلٌّ مِنَ الْخَوَاصِ بَلْ مِنْ أَخَصِّ الْخَوَاصِ۔

یعنی: پس سمجھ لو کہ ہماری بات میں وہ اشارے ہیں جن کو خواص بلکہ خاص الخاص میں سے بھی کم لوگ ہی سمجھتے ہیں۔ (فقیر نے) اس دولتِ عظمیٰ کے حاصل ہونے کی نشانی کو اس لیے بیان کیا ہے کہ اس گروہ میں سے کچھ لوگوں نے وصلِ عریاں کا دعویٰ کیا ہے اور دوسرا گروہ مطلوب کے حاصل ہونے کی ناامیدی کا قائل ہو گیا ہے، لیکن اگر ان دونوں دولتوں کے جمع ہونے کا ان کو عرض کیا جائے تو قریب ہے کہ وہ اس کو اجتماعِ ضدین خیال کریں اور ان کو نا ممکنات میں سے سمجھیں۔ جو جماعت وصل کا دعویٰ کرتی ہے وہ ناامیدی کو حرمان سمجھتی ہے اور جو گروہ ناامیدی کا مدعی ہے، وہ وصل کو عین جدائی خیال کرتا ہے۔ یہ سب اس بلند مقام تک نہ پہنچنے کی نشانی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس بلند مقام کا ایک پرتو اُن کے باطن پر چکا ہے۔ ایک جماعت نے اس کو وصل خیال کیا اور دوسرے گروہ نے اس کو ناامیدی (سمجھا) ہے۔ یہ فرق ہر ایک کی استعداد کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور ایک گروہ کی استعداد کے مناسب وصل اور دوسرے گروہ کی استعداد کے مطابق ناامیدی ہے۔ اس حقیر کے نزدیک ناامیدی کی استعداد وصل کی استعداد سے زیادہ بہتر ہے۔ اگرچہ وصل اور ناامیدی اس مقام پر ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔

اس جواب سے دوسرے اعتراض کا جواب بھی واضح ہو گیا کہ وصل مطلق اور (چیز) ہے اور وصلِ عریاں اور۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ وصلِ عریاں سے ہماری مراد یہ ہے کہ تمام حجابات اٹھ جائیں اور سب رکاوٹیں ختم ہو جائیں اور چونکہ گونا گوں تجلیات اور مختلف ظہورات بہت بڑے اور قوی حجابات ہیں، لہذا ان سب تجلیات و ظہورات سے

گزر جانا اور آگے بڑھنا ضروری ہے، خواہ یہ تجلی و ظہور امکانی آئینوں میں ہو یا وجوبی مظاہر میں۔ کیونکہ حجابات کے حاصل ہونے میں دونوں برابر ہیں اور اگر دونوں میں کوئی فرق ہے تو وہ شرف و رتبہ کے لحاظ سے ہے اور یہ طالب کی نظر سے خارج ہے۔

اگر پوچھیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تجلیات کی نہایت ہے، جبکہ مشائخ طریقت نے تصریح فرمائی ہے کہ تجلیات کی نہایت نہیں ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تجلیات کا بے انتہا ہونا اس صورت میں ہے جب سیر اسما و صفات میں تفصیل سے واقع ہو۔ اس صورت میں حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا وصول میسر نہیں ہے اور وصلِ عریاں حاصل نہیں ہے۔ بلکہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا وصول اسما و صفات کو اجمالی طور پر طے کرنے سے وابستہ ہے۔ پس (اس طرح) تجلیات کی نہایت ہے۔ اگر کہا جائے کہ تجلیات ذات کو بھی بے نہایت کہا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت مولوی جامی قدس سرہ نے شرح لمعات میں اس کی وضاحت کی ہے۔ پھر تجلیات کی نہایت کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ وہ تجلیات ذاتیہ بھی شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں، کیونکہ اس ملاحظہ کے بغیر تجلی ممکن نہیں ہے اور جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں وہ ایک ایسا امر ہے جو تجلیات صفاتی سے ماوراء ہے، خواہ وہ تجلیات صفاتی ہوں یا ذاتی۔ کیونکہ اس مقام میں تجلی کا اطلاق جائز نہیں ہے، جو تجلی بھی ہو۔ اس لیے کہ تجلی سے مراد شے کا ظہور ہے، دوسرے یا تیسرے یا چوتھے مرتبہ میں، جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور یہاں سب مرتبے ساقط ہو گئے ہیں اور تمام مسافت طے ہو گئی ہے۔

اگر پوچھیں کہ ان تجلیات کو ذاتی کس اعتبار سے کہا جاتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ تجلیات اگر معانی زائدہ کے ملاحظہ سے ہیں تو وہ تجلیات صفات ہیں اور اگر معانی غیر زائدہ کے ملاحظہ سے ہیں تو وہ تجلیات ذاتیہ ہیں۔ لہذا وحدت کا ظہور جو کہ تعین اول ہے اور ذات تعالیٰ پر زائد نہیں ہے (اس کو) تجلی ذات کہا گیا ہے اور ہمارا مطلب حضرت ذات تعالیٰ و تقدس ہے، جہاں معانی کے ملاحظہ کی ہر گز گنجائش نہیں ہے، خواہ معانی زائد ہوں یا غیر زائد ہوں۔ کیونکہ معانی پوری طرح مختصر طریقے سے طے ہو گئے اور حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا وصول میسر ہو چکا ہے۔

جاننا چاہیے کہ وصل اس مقام میں مطلب کی مانند بے مثل اور بے مثال ہے۔ جس اتصال کو عقل سمجھ لے وہ بحث سے خارج ہے اور اس پاک ذات کے لائق نہیں ہے، کیونکہ مثل کو بے مثل کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے:

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ^(۱) یعنی: بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔
اتصالے بے تکلیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس^(۲)

یعنی: خدا کا اپنے بندوں سے ایک ایسا اتصال ہے جس کی کیفیت کا پانا اور سمجھنا محال ہے۔

اس طریقہ عالیہ کے مشائخ میں سے کسی نے اپنے طریقہ کی انتہا کی خبر نہیں دی ہے۔ انہوں نے اپنے طریقہ کی ابتدا کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انتہا بھی اسی میں درج ہے۔ جب ان کی ابتدا میں انتہا ملی ہوئی ہے تو پھر انتہا بھی اس ابتدا کے مناسب ہونی چاہیے اور یہ وہی ہے جس کے اظہار سے اس فقیر نے امتیاز حاصل کیا ہے:

اگر بادشاہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سہلت مکن

یعنی: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ! تو حسد سے اپنی داڑھی مت نوج۔

لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلٰی ذٰلِكَ۔ یعنی: اس چیز پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

اے بھائی! اس طریقہ سے اور دوسرے طریقوں سے اس انتہا کے واصل بہت ہی کم (حضرات) ہیں۔ اگر ان افراد کو گنا جائے تو نزدیک ہے کہ قریب والے دور ہو جائیں اور دور والوں کا انکار کرنا تو کچھ بعید نہیں ہے۔ کُلُّ ذٰلِكَ لِکَمَالِ الْوُصُولِ اِلٰی نِهَایَةِ النَّهَایَةِ بِصَدَقَةِ حَبِیبِهِ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا۔

یعنی: یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے نہایت نہایت تک کمال کے وصول کے باعث ہے۔

اس طریقہ عالیہ کے جملہ خصائص میں سے ایک ”سفرِ وطن“ ہے جس سے مراد ”سیرِ انفسی“ ہے۔ اگرچہ سیرِ انفسی مشائخ کے سب طریقوں میں ثابت ہے، لیکن وہ سیرِ سیرِ آفاقی کو طے کرنے کے بعد انتہا میں میسر ہوتی ہے۔ اور اس طریقہ عالیہ (نقشبندیہ) میں ابتدا ہی اس سیر سے (ہوتی) ہے اور سیرِ آفاقی اس سیر کے ضمن میں طے ہو جاتی ہے۔ پس اس سیر کا منشاء جو ابتداء میں حاصل ہوتا ہے، ”انتہا کا ابتدا میں درج ہونا“ بن گیا ہے۔

(اس طریقہ کی) دوسری خصوصیت ”خلوت در انجمن“ ہے جو ”سفرِ وطن“ سے متعلق ہے۔ جس وقت ”سفرِ وطن“ میسر ہو جائے تو پھر ”خلوت در انجمن“ بھی اس کے ضمن میں میسر ہو جائے گی۔ پس (سالک) انجمن کے تفرقہ میں رہتے ہوئے بھی وطن (دل) کے خلوت خانہ میں سفر کرتا ہے اور آفاق کا تفرقہ نفس کے حجرہ میں راہ نہیں پاتا۔ یہ خلوت اگرچہ دوسرے طریقوں کے منتہیوں کو بھی میسر ہے لیکن اس طریقہ (نقشبندیہ) میں چونکہ ابتدا ہی ہاتھ آ جاتی ہے، (لہذا) اس طریقہ کی خصوصیات میں سے ہو گئی ہے۔

جاننا چاہیے کہ ”خلوت در انجمن“ اس صورت میں ہوتی ہے جب (سالک نے) وطن (دل) کے خلوت خانہ کے دروازے بند کر دیے ہوں اور سوراخوں کو بھی بند کر دیا ہو۔ یعنی تفرقہ کی انجمن میں کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہو اور متکلم و مخاطب نہ ہو، یہ نہیں کہ آنکھ کو ڈھانپ لے اور حواس کو تکلف سے معطل کرے، کیونکہ (یہ چیز) اس طریقہ کے خلاف ہے۔

اے بھائی! یہ سب حیلہ و تکلف ابتدا اور وسط میں ہے، انتہا میں ایسے حیلوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (سالک) عین تفرقہ میں جمعیت سے ہے اور غفلت کی حالت میں بھی حاضر ہے۔ اس وجہ سے کوئی شخص گمان نہ کرے کہ منہی کے حق میں تفرقہ اور عدم تفرقہ مطلقاً برابر ہیں، (بالکل) نہیں! بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ سالک کے باطن کی جمعیت کی حالت میں برابر ہیں۔ اس کے ساتھ اگر وہ ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کر لے اور تفرقہ کو ظاہر سے بھی دفع کر لے تو زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہوگا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبَتُّلاً۔ (سورۃ مزمل، ۸)

یعنی: آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی جانب متوجہ ہو جائیں۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات میں ظاہری تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا، تا کہ مخلوق کے حقوق ادا ہوں۔ پس (اس طرح) ظاہری تفرقہ بھی بعض اوقات میں پسندیدہ ہے، لیکن تفرقہ باطن اوقات میں سے کسی وقت میں بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ

خالص حق سبحانہ کے لیے ہے۔ پس بندوں کے (اوقات میں سے) تین حصے حق تعالیٰ کے لیے ثابت ہوئے: باطن پورے کا پورا اور ظاہر سے ایک نصف اور ظاہر کا دوسرا نصف خلقت کے حقوق ادا کرنے کے لیے باقی رہا، لیکن ان حقوق کی ادائیگی بھی ہر وقت حق سبحانہ کے احکام کی بجا آوری ہے، (لہذا) یہ نصف بھی حق سبحانہ کی جانب راجع ہے۔ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ۔ (سورۃ ہود، ۱۲۳)

یعنی: تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے، تو اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اس طریقہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور سیر کی ابتدا عالمِ امر سے ہے، نہ کہ عالمِ خلق سے۔ برخلاف اکثر دوسرے طریقوں کے۔ اور سلوک کی منازل جذبہ کے مراتب طے کرنے کے ضمن میں طے ہو جاتی ہیں اور عالمِ خلق کی سیر عالمِ امر کی سیر کے تحت ہی میسر ہو جاتی ہے۔ پس اگر اس اعتبار سے اس طریقہ میں ابتدا کا انتہا میں درج ہونا بھی کہیں تو اس کی گنجائش ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس طریقہ میں سیر کی ابتدا ہی میں انتہا کی سیر درج ہے۔ یہ نہیں ہے کہ انتہا سے ابتدا کی سیر کے لیے نیچے آئیں اور انتہا کی سیر کی تکمیل کے بعد ابتدا کی سیر کریں۔ اس مضمون سے اس شخص کا گمان باطل ہو گیا جو کہتا ہے کہ اس طریقہ کی انتہا سب مشائخ کے طریقوں کی ابتدا میں ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس طریقہ (نقشبندیہ) کے بعض مشائخ کی تحریروں میں آیا ہے کہ ”اسماء و صفات میں ان کی سیر ان کی نسبت کی تکمیل کے بعد واقع ہوتی ہے۔“ پس درست (ثابت) ہوا کہ ان کی انتہا دوسروں کی ابتدا میں ہے، کیونکہ اسماء و صفات کی سیر تجلیات ذاتیہ کی سیر کی نسبت ابتدا میں ہے۔ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان (حضرات نقشبندیہ) کی سیر اسماء و صفات میں تجلیات ذاتیہ کی سیر کے بعد نہیں ہے، بلکہ اسی سیر کے ضمن میں وہ سیر بھی واقع ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب سیر اسمائی و صفاتی بعض عوارض میں سے کسی عارضہ کے پیش آنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے اور تجلیات ذاتی کی سیر پوشیدہ ہو جاتی ہے تو خیال آتا ہے کہ (سالک) اس سیر کو مکمل کر کے تجلیات اسمائی اور صفاتی میں داخل ہو گیا ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ ہاں! ولایت کے درجات میں سیر کی تکمیل کے بعد خلقت کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے کے لیے عالم کی جانب ایک رجوع واقع ہوتا ہے۔ اگر اس رجوع کو ان کی انتہا سمجھ کر اپنی ابتدا تصور کر لیں تو (کچھ) بعید نہیں ہے، لیکن (فقیر) کیا کہے کہ اس کے مشائخ بھی اسی انتہا میں رجوع رکھتے ہیں۔ نیز انتہا و ابتدا سے مراد ولایت کی ابتدا و انتہا ہے اور یہ رجوع کی سیر ولایت سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کا ایک حصہ ہے اور یہ طریقہ (نقشبندیہ) تمام طریقوں سے زیادہ قریب ہے اور یقیناً سب سے زیادہ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے: ”ہمارا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔“ نیز انہوں نے فرمایا ہے: ”میں نے حق سبحانہ و تعالیٰ سے ایک ایسا طریقہ طلب کیا جو یقیناً مقصود تک پہنچانے والا ہو“ اور ان کی یہ درخواست قبول ہو گئی۔

چنانچہ رشحات میں حضرت خواجہ احرار قدس سرہ سے منقول ہوا ہے کہ ”یہ طریقہ سب سے زیادہ قریب اور مقصود تک

پہنچانے والا کیوں نہ ہو جبکہ انتہا اس کی ابتدا میں درج ہوئی ہے۔“ وہ آدمی بڑا بد نصیب ہے جو اس طریقہ میں داخل ہو اور استقامت اختیار نہ کرے اور بے نصیب چلا جائے:

ع خورشید نہ مجرم ار کسے مینا نیست

یعنی: اگر کوئی شخص اندھا ہے تو سورج قصور وار نہیں ہے۔

ہاں! اگر کوئی طالب کسی ناقص کے ہاتھ میں چلا جائے تو اس میں طریقہ کا کیا گناہ ہے؟ اور طالب کا کونسا قصور ہے؟ کیونکہ درحقیقت اس طریقہ کا رہبر مقصود تک پہنچانے والا ہے، نہ کہ نفس طریقہ۔ اس طریقہ میں ابتدا میں حلاوت اور وجدان ہے اور انتہا میں بے مزگی اور فقدان، جو ناامیدی کے لوازمات میں سے ہے، بخلاف دوسرے طریقوں کے جو ابتدا میں بے مزگی اور فقدان رکھتے ہیں اور انتہا میں حلاوت اور وجدان رکھتے ہیں۔ نیز اسی طرح اس طریقہ میں ابتدا میں قرب اور شہود ہے اور انتہا میں بُعد اور حرمان ہے، بخلاف تمام مشائخ کرام کے طریقوں کے۔

طریقوں کے فرق کو اس جگہ سے قیاس کرنا چاہیے اور اس طریقہ عالیہ کی برتری کو سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ قرب و شہود اور حلاوت و وجدان دوری اور مجہوری کی اطلاع دیتے ہیں اور بُعد و حرمان اور بے حلاوتی و فقدان قرب کی انتہا کی خبر دیتے ہیں۔
فہم من فہم۔ یعنی: پس سمجھ والے نے سمجھ لیا۔

(فقیر) اس راز کی شرح میں اس قدر ظاہر کرتا ہے کہ کوئی شخص اپنے نفس سے زیادہ اپنے قریب کوئی چیز نہیں رکھتا اور قرب و شہود اور حلاوت و وجدان کی نسبت اس کے نفس کے حق میں مفقود ہے اور اپنے غیر کی نسبت جس سے وہ بیگانگی رکھتا ہے، (اس میں) یہ ساری نسبتیں موجود ہیں۔ فَاَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْاِشَارَةُ۔ (۳) یعنی: پس عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

اس طریقہ عالیہ کے اکابر نے احوال و مواجید کو شرعی احکام کے تابع بنایا ہے اور انہوں نے اذواق و معارف کو دینی علوم کا خادم رکھا ہے۔ وہ شرعی احکام کے قیمتی موتیوں کو بچوں کی طرح وجد و حال کو اخروٹ و مٹھی کے عوض (ہاتھ سے) نہیں دیتے اور صوفیہ کی سکر یہ باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے اور جو احوال شرعی ممنوعات اور روشن سنت کے خلاف عمل کرنے سے حاصل ہوں، وہ ان کو قبول نہیں کرتے اور ان کو نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سماع و قص کو جائز نہیں سمجھتے اور ذکر جہر کو اختیار نہیں فرماتے۔ ان کے حال کو دوام ہے اور ان کے وقت کو تسلسل (حاصل) ہے۔ وہ تجلی جو دوسروں کے لیے بجلی (کی چمک) کی مانند ہے، ان کے لیے دائمی ہے اور وہ حضور جس کے پیچھے غیبت ہو ان بزرگواروں کے نزدیک اعتبار کی حد سے ساقط ہے، بلکہ ان کا معاملہ حضور اور تجلی سے زیادہ بلند ہے، جیسا کہ اس کی طرف (اوپر) ایک اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ”اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم ہر مکار اور ناچنے والے کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا معاملہ بلند ہے۔“ اس طریقہ میں پیری و مریدی کا انحصار طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر ہے اور پگڑی اور شجرہ (طریقت) پر نہیں ہے، جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں رسم بن گئی ہے، یہاں تک کہ ان کے متاخرین نے پیری و مریدی کو پگڑی اور شجرہ (طریقت) پر منحصر کر لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیر کے تعدد (ایک سے زیادہ ہونے) کو جائز نہیں سمجھتے اور طریقت کے معلم کو مرشد کہتے ہیں اور پیر نہیں سمجھتے اور پیری کے آداب کی رعایت اس کے حق میں بجا نہیں

لاتے۔ یہ ان کی جہالت و نادانی کا کمال ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیرِ تعلیم اور پیرِ صحبت کو بھی پیر کہا ہے اور پیر کے تعدد کو جائز فرمایا ہے، بلکہ پہلے پیر کی زندگی کے دوران اگر کوئی طالب اپنی ہدایت کو کسی دوسری جگہ دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرا پیر اختیار کر لے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اس بات کے جائز ہونے کے لیے علمائے بخارا کے فتویٰ کو درست قرار دیا تھا۔ ہاں! اگر ایک پیر سے خرقہ خلافت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقہ خلافت حاصل نہ کرے اور اگر حاصل کرے تو (اسے) خرقہ تبرک (سمجھ کر) لے۔ یہاں سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے، بلکہ جائز ہے کہ خرقہ خلافت ایک سے حاصل کرے اور طریقت کی تعلیم کسی دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے اور اگر یہ تینوں نعمتیں ایک ہی سے نصیب ہو جائیں تو کتنی بڑی نعمت ہے۔ نیز جائز ہے کہ متعدد مشائخ سے تعلیم و صحبت کا استفادہ کرے۔

جاننا چاہیے کہ پیروہ ہے جو مرید کی حق سبحانہ کی طرف رہنمائی فرمائے۔ یہ چیز طریقت کی تعلیم میں بیشتر ملحوظ اور زیادہ واضح ہے۔ پیرِ تعلیم بھی شریعت کا استاد ہے اور طریقت کا رہنما بھی ہے، بخلاف پیرِ خرقہ کے۔ پس پیرِ تعلیم کے آداب کی رعایت بہت زیادہ بجالانی چاہیے اور وہ پیر کہلانے کا زیادہ حقدار ہے۔

اس طریقہ میں نفسِ امارہ کے ساتھ ریاضتیں اور مجاہدے کرنا شرعی احکام کی بجا آوری ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والخریۃ کی روشن سنت کی متابعت کو لازم پکڑنا ہے، کیونکہ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے مقصود نفسِ امارہ کی خواہشات کو مٹانا ہے جو اپنے مولا جلِ سلطانہ کی دشمنی میں مشغول ہو گیا ہے۔ پس نفس کی خواہشات کا دور ہونا شرعی احکام کی بجا آوری سے وابستہ ہوا ہے۔ (طالب) جس قدر شریعت میں زیادہ راسخ ہوگا، اتنا ہی نفس کی خواہشات سے زیادہ دور ہوگا۔ پس نفسِ امارہ پر شریعت کے اوامر اور نواہی کی بجا آوری سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں ہے اور صاحبِ شریعت کی تقلید کے علاوہ کسی چیز میں اس کی خرابی متصور نہیں ہے۔ (لوگ) جو ریاضتیں اور مجاہدے سنت کی تقلید کے علاوہ اختیار کریں، وہ معتبر نہیں ہیں۔ کیونکہ جوگی، ہندو برہمن اور یونانی فلاسفہ اس معاملے میں (باہم) شریک ہیں اور یہ ریاضتیں ان کے حق میں گمراہی کے اضافہ کے سوا کچھ نہیں کرتیں اور نقصان کے علاوہ انہیں کوئی راستہ نہیں دکھاتیں۔ اس طریقہ میں طالب کا سلوک شیخ مقتدا کے تصرف سے وابستہ ہے۔ اس کے تصرف کے بغیر کام نہیں بنتا، کیونکہ انتہا کا ابتدا میں درج ہونا اسی کی توجہ مبارک کا اثر (ہوتا) ہے اور بے مثالی اور بے مثالی کے معنی کا حاصل ہونا اسی کے تصرف کے کمال کا نتیجہ ہے اور بخود کی کیفیت جس کو پوشیدہ راستہ سمجھا گیا ہے، اس کا حاصل کرنا مبتدی کے اختیار میں نہیں ہے اور جو توجہ چھ سمتوں سے خالی ہے اس کا وجود طالب کے حوصلہ کے لائق نہیں ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برند از رہِ پنہاں بحرِ قافلہ را^(۴)

یعنی: نقشبندی بزرگ قافلے کے عجیب سالار ہیں جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک لے جاتے ہیں۔

یہ بزرگوار جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور حضور و آگاہی کو کم وقت میں طالبِ صادق کو عطا فرما دیتے ہیں، اسی طرح اس نسبت کے سلب (کرنے) میں بھی کامل قدرت رکھتے ہیں اور ایک بے توجہی پر صاحبِ نسبت کو

مفلس بنا ڈالتے ہیں، جی ہاں! جو عطا کرتے ہیں وہ چھین بھی لیتے ہیں، اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ غَضَبِهِ وَغَضَبِ أَوْلِيَائِهِ وَ الْكَرَامِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ اپنے غضب اور اپنے اولیائے کرام کے غضب سے ہمیں محفوظ رکھے۔

اس طریقہ عالیہ میں بیشتر افادہ اور استفادہ سکوت (خاموشی) میں ہے۔ (ان بزرگواروں نے) فرمایا ہے: ”جس شخص نے ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ کیا، وہ ہماری گفتگو سے کیا نفع حاصل کرے گا۔“ انہوں نے اس خاموشی کو تکلف سے اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ (یہ) ان کے طریقہ کے لوازمات میں سے ہے۔ چونکہ ان بزرگواروں کی توجہ ابتداء ہی سے احادیث مجرّدہ کی جانب ہے۔ وہ اسم و صفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے اور (انہیں) معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے لائق خاموشی اور گونگا پن ہے اور (یہ چیز) اس بات کی مصداق ہے: مَنْ عَرَفَ اللَّهَ كُلَّ لِسَانِهِ^(۵)۔ یعنی: جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی۔

وَ اخْتُمَ هَذِهِ الْمَقَالَةَ بِحَمْدِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَ بَصْلُوۃِ حَبِيبِهِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃِ وَ السَّلَامِ عَلٰی سَيِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ آلِهِ الطَّاهِرِیْنَ وَ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی: اور (اب) ہم اس بات کو اللہ سبحانہ کی حمد اور اس کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درود پر ختم کرتے ہیں۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب آل اطہار پر درود و سلام ہو۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۲)

خواجہ محمد اشرف کلبلی کو تحریر فرمایا۔ احوال کی خرابی، دیدِ قصور، اپنی نیکیوں پر الزام لگائے رکھنا، اس دیدِ قصور کا ولایت کے کمالات کے ساتھ جمع ہونا، بلکہ یہ دید ان کمالات کا اثر ہے، کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَللّٰهُمَّ وَفَّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ وَتَبَّتْ عَلٰی طَاعَتِكَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ عَلَیْهِ وَ عَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتُ وَ التَّسْلِیْمٰتُ۔

یعنی: اے اللہ! تو سید الاولین والآخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمیں اپنی رضا کی توفیق عطا فرما اور ہمیں اپنی اطاعت پر ثابت قدم فرما۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ ”سچا مرید وہ ہے کہ بیس سال تک اس کے بائیں (کندھے) والا فرشتہ کوئی ایسی چیز (برائی) نہ پائے جو اس کے حق میں لکھے۔“ اور یہ پُر تقصیر فقیر ذوق و وجدان سے اپنے حق میں محسوس کرتا ہے کہ معلوم نہیں ہے کہ (اس کے) دائیں (کندھے) والے فرشتہ نے بیس سال کے عرصہ میں کوئی بھی نیکی پائی ہو جو اس کے نامہ اعمال میں درج کرے۔ اللہ جل سلطانہ جانتا ہے کہ (فقیر) یہ بات بناوٹ اور تکلف سے نہیں کہہ رہا۔ نیز (فقیر) اپنے ذوق سے (یوں) سمجھتا ہے کہ فرنگی کا فراس سے کئی درجے بہتر ہے اور اگر اس کی دلیل مانگیں تو (فقیر) جواب سے عاجز نہیں ہوگا۔ نیز (فقیر) ذوق کے طریقہ سے خود کو خطاؤں میں گھرا ہوا سمجھتا ہے اور گناہوں کا حامل خیال کرتا ہے اور جو نیکیاں وجود میں آتی ہیں، بائیں

(کندھے) والے فرشتے کو ان کے لکھنے کا زیادہ حقدار سمجھتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اس کا بائیں (کندھے) والے فرشتہ ہمیشہ کام میں مصروف ہے اور اس کا دائیں (کندھے) والا فرشتہ فارغ اور بیکار ہے اور دائیں (کندھے) والا فرشتہ کا دفتر خالی و سفید اور بائیں (کندھے) والے فرشتہ کے رجسٹر کو پُر و سیاہ جانتا ہے۔ رحمت کے سوا کوئی امید نہیں رکھتا اور مغفرت کے علاوہ کوئی سہارا نہیں۔ (یہ) دعا اس (فقیر) کے حال کے مطابق ہے: اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلِيْ۔^(۱) یعنی: اے اللہ! تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے اپنے عمل کی بجائے تیری رحمت پر زیادہ امید ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ فیوض و واردات الہی جل سلطانہ جو ہمیشہ کمال و تکمیل کے درجات میں فائز اور وارد ہیں، وہ اس دیدِ قصور کی تائید کرتے ہیں اور اس عیبِ بنی کی تقویت فرماتے ہیں اور بجائے غرور کے کمی کوتاہی میں اضافہ کرتے ہیں اور بجائے بلندی چاہنے کے تواضع اور عاجزی کا راستہ کھولتے ہیں۔ (فقیر) ایک آن میں کمالات و ولایت سے بھی مشرف ہے اور دیدِ قصور سے بھی متصف ہے۔ وہ جس قدر بالاتر جاتا ہے، اتنا ہی خود کو زیادہ نیچے دیکھتا ہے۔ بلکہ وہی بالاتر جانا زیادہ نیچے دیکھنے کا سبب بنا ہے۔ دانا لوگ اس پر یقین کریں یا نہ کریں اور اگر اس کا راز معلوم کر لیں تو شاید یقین کر لیں۔

سوال: ان دو متضاد (باتوں) کے جمع کرنے کا کیا راز ہے، اور ایک متضاد کا وجود دوسرے متضاد کے وجود کا سبب کیوں

ہے؟

جواب: دو متضاد (چیزوں) کا جمع ہونا اس شرط پر محال ہے جب دونوں کا محل ایک ہو اور جس کا بیان ہم کر رہے ہیں، اس میں محل کئی ہیں۔ انسانِ کامل سے اوپر جانے والے اس کے عالمِ امر کے لطائف ہیں اور نیچے آنے والے اس کے عالمِ خلق کے لطائف ہیں۔ عالمِ امر کے لطائف جس قدر بالاتر جاتے ہیں، اسی قدر عالمِ خلق سے زیادہ بے مناسب بنتے جاتے ہیں اور یہی بے مناسبتی عالمِ خلق کے زیادہ نیچے آنے کا سبب ہے۔ عالمِ خلق جس قدر زیادہ نیچے آتا ہے، اسی قدر سالک کو زیادہ بے حلاوت بناتا ہے اور عیوب و نقائص کی دید کو بہت زیادہ بنا ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منتہیِ مرجوع اس لذت و حلاوت کی آرزو رکھتے ہیں جو ابتدا میں ان کو میسر ہوئی تھی اور انتہا میں ہاتھ سے جاتی رہی تھی اور بے مزگی اس کی جگہ آ بیٹھی۔ نیز یہی وجہ ہے کہ عارفِ فرنگی کا فر کو خود سے بہتر سمجھتا ہے، کیونکہ کافر میں اس کے عالمِ امر اور عالمِ خلق کے ملاپ کی وجہ سے ایک نورانیت ہے اور عارف میں یہ ملاپ ختم ہو گیا ہے۔ تنہا عالمِ خلق جس کی وجہ سے عارف سے ”انا“ سرزد ہوتی ہے، وہ (اس سے) جدا ہو گئی ہے جو سرِ اسرِ ظلمت و کدورت سے پُر ہے۔ عالمِ امر کے لطائف جس قدر بھی نیچے آ جاتے ہیں، وہ عالمِ خلق سے کوئی اختلاط نہیں رکھتے اور کوئی ملاپ حاصل نہیں کرتے، جیسا کہ ابتدا میں رکھتے تھے۔

آپ نے برادرِ مخلص خواجہ محمد طاہر کے ہاتھ جو مکتوب بھیجا تھا، وہ پہنچا۔ رابطہ کا حاصل ہونا جو (اپنے شیخ سے) کامل مناسبت پر مبنی ہے، اس کو غیبت (غیر حاضری) کے زمانہ میں غنیمت شمار کریں، اور رکاوٹیں دور ہونے تک دلوں کے قرب کو کافی سمجھیں اور اس کے باوجود جسمانی قرب (ملاقات) کی خواہش کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، کیونکہ نعمت کی تکمیل اس قرب سے وابستہ ہے۔ (حضرت) اولیس قرنی (رضی اللہ عنہ) دلوں کے قرب کے باوجود چونکہ جسمانی قرب نہیں رکھتے تھے، لہذا اس جماعت

کے کمترین درجہ کی شخصیت کو نہیں پہنچے جو جسمانی قرب رکھتے تھے، لہذا ان کا سونے کا پہاڑ خرچ کرنا، ان کے ایک سیر جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ فَلَا تَعْدِلُ بِالصُّحْبَةِ شَيْئًا كَأَنَّ مَا كَانَ. یعنی: پس صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۳)

خواجہ جمال الدین حسین کولابی کو تحریر فرمایا۔ احوال و واقعات کو اپنے شیخ بزرگوار کی خدمت میں ظاہر کرنے کی ترغیب کے بیان میں۔

میرے بھائی خواجہ جمال الدین حسین! ایک مدت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے احوال کی کیفیات سے آگاہ نہیں کیا ہے۔ آپ نے نہیں سنا کہ مشائخ کبرویہ اس مرید کو جو تین روز تک اپنے احوال و واقعات اپنے شیخ کی خدمت میں نہ پہنچائے، پاؤں کا تلوافرماتے ہیں۔ خیر گزر گیا جو گزر گیا۔ آئندہ آپ ایسا نہ کریں، اور جو کچھ پیش آئے وہ لکھتے رہیں۔ میرے پیارے بھائی کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھ کر (ان کی) خدمت اور دلجوئی کی کوشش کریں اور ان کی صحبت گرامی کو عزیز جانیں:

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان

یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتا بتا دیا ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۴)

میر محمد نعمان بدخشی کو تحریر فرمایا۔ آداب کی رعایت اور آزار کے (اس) گمان کو دور کرنے کے بیان میں جس کا وہم کیا تھا۔ نیز احتیاط کا حکم، طریقت کی تعلیم کی تاکید اور فقر و نامرادی کی سختی کو برداشت کرنے کے بیان میں۔ اور بعض نصائح و تنبیہات کے بیان میں جو ملا محمد یار قدیم کو اس مکتوب کی پشت پر لکھی گئیں۔

میرے سعادتمند بھائی سیادت پناہی میر محمد نعمان کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے جن ابتدائی باتوں کو مرتب کیا تھا، ان کا مضمون اور جو شک و گمان کیے تھے ان کا مفہوم واضح ہوا۔ بعض لوگ آپ کو زمانے کا عقلند کہتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں اس شخص کے ساتھ درمیان میں لانا جس کے بغیر گزرا اور چارہ نہ ہو، کیسے مناسب ہیں، جبکہ اس سے قطع (تعلق) نہیں کر سکتے اور جدائی اختیار نہیں کر سکتے۔ اس کے باوجود آپ خیال نہ کریں کہ اس قسم کی باتوں سے فقیر کے دل میں کسی قسم کی ناراضگی پیدا ہوئی ہو، جس کا نتیجہ آزار ہو۔ چہ جائیکہ بیزاری کی نوبت پہنچے۔ آپ کی خوبیاں نظر میں ہیں اور آپ کی لغزشیں اعتبار سے ساقط ہیں۔ آپ کسی طرح اپنے دل کو پریشان نہ کریں اور کسی وجہ سے بھی فقر کی ناراضگی کا تصور نہ کریں، کیونکہ کسی وجہ سے بھی آزار واقع نہیں ہوا ہے۔ آزار کا تصور کیوں ہو جبکہ آزار کا سبب ہی نہیں ہے۔ جو امور سہو و نسیان سے بشری تقاضا کے تحت سرزد ہوں، وہ مواخذہ کے لائق نہیں ہیں۔ آپ آزار کے وہم کو دل سے نکال کر طریقت کی تعلیم اور طالبین کے افادہ میں سرگرم رہیں۔ استخاروں کا حکم اس معاملہ کی تاکید کے لیے ہے، نہ کہ اس معاملہ کی نفی کے لیے۔ جب لعنتی دشمن (شیطان) اور برا ساتھی

(نفس) اس مسکین کی گھات میں لگے ہوں تو احتیاط اور تاکید کے سوا چارہ نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مکرو حیلہ سے بہکادیں اور اپنے مکرو اور ملمع سازی سے برائیوں کو نیکیوں کی صورت میں دکھائیں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب لعنتی دشمن (شیطان) طاعت و نصیحت کے راستے سے سامنے آئے تو اس کو دفع کرنا مشکل ہوتا ہے۔ پس ہمیشہ التجا و زاری کرنی چاہیے اور حق سبحانہ و تعالیٰ سے عاجزی و زاری کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے کہ اس راستے سے اس کی خرابی نہ چاہیں اور اس کا استدراج طلب نہ کریں۔ استقامت کا طریقہ یہ ہے کہ سعادتِ ابدی کی جانب اس کی رہنمائی فرمائیں۔

دوسرا یہ کہ فقر و نامرادی اس گروہ کا حسن ہے اور سید کو نین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی پیروی ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کمال کرم سے اپنے بندوں کے رزق کا کفیل (ذمہ دار) بنا ہے اور اس نے ہمیں اور آپ کو اس ترّد سے فارغ کر دیا ہے۔ جس قدر لوگ زیادہ ہوں گے، رزق بھی زیادہ تر ہوگا۔ آپ ہمت کی جمعیت کے ساتھ حق تعالیٰ و تقدس کی رضا کی جانب متوجہ رہیں اور متعلقین کے غم کو اللہ سبحانہ کے حوالے کریں۔ وَالْبَاقِي عِنْدَ التَّلَاقِ۔ یعنی: اور باقی ملاقات پر۔

بعض دوست جو اس طرف سے آئے ہیں، انہوں نے اظہار کیا ہے کہ آزار کا وہم ابھی تک میرے دل میں موجود ہے۔ اس وجہ سے تاکید اور مبالغہ سے لکھا ہے کہ آپ آزار کے وہم کو دور کر دیں۔

دوسرا یہ کہ (فقیر نے) ایک مکتوب ملا یا محمد قدیم کو لکھا تھا جو نصائح و مواعظ پر مشتمل تھا۔ ظاہر اس مکتوب کا مضمون ان کی طبیعت کو پسند نہیں آیا، کیونکہ انہوں نے اس کا جواب نہیں بھیجا۔ بلکہ انہوں نے دعا سلام سے بھی خود کو معاف رکھا، گویا (یہ چیز) ان کی طبیعت کو پسند نہیں آئی۔ وہ لوگ جو اس حقیر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں، اگر (فقیر) ان کو ان کے غلط گمانوں اور غلط باتوں سے آگاہ نہ کرے اور حق کو باطل سے جدا نہ کرے تو وہ اپنی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتا ہے اور آخرت میں کیسے منہ دکھا سکتا ہے؟ آپ ان کو بتائیں:

من آنچه شرطِ بلاغ است با تو می گویم تو از سختم پند بگر و خواه ملال

یعنی: جو کچھ کہنے کے لائق ہے میں وہ کچھ تجھے کہتا ہوں، تو میری بات سے نصیحت حاصل کر یا رنجیدہ ہو۔

جاننا چاہے کہ شیخ بننے اور خلقت کو حق جلا و علا کی طرف دعوت دینے کا مقام بہت ہی عالی ہے۔ آپ نے سنا ہوگا:

الشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي أُمَّتِهِ^(۱)۔ یعنی: شیخ اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی امت میں ہے۔

ہر بے سرو سامان کو اس بلند مقام سے کیا مناسبت ہے؟

ہر گدائے مرد میدان کے شود پشہ آخر سلیمان کے شود

یعنی: ہر بھکاری مرد میدان کب بن سکتا ہے۔ مجھ پر آخر سلیمان (علیہ السلام) کب بن سکتا ہے۔

احوال و مقامات کی تفصیل کا علم، مشاہدات و تجلیات کی حقیقت کی معرفت، کشف و الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات

کی تعبیر کا ظاہر ہونا اس بلند مقام کے لوازمات میں سے ہے۔ وَبَدُونَهَا خَرُّ الْقَتَادِ۔

یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اکابر طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اپنے بعض مریدوں کو کسی مصلحت کے لحاظ سے اس سے پہلے کہ وہ مقام شیخی تک پہنچ جائیں، ایک قسم کی اجازت دے دیتے ہیں اور ایک طرح کی تجویز فرماتے ہیں کہ وہ طالبین کو طریقت کی تعلیم دیں اور احوال و واقعات پر مطلع رہیں۔

اس طرح کی تجویز میں شیخ مقتدا کے لیے لازم ہے کہ وہ مجاز مریدوں کو اس کام میں احتیاط کا حکم فرمائے اور تاکید سے غلط مقامات کو ظاہر کرے اور تکرار سے ان کے نقص سے آگاہ فرمائے اور مبالغہ کے ساتھ ان کا نامکمل ہونا ظاہر کرے۔ اس صورت میں اگر شیخ حق کے اظہار میں سستی کرے تو خیانت کا رہے اور اگر مرید کو برا لگے تو وہ بے نصیب ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ حق جل و علا کی رضا شیخ کی رضا سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس کی ناراضگی سے وابستہ ہے۔ کیا مصیبت ہے کہ وہ نہیں سمجھ رہا کہ ہم سے قطع تعلق کرنے کا انجام کیا ہوگا؟ اور اگر وہ ہم سے قطع تعلق کرتا ہے تو کس کے ساتھ وابستہ ہوگا؟ اللہ سبحانہ کی پناہ! اگر اس قسم کے معاملے کا خیال اس کے دل میں آگیا ہے تو اسے بلا توقف کہیں کہ توبہ کرے اور استغفار کرے اور حضرت حق سبحانہ سے التجا و زاری کرے کہ وہ اسے اس عظیم مصیبت میں مبتلا نہ کرے اور اس خطرناک بلا میں گرفتار نہ کرے۔

لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. (اللہ سبحانہ کا شکر اور احسان ہے) کہ اس نے دوستوں کی اس ساری بے فکری اور اضطراب سے کسی رنجش اور آزار کو اس فقیر کے دل میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اس وجہ سے (فقیر) امیدوار ہے کہ سب کاموں کا انجام بخیر ہوگا۔

باقی احوال و کیفیات کو میرے سعادت مند بھائی مولانا محمد صالح تفصیل سے بیان کریں گے اور آپ بعض شبہات کے مقامات کو ان سے پوچھ لیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۷۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰثُ وَالتَّسْلِیْمٰثُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا. یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو ہدایت نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۲۵)

ملاحظہ فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس طریقہ عالیہ کی ابتدا میں وہ احوال میسر ہو جاتے ہیں جو دوسروں کو انتہا میں میسر ہوتے ہیں، لیکن (یہ) انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے طریقہ سے (میسر ہوتے ہیں) جو اس طریقہ عالیہ کے لوازمات میں سے ہے۔ نیز ابتدا میں اس طرح کے احوال کے ظہور سے لازم نہیں آتا کہ ان احوال کے صاحب کو کامل اور مکمل کہیں اور (اس کو) طریقہ کی تعلیم کی اجازت دے دیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی نَبِيِّهِ وَنُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الْکِرَامِ.

یعنی: ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگ آل پر سلام بھیجتے ہیں۔

آپ کے مکتوبات شریفہ مسلسل موصول ہوئے۔ طالبین کے ہجوم اور ان کی حلاوت و جمعیت کے بارے میں لکھا گیا

تھا، جس نے خوشی پر خوشی میں اضافہ کیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ اس طریقہ میں انتہا ابتدا میں درج ہے، (لہذا) اس طریقہ عالیہ کے مبتدیوں پر ابتدا ہی میں ایسے احوال ظاہر ہوتے ہیں جو منتہیوں کے احوال کے مشابہ ہوتے ہیں (اور) اس صورت میں کہ ان دو قسم کے احوال میں کوئی فرق نہیں کر سکتا، مگر وہ عارف جو نظر کی تیزی رکھتا ہو۔ پس اس طرح احوال کے حاصل ہونے پر اعتماد کر کے ان صاحبِ احوال کو طریقت کی تعلیم کی اجازت نہیں فرمائی چاہیے، کیونکہ اس صورت میں ان صاحبِ احوال کا ضرر ان کے مسترشدین کے ضرر سے زیادہ ہے۔ احتمال ہے کہ اس کا اپنے کمال کا خیال کر لینا اسے ترقیوں سے روک دے اور ہو سکتا ہے کہ جاہ و ریاست جو مقام ارشاد کے لوازمات میں سے ہے، کا حاصل ہونا اسے مصیبت میں مبتلا کر دے، کیونکہ اس کا (نفس) اتنا رہا بھی اپنے انکار پر (قائم) ہے اور اس کا تزکیہ نہیں ہوا ہے۔ خوب! جو ہوا سو ہوا۔

جس جماعت کو آپ نے اجازت دے دی ہے، نرمی سے ان کو آگاہ کریں کہ اس قسم کی اجازت کمال پر مبنی نہیں ہے۔ ابھی بہت کام کرنا ہے۔ یہ احوال جو ابتدا میں ظاہر ہوئے ہیں، وہ انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کی قسم سے ہیں۔ نیز جو نصیحتیں مناسب سمجھیں، ان پر عمل کریں اور (انہیں) ان کے نقص کی اطلاع بخشیں۔ نیز جب اجازت دے چکے ہیں تو (اب انہیں) طریقت کی تعلیم سے منع نہ کریں، کیونکہ شاید آپ کے وجود کی برکت سے وہ مقام ارشاد کی حقیقت تک پہنچ جائیں۔

دوسرا یہ کہ جب آپ نے اس عظیم القدر معاملہ کو شروع کر دیا ہے تو مبارک ہو۔ کام میں سعی و اہتمام کرتے رہیں اور سرگرم رہیں، کیونکہ یہ طالبین کے ہجوم کی زیادتی کا موجب بنے گا۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۶)

اپنے برادرِ حقیقی میاں شیخ محمد مودود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ابدی عذاب اسی سے تعلق رکھتا ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

میرے پیارے بھائی کا پسندیدہ مکتوب موصول ہوا (اور) خوشی کا موجب بنا۔

اے بھائی! وَفَقْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَآيَاكَ. یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اور آپ کو (اپنی رضامندی کی) توفیق بخشے۔

زندگی کی فرصت بہت کم ہے اور ابدی عذاب اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ آدمی اس فرصت کو فضول امور کے حاصل کرنے میں خرچ کرے اور دائمی دکھوں کو (اپنے لیے) لازم بنا لے۔

اے بھائی! لوگ اطراف و جوانب سے دنیاوی اسباب کو ترک کر کے چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی صورت میں (سرہند) آ رہے ہیں اور آپ اس گھریلو دولت کی قدر نہ سمجھتے ہوئے کمینی دنیا کی طلب میں ذوق کے ساتھ دوڑ رہے ہیں اور شوق سے اس کے حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ نبی (کریم) عَلَیْهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا کی حدیث ہے: الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ^(۱)۔ یعنی: حیاء ایمان کی شاخ ہے۔

اے بھائی! اہل اللہ کا اس قسم کا اجتماع اور اس طرح کی خالص اللہ کے لیے جمعیت جو آج سرہند میں میسر ہے، اگر آپ جہاں کے گرد گھومیں تو بھی معلوم نہیں ہے کہ اس دولت کا عشرِ شیر پاسکو اور اس ماجرا سے تھوڑا سا بھی حاصل کر سکو۔ آپ نے

اس طرح کی دولت کو مفت میں ہاتھ سے کھو دیا ہے اور نفیس موتیوں کو چھوڑ کر بچوں کی طرح اخروٹ اور مٹھی پر اکتفا کر لیا ہے:

ع شرمت بادا ہزار شرمت بادا
یعنی: تجھے شرم آنی چاہیے، ہزار بار شرم آنی چاہیے۔

اے بھائی! دوسرے وقت تک شاید فرصت نہ دیں اور اگر دیں تو (شاید) اس طرح کے اجتماع کو قائم نہ رہنے دیں۔ اس وقت کیا علاج ہوگا اور کس طرح تدارک ہوگا؟ اور کس چیز سے تلافی حاصل ہوگی؟ آپ نے غلط کیا ہے اور غلط سمجھا ہے۔ مرغن اور شیرین لقموں پر فریفتہ نہ ہوں اور نفیس اور خوبصورت پوشاکوں کا فریب نہ کھائیں، کیونکہ ان کے نتائج کیا دنیا میں اور کیا آخرت میں، حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ اپنے اہل و عیال کی خوشی کے لیے خود کو مصیبت میں ڈالنا اور آخرت کا عذاب اختیار کرنا عقل دور اندیش سے بہت دور ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ عقل دے اور خبردار کرے۔

اے بھائی! دنیا بیوفائی میں مثال ہے اور اہل دنیا کمینگی اور پستی میں مشہور ہیں۔ افسوس کہ آدمی اپنی قیمتی عمر کو بے وفا اور پست (چیز) کے لیے خرچ کرے۔ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ. (سورۃ مائدہ، ۹۹)

یعنی: پیغام پہنچانے والے کے ذمے تو پیغام کا پہنچا دینا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۷)

ملاطہر لاہوری کو تحریر فرمایا۔ بعض نصیحتوں اور وعظوں کے بیان میں جوشیخی اور تکمیل کے مقام سے تعلق رکھتے ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

(آپ کا) مکتوب شریف موصول ہوا (اور) خوشی کا موجب بنا۔ آپ نے دوستوں کی حلاوت اور لذت کے بارے

میں لکھا تھا، اس نے خوشی پر خوشی بڑھائی۔

اے بھائی! حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا ہے۔ آپ اس نعمت عظمیٰ کے شکر کو کامل طور پر ادا کریں اور خیال رکھیں کہ کوئی ایسا امر صادر نہ ہو جو مخلوق کی نفرت کا باعث بنے، کیونکہ (یہ) بڑا عذاب ہے۔ خلقت کی نفرت ان ملامتیہ کے حال کے مناسب ہے جوشیخی اور دعوت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ملامت کا مقام شیخی کے مقام کے خلاف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ان دونوں مقامات کو ملا دیں اور عین شیخی میں ملامت کی آرزو کریں جو ظلم عظیم ہے۔

آپ مریدوں کی نظر میں خود کو آراستہ رکھیں اور مسترشدین کے ساتھ میل جول اور رفاقت میں کثرت نہ کریں، کیونکہ (یہ) سبکی (و حقارت) کا باعث ہے جو افادہ و استفادہ کے منافی ہے۔ شرعی حدود کی حفاظت کی خوب رعایت کریں۔ جہاں تک ممکن ہو رخصت پر عمل کرنا تجویز نہ کریں، کیونکہ یہ اس طریقہ عالیہ کے بھی منافی ہے اور روشن سنت کی متابعت کے دعویٰ کے بھی خلاف ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا ہے: رِبَاءُ الْعَارِفِينَ خَيْرٌ مِّنْ إِخْلَاصِ الْمُرِيدِينَ.

یعنی: عارفوں کی ریا مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے۔

کیونکہ عارفوں کی ریاطالیین کے دلوں کو اللہ جل سلاطین کی ذاتِ اقدس کی طرف کھینچنے کے لیے ہوتی ہے، پس ضرور مریدوں کے اخلاص سے بہتر ہے۔ نیز عارفوں کے اعمالِ طالبین کے لیے اعمال کی بجا آوری میں تقلید کے ذرائع ہیں۔ اگر عارف عمل نہ کریں تو طالبین محروم رہیں گے۔ پس عارف (عمل) اس لیے کرتے ہیں تاکہ طالبین ان کی اقتدا کریں۔ یہ ریاء عینِ اخلاص ہے، بلکہ اس اخلاص سے بہتر ہے جو اپنے نفع کے لیے ہو۔

اس وجہ سے کوئی شخص گمان نہ کرے کہ عارفوں کا عمل صرف طالبین کی تقلید کے لیے (ہوتا) ہے اور عارفوں کو عمل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مُبِحَانَةً. یعنی: اللہ سبحانہ کی پناہ!

یہ (گمان) خود الحاد اور زندقہ ہے، بلکہ عارف اعمال کے بجالانے میں تمام طالبین کے ساتھ برابر ہیں اور اعمال کے بجالانے سے کوئی شخص مستغنی نہیں ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ کبھی یوں ہے کہ عارفوں کے اعمال میں طالبین کے نفع کا بھی لحاظ ہوتا ہے، جو (ان کی) تقلید سے وابستہ ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ریاء کا نام دیتے ہیں۔

الغرض آپ قول و فعل کی خوب حفاظت کریں، کیونکہ اکثر لوگ اس زمانے میں فتنہ و فساد کی کوشش میں ہیں۔ کوئی ایسا کام واقع نہ ہو جو اس مقام کے منافی ہو اور جاہلوں کو اکابر پر طعنہ زنی کا موقع فراہم کر دے۔ آپ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے استقامت طلب کریں۔

دوسرا یہ کہ آپ نے مشائخ سے نسبتیں حاصل ہونے کے بارے میں لکھا تھا۔ اس کی وجہ مکرر آپ کو ملاقات کے دوران بتائی گئی ہے۔ اس سے برتر کوئی چیز نہ سمجھیں، کیونکہ اس میں بھلائی نہیں ہے۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے؟ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۲۸)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ بعض نصیحتوں کے بیان میں جو مقام تکمیل اور طریقت کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

میرے بھائی سیادت پناہی کا پسندیدہ مکتوب پہنچا (اور) خوشی کا موجب بنا۔

اے بھائی! آپ کو مکرر کہا گیا ہے کہ اس طریقہ کا مدار دو اصولوں پر ہے۔ (ایک یہ کہ) شریعت پر ایسی استقامت ہو کہ اس کے ادنیٰ سے آداب کے ترک کرنے پر بھی راضی نہیں ہونا چاہیے۔ (دوسرا یہ کہ) شیخ طریقت کی محبت و اخلاص میں اس طرح کا رُسوخ اور ثابت قدمی ہو کہ اس پر کسی اعتراض کی ہرگز مجال نہ رہے، بلکہ اس کی تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں زیبا اور محبوب دکھائی دیں۔ اللہ سبحانہ کی پناہ! کہ ان دو اصولوں سے متعلق امور میں سے کسی امر میں بھی کوئی خلل واقع ہو۔ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اگر یہ دو اصول درست ہیں تو پھر دنیا و آخرت کی سعادت شامل حال ہے۔

دوسری نصیحتیں اور وصیتیں بھی آپ کے گوش گزار کی جا چکی ہیں۔ ان کی رعایتوں میں خوب احتیاط فرمائیں اور عاجزی و زاری کے ساتھ تقصیروں کی تلافی کریں اور رمضان کے آخری عشرہ (دس دنوں) کا اعتکاف جو آپ سے ترک ہو گیا تھا، اس کی قضا کی نیت سے اس ذی الحجہ کے (آخری) عشرہ میں اعتکاف بیٹھیں، تاکہ اس نیت سے آپ سنت پر عمل کر سکیں اور اس عشرہ اعتکاف میں عاجزی و زاری اور التجا و نیاز سے (اپنی) خطاؤں کی معافی مانگیں۔ فقیر بھی اس عشرہ میں آپ کی مدد کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اجازت نامہ کے لکھنے میں آپ جو یہ سب مبالغہ اور اصرار رکھتے ہیں، (اس کا) مقصد کیا ہے؟ (فقیر) آپ کو طریقت کی تعلیم کی اجازت دے چکا ہے، اگر وہ کفایت نہیں کرتی تو پھر اجازت نامہ کس کام آئے گا۔ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ دل میں آئے، اس کے لیے لازماً کوشش کرنی چاہیے۔ ایسی چیزیں دل میں آتی ہیں جن کا ترک کر دینا بہتر اور زیادہ مناسب (ہوتا) ہے۔ نفس ضدی ہے، جس کام کو اختیار کرتا ہے، چاہتا ہے کہ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور وہ اس کی سچائی یا جھوٹ کا ملاحظہ نہیں کرتا۔

یہ چند کلمات آپ کے لیے لکھے گئے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ، مفید بنائیں۔ اپنے کام کی فکر کرنی چاہیے، تاکہ ایمان سلامت لے جائیں۔ اجازت نامہ اور مرید کام نہیں آئیں گے۔ اپنے کام کے دوران اگر کوئی شخص سچی طلب کے ساتھ آجائے تو آپ اس کو طریقت کی تعلیم دیں، نہ یہ کہ طریقت کی تعلیم ہی کو آپ اصلی کام بنالیں اور اپنے معاملہ کو اس کے تابع کر لیں۔ یہ (چیز) خود سراسر ضرر اور نقصان ہے۔

مکتوب نمبر (۲۲۹)

میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ہمارا طریقہ وہی حضرت عالی (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کا طریقہ ہے اور ہماری نسبت وہی نسبت ہے، لیکن صناعت (کارگیری) کی تکمیل اور نسبت کا مکمل ہونا (کئی) افکار کی شمولیت اور (مختلف) نظروں کے تسلسل پر موقوف ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ آپ نے جو مکتوبات شریفہ اپنے مخلص مشتاق کے نام تحریر کیے تھے، وہ مسلسل پہنچے (اور) خوشی کی زیادتی کا موجب اور محبت کی کثرت کا باعث بنے۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنَّا خَيْرَ الْجَزَاءِ۔
یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

مختصر یہ کہ بعض شبہات اور ترددات جو لکھے گئے تھے (ان کا جواب) یہ ہے کہ ہمارا طریقہ وہی حضرت عالی (خواجہ باقی باللہ) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کا طریقہ ہے اور ہماری نسبت وہی حضرت عالی کی نسبت شریفہ ہے۔ کونسا طریقہ اس طریقہ عالیہ سے اور کونسی نسبت اس بلند نسبت سے بہتر اور زیادہ مناسب ہو سکتی ہے؟ کہ کوئی شخص اس کو اختیار کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صناعت (کارگیری) کی تکمیل اور ہر نسبت کا مکمل ہونا (کئی) افکار کی شمولیت اور (مختلف) نظروں کے تسلسل پر موقوف ہے، مثلاً علم نحو جو سیبویہ کے زمانے میں تھا (اب) وہ متاخرین کے افکار کی شمولیت سے دو سو گنا زیادہ ہو گیا ہے اور بہت کامل اور واضح ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود یہ وہی سیبویہ کی نحو ہے، جس میں متاخرین کے افکار نے اس کے بناؤ سنگھار کے سوا کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔

(حضرت) شیخ علاؤ الدولہ قدس سرہ کا قول آپ کے کان مبارک میں پہنچا ہوگا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ”جس قدر ذرائع بیشتر ہوں گے، اسی قدر راستہ نزدیک تر اور زیادہ روشن ہوگا۔“ اس نسبت عالیہ پر اس قسم کی زیادتی جو بناؤ سنگھار کی

صورت میں ظاہر ہوئی ہے اور اس کے بارے میں بات کی گئی ہے، اس نے کچھ لوگوں کو (فاسد) تخیلات میں ڈال دیا ہے، ورنہ معاملہ کی حقیقت وہی ہے جو تکلف و بناوٹ کے بغیر دکھائی دیتی ہے۔

آپ اس فقیر کے مکتوبات اور رسائل کو دیکھیں کہ (فقیر نے) اس طریقہ کو صحابہ کرام علیہم رضوان کا طریقہ ثابت کیا ہے اور اس نسبت کے تمام نسبتوں سے بلند ہونے کی دلیلیں دی ہیں اور اس طریقہ عالیہ اور اس کے اکابرین کی مدح اس طور پر کی ہے کہ اس بزرگ خاندان (سلسلہ) کے خلفاء میں سے کسی شخص کو بھی اس کا عشرِ عشر حصہ بیان کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ نیز یہ فقیر روزمرہ کی نشست و برخاست میں اس طریقہ کے آداب و لوازمات کی مکمل طور پر رعایت کرتا ہے اور سرِ موخافت اور روگردانی جائز نہیں سمجھتا۔

عجیب بات ہے کہ یہ سب ہنر (آپ سے) پوشیدہ رہے ہیں۔ اور اگر بالفرض مصیبت کے دنوں میں بعض دوستوں کے بارے میں کلمہ و کلام میں کوئی نامناسب بات واقع ہوگئی ہے اور آپ کی نظر میں آئی ہے تو اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ آپ اس طرح کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں اور ان کو سنتے ہی آپ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اگر حسنِ ظن ہے تو پھر اس جماعت کے ساتھ ہی مخصوص کیوں ہے؟ کیا ہم حسنِ ظن کے قابل نہیں ہیں؟

الغرض اگر کہنے سننے پر ہی انحصار ہے تو پھر نکتہ چینیوں کے ہاتھ سے کبھی خلاصی متصور نہیں ہے اور اخلاص کی توقع نہیں۔ اگر آپ کہنا سننا چھوڑ دیں اور گزشتہ امور کو یاد نہ کریں تو پھر اخلاص متصور ہواور پرانی تکلیف دور ہو جائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ حضراتِ پیر زادگان کی تربیت کا وقت آگیا ہے اور گزر رہا ہے، نیز آپ نے حضرت عالی (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ کی وصیت یاد دلائی تھی۔ میرے مخدوم مکرم! خادموں کی سعادت ہے کہ وہ اپنے مخدوم زادوں کی خدمت میں فائز ہو جائیں، لیکن (فقیر) اس عرصے میں معلومہ رکاوٹوں کی وجہ سے خود کو ظاہری خدمت سے معذور رکھتا تھا اور وصیت عالیہ کے ظہور کے زمانے کا انتظار کرتا تھا۔ اب اگر (آپ) سمجھتے ہیں کہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور کہنے سننے کا راستہ بند ہو گیا تو آپ اشارہ فرمائیں، تاکہ (فقیر) چند روز آ کر اس خدمت میں مصروف ہو جائے اور اگر (فقیر) اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کام میں صرف وصیت کے حکم کی بجا آوری کرنی چاہیے، ورنہ آپ کی ظاہری و باطنی تربیت ہی ان کے لیے کافی ہے (اور) کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ برادرِ مولانا عبداللطیف فرماتے تھے کہ میاں محمد قلیچ نے مخدوم زادہ کلاں کی ظاہری تعلیم و تربیت کو اپنے ذمے لے لیا ہے اور آپ نے بھی اس بات کی تجویز کو پسند کیا ہے۔ اس خبر کے سننے سے تعجب ہوا۔ اگر وہ اپنی نارسائی کی وجہ سے (اس بارے میں) کچھ خیال کریں (تو یہ اور بات ہے)، ورنہ آپ کس طرح تجویز کرتے ہیں؟ اس سے (فقیر) ڈرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ محمد قلیچ کا آزار کسی دوسری جگہ سرایت کر جائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۳۰)

شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی کے بارے میں، اور جو کچھ حاصل ہو جائے اس پر اکتفا نہ کرنے، بلکہ جو کچھ مشہود و معلوم ہو جائے، اس کی نفی کرنے اور بے مثل و بے مثال معبود جو دید و دانش سے بالاتر ہے، کا اثبات کرنے (کے

بارے میں)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ کے احوال گرامی میں سے کچھ آپ کے حکم سے میاں بابو نے بیان کیے اور ان کی حقیقت کے بارے دریافت فرمایا۔ اس وجہ سے چند کلمات لکھے گئے ہیں۔

میرے مخدوم! اس قسم کے احوال ابتدائی مراحل میں مبتدیوں کو اس راستے میں چلتے ہوئے پیش آتے ہیں اور ان کا کچھ اعتبار نہیں کرتے، بلکہ ان کی نفی کرتے ہیں، وصل کہاں اور کونسی انتہا؟ شعر:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادٍ وَ دُونَهَا قُلُّ الْجَبَالِ وَ دُونَهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعاد (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حاکل ہیں۔

اللہ تعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے اور جو کچھ دید و دانش اور شہود و مکاشفہ میں آجائے، وہ اللہ سبحانہ کا غیر ہے اور اللہ تعالیٰ (اس سے) وراء الراء ہے۔ خبردار! آپ اس راستے کے اخروٹ و مٹھی پر بچوں کی طرح دھوکہ نہ کھائیں اور انتہا کے وصول پر مغرور نہ بنیں اور واقعات و احوال کو ناقص مشائخ کے سامنے ظاہر نہ کریں، کیونکہ وہ اپنی پہنچ کے مطابق قلیل کو کثیر خیال کرتے ہیں اور ابتدا کو انتہا شمار کرتے ہیں۔ یقیناً مستعد طالب کمال کے گمان میں پڑ جاتا ہے اور اس کی طلب میں فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ شیخ کامل تلاش کرنا چاہیے اور باطنی امراض کا علاج اس سے کرانا چاہیے۔ جب تک کامل شیخ کے پاس نہیں پہنچتے، چاہیے کہ ان احوال کو ”لا“ کے نیچے لا کر نفی کرتے رہیں اور معبود برحق جو بے مثل و بے مثال ہے، کا اثبات کریں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے: ”جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور جانا گیا، وہ سب غیر ہے۔ کلمہ ”لا“ کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔“ (اس سے) پیشتر بھی جو کچھ ظاہر ہو، آپ اس کی نفی کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے وراء الراء ہے اور اثبات کی جانب میں کلمہ مستثنیٰ (اللہ) کے تکلم کے علاوہ کوئی چیز ہاتھ میں نہیں ہونی چاہیے۔ (یہ) اس طریقت کے اکابرین کا طریقہ ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّوْبَةُ مُتَابَعَةُ الْمُصْطَفٰی عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِيْمٰتِ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا۔

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۳۱)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالوں کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے اور دریافت کیا تھا کہ حصول اور وصول کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور جو اسماء انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے تعینات کے مبادی ہیں، وہی اسماء اولیاء کے تعینات کے مبادی ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو (ان میں) فرق کیا ہے؟ نیز انہوں نے پوچھا تھا کہ (مشائخ نقشبندیہ) ذکر جہر سے منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے، جبکہ (یہ) ذوق و شوق بخشتا ہے۔ پھر جو دوسری چیزیں آنسور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہ تھیں، ان سے منع کیوں نہیں کرتے؟ مثلاً لباسِ فرجی (خرقہ)، شال اور شلواریں۔

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى نَبِيِّهِ وَنُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ.

یعنی: ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس کے رسول (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر) درود بھیجتے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل بزرگوار پر سلام بھیجتے ہیں۔
آپ کے دو مکتوب شریف لگا تار پہنچے۔ پہلا مکتوب اگرچہ شورش اور بے چینی کی خبر دیتا تھا، لیکن دوسرا نرم، موردِ قرار اور شوق و سرگرمی کی خبر دینے والا تھا۔

اے محبت کے آثار والے! جس وقت میر سعد الدین روانہ ہونے والے تھے، انہوں نے (آپ کے لیے) مکتوب طلب کیا۔ (فقیر) اس وقت بے ذوقی اور گھٹن کا شکار تھا، یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا تھا۔ (لہذا) اس نے مولانا یار محمد جدید سے کہا کہ وہ لکھے۔ بے ذوقی کے وقت میں اگر کوئی نامناسب بات درج ہوگئی ہو تو آپ معذور سمجھیں گے۔
آپ کو چاہیے کہ تھوڑی سی بات پر نہ بگڑیں اور معاملہ کو درہم برہم نہ کریں۔ حق سبحانہ تعالیٰ نہ کرے کہ کوئی آزار درمیان میں ہو، یا ناراضگی اور اعتراض کی وجہ سے کوئی چیز لکھی جائے۔ نصیحت کی غرض سے اگر کوئی چیز لکھی جائے تو خوشحال ہونا چاہیے۔

آپ کے دوسرے مکتوب نے بہت مسرور کیا۔ ہر کام میں گرمی درکار ہے۔ آزر دگی اور افسردگی دشمنوں کو نصیب ہو۔
آپ نے لکھا تھا کہ حصول اور وصول کے درمیان فرق کو سمجھ نہیں سکے۔ اے بھائی! ”حصول“ بعد کے باوجود متصور ہے اور ”وصول“ معذور (مشکل) ہے۔ عنقا کو جب ہم مخصوص صورت میں تصور کرتے ہیں تو کہا جاسکتا ہے کہ عنقا ہماری قوتِ مدرکہ میں حاصل ہے، لیکن عنقا تک وصول (پہنچنا) ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ ظلیت جس سے مراد ہے کسی چیز کا مرتبہ ثانی میں ظاہر ہونا، وہ اس چیز کے حاصل ہونے کے منافی نہیں ہے، لیکن اس چیز کا وصول ظلیت کی تاب نہیں لاسکتا۔ پس ان دونوں کا فرق واضح ہو گیا۔

نیز آپ نے دریافت کیا تھا کہ جو اسماء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تعینات کے مبادی ہیں، وہی اسماء اولیاء کے تعینات کے مبادی ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو (ان میں) فرق کیا ہے؟

اے عزیز! انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تعینات کے مبادی اسماء کے کلیات ہیں اور اولیاء کے تعینات کے مبادی ان اسماء کے جزئیات ہیں جو ان کلیات کے تحت درج ہیں اور ان اسماء کے جزئیات سے مراد وہی اسماء ہیں جو ان کی قیود میں سے کسی قید کے ساتھ ماخوذ ہیں۔ جیسا کہ کسی شے کے ساتھ ارادہ مطلق اور ارادہ مقید ہوتا ہے۔ چونکہ اولیاء کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت کے ذریعے ترقی نصیب ہوتی ہے، (لہذا وہ) اس قید کو دور کر کے مطلق کے ساتھ ملحق ہو جائیں گے۔ (فقیر نے) اس فرق کو بعض مکتوبات میں تفصیل سے بیان کیا ہے (آپ وہاں) ملاحظہ کر لیں گے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ (مشائخ نقشبندیہ) ذکرِ جہر سے منع کرتے ہیں کہ (یہ) بدعت ہے، جبکہ (یہ) ذوق و شوق

بخشتا ہے۔ پھر جو دوسری چیزیں آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہ تھیں، ان سے منع کیوں نہیں کرتے؟ مثلاً لباس فرجی (خرقہ)، شال اور شلواریں۔

میرے مخدوم! آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دو قسم کا ہے۔ (ایک) عبادت کے طریقہ پر ہے اور (دوسرا) عرف و عادت کے طریقہ پر۔ جو عمل عبادت کے طریقہ پر ہے، اس کے خلاف کرنا ہم بدعت منکرہ سمجھتے ہیں اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں، کیونکہ یہ دین میں نئی باتیں پیدا کرنا ہے اور یہ مردود ہے۔

جو عمل عرف و عادت کی بنا پر ہے اس کے خلاف کرنا ہم بدعت منکرہ نہیں سمجھتے اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ نہیں کرتے، کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا، اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے، نہ کہ دین و ملت (مذہب) پر، کیونکہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف (ہوتا) ہے۔ اسی طرح ایک شہر میں زمانوں کے فرق کے لحاظ سے عرف میں فرق واقع (ہوتا) ہے، اس کے باوجود عادی سنت کا لحاظ رکھنا بھی مفید نتائج اور (بڑی) سعادتوں کا ذریعہ ہے۔

ثَبَّتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى مُتَابَعَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى تَابِعِي كُلِّ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اور آپ کو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى تَابِعِي كُلِّ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۳۲)

(عبدالرحیم) خان خاناں کو تحریر فرمایا۔ کمینی دنیا کی حقیقت، اس کی دھوکہ دینے والی فضول زینت کی قباحت اور اس

کمینی کی محبت کو مٹانے کے علاج کے بیان میں، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ حضرت سید المرسلین (محمد مصطفیٰ) عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا کے صدقے ناپسندیدہ کمینی دنیا، (اس کی) دھوکہ دینے والی فضول زینت اور جھوٹی آرائش کی قباحت کو آپ کی نظر بصیرت میں ظاہر کر کے آخرت کے حسن و جمال، اس کی بہشت کے باغات اور نہروں کی تروتازگی اور اس میں رب (کریم) جل سلطانہ کے دیدار کی زیادتی کو جلوہ گر بنائے، تاکہ آپ کو اس جلدی زوال پذیر بری (دنیا) سے بے رغبتی حاصل ہو جائے اور پورے طور پر عالم بقا جو مولیٰ جل سلطانہ کی رضا کا مقام ہے، کے ساتھ ایک توجہ میسر آجائے۔ جب تک اس کمینی کی قباحت ظاہر نہ ہو (اس وقت تک) اس کی گرفتاری سے خلاصی (پانا) محال ہے اور جب تک اس کی گرفتاری سے خلاصی میسر نہ ہو جائے (اس وقت تک) آخرت کی فلاح و نجات مشکل ہے۔ (یہ حدیث) طے شدہ فیصلہ ہے:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ. (۱) یعنی: دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔

چونکہ علاج ضدوں سے ہوتا ہے، (لہذا) اس کمینی کی محبت کے مٹانے کا علاج آخرت کے امور کی رغبت دلانے اور روشن شریعت کے حکموں کے مطابق نیک اعمال کے بجالانے میں ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ چیزوں، بلکہ چار چیزوں پر منحصر کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ

بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرُ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ. (سورۃ حدید، ۲۰)

یعنی: دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (و آرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (و خواہش) ہے۔

پس لازمی طور پر جب (آدمی) نیک اعمال کی بجائے آوری میں مشغول ہو جائے تو اس (دنیا) کا بڑا جزو جو کھیل اور تماشا ہے، وہ کم ہونے لگتا ہے اور (آمی) ریشمی لباس پہننے اور سونے و چاندی کے استعمال، جو زینت حاصل کرنے میں عمدہ (چیزیں) ہیں، سے پرہیز فرماتا ہے اور اس کا دوسرا جزو جو زینت ہے، وہ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ جب اسے یقین ہو جائے کہ اللہ عز و جل کے نزدیک فضیلت و کرامت و رِع و تقویٰ سے ہے، نہ کہ حسب و نسب سے تو یقیناً وہ فخر کرنے سے باز آ جاتا ہے اور جب وہ سمجھتا ہے کہ اموال و اولاد حق سبحانہ کے ذکر سے مانع اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے ہٹانے والے ہیں تو لازماً وہ ان کی کثرت پر فخر کرنے سے رک جاتا ہے اور ان کی زیادتی کو معیوب شمار کرتا ہے۔ غرض (ارشادِ الہی ہے):

مَا أَتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (سورۃ حشر، ۷)

یعنی: پس جو چیز تم کو نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) دیں، وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔
كَيْلَا يَضُرَّكُمْ شَيْءٌ. یعنی: تاکہ کوئی تمہارا نقصان نہ کرے۔

شعر:

دادیم ترا ز گنج مقصود نشان گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتا بتا دیا ہے، اگر ہم نہیں پہنچ سکے تو شاید تو پہنچ جائے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ میاں شیخ عبدالمؤمن بزرگ زادہ ہیں۔ وہ علوم کی تحصیل مکمل کر کے صوفیہ کے طریقہ کا سلوک (طے) فرما رہے ہیں اور اس سلوک کے درمیان عجیب احوال مشاہدہ کرتے ہیں۔ بشری ضرورت جو اہل و عیال کی ذمہ داری کی وجہ سے ہوتی ہے، ان کو اکثر پریشان کر دیتی ہے۔ اس فقیر نے اس بے قراری کو دور کرنے کے لیے آپ کی جانب رہنمائی کی ہے۔ مَنْ دَقَّ بَابَ الْكَرِيمِ انْفَتَحَ. یعنی: جس نے سخی کا دروازہ کھٹکھٹایا، وہ کشادہ (حال) ہو گیا۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۳۳)

عالی جناب شیخ فرید کو تحریر فرمایا۔ بعض عمدہ نصیحتوں کے بیان میں۔

تَبَتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى جَادَّةٍ جَدَّكُمْ الْأَمَّجِدِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا. یعنی: اللہ ہمیں اور آپ کو، آپ کے جد بزرگوار (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

حضرت خواجہ جیو (باقی باللہ) قدس سرہ کے عرس کے دنوں میں دہلی شریف پہنچ کر (فقیر کا) ارادہ تھا کہ (آپ کی) خدمت عالیہ میں بھی پہنچے۔ اسی اثناء میں روانگی کی خبر پھیل گئی۔ (لہذا) ضرورت کے تحت ٹھہر کر چند بے ربط کلمات سے (آپ

کو) تکلیف دی گئی ہے۔ (فقیر) خواہ حاضر (خدمت) ہو اور خواہ غیر حاضر، پوری ہمت کے ساتھ ہر غیر ضروری اور نامناسب چیز سے آپ کی سلامتی کا طالب ہے۔ بعض اوقات آپ کی خیر خواہی کا غلبہ اس چیز پر مجبور کرتا ہے کہ آپ کی طرح جسارت کر کے تاکید و مبالغہ کے ساتھ آپ کو ان چیزوں سے منع کرے جو آپ کے آستانہ عالیہ کے شایانِ شان نہیں ہیں، نیز (آپ کی) مجلس شریف میں نااہلوں کو نہ آنے دے، لیکن (فقیر) جانتا ہے کہ ساری آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں۔ (فقیر) مجبوراً (آپ کے لیے) غائبانہ دعا کر کے اپنی زبان کو ترازہ رکھتا ہے، شاید قبولیت حاصل کر لے۔

(حضرت) خواجہ احرارِ قدس سرہ اپنے بزرگ اور بڑا ہونے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ”اگرچہ کفر ہے کہ کوئی شخص اتنا بڑا ہو جائے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو سارا جہان برہم ہو جائے، لیکن کیا کیا جائے کہ ہمیں ہمارے چاہے بغیر بڑا بنا دیا گیا ہے۔“

آج اس قسم کی بزرگی و بڑائی ممکن ہے کہ آپ کی جناب کے بارے میں صادق آئے، کیونکہ آپ کی خوشحالی مخلوق کی خوشحالی ہے۔ اور اس کے برعکس بھی، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے نزدیک آپ کی دعائے خیر بارش کی طرح برس رہی ہے جو عام مخلوق کے لیے مفید ہے۔ پس افسوس ہے کہ ایسی بڑائی و بزرگی والی شخصیت پر خشخاش کے دانے کے برابر بھی انگلی اٹھائی جائے اور یہ خشخاش کے دانے کے برابر (انگلی اٹھانا بھی) دوستوں اور خیر خواہوں کے دلوں پر بہت بڑا بوجھ ہے۔ (آپ) کرم فرماتے ہوئے ان کے بوجھ کو ہلکا کریں۔ عرصہ ہوا ہے کہ اس خیر اندیش نے اس چیز کے بارے میں ایک حرف بھی نہیں لکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تکرار اور مبالغہ آپ کو گراں گزرے:

یا نازک بدن از بادِ ہوا می رنجد بچو گل برگ ز آسیبِ صبا می رنجد
یعنی: نازک بدن محبوب کو ہوا کے جھونکے سے بھی دکھ پہنچتا ہے، جس طرح کہ پنکھڑی صبا کے صدمے سے دکھی ہوتی ہے۔
لیکن دوستی کی بنا پر یہ بات بعید معلوم ہوئی کہ آپ کی گرانی خاطر کا لحاظ رکھتے ہوئے (فقیر) خاموشی اختیار کر لے:
حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس در بند آں مباحث کہ نشید یا شنید^(۱)

یعنی: حافظ تیرا کام بس دعا کرنا ہے، تو اس بات کا فکر نہ کر کہ دعائی گئی ہے یا نہیں سنی گئی۔
کچھ عرصہ ہوا ہے کہ حریم شریفین حرمِ سہا اللہ تعالیٰ عَنِ الْآفَاتِ (اللہ سبحانہ انہیں آفات سے محفوظ فرمائے) کی زیارت کی خواہش پیدا ہو گئی ہے اور اس سفر (دہلی) کا باعث بھی یہی خواہش ہے اور چونکہ یہ چیز آپ کے صلاح و مشورہ اور رضامندی سے وابستہ تھی، (لہذا) کوچ کی خبر نے اس ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ اَلْخَيْرُ فِيمَا صَنَعَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ۔
یعنی: بھلائی اسی میں ہے جو اللہ سبحانہ کرے۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۳۴)

حقائق کو جاننے والے، معارف کو پہچاننے والے، عالم ربانی، عارف سبحانی مخدوم زادہ کلاں، یعنی (حضرت) شیخ محمد صادق سَلَّمَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَآبِقَاهُ وَأَوْصَلَهُ اِلٰی غَايَةِ مَا يَسْتَمْنَاهُ (اللہ سبحانہ ان کو سلامت رکھے، ان کو بقائے بخشے

اور انہیں ان درجات کی انتہا تک پہنچائے، جن کی وہ تیار رکھتے ہیں) کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ واجب الوجود تعالیٰ کی حقیقت ”وجود محض“ ہے، جو ہر خیر و کمال کا منشاء ہے اور ممکنات کے حقائقِ عداوت ہیں جو ہر شر و نقص کے مبادی ہیں۔ نیز مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ (جس شخص نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے معنی اور تجلی ذاتی کے بیان میں جو نسبتوں اور اعتبارات سے برتر ہے اور (آیت) کریمہ: اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ سورۃ نور، ۳۵) کے تاویلی معنی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔ اس کے ساتھ وہ سوالات و جوابات جو اس مقام کی توضیح سے متعلق ہیں، نیز ان تنبیہات کے ساتھ جو اس کی تلخیص کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اما بعد، خدائے بے مثال کی حمد (کرنے) اور پیغمبرِ رہنما (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود (وسلام بھیجنے کے بعد)، میرے پیارے فرزند کو معلوم ہو کہ حق سبحانہ کی حقیقت ایسا ”وجود محض“ ہے جس کے ساتھ کوئی دوسرا امر ملا ہوا نہیں ہے اور وہ وجود تعالیٰ ہر خیر و کمال کا منشاء ہے اور ہر حسن و جمال کا مبداء ہے اور ایسا حقیقی و بسیطی جزو ہے اور ترکیب نے ہر گز نہ ذہنی طور اور نہ خارجی طور پر، اس تک راستہ پایا ہے اور حقیقت کے لحاظ سے اس کا تصور میں آنا ناممکن ہے اور ذاتِ تعالیٰ پر مواطات کے لحاظ سے محمول ہے، نہ کہ اشتقاق کی رُو سے۔ اگرچہ حمل کی نسبت کو بھی درحقیقت اس مقام میں گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اس مقام میں ساری نسبتیں ساقط ہو گئی ہیں اور وہ وجود عام و مشترک ہے، وہ اس وجودِ خاص تعالیٰ و تقدس کے ظلال میں سے (ایک ظل) ہے اور یہ ظل ذاتِ تعالیٰ و تقدس پر محمول ہے اور اشیاء پر تشکیک کے طور پر اشتقاق کی رُو سے، نہ کہ مواطات کی رُو سے۔ اس ظل سے مراد حضرت وجود تعالیٰ کا تزلّات کے مراتب میں ظہور ہے اور اس ظل کے افراد میں سے اولیٰ، اقدم اور اشرف وہ فرد ہے جو ذاتِ تعالیٰ و تقدس پر اشتقاقاً محمول ہو۔ پس اصالت کے مرتبہ میں اللہ تعالیٰ وجود کہا جاسکتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ موجود۔

اس ظل کے مرتبہ میں اللہ تعالیٰ موجود کہنا صادق ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ وجود۔ چونکہ حکماء اور صوفیہ کا ایک گروہ وجود کی عینیت کے قائل ہو گئے ہیں اور وہ اس فرق کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں اور انہوں نے ظل کو اصل سے جدا نہ کرتے ہوئے حمل اشتقاق اور حمل مواطات دونوں کو ایک مرتبہ میں ثابت کیا ہے اور وہ حمل اشتقاق کو صحیح (ثابت) کرنے میں حیلے اور تکلف کے محتاج بنے ہیں۔ وَالْحَقُّ مَا حَقَّقْتُ بِالْهَامِ اللَّهُ سُبْحَانَهُ۔

یعنی: اور حق وہی ہے جو اللہ سبحانہ کے الہام سے میں نے ثابت کیا ہے۔

یہ اصالت اور ظلیت تمام حقیقی صفات کی اصالت و ظلیت کی طرح ہے، کیونکہ مرتبہ اصالت میں جو اجمال اور غیب الغیب کا مقام ہے، ان صفات کا حمل کرنا مواطات کے طریقہ سے ہے نہ کہ اشتقاق کے طریقہ سے۔ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عِلْمٌ اور نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ عَالِمٌ۔ کیونکہ حمل اشتقاق میں مغائرَت کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں ہے،

خواہ وہ (مغائرَت) اعتباری ہو اور وہ اس مقام میں بالکل مفقود ہے، کیونکہ مغائرَت ظلیت کے مراتب میں ہوتی ہے اور یہاں کوئی ظلیت نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تعینِ اول سے کئی درجات بالاتر ہے، کیونکہ اس تعین میں نسبتیں اجمال کے طریقہ پر ملحوظ ہیں اور اس مقام میں اشیاء میں سے کسی چیز کا کسی طرح کا بھی ملاحظہ نہیں ہے۔ اور مرتبہ ظل جو اس اجمال کی تفصیل ہے، میں حملِ اشتیاق صادق ہے، نہ کہ حملِ موافات۔ لیکن ان صفات کی عینیت اس مرتبہ میں وجودِ تعالیٰ کی عینیت کی فرع ہے جو ہر خیر و کمال کا مبداء اور ہر حسن و جمال کا منشاء ہے۔ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسائل میں جس جگہ وجود کی عینیت کی نفی کی ہے، اس سے وجودِ ظلی مراد رکھنا چاہیے جو حملِ اشتیاق کی تصحیح کرنے والا ہے۔ یہ وجودِ ظلی بھی خارجی آثار کا مبداء ہے۔ پس وہ ماہیتیں جو اس وجود سے متصف ہوئیں، وہ ہر مرتبہ میں خارجی موجودات کے مراتب میں ہوں گی۔ فَافْهَمْ فَإِنَّهُ يَنْفَعُكَ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمَوَاقِعِ۔ یعنی: پس تو سمجھ لے کہ یہ تجھے بہت سے مواقع پر نفع دے گا۔

پس حقیقی صفات خارجی موجودات ہوں گی اور ممکنات بھی خارج میں موجود ہوں گے۔ یہ اسی طرح ہے۔

اے فرزندِ مخفی! راز سنو کہ کمالاتِ ذاتیہ حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں حضرت ذاتِ کا عین ہیں۔ مثلاً صفتِ علم اس مقام میں حضرت ذاتِ تعالیٰ کا عین ہے اور اسی طرح قدرت و ارادت اور تمام صفات ہیں۔ نیز اس مقام میں حضرت ذاتِ تمامہ علم ہے اور اسی طرح تمامہ قدرت ہے، نہ یہ کہ حضرت ذاتِ کا بعض علم ہے اور بعض دیگر قدرت ہے، کیونکہ اس جگہ بعض ہونا اور جز و بننا محال ہے اور ان کمالات، جو گویا حضرت ذاتِ تعالیٰ سے جدا ہیں، نے حضرت علم کے مرتبہ میں تفصیل پائی ہے اور امتیاز پیدا کر لیا ہے۔ حضرت ذاتِ تعالیٰ و تقدس اپنی وحدانیت کی اسی اجمالی صرافت پر باقی ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز اس مقام میں نہیں رہی جو اس تفصیل میں داخل نہ ہوئی ہو اور ممتاز نہ ہو گئی ہو، بلکہ وہ تمام کمالات جو سب حضرت ذاتِ تعالیٰ کے عین تھے، مرتبہ علم میں آ گئے ہیں۔ ان مفصلہ کمالات نے دوسرے مرتبہ میں ظلی وجود پیدا کر کے صفات کا نام پالیا ہے اور حضرت ذاتِ جو ان کی اصل سے ہے، کے ساتھ قیام پیدا کر لیا ہے۔ صاحبِ فصوص (ابن العربی) رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعیانِ ثابتہ سے مراد یہی کمالات مفصلہ ہیں، جنہوں نے خانہ علم میں وجودِ علمی حاصل کر لیا ہے۔ اور فقیر کے نزدیک ممکنات کے حقائقِ عدمات ہیں جو ہر شے و نقص کا ماویٰ ہیں، ان کمالات کے ساتھ جو ان کے اندر منعکس ہوئے ہیں۔ یہ بات ایک تفصیل چاہتی ہے، (لہذا) گوشِ ہوش کے ساتھ سننا چاہیے۔

جاننا چاہیے، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت عطا فرمائے کہ عدم وجود کے مقابل ہے اور اس کی ضد ہے۔ پس وہ ذاتی طور سے ہر شے و نقص کا منشاء ہے، بلکہ وہ ہر شر و فساد کا عین ہے۔ جس طرح کہ وجود مرتبہ اجمال میں ہر خیر و کمال کا عین ہے اور جیسا کہ حضرت وجودِ اصل الاصل کے مقام میں ذاتِ تعالیٰ پر اشتقاق کے طریقہ سے محمول نہیں ہے۔ اس مرتبہ میں اس ماہیت کو معدوم نہیں کہہ سکتے، بلکہ وہ عدم محض ہے۔ اور تفصیل علمی کے مراتب جو اس ماہیتِ عدمیہ کے ساتھ تعلق قائم کیے ہوئے ہیں، میں اس ماہیت کی جزئیاتِ عدمیہ سے متصف ہو جاتی ہیں اور حملِ اشتقاق ان میں درست ہو جاتا ہے اور عدم کا مفہوم جو گویا اس ماہیتِ اجمالیہ سے الگ ہے اور اس ماہیتِ عدمیہ کے لیے ظل کی مانند ہے، وہ اس کے تمام مفصلہ افراد پر اشتقاق کے طریقہ سے محمول ہوتا ہے، جیسا کہ آگے آئے گا۔ چونکہ وہ عدم اجمال کے مرتبہ میں ہر شر اور فساد کا عین تھا اور اللہ سبحانہ کے علم

میں ہر شے دوسرے شے سے جدا ہو گیا تھا اور ہر فساد دوسرے فساد سے فرق رکھتا تھا، جیسا کہ وجود کی طرف اجمال کے مرتبہ میں حضرت وجود ہر خیر و کمال کا عین تھا اور تفصیل علمی کے مرتبہ میں ہر کمال دوسرے کمال سے ممتاز ہو گیا اور ہر خیر دوسری خیر سے جدا ہو گئی۔ پس ان کمالات وجودیہ میں سے ہر کمال اور ان نقائصِ عدمیہ میں سے ہر نقص جو اس کے مقابل ہے، وہ علم کے خانے میں منعکس ہو گیا ہے اور ایک دوسرے کی علمی صورتیں آپس میں مل گئی ہیں اور وہ عداوت جن سے مراد شر و نقائص ہیں، وہ ان منعکس ہونے والے کمالات جنہوں نے حضرت علم کے مرتبہ میں علمی تفصیل پائی ہے، کے ساتھ ممکنات کی ماہیات ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ عداوت ان ماہیات کے اصول و مواد کی مانند ہیں اور وہ کمالات ان میں حلول کی ہوئی صورتوں کی طرح ہیں۔

پس اس فقیر کے نزدیک اعیانِ ثابتہ ان عداوت اور ان کمالات سے عبارت ہیں جو ایک دوسرے سے (باہم) مل گئے ہیں اور قادرِ مختار جلِ سلطانہ نے جب چاہا ان ماہیاتِ عدمیہ کو ان کے لوازمات کے ساتھ اور ظلال وجودیہ کے کمالات جو ان میں حضرت علم میں منعکس ہوئے ہیں اور انہوں نے ماہیاتِ ممکنات کا نام پایا ہے، کو وجودِ ظلی کے رنگ میں رنگ کر موجوداتِ خارجیہ بنا دیا اور آثارِ خارجیہ کا مبداء بنا ڈالا۔

جاننا چاہیے کہ صورتِ علمیہ جو ممکنات کی اعیانِ ثابتہ اور ان کی ماہیات سے عبارت ہیں، کو رنگین بنانا اس معنی میں نہیں ہے کہ علمی صورتوں نے خانہ علم سے نکل کر خارجی وجود پیدا کر لیا ہے، کیونکہ یہ محال ہے اور جہالت کو لازم کرتا ہے (اور) تَعَالٰی اللہ عَنْ ذٰلِكَ غَلُوًّا کَبِیْرًا۔ یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔

بلکہ (یہ) اس معنی میں ہے کہ ممکنات نے خارج میں ان علمی صورتوں کے مطابق ایک وجود پیدا کر لیا ہے اور وجودِ علمی کے علاوہ اس وجودِ علمی کے مطابق وجودِ خارجی حاصل کر لیا ہے، جس طرح کہ ماہرِ بڑھئی ذہن میں تخت کی صورت کا تصور کر کے خارج میں اس کی تخلیق کر لیتا ہے۔ اس صورت میں تخت کی وہ ذہنی صورت جو حقیقت میں اس تخت کی ماہیت ہے اس بڑھئی کے علم کے خانہ سے باہر نہیں نکلی ہے، بلکہ اس کے خارج میں اس تخت نے اس ذہنی صورت کے مطابق ایک وجود پیدا کر لیا۔ فَافْهَمْ۔ یعنی: پس سمجھ لے۔

جاننا چاہیے کہ ہر عدم نے کمالات وجودیہ کے ظلال میں سے ایک ظل جو اس کے مقابل ہے اور اس میں منعکس ہے، سے رنگین ہو کر خارج میں ایک زینت پیدا کر لی ہے، بخلاف عدم صرف کے جو ان ظلال سے متاثر نہیں ہوا ہے اور (اس نے) کوئی رنگ نہیں پکڑا۔ وہ کس طرح رنگ پکڑ سکتا ہے، کیونکہ وہ ان کے مقابل نہیں ہے، اگر وہ مقابل ہے تو حضرت وجود صرف تعالیٰ و تقدس کے (مقابل) ہے۔

پس کامل معرفت رکھنے والا عارف جب حضرت وجود سے ترقی کر کے عدم صرف کے مقام میں نزول کرتا ہے تو اس کے طفیل یہ عدم بھی حضرت وجود سے ایک رنگینی پیدا کر کے آراستہ ہو جاتا ہے اور پسندیدہ بن جاتا ہے۔ اس وقت اس عارف کے عدموں کے تمام مراتب جو سب درحقیقت اس کے اجمالی اور تفصیلی ذاتی مراتب ہیں، نے حسن و خیریت پیدا کر لی ہوتی ہے اور کمال و جمال حاصل کر لیا ہوتا ہے اور یہ خیریت جو تمام ذاتی مراتب میں سرایت کرتی ہے، اس طرح کے عارف کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر اس (عارف) کے غیر میں بھی اس نے سرایت کی ہے تو وہ اس کے اعدادِ ذاتیہ کے بعض مراتب

تفصیلیہ تک محدود ہے، یا اس کے تمام تفصیلی مراتب میں درجات کے فرق سے جاری ہے اور یہ آخری قسم بھی نادرا الوجود ہے۔ لیکن عدم کے مرتبہ اجمال میں جو ہر شر و نقص کا عین ہے، اس عارف کے علاوہ کسی نے بھی اس کی خیریت کی خوشبو نہیں پائی ہے اور حسن کا کوئی رنگ پیدا نہیں کیا ہے۔

پس جو عارف کامل خیریت سے متصف ہوا ہے، ناچار اس کا شیطان بھی اسلام کا حسن پیدا کر لیتا ہے اور اس کا نفس امارہ (نفس) مطمئن بن کر اپنے مولیٰ (تعالیٰ) سے راضی ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس میں سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے فرمایا ہے: **أَسْلَمَ شَيْطَانِي**۔^(۱) یعنی: میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے۔

سبحان اللہ! جو معارف اس حقیر سے غیر ارادی طور پر ظاہر ہوتے ہیں، اگر اکثر لوگ مل کر بھی ان کی صورت پیش کرنے کی کوشش کریں تو معلوم نہیں ہے کہ میسر ہو سکے۔ جیسا کہ ان معارف کا بہت زیادہ حصہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کو نصیب ہوگا:

اگر بادشہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سہل ممکن

یعنی: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ! تو حسد سے اس کی مونچھ اور اپنی داڑھی مت نوچ۔

فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَلْقِينَ (سورۃ مؤمنون، ۱۴) **وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ**۔ (سورۃ فاتحہ، ۱)

یعنی: پس بڑا بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ اور سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

پس ممکنات کے ذواتِ عداوت ہیں، جن میں وجودی کمالات کے ظلال نے منعکس ہو کر ان کو آراستہ کر دیا ہے۔ پس ناچار ممکنات ذاتی طور پر ہر شر و فساد کا ماویٰ اور ہر برائی و نقص کی پناہ گاہ ہیں۔ ہر خیر و شر جو ان میں ترتیب دیا گیا ہے، وہ حضرت وجود سے ادھار لی ہوئی (شے) ہے جو خیر محض ہے اور فائض ہوئی ہے۔ (یہ آیت) کریمہ اس چیز کی خبر دیتی ہے:

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ۔ (سورۃ نساء، ۷۹)

یعنی: تجھے جو فائدہ پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیرے نفس کی (شامتِ اعمال کی) وجہ سے ہے۔ جب اللہ جل سلطانہ کے فضل سے یہ دیدِ عاریت غلبہ حاصل کرتی ہے اور (سائلک) اپنے کمالات کو درست اسی جانب سے دیکھتا ہے اور وہ خود کو شر محض پاتا ہے اور نقص خالص سمجھتا ہے اور کوئی کمال اپنے اندر مشاہدہ نہیں کرتا، خواہ انوکھی طریقہ سے ہو۔ اس شخص کی طرح جو ننگا ہو اور اس نے ادھار کا (ایک) کپڑا پہن رکھا ہو اور یہ دیدِ عاریت اس پر کمال کا غلبہ پالے۔ اس طرح کہ وہ خیال میں اپنے تمام لباس کو اس کے صاحب کا سمجھ لے۔ یقیناً (یہ شخص) خود کو ذوق کے ساتھ ننگا پائے گا، خواہ (وہ) ایک کپڑا ہی ادھار کا رکھتا ہو۔ اس دید کا مالک عبدیت کے اس مقام سے مشرف ہو جاتا ہے جو ولایت کے تمام کمالات سے برتر ہے۔

تنبیہ: خیر و شر اور نقص و کمال کا یہ اجتماع جو درحقیقت وجودِ عدم کا اجتماع ہے، دو ضدوں کے جمع ہونے کی قسم سے نہیں ہے کہ تو اسے محال سمجھے، کیونکہ وجود صرف کی ضد عدم صرف ہے اور ان ظنی مراتب نے جس طرح وجود کی جانب اصل کی

بلندی سے تنزلات کی پستی میں نزول فرمایا ہے، اسی طرح ان ظلی مراتب نے عدم کی جانب بھی صرافتِ عدم کی پستی سے (اوپر کی طرف) عروج کیا ہے۔ ان کا اجتماع متضاد عناصر کی مانند ہے کہ ہر ایک کی ضد یہ تیزی (غلبے) کو توڑ کر جمع فرمایا گیا ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الظُّلْمَةِ وَالنُّورِ۔

یعنی: سو پاک ہے وہ ذات (الہی) جس نے اندھیرے اور روشنی کو جمع فرمادیا۔

اگر کہا جائے کہ تو نے (حضرت مجددِ قدس سرہ نے) اوپر (عبارت بالا میں) عدم صرف کو بھی وجودِ صرف، جو اس کی ضد ہے، کے رنگ میں رنگا ہے۔ پس (اس طرح) ضدوں کا اجتماع پیدا ہو گیا؟ ہم (اس کے) جواب میں کہتے ہیں کہ ضدوں کا جمع ہونا ایک مقام میں محال ہے، لیکن ایک ضد کا دوسری ضد کے ساتھ قیام کرنا اور ایک کا دوسری کی صفت کے ساتھ متصف ہونا محال نہیں ہے۔ جیسا کہ اربابِ معقول (فلاسفہ) نے کہا ہے کہ وجودِ معدوم ہے اور وجود کا عدم کی صفت سے متصف ہونا محال نہیں ہے۔ پس اگر عدم موجود ہو جائے اور وجود کے رنگ میں رنگا جائے تو پھر کیوں محال ہوگا؟

اگر لوگ کہیں کہ عدم معقولاتِ ثانویہ میں سے ہے جو خارجی وجود کے منافی ہے تو پھر وہ وجودِ خارجی سے کس طرح متصف ہوگا؟ ہم (اس کے) جواب میں کہتے ہیں کہ عدم کے مفہوم کو معقولاتِ ثانویہ میں سے کہا گیا ہے، لیکن اگر عدم کے افراد میں سے کوئی فرد وجود سے متصف ہو جائے تو کیا خرابی ہے؟ جیسا کہ اربابِ معقول (فلاسفہ) نے وجود کے بارے میں اشکال کے طریقہ سے کہا ہے کہ وجود کو چاہیے کہ وہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات کا عین نہ ہو، کیونکہ وجودِ معقولاتِ ثانویہ میں سے ہے جو خارجی وجود نہیں رکھتا اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات خارج میں موجود ہے۔ پس وہ عین نہیں ہوگا۔ (لوگوں نے) اس کے جواب میں کہا ہے کہ وجود کا مفہوم معقولاتِ ثانویہ میں سے ہے، نہ کہ اس کی جزئیات میں سے۔ پس اس کے جزئیات میں سے کوئی جزو خارجی وجود کے منافی نہیں ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ وہ خارج میں موجود ہو۔

سوال: سابقہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ حقیقی صفات کا وجود ظلال کے مراتب میں ہے اور اصل کے مرتبہ میں ان کو کوئی وجود حاصل نہیں ہے۔ یہ بات اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی رائے کے خلاف ہے، کیونکہ وہ صفات کو کسی وقت بھی ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں سمجھتے اور (ان کو) ممتنع الانفکاک (علیحدگی کا انکار کرنے والا) تصور فرماتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ اس بیان سے علیحدگی کا جواز لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ ظل اس اصل کے لیے ضروری ہے۔ پس علیحدگی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ عارف جس کی توجہ کا قبلہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کی احدیت ہے اور اسماء و صفات میں سے کچھ بھی اس کے خیال میں نہیں ہے اور اس مقام میں یقیناً ذات تعالیٰ ہی کو پاتا ہے اور صفات میں سے کچھ بھی اس کے ملحوظ (خاطر) نہیں ہوتا۔ یہ نہیں ہوتا کہ صفات اس وقت میں حاصل نہیں ہیں۔ پس حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے صفات کا جدا ہونا عارف کے ملاحظہ کے اعتبار سے ثابت ہوا، نہ کہ حقیقتِ امر کے اعتبار سے، تاکہ وہ اہل سنت و جماعت کے مخالف ہو۔ فَافْهَمْ۔ یعنی: پس سمجھ لو۔

اس بیان سے کہ قول کے معنی واضح ہو گئے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ^(۲)۔

یعنی: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

کیونکہ جس شخص نے اپنی حقیقت کو شرارت و نقص کے ساتھ پہچان لیا اور اس نے سمجھ لیا کہ ہر خیر و کمال جو اس میں پوشیدہ کیا گیا ہے، وہ حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس سے مستار ہے، پس یقیناً وہ حق سبحانہ کو خیر و کمال اور حسن و جمال کے ذریعے پہچان لے گا۔ ان تحقیقات سے (اس آیت) کریمہ کے تاویلی معنی بھی واضح ہو گئے: اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (سورۃ نور، ۳۵) یعنی: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

کیونکہ واضح ہو گیا کہ ممکنات سب کے سب عداۃ ہیں جو سر اسر ظلمت و شرارت ہیں اور خیر و کمال اور حسن و جمال ان میں حضرت وجود کی طرف سے ہے جو نفس ذات تعالیٰ و تقدس ہے اور ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا عین ہے۔ پس یقیناً آسمانوں اور زمین کا نور حضرت وجود ہی ہو گا جو واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے۔

چونکہ یہ نور آسمانوں اور زمین میں ظلال کے توسط سے ہے، لہذا ان وہمی لوگوں کے وہم کو دور کرنے کے لیے جو (اس کو) بے توسط سمجھتے ہیں، اس نور (کی تشریح) کے لیے ایک مثال بیان کی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوَةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اِلَى آخِرِ الْآيَةِ الْكُرَيْمَةِ۔ (سورۃ نور، ۳۵)

یعنی: اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے، اور چراغ ایک قندیل میں ہے۔

تاکہ واسطوں کا ثبوت (فراہم) فرمائے۔ اس (آیت) کریمہ کی تاویل کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے مقام پر لکھی جائے گی، کیونکہ اس جگہ بات کرنے کی بہت گنجائش ہے اور یہ مکتوب اس تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ (یہ) آیت کے تاویلی معنی ہیں (اس لیے کہا ہے) کیونکہ تفسیری معنی نقل اور سماعت سے مشروط ہیں۔ آپ نے (یہ حدیث) سنی ہوگی: مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِرَأْيِهِ فَقَدْ كَفَرَ^(۳)۔

یعنی: جس شخص نے قرآن (مجید) کی تفسیر (اپنی) رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔

اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے، بشرطیکہ قرآن و سنت کے مخالف نہ ہو۔

پس ثابت ہو گیا کہ ممکنات کے ذوات و اصول عداۃ ہیں اور ان کے نقائص و رذائل کی صفات ان عداۃ کے لوازمات ہیں، جو قادر مختار جل سلطانہ کی ایجاد سے وجود میں آئے ہیں اور صفات کاملہ ان میں حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ظلال سے بطور مستعار ہیں جو ان کا سی طریقہ سے ظاہر ہو کر قادر مختار جل سلطانہ کی ایجاد ہی سے موجود ہوئی ہیں۔ چیزوں کی خوبی و برائی کا سبب یہ ہے کہ جو چیز آخرت سے متعلق ہے اور آخرت کے لیے ذریعہ و وسیلہ ہے، وہ اچھی ہے، خواہ وہ ظاہری طور پر اچھی دکھائی نہ دے اور جو چیز دنیا سے متعلق ہے اور دنیا کے لیے ذریعہ و وسیلہ ہے، وہ بری ہے، خواہ وہ بظاہر اچھی دکھائی دے اور میٹھی اور خوشگوار ظاہر ہو، جیسا کہ دنیا کی جھوٹی زیب و زینت (کی باتیں ہیں)۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و اختیہ میں بے ریش لڑکوں اور اجنبی عورتوں کے حسن اور دنیاوی زیب و زینت کی جانب رغبت و خواہش کے ساتھ نگاہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، کیونکہ یہ حسن اور تروتازگی عدم کے لوازمات میں سے ہے جو ہر شر و خرابی کا

ٹھکانا ہے۔ اگر اس حسن و جمال کا منشاء کمالاتِ وجود یہ ہوتے تو (اس سے) منع نہ فرماتے، مگر اس لیے کہ اصل کے موجود ہوتے ہوئے ظل کی جانب توجہ کرنا بُرا (و مکروہ) ہے اور یہ منع کرنا استحسان کے طور پر ہے، نہ کہ واجب کے انداز میں۔ بخلاف پہلے منع کرنے کے (جو بطور واجب ہے)۔

پس جو حسن دنیا کے خوبصورت مظاہر میں ظاہر اور عیاں ہے، وہ اس ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے حسن کے ظلال میں سے نہیں ہے، بلکہ وہ عدم کے لوازمات میں سے ہے، جس نے اچھائی کی ہمسائیگی کے واسطے سے ظاہر میں ایک حسن پیدا کر لیا ہے اور حقیقت میں وہ قبیح و ناقص ہے، جیسا کہ زہر پر شکر کا غلاف چڑھا دیں اور نجاست پر سونے کا پلستر کر دیں۔ اور یہ جو نکاح میں لی گئی خوبصورت عورتوں اور خوبصورت لونڈیوں سے فائدہ اٹھانا جائز فرمایا گیا ہے، (یہ) اولاد حاصل کرنے اور نسل کو باقی رکھنے کے لیے ہے جو دنیا کے نظام کی بقا کے لیے مطلوب ہے۔

پس بعض صوفیہ جو خوبصورت مظاہر اور دلکش نعموں میں اس خیال سے گرفتار ہیں کہ یہ جمال و حسن حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کے کمالات سے مستعار ہیں جس نے ان مظاہر میں ظہور فرمایا ہے، اور وہ (اپنی) اس گرفتاری کو نیک و مستحسن سمجھتے ہیں، اور وصول (الی اللہ) کا راستہ تصور کرتے ہیں۔ اس حقیر کے نزدیک اس کے خلاف ثابت ہوا ہے، چنانچہ اس سے تھوڑا سا اوپر بیان ہوا ہے۔ ایک عجیب معاملہ ہے کہ ان (صوفیہ) میں سے بعض اپنے اس مطلب کے لیے یہ قول بطور سند پیش کرتے ہیں کہ کہا گیا ہے: اَيَّاكُمْ وَالْمُرْدَ فَإِنَّ فِيهِمْ لَوْنًا كَلَوْنَ اللّٰهُ۔

یعنی: تم بے ریش لڑکوں سے بچو، کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کے رنگ کی مانند ایک رنگ ہے۔

کلمہ کَلَوْنَ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ کے رنگ کی مانند) ان کو شبہ میں ڈالتا ہے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ یہ قول ان کے مطلب کے مخالف ہے اور اس فقیر کی معرفت کی تائید کرنے والا ہے، کیونکہ تنبیہ کا کلمہ لا کر ان کی جانب توجہ کرنے سے منع کیا گیا ہے اور غلطی کے منشاء کو بیان فرمایا ہے کہ ”ان کا حسن حق سبحانہ کے حسن و جمال کے مشابہ ہے، نہ کہ (یعنی) اس کا حسن۔“ تا کہ وہ غلطی میں نہ پڑ جائیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: مَا الدُّنْيَا إِلَّا ضَرَّتَانِ إِنْ رَضِيتُ أَحَدَهُمَا سَخِطْتُ الْآخَرَىٰ۔ (۴) یعنی: دنیا اور آخرت دو سونکین ہیں، اگر ایک راضی ہوتی ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں بھی اس چیز کی ایک تصریح ہے کہ دنیاوی حسن و جمال اور آخرت کے حسن و جمال کے درمیان مخالفت اور نا موافقت ہے اور ثابت ہے کہ دنیاوی حسن ناپسندیدہ ہے اور آخرت کا حسن پسندیدہ ہے۔ پس شر دنیاوی حسن کے لیے لازم ہوگا اور خیر آخرت کے لیے ضروری ہوگی۔ پس لازماً پہلے کا منشاء عدم ہوگا اور دوسرے کا منشاء وجود ہوگا۔ ہاں! بعض چیزیں ایسی ہیں جو ایک وجہ دنیا سے رکھتی ہیں اور دوسری وجہ آخرت سے رکھتی ہیں۔ یہ چیزیں پہلی وجہ سے بری ہیں اور دوسری وجہ سے اچھی ہیں۔ ان دونوں وجوہات کے درمیان اور ان میں سے ہر ایک کی اچھائی اور برائی کے درمیان امتیاز کرنا علم شریعت کے سپرد ہوا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (سورۃ حشر: آیت ۷)

یعنی: پس جو چیز تم کو نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔ حدیث (شریف) میں آیا ہے کہ جس وقت سے دنیا پیدا ہوئی ہے، حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس پر نظر نہیں فرمائی اور

یہ حق سبحانہ کی مبالغہ ہے۔^(۵) یہ سب کچھ اس برائی، شرارت اور فسادات کی وجہ سے ہے جو عدم کے لوازمات میں سے ہے، جو ہر شر و فساد کا ٹھکانہ ہے۔ دنیاوی حسن و جمال، مٹھاس اور تروتازگی راستے میں پڑے ہوئے کوڑے کرکٹ کی مانند ہیں اور (یہ) منظور نظر نہیں ہیں۔ آخرت کا جمال نظر کے لائق ہے اور حق سبحانہ کا پسندیدہ ہے۔ اللہ ان (دنیا داروں) کے حال کی شکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: تَرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ. (سورۃ انفال، ۶۷)

یعنی: تم لوگ دنیا کے (مال و اسباب کے) طالب ہو اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لیے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔
اللَّهُمَّ صَغِرِ الدُّنْيَا بِأَعْيُنِنَا وَكَبِّرِ الْآخِرَةَ فِي قُلُوبِنَا بِحُرْمَةِ مَنْ افْتَخَرَ بِالْفَقْرِ وَتَجَنَّبَ عَنِ الْغِنَا عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمَّهَا وَاكْمَلَهَا.

یعنی: اے اللہ! اس ہستی (یعنی حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے جس نے فقر پر فخر کیا اور دولت مند سے پرہیز کیا، ہماری نظروں میں دنیا کو حقیر بنادے اور ہمارے دلوں میں آخرت کو بڑا بنادے۔

چونکہ شیخ اجل شیخ محی الدین بن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کی شرارت، نقص اور فساد پر نظر نہیں ڈالی ہے، (لہذا) انہوں نے ممکنات کے حقائق کو حق جل و علا کی صورت میں سمجھ رکھا ہے، کیونکہ ان کی صورتوں نے حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینے میں جو خارج میں اس کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہیں، انعکاس پیدا کر کے خارج میں خارجی ظہور پیدا کر لیا ہے اور انہوں نے ان صورتوں کو صورتیوں اور اللہ جل سلطانہ کی صفات واجبی کے سوا کچھ نہیں سمجھا، (لہذا) لازمی طور پر انہوں نے وحدت الوجود کا حکم کیا ہے اور ممکنات کے وجود کو وجود واجب تعالیٰ و تقدس کا عین کہا ہے اور شر و نقص کو اضافی اور نسبی کہتے ہوئے شرارت مطلق اور نقص محض کی نفی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی چیز کو ذات کے لحاظ سے برا نہیں سمجھتے۔ یہاں تک کہ کفر و ضلالت کو ایمان و ہدایت کی نسبت برا سمجھتے ہیں (اور) ان کی اپنی ذاتی نسبت کے لحاظ سے برا نہیں جانتے، کیونکہ وہ ان کو عین خیر و صلاح خیال کرتے ہیں اور اپنے ارباب کی نسبت ان (چیزوں) کے لیے استقامت کا حکم کرتے ہیں اور (اس آیت) کریمہ کو اس معنی پر گواہ بناتے ہیں: مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (سورۃ ہود، ۵۶) یعنی: اور جو زمین پر چلنے پھرنے والا ہے وہ (اللہ تعالیٰ) اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بیشک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے۔

ہاں! جو شخص وحدت الوجود کا حکم کرتا ہے، وہ اس طرح کی باتوں سے کیوں دور رہے۔
جو کچھ اس حقیر پر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ماہیات کمالات وجودیہ جو ان میں منعکس ہو گئے ہیں اور بل جل گئے ہیں، کے ساتھ ممکنات کی عدمات ہیں۔ جیسا کہ مفصل گزر چکا ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ.
یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حق بات کو ثابت کرتا ہے اور وہی (سیدھے) راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کے بارے میں کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو فرمائی ہے، (یہ) بہت بلند معارف اور کامل ترین علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد منصف شہود پر آئے ہیں۔ واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جیسا کہ ممکن اور لائق ہے، بیان فرمایا گیا ہے، (یہ) نہ کتاب و سنت کی مخالفت رکھتے ہیں اور نہ

ہی اہل حق کے اقوال کی ناموافقت۔ اس دعائے نبویہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے مراد (یہی حقائق) ہیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امت کی تعلیم کے لیے فرمائی ہے: **اَللّٰهُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْيَاءِ كَمَا هِيَ**۔^(۶)
یعنی: اے اللہ! تو ہمیں چیزوں کی حقیقتیں دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔

یہ وہ حقائق ہیں جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہو گئے ہیں اور عبودیت کے مقام کے مناسب ہیں اور (یہ) نقص و ذلت اور انکساری جو بندگی کے حال کے لائق ہے، پر دلالت کرتے ہیں۔ عاجز بندہ جو خود کو مولائے قادر کا عین سمجھے، وہ کیا خوبی رکھتا ہے؟ اور وہ کمال بے ادبی کی خبر دیتا ہے۔

اے فرزند! یہ وہ وقت ہے کہ پہلی امتوں میں اس طرح کے ظلمتوں سے لبریز وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور وہ نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا۔ اس امت میں جو خیر الامم ہے اور ان کے پیغمبر خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کا مرتبہ دیا ہے اور علماء کے وجود سے انبیاء کے وجود کی کفایت فرمائی ہے، لہذا ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد مقرر کرتے ہیں جو شریعت کو زندہ کرے۔ خاص کر کے ایک ہزار سال گزرنے کے بعد جو پہلی امتوں میں اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کا وقت ہے اور ہر ایک پیغمبر کو اس وقت میں کافی نہیں سمجھا گیا۔ (اب بھی) اس طرح کے وقت میں کامل معرفت رکھنے والے ایک عالم اور ایک عارف کی ضرورت ہے جو پہلی امتوں کے اولوالعزم (پیغمبر) کا قائم مقام ہو۔ شعر:

فیض روح القدس از باز مدد فرماید دیگران ہم بکند آنچه مسیحا می کرد^(۷)

یعنی: اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہی کام کریں جو (حضرت) مسیح (علیہ السلام) کرتے

تھے۔

اے فرزند! وجود صرف عدم صرف کے مقابل ہے۔ اوپر بیان ہوا ہے کہ وجود صرف واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے اور ہر خیر و کمال کا عین ہے۔ خواہ اس عینیت کا ملاحظہ بھی اختصار کے طور پر ہی ہو، (وہ) اس مقام میں گنجائش نہیں رکھتی، کیونکہ وہ ظلیت کا شائبہ رکھتی ہے۔ عدم صرف جو اس وجود کے مقابل ہے، وہ عدم ہے جس کی طرف کسی نسبت اور کسی اضافت نے راستہ نہیں پایا اور وہ ہر شے و نقص کا عین ہے۔ اگرچہ یہ عینیت بھی وہاں نہیں ساتی، کیونکہ اضافت کی یو رکھتی ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ کسی چیز کا ظہور کامل طور پر اس چیز کے حقیقی مقابلے میں صورت اختیار کرتا ہے اور **بِضَدِّهَا تَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ**۔ یعنی: چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

پس ناچار وجود صرف کا کامل ظہور عدم صرف کے آئینے میں حاصل ہوتا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ نزول عروج کے اندازے پر ہوتا ہے۔ پس جس شخص کا عروج اللہ سبحانہ کی عنایت سے حضرت وجود صرف تک متحقق ہو جائے، ناچار اس کا نزول بھی عدم صرف میں ہوگا، جو اس کے مقابل ہے۔ لیکن عروج کے وقت میں وہاں عارف کا استہلاک (نیستی) ہے، جس میں جبل لازم ہے اور نزول کے وقت وہ صحو سے متحقق ہے جو علم و معرفت کا مقام ہے۔

صحو کے اس مقام میں اس (عارف) کو اس تجلی ذاتی سے جو ظلیت کے شائبہ سے مبرا اور شیون و اعتبارات ذاتیہ کے

ملاحظہ سے منزہ ہے، مشرف کر دیتے ہیں اور اس کو سمجھا دیتے ہیں کہ اس سے پہلے جو تجلی بھی حاصل ہوئی تھی، وہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے ظلال میں سے کسی ظل کے پردہ میں ہوئی تھی، اگرچہ عارف اس تجلی کو اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر سمجھتا ہے اور حضرت وجودِ صرف کی تجلی شمار کرتا ہے۔

سبحان اللہ! یہ عدم جو ہر شے کو نقص کا ٹھکانا ہے، اس نے حضرت وجودِ تعالیٰ کے کامل ظہور کے ذریعہ سے حسن کے معنی پیدا کیے اور وہ چیز پالی جو کسی شخص نے بھی نہ پائی۔ جو چیز اپنی ذات کے لحاظ سے بُری تھی، وہ عارضی حسن کے ذریعے اچھی بن گئی۔ انسانی نفسِ امارہ جو ذاتی طور پر شرارت کی جانب مائل ہے (اور) سب سے زیادہ اس عدم کے ساتھ کامل مناسبت رکھتا ہے، اسی لیے وہ تجلی خاص میں سب سے فائق ہو گیا اور سب سے زیادہ ترقی کر گیا:

ع کہ مستحق کرامت گناہگار اند (۸)

یعنی: کیونکہ عزت افزائی کے مستحق گناہگار ہیں۔

جاننا چاہیے کہ کامل معرفت رکھنے والا عارف عروج کے مقامات اور نزول کے مراتب کو تفصیل کے ساتھ طے کرنے کے بعد جب عدمِ صرف میں نزول فرماتا ہے اور حضرت وجود کی آئینہ داری کرتا ہے تو یقیناً تمام اسمائی و صفاتی کمالات اس میں ظہور کریں گے اور وہ ان تمام لطائف کو تفصیل کے ساتھ ظاہر کر دے گا جن کا مقام اجمال متضمن ہے۔ یہ دولت اس کے سوا کسی کو میسر نہیں ہے اور یہ آئینہ داری ایک قابلِ فخر لباس ہے جو اس (عارف) کے قد کے مطابق سیا گیا ہے۔ اگرچہ حضرت علم کے خزانہ میں اس تفصیل نے صورت حاصل کر لی ہے، لیکن وہ آئینہ داری علم کے مرتبہ میں ہے اور اس عارف کا آئینہ مرتبہ خارج میں ہے، جس نے خارج میں تمام کمالات کو ظاہر کیا ہے۔

سوال: عدم کی آئینہ داری کے کیا معنی ہیں؟ اور عدم جولاشی محض ہے، اس کو کس اعتبار سے وجود کا آئینہ کہا گیا ہے؟

جواب: عدم خارج کے اعتبار سے لاشی محض ہے، لیکن اس نے علم میں ایک امتیاز پیدا کر لیا ہے، بلکہ اس نے وجودِ ذہنی کے ثابت کرنے والوں کے نزدیک وجودِ علمی بھی حاصل کر لیا ہے۔ اس کو وجود کا آئینہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ عدم کے مرتبہ میں جو کچھ نقص و شرارت سے ثابت ہوگا، وہ وجود سے جو اس کی ضد ہے، یقیناً مسلوب ہوگا اور ہر کمال جو عدم کے مرتبہ میں مسلوب ہوتا ہے، وہ حضرت وجود میں مثبت ہوگا۔ پس ناچار عدم کمالات وجودی کے ظہور کا سبب بن گیا اور آئینہ ہونے کے یہی معنی ہیں (اور) اس کے سوا کوئی اور معنی نہیں ہیں۔ فَافْهَمْ فَإِنَّهُ يَنْفَعُكَ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهَمْ۔

یعنی: پس تو سمجھ لے، بیشک تیرے لیے مفید ہے اور اللہ سبحانہ الہام فرمانے والا ہے۔

اے فرزند! یہ معارف جو لکھے گئے ہیں، امید ہے کہ الہاماتِ رحمانی میں سے ہوں گے، کیونکہ شیطانی وسوسوں کے شائبہ کی ان کے اندر ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ فقیر کے پاس اس کے لیے یہ دلیل ہے کہ جب اس نے ان علوم کو لکھنے کا ارادہ کیا اور اللہ جلِ سلطنت کی بارگاہِ پاک میں التجا گزار ہوا تو دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام کے آس پاس سے شیطان کو دفع کر رہے تھے اور وہ اسے اس مکان کے گرد گھومنے نہیں دیتے تھے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔

چونکہ بہت بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین تعریفوں میں سے ہے، (لہذا) اس نعمتِ عظمیٰ کے اظہار کی جرأت کی گئی ہے، امید ہے کہ (یہ چیز) عجب (خود بینی) کے شائبہ سے پاک ہوگی۔ عجب کی گنجائش کس طرح ہوگی؟ جب اللہ سبحانہ کی عنایت سے اپنا نقص و شرارت ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہے اور تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۃ فاتحہ ۱) اَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ دَائِمًا وَسَلَامًا وَعَلٰی آلِهِ الْكَرَامِ وَأَصْحَابِهِ الْعِظَامِ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِيْمٰتِ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا۔ یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے، شروع میں اور آخر میں اور اس کے رسول (مقبول حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل کرام اور صحابہ عظام پر متواتر اور ہمیشہ درود و سلام ہو اور وہ سب لوگ جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑیں، ان کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۳۵)

ملا عبد الغفور سمرقندی اور حاجی بیگ فرقتی اور خواجہ محمد اشرف کابلی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس گروہ (صوفیہ) کی محبت دنیا و آخرت کی سعادتوں کا سرمایہ ہے اور شرعی احکام کی بجا آوری اور باطنی جمعیت کے حاصل کرنے کی توفیق اس محبت کے ثمرات ہیں، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

حقیقی دوستوں اور سچے چاہنے والوں کو معلوم شریف ہو کہ آپ کے مکتوبات شریف جو فطر محبت و اشتیاق کی خبر دینے والے تھے، ان کی وصولی سے (فقیر) خوشحال اور مسرور ہوا۔ تَبَّتْ كُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلٰی هٰذِهِ الْمَحَبَّةِ۔

یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو اس محبت پر ثابت قدم رکھے۔

اس محبت کو دنیا و آخرت کی سعادتوں کا سرمایہ سمجھ کر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے اس پر قائم اور ثابت قدم رہنے کی التماس کرنی چاہیے۔

شرعی احکام کی بجا آوری کی توفیق اسی محبت کا نتیجہ ہے اور باطنی جمعیت کا حاصل ہونا بھی اسی دوستی کا ثمرہ ہے۔ اگر سارے جہان کی تاریکیوں اور کدورتوں کو باطن میں بھر دیں اور اس محبت کو قائم رکھیں تو غم نہیں کھانا چاہیے، بلکہ امید وار رہنا چاہیے اور اگر سب پہاڑوں کے برابر انوار و احوال کو باطن میں کناروں تک بھر دیں اور بال کے برابر بھی اس محبت سے اٹھالیں تو خرابی کے سوا کچھ نہیں سمجھنا چاہیے اور (اسے) استدراج شمار کرنا چاہیے اور اس صلاحیت کو مضبوط رکھتے ہوئے اپنے کام میں مشغول رہیں اور قیمتی عمر کو بے فائدہ امور میں ضائع مت کریں:

ہمہ اندر ز من بتو ایں است کہ تو طفلی و خانہ رنگیں است

یعنی: میری طرف سے تجھے سب نصیحت یہی ہے کہ تو بچہ ہے اور گھر بڑا خوشنما ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اور آپ کو اور ان سب لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۳۶)

مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ بعض اسرار کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (وسلام) بھیجنے کے بعد۔

میرے سعادتمند فرزند کو معلوم ہو کہ آپ کے مکتوب سے، جو (آپ نے) احوال کی شرح میں لکھا تھا، سمجھ آیا ہے کہ آپ کو ولایتِ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ سے ایک مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔ (فقیر) اس وجہ سے اللہ جل سلطانہ کا شکر بجالایا، کیونکہ مدتوں سے اس دولت کی آرزو رکھتا تھا کہ آپ کو (یہ) حاصل ہو جائے۔ (لہذا فقیر) اس وقت امیدوار بن کر اس چیز کے لیے متوجہ ہوا کہ یہ دولت (آپ کے اندر) جذب کرے۔ اتفاق سے اس جستجو میں آپ کو ولایتِ موسوی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے دائرہ میں داخل پایا اور (آپ کو) وہاں سے کھینچ کر ولایتِ خاصہ کے دائرہ میں داخل کیا۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلَى ذَلِكِ. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

چونکہ آپ کو زبردستی سے اس ولایت میں لے آئے ہیں، (لہذا) بیس روز سے زیادہ ہو گئے ہیں کہ (فقیر) آپ کو اپنے پہلو میں نگاہ رکھ کر پرورش کر رہا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نسبت کے ضعف سے آپ کو کچھ احساس ہوا ہوگا۔ اب چونکہ اس (نسبت) نے قوت پکڑ لی ہے۔ امید ہے کہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ (فقیر) حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے ان انعامات میں سے کیا لکھے جو اس بارے میں مسلسل اور لگاتار اس عاصی پر برس رہے ہیں:

من آں خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطره باری
اگر بر روید از تن صد زبانم چو سون شکر لطفش کے توانم

یعنی: میں وہ خاک ہوں کہ بہار کے آغاز کا بادل لطف (حق) سے مجھ پر برستا ہے۔

✦ اگر میرے بدن پر سبزے کی مانند سینکڑوں زبانیں اُگ پڑیں تو بھی اس کے لطف کا شکر کب ادا کر سکتا ہوں۔

دوسرا یہ کہ میرے پیارے فرزند محمد سعید نے اپنے مکتوب میں اپنے جن احوال کا اظہار کیا تھا، وہ بہت صحیح ہیں۔ اس خصوصیت کے ساتھ دوستوں میں سے کم ہی کسی شخص کو حاصل ہوئے ہیں۔ (فقیر) امید رکھتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ انہیں بھی ولایتِ خاصہ سے مشرف فرمائے گا۔ نیز میرے فرزند محمد معصوم خود اللہ جل سلطانہ کے فضل سے ذاتی طور پر اس دولت کے لائق ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے صدقے (انہیں پوری) قوت سے عمل میں لائیں۔

مکتوب نمبر (۲۳۷)

ملا محمد طالب بیا کی کو تحریر فرمایا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی روشن سنت کی پیروی کی ترغیب میں اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے (اکابر) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ستائش میں۔

تَبَتْنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ عَلَى جَادَةِ الشَّرِيعَةِ الْحَقَّةِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَوةُ وَالسَّلَامُ
وَالْتَّحِيَّةُ وَعَلَى آلِهِ الْكَرَامِ وَأَصْحَابِهِ الْعِظَامِ. یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی شریعت کے راستے پر ثابت قدم رکھے۔

میرے سعادتمند بھائی! طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے روشن سنت کی پیروی کو لازم پکڑا ہے اور عمل کو عزیمت کے ساتھ اختیار کرنے کا فرمایا ہے۔ اگر اس التزام و اختیار میں ان کو احوال و مواجید سے مشرف کریں تو وہ (اسے) عظیم نعمت سمجھتے ہیں اور اگر ان کو احوال و مواجید عطا کریں اور وہ اس التزام و اختیار میں کوئی فتور پائیں تو وہ ان احوال کو پسند نہیں کرتے اور ان مواجید کو نہیں چاہتے اور اس فتور میں اپنی خرابی کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ہندو برہمن و جوگی اور یونان کے فلاسفہ بھی تجلیاتِ صوری، مکاشفاتِ مثالی اور علومِ توحیدی کی بہت سی چیزیں رکھتے ہیں، لیکن وہ خرابی اور رسوائی کے سوا اس کا کوئی نتیجہ نہیں رکھتے اور سوائے بعد اور بد نصیبی کے (کوئی چیز) ان کے شامل حال نہیں ہے۔

آپ بھائی نے چونکہ فضلِ الہی جلِ سلطانہ سے خود کو ان اکابر کی سلکِ ارادت میں داخل کر لیا ہے۔ (لہذا) ضروری ہے کہ (آپ) ان کی پیروی کو بھی لازم بنائیں اور بال برابر مخالفت کی گنجائش نہ چھوڑیں، تاکہ آپ ان کے کمالات سے مستفید اور کامیاب بنیں۔

اوّل: (آپ) اہل سنت و جماعت کَثَرُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ ان میں اضافہ کرے) کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح کریں۔ دوّم: فرض و واجب، سنت و مندوب، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کا علم جو علم فقہ میں مذکور ہے (حاصل کریں) اور اس علم کے تقاضا سے عمل حاصل کریں۔ تیسرے درجہ میں صوفیہ کے علوم کی باری آتی ہے۔ جب تک وہ دوبارو درست نہ کریں (اس وقت تک) عالمِ قدس میں پرواز کرنا محال ہے۔ اگر احوال و مواجید ان دوباروں کے حاصل ہوئے بغیر میسر آئیں تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہیے اور ان احوال و مواجید سے استفادہ نہیں کرنا چاہیے:

ع کار اینست و غیر این ہمہ ہیچ

یعنی: کام یہی ہے اور باقی سب ہیچ ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ. (سورۃ مائدہ، ۹۹) یعنی: پیغام پہنچانے والے کے ذمے تو پیغام کا پہنچا دینا ہے۔
میرے بھائی میاں شیخ داؤد وہاں آئے ہوئے ہیں، ان کی صحبت کو (آپ) غنیمت شمار کریں۔ جس چیز کی وہ نصیحت و رہنمائی کریں (اس کی) پابندی کرنی چاہیے، کیونکہ وہ ان اکابر کے مریدوں کی صحبت میں بہت رہے ہیں اور انہوں نے ان کے راستے اور طریقے کو معلوم کیا ہے۔

جو دوست وہاں ہیں اور حضرت میر نعمان کے ذریعے طریقہ عالیہ میں داخل ہوئے ہیں، چاہیے کہ وہ بھی مشائخ الیہ شیخ

(داؤد) کی صحبت کو غنیمت شمار کریں اور حلقہ میں ایک ہی جگہ بیٹھیں اور ایک دوسرے سے فانی ہوں، تاکہ جمعیت حاصل ہو اور معاملہ ترقی تک پہنچ جائے۔ مکتوبات کا مطالعہ لازم پکڑیں، کیونکہ نفع بخش ہے:

ع دادیم ترا ز گنج مقصود نشان

یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتا بتا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمَّهَا وَاحْمَلَهَا. یعنی: جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۳۸)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ (طریقہ کے) بھائیوں کے اضافے میں بڑی امیدیں ہیں۔ نیز اس تنبیہ میں کہ ایسا نہ ہو مریدوں کے احوال و معارف پیروں کے توقف (رکاوٹ) کا باعث بن جائیں اور عجب کا موجب بن جائیں اور اس بیان میں مریدوں کے احوال حیا کا موجب ہونے چاہئیں، تاکہ ترقیوں کی ترغیب کریں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۃ فاتحہ، ۱) وَالصَّلَاةُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهَرِينَ أَجْمَعِينَ.

یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک اور طاہر آل اور صحابہ (کرام) پر درود (وسلام) ہو۔

آپ نے جو مکتوب شریف ایک شخص خواجہ رحیمی کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ موصول ہوا (اور) بہت زیادہ خوشی کا موجب بنا۔ چونکہ اس میں آپ کے مسترشدوں اور مریدوں کے احوال تفصیل سے درج کیے گئے تھے، (لہذا) اس نے خوشی پر خوشی بڑھائی۔ کیونکہ (طریقہ کے) بھائیوں کی کثرت میں اکثروا اِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ (اپنے دینی بھائیوں میں اضافہ کرو) کے موجب بڑی امیدیں ہیں اور (یہ آیت) کریمہ بھی اس چیز کی تائید کرنے والی ہے:

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ. (سورۃ قصص، ۳۵)

یعنی: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے۔

لیکن چاہیے کہ اپنے احوال و اعمال منظور نظر رہیں اور اپنا سکون اور حرکت ملحوظ رہے، ایسا نہ ہو کہ مریدوں کی ترقیاں پیروں کے توقفات (رکاوٹوں) کا باعث بن جائیں اور مسترشدوں کی سرگرمی مرشدوں کے کارخانہ کو ٹھنڈا کر ڈالے۔

اس چیز سے ڈرنا اور کانپنا چاہیے اور مریدوں کے احوال و مقامات کو شیر اور ببر کی مانند سمجھنا چاہیے۔ چہ جائیکہ ان پر فخر اور ناز کیے جائیں، کیونکہ ایسا نہ ہو کہ اس راستے سے عجب کا دروازہ کھل جائے، بلکہ اس (حدیث) کی رو سے: الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ^(۱) (حیا ایمان کا ایک جزو ہے) مریدوں کی ترقیاں شرمندگی و خجالت کا باعث ہونی چاہئیں اور طالبین کی سرگرمی غیرت و عبرت کا موجب ہونی چاہیے۔ چاہیے کہ اعمال کی کوتاہی اور نیتوں کا تہمت زدہ ہونا وقت کے لیے ضروری ہو اور حال و

قال کی زبان، هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ (یعنی: کچھ اور بھی ہے۔ سورۃ ق، ۳۰) سے تر رہے۔ اگرچہ آپ کے پسندیدہ احوال سے اسی قسم کے معاملات کی توقع ہے، لیکن دین کے دشمنوں، جو نفسِ امارہ اور شیطانِ لعین ہیں، کا ملاحظہ کرتے ہوئے تاکید کے طریقہ سے مبالغہ کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے کہ ایسا نہ ہو کہ طالبین کی توجہ کی سرگرمی میں کوئی کمی آجائے، کیونکہ مقصود ان دودو باتوں کا جمع کرنا ہے، ایک کو ہی کافی سمجھنا خطا ہے۔

خواجہ رحیمی اور سید احمد کو چاہیے کہ آپ کی خدمت میں حاضر رہیں اور ان کے حال پر آپ کی توجہ زیادہ کامل طور پر ملحوظ رہے۔ میر عبد اللطیف نے بھی اگر توبہ کی توفیق پائی ہو تو آپ (ان کی) مدد کریں، تاکہ ان کو استقامت حاصل ہو جائے۔ آپ نے لکھا تھا کہ بعض طالبین طریقہ قادریہ کی (تعلیم کی) التماس کرتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ کسی شخص کو طریقہ نقشبندیہ کے سوا کوئی طریقہ نہ سکھائیں، تاکہ دو طریقے (آپس میں) خلط (مطل) نہ ہو جائیں، لیکن اگر (طالبین) پکڑی اور شجرہ (طریقت) طلب کریں اور استخارہ بھی اجازت دے تو مرید بنالیں اور (ان کو) نصیحت فرمائیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى سَائِرِ أَصْحَابِكُمْ وَأَحْبَابِكُمْ وَعَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا۔ یعنی: اور آپ کو اور آپ کے تمام دوستوں اور احباب کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۳۹)

ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا، ان کے خط کے جواب میں اور جو سوالات انہوں نے پوچھے تھے (ان کے بارے میں)۔
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۃ فاتحہ، ۱) وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّاهِرِينَ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔
یعنی: سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک آل اور تمام صحابہ (کرام) پر درود (وسلام) ہو۔
مکتوب گرامی جو آپ نے شفقت و مہربانی کرتے ہوئے ارسال کیا تھا، (فقیر) اس کے مطالعہ سے خوشحال اور مسرور ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ احوال کا عرض کرنا احوال کے اندازے پر ہے، الخ۔
میرے مخدوم! احوال کے حاصل ہونے سے مقصود حالات کے پھیرنے والے (اللہ جل شانہ) سے مشغولیت ہے اور جب یہ مشغولیت حاصل ہے تو پھر خواہ احوال حاصل نہ ہوں (تو بھی کوئی غم نہیں)۔
آپ نے لکھا تھا کہ حضور میں مذکور ہوا تھا کہ ہم نے تمہارے حق میں بہت ختم ریزی کی ہے، الخ۔
میرے مخدوم! حقیقت میں ایسا ہی ہے، لیکن ثمرات کا حاصل ہونا زندگی میں اور موت کے بعد (کئی) اوقات اور زمانوں کے گزرنے پر موقوف ہے۔ أَبَشِّرْ وَلَا تَعْجَلْ بِهِ۔ یعنی: تم خوش رہو اور اس میں جلدی نہ کرو۔
آپ نے مولانا صالح محمد کے مقولے کے بارے میں لکھا تھا، چونکہ مولانا مذکور حاضر نہ تھے، کہ ان کی مراد کو سمجھا جائے، (لہذا فقیر) اس مقولے پر معترض نہیں ہوا، لیکن خیر ہے۔ آپ کوئی چیز ذہن میں نہ لائیں۔

جو بے ادبی ہوئی تھی، آپ نے اس کے بارے میں لکھا تھا۔ مخلصین کی لغزشیں معاف ہیں۔ کوئی چیز ذہن میں نہ لائیں۔ آپ نے اپنے احوال کی تفتیش کی تھی۔ **لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ** (اللہ سبحانہ کی حمد و احسان ہے) کہ آپ کو مقبولوں میں سے بنایا گیا ہے۔ **قُبِلَ مَنْ قُبِلَ بِلَا عِلَّةٍ**۔ یعنی: جو شخص قبول کیا گیا، وہ بلا وجہ قبول کیا گیا۔ آپ نے لکھا تھا کہ دو شیخ زادے آئے تھے، تاکہ ذکر کی تلقین حاصل کریں، الخ۔

میرے مخدوم! استخارہ ہر کام میں مسنون اور مبارک ہے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ استخارہ کے بعد خواب میں، یا واقعہ میں، یا بیداری میں کوئی ایسا معاملہ ظاہر ہو جو کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرے، بلکہ استخارہ کے بعد دل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر اس کام کی جانب پہلے سے زیادہ توجہ (جاتی) ہے تو یہ کام کے کرنے پر دلالت رکھتی ہے اور اگر توجہ اتنی ہی ہے جتنی پہلے تھی اور اس میں کمی پیدا نہیں ہوئی تو بھی (کام کا کرنا) منع نہیں ہے۔ اس صورت میں مکرر استخارے کریں، تاکہ توجہ کی زیادتی معلوم ہو جائے۔ استخاروں کے تکرار کی نہایت سات مرتبہ تک ہے۔ اگر استخارہ کے بعد پہلی توجہ میں کوئی کمی معلوم ہو تو (یہ) منع پر دلالت ہے۔ اس صورت میں بھی اگر مکرر استخارے کریں تو گنجائش ہے، بلکہ ہر صورت میں مکرر استخارے کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے، نیز (یہ چیز) اس کام کے کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں احتیاط ہے۔

رسالہ مبداء و معاد کی اس عبارت کے معنی کے بارے میں جو اس جسد کے بیان میں لکھی گئی ہے جو اس روح سے ملکتب ہے، آپ نے پوچھا تھا۔

میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال اختیار کرنا جو اجسام کے افعال کے لائق ہیں، اسی جسد ملکتب کے ذریعے سے ہے اور اسی قسم کی امدادیں ہیں جو اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی روحانیت سے ہیں، اور اجسام کے افعال کے شایان شان ہیں۔ جیسا کہ مختلف وجوہات اور گونا گوں طریقوں سے دشمنوں کا ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا وغیرہ ہے۔

آپ نے ظالموں کے فتنے سے امان طلب کی تھی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو، بلکہ آپ کی خانقاہ کو ان ظالموں کے شر محفوظ بنایا ہے۔ اطمینان قلب سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ مقدس کی طرف متوجہ رہیں اور امید ہے کہ اس حفاظت کو کسی خاص وقت کے لیے معین نہیں کیا جائے گا۔ **إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ**۔ (سورۃ النجم، ۳۲)

یعنی: بیشک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔

لیکن آپ اس جگہ کے لوگوں کو نصیحت فرمائیں کہ وہ مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی کی وضع کو تبدیل نہ کریں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ**۔ (سورۃ رعد، ۱۱)

یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۴۰)

شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ اس راستے کی بے نہایتی اور کلمہ طیبہ کے بعض فوائد کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

جو مکتوب آپ کے نیک انجام احوال پر مشتمل تھا، اس کا مطالعہ مسرت کا باعث بنا:
 ع در عشق چنین بو العجبیہا باشد
 یعنی: عشق میں اسی طرح کی عجیب و غریب باتیں ہوتی ہیں۔

لیکن چاہیے کہ احوال سے گزر کر احوال کے پلٹنے والے (اللہ تعالیٰ) تک پہنچا جائے کہ وہاں سب جہالت و نادانی ہے۔ اس کے بعد اگر معرفت سے مشرف فرمائیں تو زہد دولت۔ غرض جو کچھ دید و دانش (دیکھنے اور سمجھنے) میں آئے، وہ نفی کے قابل ہے، خواہ وہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ ہی ہو، کیونکہ اس وحدت کی کثرت میں اصلاً گنجائش نہیں ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ اس وحدت کی خیالی صورت اور مثال ہے، نہ کہ وہ خود۔ پس آپ کے حال کے مناسب اس وقت کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ذکر ہے اور اس کلمہ کی تکرار اس حد تک کہ دید و دانش میں کچھ نہ چھوڑے اور سامان کو حیرت و نادانی تک لے جائے اور معاملہ کو فنا میں ڈال دے۔ جب تک (ساک) حیرت و جہالت تک نہ پہنچ جائے، (اس وقت تک) اس کو فنا سے کچھ نصیب نہیں ہے۔ جس چیز کو آپ نے فنا سمجھا ہے، اس سے مراد عدم ہے، نہ کہ فنا۔ جب جہل تک پہنچنے کے بعد (آپ کو) فنا ہاتھ لگے گی تو پھر آپ اس راستے میں پہلا قدم رکھیں گے۔ وصل کہاں اور اتصال کس کے لیے؟

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادٍ وَ ذُونَهَا قُلُّ الْجَبَالِ وَ ذُونَهُنَّ خُيُوفٌ
 یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے، کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔
 آپ کے احوال درست ہیں، لیکن ان سے گزرنا ضروری ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّوَكَّلْ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ
 وَالتَّسْلِيمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

(آپ کو) دوسری نصیحت شریعت پر استقامت کی ہے اور احوال کو شرعی اصول کے مطابق بنانے کی ہے۔ عِيَاذًا بِاللَّهِ
 سُبْحَانَهُ۔ (اللہ سبحانہ کی پناہ!) اگر قول اور فعل میں شریعت کے خلاف کوئی چیز پیدا ہو جائے تو اس میں اپنی خرابی سمجھنی چاہیے۔
 استقامت والوں کا طریقہ یہی ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۴۱)

مولانا محمد صالح کی جانب تحریر فرمایا۔ بعض دوستوں کی ترقی کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کے بعد۔

میرے سعادتمند بھائی کو معلوم ہو کہ اس علاقے کے حالات (اللہ تعالیٰ کی) حمد کے لائق ہیں اور یہاں کے سب دوست مسرور اور خوشحال ہیں۔ خاص کر کے مولانا محمد صادق اللہ سبحانہ کی عنایت سے ان دنوں ولایت خاصہ سے مشرف ہو گئے ہیں اور اسم جزئی سے اسم کلی کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود نظریات کی طرف رکھتے ہیں، وہاں سے وافر نصیب حاصل کر کے شاید رجوع کی جانب مائل ہو جائیں۔ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۰۵)

یعنی: اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔
کبھی کبھی اپنے اور ان دوستوں کے حالات جو طریقہ میں داخل ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، لکھتے رہا کریں اور
چند روز آپ یہیں استقامت اختیار کریں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۴۲)

ملا بدیع الدین کی جانب تحریر فرمایا۔ ان کے بعض سوالوں کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
میرے پیارے بھائی کو معلوم ہو کہ درویش کمال نے (آپ کا) مکتوب شریف پہنچایا، خوشی کا موجب بنا۔ آپ نے جو
دید قصور اور اپنی نیتوں اور اعمال کو الزام زدہ رکھنے کے بارے میں لکھا تھا، وہ واضح ہوا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے اس دید
میں اضافے کا سوال ہے اور اس الزام کی تکمیل مطلوب ہے، کیونکہ اس راستے میں یہ دونوں دولتیں اصلی امور میں سے ہیں۔
آپ نے لکھا تھا اور دریافت کیا تھا کہ اسم ذات تعالیٰ و تقدس کا شغل کہاں تک ہے؟ اور اس اسم مبارک کی مداومت
سے کس قدر پردے دور ہوتے ہیں اور نفی و اثبات کی نہایت کی حد کہاں تک ہے؟ اور اس متبرک کلمہ سے کیسی کشائش پیش آتی
ہیں اور کس قدر پردے اٹھ جاتے ہیں؟

جاننا چاہیے کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے اور چونکہ ظاہر کو غفلت سے چارہ نہیں ہے، خواہ ابتدا میں ہو اور خواہ انتہا
میں ہو۔ پس ظاہر ہر وقت ذکر کا محتاج ہوا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بعض اوقات میں اسم ذات عز وجل کا ذکر بہت زیادہ فائدہ مند ہے اور بعض دوسرے اوقات میں
نفی و اثبات کا ذکر بہت زیادہ مناسب ہے۔ باقی رہا باطن کا معاملہ۔ وہاں بھی جب تک غفلت کلی طور پر دور نہ ہو جائے (اس
وقت تک) ذکر کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ اتنا ہے کہ ابتدا میں یہ دونوں ذکر متعین ہیں اور وسط اور انتہا یہ دونوں ذکر متعین نہیں
ہیں۔ اگرچہ تلاوت قرآن اور نفل نمازوں کی ادائیگی سے بھی غفلت دور کی جاسکتی ہے، نیز (اس کی) گنجائش ہے، لیکن تلاوت
قرآن متوسط حال (ساک) کے لیے مناسب ہے اور نفل نمازوں کی ادائیگی منتہی حال (ساک) کے لیے مناسب ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کا حضور جو اسماء و صفات کے ملاحظہ سے ہو، خواہ دائمی ہو، وہ وحدت مجردہ کی
جانب متوجہ رہنے والوں کے ہاں غفلت میں داخل ہے۔ اس غفلت کو بھی دور کرنا چاہیے اور وراء الراء کی جانب جاننا چاہیے:

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست درونِ دیدہ اگر نیمِ دوست بسیار است

یعنی: دوست کی جدائی اگر تھوڑی ہے تو بھی کم نہیں ہے، کیونکہ آنکھ میں اگر آدھا بال ہے تو بھی بہت ہے۔

جو واقعات رونما ہوتے ہیں، آپ نے ان کے بارے میں لکھا تھا۔ (فقیر نے) اس سے پہلے بھی جواب میں لکھا تھا کہ
یہ بشارات (بشارت دینے والے) ہیں، ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں آیا ہے۔ آپ منتظر رہیں اور کام کریں:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادَ وَ دُونَهَا قُلُّ الْجِبَالِ وَ دُونَهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعاد (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے، کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۴۳)

ملا ایوب محتسب کی جانب تحریر فرمایا۔ (اکابر) نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے طریقہ عالیہ پر (استقامت کی) ترغیب میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
میرے پیارے بھائی کو معلوم ہو کہ آپ نے چند دفعہ متعدد خطوط میں نصیحتیں طلب کی تھیں، لیکن یہ حقیر اپنی خرابیوں پر نظر ڈالتے ہوئے اس سوال کو قبول کرنے کا اقدام نہیں کرتا تھا۔ (اب) جب مکرر طلب ہوئی تو ضرورت کے تحت چند بے ربط فقرے لکھ دیے ہیں۔ (آپ) غور سے سنیں اور سمجھیں کہ جو کچھ اس بندے پر (واجب) ہے اور (اس کے لیے) ضروری ہے اور (وہ) اس کا مکلف ہے، وہ اوامر کا بجالانا اور نواہی سے دور رہنا ہے۔ (یہ آیت) کریمہ اس چیز پر گواہ ہے:

مَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (سورۃ حشر، ۷)

یعنی: پس جو چیز تم کو نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔
چونکہ (سالک) اخلاص پر مامور ہے: اَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ. (سورۃ زمر، ۳)
یعنی: خبردار! خالص دین اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

اور یہ فنا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور محبت ذاتیہ کے سوا متصور نہیں ہوتا۔ یقیناً صوفیہ کے طریقہ کا سلوک، جس سے فنا اور محبت ذاتیہ حاصل ہوتی ہے، بھی ضروری ہوا، تاکہ اخلاص کی حقیقت کی صورت بنے۔ چونکہ صوفیہ کے طریقے کمال و تکمیل کے مراتب میں مختلف ہیں، لہذا جو طریقہ روشن سنت کو لازم پکڑنے والا ہو اور شرعی احکام کے بجالانے میں زیادہ موافقت رکھتا ہو، اختیار کرنے کے لیے (یہ) زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔ یہ طریقہ اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم العلیہ کا طریقہ ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے اس طریقہ میں سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو وہ رخصت پر عمل کرنا پسند نہیں کرتے، خواہ بظاہر باطن میں اسے مفید پائیں۔ اور وہ عزیمت پر عمل کرنا نہیں چھوڑتے، خواہ ظاہری طور پر باطن میں اسے نقصان دہ سمجھیں۔ انہوں نے احوال و مواجید کو شرعی احکام کے تابع بنایا ہے اور وہ اذواق و معارف کو دینی علوم کا خادم سمجھ کر شریعت کے نفیس جواہرات کو بچوں کی طرح وجد و حال کے اخروٹ و منقہ کے بدلے ہاتھ سے نہیں دیتے اور صوفیہ کی بے فائدہ باتوں پر مغرور اور فریفتہ نہیں ہوتے۔ نص (قرآن) کو چھوڑ کر فص (فصول الحکم) کی طرف راغب نہیں ہوتے اور فتوحات مدنیہ (احادیث) کو چھوڑ کر فتوحات مکیہ (ابن العربی) کی جانب التفات نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے حال کو دوام ہے اور ان کے وقت کو تسلسل (حاصل) ہے۔ ماسوی (اللہ) کے نقوش ان کے باطن سے اس طرح مٹ جاتے ہیں کہ اگر ماسوا کو حاضر کرنے کے لیے ہزار سال کوشش کریں تو بھی وہ میسر نہ ہو اور وہ تجلی ذاتی جو دوسروں کے لیے برق

کی طرح ہے، ان بزرگواروں کے لیے دائی ہے اور جس حضور کے پیچھے غیبت ہو، وہ ان عزیزوں کے ہاں اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ (یہ آیت) ان کے حال کی شان کو بیان کرتی ہے: رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (سورۃ نور، ۳۷) یعنی: وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

علاوہ ازیں ان کا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے اور یقیناً (اللہ تک) پہنچانے والا ہے اور دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں درج ہے اور ان کی نسبت جو حضرت (ابوبکر) صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے، وہ مشائخ کی تمام نسبتوں سے برتر ہے، لیکن ہر کسی کی سمجھ ان اکابر کے مذاق تک نہیں پہنچتی۔ ممکن ہے کہ اس طریقہ عالیہ کے کم ہمت لوگ بھی ان (اکابر) کے بعض کمالات کا انکار کریں:

قاصدے گر کند ایں طائفہ راطن قصور حاش للہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
یعنی: اگر کوئی کوتاہ نظر اس گروہ (نقشبندیہ) کو ناکامی کا طعنہ دے تو اللہ کی پناہ کہ میں اس شکایت کو زبان پر لاؤں۔
عربی شاعر (فرزدق) فرماتا ہے:

أُولَئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ إِذَا جَمَعْتُنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعُ

یعنی: میرے باپ دادا تو ایسے ہیں، اے جریر! جب ہم مجالس منعقد کریں تو تو بھی ان جیسے لے آ۔
حضرت خواجہ احرار قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کے خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہر فریبی و ریاکار اور رقص کرنے والے کے ساتھ نسبت نہیں رکھتے، ان کا معاملہ بلند ہے:

حیف باشد شرح او اندر جہاں ہچو رازِ عشق باید در نہاں
لیک گفتم وصف او تا راہ برند پیش از اں کز فوتِ آں حسرت خورد

یعنی: جہان میں اس کی شرح بیان کرنا ظلم ہے، اسے عشق کے راز کی مانند پوشیدہ رہنا چاہیے۔
♦ لیکن میں نے اس کی صفت بیان کر دی ہے، تاکہ لوگ اس کا کھوج لگائیں، اس سے پہلے کہ اس کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد افسوس کریں۔

اگر ان بزرگواروں کے خصائص و کمالات میں کئی دفتر لکھے جائیں تو بھی وہ دریائے بے نہایت سے ایک قطرے کی مانند ہیں:

ع دادیم ترا ز گنج مقصود نشان

یعنی: ہم نے تجھے گنج مقصود کا پتا بتا دیا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۴۴)

ملا محمد صالح کو لابی کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس خط کے جواب میں جو انہوں نے اپنی خرابی کے بارے میں لکھا تھا۔ میرے سعادتمند بھائی خواجہ محمد صالح کا مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے اپنے احوال کی خرابی لکھی تھی۔ امید ہے کہ اس سے بھی زیادہ خراب ہوں گے اور اس خرابی کی انتہا ایک مکتوب، جو انہی دنوں میں (فقیر نے) اپنے سعادتمند فرزند (خواجہ محمد صادق) کے نام لکھا ہے، میں درج ہو چکی ہے۔ آپ وہاں سے معلوم فرمائیں گے۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ آپ کا وہاں چند روز رہنا دوستوں کی جمعیت کا سبب ہے تو بہتر ہے کہ چند روز اور بھی ٹھہر جائیں۔ فقیر بھی عنقریب دہلی شریف کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے، کیونکہ استخارے اور توجہات اس سفر کے باعث ہیں۔

یہ مقام میرے سعادتمند فرزند (خواجہ محمد صادق) کو عنایت فرمایا گیا ہے اور ان کی ولایت میں داخل کیا گیا ہے۔ فقیر یہاں مسافروں کی طرح ان کی ولایت میں بیٹھا ہے۔

جو دوست طریقہ عالیہ میں داخل ہوئے ہیں، خاص کر کے میرے سید مرتضیٰ، مولانا شکر اللہ اور میرے سید نظام بہت زیادہ دعا و سلام کے لیے مخصوص ہیں۔ میرے فرزند خواجہ محمد صادق اور ان کے سب بھائی آپ کو اور سب دوستوں کو سلام و دعا پیش کرتے ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۴۵)

سید انبیاء (ملا صالح) کو تحریر فرمایا۔ ان سوالات کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر عرض) کرتا ہے کہ آپ نے جو مکتوب شریف قاصد کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا (اور) خوشی کا موجب بنا۔ آپ نے لکھا تھا کہ ذکر نفی و اثبات کا ذکر اکیس کے عدد تک پہنچا لیا ہے، لیکن مداومت (ہیشگی) نہیں رہتی اور کبھی کبھی غیبت بھی پیش آ جاتی ہے۔

میرے محبت آثار! ذکر کرنے میں ظاہراً (ذکر کی) شرائط میں سے کوئی شرط گم ہے جس کی وجہ سے اس عدد پر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا۔ آپ ملاقات کے وقت ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم کر لیں گے۔

دوسرا آپ نے اس قول کے معنی دریافت کیے تھے اور لکھا تھا کہ حضرت (ابوبکر) صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کام کو مکمل کر کے فرمایا کہ ذِكْرُ اللِّسَانِ لِقَلْقَةٍ وَذِكْرُ الْقَلْبِ وَسُوسَةٌ وَذِكْرُ الرُّوحِ شُرُكٌ وَذِكْرُ السِّرِّ كُفْرٌ.

یعنی: زبان کا ذکر فضول ہے اور قلب کا ذکر وسوسہ ہے اور روح کا ذکر شرک ہے اور سر کا ذکر کفر ہے۔

(جواب) آپ سمجھ لیں کہ جب ذکر ذکر اور مذکور کی خبر دینے والا ہے، خواہ کوئی ذکر ہو اور (اس کا) مقصود ذکر و ذکر کا

مذکور میں فنا ہونا ہے تو اس وجہ سے ذکر کو فضول و وسوسہ اور شرک و کفر فرمایا:

بہرچہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایمان بہرچہ از راہ دورافتی چہ زشت آں حرف و چہ زیبا^(۱) یعنی: جس چیز کی وجہ سے تو دوست سے دور ہو جائے وہ چاہے کفر ہو اور چاہے ایمان، برابر ہے اور جس چیز کے ذریعے

تو راستے سے بھٹک جائے، خواہ وہ بری ہو اور خواہ اچھی ہو (وہ برابر ہے)۔

لیکن ذکر کے لیے ان ناموں کے عارض ہونے کو فناء و بقا کے حاصل ہونے سے پہلے جاننا چاہیے، کیونکہ بقا کے حاصل ہونے کے بعد ذکر کا وجود اور ذکر کا ثبوت اس سے مذموم نہیں ہے اور اگر اس چیز میں کوئی اخفارہ گیا ہو تو پھر آپ ملاقات کے وقت پوچھ لیں گے، کیونکہ تحریر کا حوصلہ تنگ ہے۔ پس اس قول کو حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کی جانب منسوب کرنا، خاص کر کے کام کی تکمیل کے بعد مستحسن نہیں ہے۔

دوسرا سوال جو آپ نے لکھا تھا، یہ تھا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر (رحمۃ اللہ علیہ) نے بوعلی سینا سے مقصود پر دلیل طلب کی تھی اور انہوں نے جواب میں لکھا کہ ”کفر حقیقی میں داخل ہو جاؤ اور اسلام مجازی سے باہر آ جاؤ“، شیخ ابوسعید (رحمۃ اللہ علیہ) نے عین القضاۃ ہمدانی (رحمۃ اللہ علیہ) کو لکھا کہ ”اگر میں (ایک) لاکھ سال عبادت کرتا تو بھی وہ چیز حاصل نہ ہوتی جو ابوعلی سینا کے اس کلمہ سے حاصل ہوئی ہے۔“ عین القضاۃ (رحمۃ اللہ علیہ) نے (جواب میں) لکھا کہ ”اگر آپ سمجھ لیتے تو اس بیچارے کی طرح مطعون اور ملامت زدہ ہو جاتے۔“

(جواب) جاننا چاہیے کہ کفر حقیقی سے مراد ہے دوئی کا بالکل دور ہو جانا اور کثرت کا کُلّی طور پر چھپ جانا ہے، جو فنا کا مقام ہے۔ اس کفر حقیقی کے اوپر اسلام حقیقی کا مقام ہے جو بقا کا محل ہے۔ کفر حقیقی کو اسلام حقیقی سے نسبت دینا سراسر عیب ہے۔ ابن سینا کی کوتاہ نظری ہے کہ اس نے اسلام حقیقی کی جانب رہنمائی نہیں کی اور درحقیقت اس کو کفر حقیقی سے بھی کچھ نصیب نہیں تھا۔ اس نے علم و تقلید کی رو سے کہا ہے اور لکھا ہے، بلکہ اس نے اسلام مجازی سے بھی وافر حصہ حاصل نہیں کیا، بلکہ وہ فلسفہ کی بیکار الجھنوں کا شکار رہا۔

امام (ابو حامد محمد) غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) اس کی تکفیر کرتے ہیں۔ واقعی اس کے فلسفی اصول اسلام کے اصول کے مخالف ہیں۔ دوسرا یہ کہ شیخ ابوسعید (رحمۃ اللہ علیہ) عین القضاۃ (رحمۃ اللہ علیہ) سے بہت پہلے ہوئے ہیں، وہ اس کی طرف کیسے لکھتے؟ اگر اس بارے میں کوئی شبہ باقی رہ گیا ہو تو پھر آپ ملاقات کے وقت پوچھ لیں گے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۴۶)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ اس مقام کے حاصل ہونے کے بیان میں جس کے وہ کمال و تکمیل کے مراتب میں امیدوار اور منتظر تھے اور اس بے توفیقی کی وجہ کے بیان میں جو بعض اوقات میں طاری ہو جاتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورۃ فاتحہ، ۱) وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّاهِرِينَ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

یعنی: شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک آل اور تمام صحابہ (کرام) پر درود (وسلام) ہو۔

آپ کے جو مکتوبات شریف مسلسل اور لگاتار پہنچے، انہوں نے بہت زیادہ خوشیاں پہنچائیں۔ کوئی قاصدان اطراف

میں جانے والا نہ تھا، تاکہ (فقیر) ہر ایک کا الگ جواب لکھتا۔ آپ معذور سمجھیں گے۔

آپ نے جو مکتوب میرداد کے ہاتھ ارسال کیا تھا، اس کے موصول ہونے کے بعد ایک روز (فقیر) صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ ارادی یا غیر ارادی طور پر آپ کی جانب ایک توجہ پیدا ہوئی اور بقایا آثار جو آپ میں نظر آتے تھے (فقیر) ان کو دور کرنے میں مصروف ہوا اور جو ظلمتیں اور کدورتیں محسوس ہوتی تھی (فقیر) ان کے دفع کرنے کا اہتمام کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کے کمال کا ہلال بدرِ کامل (چودھویں کا چاند) بن گیا اور جو کچھ ہدایت کے سورج میں بطور امانت رکھا گیا تھا، وہ سب اس بدر میں منعکس ہو گیا، یہاں تک کہ کمال کی جانب میں کوئی ایسی چیز باقی نہ رہی جس کی توقع اور انتظار ہو۔ اَلَا اَنْ يَتَسَعَ الظُّرْفُ بَعْدَ ذٰلِكَ وَيَاْخُذَ بِقَدْرِ وُسْعِهِ شَيْئًا فَشَيْئًا۔

یعنی: سوائے اس کے کہ ظرف وسیع ہو جائے اور اس کے بعد اپنی وسعت کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل کر لے۔ ایک لمبے وقت تک (فقیر نے) اس مثالی صورت کو نظر میں رکھا، یہاں تک کہ وہ یقین جو صدق کا مصداق ہے، حاصل ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِكَ۔ یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔

اس دولت کا حاصل ہونا اس واقعہ کی تاویل ہے جو آپ نے دیکھا تھا اور جس کے حصول کے لیے آپ بڑے مبالغہ اور تاکید کے ساتھ سوال کرتے تھے۔ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ آپ کا قرض مکمل طور پر ادا ہو گیا اور وعدہ وفا ہو گیا اور کیا گیا معاہدہ پورا ہو گیا۔ (فقیر) امیدوار ہے کہ اس کمال کے اندازے کے مطابق تکمیل حاصل ہوگی اور اس علاقے کے جنگل و صحرا آپ کے وجود شریف سے منور ہوں گے۔

آپ نے اپنی بے توفیقی کے بارے میں لکھا تھا۔ ظاہری طور پر اس کا سبب قبض کی کثرت ہے اور چونکہ آپ کی قبض کثرت والی اور طویل عرصہ طاری رہنے والی ہے، (لہذا) اس کا اثر و نتیجہ بھی سبب کے اندازہ کے مطابق طویل (دیر تک) ہو گا۔ اس کے باوجود آپ خود کو تکلف کے ساتھ اعمال کے بجالانے اور عبادات کے ادا کرنے میں مصروف رکھیں اور سختی سے اس چیز پر قائم رہیں۔

دوسرا یہ کہ اس سال میں بلند علوم اور ارجمند معارف ظہور میں آئے ہیں۔ ان میں سے دو مسودوں کو اخون مولانا محمد امین ساتھ لائے ہیں۔ ایک ہمارے حضرت خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ کی بعض رباعیات کی شرح کے حل میں ہے جو فیروز آباد کے دوستوں کی قرأت کے وقت لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں تو حیداً میز علوم ان رباعیات کے مناسب درج ہوئے ہیں اور علماء اور صوفیہ جو وحدت الوجود کے قائل ہیں، کے درمیان اس طرح مطابقت^(۱) پیدا کی گئی ہے کہ فریقین کا نزاع (صرف) لفظی رہ گیا ہے۔ ان دو مسودات میں سے دوسرا وہ مکتوب ہے جو میرے سعادتمند فرزند^(۲) کے نام طوالت اور وضاحت کے ساتھ تحریر ہوا ہے۔ ان علوم کے مرتبہ کی بلندی مطالعہ کے وقت آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ اگر اس میں سے کسی معاملہ میں شبہ رہ گیا ہو تو آپ دریافت کر لیں۔

مکتوب نمبر (۲۴۷)

عرفان پناہ مرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ حق تعالیٰ و تقدس کے وجود پر حق جل سلطانہ کا (اپنا)

وجود ہی دلیل ہے، نہ کہ اللہ سبحانہ کا ماسویٰ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔
عَرَفْتُ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ لَا بَلْ عَرَفْتُ فَسَخَ الْعَزَائِمِ رَبِّي. (۱)

یعنی میں نے (اپنے رب کو) ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا، نہیں بلکہ ارادوں کے ٹوٹنے کو اپنے رب کے ساتھ پہچانا ہے۔
کیونکہ اللہ سبحانہ اپنے ماسویٰ پر دلیل ہے، غیر اللہ حق سبحانہ و تعالیٰ پر دلیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ دلیل اپنے مدلول سے زیادہ روشن ہوتی ہے اور کوئی چیز اللہ سبحانہ سے زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ یقیناً تمام چیزیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ اور اسی سے ظاہر ہوئی ہیں، نہ کہ حق جل سلطانہ کے غیر سے۔ پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی اپنی ذات پر اور اپنے غیر پر دلیل ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ عَرَفْتُ رَبِّي وَ عَرَفْتُ الْأَشْيَاءَ بِهِ تَعَالَى۔

یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے رب کے ذریعے پہچانا اور میں نے چیزوں کو (بھی) اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ پہچانا۔
پس استدلال اس جگہ ”لِمِّي“ (۲) ہے اور اکثر کے گمان میں ”اِنِّي“ ہے۔ اور فرق نظر کے فرق سے ہے اور فکر و اختلاف نظر و فکر کے لحاظ سے ہے، بلکہ استدلال اور برہان کی اس جگہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ کے وجود میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اور حق تعالیٰ کے ظہور میں کوئی شک اور کوئی تردید نہیں ہے۔ پس حق تعالیٰ تمام واضح چیزوں سے بہت زیادہ ظاہر ہے اور یہ چیز کسی بھی شخص پر مخفی نہیں رہی ہے، سوائے اس آدمی کے جس کے دل میں بیماری اور آنکھوں پر پردہ ہو۔ حالانکہ سب چیزیں ظاہری حواس سے محسوس ہیں اور ضروری طور پر معلوم ہیں۔ یعنی یہ کہ ان کا وجود حق تعالیٰ و تقدس کی تخلیق سے ہے۔ بعض لوگوں کو اس کا علم حاصل نہ ہونا قلبی بیماری کے لاحق ہونے کی وجہ سے ہے جو (اصل) مقصود میں نقصان دہ نہیں ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ اَتَمُّهَا وَاكْمَلُهَا۔

یعنی: آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۴۸)

یہ بھی عالی جناب میرزا حسام الدین کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کامل پیروکاروں کو ان کے تمام کمالات میں پیروی کرنے کے طریقے سے حصہ نصیب ہے۔ نیز اس بیان میں کہ کوئی ولی کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کی تحقیق کہ تجلی ذاتی جو آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہے، اس کے کیا معنی ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (سورة الاعراف، ۴۳) صَلَوَاتُ اللَّهِ تَعَالَى وَتَسْلِيمَاتُهُ سُبْحَانَهُ عَلَيْهِمْ وَعَلَى اتْبَاعِهِمْ وَأَنْصَارِهِمْ وَأَعْوَانِهِمْ وَخَزَنَةِ أَسْرَارِهِمْ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔

پیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔ ان پر، ان کی پیروی کرنے والوں پر، ان کے انصار و مدگاروں پر اور ان کے رازوں کے خزانچوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام ہو۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کامل تابعدار متابعت کے کمال اور محبت کی زیادتی کی وجہ سے، بلکہ محض عنایت و بخشش (الہی) کے ذریعے ان انبیاء (علیہم السلام) کے تمام کمالات جذب کر لیتے ہیں، جن کی وہ اتباع کرتے ہیں اور کئی طور پر ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اتباع کرنے والوں اور جن کی اتباع کی جاتی ہے، ان کے درمیان اصالت و تبعیت اور اڈیت و آخریت کے سوا کوئی فرق نہیں رہتا۔ اس کے باوجود کوئی اتباع کرنے والا خواہ وہ افضل الرسل (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابعداروں میں سے ہو، وہ کسی نبی (علیہ السلام) کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اگرچہ وہ تمام انبیاء (علیہم السلام) سے کم درجے کا ہو۔ لہذا حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) جو انبیاء (علیہم السلام) کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں، ان کا سر ہمیشہ اس پیغمبر (علیہ السلام) کے زیر قدم ہوگا جو تمام انبیاء سے کم درجے کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء اور ان کے ارباب تعینات کے مبادی مقام اصل سے ہیں اور سب اعلیٰ و اسفل امتوں اور ان کے ارباب کے مبادی اس اصل کے ظلال (سایوں) کے مقامات سے اپنے اپنے درجات کے مطابق ہیں۔ پس اصل اور ظل (سایہ) کے درمیان مساوات کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ. إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ. وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ. (سورۃ صافات، ۱۷۱-۱۷۳) یعنی: اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں (انبیاء) سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ یقیناً وہی فتح یاب ہوں گے اور یقیناً ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

یہ جو کہتے ہیں کہ تجلی ذات تعالیٰ و تقدس انبیاء کے درمیان حضرت خاتم النبیین علیہ علیہم الصلوٰات والتحیات کے لیے مخصوص ہے اور آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل تابعداروں کو بھی اس تجلی سے حصہ نصیب ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تجلی ذات (دوسرے) انبیاء (علیہم السلام) کو نصیب نہیں ہے اور تابعداری کی بدولت (ان کے) کا ملین کو نصیب ہے۔ حاشا و کلا کہ کوئی اس سے اس مطلب کا تصور کرے، کیونکہ اس میں اولیاء کی انبیاء پر فوقیت ہوتی ہے۔ بلکہ اس تجلی کا آنسور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مخصوص ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دوسروں کو اس تجلی کا حاصل ہونا آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے طفیل اور اتباع سے نصیب ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات کو اس تجلی کا حاصل ہونا آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل سے ہے اور اس امت کے کامل اولیاء کو بھی آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع سے نصیب ہے۔ انبیاء (علیہم السلام) اس نعمتِ عظمیٰ کے دسترخوان پر آنسور علیہم الصلوٰات والتحیات کے طفیل ہم نشین ہیں اور اولیاء بچا کھچا کھانے والے خادم ہیں۔ طفیلی ہم نشین اور بچا کھچا کھانے والے خادم کے درمیان بہت فرق ہے۔ اس مقام پر قدم لغزش کھا جاتے ہیں۔

اس تحقیق میں اور اس شبہ کو دور کرنے کے لیے فقیر نے اپنے مکتوبات و رسائل میں مختلف وجوہات بیان کی ہیں اور درست وہی ہے جس کی میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس مسودہ میں تحقیق کی ہے۔

آپ کو معلوم شریف ہوگا کہ اگرچہ سب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے طفیل اس تجلی سے وافر حصہ نصیب ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس ولایتِ خاصہ نے ان کی امتوں کے اولیاء میں سرایت

نہیں کی ہے اور انہوں نے اس تجلی سے کوئی حصہ حاصل نہیں کیا ہے، کیونکہ جب ان کے اصول میں یہ دولت طفیلی اور عکسی طور پر ہو تو پھر فروع میں عکس کے عکس کے طریقہ سے کیا پہنچ سکتا ہے۔ اس چیز کی صداقت کا ثبوت واضح کشف ہے نہ کہ عقلی دلیل پیش کرنا۔

جو کچھ اس سے پہلے بیان ہوا ہے کہ کامل تابعدار (اپنے) متبوعین (جن کی اتباع کرتے ہیں) کے تمام کمالات جذب کر لیتے ہیں، اس سے مراد متبوعین کے اصلی کمالات ہیں، نہ کہ مطلقاً، تاکہ تناقض پیدا نہ ہو، بلکہ یہ لوگ تبعیت (اتباع کرنے) سے انبیاء میں سے اپنے ہر نبی کی ولایت مخصوصہ سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ (چونکہ) سب امتوں کے درمیان یہی امت اتباع کرنے سے اس تجلی (ذاتی) سے مخصوص ہے اور اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہے، لہذا وہ خیر الامم (سب سے بہترین امت) بن گئی ہے اور اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہو گئے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۃ الحدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ (فقیر نے) چاہا کہ اس ولایت خاصہ کے فضائل اور خصوصیات میں سے تھوڑا سا لکھے، (لیکن) وقت کی تنگی نے یاری نہیں کی اور کاغذ بھی کم ہو گیا۔ اللہ سبحانہ کی عنایت سے علوم و معارف بہار کے بادل کی مانند برس رہے ہیں اور رازوں کے عجائب و غرائب کی اطلاع بخش رہے ہیں۔ اس راز کے محرم (اپنی) استعداد کے مطابق میرے بزرگوار فرزند ہیں، دوسرے دوست چند روز (میرے پاس) حاضر ہیں اور چند روز (مجھ سے) دور ہیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اگر چہ ولی، ولی (کامل) ہو، لیکن وہ صحابی کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق حد سے زیادہ ہے۔ آپ نے جو گرامی نامہ اس حقیر کے نام ارسال فرمایا تھا، (فقیر) اس کے پہنچنے سے مشرف ہوا۔ اعمال کی دید قصور بہت بڑی نعمت ہے، لیکن تمام امور میں میانہ روی قابل تعریف ہے۔ افراط زیادتی کی صورت میں اعتدال کی حد سے باہر ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ وَ التَّسْلِیْمٰتِ۔
یعنی: آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۳۹)

میرزا داراب کو تحریر فرمایا۔ سید الاولین والآخرین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کے فضائل اور اس پر مرتب ہونے والے کمالات اور اس کے مخصوص مراتب کے بیان میں۔
الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا ہے۔
آخرت کی نجات اور ابدی فلاح سید الاولین والآخرین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت سے وابستہ ہے، لہذا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت سے ہی حق جل سلطانہ کی محبوبیت کے مقام تک پہنچتے

ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت ہی سے تجلی ذاتِ تعالیٰ و تقدس سے مشرف ہوتے ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی متابعت سے عبدیت کے مرتبہ پر جو کمال کے تمام مراتب سے بلند ہے اور مقامِ محبوبیت کے حاصل ہونے کے بعد ہے، سرفراز فرماتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل تابعداروں کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند فرماتے ہیں اور اولوالعزم پیغمبرِ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کی آرزو کرتے ہیں۔ اگر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کو بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔^(۱) نیز حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) کے نزول اور اللہ کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کرنے کا قصہ معلوم (اور) مشہور ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت سے خیر الامم (سب سے بہترین امت) بنی ہے اور (یہ) جنتیوں میں کثیر تعداد والی (امت) قرار پائی ہے۔ کل (قیامت) کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی متابعت کی بدولت (اس امت کے لوگ) تمام امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور عیش و راحت کی نعمتیں پائیں گے۔ اسی طرح اور اسی طرح ہوگا۔ پس آپ پر نبی کریم علیہ وعلیٰ جمیعِ اخوانہ من الصلواتِ افضلُها و من التسلیماتِ اکملُها کی متابعت کرنا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کو لازم پکڑنا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت (کے احکام) کو بجالانا واجب ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ (فقیر) شیخ اسماعیل کی سفارش کرتا ہے جو معارف آگاہی حاجی عبدالحق کے دوستوں میں سے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۰)

ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے بعض سوالات کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِیغِ الدَّعْوَاتِ.
یعنی: شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
(فقیر عرض) کرتا ہے کہ اس علاقے کے فقرا کے حالات و کیفیات حمد کے لائق ہیں۔ وَالْمَسْئُولُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ عَافِیْتُکُمْ. یعنی: اور اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی کا سوال ہے۔
مکتوب شریف موصول ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ جو ذوق و خوشی (بندہ) پہلے رکھتا تھا، وہ اپنے اندر اب نہیں پاتا اور اس (چیز) کو وہ اپنا زوال سمجھتا ہے۔

میرے بھائی کو معلوم ہو کہ (آپ کی) پہلی حالت اہل وجد و سماع کی مانند تھی، جس میں جسم کو کامل دخل تھا اور جو حالت اب میسر ہوئی ہے اس میں جسم کو بہت کم حصہ نصیب ہے (اور) وہ قلب اور روح سے زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ اس معاملے کا بیان ایک تفصیل چاہتا ہے۔ الغرض دوسری حالت درجات میں پہلی حالت سے زیادہ بلند ہے اور ذوق کا نہ ہونا اور خوشی کا نہ پانا، ذوق و خوشی کے پانے سے برتر ہے۔ کیونکہ نسبت جس قدر جہالت کی طرف لے جائے اور حیرت میں ڈال دے اور جسم سے

زیادہ دور چلی جائے، وہ اسی قدر اسیل اور مقصود کے حاصل ہونے کے زیادہ نزدیک ہے۔ اس لیے کہ اس مقام میں عاجزی اور نادانی کے سوا (کسی چیز کی) گنجائش نہیں ہے۔ جہل کی تعبیر معرفت سے کرتے ہیں اور عاجزی کو ادراک کا نام دیتے ہیں۔ آپ نے لکھا تھا کہ اس نسبت کو جو تاثیر پہلے حاصل تھی، وہ اب نہیں رہی۔ جی ہاں! جسمانی تاثیر نہیں رہی، لیکن روحانی تاثیر بہت زیادہ پیدا ہو گئی ہے۔ اگرچہ ہر شخص اس کو درک نہیں کرتا۔ کیا کیا جائے کہ اس فقیر کے ساتھ آپ کی صحبت کی مدت بہت کم رہی ہے اور علوم و معارف خاصہ بھی کم بیان ہوئے ہیں، مگر یہ کہ شاید حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو منظور ہو کہ دوبارہ صحبت حاصل ہو جائے اور چند روزا کٹھے رہیں۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ کیا زادراہ اور سواری رکھنے کے باوجود اس زمانے میں مکہ (مکرمہ) جانا فرض ہے یا نہیں؟ میرے مخدوم! اس بارے میں فقہی روایات میں بہت اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں پسندیدہ فتویٰ فقیہ ابواللیث (رحمۃ اللہ علیہ) کا ہے، جنہوں نے کہا ہے کہ ”اگر راستے میں امن اور ہلاک نہ ہونے کا گمان غالب ہے تو اس کی فرضیت ثابت ہے، ورنہ نہیں، لیکن یہ وجوب ادا کی شرط ہے، نفس وجوب کی شرط نہیں ہے۔“ یہی صحیح ہے۔ پس اس صورت میں حج کی وصیت واجب ہوگی۔

چونکہ وقت نے یاری نہیں کی، لہذا آپ کے دوسرے سوالات کا جواب کسی اور مکتوب پر موقوف کر دیا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۱)

مولانا محمد اشرف کو تحریر فرمایا۔ خلفائے راشدینؓ کے فضائل، حضراتِ شیخینؓ (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی فضیلت اور حضرت امیر (علیؓ) کے بعض خصائص کے بیان میں، نیز صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعظیم و توقیر کے بیان میں اور ان کے جھگڑوں اور لڑائیوں کے بارے میں درست موقف کے بیان میں اور جو کچھ اس سے تعلق رکھتا ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ .

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

میرے سعادتمند بھائی خواجہ محمد اشرف کو معلوم ہو کہ بعض نادریوں، عجیب اسرار، تعجب انگیز عطائیں اور معارف شریفہ جو اکثر حضراتِ شیخین (ابوبکر و عمر)، ذی النورین (عثمان) اور حیدر کرار رضی اللہ عنہم اجمعین سے تعلق رکھتے ہیں (فقیر) اپنی ناقص سمجھ کے مطابق (وہ) لکھتا ہے۔ آپ ہوش کے کانوں کے ساتھ سماعت فرمائیں:

حضرت (ابوبکر) صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت (عمر) فاروق رضی اللہ عنہ کمالاتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حاصل ہونے اور ولایتِ مصطفویٰ علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات پر پہنچنے کے باوجود پہلے انبیاء کے درمیان ولایت کی طرف میں حضرت ابراہیم صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علی نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور دعوت کی طرف میں جو کہ نبوت کے مقام کے مناسب ہے، حضرت موسیٰ صلوٰۃ اللہ سبحانہ و تعالیٰ و تسلیماتہ علی نبینا وعلیہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ حضرت ذی النورین (عثمان غنی رضی اللہ عنہ) دونوں طرف میں حضرت نوح صلوٰۃ اللہ سبحانہ و تعالیٰ و تسلیماتہ علی نبینا وعلیہ سے مناسبت رکھتے ہیں اور حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) دونوں

طرف میں حضرت عیسیٰ صَلَوَاتُ اللہِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُہُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلِیْہِ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، (لہذا) یقیناً ان میں ولایت کی طرف نبوت کی جانب سے (زیادہ) غالب ہے اور حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) میں بھی اس مناسبت کی وجہ سے طرفِ ولایت غالب ہے۔ خلفائے اربعہؓ (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ) کے تعینات کے مبادی جہتوں کے اختلاف کی وجہ سے اجمالی اور تفصیلی طور پر صفت علم ہیں اور یہ صفت اجمال کے اعتبار سے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب ہے اور تفصیل کے لحاظ سے حضرت خلیل (علیہ السلام) کا رب ہے اور اجمال و تفصیل کی برزجیت کے اعتبار سے حضرت نوح (علیہ السلام) کا رب ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا رب صفت کلام ہے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا رب صفت قدرت ہے اور حضرت آدم (علیہ السلام) کا رب صفت تکوین ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) اور حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) مراتب کے اختلاف سے نبوتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بوجھ اٹھانے والے ہیں اور حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی مناسبت اور ولایت کی جانب غلبہ کی وجہ سے ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ حضرت ذی النورین (عثمان غنی رضی اللہ عنہ) نے برزجیت کے اعتبار سے دونوں جانب کا بوجھ اٹھایا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کو اس اعتبار سے بھی ذوالنورین کہتے ہوں۔ چونکہ حضراتِ شیخینؓ (ابوبکرؓ و عمرؓ) نے نبوت کا بوجھ اٹھایا ہے، (لہذا) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں، کیونکہ دعوت کا مقام جو نبوت کے مرتبہ سے پیدا ہوا ہے، وہ ہمارے پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد باقی سب انبیاء کے درمیان ان (حضرت موسیٰ علیہ السلام) میں زیادہ مکمل و کامل ہے اور ان کی کتاب (تورات) قرآن مجید کے بعد تمام نازل ہونے والی کتابوں میں بہترین ہے۔ اس وجہ سے ان کی امت اپنے سے پہلی امتوں سے زیادہ بہشت میں جائے گی، اگرچہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی شریعت اور ملت تمام شریعتوں اور ملتوں سے افضل اور زیادہ کامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افضل الرسل پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی ملت کی متابعت کا حکم فرمایا گیا ہے۔ (یہ آیت) کریمہ اس چیز پر گواہ ہے: ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَیْكَ اَنْ تَتَّبِعَ مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا۔ (سورۃ نحل، ۱۲۳)

یعنی: پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کریں جو ایک طرف کے ہو رہے تھے۔ حضرت مہدی موعود (علیہ الرضوان) جن کا رب بھی صفتِ علم ہے، حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے مناسبت رکھتے ہیں۔ گویا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ایک قدم حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے سر پر ہے اور دوسرا قدم حضرت مہدی (علیہ الرضوان) کے سر پر۔

جاننا چاہیے کہ ولایتِ موسوی (علیہ السلام)، ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دائیں طرف واقع ہوئی ہے اور ولایتِ عیسوی (علیہ السلام) اس ولایت کی بائیں طرف۔ چونکہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بوجھ اٹھانے والے بنے ہیں، لہذا اولیاء کے اکثر سلسلے ان کی جانب منسوب ہوئے ہیں اور حضرت امیر (علی رضی اللہ

عنه) کے کمالات حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی نسبت اکثر گوشہ نشین اولیاء پر جو ولایت کے کمالات سے مخصوص ہیں، بہت زیادہ ظاہر ہوئے ہیں۔ اگر حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو اکثر گوشہ نشین اولیاء کا کشف حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی افضلیت کا حکم کر دیتا۔ کیونکہ حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے کمالات انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کمالات کے مشابہ ہیں اور ارباب ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن تک نہیں پہنچتا اور اہل کشف کا کشف ان کے درجات کی بلندی کی وجہ سے راستے ہی میں بھٹک کے رہ گیا ہے، لہذا ولایت کے کمالات ان کمالات کے پہلو میں یوں پڑے ہیں جیسے کوئی چیز راستے میں پھینک دی گئی ہو۔ ولایت کے کمالات نبوت کے کمالات کی بلندی تک پہنچنے کے لیے زینے ہیں۔ پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر ہے؟ اور مبادی کو مطالب کا کیا شعور ہے؟ آج یہ بات عہد نبوت سے دوری کی وجہ سے اکثر لوگوں کے لیے گراں اور ناقابل قبول ہے، لیکن کیا ہو سکتا ہے؟

در پس آئینہ طوطی صفتم داشته اند ہر چہ استاد ازل گفت ہماں می گویم^(۱)

یعنی: آئینے کے پیچھے مجھے طوطی کی مانند رکھا گیا ہے، جو کچھ استاد ازل کہتا ہے میں وہی کہتا ہوں۔

لیکن الْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور شکر ہے) کہ اس گفتگو میں اہل سنت کے علماء شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش مشکور فرمائے) کے موافق ہوں اور ان کے اجماع سے متفق ہوں۔ ان کے استدلالی (منطقی) علم کو میرے لیے کشفی اور اجمالی کو تفصیلی بنایا گیا ہے۔

اس فقیر کو جب تک اپنے پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت کے ذریعے مقام نبوت کے کمالات تک نہیں پہنچایا گیا اور ان کمالات سے کامل حصہ نہیں دیا گیا (اس وقت تک) شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے فضائل پر کشف کے طریقہ سے اطلاع نہیں بخشی گئی اور تقلید کے سوا کوئی راستہ نہیں دکھایا گیا۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ اعراف، ۴۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشتا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

ایک روز کسی شخص نے نقل کیا کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کا نام بہشت کے دروازے پر لکھا گیا ہے۔ دل میں خیال آیا کہ اس مقام میں حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی کیا خصوصیات ہوں گی؟ کامل توجہ کے بعد ظاہر ہوا کہ بہشت میں اس امت کا داخلہ ان دو اکابر کی رائے اور تجویز سے ہوگا۔ گویا حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) بہشت کے دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کے داخلے کی تجویز فرما رہے ہیں اور حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) ہاتھ پکڑ کر اندر لے جا رہے ہیں اور (یوں) مشاہدہ ہوتا ہے کہ گویا ساری بہشت حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کے نور سے بھری ہوئی ہے۔

اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کا تمام صحابہ (کرامؓ) کے درمیان الگ شان اور منفرد درجہ ہے اور وہ کسی کے ساتھ شراکت نہیں رکھتے۔ حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) حضرت نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ گویا ہم خانہ ہیں، اگر فرق ہے تو (صرف) بلندی اور پستی کا ہے۔ حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) بھی حضرت

(ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں اور تمام صحابہ کرامؓ آنسور علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ ہم سرائی یا ہم شہری ہونے کی نسبت رکھتے ہیں۔ پھر اُمت کے اولیاء (وہاں) کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

ع ایں بس کہ رسد ز دور بانگِ جزم

یعنی: یہی کافی ہے کہ دور سے مجھے گھنٹی کی آواز پہنچتی رہے۔

پس یہ لوگ (حضرات) شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے کمالات کو کب پاسکتے ہیں؟ یہ دونوں بزرگوار بزرگی و بڑائی کی وجہ سے انبیاء (علیہم السلام) میں شمار کیے ہوئے ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) کے فضائل سے موصوف ہیں۔ نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ^(۲)۔ یعنی: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً وہ عمرؓ ہوتا۔

امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھا ہے کہ حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) کی تعزیت کے دنوں میں حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے صحابہ (کرامؓ) کی موجودگی میں کہا: مَاتَ تِسْعَةُ أَغْشَارِ الْعِلْمِ۔ یعنی: آج علم کے دس حصوں میں سے نو حصے (علم) فوت ہو گیا۔

جب انہوں (حضرت عبداللہ عمرؓ) نے بعض (حضرات) میں اس معنی کے سمجھنے میں توقف پایا تو فرمایا: (اس سے) ”میری مراد علم باللہ (معرفتِ الہی) ہے، حیض و نفاس کا علم نہیں ہے۔“

حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں (یہ فقیر) کیا کہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی تمام (عمر کی) نیکیاں ان کی ایک نیکی (کے برابر) ہیں، جیسا کہ خیر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی خبر دی ہے۔^(۳) (یوں) محسوس ہوتا ہے کہ (درجہ کی) جو پستی حضرت (عمر) فاروق (رضی اللہ عنہ) کو حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) سے ہے، وہ اس پستی سے زیادہ ہے جو حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کو حضرت نبی (کریم) علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات سے ہے۔ پس قیاس کرنا چاہیے کہ حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) سے دوسروں کی (درجے میں) پستی کس قدر ہوگی۔ شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) وفات کے بعد بھی حضرت نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے جدا نہیں ہوئے اور ان کا حشر بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہوگا، جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے۔^(۴) پس ان کی فضیلت (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے) سب سے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے ہوگی۔

یہ حقیر بے سروسامان ان حضرات کے کمالات کے بارے میں کیا کہے؟ اور ان کے فضائل سے کیا بیان کرے؟ ذرّے کی کیا طاقت کہ وہ سورج کے متعلق بات کرے اور قطرے کی کیا مجال کہ وہ بحرِ محیط کی بات زبان پر لائے۔

ان اولیائے کرام نے جو خلقت کی دعوت کی جانب متوجہ ہیں اور ولایت و دعوت دونوں سے کامل حصہ رکھتے ہیں، نیز تابعین اور تبع تابعین میں سے مجتہد علماء نے (اپنے) صحیح کشف کے نور، سچی فراست اور متواتر اخبار کے ذریعے شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے کمالات میں سے کچھ کو درک کر کے اور ان کے فضائل میں سے تھوڑے سے پہچان کرنا چار ان کی شان کی افضلیت کا حکم دیا ہے اور اس بات پر اجماع فرمایا ہے اور جو کشف اس اجماع کے خلاف ظاہر ہوا ہے اس کو عدم صحت پر محمول کرتے ہوئے اس پر اعتبار نہیں کیا اور کس طرح (ایسے کشف کا) اعتبار کیا جاسکتا ہے، جبکہ صدرِ اول میں ان کی افضلیت صحیح (ثابت)

ہو چکی ہے، جس طرح کہ (حضرت امام) بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے:

قَالَ كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ تَتَرَكُ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا نَفْضِلُ بَيْنَهُمْ.

یعنی: (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے) فرمایا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کسی کو حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ)، پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہ)، پھر حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (کرامؓ) کو چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

اور (سنن) ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے: قَالَ كُنَّا نَقُولُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَفْضَلَ أُمَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ. یعنی: (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے) فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت میں سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

جس شخص نے یہ کہا ہے کہ الْوَلَايَةُ أَفْضَلُ مِنَ النَّبُوَّةِ یعنی: ولایت نبوت سے افضل ہے، وہ ارباب سکر اور غیر مرجوع اولیاء میں سے ہے جو مقام نبوت کے کمالات میں سے وافر حصہ نصیب نہیں رکھتا۔ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا کہ فقیر نے اپنے بعض رسائل میں تحقیق کی ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے، خواہ اسی نبی کی ولایت ہو اور درست یہی ہے۔ نیز جس شخص نے اس کے برخلاف کہا ہے، وہ اس کے مقام نبوت کے کمالات سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہے، جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اولیاء کے تمام سلاسل کے درمیان حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب ہے۔ پس ان (صوفیہ نقشبندیہ) میں صحو کی نسبت غالب ہے اور ان کی دعوت زیادہ کامل ہے اور حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کے کمالات ان پر بیشتر ظاہر ہوتے ہیں اور ناچار ان کی نسبت تمام سلسلوں کی سب نسبتوں سے بلند ہے۔ پس دوسرے ان کے کمالات کا سراغ کیسے لگا سکتے ہیں اور ان کے معاملہ کی حقیقت کو کیسے پا سکتے ہیں؟ ہم نہیں کہتے کہ سب مشائخ نقشبندیہ اس معاملے میں برابر ہیں۔ ہرگز اس طرح نہیں ہے، بلکہ ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت کا مل جائے تو یقیناً وہ غنیمت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مہدی موعود (علیہ الرضوان) جو ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں، وہ بھی اسی نسبت پر ہوں گے اور وہ اس سلسلہ عالیہ کی تتیم و تکمیل فرمائیں گے، کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت عالیہ سے نیچے ہے۔ کیونکہ (باقی) تمام ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات سے بہت تھوڑا حصہ نصیب ہے اور یہ ولایت (نقشبندیہ) حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) سے منسوب ہونے کی وجہ سے ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے، جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے:

ع ہیں تفاوتِ راہ از کجا است تا کجا

یعنی: تو دیکھ لے کہ راستے کافر کجاں سے کہاں تک ہے۔

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) ولایتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و اختیہ کا بوجھ اٹھانے والے ہیں، لہذا قطب و ابدال اور اوتا دجو گوشہ نشین اولیاء میں سے ہیں، اور ولایت کے کمالات کا پہلوان میں غالب ہے، کے مقام کی تربیت ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی امداد اور اعانت کے سپرد ہے۔ قطب الاقطاب جو قطب مدار ہے، کا سران (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے قدم کے نیچے ہے اور قطب مدار ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی حمایت اور رعایت سے اپنی مہم سرانجام دیتا ہے اور مداریت کی ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہے۔ حضرت (سیدہ) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اور امامینؑ بھی اس مقام میں حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شریک ہیں۔

جاننا چاہیے کہ نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے تمام صحابہ (کرامؓ) بزرگ ہیں اور سبھی کو بزرگی سے یاد کرنا چاہیے۔ خطیب (بغدادیؒ) نے (حضرت) انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے کہ نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَنِيْ وَ اخْتَارَ لِيْ اَصْحَابَنَا وَ اخْتَارَ لِيْ مِنْهُمْ اَصْحَارًا وَ اَنْصَارًا فَمَنْ حَفِظْنِيْ فِيْهِمْ حَفِظَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ اَذَانِيْ فِيْهِمْ اَذَاهُ اللّٰهُ۔^(۵) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لیے صحابہ کو پسند فرمایا اور ان میں سے بعض کو میرے لیے رشتہ دار اور مدگار پسند فرمایا۔ پس جس شخص نے ان کے حق میں مجھے محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ رکھا اور جس نے ان کے حق میں مجھے ایذا دی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایذا دی۔

طبرائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی (کریم) علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔^(۶)

یعنی: جس نے میرے صحابہ کو گالی دی، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے۔

ابن عدی نے (سیدہ) عائشہ (صدیقہ) رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی (کریم) علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اِنَّ شِرَارَ اُمَّتِيْ اَجْرُ اُھْمُ عَلٰی اَصْحَابِيْ۔^(۷)

یعنی: میری امت کے بدترین لوگ وہی ہیں جو میرے صحابہؓ پر دلیر ہیں۔

ان (صحابہ کرامؓ) کے درمیان جو جھگڑے اور لڑائیاں ہوئی ہیں، ان کو نیک نیتی پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ وہ مخالفتیں تاویل اور اجتہاد پر مبنی تھیں، نہ کہ ہوا و ہوس پر۔ جیسا کہ جمہور اہل سنت کا مذہب یہی ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ سے لڑائی کرنے والے خطا پر تھے اور حق حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی جانب تھا۔ لیکن چونکہ یہ خطا اجتہادی خطا ہے، لہذا ملامت سے دور اور مواخذہ سے بری ہے، جیسا کہ ”مواقف“^(۸) کے شارح^(۹) آمدی^(۱۰) سے نقل کرتے ہیں کہ (جنگ) جمل اور صفین کے واقعات اجتہاد کی رو سے پیش آئے ہیں۔ شیخ ابوشکور سلمیٰ^(۱۱) نے تمہید^(۱۲) میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) صحابہؓ کی اس جماعت سمیت، جو ان کے ہمراہ تھے، خطا پر تھے اور ان کی خطا اجتہادی خطا تھی۔ شیخ ابن حجر^(۱۳) نے صواعق میں لکھا ہے کہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑائی اجتہاد کی رو سے تھی اور انہوں نے اس قول کو اہل سنت کے معتقدات میں سے فرمایا ہے۔ شارح مواقف نے جو یہ کہا ہے کہ ہمارے بہت سے ”اصحاب“ اس پر ہیں

کہ وہ لڑائی اجتہاد کی رو سے نہ تھی، معلوم نہیں کہ ”اصحاب“ سے مراد کونسا گروہ ہے؟ جبکہ اہل سنت اس کے خلاف حکم دیتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ قوم کی کتابیں خطائے اجتہادی سے بھری پڑی ہیں، جیسا کہ امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) اور قاضی ابوبکر (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہما نے تصریح کی ہے۔ پس حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو فاسق اور گمراہ کہنا جائز نہیں ہے۔

قاضی (عیاضؒ) نے ”شفا“ میں لکھا ہے: قَالَ مَالِكٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَنْ شَتَمَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَمْرُو بْنُ الْعَاصِ فَإِنْ قَالَ كَانُوا عَلَى ضَلَالٍ وَكُفْرٍ أَوْ إِنْ شَتَمَ بَعْضُ هَذَا مِنْ مَّشَاتِمَةِ النَّاسِ نِكَلًا نَكَالًا شَدِيدًا فَلَا يَكُونُ مُحَارِبُوا عَلِيٍّ كَفَرَةً كَمَا زَعَمَتِ الْغَلَاةُ مِنَ الرَّفِضَةِ وَلَا فَسَقَةً كَمَا زَعَمَ الْبَغُضُ وَنَسَبَهُ شَارِحُ الْمَوَاقِفِ إِلَى كَثِيرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ كَيْفَ وَقَدْ كَانَتْ الصِّدِّيقَةُ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَكَثِيرٌ مِنْ أَصْحَابِ الْكِرَامِ مِنْهُمْ وَقَدْ قُتِلَ الطَّلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فِي قِتَالِ الْجُمُلِ قَبْلَ خُرُوجِ مَعَاوِيَةَ مَعَ ثَلَاثَةِ عَشَرَ أَلْفًا مِنَ الْقَتْلَى فَتَضْلِيلُهُمْ وَتَفْسِيْقُهُمْ مِمَّا لَا يَجْرُءُ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَفِي بَاطِنِهِ خُبْتُ.

یعنی: حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ) میں سے کسی کو گالی دی اور کہا کہ وہ کفر اور گمراہی پر تھے، یا اس کے علاوہ کوئی اور گالی دی جیسا کہ لوگ ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوا، کیونکہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے لڑنے والے کفر پر نہ تھے، جس طرح کہ بعض غالی رافضیوں نے خیال کیا ہے اور نہ ہی وہ فسق پر تھے، جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے اور شارح ”مواقف“ نے اس قول کو بہت سے اصحاب کی جانب منسوب کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ (حضرت سیدہ عائشہؓ، صدیقہؓ، طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ) انہی میں سے تھے اور (حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ) جنگ جمل میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے خروج سے پہلے تیرہ ہزار مقتولین کے ساتھ شہید ہوئے۔ پس ان کو گمراہی اور فسق کی جانب منسوب کرنے پر سوائے اس آدمی کے جس کے دل میں مرض اور باطن میں گندگی ہو، کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا۔

یہ جو بعض فقہاء کی تحریروں میں (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے حق میں لفظ ”جور“ (ظلم) آیا ہے اور کہا ہے کہ كَانَ مُعَاوِيَةُ أَمَامًا جَائِرًا. یعنی: (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) جور کرنے والے امام تھے۔ اس (جور) سے مراد حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے زمانہ خلافت میں ان کا خلافت کا حقدار نہ ہونا ہوگا، نہ کہ وہ جور جس کا انجام فسق اور گمراہی ہے، تاکہ اہل سنت کے اقوال کے موافق ہو۔ اس کے باوجود اہل استقامت مقصود کے خلاف وہم پیدا کرنے والے الفاظ بولنے سے اجتناب کرتے ہیں اور خطا سے زیادہ کہنا جائز نہیں سمجھتے۔ وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) جور (ظلم) کرنے والے کیسے ہو سکتے ہیں، جبکہ صحیح (ثابت) ہو چکا کہ وہ اللہ سبحانہ کے حقوق میں اور مسلمانوں کے حقوق امام عادل تھے، جیسا کہ (کتاب) ”صواعق“ میں (مذکور) ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ نے جو ”خطائے منکر“ کہا ہے، انہوں نے بھی زیادتی

کی ہے، (کیونکہ لفظ) ”خطا“ پر جس چیز کا اضافہ کریں، وہ (بھی) خطا ہے اور جو کچھ اس کے بعد کہا ہے کہ ”اگر وہ لعنت کے مستحق ہیں، الخ“ یہ بھی نامناسب کہا ہے۔ اس کی تردید کی کیا ضرورت ہے اور اس میں شبہ کا کیا موقع ہے؟ اگر وہ یہ بات یزید کے بارے میں کہتے تو گنجائش رکھتی تھی، لیکن (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں (یوں) کہنا بری بات ہے۔ ثقہ راویوں کی اسناد سے احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آیا ہے کہ حضرت نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں دعا فرمائی ہے اور فرمایا ہے: اَللّٰهُمَّ عَلِّمَهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَفِيهِ الْعَذَابُ^(۱۴)۔ یعنی: اے اللہ! تو ان کو کتاب (قرآن مجید) اور حساب کا علم سکھا اور ان کو عذاب سے محفوظ فرما۔ ایک دوسری جگہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا فرمائی ہے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَمُهْدِيًا^(۱۵)۔ یعنی: اے اللہ! تو ان کو ہادی اور مہدی بنا۔

اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا مقبول ہے۔ ظاہری طور پر یہ بات مولانا (جامیؒ) سے سہو و نسیان کے طریقہ سے سرزد ہوئی ہوگی۔ نیز مولانا (جامیؒ) نے انہی اشعار میں نام کی تصریح نہ کرتے ہوئے کہا ہے، ”وہ صحابی اور ہے۔“ یہ عبارت بھی ناخوشی کی خبر دیتی ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۸۶) یعنی: اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہے تو ہمارا مواخذہ نہ فرما۔

اور جو کچھ لوگوں نے امام شیعہؒ سے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی مذمت میں نقل کیا ہے اور ان کی سرزنش کو فسق سے بھی اوپر رکھا ہے، (یہ چیز) پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی ہے۔ امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) جو ان کے شاگردوں میں سے ہیں، وہ اس نقل کو بیان کرنے کے زیادہ مستحق تھے اور امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) جو تابعین میں سے ہیں اور ان کے معاصر اور مدینہ (منورہ) کے سب سے بڑے عالم ہیں، انہوں نے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ اگر وہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو گالی کے مستحق ہوتے تو وہ (امام مالکؒ) ان کو گالی دینے والے کے قتل کا حکم کیوں کرتے؟ پس معلوم ہوا کہ انہوں نے ان کو گالی دینے کو کبیرہ (گناہوں) میں سے سمجھتے ہوئے گالی دینے والے کے قتل کا حکم دیا ہے۔ نیز انہوں نے ان (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو گالی دینا (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ)، (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کو گالی دینے کی مانند قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ پس (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) ملامت اور سرزنش کے مستحق نہیں ہیں۔

اے بھائی! (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اس معاملہ میں اکیلے نہیں ہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ میں سے کم و بیش آدھے اس معاملہ میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ پس حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے لڑنے والے اگر کافریا فاسق ہوں تو اس دین کے نصف (حصے) سے اعتماد اٹھ جاتا ہے جو ان کی تبلیغ کی بدولت ہم تک پہنچا ہے۔ اور اس چیز کو کوئی شخص جائز قرار نہیں دیتا، مگر ایسا زندگی جس کا مقصد دین کو باطل قرار دینا ہے۔

اے بھائی! اس فتنے کے برپا ہونے کا منشاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور ان کے قاتلوں سے قصاص طلب کرنا ہے۔ (حضرت) طلحہؓ اور (حضرت) زبیرؓ جو اول مدینہ (منورہ) سے باہر آئے، وہ بھی (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ) کے

قصاص کی تاخیر کی وجہ سے نکلے تھے۔ حضرت (سیدہ عائشہ) صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے بھی اس معاملہ میں ان کی موافقت کی۔ جنگِ جمل میں، جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور (حضرت) طلحہؓ اور (حضرت) زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، بھی شہید ہو گئے (یہ بھی) حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے قصاص کی تاخیر کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے بعد (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) شام سے باہر آئے اور انہوں نے ان کے ساتھ شریک ہو کر جنگِ صفین کی۔

امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے تصریح کی ہے کہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے جھگڑا خلافت کے معاملہ میں نہیں ہوا، بلکہ قصاص کا وعدہ ایفا کرنے کی خاطر حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی خلافت کے آغاز ہی میں ہوا۔ شیخ ابن حجرؒ نے بھی اسی بات کو اہل سنت کے معتقدات میں سے کہا ہے۔ شیخ ابوشکور سلمیٰؒ، جو حنفی علماء کے اکابرین میں سے ہیں، نے کہا ہے کہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے جھگڑا خلافت کے معاملہ میں ہوا ہے، کیونکہ نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا تھا: اِذَا مَلَكَتِ النَّاسَ فَارْفُقْ بِهِمْ^(۱۶)۔ یعنی: جب تم لوگوں کے حاکم بنو تو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔

اسی وجہ سے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو خلافت کا طمع پیدا ہو گیا تھا، لیکن وہ (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ) اس اجتہاد میں خطا پر تھے اور (حضرت) امیر (علی رضی اللہ عنہ) حق پر۔ کیونکہ ان (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ) کی خلافت کا زمانہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے بعد تھا۔ ان دونوں اقوال کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جھگڑے کی وجہ قصاص کی تاخیر ہو۔ اس کے بعد خلافت کی طمع بھی پیدا ہو گئی ہو۔ بہر حال اجتہاد اپنے محل میں واقع ہوا ہے، اگر خطا پر ہیں تو ایک درجہ (ثواب حاصل) ہے، اور حق پر ہونے والے کو دو درجے، بلکہ دس درجے (حاصل) ہیں۔

اے بھائی! اس معاملے میں زیادہ محفوظ طریقہ نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرامؓ) کے لڑائی جھگڑوں کے ذکر میں خاموش رہنا اور ان کے تنازعات کے بیان کرنے سے منہ موڑنا ہے۔ نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَيُّاْكُمْ وَمَا شَجَرَ بَيْنَ اَصْحَابِيْ^(۱۷)۔

یعنی: میرے صحابہؓ کے درمیان جو جھگڑے ہوں، ان سے خود کو بچاؤ۔

نیز نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَامْسِكُوْا^(۱۸)۔

یعنی: جب میرے صحابہؓ (کے اختلاف) کا ذکر ہو تو زبان کو روکو۔

نیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: اَللّٰهُ اَللّٰهُ فِیْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضًا^(۱۹)۔

یعنی: تم میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ عزوجل سے ڈرو، تم ان کے بارے میں اللہ جل وعلا سے ڈرو، ان کو اپنے تیر (تنقید) کا نشانہ مت بناؤ۔

(امام) شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے، نیز (حضرت) عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) سے بھی یہ منقول ہے کہ: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا اَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا اَلْسِنَتَنَا۔ یعنی: یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا ہے، پس ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں۔

اس عبارت سے (یہ) معلوم ہوتا ہے کہ ان (صحابہ کرامؓ) کی خطا کو بھی زبان پر نہیں لانا چاہیے اور ان کے ذکرِ خیر کے سوا کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ یہی (صحیح) ہے۔

یزید بن نصیب فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف کرنا اہل سنت کے مقرر کردہ اصول کی بنا پر ہے، کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لیے خواہ وہ کافر ہو لعنت تجویز نہیں کی ہے، مگر یہ کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، جس طرح کہ ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی۔ یہ نہیں ہے کہ وہ لعنت کے سزاوار نہیں۔ (ارشادِ الہی ہے): إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (سورۃ احزاب، ۵۷) یعنی: بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس زمانے میں چونکہ اکثر لوگوں نے امامت کی بحث کو سامنے رکھ کر ہمیشہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی خلافت اور مخالفت کو (اپنا) نصب العین بنا لیا ہے اور وہ جاہل مؤرخین اور سرکش بدعتیوں کی تقلید میں اکثر صحابہ کرامؓ کو اچھائی سے یاد نہیں کرتے اور نامناسب امور کو ان کی ذات سے منسوب کرتے ہیں۔ ضرورت کے تحت جو کچھ معلوم تھا اس میں سے تھوڑا سا قیدِ تحریر میں لا کر (فقیر نے) دوستوں کی طرف بھیجا ہے۔ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

إِذَا ظَهَرَتِ الْفِتْنُ أَوْ قَالَ الْبِدْعُ وَسُبَّتْ أَصْحَابِي فَلْيُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهُ فَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ اللَّهُ لَهُ فَرْضٌ وَلَا عَدْلٌ. (۲۰) یعنی: جب فتنے ظاہر ہوں، یا فرمایا کہ جب بدعتیں ظاہر ہوں اور میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہا جائے تو عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے۔ پس جس نے ایسا نہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور کوئی نفل قبول نہیں فرمائے گا۔

أَمَّا الْحَمْدُ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ وَالْمِنَّةُ. یعنی: لیکن اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے کہ وقت کا بادشاہ (جہانگیر) خود کو خفی مذہب قرار دیتا ہے اور اہل سنت میں سے سمجھتا ہے، ورنہ معاملہ مسلمانوں کے لیے بڑا مشکل ہو جاتا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجا لانا چاہیے۔

پس آپ کو چاہیے کہ اپنے اعتقاد کا مدار اہل سنت کے معتقدات پر رکھیں اور زید و عمر کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ جھوٹے افسانوں پر کام کا مدار رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے۔ فرقہ ناجیہ (اہل سنت) کی تقلید کرنا ضروری ہے، تاکہ نجات کی امید پیدا ہو جائے، وَبَدْوْنَهَا خَرَطُ الْقَتَادِ. یعنی: اور اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوٰۃُ وَالسَّلَامُ. یعنی: آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۵۲)

جناب شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ جو سوالات کیے گئے تھے ان کے جواب میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

میرے سعادتمند بھائی کا مکتوب شریف پہنچا (اور) اس نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔ سوالات کیے گئے تھے۔ آپ کو معلوم شریف ہو کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ سُبْحَانَهُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلٰیہِمَا کے تعین کا مبداء صفت علم ہے، جیسا کہ تعین محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء بھی یہی صفت ہے۔ فرق جہتوں اور اعتبارات کا ہے، کیونکہ اس صفت کی ایک جہت عالم کی طرف ہے اور دوسری معلوم کی طرف۔ پہلی جہت وحدت کے مناسب ہے، اور دوسری جہت کثرت کے مطابق۔ اس صفت کے لیے اجمال و تفصیل ہے۔ ہر ایک اس بزرگ کے مبداء تعین کے اعتبار سے ہے۔

دوسرے وہ معارف جنہوت و ولایت کا بوجھ اٹھانے سے تعلق رکھتے تھے، یہ خواجہ محمد اشرف کو لکھے جانے والے مکتوب (۲۵۱) میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں۔ (فقیر نے) مکرر نہیں لکھے، آپ وہاں سے طلب کر لیں۔

دوسرا (فقیر نے) چاہا کہ اس سوال کے جواب میں کہ قطب،^(۱) غوث اور خلیفہ کے درمیان کیا فرق ہے، کے بارے میں کچھ لکھے، (لیکن) اجازت نہیں ملی۔ اس کو (کسی) اور وقت پر موقوف رکھیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۳)

مشیت مآب شیخ اور لیس سامانی کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں اور اس راستے کی بے نہایتی اور مزو اختصار کے طور پر بعض مقامات و منازل کی تفصیل کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِیْغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعائیں پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) التماس کرتا ہے کہ اس جگہ کے فقراء کے احوال و کیفیات حمد (الہی) کے لائق ہیں۔ اَلْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُكُمْ وَعَافِيَتُكُمْ وَثَبَاتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ عَلٰی الطَّرِیْقَةِ الْمَرْصُیَّةِ الْمُصْطَفَوِیَّةِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ. یعنی: (فقیر) اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی، عافیت اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ طریقہ پر ثابت قدمی اور استقامت کے لیے سوال کرتا ہے۔

جن احوال و مواجید کا بیان آپ نے مولانا عبدالمؤمن کی زبان کے حوالے کیا تھا اور ان کا جواب دریافت فرمایا تھا، مولانا (موصوف) نے تفصیل سے ان سب کو ظاہر کیا اور کہا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ”اگر میں زمین کی جانب نظر کرتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا اور اسی طرح عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ کا وجود بھی نہیں پاتا اور جس آدمی کے پاس جاتا ہوں، اس کا وجود بھی نہیں پاتا اور خود کو بھی موجود نہیں پاتا۔ اور حق جل شانہ کا وجود بے پایاں ہے، اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا ہے اور بزرگوں (مشائخ طریقت) نے بھی اسی مقام تک بات کی ہے اور اس مقام تک آکر سیر سے عاجز ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس معنی سے زیادہ کچھ اختیار نہیں کیا۔ اگر آپ بھی اسی کو کمال سمجھتے ہیں اور اسی مقام میں ہیں تو پھر ہم آپ کے پاس کیوں آئیں؟ اور کس لیے تکلیف اٹھائیں اور آپ کو زحمت دیں؟ اگر اس کمال

کے علاوہ کوئی اور معاملہ ورائے ہے تو پھر آپ اطلاع بخشیں تاکہ ہم اور (ایک) دوسرا دوست جو طلب کا بہت زیادہ درد رکھتا ہے، وہاں پہنچ جائیں۔ اس تردد کے لاحق ہونے کی وجہ سے اتنے سال (آپ کے ہاں) آنے میں توقف رہا۔“

میرے مخدوم! یہ احوال اور ان احوال کی مانند کے واقعات قلب کی تلویحات^(۱) میں سے ہیں۔ (فقیر کو) معلوم ہوتا ہے کہ ان احوال کے حامل (شخص) نے قلب کے مقامات میں سے چوتھے حصہ سے زیادہ طے نہیں کیا ہے۔ مقامات قلب سے تین حصے اور طے کرنے چاہئیں، تاکہ قلب کا معاملہ مکمل طور پر طے کیا جاسکے۔ (لطیفہ) قلب سے گزرنے کے بعد (لطیفہ) روح ہے اور (لطیفہ) روح سے گزرنے کے بعد (لطیفہ) سر ہے اور (لطیفہ) سر سے گزرنے کے بعد (لطیفہ) خفی ہے اور اس کے بعد (لطیفہ) انخی ہے۔ یہ باقی ماندہ چاروں (مقامات) علیحدہ احوال و مواجید رکھتے ہیں۔ سب کو جدا جدا طے کرنا چاہیے اور ہر ایک کے کمالات سے آراستہ ہونا چاہیے۔ عالمِ امر کے ان پانچوں (لطائف) سے گزرنے کے بعد اور ان کے اصول کی منزلوں کو مرتبہ بمرتبہ طے کرنے کے بعد اور اسماء و صفات کے ظلال کے درجات جو ان اصول کے اصول ہیں، کو درجہ بدرجہ طے کرنے کے بعد اسماء و صفات کی تجلیات اور شیونات و اعتبارات کے ظہورات ہیں۔ ان تجلیات سے گزرنے کے بعد ذاتِ تعالیٰ و تقدس کی تجلیات ہیں۔ اس وقت معاملہ نفس کے اطمینان تک پہنچ جاتا ہے اور پروردگار جلِ سلطانہ کی رضا کا حاصل ہونا میسر آ جاتا ہے۔ جو کمالات اس مقام میں حاصل ہوتے ہیں، ان کمالات کے مقابلے میں پہلے کمالات بیکراں بحرِ محیط کے مقابلے میں قطرے کا حکم رکھتے ہیں۔ اس مقام میں شرح صدر میسر ہو جاتا ہے اور (سالک) اسلام حقیقی سے مشرف ہوتا ہے:

ع کار اینست غیر و ایں ہمہ ہیچ

یعنی: کام یہی ہے اور اس کے علاوہ سب بیکار ہے۔

اسماء و صفات کی جو تجلیات عالمِ امر کی ان پانچ منزلوں کو اصول اور اصولِ اصول کے ساتھ طے کرنے سے پہلے متوہم ہوتی ہیں، وہ عالمِ امر کے ان بعض خصائص کے ظہورات میں سے ہیں جو بے مثل اور لامکانیت سے ایک نصیب اور حصہ رکھتے ہیں، نہ کہ اسماء و صفات کی تجلیات سے۔ ایک سالک نے اس مقام میں کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر پوجتا رہا۔ پھر وصول کہاں اور سیر کس کے لیے؟ شعر:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادَةٍ وَ دُونَهَا قَلِيلُ الْجَبَالِ وَ دُونَهُنَّ خِيُوفُ

یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔

چونکہ آپ نے التفات کرتے ہوئے اس راستے کی حقیقت کا کشف طلب فرمایا تھا، لہذا مختصر طور پر اس میں سے تھوڑا لکھا گیا ہے۔ وَالْأَمْرُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور معاملے (کی حقیقت) کو اللہ سبحانہ جانتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى مَنْ لَدَيْكُمْ۔ یعنی: اور آپ کو اور جو آپ کے پاس ہے اس کو سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۵۴)

ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
 آپ نے لکھا تھا کہ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ آدمی جو کچھ کرے، خواہ وہ شرعی کام ہوں، صاحبِ زماں کے فرمان سے کرے، تاکہ نتیجہ دے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بندہ تمام شرعی کاموں میں فرمان کا امیدوار ہے؟
 میرے مخدوم! اکابر کی بات صحیح ہے۔ (فقیر نے) اجازت حاصل کر کے آپ کو اجازت دے دی ہے، لیکن جاننا چاہیے کہ نتیجہ سے مراد ایک محدود نتیجہ ہے، نہ کہ مطلقاً۔

آپ نے لکھا تھا کہ ایک رسالہ میں لکھا گیا ہے کہ حضرت خواجہ احراق قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ قرآن (مجید) حقیقت میں مرتبہ عین سے جمع ہے، یعنی ذات تعالیٰ و تقدس کی احدیت سے ہے۔ پس رسالہ ”مبداء و معاد“ میں جو لکھا گیا ہے کہ کعبہ ربانی کی حقیقت، حقیقت قرآنی سے برتر ہے، اس کے معنی کیا ہیں؟

میرے مخدوم! احدیت ذات سے مراد احدیت مجردہ نہیں ہے کہ جس میں کوئی صفت اور کوئی شان ملحوظ نہیں ہے، کیونکہ حقیقت قرآن کا منشاء صفت کلام ہے جو صفات ثمانیہ میں سے ایک صفت ہے اور حقیقت کعبہ کا منشاء وہ مرتبہ ہے جو صفات و شیونات کی تلویحات سے برتر ہے۔ پس اس کی برتری کی گنجائش ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ بعض تفسیروں میں لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں کعبہ کو سجدہ کرتا ہوں تو کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ سجدہ کعبہ کی طرف ہے، نہ کہ کعبہ کو۔ اور ایک دوسری جگہ لکھا گیا ہے کہ اسلام کے آغاز میں سجدے میں لُک سَجَدْتُ (یعنی: میں نے تیرے لیے سجدہ کیا) کہتے تھے۔ ضمیروں کا مدلول نفس ذات تعالیٰ و تقدس ہے۔ پس رسالہ ”مبداء و معاد“ میں جو لکھا گیا ہے کہ کعبہ کی صورت جس طرح اشیاء کی صورتوں کی مسجود ہے، اسی طرح کعبہ کی حقیقت بھی اشیاء کے حقائق کی مسجود ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں؟

میرے مخدوم! یہ عبارتوں کے مسامحات (غفلتوں اور آسانوں) میں سے ہے، جیسا کہ کہتے ہیں کہ آدم (علیہ السلام) مسجود ملائکہ ہیں، جبکہ سجدہ خالق جل سلطانہ کے لیے ہے، نہ کہ اس کی مخلوق اور تخلیق کے لیے، خواہ کوئی بھی مخلوق ہو۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ أَصْحَابِكُمْ وَأَحِبَّائِكُمْ.

یعنی: اور آپ پر، آپ کے ساتھیوں پر اور آپ کے احباب پر سلام ہو۔ خاص کر ملا پابندہ اور شیخ حسن پر۔

مکتوب نمبر (۲۵۵)

ملا محمد طاہر لاہوری کو تحریر فرمایا۔ روشن سنت کے زندہ کرنے اور ناپسندیدہ بدعت کو مٹانے کی ترغیب میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف حافظ بہاء الدین کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا (اور) اس نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔ کیسی بڑی نعمت ہے کہ حمین اور مخلصین اپنی پوری ہمت کے ساتھ (حضرت محمد) مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والحق کی سنتوں میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کے لیے متوجہ ہوں اور وہ خود کھلی طور پر کسی ناشائستہ اور ناپسندیدہ بدعت کو دور کرنے

کے خواہاں ہوں۔

سنت اور بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کی نفی کو لازم کرتا ہے۔ پس ایک کے زندہ کرنے سے دوسرے کا مارنا لازم ہو جاتا ہے۔ سنت کو زندہ کرنا بدعت کے مارنے کا موجب ہے اور بالعکس۔

پس بدعت کو حسنہ (اچھی) یا سیئہ (بری) کہیں، وہ لازماً سنت کو مٹانے والی ہے۔ شاید انہوں نے حسنِ نسبی (اضافی اچھائی) کا اعتبار کیا ہوگا، کیونکہ وہاں حسن مطلق گنجائش نہیں رکھتا۔ کیونکہ تمام سنتیں حق جلِ سلطانہ کی پسندیدہ ہیں اور ان کی ضدیں (بدعتیں) شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ آج یہ بات بدعت کی شہرت کی وجہ سے اکثر لوگوں کو بُری لگتی ہے، لیکن کل (قیامت کو) معلوم ہو جائے گا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا وہ لوگ۔

منقول ہے کہ حضرت مہدی (موعود رضی اللہ عنہ) اپنی سلطنت کے زمانے میں جب دین کی ترویج کریں گے اور سنت کو زندہ فرمائیں گے تو مدینہ (منورہ) کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنے کی عادت بنالی ہوگی اور اس کو حسن (اچھا) خیال کر کے دین سے ملا لیا ہوگا، وہ تعجب سے کہے گا کہ اس مرد (حضرت مہدی موعود رضی اللہ عنہ) نے ہمارے دین کو مٹا دیا ہے اور ہماری ملت کو مار ڈالا ہے۔ حضرت مہدی (رضی اللہ عنہ) اس عالم کو قتل کرنے کا حکم فرمائیں گے اور اس کی حسنہ (اچھائی) کو سیئہ (برائی) خیال کریں گے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنْ لَّدَیْکُمْ۔ یعنی: اور آپ پر اور ان سب لوگوں پر جو آپ کے پاس ہیں، سلام ہو۔ فقیر پر بھول چوک غالب آچکی ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نے آپ کا مکتوب کس کے سپرد کیا تھا، تاکہ سوالات کے جواب لکھتا۔ آپ معذور فرمائیں گے۔

میاں شیخ احمد فرملی محبوں میں سے ہیں، چونکہ آپ کے جوار (قرب) میں رہتے ہیں، (امید ہے کہ) آپ موصوف کے ساتھ التفات و توجہ کا لحاظ رکھیں گے۔

مکتوب نمبر (۲۵۶)

میاں بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ ان سوالات کے جواب میں جو انہوں نے کیے تھے اور پوچھا تھا کہ قطب، قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کے معنی کیا ہیں؟ اور جو کچھ اس کے متعلق ہے۔ نیز انہوں نے حدیث ”لَوْ اِتَّزَنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَكْرِ الْخ“ وغیرہ کی تحقیق کے بارے میں پوچھا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف ایک درویش کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا اور اس نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔

آپ نے پوچھا تھا کہ قطب، قطب الاقطاب، غوث اور خلیفہ کے معنی کیا ہیں؟ اور ہر ایک کس خدمت پر مامور ہے؟ نیز وہ اپنی خدمت کی اطلاع رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور قطب الاقطاب کو جو بشارت عالم غیب سے پہنچتی ہے، اس کی کوئی اصلیت ہے

یا وہ ہم و خیال کی ایجاد ہے؟

جاننا چاہیے کہ نبی علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کامل تابعدار، جب تابعداری کے ذریعے مقام نبوت کے کمالات کو مکمل کر لیتے ہیں تو ان میں سے بعض کو امامت کے منصب سے سرفراز کرتے ہیں اور بعض کو محض اس کمال کے حاصل ہو جانے پر ہی اکتفا فرماتے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ اس کمال کے نفس حصول میں برابر ہیں، فرق (صرف) منصب اور عدم منصب میں ہے اور ان امور میں جو اس منصب سے تعلق رکھتے ہیں۔

جب کامل تابعدار ولایت نبوت کے کمالات کو مکمل کر لیتے ہیں تو بعض کو منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں اور بعض کو (صرف) ان کمالات کے حاصل ہو جانے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ یہ دونوں منصب اصلی کمالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ظنی کمالات میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے اور منصب خلافت کے مناسب منصب قطب مدار ہے۔ گویا یہ دونوں مقام جو تحت میں ہیں، ان دو مقامات کے ظلال ہیں جو اوپر میں ہے۔

شیخ محی الدین (ابن) العربیؒ کے نزدیک غوث وہی قطب مدار ہے۔ ان کے نزدیک منصب غوثیت، منصب قطبیت سے الگ نہیں ہے۔ جو چیز اس فقیر کا عقیدہ ہے، وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار سے الگ (منصب) ہے، بلکہ اس کے وقت کا مددگار اور معاون ہے۔ قطب مدار بعض امور میں اس سے مدد چاہتا ہے۔ نیز ابدال کے مناصب کے مقدر کرنے میں بھی اس کا دخل ہوتا ہے۔ قطب کو اس کے حمایتیوں اور مددگاروں کے اعتبار سے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں، کیونکہ قطب کے حمایتی اور مددگار بھی اقطاب کا حکم (درجہ) رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے فتوحات مکیہ کے مصنف لکھتے ہیں: مَا مِنْ قَرْيَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَانَتْ أَوْ كَافِرَةً إِلَّا وَفِيهَا قُطْبٌ۔ یعنی: مومنوں اور کافروں کی کوئی ایسی بستی نہیں ہے جس میں قطب نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ صاحب منصب کو یقیناً (اپنے منصب کا) علم ہوتا ہے اور جو (شخص) اس منصب کا کمال رکھتا ہے اور منصب نہیں رکھتا، ضروری نہیں ہے کہ وہ صاحب علم ہو اور اپنی خدمت سے آگاہ ہو۔ جو بشارت عالم غیب سے پہنچتی ہے وہ اس مقام کے کمالات حاصل ہونے کی بشارت ہے، نہ کہ اس مقام کے منصب کی بشارت جس کا تعلق علم سے ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ اس ایمان سے مراد کیا ہے جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے؟ اور اس کے بھاری ہونے کا سبب کیا ہے؟

لَوْ اتَّزَنَ إِيْمَانُ أَبِي بَكْرٍ مَعَ إِيْمَانِ أُمِّتِي لَوَجَّحَ۔^(۱) یعنی: (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) اگر ابو بکرؓ کا ایمان میری تمام امت کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو یقیناً وہ (ابو بکرؓ کے ایمان کا وزن) بھاری ہوگا۔

جاننا چاہیے کہ ایمان کا بھاری ہونا اس چیز کے رجحان کی وجہ سے ہے جس پر ایمان لایا جاتا ہے اور چونکہ حضرت (ابو بکر) صدیق (رضی اللہ عنہ) کا متعلق ایمان تمام امت کے ایمان کے متعلقات سے برتر ہے، لہذا وہ یقیناً (سب سے) بھاری ہوگا۔

میرے مخدوم! عروجات میں معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر (سائل) ایک نقطہ اوپر جائے تو اس نقطہ کے عروج کی وجہ سے جو کمال حاصل ہوا ہے وہ پہلے تمام کمالات سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ وہ نقطہ اپنے ماتحت تمام چیزوں سے افروز تر

ہے۔ اسی طرح اس نقطے کا حال ہے جو اس پہلے نقطے کے اوپر ہے، کیونکہ پہلے کا نقطہ اپنے ماتحت سمیت اوپر والے نقطے سے حقیر اور چھوٹا ہے۔ ایسے ہی قیاس کریں۔

پس جس کے ایمان کا متعلق کمال بلندی پر ہو، یقیناً وہ اپنے تمام ماتحت پر بھاری ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عارف کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ آنکھ جھپکنے کی دیر میں تمام ماتقدم کمالات کو حاصل کر لیتا ہے اور (اس) فقیر کی تحقیق کے مطابق ایک لمحہ میں تمام ماتقدم کمالات سے زیادہ حاصل کر لیتا ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ شیخ ابن العربیؒ اور ان کی پیروی کرنے والوں نے لکھا ہے کہ ”جتنے لڑکے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبقت ہوئے، ان تمام مقتولین کی استعدادیں حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو منتقل ہو گئیں۔“ اس بات کی حقیقت کو تفصیل سے لکھیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ بات صحیح ہے، کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ جس طرح ایک شخص کو جماعت کے کمالات کے حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں، اسی طرح جماعت کو بھی ایک شخص کے کمالات حاصل ہونے کا سبب بناتے ہیں۔ پیرا اگرچہ مریدوں کے کمالات حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، لیکن مرید بھی پیر کے کمالات کے ذرائع ہیں۔ اس معنی کو فقیر کھانے پینے کی ان چیزوں میں، جن کو وہ اپنے بدن کے اجزا بناتا تھا، بھی محسوس کرتا تھا، کہ وہ جو کھانا اور مشروب تناول کرتا تھا، وہ اس کی استعداد کی جامعیت کا سبب بنتا تھا اور ایک اور قابلیت پیدا کرتا تھا اور بعض اوقات میں جب وہ لذیذ کھانوں کو ترک کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو اس جامعیت کے حاصل کرنے کی وجہ سے اسے منع کیا جاتا تھا اور اس قابلیت کو حاصل کرنے کی غرض سے اسے اس لذیذ کھانے کو ترک کرنے کی اجازت نہ ملتی تھی۔ اکثر یوں ہوا کہ ایک کی استعداد دوسرے میں گئی یا جزئی طور پر منتقل ہو گئی اور محسوس ہوا کہ وہ ایک خالی رہ گیا ہے اور اس دوسرے نے جمعیت بہم پہنچائی ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ ”شیخ نجم الدین کبریٰ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے مرید کو ایک بزرگ (مصلح الدین خجندی) کے پاس بھیجا تھا، تا کہ ان کے وسیلہ سے معلوم کریں کہ آپ کن پیغمبر کے زیر قدم ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ تیرا چہود (یہودی) کس کام میں ہے؟ شیخ نے اس عبارت سے سمجھ لیا کہ وہ حضرت موسیٰ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیما علیہ نبینا وعلیہ کے قدم کے نیچے ہیں۔“ اس عبارت سے یہ معنی کس طرح مفہوم ہوا؟

جاننا چاہیے کہ چہود یہود کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت تھے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ ”نجات“ میں لکھتے ہیں کہ ”چار آدمیوں کے سوا تمام اولیاء کی ولایت مرنے کے بعد سلب ہو جاتی

ہے؟“

جاننا چاہیے کہ (یہاں) ولایت سے مراد تصرفات اور کرامات کا ظہور مراد لیا ہوگا، نہ کہ اصل ولایت کا، جس سے قرب الہی جل سلطانہ مراد ہے۔ نیز سلب سے مراد کرامات کے بکثرت ظاہر ہونے کا سلب ہوگا، نہ کہ اس ظہور کے اصل سبب کا

سلب۔ چونکہ یہ بات کشفی ہے اور کشف میں خطا کی گنجائش بہت ہے، معلوم نہیں کہ آپ نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا ہے؟
آپ نے اولیاء کی بعض کرامات کا ظہور طلب کیا تھا؟ آپ منتظر رہیں۔ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا۔ (سورۃ طلاق، ۷) یعنی: اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد فراخی بخشے گا۔

آپ نے پوچھا تھا کہ ”نیشاپوری“ میں لکھتے ہیں: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے اولاد ہوگا۔ سورۃ کوثر، ۳) میں (شَانِئَكَ) ”یا“ کے ساتھ ہے۔ تحقیق کیا ہے؟ وہ ”ہمزہ“ کے ساتھ ہے یا ”یا“ کے ساتھ؟
(جاننا چاہیے کہ) وہ ”ہمزہ“ کے ساتھ ہے اور جس نے ”یا“ کے ساتھ لکھا ہے اس کی قرأت غیر مشہور ہوگی۔
آپ نے لکھا تھا کہ بعض عورتیں مشغولی (طریقہ کی تعلیم و توجہ) طلب کرتی ہیں؟
(جواب) اگر وہ محرمات میں سے ہیں تو منع نہیں ہے، ورنہ پردہ میں بیٹھیں اور طریقہ کی تعلیم حاصل کریں۔
آپ نے پوچھا تھا کہ اہل حدیث نے ہر مہینے میں منخوس^(۲) دن مقرر کیے ہیں اور اس بارے میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں، کیا کیا جائے؟

(جواب) فقیر کے والد قدس سرہ فرماتے تھے کہ شیخ عبداللہ (رحمۃ اللہ علیہ) اور شیخ رحمت اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) جو اکابر محدثین میں سے تھے اور حرین (شریفین) میں شیخ کے لقب سے مشہور تھے۔ ایک تقریب میں وہ ہندوستان آئے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اس حدیث کو کرمانی شارح بخاری نے نقل کیا ہے، لیکن (یہ) ضعیف ہے۔ اس بارے میں صحیح حدیث (یہ) ہے: اَلْاَيَّامُ اَيَّامُ اللّٰهِ وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ۔^(۳)

یعنی: (سب) دن اللہ تعالیٰ کے دن ہیں اور (سب) بندے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔

نیز (شیخ عبداللہ اور شیخ رحمت اللہ) فرمایا کرتے تھے کہ دنوں کی نحوست رحمۃ اللعالمین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ و علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی ولادت (مبارک) سے ختم ہوگئی ہے۔ منخوس دن^(۴) پہلی امتوں کی نسبت سے تھے۔ فقیر کا عمل بھی اسی پر ہے اور وہ کسی دن کو کسی پر ترجیح نہیں دیتا، جب تک کہ ان کی ترجیح شارع (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے معلوم نہ کر لے، جیسے کہ جمعہ اور رمضان وغیرہ۔

آپ نے لکھا تھا کہ جو معارف نبوت کا بوجھ اٹھانے سے تعلق رکھتے ہیں، میں نے وہ خواجہ محمد اشرف کے مکتوب میں نہیں پائے؟

(جواب) آپ کیسے پاسکتے ہیں؟ کیونکہ وہ مکتوب (نمبر ۲۵۱) انہی دنوں میں لکھا گیا ہے اور اس کی نقل آپ کو نہیں پہنچی۔ (وہ) مکتوب بہت لمبا ہے، ایک جزو سے زیادہ ہوگا۔ میں نے کہا ہے کہ اس کی نقل آپ کو بھیجیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۷)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ مختصر طور پر طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) التماس کرتا ہے کہ آپ نے جو مکتوب شریف شیخ احمد فرملی کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا (اور) اس نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔ آپ نے رسالہ بیان طریقہ طلب کیا تھا۔ مسودے پڑے ہیں، اگر (فقیر کو) توفیق نصیب ہوئی تو لکھ کر بھیج دے گا۔ ابھی مختصر طور پر چند فقرے طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) کے بیان میں لکھ رہا ہے۔ آپ گوش ہوش سے سماعت فرمائیں۔

میرے سیادت پناہ! جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے، اس کی سیر کی ابتدا (لطیفہ) قلب سے ہے جو عالمِ امر سے ہے۔ قلب سے گزر کر مراتبِ روح ہیں جو اس کے اوپر ہیں اور روح سے گزر کر یہ معاملہ (لطیفہ) سر سے متعلق ہے جو اس سے اوپر ہے۔ اور (بعد ازاں) اسی طرح (لطیفہ) خفی اور (لطیفہ) اخفی کا حال ہے۔

ان پانچ لطائف کی منزلوں کو طے کرنے کے بعد اور ان علوم و معارف کے حاصل کرنے کے بعد جو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ تعلق رکھتے ہیں، نیز ان احوال و مواجید کے متحقق ہونے کے بعد جو ان پانچ میں سے ہر ایک سے جدا جدا مخصوص ہیں، ان پانچوں لطائف کے اصول میں سیر واقع ہوتی ہے جو عالمِ کبیر میں ہیں۔ کیونکہ جو کچھ عالمِ صغیر میں ہے اس کی اصل عالمِ کبیر میں ہے۔ عالمِ صغیر سے مراد انسان ہے اور عالمِ کبیر سے (مراد ساری) کائنات کا مجموعہ ہے۔ ان پانچ (لطائف) کے اصول میں سیر کا آغاز عرشِ مجید سے ہوتا ہے جو انسان کے قلب کی اصل ہے۔ اس کے اوپر روحِ انسانی کی اصل ہے اور اس کے اوپر سرِ انسانی کی اصل ہے اور سر کی اصل ہے اور سر کی اصل ہے اور خفی کی اصل ہے اور خفی کی اصل ہے اور پرانہ کی اصل ہے۔

جب (سالک) عالمِ کبیر کے ان پانچ (لطائف) کو تفصیل کے ساتھ طے کر لیتا ہے اور اس کے آخری نقطہ تک پہنچتا ہے تو اس وقت اس نے دائرہ امکان کو پورا (طے) کر لیا ہوتا ہے اور فنا کی منزلوں میں سے پہلی منزل میں قدم رکھ لیا ہوتا ہے۔

اس کے بعد اگر ترقی واقع ہوئی تو اللہ جلِ سلطانہ کے اسماء و صفاتِ واجبی کے ظلال میں سیر ہوگی اور یہ ظلال و وجوب امکان کے درمیان برزخ کی مانند ہیں اور عالمِ کبیر کے ان پانچوں (لطائف) کے لیے اصول (کی طرح) ہیں۔ ان ظلال میں سیر بھی اسی ترتیب سے ہوگی جیسی کہ اس کے فروع میں بیان ہوئی ہے۔ اگر (سالک) اللہ جلِ شانہ کے فضل سے ان ظلال کی بہت زیادہ منزلوں کو بھی طے کر کے آخری نقطے تک پہنچ جائے تو پھر اللہ جلِ سلطانہ کے اسماء و صفاتِ واجبی میں سیر شروع ہوگی اور اسماء و صفات کی تجلیات ظاہر ہوں گی اور شیون و اعتبارات کے ظہورات جلوہ فرمائیں گے۔ اس وقت (سالک) نے عالمِ امر کے پانچوں (لطائف) کا معاملہ مکمل کر لیا ہوگا اور ان کے حق کو ادا کر لیا ہوگا۔ اس کے بعد اگر اللہ جلِ شانہ کے فضل سے اس مقام سے بھی ترقی واقع ہو جائے تو معاملہ نفس کے اطمینان سے جا پڑے گا اور مقامِ رضا جو سلوک کے مقامات کی نہایت ہے، میسر ہو جائے گا۔ اس مقام میں شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے اور (سالک) اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔ ان کمالات کے مقابلے جو کمالات عالمِ امر سے متعلق ہوتے ہیں، وہ بحرِ محیط کے مقابلے میں قطرے کی مانند ہیں۔

یہ سب کمالات جن کا ذکر ہوا ہے، اسمِ ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور جو کمالات اسمِ باطن سے تعلق رکھتے ہیں، وہ دوسرے ہیں جن کا پوشیدہ اور باطن میں رہنا ہی مناسب ہے۔ جب ان دو مبارک اسموں کے کمالات مکمل طور پر حاصل ہو جائیں تو سالک کو پرواز کے لیے دو بازو میسر ہو جاتے ہیں اور وہ ان دو بازوؤں کی قوت سے عالمِ قدس میں پرواز فرماتا ہے اور

بے اندازہ ترقیاں کرتا ہے۔ اس معاملہ کی تفصیل بعض مسودات میں لکھی گئی ہے۔ میرے سعادتمند فرزند ان کے جمع کرنے میں سنجیدہ کوشش کر رہے ہیں۔

دوسرا یہ کہ اگر میسر ہو سکے تو آپ خود ایک بار یہاں آئیں، لیکن اس شرط سے کہ اس مقام کو خالی نہ چھوڑیں اور اس انتظام کو درہم برہم نہ کریں۔ خود تنہا آئیں اور دوستوں میں سے جسے آگے بڑھا ہوا سمجھیں، اسے اس جماعت کا پیشوا بنا کر اس علاقے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ واللہ سبحانہ اعلم (اور اللہ سبحانہ ہی بہتر جانتا ہے) کہ دوسرے وقت تک فرصت دیں یا نہ دیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۵۸)

شریف خان کو تحریر فرمایا۔ حق تعالیٰ کی اقربت کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے کرم فرماتے ہوئے جو مکتوب شریف اس علاقے کے فقرا کے نام لکھا تھا، اس کے آنے پر (فقیر) خوش اور مسرور ہوا۔ جَزَاكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ. یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میرے مخدوم! اگرچہ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے بہت زیادہ قریب ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقلوں اور فہموں سے اور ہمارے علوم اور ادراکات سے بہت ہی زیادہ بلند ہے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بلندی شان (ورائیت) قرب کی جانب ہے نہ کہ بُعد کی جانب۔ کیونکہ حق سبحانہ ہر نزدیکی سے زیادہ نزدیک ہے۔ یہاں تک کہ ہم اللہ سبحانہ کی ذاتِ احدیت کو ان صفات سے زیادہ نزدیک پاتے ہیں جن کے ہم افعال و آثار ہیں۔ یہ معرفت عقل کی نظر کے طریقہ سے ماوراء ہے، کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتی۔ ایسی مثال جو اس بحث کی وضاحت کرے، ہر چند جستجو کرنے پر بھی نہیں ملی۔ اس معرفت کی دلیل نصِ قطعی اور صحیح کشف ہے۔

مشائخ طریقت نے توحید و اتحاد کے بارے میں گفتگو کی ہے اور قرب و معیت کو بیان فرمایا ہے، لیکن انہوں نے حق تعالیٰ کی اقربت میں خاموشی اختیار کی ہے اور اس بارے میں تسلی بخش بیان نہیں فرمایا۔ عجیب معاملہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی اقربت (زیادہ قریب ہونا) ہماری بعدیت (زیادہ دور ہونے) کا سبب بن گئی ہے۔ هَذَا إِلَىٰ أَنْ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ. فَافْهَمُ فَإِنَّ كَلَامُنَا إِشَارَاتٌ وَبَشَارَاتٌ. یعنی: یہی (کافی) ہے جب تک کتاب (مدت) اپنے مقررہ وقت کو پہنچے۔ پس تم سمجھ لو کیونکہ ہمارا کلام اشارے اور بشارتیں ہوتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَىٰ سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا.

یعنی: اور آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۵۹)

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کو تحریر فرمایا، جو جامع علوم عقلی و نقلی اور صاحب نسبت عالیہ ہیں۔ رسولوں کے بھیجنے کے فائدے، واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت میں عقل کا استقلال نہ ہونے اور اس خاص حکم کے بیان میں جو پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے (بت پرست)، رسولوں کی فترت کے زمانہ کے مشرکوں اور دارِ حرب کے مشرکوں کے (نابالغ) بچوں کے بارے میں فرمایا ہے اور ہندوستان کی سرزمین میں (موجود) پہلی امتوں کے درمیان اہل ہند میں سے نبیوں کے مبعوث ہونے کی تحقیق کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے بھیجنے کی نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے؟ اور کس دل سے منعم (حقیقی) پر یقین کا اظہار کیا جائے اور وہ اعضاء کہاں ہیں جو اس نعمتِ عظمیٰ کا بدلہ نیک اعمال کے ساتھ ادا کریں۔ اگر ان بزرگواروں کا وجود شریف نہ ہوتا تو ہم کم عقلوں کو خالق (تبارک و تعالیٰ) کے وجود اور اللہ جل سلطانہ کی توحید کی جانب کون ہدایت کرتا۔ یونان کے قدیم فلسفی دانائیوں کے باوجود خالق کائنات جل شانہ کے وجود کی جانب ہدایت نہیں پاسکے اور انہوں نے کائنات کے وجود کو زمانے کی جانب منسوب کیا ہے۔ جب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی دعوت کے انوار روز بروز روشن ہوئے تو متاخرین فلسفی ان انوار کی برکت سے اپنے متقدمین کے مذہب کا رد کرتے ہوئے خالق کائنات جل شانہ کے وجود کے قائل ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ثابت کیا ہے۔ پس ہماری عقلیں نبوت کے انوار کی تائید کے بغیر اس کام سے عاری ہیں اور ہماری سمجھیں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے وجود کے توسط کے بغیر اس معاملے سے دور ہیں۔ پس معلوم نہیں کہ ہمارے علمائے ماتریدیہ نے بعض امور میں عقل کے استقلال اور اس کو کافی سمجھنے سے کیا مراد لی ہے؟ جیسا کہ انہوں نے خالق کائنات کے وجود اور اللہ سبحانہ کی توحید کے اثبات کے دونوں امور میں اس بت پرست کو مکلف بنایا ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر سکونت رکھتا ہے، خواہ اس کو پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی اور ان دونوں امور میں نظر اور غور کو ترک کرنے پر اس کے کفر اور جہنم میں داخل ہونے کا حکم لگایا ہے، جبکہ ہم واضح تبلیغ اور حجت بالغہ کے بغیر جو کہ پیغمبروں کے بھیجنے پر وابستہ ہے، (اس کے) کفر اور جہنم میں داخلے کا حکم روا نہیں سمجھتے۔ ہاں! عقل اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے، لیکن حجت ہونے میں اتنی کامل حجت نہیں ہے جس پر سخت ترین عذاب مترتب ہو سکے۔

سوال: اگر پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا جو کہ بت پرست ہے، ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا تو پھر وہ بہشت میں جائے گا۔ یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ بہشت میں داخل ہونا مشرکوں پر حرام ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا ہے: اِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وَهُ النَّارُ. (سورۃ مائدہ، ۷۲) یعنی: جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت

حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اور جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور واسطہ (محل) ثابت نہیں ہوا ہے۔ اصحاب اعراف بھی چند روز کے بعد بہشت میں چلے جائیں گے۔ پس ہمیشہ کارہنا جنت میں ہے یا دوزخ میں ہے۔

(جواب): یہ سوال بہت زیادہ مشکل ہے۔ میرا یہ سعادتمند فرزند جانتا ہے کہ آپ مدتوں اس فقیر پر اس سوال کا تکرار کرتے رہے اور تسلی بخش جواب نہیں پاتے تھے۔ فتوحات مکیہ کے مصنف نے جو کچھ اس سوال کے حل میں کہا ہے اور قیامت کے روز میں ان لوگوں کی دعوت کے لیے پیغمبر کا مبعوث ہونا ثابت کیا ہے اور ان کے اس دعوت کو رد و قبول کرنے کے اندازے سے دوزخ اور بہشت کا حکم کیا ہے۔ اس فقیر کے نزدیک وہ مستحسن نہیں ہے، کیونکہ آخرت دار جزا ہے، نہ کہ دار تکلیف جس کے لیے ایک پیغمبر مبعوث کیا جائے۔ طویل عرصے کے بعد اللہ جل سلطانہ کی عنایت نے رہنمائی فرمائی اور اس معما کو حل کر دیا اور ظاہر کیا کہ یہ لوگ نہ بہشت میں ہمیشہ رہیں گے اور نہ دوزخ میں، بلکہ آخرت کے اٹھائے جانے اور زندہ کرنے کے بعد ان کو حساب کے مقام میں ہی کھڑا رکھ کے گناہوں کے اندازے سے عتاب و عذاب دیا جائے گا اور (لوگوں کے) حقوق پورے کر کے غیر مکلف حیوانوں کی طرح بالکل نیست و نابود اور ختم کر دیا جائے گا۔ پس (ان میں سے بہشت میں) ابدیت کس کو اور (دوزخ میں) ابدی عذاب کیسے ہوگا۔ اس نادر معرفت کو جب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے حضور پیش کیا گیا تو سب نے تصدیق فرمائی اور پسند فرمایا۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ کو حقیقی علم ہے۔

اس فقیر پر (یہ بات) بہت گراں گزرتی ہے کہ (علمائے ماتریدیہ) اس چیز کا حکم کریں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی کمال شفقت و رحمت کے باوجود بندہ کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ذریعے واضح تبلیغ فرمائے بغیر محض عقل کی بنیاد پر جس میں خطا و غلطی کی بہت گنجائش ہے، ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈالے اور اسے ابدی عذاب میں مبتلا کرے۔ جیسا کہ شرک کے باوجود اس کے لیے جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم کرنا گراں ہے۔ جس طرح کہ جنت اور دوزخ کے درمیان واسطہ کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے اشعری کے مذہب سے لازم آتا ہے۔ پس حق وہی ہے جو مجھے الہام ہوا کہ قیامت کے روز محاسبہ کرنے کے بعد اسے نیست و نابود کر دیا جائے گا، جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔

فقیر کے نزدیک دار الحرب کے مشرکوں کے (نابالغ) بچوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے، کیونکہ بہشت میں داخل ہونا ایمان سے متعلق ہے، خواہ (ایمان) اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر۔ اگرچہ تبعیت دار اسلام میں ہوتی ہے، جیسے کہ ذمیوں کی (نابالغ) اولاد کے لیے ہے اور ایمان ان کے حق میں بالکل مفقود ہے۔ پس ان کا بہشت میں داخل ہونا متصور نہیں ہوتا۔ دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا مکلف ہونے کے ثبوت کے بعد مشرک پر منحصر ہے اور یہ بھی ان کے حق میں مفقود ہے۔ پس ان کا حکم حیوانوں کے حکم جیسا ہے جن کو حساب اور حقوق پورا کرنے کے لیے اٹھائے جانے اور زندہ کرنے کے بعد نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ نیز یہی حکم ہے پیغمبروں کی فترت (دو پیغمبروں کی رسالت کے درمیانی عرصے) کے زمانے کے مشرکوں کے بارے میں جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی۔

اے فرزند! یہ فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو دوڑاتا ہے تو کوئی ایسی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر (حضرت محمد

مصطفیٰ (علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام) کی دعوت نہ پہنچی ہو، بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ سورج کی مانند آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا نور سب جگہ پہنچا ہے، یہاں تک کہ یا جوج و ما جوج میں بھی جن کے درمیان دیوار حائل ہے۔ جب (فقیر) پہلی امتوں میں ملاحظہ کرتا ہے تو کم جگہ ہی پاتا ہے جہاں کسی پیغمبر کی بعثت نہ ہوئی ہو۔ حتیٰ کہ ہندوستان کی سرزمین جو اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے۔ نیز (فقیر کو) محسوس ہوتا ہے کہ اہل ہند میں سے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور انہوں نے خالق کائنات کی (جانب) دعوت فرمائی ہے۔ ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ (ان میں) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی مانند روشن ہوئے ہیں۔ اگر (فقیر) چاہے تو ہندوستان کے ان شہروں کا تعین کر سکتا ہے۔ نیز (فقیر) دیکھتا ہے کہ (ان میں) ایک پیغمبر ایسا ہے جس پر کوئی آدمی بھی ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور ایک دوسرا پیغمبر ہے جس پر ایک آدمی ایمان لایا ہے اور ایک اور ہے جس پر دو آدمی ایمان لائے ہیں اور بعض پر تین آدمی ایمان لائے ہیں۔ تین آدمیوں سے زیادہ نظر نہیں آئے جو ہندوستان میں کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں، تاکہ چار آدمی ایک پیغمبر کی امت ہوں۔ ہندوستان کے کافر بزرگوں نے واجب تعالیٰ کے وجود، اللہ سبحانہ کی صفات اور اللہ تعالیٰ کی تزیہات و تقدیہات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب چراغ نبوت کے انوار سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ ہر زمانے میں پہلی امتوں میں انبیاء میں سے ایک نبی ہوا ہے اور اس نے واجب تعالیٰ کے وجود، اللہ جل شانہ کی صفات ثبوتیہ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تزیہات و تقدیہات کے بارے میں خبر دی ہے۔ اگر ان بزرگوار (پیغمبروں) کا وجود شریف نہ ہوتا تو ان بے نصیبوں کی لنگڑی اور اندھی عقل جو کفر و معاصی کی ظلمتوں سے آلودہ ہے، وہ اس دولت کی جانب کب ہدایت پاتی۔ ان بے نصیبوں کی ناقص عقلیں اپنی ذات کی حد تک اپنی الوہیت کا حکم دیتی ہیں اور اپنے علاوہ کوئی (اور) معبود ثابت نہیں کرتیں، جیسا کہ مصر کے فرعون نے کہا: مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي. (سورۃ قصص، ۳۸) یعنی: میں تمہارا اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔

نیز اس (فرعون) نے کہا: لَئِنْ اتَّخَذْتُ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ. (سورۃ شعراء، ۲۹)

یعنی: اگر تو نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔

جب ان کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے معلوم ہو گیا کہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس عالم (کائنات) کا خالق ہے تو ان بے نصیبوں میں سے بعض نے اپنے دعویٰ کی خرابی پر اطلاع پا کر تقلید اور پوشیدگی کے طور پر خالق حقیقی کو ثابت کیا ہے اور اس کو خود میں جاری و ساری (حلول کنندہ) سمجھا ہے اور اس فریب سے لوگوں کو اپنی پرستش کی جانب بلایا ہے: تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا.

یعنی: اللہ تعالیٰ اس بات سے جو ظالم کہتے ہیں، بہت بلند (اور) بڑا ہے۔

اس جگہ کوئی کم عقل یہ سوال نہ کرے کہ اگر ہندوستان کی سرزمین میں انبیاء مبعوث ہوتے تو یقیناً ان کی بعثت کے بارے میں ہمیں خبر پہنچی ہوتی، بلکہ وہ خبر (ان کی) دعوتوں کی کثرت کی وجہ سے تواتر کے ساتھ نقل کی جاتی۔ جب ایسا نہیں تو ویسا بھی نہیں ہے۔

ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ ان مبعوث پیغمبروں کی دعوت عام نہ تھی، بلکہ بعض کی دعوت ایک قوم میں

مخصوص تھی اور بعض کی دعوت ایک بستی یا ایک شہر سے مخصوص تھی اور ہو سکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ایک قوم میں یا بستی میں ایک شخص کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہو اور اس شخص نے اس قوم یا اس بستی کو خالق کائنات جل شانہ کی معرفت کی جانب دعوت دی ہو اور اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت سے منع کیا ہو اور اس قوم یا اس بستی کے رہنے والوں نے اس کا انکار کر دیا ہو اور اسے گمراہ اور جاہل کہا ہو اور جب ان کا انکار اور جھٹلانا انتہا کو پہنچ گیا ہو تو حق جل و علا کی نصرت نے آکر ان کو ہلاک کر دیا ہو، اسی طرح ایک مدت کے بعد دوسرا پیغمبر کسی قوم یا بستی میں مبعوث ہوا ہو اور اس پیغمبر نے بھی ان لوگوں کے ساتھ وہی حسن سلوک کیا ہو جو پہلے پیغمبر نے کیا تھا اور اس قوم نے بھی اس پیغمبر کے ساتھ وہی معاملہ کیا ہو جو ان کے پہلوں نے کیا تھا اور اسی طرح ہوتا رہا ہو، اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ (سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو)۔

ہندوستان کی سرزمین میں بستیوں اور شہروں کی تباہی کے آثار بہت زیادہ ہیں اور اس قوم کے لوگ اگرچہ ہلاک ہو گئے، لیکن وہ دعوت کا کلمہ ان کے ہم عصروں کے درمیان باقی رہ گیا: وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (سورۃ زخرف، ۲۸)

یعنی: اور اسی کلمہ کو (اپنی اولاد) میں پیچھے چھوڑ گئے، تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کریں۔

مبعوث انبیاء کی نبوت کی خبر ہم تک اس وقت تک پہنچتی ہے جب بہت سارے لوگ ان پر ایمان لائے ہوں اور انہوں نے قوت پیدا کر لی ہو۔ ایک پیغمبر آئے اور چند روز دعوت فرمائی اور چلے گئے اور کسی شخص نے ان کو قبول نہ کیا۔ دوسرے آئے اور انہوں نے یہی کام کیا اور ایک شخص ان پر ایمان لایا اور تیسرے (پیغمبر) پر دو آدمی یا تین آدمی ایمان لائے۔ پھر خبر کس طرح پھیل جاتی۔ کافر سارے انکار کرنے کی حالت میں تھے اور وہ اپنے آباء و اجداد کے دین کے مخالف کو رد کرتے تھے۔ نقل کرنے والا کون تھا اور وہ نقل کس سے کرتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسالت و نبوت اور پیغمبری کے الفاظ ان پیغمبروں اور ہمارے پیغمبر عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ کی دعوت کے اتحاد کی وجہ سے عربی اور فارسی لغات میں آئے ہیں اور یہ الفاظ ہندی لغت میں نہ تھے، تاکہ ہندوستان میں مبعوث انبیاء کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے اور ان ناموں سے ان کو یاد کرتے۔

نیز اس سوال کے جواب میں ہم معارضہ کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر ہندوستان میں انبیاء مبعوث نہ ہوئے ہوں اور انہوں نے ان کی زبان میں ان کو دعوت بھی نہ کی ہو تو پھر یقیناً ان کا حکم بھی پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والے بت پرستوں جیسا ہوگا (اور) وہ باوجود سرکشی اور الوہیت کا دعویٰ کرنے کے دوزخ میں نہیں جائیں گے اور ان کو ہمیشہ کا عذاب نہ ہوگا۔ یہ ایسی بات ہے جس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی اور نہ ہی کشف صحیح اس کی تائید کرتا ہے، کیونکہ ہم ان میں سے بعض سرکشوں کو دوزخ کے درمیان دیکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور حقیقتِ حال کو اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۶۰)

حقائق سے آگاہ، معارف کی پناہ، فیض الہی کے مظہر، بے انتہا رحمت کے سرچشمہ مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق سَلَّمَہ اللّٰہُ تَعَالٰی (اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے) کو تحریر فرمایا۔ اس طریقہ کے بیان میں جس سے حضرت عالی کو متاثر فرمایا

گیا ہے۔ اس بیان میں تین ولایتوں کا بیان درج ہے، جن میں (پہلی) ولایتِ صغریٰ ہے اور یہ ولایتِ اولیاء ہے، (دوسری) ولایتِ کبریٰ ہے اور یہ ولایتِ انبیاء ہے اور (تیسری) ولایتِ علیا ہے جو ولایتِ ملاءِ اعلیٰ ہے اور یہ ہر قسم کی ولایت پر نبوت کے افضل ہونے کے بیان پر مشتمل ہے۔ نیز دس انسانی لطائف کا بیان، جن میں سے پانچ عالمِ امر میں سے ہیں اور دوسرے پانچ عالمِ خلق میں سے ہیں جو نفس اور عناصرِ اربعہ ہیں، ان کمالات کے ساتھ جو ان لطائف میں سے ہر ایک سے مخصوص ہیں۔ نیز عالمِ امر پر عالمِ خلق کی افضلیت کے بیان میں، ان کمالات کے ساتھ جو عنصرِ خاک سے مخصوص ہیں، نیز نادر علوم و معارف کا بیان جو ہر مقام کے مناسب ہیں اور اس طرح کی دوسری باتوں (کے بیان میں)۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورة فاتحه، ۱) وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ. یعنی: شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک اور طاہر آل اور صحابہ (کرام) پر درود (وسلام) ہو۔

اے فرزند! اَسْعَدَكَ اللَّهُ تَعَالَى سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ آپ کو سعادت مند بنائے)۔ جاننا چاہیے کہ عالمِ امر کے پانچ (لطائف) قلب، روح، سر، خفی اور انھی ہیں جو انسانی عالمِ صغیر کے اجزاء ہیں۔ ان کے اصل عالمِ کبیر میں ہیں، جس طرح کہ عناصرِ اربعہ جو کہ انسان کے اجزاء ہیں اور وہ اپنی اصل عالمِ کبیر میں رکھتے ہیں۔ ان پانچوں لطائف کی اصولوں کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ امر کو لامکانی کہتے ہیں۔ دائرۃ امکان خواہ وہ خلق ہو اور خواہ امر ہو اور خواہ صغیر ہو اور خواہ کبیر ہو ان اصول کی نہایت تک مکمل ہو جاتا ہے اور عدم کا وجود سے ملنا جو امکان کا منشاء ہے، اس مقام میں انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جب محمدی المشرق سالک رشید عالمِ امر کے پانچ لطائف کو ترتیب سے طے کر کے ان کے اصول میں جو کہ عالمِ کبیر میں ہیں، سیر فرماتا ہے اور بلند فطرتی سے، بلکہ محض اللہ جل شانہ کے فضل سے ان سب کو ترتیب اور تفصیل سے طے کر کے اس کے آخری نقطہ تک پہنچتا ہے تو یقیناً اس وقت وہ دائرۃ امکان کو سیرالی اللہ تک مکمل (طے) کر لیتا ہے اور اپنے اوپر فنا کے اسم کا اطلاق حاصل کر کے وہ ولایتِ صغریٰ جو کہ ولایتِ اولیاء ہے، کی سیر شروع کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ و تقدس کے اسمائے وجوبی کے ظلال میں جو درحقیقت عالمِ کبیر کے ان پانچ (لطائف) کے اصول ہیں اور جن میں عدم کی آمیزش نے راستہ نہیں پایا، سیر واقع ہو جائے اور ان سب کو اللہ جل شانہ کے فضل سے سیر فی اللہ کے طریقہ سے طے کر کے ان کی نہایت تک پہنچ جائے تو وہ اسمائے وجوبی کے دائرۃ کو بھی مکمل (طے) کر لیتا ہے اور اللہ جل شانہ کے اسماء و صفات واجبہ کے مرتبہ کا وصول حاصل کر لیتا ہے۔ ولایتِ صغریٰ کے عروج کی انتہا اسی مقام تک ہے۔ اسی مقام میں حقیقتِ فنا کا آغاز متحقق ہوتا ہے اور ولایتِ کبریٰ جو کہ ولایتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہے، کی ابتدا میں قدم رکھا جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ دائرۃ ظل انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا (سب) مخلوقات کے تعینات کے مبادی کو شامل ہے اور ہر اسم کا ظل لوگوں میں سے ہر شخص کے تعین کا مبداء ہے، یہاں تک کہ حضرت (ابوبکر) صدیق (رضی

اللہ عنہ) جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے بعد (سارے) انسانوں میں افضل ہیں، کے تعین کا مبداء اس دائرہ کے اوپر کا نقطہ ہے۔

(مشائخ طریقت نے) جو یہ کہا ہے کہ جب سالک اس اسم تک پہنچتا ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے تو اس وقت اس نے سیر الی اللہ کو مکمل (طے) کر لیا ہوتا ہے۔ اس اسم سے مراد اسم الہی جل شانہ کا ظل اور اس اسم کے جزئیات میں سے ایک جزئی لینا چاہیے، نہ کہ اس اسم کی اصل۔ یہ دائرہ ظل درحقیقت اسماء و صفات کے مرتبہ کی تفصیل ہے۔

مثلاً علم ایک حقیقی صفت ہے جو (کئی) جزئیات رکھتا ہے۔ ان جزئیات کی تفصیل اس صفت کے ظلال ہیں جو اجمال سے مناسبت رکھتے ہیں اور اس صفت کا ہر جزء انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا (دوسرے) لوگوں میں سے ہر شخص کی حقیقت ہے اور انبیاء اور ملائکہ (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے تعینات کے مبادی ان ظلال کے اصول ہیں، یعنی ان مفصل جزئیات کی کلیات ہیں۔ مثلاً صفت علم، صفت قدرت اور صفت ارادہ وغیرہا۔

بہت سے اشخاص ایک صفت میں جو کہ ان کے تعین کا مبداء ہے، مختلف اعتبارات سے باہم شرکت رکھتے ہیں، مثلاً خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تعین کا مبداء شان علم ہے اور یہی صفت علم ایک اعتبار سے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰات والتسلیمات کے تعین کا مبداء ہے اور نیز یہی صفت (علم) ایک اعتبار سے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰات والتسلیمات کے تعین کا مبداء ہے۔ ان اعتبارات کے تعین کا ذکر خواجہ محمد اشرف کے مکتوب (نمبر ۲۵۱) میں ہو چکا ہے۔

بعض مشائخ نے جو یہ کہا ہے کہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) تعین اول ہے جو حضرت اجمال ہے اور وحدت کے نام سے موسوم ہے۔ ان کی مراد جو اس فقیر پر ظاہر کی گئی ہے، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ (اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے)، وہ اسی دائرہ ظل کا مرکز ہے۔ انہوں نے اس دائرہ ظل کو تعین اول خیال کیا ہے اور اس کے مرکز کو اجمال سمجھتے ہوئے وحدت کا نام دیا ہے اور انہوں نے اس مرکز کی تفصیل کو جو کہ اس دائرہ کا محیط ہے، واحدیت گمان کیا ہے اور دائرہ ظل کے اوپر کے مقام کو جو کہ اسماء و صفات کا دائرہ ہے، ذات بے مثال جو تعین سے پاک ہے، تصور کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے صفت کو عین ذات کہا ہے اور زائد نہیں سمجھا ہے۔ (جبکہ) ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس دائرہ ظل کا مرکز دائرہ فوق کا مرکز ہے، جو اس کی اصل ہے اور وہ دائرہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے نام سے موسوم ہے۔ درحقیقت، حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دائرہ اصل کا مرکز ہے جو اسماء و شیونات کا اجمال ہے۔ اس دائرہ میں اسماء و صفات کی تفصیل مرتبہ واحدیت ہے اور ظلال اسماء کے مرتبہ میں وحدت و واحدیت کا اطلاق کرنا ظل کو اصل کے مشابہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ اور اس مقام میں سیر فی اللہ کا اطلاق بھی اسی قسم سے ہے۔ کیونکہ درحقیقت وہ سیر، سیر الی اللہ میں داخل ہے۔ ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد اگر اسماء و صفات کے دائرہ میں جو کہ اس دائرہ ظل کا اصل ہے، سیر فی اللہ کے طریقہ سے ایک عروج واقع ہوا تو وہاں ولایت کبریٰ کے کمالات کا آغاز ہوگا۔ یہ ولایت کبریٰ اصلی طور پر انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کی متابعت کے ذریعے ان کے صحابہ کرام کو بھی یہ دولت پہنچی ہے۔ اس دائرہ کا نچلا نصف حصہ اسماء و صفات زائدہ کو شامل ہے اور اس کا اوپر کا نصف حصہ شیون و اعتبارات ذاتیہ پر مشتمل ہے۔

عالمِ امر کے پانچ (لطائف) کے عروج کی انتہا اس دائرہ اسماء و شیونات کی نہایت تک ہے۔ اس کے بعد اگر محض اللہ جل شانہ کے فضل سے صفات و شیونات کے مقام سے (آگے) ترقی واقع ہو تو ان کے اصول کے دائرہ میں سیر (نصیب) ہو گی اور اس دائرہ اصول سے گزرنے کے بعد ان اصول کے اصول کا دائرہ ہے۔ اس دائرہ کے طے کرنے کے بعد دائرہ فوق سے ایک قوس ظاہر ہوگی، اس کو بھی طے کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ اس دائرہ فوق سے ایک قوس کے سوا کچھ ظاہر نہیں ہوا (لہذا) اسی قوس پر بس کی جاتی ہے۔ یہاں کوئی راز ہوگا جس پر اطلاع نہیں بخشی گئی۔ اسماء و صفات کے یہ سہ گانہ (تینوں) اصول جو بیان ہوئے ہیں، حضرت تعالیٰ و تقدس میں محض اعتبارات ہیں جو صفات و شیونات کے مبادی بن گئے ہیں۔ ان سہ گانہ (تینوں) اصول کے کمالات کا ہونا نفس مطمئنہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس نفس کو اس مقام میں اطمینان میسر ہو جاتا ہے اور اسی مقام میں شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک اسلام حقیقی سے مشرف ہو جاتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں (نفس) مطمئنہ صدارت کے تخت پر جلوس فرماتا ہے اور مقام رضا پر ترقی کرتا ہے۔ یہ مقام ولایتِ کبریٰ کی انتہا ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت ہے۔

جب (اس فقیر کی) سیر یہاں تک پہنچی تو وہ ہم ہوا کہ بس اس نے کام مکمل کر لیا ہے! صدا آئی کہ ”یہ سب کچھ اسم ظاہر کی تفصیل تھی جو پرواز کا ایک بازو ہے اور اسم باطن ابھی باقی ہے جو عالم قدس کی پرواز کے لیے دوسرا بازو ہے۔ جب تو اس کو (بھی) تفصیل کے ساتھ مکمل کر لے گا تو پھر تو پرواز کے لیے دوبارہ تیار کر لے گا۔“ جب اللہ سبحانہ کے فضل سے اسم باطن کی سیر بھی مکمل ہو گئی تو پرواز کے لیے دوبارہ میسر ہو گئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنَّ هَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاۤءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

اے فرزند! اسم باطن کی سیر کے بارے میں (فقیر) کیا لکھے؟ کیونکہ اس سیر کا حال چھپانے اور باطن میں رہنے کے لائق ہے۔ (فقیر) اس مقام میں اس قدر ظاہر کرتا ہے کہ اسم ظاہر کی سیر صفات میں ہے، بغیر اس کے کہ ان کے ضمن میں ذات تعالیٰ و تقدس ملحوظ ہو۔ اسم باطن کی سیر بھی اگرچہ اسماء میں ہے، لیکن ان کے ضمن میں ذات تعالیٰ ملحوظ ہے اور یہ اسماء ڈھالوں کی مانند ہیں جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حجابات بن گئے ہیں۔

مثلاً صفتِ علم میں ذات تعالیٰ اصلاً ملحوظ نہیں ہے۔ لیکن اس کے اسمِ علیم میں صفت کے پردہ کے پیچھے ذات تعالیٰ ملحوظ ہے، کیونکہ علیم ایک ذات ہے جس کی صفت علم ہے۔ پس علم کی سیر اسم ظاہر کی سیر ہے اور علیم کی سیر اسم باطن کی سیر ہے۔ اور تمام صفات اور اسماء کا حال بھی اسی پر قیاس کریں۔

یہ اسماء جو اسم باطن سے تعلق رکھتے ہیں، ملائکہ ملاءِ اعلیٰ علی نبیّنا وعلیہم الصلوٰات والتحیات کے تعینات کے مبادی ہیں اور ان اسماء میں سیر کا آغاز کرنا ولایتِ علیا میں قدم رکھنا ہے جو ملاءِ اعلیٰ کی ولایت ہے۔

جو فرق اسم ظاہر اور اسم باطن کے بیان میں علم اور علیم کے درمیان کیا گیا ہے تو اس فرق کو تھوڑا خیال نہ کر اور یہ مت کہہ کر علم سے علیم تک تھوڑا سا راستہ ہے۔ (ایسا) نہیں! بلکہ وہ فرق جو مرکز خاک اور عرش معلیٰ کی اوپر والی سطح کے درمیان ہے،

اس فرق کی نسبت ایسا ہے، جیسے دریائے محیط کی نسبت قطرہ کہنے کو نزدیک ہے اور حاصل ہونے میں دور ہے۔ جن مقامات کا ذکر اختصار کے طریقہ سے بیان ہوا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے۔

مثلاً کہا گیا ہے کہ (سالم) عالمِ امر کے پانچ (لطائف) کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے، تاکہ دائرہ امکان مکمل (طے) ہو جائے۔ اس عبارت میں سیر الی اللہ کا مکمل طور پر ذکر آ گیا ہے اور اس سیر کے حاصل کرنے کے لیے پچاس ہزار سال کی مدت کے راستے کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ (یہ آیت) کریمہ اس معنی کی طرف ایک اشارہ کرتی ہے:

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ. (سورة معارج، ۴)

یعنی: جس کی طرف فرشتے اور روح (الامین) اس دن میں چڑھتے ہیں جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ اللہ جلّ سلطانہ کے جذبہ عنایت کے لیے آسان ہے کہ اس لمبی مدت کے کام کو آنکھ جھپکنے کی دیر میں میسر فرمادے:

ع با کریماں کارہا دشوار نیست

یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہے۔

اسی طرح ہے جو کہا گیا ہے کہ (سالم) اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے دائرہ کو طے کر کے ان کے اصول میں سیر کرے۔ تمام اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کو طے کرنا، کہنے میں آسان ہے اور طے کرنے میں بہت مشکل ہے۔ اس طے کرنے کی دشواری کے بارے میں مشائخ نے فرمایا ہے:

مَنَازِلُ الْوُصُولِ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدًا لِابْدِينٍ. یعنی: وصول کی منزلیں ابدالاً باتک ختم نہیں ہوتیں۔

اور انہوں نے ان مراتب کی سیر کی تکمیل سے منع کیا ہے:

نہ حسنش غایتی دارد نہ سعدی راتخن پایاں بمیرد تشنہ مستقی و دریا ہچنہاں باقی

یعنی: نہ اس کے حسن کی انتہا ہے (اور) نہ سعدی کے بیان کی نہایت ہے۔ پیاسا پیاسا ہی مرجاتا ہے اور دریا یونہی (بھرا ہوا) باقی رہتا ہے۔

تو یہ گمان نہ کر کہ وصول کے مراتب طے نہ ہونا تجلیات ذاتیہ کے اعتبار سے کہا گیا ہے، نہ کہ تجلیات صفاتیہ کے اعتبار سے اور انہوں نے حسن سے مراد حسن ذاتی لی ہے، نہ کہ حسن صفاتی۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلیات ذاتیہ شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بغیر نہیں ہیں اور وہ حسن ذاتی صفات جمالیہ کے حجاب کے بغیر نہیں ہے، کیونکہ اس مقام میں ان حجابات کے بغیر گفتگو کی مجال نہیں ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللَّهَ كُلَّ لِسَانُهُ. (۱) یعنی: جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی۔

اور تجلی ایک قسم کی ظلیت چاہتی ہے، لہذا اس مقام میں شیون کے ملاحظہ کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ پس وصول اور مراتب حسن کی یہ منزلیں اسماء و شیونات کے اسی دائرہ میں داخل ہوئیں جس کا طے کرنا ان کے نزدیک دشوار ہے اور جو معاملہ اس درویش پر ظاہر کیا گیا ہے وہ تجلیات اور ظہورات سے بالاتر ہے، خواہ تجلی ذاتی ہو اور خواہ صفاتی اور وہ حسن و جمال سے بالاتر ہے، خواہ حسن ذاتی ہو اور خواہ حسن صفاتی۔

غرض مطالب بلند اور مقاصد ارجمند کو مختصر عبارات کی لڑی میں اختصار کے طریقہ سے پرو دیا ہے اور بیکراں سمندروں کو چند کوزوں میں سمیٹا ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِينَ۔ یعنی: پس کوتاہ ہمت مت بنو۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (فقیر کو) اسم ظاہر اور اسم باطن کے دو بازو حاصل ہونے کے بعد جب پرواز میسر ہوئی اور عروج واقع ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ ترقیاں اصل کے لحاظ سے عنصرِ ناری، عنصرِ ہوائی اور عنصرِ آبی کو نصیب ہیں، کیونکہ ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کو بھی ان تینوں عناصر سے (حصہ) نصیب ہے، جیسا کہ آیا ہے کہ بعض فرشتے آگ اور برف سے تخلیق ہوئے ہیں اور ان کی تسبیح (یہ) ہے: سُبْحَانَ (اللّٰہِ) مَنْ جَمَعَ بَيْنَ النَّارِ وَالنُّلْجِ۔ یعنی: پاک ہے وہ ذات جس نے آگ اور برف کو جمع کر دیا۔

اس سیر کے دوران ایک واقعہ میں دکھایا گیا کہ گویا میں ایک راستے پر جا رہا ہوں اور زیادہ چلنے کی وجہ سے تھک گیا ہوں۔ میں لٹھی اور عصا کی آرزو رکھتا ہوں کہ شاید اس کی مدد سے راستہ چل سکوں۔ وہ میسر نہیں ہوتی۔ ہر خس و خاشاک (تینکے) پر ہاتھ ڈالتا ہوں کہ وہ راستہ چلنے میں مدد کرے، کیونکہ میں راستہ چلنے کے سوا چارہ نہیں رکھتا۔ جب کچھ مدت میں نے یونہی سیر کی تو ایک شہر کا ملحقہ علاقہ ظاہر ہوا۔ اس ملحقہ علاقے کی مسافت طے کرنے کے بعد اس شہر میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ آگاہ کیا گیا کہ اس شہر سے مراد تعینِ اول ہے جو اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے تمام مراتب کا جامع ہے، نیز ان مراتب کے اصول اور ان کے اصول کا بھی جامع ہے اور ان اعتبارات ذاتیہ کی انتہا ہے جن کے درمیان تمیز کرنا علمِ حصولی کے مناسب ہے۔ اس کے بعد اگر سیر واقع ہوئی تو وہ علمِ حضوری کے مناسب ہوگی۔

اے فرزند! حضرت (اللہ) جلِ سلطانہ کے ہاں علمِ حصولی اور علمِ حضوری کا اطلاق مثال و نظیر کے اعتبار سے ہے، کیونکہ جن صفات کا وجود ذاتِ تعالیٰ و تقدس کے وجود پر زائد ہے، ان کا علمِ حصولی کے مناسب ہے اور اعتبارات ذاتیہ جن کا ذاتِ تعالیٰ و تقدس پر زائد ہونا ہرگز متصور نہیں ہے، ان کا علمِ حصولی کے مناسب ہے، ورنہ وہاں اس تعلق کے علاوہ جو علم (اپنے) معلوم سے ہے اس امر کے بغیر کہ معلوم سے اسے کیا حاصل ہوتا ہے، اور کچھ نہیں ہے۔ فَافْهَمْ۔ (پس سمجھ لو)۔

یہ تعینِ اول جس سے مراد وہ شہر جامع ہے، (یہ) تمام انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا جامع ہے اور ولایتِ علیا کی انتہا ہے جو اصلیت کے لحاظ سے ملائے اعلیٰ سے مخصوص ہے۔ اس مقام میں ملاحظہ کیا گیا کہ کیا یہ تعینِ اول حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے یا نہیں؟ پس معلوم ہوا کہ حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) وہی ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور اس کو تعینِ اول کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ اسماء و صفات اور شیون و اعتبارات کے جامع ہونے کے اعتبار سے اس تعینِ اول کے ظل کا مرکز ہے۔ جو سیر اس کے اوپر واقع ہو وہ کمالاتِ نبوت کا آغاز ہوگا اور یہ کمالات انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور مقامِ نبوت سے پیدا ہوئے ہیں۔ انبیاء کے کامل تابعداروں کو بھی تابعداری کی بنا پر ان کمالات سے (حصہ) نصیب ہے۔ لطائفِ انسانی کے درمیان عنصرِ خاک کو اصالت کے طور پر ان کمالات سے بہت زیادہ حصہ حاصل ہے اور تمام انسانی اجزا خواہ وہ عالمِ امر سے ہوں یا عالمِ خلق سے، اس مقام میں سب اس عنصرِ پاک کے تابع ہیں اور اس کے طفیل اس دولت سے مشرف ہیں۔ چونکہ یہ عنصر بشر سے مخصوص ہے (لہذا) لازمی طور پر خاص بشر خاص فرشتوں سے

افضل ہو گئے، کیونکہ جو کچھ اس عنصر کو میسر ہوا ہے وہ کسی کو میسر نہیں ہوا اور نزدیک ہونے (ذُنُوءًا) کے بعد قریب ہونے (تَدَلُّی) کی حقیقت اس مقام میں ظاہر ہوتی ہے اور قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَذْنٰی (یعنی: دو کمانوں کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ سورہ نجم، ۹) کا راز اس جگہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس سیر میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ولایتوں کے کمالات، خواہ وہ ولایت صغریٰ ہو، خواہ ولایت کبریٰ ہو اور خواہ ولایت علیا ہو، سب مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ کمالات ان کمالات کی حقیقت کے لیے خیالی صورت اور مثال کی مانند ہیں۔ نیز روشن ہوتا ہے کہ اس سیر کے ضمن میں جو ایک نقطہ طے کیا جاتا ہے وہ مقام ولایت کے تمام کمالات سے زیادہ ہے۔ پس قیاس کرنا چاہیے کہ ان تمام کمالات کو پہلے تمام کمالات کے ساتھ کیا نسبت ہوگی، بحر محیط کو بھی ایک قطرہ کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ اس جگہ وہ نسبت بھی مفقود ہے، مگر یہ کہ ہم کہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے، جیسی غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے۔

سبحان اللہ! ایک جاہل اس راز کے بارے میں کہتا ہے کہ الْوَلَايَةُ اَفْضَلُ مِنَ النَّبُوَّةِ. یعنی: ولایت نبوت سے افضل ہے۔ اور دوسرا اس معاملہ سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی توجیہ میں کہتا ہے: وَلَايَةُ النَّبِيِّ اَفْضَلُ مِنْ نُبُوَّتِهِ. یعنی: نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔ کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ. (سورہ کہف، ۵) یعنی: (یہ) بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔

جب اللہ سبحانہ کی عنایت اور اس کے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے (فقیر نے) اس سیر کو آخر تک پہنچایا تو ظاہر ہوا کہ بالفرض اگر ایک اور قدم اس سیر میں (آگے) بڑھائے گا تو عدم محض میں گر پڑے گا، کیونکہ اس سے آگے عدم محض کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اے فرزند! اس ماجرا سے تم یہ خیال نہ کرنا کہ عنقا شکار ہو گیا اور سمرغ جال میں پھنس گیا:

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را (۲)

یعنی: عنقا کسی سے شکار نہیں ہوتا، لہذا تو جال سمیٹ لے، کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے حصے میں ہوا ہی آتی ہے۔

کیونکہ اللہ سبحانہ ورائہ الْوَرَاءَ (بہت ہی زیادہ برتر) ہے، پھر ورائہ الْوَرَاءَ ہے، پھر ورائہ الْوَرَاءَ ہے:

هنوز ایوان استغنا بلند است مرا فکر رسیدن ناپسند است (۳)

یعنی: ابھی بے نیازی کا محل بہت بلند ہے مجھے (وہاں) پہنچنے کی فکر کرنا ناپسند ہے۔

یہ وراثت (برتری) پردوں کے وجود کے اعتبار سے نہیں ہے، کیونکہ پردے کلی طور پر اٹھ گئے ہیں، بلکہ (یہ) عظمت و کبریائی کے اعتبار سے ہے، جو ادراک کے مانع اور وجدان کے منافی ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وجود میں بہت زیادہ قریب اور وجدان سے بہت زیادہ دور ہے۔ ہاں! کالمین میں سے بعض ایسے بامراد ہیں جن کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے طفیل عظمت و کبریائی کے سرپردوں کے اندر جگہ عطا کرتے ہیں اور بارگاہ کا محرم بناتے ہیں۔ فَعُوْمِلَ مَعَهُمْ مَا عُوْمِلَ مَعَهُمْ.

یعنی: پس ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو ہوا۔

اے فرزند! یہ معاملہ انسان کی اس ہیئت وحدانی سے مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے پیدا ہوئی ہے۔

اس کے باوجود اس مقام میں بھی سب کا سردارِ عنصرِ خاک ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ لَيْسَ وَرَاءَهُ إِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ۔
یعنی: اس سے اوپر عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں۔

(یہ) اس لیے کہا گیا کہ وجودِ خارجی اور وجودِ علمی کے مراتب کی تکمیل کے بعد عدم کا حصول ہے جو اس (وجود) کی ضد ہے اور اللہ سبحانہ کی ذات اس وجودِ عدم سے برتر ہے، جس طرح کہ عدم کو وہاں راہ نہیں ہے، اسی طرح وجود کی بھی (وہاں) گنجائش نہیں ہے، کیونکہ جس وجود کی ضد عدم ہو، وہ حضرت اللہ جلّ سلطانہ کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر میں عبارت کی تنگی کی وجہ سے وجود کا اطلاق اس مرتبہ میں کروں تو اس سے وہ وجود مراد ہوگا، جس کی ضد بننے کی عدم کو مجال نہیں ہے۔

اس فقیر نے اپنے بعض مکاتیب میں جو لکھا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی حقیقت وجودِ محض ہے، وہ اس معاملہ کی حقیقت تک اپنی نارسائی کی وجہ سے لکھا ہے، نیز بعض ایسے معارف جو توحید و وجودی وغیرہ کے بارے میں لکھے ہیں، وہ بھی اسی قسم سے ہیں (اور) ان کا راز بھی معاملہ کی حقیقت سے عدمِ اطلاع ہی ہے۔ جب معاملہ کی حقیقت سے (فقیر کو) آگاہ بنایا گیا تو جو کچھ (اس نے) ابتدا اور وسط میں لکھا اور کہا تھا، وہ اس پر شرمندہ (ہوا) اور اس نے استغفار کیا۔ اَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَ اَتُوبُ اِلَى اللَّهِ مِنْ جَمِيعِ مَا كَرِهَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى۔^(۴) یعنی: میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں اور اسی کی طرف توبہ کرتا ہوں ان تمام باتوں سے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

اس بیان سے روشن ہوا کہ نبوت کے کمالات بلندی کے مراتب میں ہیں۔ نیز ایسے ہی نبوت کے عروج و جات میں توجہ حق سبحانہ کی طرف (ہوتی) ہے، نہ کہ جس طرح اکثر نے گمان کیا ہے کہ ولایت میں توجہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب (ہوتی) ہے اور نبوت میں توجہ مخلوق کی طرف (ہوتی ہے) اور ولایت عروج کے مراتب میں ہے اور نبوت نزول کے مراتب میں ہے۔ اسی وجہ سے ان کو وہم ہوا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ ہاں! ولایت اور نبوت دونوں کو ایک عروج ہے اور ایک زوال۔ عروج میں دونوں کی توجہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف ہے اور نزول میں مخلوق کی جانب۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نبوت کے مرتبہ نزول میں کلی طور پر توجہ مخلوق کی طرف ہے اور ولایت کے مرتبہ نزول میں کلی طور پر توجہ مخلوق کی طرف نہیں ہے، بلکہ اس کا باطن حق کی جانب ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کی طرف ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ صاحبِ ولایت نے مقاماتِ عروج کی تکمیل نہ کرتے ہوئے نزول کر لیا ہے، (لہذا) یقیناً اس کو فوق کی نگرانی ہر وقت دامن گیر ہے اور (یہ چیز) مخلوق کی طرف کلی طور پر اس کی توجہ کی مانع ہے، برخلاف صاحبِ نبوت کے جس نے مقاماتِ نبوت کی تکمیل کر کے نزول فرمایا ہے، لہذا وہ کلی طور پر مخلوق کو حق جل و علا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہے۔

فَافْهَمُ فَإِنَّ هَذِهِ الْمَعْرِفَةَ الشَّرِيفَةَ وَ امْتَالَهَا مِمَّا لَا يَتَكَلَّمُ بِهَا أَحَدٌ۔

یعنی: پس سمجھ لو کہ یہ معرفتِ شریفہ اور اس طرح کے دوسرے معارف ایسے ہیں جن کو کسی نے بیان نہیں کیا۔

جاننا چاہیے کہ عنصرِ خاک جس طرح عروج کے مراتب میں سب سے اوپر جاتا ہے، اسی طرح وہ عنصرِ نزول کی منازل میں زیادہ نیچے آ جاتا ہے۔ زیادہ نیچے کیوں نہ آئے جبکہ اس کا طبعی مکان سب سے نیچے ہے اور جب وہ سب سے زیادہ نیچے آ جاتا ہے تو لازماً اس کے صاحب کی دعوتِ زیادہ کامل ہوتی ہے اور اس کا فائدہ بھی سب سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔

اے فرزند! جان لے کہ چونکہ طریقہ نقشبندیہ میں سیر کی ابتدا قلب سے ہے جو کہ عالم امر سے ہے، (لہذا) بات کا آغاز بھی عالم امر سے کیا گیا ہے، بخلاف مشائخ کرام کے دوسرے طریقوں کے جو تزکیہ نفس سے شروع کرتے ہیں اور قالب کو پاک فرماتے ہیں۔ اس کے بعد عالم امر میں آتے ہیں اور جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہاں تک عروج کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں درج ہوئی ہے اور یہ طریقہ سب طریقوں سے زیادہ اقرب بن گیا ہے، کیونکہ اس سیر کے ضمن میں ان کو تزکیہ و تصفیہ کا حصول بہت اچھی طرح میسر ہو گیا ہے اور مسافت کوتاہ ہو گئی ہے، لہذا یقیناً ان بزرگواروں نے عالم خلق کی سیر کو ارادی طور پر نہ صرف ضائع سمجھا ہے اور بیکار شمار کیا ہے، بلکہ مطلب کے پانے میں اس کے مضر اور مانع ہونے کا یقین کیا ہے، کیونکہ ساکنانِ طریقت تزکیہ، مشکل ریاضتوں اور سخت مجاہدوں کے قدم سے عالم خلق کی صورت کے جنگلوں کو طے کر کے جب عالم امر کی سیر کو شروع فرماتے ہیں اور قلبی جذبہ اور روح کی لذت میں پڑ جاتے ہیں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس جذبہ پر قناعت کر لیتے ہیں اور اسی لذت پر کفایت کرتے ہیں۔ انہیں اس عالم کی لامکانیت کا گمان دامن گیر ہو جاتا ہے اور اس عالم کی بے مثلی کی آمیزش ان کو بے مثل حقیقی سے دور رکھتی ہے۔

دوسرا یہ کہ شاید اسی مقام میں ایک سالک نے کہا ہے کہ ”تیس سال تک میں روح کو خدا سمجھ کر پوجتا رہا۔“ اور (ایک) دوسرے نے کہا ہے کہ ”استوئی کاراز اور عرش کے اوپر تزیہ کا نظہورد قیق اور مخفی معارف میں سے ہے۔“

پہلے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تزیہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہے، بلکہ ”تزیہ نما“ (تزیہ کی صورت میں) ہے اور حقیقت میں تشبیہ ہے۔ بخلاف اس طریقہ عالیہ (نقشبندیہ) کے بزرگواروں کے جو مقام جذبہ (قلب) سے شروع کرتے ہیں اور (روح کی) لذت کی مدد سے ترقیاں فرماتے ہیں، یہ جذبہ ولذت ان (بزرگواروں) کے حق میں ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں ریاضتیں اور مجاہدے ہیں۔ پس جو کچھ دوسروں کے لیے مانع وصول ہے، وہ ان بزرگواروں کے لیے مددگار و معاون ہے۔ وہ عالم امر کی لامکانیت کو عین مکانیت تصور کر کے لامکانی حقیقی کی جانب توجہ فرماتے ہیں اور اس عالم کی بے مثلی کو مثل سمجھ کر بے مثل حقیقی کی طرف عروج کرتے ہیں۔ یقیناً وہ دوسروں کی طرح وجد و حال کے غرور پر فریفتہ نہیں ہوتے اور بچوں کی طرح اس راستے کے اخروٹ و مٹھی سے فریب نہیں کھاتے اور صوفیہ کی بیکار باتوں پر فخر نہیں کرتے اور مشائخ کی شطیحات پر ناز نہیں کرتے، وہ احدیت صرف کی جانب متوجہ ہیں اور اسم و صفت سے ذات مقدس کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

جاننا چاہیے کہ یہ عروج جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے، محمدی المشرَب (سالک) کے ساتھ مخصوص ہے جو کامل استعداد والا ہے (اور) جو عالم امر کے جواہر خمسہ کے کمالات سے کامل نصیب رکھتا ہے، خواہ وہ عالم صغیر سے ہو یا عالم کبیر سے۔ اسی طرح وہ ان پنجگانہ اصول سے جو اسمائے وجوبی کے ظلال ہیں، بہت زیادہ حصہ رکھتا ہے، نیز ایسے ہی ان ظلال کے اصول سے جو اسماء و صفات سے مقدم ہیں (بہرہ مند ہوتا ہے)۔

نیز یہ جو میں نے کہا ہے کہ ”وہ کامل استعداد والا ہوتا ہے“، کیونکہ اکثر یوں ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر محمدی المشرَب جو کمالات انہی جو مراتب (عالم) امر کی نہایت ہیں، سے بھی حصہ رکھتا ہے، لیکن اس نے معاملہ انہی کو آخر تک نہیں پہنچایا ہوتا اور اس کے آخری نقطہ تک نہیں پہنچا ہوتا، بلکہ اس کی ابتدا یا وسط میں رہ گیا ہوتا ہے۔ جب وہ انہی میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کے

اصول میں بھی اس کوتاہی کے اندازے سے کوتاہی کرے گا اور کام کو انجام تک نہیں پہنچائے گا۔ عالم امر کے باقی چارگانہ (مراتب) میں بھی یہی نسبت ہے کہ ہر مرتبہ کی استعداد کا کامل ہونا اس مرتبہ کے آخری نقطہ تک پہنچنے سے وابستہ ہے۔ ابتدا اور وسط اس نقص کی خبر دیتا ہے، خواہ نہایت سے بال کے برابر کوتاہی کرے:

فراقِ دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم مو است بسیار است

یعنی: دوست کی جدائی اگر تھوڑی ہے تو بھی بہت ہے، کیونکہ آنکھ میں اگر آدھا بال ہے تو بھی بہت ہے۔

یہ کوتاہی اصول اور اصول کے اصول میں بھی سرایت کرے گی اور مطلب کے وصول سے روکے گی۔ میں نے جو یہ کہا ہے کہ ”یہ بیان محمدی المشرّب (سائلک) سے مخصوص ہے“، اس لیے (کہا ہے) کہ محمدی المشرّب کے علاوہ (دوسرے سائلین میں) ایک شخص ہوتا ہے جس کا کمال درجات ولایت میں سے درجہ اول تک ہی محدود ہوتا ہے اور درجہ اول سے مراد مرتبہ قلب ہے۔ دوسرا شخص ایسا ہوتا ہے کہ اس کا کمال ولایت کے دوسرے درجات میں سے درجہ دوم تک محدود ہوتا ہے جو مقام روح ہے۔ تیسرا شخص ایسا ہوتا ہے کہ اس کے کمال کے عروج کی انتہا درجہ سوم تک ہوتی ہے جو مقام سر ہے۔ چوتھا شخص ایسا ہوتا ہے کہ اس کے کمال کے عروج کی انتہا درجہ چہارم تک ہوتی ہے جو مقام خفی ہے۔ درجہ اول کی مناسبت صفات افعال کی تجلی سے ہے، درجہ دوم کی صفات ثبوتیہ کی تجلی سے اور درجہ سوم کی شیون و اعتبارات ذاتیہ سے مناسبت ہے اور درجہ چہارم صفت سلبیہ سے جو تقدیس و تنزیہ کا مقام ہے، مناسبت رکھتا ہے۔ ولایت کے درجات میں سے ہر درجہ اولو العزم انبیاء میں سے ایک نبی کے قدم کے نیچے ہے۔

ولایت کا پہلا درجہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے اور ان کا رب صفت تکوین ہے جو افعال کے صادر ہونے کا منشاء ہے۔ ولایت کا دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس مقام میں شرکت رکھتے ہیں اور ان کا رب صفت علم ہے جو صفات ذاتیہ میں سب سے زیادہ جامع ہے۔ تیسرا درجہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور ان کا رب مقام شیونات سے شانِ کلام ہے۔ چوتھا درجہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور ان کا رب صفات سلبیہ سے ہے، نہ کہ (صفات) ثبوتیہ سے جو تقدیس و تنزیہ کا مقام ہے۔ اکثر ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اس مقام میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ شرکت رکھتے ہیں اور ان کو اس مقام میں عظیم شان حاصل ہے اور پانچواں درجہ خاتم النبیین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب الارباب ہے جو صفات و شیونات اور تقدیسات و تنزیہات کا جامع ہے اور ان کمالات کے دائرہ کا مرکز ہے اور صفات و شیونات کے مرتبہ میں اس رب جامع کی تعبیر شانِ علم کے ساتھ مناسب ہے، کیونکہ یہ عظیم الشان شان تمام کمالات کی جامع ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت بنی اور ان کا قبلہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ بنا۔

جاننا چاہیے کہ ولایت کے قدموں کی ایک دوسرے پر فضیلت درجات کے مقدم و مؤخر ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے، تاکہ صاحبِ اخفی دوسروں سے افضل ہو، علیٰ ہذا القیاس۔ بلکہ (یہ) اصل سے قریب اور دور ہونے اور ظلال کے درجات کی

منازل کو زیادہ یا کم طے کرنے کے اعتبار سے ہے۔ پس روا ہے کہ صاحب قلب اصل سے قریب ہونے کے اعتبار سے صاحبِ انہی سے افضل ہو، جس نے یہ قرب پیدا نہیں کیا ہے۔ کیسے نہ ہو جبکہ نبی کی ولایت جو ولایت کے درجہ اول میں ہے، اس ولی کی ولایت سے یقینی طور پر افضل ہے جو ولایت کے آخری درجے میں ہے۔

مخفی نہ رہے کہ لطائف کا مذکورہ ترتیب سے سلوک (طے کرنا) کہ (لطیفہ) قلب سے (لطیفہ) روح اور روح سے سرور سر سے خفی اور خفی سے انہی تک پہنچنا بھی محمدی المشرق (سالك) سے مخصوص ہے جو عالمِ امر کے ان پانچوں (لطائف) کو ترتیب سے مکمل (طے) کر کے ان کے اصول میں سیر کرتا ہے۔ اس کے بعد اصول کے اصول میں اسی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے کام کو انجام تک پہنچاتا ہے۔ یہ راستہ مذکورہ ترتیب سے وصول (الی اللہ) کے لیے شاہراہ ہے اور احدیت کی جانب متوجہ ہونے والوں کے لیے صراطِ مستقیم ہے۔ بخلاف دوسری ولایتوں کے کہ وہاں گویا ہر درجہ میں ایک سرنگ کھودی گئی ہے اور مطلوب تک پہنچایا گیا ہے۔ مثلاً انہوں نے مقامِ قلب سے ایک سرنگ کھودی ہے اور افعال کی صفات تک جو اس کی اصل کی اصل ہے، پہنچایا ہے۔ نیز اسی طرح انہوں نے مقامِ روح سے ایک سرنگ کھودی ہے اور صفات ذاتیہ تک پہنچایا ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات اس کی ذات سے جدا نہیں ہیں۔ اگر علیحدگی ہے تو وہ ظلال میں ہے۔ پس اس مقام میں افعال و صفات کے واصلین کو بھی ذات بے مثل تعالیٰ و تقدس کی تجلیات سے ایک (حصہ) نصیب ہوگا۔ جس طرح کہ صاحبِ انہی کو کام کی تکمیل کے بعد یہ دولت میسر ہوگی، اگرچہ بلندی و پستی کے اعتبار سے فرق باقی رہے گا اور صاحبِ قلب صاحبِ انہی سے برابری نہیں کر سکے گا۔ لیکن اس جگہ تو (یہ) غلطی نہ کرنا کہ یہ فرق اولیاء کے درمیان آپس میں متصور ہے۔ کیونکہ دونوں کے مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد قلب کی ولایت والا انہی کی ولایت والے سے درجہ میں کم ہے، لیکن اولیاء کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بہ نسبت یہ فرق مفقود ہے۔ کیونکہ نبی کی ولایت جو مقامِ قلب سے جاری ہوئی ہے، ولایتِ ولی سے افضل ہے جو مقامِ انہی سے پیدا ہوئی ہے، خواہ اس ولی نے انہی کے کمالات کو انجام تک پہنچا دیا ہو۔ اس صاحبِ ولایت کی سیر ہمیشہ اس ولایت کے نبی کے زیرِ قدم ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ. إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ. وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ. (سورۃ صافات، ۱۷۲-۱۷۳)

یعنی: بیشک اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں (انبیاء) سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ وہی منصور ہیں اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔

ہاں! یہ فرق انبیاء کے درمیان آپس میں متصور ہے کہ بلندی والے صاحبِ پستی والے صاحب سے افضل ہیں، لیکن انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات میں بھی یہ فرق عالمِ امر کے دائرہ کمالات کے آخر تک ہے۔ اس کے بعد یہ فضیلت اس بلندی و پستی سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں اس پستی والا صاحب اس بلندی والے صاحب سے افضل ہو۔ جیسا کہ ہم نے اس مقام میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہما الصلوٰة والسلام کے درمیان اس فرق کا مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰة والسلام اس مقام میں جسیم اور شانِ عظیم کے ساتھ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰة والسلام کو یہ جسامت اور شان حاصل نہیں ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس مقام میں یہ فرق اس بلندی و پستی کے علاوہ ایک اور امر کی

وجہ سے ہوا ہے، جس کو میں ان شاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کے حسنِ توفیق اور کمالِ احسان و کرم سے اس کے بعد تفصیل سے بیان کروں گا۔ اسی طرح ہم نے یہ فرق (حضرت) خلیل الرحمن (ابراہیم) اور خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا دوسرے تمام انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے درمیان، ان کے کمالات میں جو کعبہ ربانی کی اس حقیقت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جو بشریت و ملکیت کے تمام حقائق سے برتر ہے، مشاہدہ کیا ہے کہ (حضرت) خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اس مقام میں ایک عظیم شان اور بلند مرتبہ حاصل ہے (اور) کسی اور کو یہ شان و مرتبہ میسر نہیں ہے۔

اس عمدہ مقام میں جو عظمت و کبریائی کے سرِ اُردو کے ظہور کے مقام کے مناسب ہے، اس مقام کے کمالات کا مرکز مقامِ اجمال ہے، جو خاتم النبیین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو نصیب ہیں اور باقی تمام مفصل طور پر حضرت خلیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لیے مسلم ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور کامل اولیاء میں سے جو بھی ہیں، وہ سب ان کے طفیلی ہیں۔

جیسا کہ ہمارے پیغمبر علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات نے اس اجمال کی تفصیل طلب فرمائی ہے۔ اس مقام میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے مسئولہ درود و برکات کو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰات والتسلیمات کے درود و برکات کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد وہ تفصیل آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میسر ہوگئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سوال قبول ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِكَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعْمَاتِہٖ۔ یعنی: اس پر اور تمام نعمتوں پر اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔

اس بلند مقام کے کمالات تمام ولایتوں کے کمالات اور نبوت و رسالت کے کمالات سے بلند تر ہیں۔ کیوں نہ بلند ہوں جبکہ یہی حقیقت انبیائے کرام اور ملائکہ عظام علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی مسجودالیہ ہے۔

اس فقیر نے رسالہ ”مبداء و معاد“ میں جو لکھا ہے کہ ”حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقتِ کعبہ کے مقام تک جو اس سے بلند ہے، پہنچ کر متحد ہوتی ہے اور حقیقتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) حقیقتِ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام پاتی ہے۔“ وہ حقیقتِ کعبہ اس حقیقت کے ظلال میں سے ایک ظل تھی کہ (فقیر نے) اس حقیقت کے ظاہر نہ ہونے کے وقت ان سب کو حقیقت سمجھا۔ یہ شبہ بہت زیادہ واقع ہوتا ہے کہ (سائل) اصل کے ظاہر نہ ہونے کے وقت ظل کو اصل خیال کرتا ہے اور اسے حقیقت کا نام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مقام چند بار ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ اس مقام کے ظہورات اس مقام کے ظلال کے اعتبار سے ہیں۔ دراصل اس مقام کی حقیقت وہی ہے جو آخری مرتبہ میں ظاہر ہوئی ہے۔

اگر کہیں کہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ مرتبہ اس کے ظہورات کا آخری مرتبہ ہے تاکہ اس کو حقیقت سمجھا جائے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ سابقہ ظہورات کی ظلیت کا علم حاصل ہونا، اس ظہور کی آخریت پر شاہدِ عادل ہے، کیونکہ یہ علم سابقہ ظہورات کے وقت حاصل نہیں ہے، بلکہ (سائل) ہر ظہور کو حقیقت سمجھتا ہے اور کسی کو بھی ظل خیال نہیں کرتا، اگرچہ وہ نہیں جانتا کہ ان حقائق کا اختلاف کہاں سے آیا ہے۔ فَافْهَمُ۔ یعنی: پس سمجھ لو۔

اے بیٹا! سابقہ معارف سے معلوم ہوا کہ جو کمالات عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان کمالات کے لیے مقدمات اور

زینوں کی طرح ہیں جو عالم خلق سے متعلق ہیں۔ پہلے کمالات ظلیت سے خالی نہیں ہیں اور وہ مقامات ولایت سے مخصوص ہیں اور دوسرے کمالات نے ظلیت کے شائبہ سے جو اس انشاء دنیویہ کے ظہورات کے مناسب ہے، خالی ہو کر نبوت کے مقامات سے کامل حصہ پایا ہے۔ پس طریقت و حقیقت جو ولایت سے وابستہ ہیں، دونوں اس شریعت کی خادم ہیں جو مقام نبوت سے جاری ہے اور ولایت نبوت کے عروج کے لیے زینہ ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ بزرگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے جو سیر اختیار کی ہے اور اس کی ابتدا عالم امر سے کی ہے، وہ سب سے بہتر اور سب سے مناسب ہے، کیونکہ ادنیٰ جو عالم امر ہے، سے اعلیٰ جو عالم خلق ہے، کی جانب ترقی کرنی چاہیے، نہ کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف۔ (لیکن) کیا کیا جائے کہ یہ معما سب پر نہیں کھولا گیا۔ دوسروں نے ظاہر پر نگاہ کرتے ہوئے عالم خلق کو پست دیکھا (اور) پستی سے شروع کر کے بلندی صوری کی جانب ترقی کی ہے۔ انہوں نے نہیں سمجھا کہ معاملے کی حقیقت دگرگوں ہے اور پستی درحقیقت بلندی ہے اور بلندی پستی ہے۔ ہاں! آخری نقطہ جو عالم خلق ہے وہ پہلے نقطے، جو اصل الاصل ہے، کے نزدیک ہو گیا ہے۔ یہ قرب کسی دوسرے نقطے کو میسر نہیں ہوا ہے:

ع کہ مستحق کرامت گناہگار اند (۵)

یعنی: کیونکہ عزت افزائی کے مستحق گناہگار ہیں۔

یہ دید (مشاہدہ) نبوت کے چراغ سے حاصل شدہ ہے اور ارباب ولایت اس معرفت سے کم حصہ پاتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے سیر عالم امر سے شروع کی ہے اور وہ حقیقت سے شریعت کی جانب آئے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جن کامل اولیاء کی سیر انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی سیر کے موافق ہوئی ہے، ان کے لیے (یہ) ابتدا میں شریعت کی صورت ہے، وسط میں طریقت و حقیقت جو ولایت سے تعلق رکھتی ہیں اور عالم امر کے مناسب ہیں (کی صورت ہے) اور آخر میں شریعت کی حقیقت (کی صورت) ہے جو نبوت کا ثمرہ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ طریقت و شریعت کا حاصل ہونا شریعت کی حقیقت کے حاصل کرنے کے لیے مقدمہ ہے۔ پس کامل اولیاء کی ابتدا اور انبیاء مرسل کی ابتدا حقیقت ہے اور ان دونوں کی انتہا شریعت ہے۔ پھر جس نے کہا کہ ”اولیاء کی ابتدا انبیاء کی نہایت ہے“ اور اس نے اولیاء کی ابتدا اور انبیاء کی انتہا سے شریعت مراد لی ہے، اس کے اس قول کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ جی ہاں! چونکہ وہ بیچارہ معاملے کی حقیقت سے آگاہی نہیں رکھتا تھا، (لہذا) مجبوراً اس نے خلاف امر بات کی ہے۔ ان معارف کو اگرچہ کسی نے بیان نہیں کیا ہے، بلکہ اکثر نے اس کے برعکس کہا ہے اور (یہ) ادراک (و عقل) سے بعید ہیں، لیکن وہ منصف جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بزرگی کے پہلو کا ملاحظہ کرے اور شریعت کی عظمت اس پر غالب ہو، احتمال ہے کہ وہ ان مخفی رازوں کو قبول فرمائے گا اور اس قبولیت کو اپنے ایمان کی زیادتی کا ذریعہ بنائے گا۔

اے فرزند! سن لو کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے دعوت کا انحصار عالم خلق پر رکھا ہے۔ بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ۔ (۶) یعنی: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

چونکہ قلب کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت تھی، (لہذا) اس کی تصدیق کی بھی دعوت فرمائی اور قلب کے ماسویٰ کے

بارے میں بات نہیں فرمائی اور ان کو راستے کے کوڑا کرکٹ کی مانند سمجھا اور اسے مقاصد میں شمار نہیں کیا۔ جی ہاں! بہشت کی راحتیں، دوزخ کے دکھ، دیدار کی دولت اور محرومی کی بد نصیبی سب عالمِ خلق سے وابستہ ہیں، عالمِ امر کا ان سے تعلق نہیں ہے۔ دوسرا وہ عمل جو فرض، واجب اور سنت ہے اس کا بجالانا قالب سے تعلق رکھتا ہے جو عالمِ خلق سے ہے۔ جو کچھ عالمِ امر کا نصیب ہے وہ نفلِ اعمال سے (متعلق) ہے۔ پس جو قربِ ان اعمال کے ادا کرنے کا ثمرہ ہے وہ اعمال کے اندازے کے مطابق ہو گا۔ پس مجبوراً جو قربِ فرائض کی ادائیگی کا ثمرہ ہے وہ عالمِ خلق کا نصیب ہے۔ اور وہ قربِ جنو نفل کی ادائیگی کا ثمرہ ہے، وہ عالمِ امر کا نصیب ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ فرض کے مقابلے میں نفل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کاش کہ (یہ) بحرِ محیط کے مقابلے میں قطرے کا حکم رکھتا۔ بلکہ نفل کو سنت کے مقابلے میں بھی یہی نسبت ہے، اگرچہ سنت اور فرض کے درمیان بھی قطرے اور سمندر کی نسبت ہے۔ پس دونوں قربوں کے درمیانی فرق کو اس سے قیاس کر لینا چاہیے اور عالمِ امر پر عالمِ خلق کی برتری کو اس فرق سے سمجھ لینا چاہیے۔ اکثر لوگ چونکہ اس مطلب سے نصیب نہیں رکھتے، لہذا وہ فرائض کو ضائع کر کے نوافل کے رواج میں کوشش کرتے ہیں۔ نا تجربہ کار صوفیہ ذکر و فکر کو اہم ترین چیز سمجھ کر فرائض اور سنتوں کی بجا آوری میں غفلتیں کرتے ہیں اور چٹوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ اور جماعت کو ترک کر دیتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چٹوں سے بہتر ہے۔ ہاں! شرعی آداب کی رعایت کے ساتھ ذکر و فکر بہتر اور بہت ضروری کام ہے۔

ناقص علماء بھی نوافل کے رواج کی کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو ضائع اور برباد کرتے ہیں۔ مثلاً نمازِ عاشورا، جو حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات سے صحت (درستی) کے ساتھ نہیں پہنچی ہے، وہ (اسے) جماعت اور پورے اطمینان کے ساتھ ادا کرتے ہیں، جبکہ وہ جانتے ہیں کہ فقہی روایات نفل (نماز) کی جماعت کی کراہت پر ناطق ہیں۔ وہ فرائض کے ادا کرنے میں غفلت کرتے ہیں۔ ایسا کم ہے کہ وہ فرض (نماز) کو مستحب وقت میں ادا کریں، بلکہ اصل وقت سے تجاوز کرتے ہیں اور جماعت کی بھی اتنی پابندی نہیں کرتے۔ ایک آدمی یادو آدمیوں کی جماعت پر قناعت کرتے ہیں، بلکہ اکثر ایسا ہے کہ تنہا (پڑھنے پر) ہی کفایت کرتے ہیں۔ جب اسلام کے پیشوا یہ معاملہ کریں تو پھر عوام سے کیا کہا جائے؟ اس عمل کی بد نصیبی سے اسلام میں ضعف پیدا ہوا ہے اور اس فعل کی ظلمت سے ہوس و بدعت ظاہر ہوئی ہے:

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

یعنی: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غمِ دل بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده دل ہو جائے گا، ورنہ بات بہت

(لمبی) ہے۔

نیز نوافل کی ادائیگی ظلال میں سے ایک ظلی قربِ بخشی ہے اور فرائض کی ادائیگی اصلی قربِ بخشی ہے جس میں ظلیت کی آمیزش نہیں ہوتی۔ نیز جنو نفل فرائض کی تکمیل کے لیے ادا کیے جائیں وہ بھی اصلی قرب کے مددگار و معاون ہیں اور فرض کے ملحقات میں سے ہیں۔ پس مجبوراً فرائض کی ادائیگی عالمِ خلق کے مناسب ہے جو اصل کی جانب متوجہ ہے اور نوافل کی ادائیگی عالمِ امر کے مناسب ہے جس کی توجہ ظل کی طرف ہے۔ سب فرائض اگرچہ اصلی قربِ بخشی ہیں، لیکن ان میں افضل اور زیادہ کامل نماز ہے۔ تم نے (یہ احادیث) سنی ہوں گی:

الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ. (۷) یعنی: نماز مومنوں کی معراج ہے۔

اور اقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلَاةِ. (۸) یعنی: بندہ اپنے پروردگار کے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے۔ اور جو وقت خاص حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھا جس کی تعبیر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے فرمائی کہ: لِي مَعَ اللَّهِ وَقْتُ. (۹)

یعنی: اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل (شریک) نہیں ہوتا۔ (اس) فقیر کے نزدیک (یہ وقت) نماز ہی میں ہے، کیونکہ (نماز) گناہوں کا کفارہ ہے۔ (۱۰) نیز نماز ہی ہے جو بے حیائی اور برائی سے منع فرماتی ہے۔ (۱۱) نماز ہی ہے جس میں نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی راحت تلاش کرتے ہیں، جیسا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں: اَرْحَنِي يَا بَلَاءُ. (۱۲) یعنی: اے بلال! مجھے راحت پہنچاؤ۔ اور نماز ہی ہے جسے دین کا ستون (۱۳) کہا گیا ہے اور نماز ہی ہے جو اسلام اور کفر میں فرق کرنے والی بنی ہے۔ (۱۴)

(اب) ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور عالم خلق کی عالم امر پر فضیلت کے بارے میں کچھ کہتے ہیں کہ عالم امر نے اس جگہ اپنا حصہ حاصل کر لیا ہے اور مشاہدہ و معائنہ حاصل کر لیا ہے، کل بہشت میں عالم خلق سے معاملہ پڑے گا اور بلا کیف دیدار اسے میسر آئے گا۔

نیز مشاہدہ کا تعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل سے ہے اور آخرت میں واجب الوجود کے دیدار سے ہے۔ پس جس قدر مشاہدہ و رویت کے درمیان اور ظلیت و اصالت کے درمیان فرق ہے، اسی قدر تم عالم امر اور عالم خلق کے درمیان فرق سمجھ لو۔

نیز جان لو کہ مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوت کا ثمرہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کرنے سے عام پیر و کاروں کو بھی میسر ہوگی۔ اس بات سے بھی تم ولایت اور نبوت کے درمیان فرق سمجھ لو۔

تنبیہ: جس عارف کی عالم امر کے ساتھ مناسبت زیادہ ہوگی اس کا قدم ولایت کے کمالات میں بہت زیادہ ہوگا اور جس کو عالم خلق سے بہت زیادہ مناسبت ہوگی اس کا قدم نبوت کے کمالات میں بہت زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ولایت میں قدم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم نبوت میں بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ (عالم) امر کا پہلو حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں غالب ہے، لہذا آپ روحانیوں سے مل گئے اور (عالم) خلق کا پہلو حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام میں (غالب ہے)، لہذا آپ نے مشاہدہ پر اکتفا نہیں فرمایا اور رویت بصری طلب فرمائی ہے۔

کمالات نبوت میں انبیاء کے اقدام (مراتب) کے متفاوت ہونے کا سبب یہی ہے جس کے بیان کرنے کا میں نے پہلے وعدہ کیا تھا، نہ کہ بعض لطائف کی بلندی اور بعض کی پستی جو کہ کمالات ولایت کے تفاوت میں معتبر ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ. یعنی: اللہ تعالیٰ ہی بہتری کا الہام فرمانے والا ہے۔

اے فرزند! چونکہ عالم نبوت جو کہ شرائع اور احکام میں، وہ قالب (بدن) کے ساتھ بہت زیادہ تعلق رکھتے تھے اور انبیاء

علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو بھی عالمِ خلق کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے۔ اس وجہ سے بعض نے گمان کیا ہے کہ نبوت سے مراد ان مقاماتِ قرب تک عروج کرنے کے بعد دعوتِ خلق کے لیے نزول کرنا ہے جو مقاماتِ ولایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے نہیں سمجھا کہ نہایت عروج اور غایتِ قرب اسی مقام (دعوت) میں ہے اور جو قرب پہلے حاصل ہوا تھا، وہ اس قرب کے ظلال میں سے ایک ظل تھا جو بعد (دوری) کی شکل میں متصور ہوتا ہے اور جو عروج پہلے میسر ہوا تھا وہ عروج کے عکسوں میں سے ایک عکس تھا جو بظاہر نزول دکھائی دیتا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ دائرہ کا مرکز دائرہ کے محیط کی نسبت سب سے زیادہ دور نقطہ ہے، جبکہ درحقیقت کوئی نقطہ بھی مرکز کے نقطہ کی نسبت محیط سے زیادہ قریب نہیں ہے۔ کیونکہ محیط اس نقطہ اجمال کی تفصیل ہے اور یہ نسبت کسی اور نقطہ کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ ظاہر بین عوام اس اقریبیت کو نہیں پاسکتے، لہذا وہ اس نقطہ کے بہت زیادہ دور ہونے کا حکم کرتے ہیں اور اس نقطہ کی اقریبیت کو انتہائی نادانی خیال کرتے ہیں اور اس حکم کرنے والے کو جاہل و احمق سمجھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ. (سورۃ یوسف، ۱۸)

یعنی: اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اُس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مطلوب ہے۔

جاننا چاہیے کہ (نفس) مطمئنہ شرح صدر کے حاصل ہونے کے بعد، جو کہ ولایتِ کبریٰ کے کمالات کے لوازمات میں سے ہے، اپنے مقام سے عروج فرما کر تختِ صدر پر بلند ہو جاتا ہے اور وہاں سلطنت قائم کر لیتا ہے اور قرب کے ممالک پر غلبہ فرما لیتا ہے۔ یہ تختِ صدر درحقیقت ولایتِ کبریٰ کے مرتبہ کے عروج کے سب مقامات سے بلند ہے۔ اس تخت کے اوپر بلند ہونے والے کی نظر پوشیدہ سے پوشیدہ تک نفوذ کرتی ہے اور غیب سے غیب تک سرایت کرتی ہے۔ جی ہاں! جو شخص بلند ترین مکانوں پر چڑھ جائے گا، اس کی نظر دور ترین فاصلوں تک نفوذ کر جائے گی۔ اس (نفس) مطمئنہ کے تمکن کے بعد عقل بھی اپنے مقام سے باہر آ کر اس کے ساتھ مل جائے گی اور وہ عقلِ معاد کا نام پائے گی اور دونوں اتفاق کے ساتھ، بلکہ اتحاد کے ساتھ اپنے کام کی جانب متوجہ ہو جائیں گے۔

اے فرزند! اس (نفس) مطمئنہ کے لیے (اب) مخالفت کی گنجائش نہیں رہی اور سرکشی کی مجال نہیں۔ وہ اپنی پوری کوشش سے مطلوب کی جانب متوجہ ہے اور پوری طرح مقصود میں گرفتار ہے۔ اس کی ہمت پروردگار جل سلطانیہ کی رضا کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ سبحان اللہ! (نفس) امارہ جو شروع میں مخلوق میں سب سے زیادہ بُرا تھا، اطمینان اور حضرت سبحان کی رضا حاصل ہونے کے بعد عالمِ امر کے لطائف کارئیں بن گیا ہے اور اپنے ہمسروں کا سردار بن گیا ہے۔ جی ہاں! خیر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: خَيْرُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَيْرُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقَّهُوا. (۱۵) یعنی: جو لوگ جاہلیت (کے زمانے) میں تم سے اچھے تھے، وہ اسلام میں بھی تم سے اچھے ہیں جب انہوں نے دین سمجھ لیا۔

اس کے بعد اگر مخالفت و سرکشی کی صورت ہے تو اس کا سرچشمہ ربع عناصر کی مختلف طبیعتیں ہیں جو قالب (جسم) کے اجزاء ہیں۔ اگر غضب (غصے) کی قوت ہے تو وہ وہیں سے پیدا ہے اور اگر شہوت (کی قوت) ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ اگر حرص و شر (کی قوت ہے) تو وہیں سے ظاہر ہے اور اگر بخیلی و کمینگی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ سب حیوانات

جو نفس امارہ نہیں رکھتے ان میں بھی یہ گھٹیا اوصاف پوری طرح اور مکمل طور پر موجود ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ اس جہاد اکبر سے مراد جو حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات نے فرمایا ہے:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ. (۱۶)

یعنی: ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

جہاد باقالب (جسم کے ساتھ جہاد) ہونہ کہ نفس کے ساتھ جہاد، جس طرح کہ کہا گیا ہے کہ نفس اطمینان تک پہنچ گیا ہے اور خوش اور رضامند ہو گیا۔ پس مخالفت اور سرکشی کی صورت بھی اس سے متصور نہ ہوگی۔ قالب (جسم) کے اجزا سے مخالفت و سرکشی کی صورت سے مراد ترک اولیٰ ہے اور امور رخصت کے ارتکاب اور عزیمت کے ترک کرنے کا ارادہ ہے، نہ کہ حرام چیزوں کے ارتکاب اور فرائض و واجبات کے ترک کرنے کا ارادہ جو اس کے حق میں نصیب دشمنان بن چکا ہے۔

اے فرزند! اگرچہ عناصر اربعہ کے کمالات (نفس) مطمئنہ کے کمالات سے برتر ہیں، جیسا کہ (پہلے) بیان ہوا۔ لیکن (نفس) مطمئنہ چونکہ مقام نبوت سے مناسبت رکھتا ہے اور عالم امر سے ملا ہوا ہے، (لہذا) وہ صاحب سکر ہے اور استغراق کے مقام میں ہے۔ مجبوراً اس میں مخالفت کی مجال نہیں رہی۔ عناصر (اربعہ) کی چونکہ مقام نبوت سے مناسبت بہت زیادہ ہے، (لہذا) ان میں صحو غالب ہے۔ مجبوراً بعض منافع و فوائد کے لیے جو ان سے وابستہ ہیں، مخالفت کی صورت ان میں باقی رہ گئی ہے۔ فَافْهَمْ. یعنی: پس سمجھ لو۔

جاننا چاہیے کہ منصب نبوت خاتم النبیین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات پر ختم ہو چکا ہے، لیکن اس منصب کے کمالات سے تابعداری کی بنا پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرنے والوں کو کامل (حصہ) نصیب ہے۔ یہ کمالات صحابہ (کرامؓ) کی جماعت میں بہت زیادہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں بھی اس دولت نے قلت کی صورت میں اثر کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ (کمالات) پوشیدہ ہو گئے ہیں اور ولایت ظلیٰ کے کمالات کا غلبہ جلوہ گر ہو گیا ہے۔ لیکن امید ہے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد یہ دولت نئے سرے سے تازہ ہو جائے اور غلبہ و شہرت پیدا کرے اور اصلی کمالات ظاہر ہو جائیں اور (کمالات) ظلی پوشیدگی اختیار کریں اور حضرت مہدی (موعود) علیہ الرضوان ظاہری و باطنی طور پر اس بلند نسبت کو رواج دینے والے ہوں۔

اے فرزند! نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام کا کامل فرمانبردار تابعداری کی بنا پر جب کمالات نبوت کو تمام کر لیتا ہے اور وہ اہل مناصب میں سے ہوتا ہے تو اسے اس کے منصب امامت سے سرفراز فرما دیتے ہیں اور جب وہ ولایت کبریٰ کے کمالات کو تمام کر لیتا ہے اور وہ اہل مناصب میں سے ہوتا ہے تو اسے اس کے منصب خلافت سے مشرف فرماتے ہیں۔ کمالات ظلی کے مقامات سے منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہے اور منصب خلافت کے مناسب قطب مدار کا منصب ہے۔ گویا نیچے کے یہ دونوں مقام ان اوپر کے دونوں مقام کے ظلال ہیں۔

(حضرت) شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک غوث یہی قطب مدار ہے (اور) غوثیت کوئی الگ منصب نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ (اس) فقیر کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ غوث قطب مدار کے علاوہ ہے۔ قطب بعض امور میں اس

سے مدد چاہتا ہے اور ابدال کے مناصب کے تقرر میں بھی اس کو دخل ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

تذکیل (ضمیمہ):

جو علوم و معارف مقامِ نبوت اور اس نبوت کی ولایت (کے مقام) کے مناسب ہیں، وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتیں ہیں۔ چونکہ نبوت کے اقدام (مراتب) میں فرق ہے، لہذا انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی شریعتوں میں بھی اس فرق کے اندازے سے اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ نیز جو معارف ولایتِ اولیاء کے مقام کے مناسب ہیں وہ مشائخ کی شطیحات ہیں اور وہ علوم ہیں جو توحید و اتحاد (وجودی) کی خبر دیتے ہیں اور احاطہ و سریان کی اطلاع دیتے ہیں اور قرب و معیت کا پتہ بتاتے ہیں اور مراتب و ظلیت سے آگاہ فرماتے ہیں اور مشہود و مشاہدہ کا اثبات کرتے ہیں۔ الغرض انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے معارف کتاب و سنت ہیں اور اولیاء کے معارف فصوص (الحکم) اور فتوحات مکیہ ہیں:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

اولیاء کی ولایت حق (تعالیٰ) کے قرب کا کھوج لگا دیتی ہے اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی ولایت اللہ تعالیٰ کی اقربت کا نشان بتاتی ہے۔ اولیاء کی ولایت شہود کی جانب دلالت کرتی ہے اور انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی ولایت بے کیفی اور بے رنگی کا اثبات فرماتی ہے۔ اولیاء کی ولایت اقربت کو نہیں پہچانتی کہ وہ کیا ہے؟ اور جہالت کو نہیں جانتی کہ وہ کیسی ہے؟ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی ولایت اقربت کو عین بعد سمجھتی ہے اور شہود کو عین غیبت شمار کرتی ہے:

ع گر بگویم شرح ایں بیحد شود (۱۷)

یعنی: اگر میں اس کی شرح بیان کروں تو وہ بہت زیادہ ہو جائے گی۔

اے فرزند! کمالاتِ نبوت اور اس کی ولایت پر فضیلت اور تینوں ولایتوں: ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا کے درمیان فرق اور ان میں سے ہر ایک کے مناسب معارف اور ہر ایک کے متعلقہ مقامات کے بارے میں گفتگو کو (فقیر) نے بہت زیادہ لمبا کیا ہے اور اس مقصد کے بیان میں مکرر اور بہت زیادہ فقرات تحریر کیے ہیں، تاکہ کمالِ پیچیدگی کے باوجود (یہ مقصد) فہم سے بعید نہ رہے اور (سالم) انکار کی بدگمانیوں سے آزاد ہو جائے۔ یہ کشفی اور ضروری علوم ہیں، استدلالی اور نظری نہیں ہیں۔ بعض تمہیدات کا ذکر تنبیہ اور عوام کی سمجھ کے قریب لانے، بلکہ خواص لوگوں کے ادراک کے لیے توضیح و تشریح ہے۔ یہ اس طریقہ کا شروع سے آخر تک بیان ہے، جس سے حضرت حق سبحانہ نے اس حقیر کو ممتاز فرمایا ہے اور جس کی بنیاد نسبتِ نقشبندیہ ہے، جس کی ابتدا میں انتہا درج ہے۔ اسی بنیاد پر عمارتیں بنائی گئی ہیں اور محلات تعمیر فرمائے گئے ہیں۔ اگر یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ بڑھتا۔ بخارا اور سمرقند سے بیچ لاکر ہندوستان کی زمین میں، جس کا خمیر میثرب (مدینہ منورہ) اور بطحا (مکہ مکرمہ) سے ہے، بویا گیا اور سالوں فضل کے پانی سے اس کو سیراب کیا گیا اور احسان کی تربیت سے اسے پالا گیا۔

جب یہ کھیتی اور معاملہ کمال کو پہنچا تو اس نے ان علوم و معارف کا پھل بخشا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْ لَا اَنَّ هَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ اعراف، ۴۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس طریقہ عالیہ کا سلوک اس شیخ مقتدا کی محبت کے رابطے سے وابستہ ہے جس نے سیرِ مرادی سے اس راستے کو طے کیا ہو اور جذبہ کی قوت سے ان کمالات سے رنگا ہوا ہو۔ اس کی نظر قلبی امراض کے لیے شافی ہے اور اس کی توجہ روحانی بیماریوں کو دور کرنے والی ہے۔ ان کمالات کا صاحب وقت کا امام ہے اور زمانے کا خلیفہ ہے۔ اقطاب اور ابدال اس کے مقامات کے ظلال میں خوش ہیں اور اتاد و نجباء اس کے کمالات کے سمندروں سے ایک قطرے پر قناعت کرنے والے ہیں۔ اس کی ہدایت و ارشاد کا نور اس کی خواہش کے بغیر سورج کے نور کی مانند ہر شخص کو فیض پہنچاتا ہے۔ پس کس طرح نہ فیض پہنچائے جبکہ وہ خود چاہے۔ خواہ یہ خواہش اس کے اپنے اختیار میں نہ ہو، کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ (شیخ) کسی امر کی خواہش طلب کرتا ہے اور وہ خواہش اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ ضروری نہیں ہے کہ جو لوگ اس (شیخ) کے نور سے ہدایت پائیں اور اس کے وسیلہ سے راہِ راست پر آجائیں، وہ اس چیز کو جانتے ہوں، بلکہ اکثر ایسا ہے کہ وہ اپنے رشد و ہدایت کی اصلیت کو بھی پوری طرح نہیں جانتے، باوجود اس کے وہ شیخ مقتدا کے کمالات سے متصف ہو جاتے ہیں اور ایک جہان کو ہدایت بخشتے ہیں، کیونکہ علم سب کو عطا نہیں کرتے اور مقامات کی تفصیل کی معرفت سب کو نہیں بخشتے۔ ہاں! جس شخص کے وجود شریف پر وصول کے طریقوں میں سے کسی خاص طریقہ کی بنا کا مدار ہے، یقیناً وہ صاحبِ علم ہے اور وہ سیر کی تفصیل سے آگاہ (ہوتا) ہے۔ دوسروں کو اس کے علم پر کفایت کرتے ہوئے اس کے توسط سے کمال و تکمیل کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں اور فنا و بقا سے مشرف کرتے ہیں:

ع خاص کند بندہ مصلحت عام را

یعنی: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

(ہمارے اس طریقہ میں) افادہ اور استفادہ انکاسی اور انصافی ہے۔ (یعنی) مرید شیخ مقتدا سے جو رابطہ رکھتا ہے، وہ لحظہ بہ لحظہ اس کا رنگ پکڑتا جاتا ہے اور انکاس کے طریقہ سے اس کے نور سے منور ہوتا جاتا ہے۔ اس صورت میں افادہ میں بھی اور استفادہ میں بھی علم کیوں درکار ہو؟

جو خربوزہ سورج کی گرمی سے لحظہ بہ لحظہ پکتا رہتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد پک جاتا ہے، کیا ضرورت ہے کہ اسے اپنے پکنے کا علم ہو؟ یا سورج جانتا ہو کہ وہ اس کو پکاتا ہے۔ ہاں! اس اختیاری سلوک و تسلیک کے لیے علم ضروری ہے جو دوسرے سلسلوں سے وابستہ ہے اور ہمارا طریقہ جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے، (اس) میں سلوک و تسلیک کے علم کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ شیخ مقتدا جو ربانی طریقہ کی طرح ہے، وہ کمالِ علم اور فوہ معرفت سے متحقق ہے۔ پس لازمی طور پر اس بلند طریقہ میں زندے و مردے، بچے و بڑے اور جوان و بوڑھے وصول (الی اللہ) کے ضمن میں سب برابر ہیں جو محبت کے رابطہ یا صاحبِ دولت کی توجہ سے مقاصد کی انتہا تک پہنچتے ہیں۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ

الْعَظِيمِ). (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔
لیکن جاننا چاہیے کہ منتہی (انتہا کو پہنچنے والا) اگرچہ صاحبِ علم نہیں ہوتا، لیکن خوارق کے ظہور کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسے اس ظہور میں اختیار نہیں ہوتا، بلکہ اکثریوں ہوتا ہے کہ اس کے ظہور کا (اسے) علم بھی نہیں ہوتا۔ لوگ اس سے خوارق دیکھتے ہیں اور اسے اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ منتہی صاحبِ علم نہیں ہوتا۔ علم کے نہ ہونے سے مراد احوال کی تفصیل کے علم کا نہ ہونا ہے، مطلقاً علم نہ ہونا (مراد نہیں ہے)۔ اس طرح کہ وہ اپنے احوال میں سے کچھ نہیں سمجھتا، جیسا کہ اس کی طرف (پہلے) اشارہ ہو چکا ہے۔
اس کی ہدایت کا یہ نور اس کے مریدوں میں واسطہ کے بغیر، (ایک) واسطہ سے اور (کئی) واسطوں سے اس وقت تک جاری (رہتا) ہے جب تک اس کا مخصوص طریقہ تغیرات اور تبدیلیوں کی آلودگی سے آلودہ نہیں کیا جاتا اور مخترعات و بدعتوں کی ملاوٹ سے خراب نہیں بنایا جاتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ. (سورۃ رعد، ۱۱)
یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے۔

عجیب یہ ہے کہ ان میں سے ایک جماعت (کے لوگ) ان تبدیلیوں کو اس طریقہ کی تمکيلات خیال کرتے ہیں اور ان الحاقات کو اس نسبت کی تمکيمات تصور کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ تمکيم و تکميل ہر بے سرانجام کا کام نہیں ہے اور الحاق و اختراع ہر بے سروسامان کے لائق نہیں ہے:

ہزار نکتہ باریک تر ز مو ایجا است نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند (۱۸)

یعنی: یہاں بال سے بھی زیادہ باریک ہزار نکتہ ہے، یہ نہیں ہے کہ ہر سرمنڈانے والا قلندری جانتا ہے۔
روشن سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والحقیۃ کے نور کو بدعتوں کے اندھیروں نے پوشیدہ کر دیا ہے اور ملتِ مصطفویہ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والحقیۃ کی رونق کو امورِ محدثہ کی کدورتوں نے ضائع کر دیا ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ ایک گروہ (کے لوگ) ان محدثات کو نیک کام سمجھتے ہیں اور ان بدعتوں کو نیکیاں خیال کرتے ہیں۔ ملت کے دین کی تکمیل اور تمکیم ان حسنات میں ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کی بجا آوری کے لیے ترغیبات دیتے ہیں۔

هَٰذَا هُمْ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ سَوَ الصِّرَاطِ. یعنی: اللہ سبحانہ انہیں سیدھے راستے کی ہدایت بخشنے۔

کیا وہ نہیں جانتے کہ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمت مکمل ہو گئی ہے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل ہو چکی ہے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (سورۃ مائدہ، ۳) یعنی: آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔

پس ان محدثات کے ذریعے دین کا کمال تلاش کرنا درحقیقت اس (آیت) کریمہ کے تقاضا سے انکار کرنا ہے: شعر:

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

یعنی: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غمِ دل بیان کیا ہے، ڈر گیا ہوں کہ تو آزرده دل ہو جائے گا ورنہ بات بہت (لمبی) ہے۔

مجتہد علماء نے دین کے احکام ظاہر فرمائے ہیں، نہ کہ ایسے محدثات جو اس میں نہیں ہیں۔ لہذا اجتہادی احکام امور محدثات میں سے نہیں ہیں، بلکہ (یہ) اصول دین میں سے ہیں، کیونکہ اصل چہارم قیاس ہی ہے۔

اے فرزند! ایک معرفت رسالہ مبداء و معاد میں افادہ اور استفادہ کے بارے میں، جو کہ قطب ارشاد سے تعلق رکھتی ہے، (فقیر نے) لکھی ہے۔ چونکہ وہ اس مقام سے مناسبت رکھتی تھی اور سودمند تھی، لہذا (فقیر نے) اس معرفت کو اس مکتوب میں بھی لکھا ہے۔ آپ وہاں سے اعتبار (حاصل) کریں۔

قطب ارشاد، جو کمالاتِ فردیت کا جامع بھی ہوتا ہے، وہ بہت عزیز الوجود ہوتا ہے اور بہت صدیوں اور بیشار زمانوں کے بعد اس قسم کا ایک موتی ظاہر ہوتا ہے اور تاریک جہاں اس کے ظہور کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اس کے ارشاد و ہدایت کا نور عرش کی اوپر والی فضا سے لے کر زمین کے مرکز تک تمام جہاں کو شامل ہوتا ہے۔ جس شخص کو بھی ایمان و معرفت کی دولت حاصل ہوتی ہے، وہ اس کے راستے سے آتی ہے اور وہ (شخص) اس سے مستفید ہوتا ہے۔ اس کے توسط کے بغیر کسی شخص کو یہ دولت نہیں پہنچتی۔

مثلاً اس کی ہدایت کے نور نے دریائے محیط کی مانند تمام جہاں کو گھیر رکھا ہے اور وہ دریا گویا منجمد ہے، اصلاً حرکت نہیں رکھتا۔ اور جو شخص اس بزرگ کی جانب متوجہ ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے، یا یہ کہ وہ بزرگ ایک طالب کے حال کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ توجہ کے وقت گویا طالب کے دل میں ایک روشندان کھول دیا جاتا ہے اور وہ توجہ و اخلاص کے مطابق اس دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر الہی جل شانہ کی جانب متوجہ ہے اور اس بزرگ کی طرف اصلاً متوجہ نہیں ہے، انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ اس کو پہچانتا نہیں ہے تو اس کو بھی اتنا ہی افادہ اس جگہ سے حاصل ہوتا ہے، لیکن پہلی صورت میں دوسری صورت سے زیادہ (افادہ) ہے۔ لیکن جو شخص اس بزرگ کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے رنجیدہ ہے۔ خواہ وہ (شخص) ذکر الہی تعالیٰ و تقدس میں مشغول (ہوتا) ہے، پھر بھی درحقیقت رشد و ہدایت سے محروم (رہتا) ہے۔ یہی انکار اور آزار اس کے فیض کے راستے کی رکاوٹ بن جاتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس کے عدم افادہ کی جانب متوجہ ہو اور اس کے نقصان کا ارادہ کرے۔ ہدایت کی حقیقت اس سے مفقود ہے۔ وہ (صرف) رشد کی صورت ہے اور بے معنی صورت کم نفع دیتی ہے۔ جو لوگ اس بزرگ کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتے ہیں، خواہ وہ مذکورہ توجہ اور ذکر الہی تعالیٰ شانہ سے خالی ہوں، انہیں محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور پہنچ جاتا ہے، لیکن یہ اس مکتوب کی آخری معرفت ہے:

بس کم خود زیر کاں را ایں بس است بانگ دو کردم اگر در ده کس است

یعنی: میں بس کرتا ہوں، خود ہوشیاروں کے لیے یہ کافی ہے، میں نے دوبار آواز لگا دی ہے، اگر گاؤں میں کوئی آدمی ہے (تو سن لے گا)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ دَائِمًا وَسَرْمَدًا. یعنی: شروع و آخر میں سارے جہانوں کے پروردگار، بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے کی حمد ہے اور اس کے رسول (مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل پر ہمیشہ اور دائمی طور پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۶۱)

سیادتِ مآب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ نماز کے فضائل اور معارفِ بلند وحقائقِ ارجند کے ضمن میں نماز کے مخصوص کمالات کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

میرے پیارے بھائی اَرْشَدُہُ اللہُ سُبْحَانُہُ (اللہ سبحانہ اسے ہدایت بخشے) کو معلوم ہو کہ نماز اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے اور تمام عبادتوں کی جامع ہے۔ وہ ایک ایسا جزو ہے جس نے جامعیت کی بنا پر کل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور سب مقرب اعمال سے بالاتر ہو گئی ہے۔ دولتِ دیدار (الہی) جو سب جہانوں کے سردار (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی، دنیا میں نزول فرمانے کے بعد اس جہان کے مناسب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ دولت نماز میں میسر ہوئی تھی، لہذا آپ علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا: الصَّلَاةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ^(۱)۔ یعنی: نماز مومن کی معراج ہے۔

نیز آپ علیہ علی آلہ الصلوٰات والسلام نے فرمایا ہے: اقْرُبْ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلَاةِ^(۲)۔

یعنی: بندہ اپنے پروردگار کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے۔

آپ علیہ علیہم الصلوٰات والتحيات کے کامل تابعداروں کو اس دنیا میں اس دولت کا بہت زیادہ حصہ نماز میں (میسر) ہے۔ اگرچہ کامل رویت نصیب نہیں ہے، کیونکہ یہ دنیا اس کی تاب نہیں رکھتی۔ اگر (اللہ تعالیٰ) نماز کا حکم نہ فرماتا تو پھر مقصود کے چہرے سے نقاب کون اٹھاتا اور مطلوب کی طرف طالب کی رہنمائی کون کرتا۔ نماز ہی ہے جو غمزدوں کو لذت بخشے والی ہے۔ نماز ہی ہے جو بیماروں کو راحت پہنچانے والی ہے۔ (اور یہ حدیث) اسی ماجرا کی رمز ہے: اِرْحَنِي يَا بَلَالُ^(۳)۔

یعنی: اے بلال! مجھے راحت پہنچاؤ۔

نیز (اس حدیث میں) اسی آرزو کی جانب اشارہ ہے:

قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ^(۴)۔ یعنی: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اذواق و مواجید، علوم و معارف، مقامات و انوار، تلوینات و تمکینات، کیفیت والی تجلیات و بے کیفیت والی تجلیات، رنگارنگ ظہورات اور بے رنگ ظہورات وغیرہ میں سے جو کچھ نماز سے باہر میسر ہو اور نماز کی حقیقت سے آگاہی کے بغیر ظاہر ہو، ان سب کا منشا ظلال و امثال ہیں، بلکہ وہ وہم و خیال سے پیدا ہیں۔

جو نمازی نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے، وہ نماز ادا کرنے کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور آخرت کے جہان میں داخل ہو جاتا ہے۔ یقیناً وہ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے ایک نصیب حاصل کر لیتا ہے اور اصل سے ظلمت کی آمیزش کے بغیر ایک حصہ پالیتا ہے، کیونکہ عالم دنیا کمالات ظلی پر منحصر ہے۔ جو معاملہ ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس جس معراج سے مومنوں کے حق میں چارہ نہیں ہوگا، وہ نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ

مخصوص ہے جو اپنے پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی تابعداری کے ذریعے جو کہ معراج کی رات دنیا سے آخرت کی جانب تشریف لے گئے اور بہشت میں داخل ہو کر رویت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اس امت کے لوگ بھی اس کمال سے مشرف ہوئے اور اس سعادت سے سعادت مند بنے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهُ وَاَجِرْهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهِ وَاَجِرِ الْاَنْبِيَاءَ كُلَّهُمُ جَزَاءً خَيْرًا فَاِنَّهُمْ دُعَاءُ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَهَذَا تُهَمُّ اِلَى لِقَاءِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ.

یعنی: اے اللہ! تو ہماری طرف سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسی جزا عطا فرما جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان کے لائق ہو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہماری طرف سے اس سے افضل جزا عطا فرما جو تو نے امت کی جانب سے کسی نبی (علیہ السلام) کو عطا فرمائی ہو اور ہماری طرف سے سب انبیاء (علیہم السلام) کو جزا عطا فرما، کیونکہ وہ تمام خلقت کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے اور اس کے دیدار کی طرف ان کو ہدایت دینے والے ہیں۔

اس گروہ میں سے جن لوگوں کو نماز کی حقیقت سے آگاہ نہیں فرمایا گیا اور مخصوص کمالات کی اطلاع نہیں بخشی گئی، انہوں نے اپنی بیماریوں کے علاج دوسرے امور سے تلاش کیے اور اپنی مرادوں کا حاصل کرنا دوسری چیزوں سے وابستہ بنایا، بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے نماز کو بے فائدہ سمجھ کر اس کی بنیاد غیر وغیرہ پر رکھی اور روزے کو نماز سے افضل خیال کیا۔

فتوحات مکیہ کے مصنف کہتے ہیں کہ ”روزہ میں جو کھانے پینے کا ترک کرنا ہے وہ صمدیت کی صفت سے متحقق ہوتا ہے اور نماز میں غیر وغیرہ کی جانب آنا اور عابد و معبود کا جاننا ہے۔“

اس طرح کی باتیں اہل سکر کے احوال میں سے ہیں جو تو حید و جود کی مسئلہ پر مبنی ہیں اور یہ نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ہیں، بلکہ اس گروہ میں سے بہت زیادہ لوگوں نے اپنی بیقراری کی تسکین کو سماع و نغمہ اور وجد و تواجید میں تلاش کیا ہے اور مطلوب کو نغمہ کے پردوں میں مطالعہ کیا اور انہوں نے رقص اور ناچنے کو اپنی عادت بنالیا، جبکہ انہوں نے سنا ہوگا: مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِي الْحَرَامِ شِفَاءً^(۵)۔ یعنی: اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی۔

ہاں! الْعَرِيقُ يَتَعَلَّقُ بِكُلِّ شَيْءٍ وَحُبُّ الشَّيْءِ يُعْمَى وَيُصْمُ۔

یعنی: ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا تلاش کرتا ہے اور کسی چیز کی محبت (آدمی کو) اندھا اور بہرہ بنادیتی ہے۔

اگر نماز کے کمالات کی حقیقت سے تھوڑا سا بھی ان پر ظاہر ہو جاتا تو وہ ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے اور وجد و تواجید کو یاد نہ کرتے:

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

یعنی: جب انہوں نے حقیقت کو نہ دیکھا تو افسانے کا راستہ اپنایا۔

اے بھائی! جس قدر فرق نماز اور نغمہ میں ہے، تو اسی قدر فرق ان کمالات میں جن کی اساس نماز ہے، اور ان کمالات میں جن کی بنیاد نغمہ ہے، جان لے۔ اَلْعَاقِلُ تَكْفِيهِ الْاِشَارَةُ^(۶)۔ یعنی: عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں اور یہ وہ آخریت ہے جو اولیت کی صورت میں ظاہر ہوئی

ہے۔ شاید نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے اسی لیے فرمایا ہے: **أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ**۔^(۷)

یعنی: ان میں سے اول بہتر ہیں یا ان میں سے آخر۔

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ نہیں فرمایا کہ **أَوَّلُهُمْ أَمْ أَوْسَطُهُمْ**۔

یعنی: ان میں سے اول بہتر ہیں یا ان کے درمیان والے۔

کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آخر کی اول کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت دیکھی جو تردد کا محل ہے۔

نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ اس امت کے بہترین اس کے اول ہیں

(۸)

یا آخر اور اس کے درمیان میں کدورت ہے۔

ہاں! اس امت کے آخری لوگوں میں اگرچہ نسبت بلند ہے، لیکن وہ کم ہے، بلکہ بہت ہی کم ہے۔ اور اس امت کے

درمیان والے لوگوں میں اگرچہ نسبت اس بلندی میں نہیں ہے، لیکن زیادہ ہے، بلکہ بہت ہی زیادہ ہے۔ **وَلِكُلِّ وَجْهَةٌ**

كَمِيَّةٌ وَكَيْفِيَّةٌ۔ یعنی: ان میں سے ہر ایک کے لیے کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ایک جہت ہے۔

لیکن اس نسبت کے بہت ہی کم ہونے نے متاخرین کو بلند درجات تک پہنچایا ہے اور سابقین کے ساتھ مناسبت دی

ہے اور خوشخبری دی ہے، جیسا کہ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا ہے: **إِلَّا سَلَامٌ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ**

(۹)

كَمَا بَدَأَ فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ۔

یعنی: اسلام کا آغاز غربت میں ہوا اور آخر میں وہ پھر ویسا ہی غریب ہو جائے گا، لہذا غریبوں کے لیے خوشخبری ہے۔

اس امت کی آخریت کا آغاز آنسو اور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال فرمانے کے بعد دوسرے ہزار سال کی ابتدا

سے ہے، کیونکہ ہزار سال کے گزرنے کو امور کے بدلنے میں ایک عظیم خاصیت ہے اور چیزوں کی تبدیلی میں ایک قوی تاثیر

ہے۔ چونکہ اس امت میں نسخ اور تبدیلی نہیں ہے، لہذا سابقین کی نسبت متاخرین میں اسی تروتازگی سے جلوہ گر ہوگئی ہے اور اس

نے دوسرے ہزار سال کی ابتدا سے شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید فرمائی ہے۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور

حضرت مہدی (موعود) علیہ الرضوان اس معنی پر دو معتبر گواہ ہیں:

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگران ہم بکنند آنچه مسیحا می کرد^(۱۰)

یعنی: اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہی کام کریں جو (حضرت) مسیح (علیہ السلام) کرتے تھے۔

اے بھائی! یہ بات آج اکثر لوگوں پر گراں (گزرتی) ہے اور ان کے فہموں سے بہت زیادہ دور ہے، لیکن اگر وہ

انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ نہ کریں اور احوال کے صحیح و غلط کو شرعی علوم کی موافقت اور عدم

مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت و نبوت کی تعظیم و احترام کو دیکھیں کہ ان میں سے کس میں بہت زیادہ ہے تو شاید وہ ناممکن

سمجھنے سے باز آجائیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسائل میں لکھا ہے کہ ”طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کی خادم ہیں

اور نبوت ولایت سے افضل ہے، خواہ وہ اسی نبی کی ولایت ہو۔“ نیز (فقیر نے) لکھا ہے کہ ”ولایت کے کمالات کو نبوت کے

کمالات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ کاش وہ قطرے اور دریائے محیط کی سی نسبت رکھتی۔“ (فقیر نے) اس طرح کی بہت سی باتیں لکھی ہیں، خاص کر کے اس مکتوب (۲۶۰) میں جو اس نے اپنے فرزند کو طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) کے بیان میں لکھا ہے، آپ اس میں ملاحظہ کریں۔

اس گفتگو سے مقصود حق سبحانہ کی نعمت کا اظہار کرنا ہے اور اس طریقہ کے طالبین کو ترغیب دینا ہے، نہ کہ خود کو دوسروں پر فضیلت دینا۔ اللہ جل و علا کی معرفت اس شخص پر حرام ہے جو خود کو فرنگی کا فر سے بہتر سمجھے، پھر (خود کو) اکابرِ دین سے (بہتر سمجھنا) کیسے ممکن ہے! شعر:

وَلے چوں شہ مرا برداشت از خاک سزد گر بگزرا نم سر ز افلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطره باری
اگر بر روید از تن صد زبانی چوں سون شکر لطفش کے تو انم
یعنی: جب بادشاہ نے مجھے خاک سے اٹھایا تو پھر میں (اپنا) سر آسمان سے اونچا کروں تو بھی (مجھے) زیب دیتا ہے۔
♦ میں وہ خاک ہوں کہ نئی بہار کا بادل اپنی مہربانی سے مجھ پر برس رہا ہے۔
♦ اگر میرے بدن پر سبزے کی مانند سینکڑوں زبانیں اُگ پڑیں تو بھی میں اس کے لطف کا شکر کب ادا کر سکتا ہوں۔

اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ میں نماز کے سیکھنے اور بعض خصوص کمالات کے حاصل کرنے کا ایک شوق پیدا ہو جائے اور وہ آپ کو بے آرام کرے تو استخارے کرنے کے بعد اس علاقے کی طرف متوجہ ہو جائیں اور عمر کا کچھ حصہ نماز سیکھنے میں صرف کریں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ اِلَى سَبِيْلِ الرَّشَادِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشنے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوٰتِ وَالتَّسْلِيْمٰتِ اَتْمَہَا وَاَكْمَلُہَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے، اس کو سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۶۲)

مولانا محبت علی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ہمارا تعلق جی ہے اور ہماری نسبت انکاسی ہے۔ (یہ) قرب اور دوری

میں کوئی فرق نہیں رکھتی اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

جو مکتوب شریف آپ نے مہربانی کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا، اس کی وصولی سے (فقیر) خوش ہوا۔ چونکہ محبت کی زیادتی اور خصوصیت کے کمال کی خبر دینے والا تھا، لہذا اس نے بہت زیادہ فرحت بخشی۔ (اس میں) سابقہ عہد کو وفا کرنے کے بارے میں بات لکھی گئی تھی۔

میرے مخدوم! آپ شرعی حالتوں میں سے جس وضع پر بھی رہیں، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس محبت کا رشدہ نہ ٹوٹے، بلکہ (یہ) روز بروز مضبوط ہو اور اس اشتیاق کا شعلہ سرد نہ ہو، بلکہ لحظہ بہ لحظہ اس کی شعلہ زنی میں اضافہ ہو۔ کیونکہ ہمارا تعلق جی ہے اور ہماری نسبت انعکاسی اور انصباعی ہے۔ قرب اور دوری میں (یہ) کوئی فرق نہیں رکھتی۔ مگر جلدی و دیر اور طریقہ کی بعض خصوصیات کا علم ہونے اور نہ ہونے کے سوا قرب اور دوری میں کوئی فرق نہیں رکھتی۔ اس معنی کی تحقیق اس مکتوب (۲۶۰) کے خاتمہ میں ملاحظہ فرمائیں جو (فقیر نے) اپنے سعادتمند فرزند^(۱) کے نام تحریر کیا ہے۔ اس مکتوب کی نقل سیادت پناہ میرے بھائی میر محمد نعمان کے دوست لے گئے ہیں، ان سے منگوالیں۔ (فقیر اس سے) زیادہ طول بیانی کیا کرے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۶۳)

معارف آگاہ جناب میاں شیخ تاج کو تحریر فرمایا۔ ان معارف کے بیان میں جو کعبہ ربانی سے تعلق رکھتے ہیں اور نماز کے فضائل اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ آپ کی مسرت لزوم تشریف آوری کی خبر نے مشتاق محبوں کو بہت زیادہ فرحت پہنچائی۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ عَلَىٰ ذٰلِكَ. یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے:

انصاف بدہ اے فلک مینا فام تا زیں دو کد ام خوب تر کرد خرام

خورشید جہانتاب تو از جانب مشرق یا ماہ جہاں کرد من از جانب شام

یعنی: اے نیلے رنگ کے آسمان! تو ہی انصاف کر کہ ان دو میں سے کس کے آنے کا انداز زیادہ خوبصورت تھا؟

♦ دنیا کو روشن کرنے والے تیرے سورج کا مشرق کی طرف سے آنا یا جہاں کے میرے حسیں کا شام کی جانب سے آنا۔

جب آپ نے قدم رنج فرمایا ہے تو جلدی تشریف لے آئیں، کیونکہ مشتاق انتظار کے بوجھ تلے ہیں اور بیت اللہ کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔

فقیر کے نزدیک جس طرح کعبہ ربانی کی صورت مخلوق کی صورتوں کے لیے مسجود الیہ ہے، خواہ وہ انسان ہوں یا فرشتے، اسی طرح اس کی حقیقت بھی ان صورتوں کے حقائق کے لیے مسجود الیہ ہے۔ یقیناً یہ حقیقت تمام حقائق سے برتر ہوگئی ہے اور اس کے متعلقہ کمالات تمام حقائق کے متعلقہ کمالات سے برتر ہو گئے ہیں۔ گویا یہ حقیقت حقائق کوئی اور حقائق الہی جل سلطانہ کے درمیان برزخ ہے۔ حقائق الہی سے مراد عظمت و کبریائی کے پردے ہیں، کیونکہ کوئی رنگ و کیفیت اللہ تعالیٰ کے پاک دامن تک نہیں پہنچتی اور کوئی ظلیت اس تک راستہ نہیں پاتی۔ دنیاوی عروج و جات اور ان کے ظہورات کی نہایت حقائق کوئی کی انتہا تک ہے۔ حقائق الہی جل شانہ سے ایک حصہ نصیب ہونا آخرت سے مخصوص ہے، مگر (یہ) نماز میں (نصیب ہوتا) ہے جو مومن کی معراج ہے اور اس معراج میں گویا دنیا سے آخرت میں جانا ہے۔ اس میں اس چیز سے ایک حصہ میسر ہو جاتا ہے

جو آخرت میں میسر ہوگی۔

میرا خیال ہے کہ اس دولت کے حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ نماز میں نمازی کی توجہ کا کعبہ کی طرف ہونا ہے جو حقائق الہی تعالیٰ و تقدس کے ظہورات کا مقام ہے۔ پس کعبہ ایک عجوبہ ہے جو صورت میں دنیا سے ہے اور حقیقت میں آخرت سے ہے۔ نماز نے بھی اس کے توسط سے یہ نسبت پیدا کر لی ہے اور وہ صورت و حقیقت میں دنیا و آخرت کی جامع بن گئی ہے۔ یہ چیز ثابت ہو گئی ہے کہ جو حالت نماز کی ادائیگی میں میسر ہوتی ہے، وہ ان تمام حالات سے برتر ہے جو نماز کے باہر حاصل ہوتے ہیں، کیونکہ وہ حالات دائرہ ظل سے باہر نہیں نکلتے، خواہ کتنی برتری پیدا کر لیں۔ یہ حالت اصل سے ایک حصہ رکھتی ہے۔ جس قدر فرق ظل اور اصل کے درمیان ہے اُسی قدر ان حالات اور اس حالت کے درمیان فرق سمجھنا چاہیے۔

(فقیر کو) مشاہدہ ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے جو حالت موت کے وقت پیش آئے گی، وہ نماز کی حالت سے برتر ہوگی، کیونکہ موت آخرت کے حالات کے مقدمات میں سے ہے اور جو چیز آخرت کے نزدیک ہے وہ سب سے زیادہ مکمل اور سب سے زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ یہاں (دنیا میں) صورت کا ظہور ہے اور وہاں (آخرت میں) حقیقت کا ظہور ہے۔

شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔

اسی طرح کی ایک حالت جو کرم الہی جل سلطانہ سے برزخ صغریٰ (قبر) میں میسر ہوگی، وہ اس حالت سے برتر ہوگی جو موت کے وقت میسر ہوگی۔ یہی نسبت برزخ کبریٰ (قیامت کے روز) کو برزخ صغریٰ کے ساتھ ہے، کیونکہ وہاں کا مشہود سب سے زیادہ مکمل اور سب سے زیادہ کامل ہے اور نعمت کے باغات (جنت) کا مشہود برزخ کبریٰ کے مشہود کی نسبت زیادہ مکمل اور زیادہ کامل ہے اور ان سب سے برتر وہ مقام ہے جس کی خبر مخبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات نے خبر دی ہے اور فرمایا ہے: اِنَّ لِلّٰهِ جَنَّةً لَيْسَ فِيْهَا حُوْرٌ وَلَا قَصُوْرٌ يَتَجَلَّى فِيْهَا رَبُّنَا صَاحِبًا۔^(۱)

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ کی ایک جنت ہے جس میں حور و قصور نہیں ہیں۔ اس میں ہمارا پروردگار ہنستے ہوئے تجلی فرمائے گا۔ پس تمام ظہورات میں سب سے ادنیٰ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، وہ ہے اور ان سب سے بالاتر جنت ہے، بلکہ دنیا ہرگز ظہور کے مقامات میں سے نہیں ہے۔ ظلال کے ظہورات اور مثال کی نمائش جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہے، فقیر کے نزدیک ان کا شمار دنیاوی امور میں ہے اور درحقیقت دائرہ امکان میں داخل ہیں، خواہ ان ظہورات کو تجلیات صفات کہیں اور خواہ تجلیات ذات کہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ غُلُوًّا كَبِيْرًا۔^(۲) یعنی: اللہ تعالیٰ اس بات سے جو لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے۔ فقیر جب دنیا کو پوری طرح ملاحظہ کرتا ہے تو (اسے) محض خالی پاتا ہے اور اس جگہ اس کے دماغ میں مطلوب حقیقی کی خوشبو نہیں پہنچتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی بھیتی ہے۔ مطلوب کو اس جگہ تلاش کرنا خود کو پریشان کرنا ہے، یا مطلوب کے غیر کو مطلوب سمجھنا ہے۔ جس طرح کہ اکثر لوگ اس میں گرفتار ہیں اور وہ خواب و خیال سے آرام میں مصروف ہیں۔ اس مقام (دنیا) میں صرف نماز ہی ہے جو اصل کی کچھ خبر رکھتی ہے اور مطلوب کی ایک خوشبو لاتی ہے، وَذُوْنَهُ خَرَطُ الْقَتَادِ۔

یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۶۴)

میر سید باقر سارنگپوری کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اپنے معاملہ کو حیرت و جہالت پر محمول کرنا چاہیے اور احوال و کشوف پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اس کے تحت ایک واقعہ جو گرد و نواح کے بعض مشائخ نے ظاہر کیا تھا، کا ذکر آیا ہے اور اس کی تعبیر فرمائی ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف فرط محبت اور کمال اشتیاق سے ارسال فرمایا تھا، اس نے بہت زیادہ فرحت پہنچائی۔ آپ اپنے کام کی جانب متوجہ رہیں اور اسم ذات تعالیٰ و تقدس کے ذکر میں اسماء و صفات کے ملاحظہ کے بغیر مشغول رہیں، تاکہ معاملہ جہالت تک پہنچ جائے اور کام حیرت تک انجام پائے۔ کیونکہ اسماء و صفات کا ملاحظہ اکثر اوقات احوال کے ظہور کا باعث بنتا ہے اور مواجید کے وجود کا ذریعہ بنتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ احوال و مواجید میں خطا کا احتمال زیادہ ہے اور اس مقام میں حق کے ساتھ باطل کا اشتباہ بہت زیادہ ہے۔

آپ سنیے کہ ان دنوں گرد و نواح کے مشائخ میں سے ایک نے اس فقیر کو پیغام بھیجا ہے اور اپنے احوال کا اظہار کیا ہے کہ فنا و محویت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ میں جس چیز کی طرف نظر کرتا ہوں کچھ بھی نہیں پاتا۔ آسمان و زمین کی طرف جب نگاہ کرتا ہوں تو ان کو نہیں پاتا اور عرش و کرسی کو بھی نہیں پاتا اور جب خود کو ملاحظہ کرتا ہوں تو کچھ نہیں پاتا اور کسی کے پاس جاتا ہوں تو اس کو بھی نہیں پاتا۔ اللہ عز و جل و علایہ نہایت ہے، اس کی نہایت کو کسی نے نہیں پایا ہے۔ مشائخ نے اسی کو کمال سمجھا ہے اور اگر تو بھی اسی کو کمال سمجھتا ہے تو پھر حق جل و علا کی طلب کے لیے تیرے پاس کس لیے آؤں؟ اور اگر تو کسی اور کام کو کمال سمجھتا ہے تو (میرے لیے) لکھ (بھیج)۔

فقیر نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ احوال قلب کی تلویینات میں سے ہیں اور قلب اس راستے کا پہلا زینہ ہے اور ان احوال کے صاحب نے (ابھی) مقامِ قلب کا چوتھا حصہ طے کیا ہے (اور) اسے قلب کے دوسرے تین (حصوں) کو طے کرنا چاہیے اور اس کے بعد اسے دوسرے زینے جس سے مراد روح ہے، پر جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے عروج کرنا چاہیے۔

اس ماجرا سے کچھ مدت کے بعد فقیر کے دوستوں میں سے ایک جو طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) کو اخذ کر کے اپنے وطن چلا گیا تھا، واپس آیا۔ جب اس نے اپنے احوال بیان کیے تو معلوم ہوا کہ اس کا حال اس دریافت کرنے والے شیخ کے مطابق ہے، بلکہ یہ اس مقام میں اس (شیخ) سے ایک قدم آگے رکھتا ہے۔ جب اس کے حال کو اچھی طرح ملاحظہ کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ اس کی یہ فنا و محویت عنصر ہوا میں ہے جو ذرات میں سے ہر ذرہ کو محیط ہے اور اس کا مشہود ہوا کے سوا کوئی اور امر نہیں ہے اور اس نے اسی کو خدائے بے نہایت سمجھ لیا ہے۔ تَعَالٰی اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا. یعنی: اللہ سبحانہ اس سے بہت بلند ہے۔

دوسری بار اس کو طلب کر کے (فقیر نے) اس کے احوال کی تفتیش کی تو یقین ہو گیا کہ اس کی گرفتاری عنصر ہوا کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ نہیں تھی۔ (فقیر نے) اس کو بھی اس بات سے آگاہ کیا۔ جب اس نے اپنے وجدان کی جانب رجوع کیا

تو اس نے بھی معلوم کر لیا کہ ہوا کے سوا اسے کوئی اور چیز حاصل نہیں ہے۔ اس نے ان احوال سے استغفار (توبہ) کی اور قدم آگے بڑھایا۔

جاننا چاہیے کہ قلب عالم خلق جو کہ عالم عناصرِ اربعہ ہے اور عالم ارواح کے درمیان برزخ ہے اور (یہ) دونوں عالم سے ایک رنگ رکھتا ہے۔ پس گویا قلب کا نصف (حصہ) عالم خلق سے ہے اور اس کا دوسرا نصف (حصہ) عالم ارواح سے ہے اور جب اس کے عالم خلق والے نصف (حصہ) کو پھر نصف کریں تو معاملہ عنصرِ ہوا تک جا پہنچے گا۔ پس قلب کا چوتھا حصہ مقام ہوا ہے، جو قلب میں شامل ہے۔ اس طرح جو کچھ آخر میں ظاہر ہوا، وہ پہلے جواب کے مطابق ہے اور اس کی حقیقت کے کشف کا بیان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (سورۃ الاعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے۔

اس سے زیادہ (لکھنے کی) وقت میں گنجائش نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْكُمْ وَسَائِرُ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ مِنَ الصَّلٰوٰتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّسْلِیْمٰتِ اَكْمَلُہَا۔
یعنی: اور آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۶۵)

شیخ عبدالہادی بدایونی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ گوشہ نشینی اختیار کرنے میں مسلمانوں کے حقوق ضائع نہیں ہونے چاہئیں، حقوق کے بیان کے ساتھ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ وَتَبْلِیْغِ الدَّعَوَاتِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

التماس ہے کہ میرے سعادتمند بھائی کا پسندیدہ مکتوب پہنچا (اور) اس نے بہت زیادہ فرحت پہنچائی۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ جدائی کے اتنے طویل دنوں نے محبت و اخلاص اور دوستی و خصوصیت میں کوئی تاثیر نہیں کی۔ اس کے باوجود اگر آپ پہنچ جاتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

الْخَیْرُ فِیْمَا صَنَعَ اللّٰہُ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: خیر اسی میں ہے جو اللہ سبحانہ کرے۔

آپ نے گوشہ نشینی کی آرزو کی ہے۔ بَلٰی! الْعَزْلَةُ مُنِیۃُ الصِّدِّیْقِیْنَ۔ یعنی: ہاں! گوشہ نشینی صدیقوں کی آرزو ہے۔ مبارک ہو۔ آپ گوشہ نشینی اختیار کریں اور تنہائی اپنائیں، لیکن مسلمانوں کے حقوق کی رعایت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ نبی کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلٰی الْمُسْلِمِ خُمْسُ رَدِّ السَّلَامِ وَعِیَادَةُ الْمَرِیضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَسْمِیْتُ الْعَاطِسِ۔^(۱)

یعنی: مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازہ کے ساتھ چلنا، دعوت قبول

کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔

احیا (العلوم) ^(۲) میں ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو، یا دعوت کا مکان اور اس کا فرش حلال نہ ہو، یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں، یا چھت اور دیواروں پر حیوانوں کی تصویر ہو یا باجے اور سماع کی کوئی شے موجود ہو، یا کسی قسم کا لہو و لعب اور کھیل کود کا شغل ہو یا غیبت و چغلی اور بہتان و جھوٹ سننے کی صورت ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے، بلکہ یہ تمام امور اس کی حرمت اور کراہت کا باعث ہیں اور اسی طرح اگر دعوت کرنے والا ظالم یا بدعتی یا فاسق یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر و مباہات کا طالب ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ اور ”شرعۃ الاسلام“ ^(۳) میں ہے کہ ”ایسے طعام (کی دعوت) کو قبول نہ کیا جائے جو ریا اور شہرت کے لیے تیار کیا جائے۔“

نیز ”محیط“ ^(۴) میں ہے کہ ”ایسے دسترخوان پر نہیں بیٹھنا چاہیے جس پر لہو و لعب یا سرود ہو یا (وہاں) لوگ غیبت کرتے ہوں اور شراب پیتے ہوں۔“ ”مطالب المومنین“ میں بھی اسی طرح ہے۔ اگر یہ سب رکاوٹیں دور ہو جائیں تو دعوت قبول کرنے سے چارہ نہیں۔ لیکن اس زمانے میں ان رکاوٹوں کا نہ ہونا دشوار ہے۔ نیز جاننا چاہیے کہ:

ع عزلت از اغیار باید نے زیار

یعنی: گوشہ نشینی (تنہائی) غیروں سے چاہیے نہ کہ یار سے۔

کیونکہ ہم رازوں کے ساتھ صحبت رکھنا اس طریقہ عالیہ (نقشبندیہ) کی سنتِ مؤکدہ ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ”ہمارا طریقہ صحبت ہے، کیونکہ خلوت (تنہائی) میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔“ صحبت سے مراد طریقہ کے موافقین کی صحبت ہے نہ کہ طریقہ کے مخالفین کی۔ اس لیے کہ ایک دوسرے میں فانی ہونا صحبت کی شرط رکھی گئی ہے جو موافقت کے بغیر میسر نہیں ہوتی۔

بیمار کی عیادت سنت ہے، اگر اس بیمار کی خبر گیری کرنے والا کوئی شخص ہے اور اس کی دیکھ بھال کرتا ہے تو، ورنہ اس بیمار کی عیادت واجب ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کے حاشیہ میں لکھا گیا ہے۔ ^(۵) جنازہ میں حاضر ہونا۔ کم از کم چند قدم جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے، تاکہ میت کا حق ادا کر لیں۔ جمعے اور پانچ وقت کی نمازوں کی جماعت اور دونوں عید کی نماز میں حاضر ہونا ضروریات اسلام میں سے ہے، کیونکہ ان سے چارہ نہیں ہے۔ باقی اوقات میں تنہائی اور گوشہ نشینی میں گزاریں، لیکن اول نیت کی تصحیح کریں اور گوشہ نشینی کو دنیا کی اغراض میں سے کسی غرض کی آلائش سے آلودہ نہ کریں اور اس سے ذکرِ الہی جل سلطانہ کے ساتھ باطنی جمعیت کے (حاصل کرنے) اور فضول اور بے فائدہ مشغولیت سے منہ موڑنے کے سوا کوئی مقصد نہ ہو۔ نیت کی تصحیح میں خوب احتیاط کریں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی نفسانی غرض اس کے ضمن میں پوشیدہ ہو۔ اس تصحیح کے دوران التجا و زاری زیادہ ہو اور عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کریں۔ احتمال ہے کہ نیت کی حقیقت میسر ہو جائے گی۔ سات استخارے ادا کر کے درست نیت سے گوشہ نشینی اختیار کریں۔ امید ہے کہ اس پر عظیم ثمرات مرتب ہوں گے۔ (فقیر نے) باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۶۶)

حضرات پیر زادگان یعنی (حضرت) خواجہ عبداللہ اور (حضرت) خواجہ عبید اللہ کو تحریر فرمایا۔ بعض کلامیہ عقائد کے بیان میں جو آپ کو اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی آراء کے مطابق الہام و فراست کے ذریعے حاصل ہوئے، نہ کہ تقلید اور اندازے سے۔ احوال کے شروع میں آپ کو حضرت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی زیارت ہوئی تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما رہے تھے: ”تو علم کلام کے مجتہدوں میں سے ہے۔“ آپ نے اس واقعہ کو اپنے حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اسی روز سے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کی مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں الگ رائے اور جدا حکم ہے، لیکن آپ اکثر مسائل میں مشائخ ماترید یہ سے موافقت رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ فلاسفہ کا رد اور ان کی مذمت و برائی، ملحدوں اور زندقوں کا رد جو صوفیہ کی مراد کو نہ سمجھتے ہوئے گمراہ ہو گئے ہیں، نیز بعض فقہی احکام کا بیان جو نماز سے متعلق ہیں، اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے کمالات اور اس میں سنت کی پیروی کو لازم پکڑنے کا بیان، نیز سرود (و سماع) کے سننے سے منع کرنے اور ناچنے والوں کی مجلس میں حاضر ہونے سے منع کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَ تَمِّمْ بِالْخَیْرِ، بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ وَتَبْلِغِ الدَّعَوَاتِ۔ یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے رب! کام آسان کر، مشکل نہ کر اور خیریت سے مکمل فرما۔ (اللہ تعالیٰ کی) حمد اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر) درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔ (فقیر) مخدوم زادگانِ کرام کی جناب میں التماس کرتا ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں غرق ہے۔ اس طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) میں الف با کا سبق اس نے ان سے لیا ہے اور اس راستے کے حروفِ تجلی ان سے سیکھے ہیں۔ انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کی دولت کی برکت ان کی صحبت سے حاصل کی ہے اور سفرِ دروٹن کی سعادت ان کی خدمت کے صدقے پائی ہے۔ ان کی توجہ شریف نے اس ناقابلِ کواڑھائی ماہ میں نسبتِ نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور ان اکابر کا حضورِ خاص عطا فرما دیا۔ اس قلیل مدت میں تجلیات و ظہورات، انوار، رنگوں، بے رنگیوں اور بے کیفیات میں سے جو کچھ ان کے طفیل ظاہر ہوا (فقیر) اس کی شرح کیا کرے اور اس کی تفصیل کیا بیان کرے؟ ان کی توجہ شریف کی برکت سے توحید و اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سر بیان کے معارف میں سے شاید ہی کوئی نکتہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر نہ کھولا گیا ہو اور ان کی حقیقت سے اطلاع نہ دی گئی ہو۔ وحدت کا کثرت میں شہود ہونا اور کثرت کا وحدت میں مشاہدہ کرنا ان معارف کے مقدمات اور مبادی میں سے ہے۔

الغرض جہاں نسبتِ نقشبندیہ اور ان اکابر کا حضورِ خاص ہے، اس جگہ ان معارف کا نام زبان پر لانا اور اس شہود اور مشاہدہ کا نشان بیان کرنا کوتاہ نظر ہے۔

ان اکابر کا کارخانہ بہت بلند ہے اور ہر مکار اور ناچنے والا اس کے ساتھ نسبت نہیں رکھتا۔ جب اس طرح کی ایک بلند

شان والی دولت حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) سے اس فقیر کو پہنچی ہو تو پھر اگر وہ ساری عمر اپنے سر کو آپ کے آستانہ عالیہ کے خدام کے پاؤں میں پامال کرے تو بھی اس نے کچھ (حق ادا) نہیں کیا۔ (یہ فقیر) اپنی خطاؤں سے کیا عرض کرے؟ اور اپنی شرمندگیوں سے کیا ظاہر کرے؟ لیکن ہماری طرف سے حق سبحانہ و تعالیٰ خواجہ حسام الدین احمد کو جزائے خیر دے جنہوں نے ہم کم ہمتوں کے بوجھ کو اپنے ذمے لازم کر کے آستانہ عالیہ کے خدام کی خدمت کے لیے کمر ہمت کو باندھ لیا ہے اور ہم دور پڑے ہوؤں کو فارغ بنا ڈالا ہے:

گر برتن من زباں شود ہر موئے یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

یعنی: اگر میرے بدن کا ہر بال زبان بن جائے تو میں اس کے ہزاروں میں سے ایک شکر کو بھی ادا نہیں کر سکتا۔

فقیر تین بار حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) کی آستانہ بوسی کی دولت سے مشرف ہوا۔ آخری بار حضرت نے فقیر کو فرمایا کہ جسمانی ضعف مجھ پر غالب آ گیا ہے۔ زندگی کی امید کم ہو گئی ہے۔ تجھے بچوں کے احوال سے خبردار رہنا ہوگا۔ حضرت نے اپنے حضور میں آپ (دونوں بھائیوں) کو طلب فرمایا اور آپ دانیوں کی گود میں تھے، اور فقیر کو حکم فرمایا کہ ان پر توجہ کرو۔ (فقیر نے) حضرت کے حکم سے حضرت کے حضور میں آپ پر توجہ کی، یہاں تک کہ اس توجہ کا اثر ظاہر ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ ان کی گرامی قدر ماؤں پر بھی غائبانہ توجہ کرو۔ حکم کے مطابق غائبانہ توجہ کی گئی۔ امید ہے کہ حضرت کے حضور کی برکت سے اس توجہ کے مفید نتائج برآمد ہوں گے۔ آپ تصور نہ کریں کہ حضرت عالی کے واجب اطاعت حکم اور لازمی وصیت میں کسی طرح کی فراموشی واقع ہوئی ہے یا کوئی غفلت کی گئی ہے۔ ہر گز نہیں! بلکہ (فقیر) آپ کے اشارے کا انتظار رکھتا ہے اور آپ کے حکم کا منتظر ہے۔

اب چند فقرے نصیحت کے طریقہ سے لکھے جاتے ہیں۔ (امید ہے کہ) آپ گوش ہوش سے سماعت فرمائیں گے۔ اَسْعَدَكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو سعادت مند بنائے۔ غفلت مندوں پر سب سے پہلا فرض اہل سنت و جماعت شکر اللّٰهُ تَعَالٰی سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) جو فرقہ ناجیہ ہیں، کی صائب آراء کے مطابق (اپنے) عقائد کو درست کرنا ہے۔ بعض اعتقادی مسائل، جن میں ایک طرح کی پوشیدگی ہے، کو (فقیر یہاں) بیان کرتا ہے۔

عقیدہ (۱): جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مقدس ذات کے ساتھ خود موجود ہے اور (سب) چیزیں اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ (اپنی) ذات میں بھی، صفات میں بھی اور افعال میں بھی یگانہ ہے اور درحقیقت کوئی شخص بھی کسی امر میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے، خواہ (وہ امر) وجودی ہو یا غیر وجودی۔ مشارکت اسمی اور مناسبت لفظی بحث سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال اللہ سبحانہ کی ذات کی طرح بے مثل و بے مثال ہیں اور وہ ممکنات کی صفات و افعال سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ مثلاً صفتِ علم اللہ سبحانہ کی ایک قدیم اور بسیط حقیقی صفت ہے جس میں تعدد اور تکثر کو ہرگز دخل نہیں ہے۔ خواہ وہ تعلقات کے تعدد کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ وہاں ایک ہی بسیط انکشاف ہے اور اسی انکشاف کے ذریعے ازل و ابد کی معلومات منکشف ہوتی ہیں۔ (اللہ تعالیٰ) تمام چیزوں کو ان کے موافق و مخالف احوال کے ساتھ کلی و جزئی طور پر ہر ایک کے مخصوص اوقات کے ساتھ آن و احد میں بسیط جانتا ہے۔ اسی آن میں زید کو موجود جانتا ہے اور معدوم بھی۔ جنین کو جانتا ہے اور بچے اور

جوان کو بھی جانتا ہے۔ بوڑھے اور زندہ کو جانتا ہے اور مردے کو بھی۔ کھڑے ہوئے کو جانتا ہے اور بیٹھے ہوئے کو بھی۔ پیٹھ لگائے ہوئے کو جانتا ہے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے کو بھی۔ ہنستے ہوئے کو جانتا ہے اور روتے ہوئے کو بھی۔ لذت اٹھانے والے کو جانتا ہے اور درد میں مبتلا کو بھی۔ عزت والے کو جانتا ہے اور ذلیل کو بھی۔ برزخ میں جانتا ہے اور حشرات میں بھی۔ جنت میں جانتا ہے اور لذتوں (نعمتوں) میں بھی۔ پس تعلقات کا تعدد بھی اس مقام میں مفقود ہے، کیونکہ تعلقات کا تعدد لمحات کا تعدد چاہتا ہے اور زمانوں کا تکثر چاہتا ہے اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر زمانے اور تقدم و تاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے۔

پس اگر ہم اللہ تعالیٰ کے علم میں معلومات کے ساتھ تعلق ثابت کریں تو ایک ہی تعلق ہوگا جو سب معلومات سے متعلق ہوا ہے اور یہ تعلق بھی نامعلوم کیفیت کا ہے اور صفت علم کی مانند بے مثل و بے مثال ہے۔

ہم اس تصور کے بعید از قیاس ہونے کو ایک مثال کے ذریعے زائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روا ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں کلمہ کو اس کی مختلف اقسام، متفرق احوال اور متضاد اعتبارات کے لحاظ سے جان لے۔ پس ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم بھی سمجھے اور فعل و حرف بھی۔ مثلاً ثی بھی جانے اور رباعی بھی۔ معرب بھی سمجھے اور مبنی بھی۔ متمکن بھی جانے اور غیر متمکن بھی، منصرف بھی سمجھے اور غیر منصرف بھی، معرفہ بھی سمجھے اور نکرہ بھی۔ ماضی بھی جانے اور مستقبل اور امر بھی جانے اور نہی بھی۔ بلکہ جائز ہے کہ وہ شخص کہے کہ میں کلمہ کی ان سب اقسام و اعتبارات کو کلمہ کے آئینے میں ایک ہی وقت میں تفصیل کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ جب ممکن کے علم میں، بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب تعالیٰ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی (یعنی: اور اللہ تعالیٰ کو صفتِ اعلیٰ زیب دیتی ہے۔ سورہ نحل، ۶۰) کے علم میں یہ بات کیوں بعید معلوم ہوتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس جگہ اگرچہ جمع ضدین ہے، لیکن درحقیقت ان کے درمیان تضاد مفقود ہے، کیونکہ ہر چند (حق تعالیٰ) زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے، لیکن اسی آن میں جانتا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً سن ہجری کے ہزار سال بعد ہے اور اس کے عدم سابق کا وقت اس سال معین سے پہلے ہے اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ پس درحقیقت ان دونوں میں زمانے کے اختلاف کی وجہ سے کوئی تضاد نہیں ہے۔ پس باقی احوال کو بھی اسی پر قیاس کر کے سمجھ لو۔

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم خواہ تغیر پانے والی جزئیات سے متعلق ہو، تغیر کی آمیزش اس میں راہ نہیں پاتی اور اس صفت میں حدوث کا گمان پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ فلاسفہ نے خیال کیا ہے، کیونکہ تغیر اس صورت میں متصور ہو سکتا ہے جب اس نے ایک کے بعد دوسرے کو جانا ہوا اور چونکہ وہ سب کو آن واحد میں جانتا ہے، (لہذا) تغیر اور حدوث کی گنجائش نہیں ہے۔ پس کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اس کے لیے متعدد تعلقات ثابت کریں، تاکہ تغیر اور حدوث ان تعلقات کی جانب راجع ہو، نہ کہ صفت علم کی طرف، جس طرح کہ بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کے لیے کیا ہے۔ ہاں! اگر ہم تعلقات کا تعدد معلومات کی طرف ثابت کریں تو (یہ) گنجائش رکھتا ہے۔

نیز اسی طرح ایک کلام بسیط ہے جواز ل سے ابد تک اسی ایک کلام سے گویا ہے۔ اگر امر ہے تو اسی جگہ سے پیدا ہوا ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی اسی جگہ سے ہے۔ اگر خبر ہے تو وہیں سے ماخوذ ہے اور اگر استفہام ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر

آرزو اور امید ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔

تمام نازل ہونے والی کتابیں اور بھیجے گئے صحیفے اس کلامِ بسیط کا ایک ورق ہیں۔ اگر تورات ہے تو وہ بھی وہیں سے لکھی گئی ہے اور اگر انجیل ہے تو اس نے بھی صورتِ لفظی وہیں سے حاصل کی ہے اور اگر زبور ہے تو وہ بھی اسی جگہ سے تحریر ہوئی ہے اور اگر فرقان (قرآن مجید) ہے تو اس نے بھی وہیں سے نزول فرمایا ہے:

واللہ کلام حق کہ علی الحق کی ست و بس پس در نزول مختلف آثار آمدہ

یعنی: واللہ! درحقیقت اللہ کا کلام تو ایک ہی ہے، ہاں! نزول میں مختلف آثار آئے ہیں۔

اسی طرح ایک فعل ہے اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین کی مصنوعات وجود میں آ رہی ہیں۔ (اس آیت)

کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے: وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ. (سورۃ قمر، ۵۰)

یعنی: اور ہمارا حکم تو آنکھ جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔

اگر زندہ کرنا اور اگر مارنا ہے تو وہ اسی فعل سے متعلق ہے اور اگر دکھ و تکلیف اور انعام ہے تو وہ بھی اسی فعل سے وابستہ ہے۔ اسی طرح اگر ایجاد ہے یا مٹا دینا ہے تو وہ بھی اسی فعل سے پیدا ہے۔ پس حق سبحانہ کے فعل میں تعلقات کا تعدد ثابت نہیں ہے، بلکہ ایک ہی تعلق سے مخلوقات اولین و آخرین اپنے اپنے وجود کے مخصوص اوقات میں وجود میں آ رہی ہیں اور یہ تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے فعل کی مانند بے مثل و بے مثال ہے، کیونکہ مثل کو بے مثل کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَا^(۱)۔ یعنی: بادشاہ کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔

اشعری (رحمۃ اللہ علیہ) نے چونکہ حق جل سلطانہ کے فعل کی حقیقت سے آگاہی نہیں پائی، (لہذا) انہوں نے تکوین کو حادث کہہ دیا اور اللہ سبحانہ کے افعال کو حادث سمجھا اور نہ سمجھے کہ یہ سب حق سبحانہ کے فعلِ ازلی کے آثار ہیں، نہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال۔ اسی قسم سے وہ ہے جو بعض صوفیہ نے تجلی افعال کا اثبات کیا ہے اور انہوں نے اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینے میں اس واحد جل سلطانہ کے فعل کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ وہ تجلی درحقیقت حق سبحانہ کے فعل کے آثار کی تجلی ہے، نہ کہ حق تعالیٰ کے فعل کی تجلی۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا فعل جو کہ بے مثل و بے مثال ہے اور قدیم ہے اور حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو تکوین کہتے ہیں، اس کی محدثات کے آئینے میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس کا ممکنات کے مظاہر میں کوئی ظہور نہیں:

در تنگ نائے صورت معنی چگونہ گنجدر در کلبہ گدایاں سلطان چہ کار دارد

یعنی: صورت کے تنگ کوچہ میں معنی کس طرح سما سکتا ہے۔ گداگروں کی جھوپڑی میں بادشاہ کا کیا کام ہے۔

(اس) فقیر کے نزدیک افعال و صفات کی تجلی ذات تعالیٰ و تقدس کی تجلی کے بغیر متصور نہیں ہے، کیونکہ افعال و صفات کو

حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے علیحدگی (حاصل) نہیں ہے، تاکہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے بغیر متصور ہو سکے۔ جو چیز ذات

تعالیٰ و تقدس سے الگ ہے، وہ اللہ سبحانہ کے افعال کے ظلال اور صفات کے ظلال ہیں۔ پس ان کی تجلی افعال و صفات کے

ظلال کی تجلی ہے، نہ کہ افعال و صفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کی سمجھ اس کمال تک نہیں پہنچتی۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ

يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

عقیدہ (۲): (اب) ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے۔ (یہ) احاطہ اور قرب و معیت وہ نہیں ہے جو فہم قاصر میں آسکے، کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی جناب قدس کے لائق نہیں ہے اور جو چیز کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں وہ اس سے بھی منزہ ہے، کیونکہ ممکن کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی حقیقت سے جہل و حیرت کے علاوہ کچھ نصیب نہیں ہے۔ غیب پر ایمان لانا چاہیے اور جو چیز مکشوف و مشہود ہو ”لا“ کے تحت اس کی نفی کرنی چاہیے:

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را (۲)

یعنی: عنقا کسی سے شکار نہیں ہوتا، لہذا تو جال سمیٹ لے، کیونکہ یہاں ہمیشہ جال کے حصے میں ہوا ہی آتی ہے۔

ہمارے حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) کی مثنوی کا ایک شعر اس مقام کے مناسب ہے:

هنوز ایوان استغناء بلند است مرا فکر رسیدن ناپسند است

یعنی: ابھی بے نیازی کا محل بہت بلند ہے، مجھے (وہاں) پہنچنے کی فکر ناپسند ہے۔

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے اور ان سے قریب ہے اور ان کے ساتھ ہے۔ لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے احاطہ اور قرب و معیت کی حقیقت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے؟ احاطہ اور قرب علمی کہنا بھی متشابہات و یلات میں سے ہے اور ہم اس کی تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

عقیدہ (۳): حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور اسی طرح کوئی چیز بھی اللہ سبحانہ کے ساتھ متحد نہیں ہوتی۔ جو چیز صوفیہ کی بعض عبارتوں سے اتحاد کے معنی میں مفہوم ہوتی ہے، وہ ان کی مراد کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ کلام جس سے اتحاد کا وہم ہوتا ہے:

إِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللَّهُ. (۳) یعنی: جب فقر کامل ہو جائے تو وہ عین ذات اللہ ہے۔

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب فقر مکمل ہو جائے اور نیستی محض حاصل ہو جائے (تو اس وقت) اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ یہ (مراد) ہے کہ وہ فقیر خدا کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے اور خدا بن جاتا ہے، کیونکہ یہ کفر اور بے دینی ہے۔

تَعَالَى اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَمَّا يَتَوَهَّمُ الظَّالِمُونَ غُلُوًّا كَبِيرًا.

یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ ظالموں کے وہم و گمان سے بہت بلند اور بڑا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے: انا الحق کی عبارت کا معنی یہ نہیں ہے کہ ”میں حق ہوں“ بلکہ معنی یہ ہے کہ ”میں نہیں ہوں اور حق سبحانہ موجود ہے۔“

عقیدہ (۴): اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال میں تغیر و تبدل کو کوئی راہ (حاصل) نہیں ہے۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَنْغَيِّرُ بَدَاتِهِ وَلَا بَصَفَاتِهِ وَلَا فِي أَعْمَالِهِ بِحُدُوثِ الْأَكْوَانِ.

یعنی: پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات و صفات اور افعال میں موجودات کے حوادث سے متغیر نہیں ہوتی۔

صوفیہ وجودیہ نے جو تنزلاتِ خمسہ ثابت کیے ہیں وہ مرتبہ وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہیں، کیونکہ یہ کفر اور گمراہی ہے۔ بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کمال کے مراتب ظہورات میں ان تنزلات کا اعتبار کیا ہے، بغیر اس چیز کے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی تغیر اور کوئی تبدیلی راہ پائے۔

عقیدہ (۵): اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی، صفات میں بھی اور افعال میں بھی غنی مطلق ہے اور کسی امر میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے، اسی طرح ظہور میں بھی محتاج نہیں ہے۔ بعض صوفیہ کی عبارتوں سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے) اسمائی و صفاتی کمالات میں ہمارا محتاج ہے۔ یہ بات اس فقیر پر بہت گراں ہے، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ خلقت کی پیدائش سے مقصود ان کے (اپنے) کمالات کا حاصل ہونا ہے، نہ کہ وہ کمال جو حق تعالیٰ و تقدس کی جناب پاک کی جانب عائد ہو سکے۔ (یہ آیت) کریمہ اسی معنی کی تائید کرتی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. (سورۃ زاریات، ۵۶) اَيُّ لِيَعْبُرُ فُؤُونِ.

ترجمہ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یعنی معرفت حاصل کریں۔ پس جنوں اور انسانوں کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ان کو (اپنی) معرفت حاصل ہو جائے جو کہ ان کے لیے کمال ہے، نہ کہ کوئی ایسا امر جو حق سبحانہ کی جناب پاک کی جانب عائد ہو سکے۔ نیز جو چیز (اس) حدیثِ قدسی میں بیان ہوئی ہے کہ: فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأَعْرِفَ. (۴) یعنی: میں نے خلقت کو اس لیے پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں۔

اس جگہ بھی اس سے مراد اُن (جنوں اور انسانوں) کی معرفت ہے، نہ یہ کہ میں پہچانا جاؤں اور میں ان کی معرفت کے ذریعے کمال حاصل کروں۔ تَعَالَى اللَّهُ عَنْ ذَلِكَ غُلُوبًا كَبِيرًا. یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس سے بہت بلند اور بڑا ہے۔ **عقیدہ (۶):** اور اللہ تعالیٰ نقص کی تمام صفات اور حدوث کے نشانات سے منزہ اور مبرہ ہے۔ وہ جسم و جسمانی نہیں ہے اور مکانی و زمانی نہیں ہے اور صفاتِ کمال اس کے لیے ثابت ہیں۔ جن میں سے آٹھ صفات کمال وجود ذات تعالیٰ و تقدس پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں اور وہ صفات یہ ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین۔ یہ صفات خارج میں موجود ہیں اور اس طرح نہیں ہے کہ وہ وجود ذات پر علم میں وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں اور خارج میں نفس ذات تعالیٰ و تقدس ہیں، جیسا کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور کہا ہے:

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات با ذات تو از روئے تحقیق ہمہ عین

یعنی: عقل کی رو سے تمام صفات غیر ہیں اور تحقیق کی رو سے سب ذات کی عین ہیں۔

کیونکہ اس میں درحقیقت صفات کی نفی ہے۔ کیونکہ صفات کی نفی کرنے والے معتزلہ اور فلاسفہ بھی تغائرِ علمی اور اتحادِ خارجی کے قائل ہیں۔ انہوں نے تغائرِ علمی سے انکار نہیں کیا اور انہوں نے نہیں کہا کہ علم کا مفہوم عین ذات تعالیٰ و تقدس کا مفہوم ہے، یا عین قدرت اور ارادت کا مفہوم ہے، بلکہ انہوں نے عینیت و وجودِ خارجی کے اعتبار سے کہا ہے۔ پس (یہ لوگ) جب تک وجودِ خارجی کے تغائر کا اعتبار نہ کریں (تب تک) صفات کی نفی کرنے والوں (کے گروہ) سے نکل نہیں سکتے، کیونکہ تغائرِ اعتباری کوئی نفع نہیں دیتا، جیسا کہ تو نے سمجھ لیا۔

عقیدہ (۷): اور اللہ تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور اس کے سوا کسی کے لیے ہیشگی اور ازلیت ثابت نہیں ہے۔ تمام قوموں نے اس پر اجماع فرمایا ہے اور جو شخص بھی حق جل و علا کے غیر کی ہیشگی اور ازلیت کا قائل ہوا، انہوں نے اس کی تکفیر کی ہے۔ (حضرت) امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ابن سینا، فارابی اور ان جیسے لوگوں کی تکفیر اسی وجہ سے کی ہے کہ وہ عقول اور نفوس کی ہیشگی (ازلیت) کے قائل ہیں اور انہوں نے ہیولی و صورت کی ہیشگی (ازلیت) کا گمان کیا ہے اور آسمانوں کو جو کچھ کہ ان میں ہے، کے ساتھ قدیم سمجھا ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ”شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) کا ملین کے ارواح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔“ اس بات کو ظاہر سے پھیرنا چاہیے اور تاویل پر محمول کرنا چاہیے، تاکہ اہل ملت کے اجماع کے مخالف نہ ہو۔

عقیدہ (۸): اور اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے، وہ ایجاب کے شائبہ اور اضطرار کے گمان سے منزہ اور مبرا ہے۔ بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں سمجھتے ہوئے واجب تعالیٰ سے اختیار کی نفی کر کے ایجاب کا اثبات کیا ہے۔ ان بے عقلوں نے واجب تعالیٰ و تقدس کو معطل اور بیکار سمجھا ہے اور سوائے ایک مصنوع کے کہ وہ بھی ایجاب سے ہے، آسمانوں اور زمین کے خالق سے صادر نہ جانتے ہوئے حوادث کے وجود کو عقل فعال کی جانب نسبت دی ہے، جس کا وجود ان کے وہم کے سوا (کہیں) ثابت نہیں ہوا ہے۔ ان کے فاسد گمان کی وجہ سے ان کو حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی کام نہیں ہے۔ پس لازمی طور پر چاہیے کہ وہ اضطرار اور اضطرار کے وقت عقل فعال سے التجا کریں اور حضرت حق سبحانہ کی جانب رجوع نہ کریں، کیونکہ انہوں نے حوادث کے وجود میں حق تعالیٰ کو کوئی مداخلت نہیں دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عقل فعال ہی ہے جو حوادث کے ایجاد سے تعلق رکھتی ہے، بلکہ وہ عقل فعال کی جانب بھی رجوع نہیں کرتے، کیونکہ اس کو ان کی بلاؤں کے دور کرنے کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ بے نصیب حماقت اور بے وقوفی میں گمراہ فرقوں کی رہنمائی کرنے والے ہیں۔ جبکہ کافر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور ان نادانوں کے برخلاف بلاؤں کا دفع کرنا بھی اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔ دو چیزیں ان بے نصیبوں میں تمام گمراہ اور نادان فرقوں کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔ ایک نازل ہونے والے احکام سے کفر و انکار اور بھیجی جانے والی اخبار کے ساتھ عداوت و دشمنی ہے، اور دوسری بیہودہ مقاصد و مطالب کے ثبوت میں فاسد مقدمات ترتیب دینا اور باطل دلائل و شواہد کا فریب دینا۔ انہیں اپنے مقاصد کو ثابت کرنے میں جس قدر دماغی خلل ہو گیا ہے وہ کسی بیوقوف کو نہیں ہوا۔ آسمان اور ستارے جو ہر وقت بیقرار اور سرگرداں ہیں، انہوں نے اپنے کام کا مدار ان کی حرکات اور حالتوں پر رکھا ہے اور آسمانوں کے خالق، ستاروں کے بنانے والے اور ان کو حرکت دینے والے اور ان کے معاملہ کے مدبر سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور (اس کے وجود کو) دور از معاملہ سمجھتے ہیں۔ کس قدر بے عقل ہیں! اور کتنے بے نصیب ہیں! ان میں زیادہ احمق وہ شخص ہے جو ان کو زیرک سمجھتا ہے اور صاحب فراست خیال کرتا ہے۔

ان کے مدون و مرتب کردہ علوم میں سے (ایک) علم ہندسہ ہے جو محض بے معنی اور بالکل فضول ہے۔ مثلث کے تینوں زاویوں کا دونوں زاویہ قائمہ کے برابر ہونا کس کام آئے گا؟ شکل عروسی اور مامونی جس کا بنانا ان کے نزدیک انتہائی مشکل کام

ہے، کس غرض سے متعلق ہے؟

علم طب، علم نجوم اور علم تہذیب اخلاق جو ان کے بہترین علوم میں سے ہیں، انہوں نے پہلے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں سے چرا کر اپنے باطل (علوم) کی ترویج کی ہے، جیسا کہ (حضرت) امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے (اپنی کتاب) الْمُنْقِذُ عَنِ الضَّلَالِ میں اس کی وضاحت کی ہے۔

اہل ملت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والے اگر دلائل و براہین میں غلطی کریں تو کوئی خوف نہیں، کیونکہ ان کا مدار انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید پر ہے۔ وہ اپنے بلند مقاصد کے ثبوت کے لیے دلائل و براہین کو ثواب کی نیت پیش کرتے ہیں۔ یہی تقلید ان کے لیے کافی ہے، بخلاف ان بے نصیبوں کے جنہوں نے خود کو تقلید سے نکال لیا ہے اور ثبوت کے لیے دلائل (پیش کرنے) کا منصوبہ بنایا ہے۔ صَلُّوْا فَاصْلُوْا۔^(۵)

یعنی: یہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت جب افلاطون کو پہنچی جو ان بے نصیبوں میں زیادہ بڑا تھا تو اس نے کہا: نَحْنُ قَوْمٌ مُّهْتَدُونَ لَا حَاجَةَ بِنَا إِلَى مَنْ يَّهْدِينَا۔

یعنی: ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں، ہمیں ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہے جو ہم کو ہدایت دے۔

کیسا احمق تھا؟ اسے چاہیے تھا کہ ایسے شخص جو مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں اور مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتے ہیں جو ان (حکیموں) کی حکمت کے قانون سے خارج ہے، کو دیکھ لیتا اور ان کے حالات کی تہ تک پہنچتا، (کیونکہ) بغیر دیکھے جواب دینا کمالِ عداوت و حماقت ہے:

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

یعنی: چونکہ فلسفہ کا اکثر (حصہ) بیوقوفی (پر مشتمل) ہے، لہذا وہ سارا ہی بیوقوفی ہے، کیونکہ اکثر کا حکم کل کا حکم ہے۔

نَجِّنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنْ ظُلُمَاتٍ مُّعْتَقِدَاتِهِمْ الشُّوْءَ۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں ان کے برے اعتقادات کی تاریکیوں سے نجات دے۔

ان دنوں میرے فرزند محمد معصوم (رحمۃ اللہ علیہ) نے ”جواہر شرح مواقف“ کو ختم کر لیا ہے۔ ان کے سبق کے دوران ان بے عقلوں (فلاسفہ) کی قباحتیں واضح ہوئیں اور ان پر نوزند مترتب ہوئے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (سورۃ اعراف، ۴۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔

بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) کی عبارتیں بھی ایجاب کی طرف ناظر ہیں اور قدرت کے معنی میں فلاسفہ سے موافقت رکھتی ہیں، کیونکہ وہ ترک کی صحت قادر سے تجویز نہیں کرتے اور فعل کی جانب کو لازم جانتے ہیں۔ عجیب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) مقبولوں میں سے نظر آتے ہیں اور ان کے اکثر علوم اہل حق کی آراء کے مخالف

ہیں (اور) وہ خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں۔ شاید انہیں خطائے کشفی کی وجہ سے معذور رکھا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی صورت میں ملامت کو ان سے دور رکھا گیا ہے۔ شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں فقیر کا یہ خاص اعتقاد ہے کہ وہ ان کو مقبولوں میں سے جانتا ہے اور (ان کے) مخالف علوم کو خطا اور مضر سمجھتا ہے۔

اس گروہ (صوفیہ) میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو شیخ (محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) کو طعن اور ملامت بھی کرتے ہیں اور ان کے علوم کو بھی خطا پر جانتے ہیں اور اس گروہ (صوفیہ) سے کچھ دوسرے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے شیخ (محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) کی تقلید کی ہے (اور) وہ ان کے تمام علوم کو درست سمجھتے ہیں اور دلائل و شواہد کے ساتھ ان علوم کی حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ (اس میں) شک نہیں ہے کہ ان دونوں فریقوں نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا ہے اور میانہ روی کی صورت سے دور ہے ہیں۔ شیخ (محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) جو اولیاء اور مقبولوں میں سے ہیں، کو خطائے کشفی کی وجہ سے کس طرح رد کیا جائے اور ان کے جو علوم صحت و حقانیت سے دور ہیں اور اہل حق کی آراء کے مخالف ہیں، کس طرح تقلید سے قبول کیے جاسکتے ہیں؟ فَالْحَقُّ هُوَ التَّوَسُّطُ الَّذِي وَفَّقَنِي اللَّهُ سُبْحَانَهُ بِمَنِّهِ وَكَرَمِهِ۔

یعنی: پس حق اسی درمیانی راستہ (میانہ روی) میں ہے، جس کی توفیق اللہ سبحانہ نے اپنے احسان و کرم سے (مجھے) عطا فرمائی ہے۔

ہاں! مسئلہ وحدت وجود میں اس گروہ (صوفیہ) کی ایک کثیر جماعت شیخ (محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ شریک ہے۔ اگرچہ شیخ (محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) اس مسئلہ میں ایک خاص طرز رکھتے ہیں، لیکن اصل بات میں (سب آپس میں) شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ ظاہری طور پر اہل حق کے اعتقادات کے مخالف ہے، لیکن قابل توجہ اور تطبیق کے لائق ہے۔

اس فقیر نے اللہ سبحانہ کی عنایت سے ہمارے حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) کی ”شرح رباعیات“ کی شرح میں اس مسئلہ کی اہل حق کے اعتقادات کے ساتھ تطبیق کی ہے اور فریقین کے جھگڑے کو لفظ کی جانب پھیرا ہے اور طرفین کے شکوک و شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى النَّاطِرِ فِيهِ۔

یعنی: جیسا کہ اس کے دیکھنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

عقیدہ (۹): جاننا چاہیے کہ تمام ممکنات کیا جواہر، کیا اعراض، کیا اجسام، کیا عقول، کیا نفوس، کیا افلاک اور کیا عناصر سبھی اس قادر مختار کی ایجاد سے مستند ہیں جو ان کو عدم کے پردہ سے وجود میں لایا ہے اور جس طرح یہ وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں، اسی طرح بقا میں بھی اللہ سبحانہ کے محتاج ہیں۔ اس نے اسباب اور وسائل کے وجود کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کا پردہ بنایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے لیے دلائل بنایا ہے اور حکمت کو قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا ہے، کیونکہ جن اہل فراست کی بصیرت (کی آنکھ) انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت کے سرمہ سے سرگیں ہو چکی ہے، وہ جانتے ہیں کہ اسباب اور وسائل اپنے وجود و بقا میں اللہ سبحانہ کے محتاج ہیں اور وہ (اپنا) ثبوت و قیام اللہ سبحانہ و تعالیٰ و تقدس سے رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ رکھتے ہیں اور درحقیقت وہ جماد محض ہیں۔ وہ کس طرح کسی دوسرے میں

جوان کی مانند ہے، تاثیر کر سکتے ہیں اور اس میں تخلیق و ایجاد کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور قادر ہے جو اس کی ایجاد فرماتا ہے اور اس کے لائق کمالات اسے عطا کرتا ہے۔ جس طرح کہ اہل عقل جو فعل کو جہاد محض سے دیکھتے ہیں تو اس کے فاعل و محرک کا سراغ اسی جگہ سے لگاتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس جہاد کے لائق نہیں ہے، (بلکہ) اس کے علاوہ کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو ایجاد فرماتا ہے۔ پس اہل عقل کے نزدیک جہاد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش (ثابت) نہ ہوا، بلکہ اس کی جمادیت کے لحاظ سے وہ فعل فاعل حقیقی (کے وجود) پر دلیل بن گیا۔ پس یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ ہاں! ایک بیوقوف کی سمجھ کے مطابق جہاد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ہے، کیونکہ اس نے کمال نادانی سے جہاد محض کو اس (ظاہری) فعل کے سبب، صاحبِ قدرت سمجھ لیا ہے اور فاعل حقیقی کا منکر بن گیا ہے۔ یُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيُهْدِي بِهِ كَثِيرًا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۶) یعنی: اس سے (اللہ تعالیٰ) بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔

یہ معرفت نبوت کے چراغِ دان سے اخذ کی گئی ہے، لیکن ہر شخص کی فہم یہاں تک نہیں پہنچتی۔ کچھ لوگ کمال کو اسباب کے رفع کرنے میں سمجھتے ہیں اور شروع ہی سے چیزوں کو اسباب کے واسطہ کے بغیر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں اس حکمت کا رفع کرنا ہے جس میں اتنی زیادہ مصلحتیں ملحوظ ہیں۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا۔ (سورۃ آل عمران، ۱۹۱)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں فرمایا۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اسباب کی رعایت کرتے ہیں اور اس رعایت کے باوجود کام کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد فرماتے ہیں، جس طرح کہ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظر بد کے لگ جانے کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی: يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَاذْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ۔ (سورۃ یوسف، ۶۷) یعنی: اے بیٹا! ایک ہی دروازہ سے داخل نہ ہونا، تم الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔

باوجود اس رعایت کے آپ نے معاملے کو حق جل سلطانہ کے سپرد فرماتے ہوئے کہا: وَمَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ۔ (سورۃ یوسف، ۶۷) یعنی: اور میں اللہ کی تقدیر تو تم سے روک نہیں سکتا، بلاشبہ حکم صرف اسی کا ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کی اس معرفت کی تعریف فرمائی اور (اسے) اپنی طرف منسوب کیا، کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے: وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (سورۃ یوسف، ۶۸) یعنی: اور بیشک وہ (حضرت یعقوب علیہ السلام) صاحبِ علم تھے، کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی اسباب کے واسطہ کا اشارہ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (سورۃ انفال، ۶۴)

یعنی: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ آپ کو اور ان مومنوں کو جو آپ کے پیروکار ہیں، کافی ہے۔
باقی رہی اسباب کی تاثیر تو پس روا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بعض اوقات میں اسباب میں تاثیر بھی پیدا فرما دیتا ہے، تاکہ وہ مؤثر ہو جائے اور بعض اوقات میں ان میں تاثیر پیدا نہیں کرتا۔ پس مجبوراً ان میں کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم اسباب میں اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کا وجود مترتب ہوتا ہے اور کبھی ان سے کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر سے مطلقاً انکار کرنا لغو و باطل ہے، تاثیر کا اقرار کرنا چاہیے اور اس تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ایجاد سمجھنا چاہیے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمَلِہُمْ۔
یعنی: اور اللہ سبحانہ الہام فرمانے والا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ اسباب کا واسطہ تو کل کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ ناقصوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ اسباب کے توسط میں توکل کا کمال ہے، کیونکہ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو مد نظر رکھتے ہوئے معاملے کو حق جل و علا کے سپرد کر دیئے تو توکل فرمایا ہے: عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَ عَلَیْہِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ۔ (سورۃ یوسف، ۶۷) یعنی: میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

عقیدہ (۱۰): اللہ سبحانہ و تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا ہے اور ان دونوں کا خالق ہے، لیکن وہ خیر سے راضی (ہوتا) ہے اور شر سے راضی نہیں (ہوتا)۔ ارادہ و رضا کے درمیان یہ ایک دقیق فرق ہے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اہل سنت و جماعت کو اس فرق کی طرف ہدایت بخشی ہے۔ باقی تمام فرقے اس فرق کی طرف سے ہدایت نہ پانے کی وجہ سے گمراہی میں رہ گئے ہیں۔

معتزلہ نے اسی وجہ سے بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہا ہے اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکاروں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ”جس طرح ایمان اور نیک اعمال اسم ہادی کے پسندیدہ ہیں، اسی طرح کفر و معاصی بھی اسم مفضل کے پسندیدہ ہیں۔“ یہ بات بھی اہل حق کے مخالف ہے اور ایجاب کی جانب ایک میلان رکھتی ہے جو رضا کا منشا بن گیا ہے، جیسے کہ کہتے ہیں کہ چمکنے اور روشن ہونے میں سورج کی مرضی (شامل) ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے بندوں کو قوت و ارادہ دیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے افعال کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حضرت حق سبحانہ کی جانب منسوب ہے اور ان افعال کا کسب ان (بندوں) کی طرف منسوب ہے۔ اللہ سبحانہ کی عادت اس طرح جاری ہے کہ بندہ اپنے فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس فعل کو پیدا فرما دیتا ہے۔ چونکہ بندے کا فعل اس کے قصد و ارادہ سے صادر ہوتا ہے، لہذا مجبوراً وہ تعریف و مذمت اور ثواب و عذاب سے متعلق ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ بندے کا اختیار کمزور ہے۔ اگر انہوں نے حق سبحانہ کے اختیار کی قوت کے اعتبار سے کمزور کہا ہے تو (یہ) مسلم ہے اور اگر انہوں نے اس صورت میں کہا ہے کہ فعل مامور کے ادا کرنے میں (اختیار) کافی نہیں ہے تو (یہ) صحیح نہیں ہے۔ فَإِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ لَا يُكَلِّفُ بِمَا لَيْسَ فِيْهِ وُسْعُهُ بَلْ يُرِيدُ الْاِيسْرَ وَلَا يُرِيدُ الْعُسْرَ۔ یعنی: پس بیشک اللہ سبحانہ کسی ایسے فعل کی تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی طاقت میں نہ ہو، بلکہ وہ آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ چند روزہ فعل پر دائمی جزا (مقرر کرنا) حق تعالیٰ کے اندازہ کے سپرد ہے، جس نے چند روزہ کفر کی جزا دائمی عذاب بمطابق اعمال مقرر فرمائی ہے اور دائمی لذتوں (انعامات) کو چند روزہ ایمان سے وابستہ کر دیا ہے۔

ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ. یعنی: یہ (خدائے) غالب اور حکیم کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔

اللہ سبحانہ کی توفیق سے اس قدر تو ہم بھی جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جو ظاہری و باطنی نعمتیں عطا کرنے والا ہے اور آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے اور جس کی ذات پاک کے لیے ہر بزرگی و کمال ثابت ہے، اس کی نسبت کفر اختیار کرنے کی جزا بھی ایسی ہونی چاہیے جو سخت ترین عذابوں میں سے ہو اور وہ دائمی عذاب میں داخل ہونا ہے۔ اسی طرح ایک ایسے بزرگ (و برتر) منعم (حقیقی) پر غیب کے ساتھ ایمان لانے اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے باوجود اس کو راست گو جاننے کے لیے جزا بھی بہترین جزاؤں میں سے ہونی چاہیے اور وہ دائمی نعمتوں اور راحتوں میں داخل ہونا ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ بہشت میں داخل ہونا درحقیقت محض حق سبحانہ کے فضل پر وابستہ ہے اور اس کو ایمان سے وابستہ کرنا اس لیے ہے کہ جو چیز اعمال کی جزا ہوتی ہے وہ زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔

فقیر کے نزدیک بہشت میں داخل ہونا درحقیقت ایمان پر وابستہ ہے، لیکن ایمان اللہ سبحانہ کا فضل اور اس کا عطیہ ہے۔ اور دوزخ میں داخل ہونا کفر پر وابستہ ہے اور کفر نفسِ امّارہ کی خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ. (سورۃ نساء، ۷۹)

یعنی: تجھے جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی جانب سے ہے۔ جاننا چاہیے کہ بہشت میں داخل ہونے کو ایمان سے وابستہ کرنا درحقیقت ایمان کی تعظیم ہے، بلکہ جس (ذاتِ اقدس) پر ایمان لایا گیا ہے اس کی تعظیم ہے کہ اس پر اتنا عظیم الشان اجر مترتب ہوا ہے۔ اسی طرح دوزخ میں داخل ہونے کو کفر سے وابستہ کرنا کفر کی تحقیر ہے اور اس (ذاتِ اقدس) کی تعظیم ہے، جس کی نسبت یہ کفر واقع ہوا ہے کہ جس پر اس طرح کا ایک دائمی عذاب مترتب ہوا ہے۔ برخلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہا ہے، وہ اس نکتے سے خالی ہے۔ نیز دوزخ میں داخل ہونا جو کہ اس کے برابر ہے، کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے، کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا درحقیقت کفر پر وابستہ ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی الہام فرمانے والا ہے۔

ایسا ہی ہے۔

عقیدہ (۱۱): حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو مومن آخرت میں بہشت میں بے جہت و بے کیف اور بے شبہ و بے مثال دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اہل سنت کے علاوہ تمام اہل ملت اور غیر اہل ملت کے فرقے، سبھی اس کے منکر ہیں۔ وہ روایت بے جہت و بے کیف کو جائز نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین ابن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) بھی روایتِ آخرت کو تجلی صوری کی حالت میں بیان کرتے ہیں اور اس تجلی کے سوا کچھ تجویز نہیں کرتے۔

ایک روز ہمارے حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل فرما رہے تھے کہ اگر معتزلہ روایت کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہو جاتے اور روایت کو اس تجلی سے بھی سمجھتے

تو ہرگز رویت کا انکار نہ کرتے اور محال نہ سمجھتے۔ یعنی ان کا انکار بے جہتی و بے کیفی (کی وجہ) سے ہے جو تنزیہ کے مرتبہ کے ساتھ مخصوص ہے، بخلاف اس تجلی کے جس میں جہت و کیف ملحوظ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ آخرت کی رویت کو تجلی صوری کی حالت میں بیان کرنا درحقیقت رویت کا انکار کرنا ہے، کیونکہ یہ تجلی صوری اگرچہ دنیا کی صوری تجلیات سے جدا ہے، لیکن حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے:

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ بِغَيْرِ كَيْفٍ وَاذْرَاكَ وَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

یعنی: بہشت میں مومن اللہ تعالیٰ کو بے کیف و ادراک اور کسی شبہ و مثال کے بغیر دیکھیں گے۔

عقیدہ (۱۲): انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بعثت جہان والوں کے لیے رحمت ہے۔ اگر ان بزرگواروں کے وجود کا واسطہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کی واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کی جانب کون رہنمائی فرماتا اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں میں کون تمیز کرتا۔ ہماری ناقص عقلیں ان کی دعوت کے نور کی تائید کے بغیر اس مطلب کے سمجھنے سے عاری ہیں اور نامکمل فہم ان بزرگواروں کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں عاجز ہیں۔ ہاں! اگرچہ عقل جہت ہے، لیکن وہ جہت میں نامکمل ہے اور مرتبہ کمال کو نہیں پہنچی۔ کامل دلیل انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی بعثت ہے، کیونکہ آخرت کا دائمی عذاب و ثواب اس سے وابستہ ہے۔

سوال: جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت سے وابستہ ہے تو پھر بعثت کو جہان والوں کے لیے رحمت کہنا کس معنی میں

ہے؟

جواب: بعثت عین رحمت ہے، کیونکہ وہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کا سبب ہے، جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ بعثت کی بدولت معلوم اور واضح ہوا ہے کہ یہ چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ پاک کے لائق ہے اور یہ چیز اللہ سبحانہ کی بارگاہ اقدس کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری لنگڑی اور اندھی عقل جو امکان و حدوث کے داغ سے داغدار ہے، وہ کیا جانے کہ حضرت وجود قدم (ہیئتی) جس کے لوازمات میں سے ہے، اس کے اسماء و صفات اور افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب؟ تاکہ ان (مناسب) کا اطلاق کیا جائے اور ان (نامناسب) سے اجتناب کیا جائے۔ بلکہ اکثر ایسا ہے کہ (عقل) اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقصان سمجھتی ہے اور نقص کو کمال خیال کرتی ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ تمیز تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے برتر ہے۔ زیادہ بے نصیب وہ شخص ہے جو نامناسب امور کو حق تعالیٰ کی بارگاہ پاک کی جانب منسوب کرے اور نازیبا چیزوں کو حضرت اللہ سبحانہ سے نسبت دے۔ بعثت ہی ہے جس نے باطل کو حق سے جدا کیا ہے اور اس نے عبادت کی مستحق ذات کو غیر مستحق عبادت سے الگ کیا ہے۔ نیز بعثت ہی ہے جس کے توسط سے حق جل و علا کے راستے کی طرف دعوت فرماتے ہیں اور بندوں کو مولیٰ جل سلطانہ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتے ہیں اور بعثت ہی کے وسیلہ سے مولیٰ جل شانہ کی پسندیدہ کی اطلاع میسر ہوتی ہے، جیسا کہ (پہلے) گزر چکا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی ملک میں تصرف کا جواز اس کے عدم جواز سے جدا ہوتا ہے اور بعثت کے اس طرح کے بہت سے فوائد ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء (علیہم الصلوٰة والسلام) کی بعثت رحمت ہے اور جو شخص اپنے نفس امارہ کا مطیع بن کر شیطان لعین کے حکم سے بعثت کا انکار

کرے اور بعثت کے تقاضا سے عمل نہ کرے تو اس میں بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت رحمت کیوں نہیں؟
سوال: اگرچہ عقل اپنی ذات کی حد تک احکامِ الہی جل شانہ (کی بجا آوری) میں ناقص و نامکمل ہے، لیکن ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ تصفیہ و تزکیہ حاصل ہونے کے بعد مرتبہ وجوبِ تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ایک بے کیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے کہ اس مناسبت و اتصال کے سبب وہ احکام کو وہاں سے اخذ کر لے اور اسے اس بعثت کی جو فرشتے کے واسطے سے ہے، حاجت نہ رہے؟

جواب: خواہ عقل وہ مناسبت و اتصال پیدا کر لے، لیکن جو تعلق وہ اس مادی صورت کے ساتھ رکھتی ہے، وہ بالکل ختم نہیں ہوتا اور وہ کامل علیحدگی پیدا نہیں کرتی۔ پس (قوت) واہمہ ہمیشہ اسے دامن گیر رہتی ہے اور (قوت) متخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی اور قوت غصبیہ و شہویہ ہمیشہ اس کی مصاحب رہتی ہیں اور حرص و شرکی برائیاں ہر وقت اس کی ہم نشین ہوتی ہیں۔ سہو و نسیان جو بنی نوع انسان کے لوازمات میں سے ہیں، اس سے جدا نہیں ہوتے اور خطا و غلطی جو اس جہان کے خاصے ہیں، اس سے الگ نہیں ہوتے۔ پس عقل اعتماد کے قابل نہیں ہے اور اس کے اخذ کردہ احکام وہم اور خیال کے تصرف کے غلبہ سے مامون نہیں ہیں اور نسیان کے شائبہ اور خطا کے گمان سے محفوظ نہیں ہیں، برخلاف فرشتے کے جو ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرا ہے۔ پس یقیناً وہ اعتماد کے قابل ہے اور اس کے اخذ کردہ احکام وہم کے شائبہ اور نسیان و خطا کے گمان سے محفوظ ہیں۔ بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ جو علوم روحانی القاسم سے اخذ کیے گئے ہیں، ان کی تبلیغ کے دوران قوی و حساس کے ساتھ بعض مقدمات مسلمہ غیر صادقہ جو وہم و خیال یا اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے حاصل ہوئے ہیں، وہ بے اختیار ان علوم کے ساتھ یوں خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز نہیں کی جاسکتی اور (کسی) دوسرے حال میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی تمیز کا علم دے دیا جاتا ہے اور کبھی نہیں دیا جاتا ہے۔ پس یقیناً وہ علوم ان مقدمات کے ساتھ خلط ملط ہو جانے کی وجہ سے جھوٹ کی صورت پیدا کر لیتے ہیں اور قابل اعتماد نہیں رہتے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ تصفیہ و تزکیہ کا حاصل ہونا نیک اعمال کی بجا آوری سے وابستہ ہے، جو مولیٰ سبحانہ کے پسندیدہ ہیں اور یہ چیز بعثت پر موقوف ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

پس بعثت کے بغیر تصفیہ و تزکیہ کی حقیقت کا حصول میسر نہیں ہوتا اور جو صفائی کافروں اور فاسقوں کو حاصل ہوتی ہے، وہ نفس کی صفائی ہے، قلب کی صفائی نہیں ہے اور نفس کی صفائی گمراہی کے سوا کچھ نہیں بڑھاتی اور خسارہ کے سوار ہنمائی نہیں کرتی۔ بعض غیبی امور کا کشف جو نفس کی صفائی کے وقت میں کافروں اور فاسقوں کے ہاتھ لگتا ہے، وہ استدراج ہے جس سے مقصود اس جماعت کی خرابی اور نقصان ہے۔ نَجَّانَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ هَذِهِ الْبَلِيَّةِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَعَلَى آلِهِ وَآلِ كُلِّ

یعنی: اللہ سبحانہ، حضرت سید المرسلین (محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم کو اس بلا سے نجات عطا فرمائے۔

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ تکلیف شرعی جو بعثت کے راستے سے ثابت ہوئی ہے، وہ بھی رحمت ہے، نہ کہ جس طرح تکلیف شرعی کے منکروں اور زندقہوں نے گمان کیا ہے اور تکلیف کو سختی تصور کر کے غیر معقول سمجھا ہے اور کہتے ہیں کہ کونسی مہربانی ہے کہ بندوں کو سخت مشکل امور کی تکلیف دیں اور کہیں کہ اگر لوگ اس تکلیف کے تقاضا کے مطابق عمل کریں گے تو

بہشت میں جائیں گے اور اس کے خلاف ارتکاب کریں گے تو دوزخ میں جائیں گے۔ چاہیے کہ ان کو ایسی تکلیف نہ دیں اور (آزاد) چھوڑیں کہ کھائیں اور سوئیں اور اپنے طور پر رہیں۔ کیا یہ بے نصیب اور بے عقل نہیں جانتے کہ عقلاً منعم (حقیقی) کا شکر (کرنا) واجب ہے اور یہ شرعی تکلیفات اس شکر کی بجا آوری کا بیان ہے۔ پس عقل (کے لحاظ) سے تکلیف واجب ہے۔ نیز دنیا کا نظام اس تکلیف سے وابستہ ہے۔ اگر ہر ایک کو اپنے طور پر (آزاد) چھوڑ دیتے تو شرارت اور فساد کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوتا اور ہر لالچی دوسرے کی جان و مال میں دست درازی کرتا اور خباثت و فساد سے پیش آتا۔ خود بھی ضائع ہوتا اور اسے بھی ضائع کر دیتا، عَيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ۔ (اللہ سبحانہ کی پناہ) اگر شرعی سختیاں اور رکاوٹیں نہ ہوتیں تو (معلوم نہیں کہ کس قدر شرارت و فساد ظاہر ہوتا۔ نص قاطع ہے): وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّٰۤاُولِيَ الْاَلْبَابِ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۷۹)

یعنی: اور اے اہل عقل! (حکم) قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے:

اگر چوبِ حاکم نباشد ز پے کند زنگے مست در کعبہ قے
یعنی: اگر حاکم کی لالچی کا خوف نہ ہو تو مست زنگی کعبہ میں قے کر دے۔

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ مالک مطلق ہے اور بندے اللہ سبحانہ کے غلام ہیں۔ پس وہ ان میں جو حکم و تصرف فرماتا ہے، وہ عینِ خیر و صلاح ہے اور وہ ظلم و فساد کے شائبہ سے منزہ و مبرا ہے۔ لَا يُسْتَعْلٰى عَمَّا يَفْعَلُ۔ (سورۃ انبیاء، ۲۳)

یعنی: وہ (اللہ تعالیٰ) جو کرتا ہے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

کرا زہرہ آنکہ ز بیم او کشاید زباں جز بہ تسلیم او
یعنی: کس کی طاقت ہے کہ وہ اس کے خوف سے سوائے تسلیم حکم کے زبان کھولے۔

اگر وہ سب کو دوزخ میں بھیجے اور دائمی عذاب فرمائے تو اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ غیر کی ملکیت میں تصرف نہیں کہ ظلم کا شائبہ پیدا کرے۔ برخلاف ہماری املاک کے جو حقیقت میں اللہ سبحانہ کی ملکیت ہیں۔ ان میں ہمارے تمام تصرفات ظلم ہیں۔ کیونکہ صاحبِ شرع نے بعض مصلحتوں کے ذریعے ان املاک کو ہم سے نسبت دی ہے اور وہ درحقیقت اللہ سبحانہ کی املاک ہیں۔ پس ان میں ہمارا تصرف اسی قدر جائز ہے جس قدر مالک مطلق نے اس تصرف کی اجازت فرمائی ہے اور مباح کیا ہے۔ ان بزرگواروں (انبیاء) علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے حق جل و علا کے احکام کی خبر دی ہے اور ان احکام کو بیان فرمایا ہے جو سب سچے اور واقع کے مطابق ہیں۔ اگرچہ ان بزرگواروں (انبیاء) علیہم الصلوٰات والتسلیمات والتحتیات کے اجتہادی احکام میں خطا کو جائز کہا گیا ہے، لیکن خطا کے برقرار رکھنے کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا گیا اور کہا گیا ہے کہ ان کو ان کی خطا پر جلدی آگاہ کر دیا جاتا ہے اور اس (خطا) کا تذکرہ صواب سے فرمادیتے ہیں۔

فَلَا اِغْتِبَادَ بِذٰلِكَ الْخَطَاۤءِ۔ یعنی: پس یہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے۔

عقیدہ (۱۳): کافروں کے لیے اور بعض گنہگار اہل ایمان کے لیے عذابِ قبر برحق ہے، کیونکہ مخر صادق علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات نے اس کی خبر دی ہے۔

عقیدہ (۱۴): قبر میں مومنوں سے اور کافروں سے منکر و نکیر کا سوال کرنا بھی برحق ہے۔ قبر دنیا اور آخرت کے درمیان

ایک برزخ (پل) ہے۔ اس کا عذاب ایک وجہ سے دنیاوی عذاب سے مناسبت رکھتا ہے کہ ختم ہونے والا ہے اور ایک دوسری وجہ سے آخرت کے عذاب سے مناسبت رکھتا ہے، کیونکہ درحقیقت وہ آخرت کے عذابوں میں سے ہے۔ (یہ آیت) کریمہ عذابِ قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے: النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا. (سورۃ مؤمن، ۴۶) یعنی: صبح و شام آگ (جہنم) ان پر پیش کی جاتی ہے۔

اسی طرح قبر کی راحت بھی ہر دو پہلو رکھتی ہے۔ سعادتمند وہ شخص ہے جس کی لغزشوں اور گناہوں کو کمال کرم و مہربانی سے معاف کر دیا جائے اور ہرگز مواخذہ نہ فرمائیں۔ اگر مواخذہ کے مقام میں آئیں تو کمال رحمت سے دنیاوی دکھوں اور مشکلات کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنادیں اور اگر کچھ باقی بچ جائے تو قبر کی تنگی اور جو سختیاں اس مقام میں مقرر کی گئی ہیں، ان کو کفارہ بنادیں تاکہ میدانِ حشر میں پاک و صاف اٹھایا جائے۔ جس شخص کے ساتھ ایسا نہ کریں اور اس کے مواخذہ کو آخرت پر چھوڑ دیا جائے تو عینِ عدل ہے، لیکن گناہگاروں اور شرمساروں پر افسوس ہے۔ لیکن اگر وہ اہل اسلام میں سے ہے تو اس کا انجام رحمت سے ہے اور وہ ابدی عذاب سے محفوظ ہے۔ یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ رَبَّنَا اَتْنِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا جِ انْكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ تحریم، ۸) بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيمَاتُ. یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) صلی اللہ علیہ و آلہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صدقے۔

عقیدہ (۱۵): قیامت کا دن برحق ہے اور اس دن میں آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، حیوان، نباتات اور کانیں سب معدوم و ختم ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائیں گے، ستارے بکھر جائیں گے اور گر پڑیں گے اور زمین اور پہاڑ اڑتے ہوئے ذرات بن جائیں گے۔ اس ٹوٹ پھوٹ اور تباہی کا تعلق پہلا صور پھونکنے سے ہے اور دوسرا صور پھونکنے سے (لوگ) قبروں سے اٹھیں گے اور محشر میں جائیں گے۔

فلا سفہ آسمانوں اور ستاروں کے نیست و نابود ہونے کو جائز نہیں جانتے اور ان کی فنا و تباہی کو روا نہیں سمجھتے۔ وہ ان کو ازیلی وابدی کہتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے متاخرین اپنی بیوقوفی سے خود کو اہل اسلام کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں اور اسلام کے بعض احکام کو بجالاتے ہیں۔ اس سے بھی عجیب یہ ہے کہ بعض اہل اسلام ان کی اس بات پر یقین کر لیتے ہیں اور دلیری سے ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ بعض مسلمان اس جماعت کے بعض لوگوں کے اسلام کو کامل سمجھتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع (کرنے) کو برا خیال کرتے ہیں اور حالانکہ وہ قطعی نصوص کے منکر ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تسلیمات کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. وَاِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ. (سورۃ تکویر، ۱-۲)

یعنی جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور ستارے بے نور ہو جائیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ. وَاَذْنَتْ لِربِّهَا وَحَقَّتْ. (سورۃ انشقاق، ۱-۲)

یعنی: جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا فرمان بجالائے گا اور اسے واجب بھی یہی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا**. (سورۃ نبا، ۱۹) ای شُقَّتْ.

ترجمہ: اور آسمان کھولا جائے گا تو اس میں دروازے ہو جائیں گے، یعنی وہ پھٹ جائے گا۔

اس طرح کی مثالیں قرآن (مجید) میں بہت زیادہ ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ صرف زبان پر کلمہ شہادت کا لانا ہی اسلام میں کافی نہیں ہے، بلکہ ان سب چیزوں کی تصدیق کرنا بھی ضروری ہے، جن کی بجا آوری اور ادائیگی دین کی ضروریات میں سے سمجھی گئی ہے۔ نیز کفر اور کافری سے بیزاری بھی درکار ہے، تاکہ اسلام متصور ہو جائے۔ **وَبِذُوْنِهَا خَرَطُ الْقَتَادِ**.

یعنی: اور اس کے علاوہ بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

عقیدہ (۱۶): حساب، میزان اور (پل) صراط برحق ہے، جس کی مخیر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے جردی ہے۔ نبوت کے طریقہ پر ان امور کے وجود سے بعض جاہلوں کا انکار کرنا اعتبار کی حد سے ساقط ہے، کیونکہ نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ سے بالاتر ہے۔ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کی سچی خبروں کو عقل کی نگاہ کے مطابق بنانا درحقیقت نبوت کے طریقہ کا انکار ہے۔ (کیونکہ) وہاں معاملہ تقلید پر ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ کے مخالف ہے، بلکہ عقل کا طریقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی تقلید کی تائید کے بغیر اس بلند مطلب کی جانب ہدایت نہیں پاسکتا۔ مخالفت اور چیز ہے اور نہ پہنچنا دوسری شے ہے، کیونکہ مخالفت پہنچنے کے بعد متصور ہوتی ہے۔

عقیدہ (۱۷): بہشت اور دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ایک گروہ کو بہشت میں بھیجیں گے اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں۔ ان کا ثواب اور عذاب ابدی ہے جو ختم ہونے والا نہیں، جیسا کہ قطعی اور محکم نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔

صاحب فصوص کہتے ہیں کہ سب کا انجام رحمت سے ہے۔ **وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ**. (سورۃ اعراف، ۱۵۶) یعنی: اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔

وہ (صاحب فصوص) کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب تین حقب^(۶) تک ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ آگ ان کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوئی تھی۔ اور وہ حق (تعالیٰ) کی وعید میں خلاف جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل دل (صوفیہ) میں سے کوئی بھی کافروں کے دائمی عذاب کی جانب نہیں گیا ہے۔ اس مسئلہ میں بھی (صاحب فصوص) راہ حق سے دور جا پڑے ہیں اور نہیں سمجھ سکے کہ رحمت کی وسعت مومنوں اور کافروں کے حق میں دنیا میں مخصوص ہے اور آخرت میں رحمت کی کوئی خوشبو کافر تک نہیں پہنچے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ**. (سورۃ یوسف، ۸۷) یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافروں کے سوا کوئی ناامید نہیں ہوگا۔

نیز اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد: **وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ** (سورۃ اعراف، ۱۵۶) کے بعد فرماتا ہے: **فَسَاكُنْهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ**. (سورۃ اعراف، ۱۵۶)

یعنی: پس میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری

آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

شیخ (محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) نے آیت کے اوّل کو پڑھا ہے اور آخر پر عمل نہیں فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ**. (سورۃ اعراف، ۵۶)

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔

اور (یہ آیت) کریمہ بھی وعدہ خلافی کرنے کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی:

فَلَا تَحْسِبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ. (سورۃ ابراہیم، ۴۷)

یعنی: پس تو ایسا خیال نہ کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔

ممکن ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا انحصار اس بنا پر ہو کہ وعدہ سے مراد یہاں رسولوں کی نصرت ہے اور کافروں پر ان کا غلبہ ہے اور اس میں وعدہ اور وعید دونوں شامل ہیں۔ (کیونکہ) رسولوں کے لیے وعدہ ہے اور کافروں کے لیے وعید ہے۔ پس گویا اس (آیت) کریمہ میں وعدہ خلافی کی بھی نفی ہے اور وعید کے خلاف ہونے کی بھی نفی ہے۔ **فَالْآيَةُ مُسْتَشْهَدَةٌ عَلَيْهِ لَا لَه**. یعنی: پس (یہ) آیت شیخ کے خلاف ہے، ان کی تائید نہیں کرتی۔

نیز وعید میں خلاف ہونا بھی وعدہ خلافی کی مانند جھوٹ کو (اپنے لیے) لازم کرنا ہے اور (یہ) حضرت حق جلّ سلطانہ کے شایانِ شان نہیں، کیونکہ (اس طرح گویا) اللہ تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ میں کافروں کو دائمی عذاب نہیں دوں گا، اس کے باوجود اس نے کسی مصلحت کے لیے اپنے علم کے خلاف کہا ہے کہ میں دائمی عذاب دوں گا۔ اس مطلب کو جائز کرنا نہایت ہی برا ہے۔ **سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ**. (سورۃ صافات، ۱۸۰)

یعنی: یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحبِ عزت ہے اس سے پاک ہے۔

کافروں کے لیے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہل دل (صوفیہ) کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف ہے اور کشف میں خطا کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔

فَلَا اعْتَدَادَ بِهِ مَعَ كَوْنِهِ مُخَالِفًا لِاجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ.

یعنی: پس مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس پر اعتناء نہیں کیا جاسکتا۔

عقیدہ (۱۸): فرشتے اللہ جلّ سلطانہ کے بندے ہیں جو گناہ سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں: **لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ**. (سورۃ تحریم، ۶)

یعنی: جو ارشاد اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔

وہ کھانے اور پینے سے پاک ہیں اور عورت و مرد ہونے سے منزہ اور مبرا ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے لیے مذکر ضمیروں کا استعمال مردوں کی صنف کو عورتوں کی صنف سے شرف (حاصل ہونے) کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی ذات (اقدس) کے لیے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال فرمایا ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو رسالت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ جس طرح کہ بعض انسانوں کو بھی اس دولت سے مشرف فرمایا ہے:

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ. (سورة حج، ۷۵)

یعنی: اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے (بعض کو) رسول منتخب فرمالتا ہے۔

تمام علمائے اہل حق اس پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ)، امام الحرمینؒ اور صاحب فتوحات مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں۔ جو کچھ اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ فرشتے کی ولایت نبی علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت سے افضل ہے، لیکن نبوت و رسالت میں نبی کے لیے ایک ایسا درجہ ہے جس تک فرشتہ نہیں پہنچتا ہے اور وہ درجہ عنصر خاک کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے جو بشر سے مخصوص ہے۔ نیز اس فقیر پر ظاہر کیا گیا ہے کہ کمالات ولایت کا کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ کاش (یہ) اس نسبت کے حامل ہوتے جو قطرے کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔

پس جو فضیلت نبوت کے راستے سے آتی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہوگی جو ولایت کے راستے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس مطلق فضیلت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے لیے ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے لیے ہے۔ پس درست وہ ہے جو جمہور شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے) نے کہا ہے۔

اس تحقیق سے واضح ہوا کہ کوئی ولی انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات میں سے کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا، بلکہ اس ولی کا سر اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ مسائل میں سے جس مسئلہ میں بھی علماء اور صوفیہ اختلاف رکھتے ہیں، (فقیر) جب اچھی طرح ملاحظہ کرتا ہے تو علماء کو حق بجانب پاتا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی متابعت کی بدولت علماء کی نظر نے نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں نفوذ کر لیا ہے اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک محدود ہے۔ پس جو علم نبوت کے چراغ دان سے اخذ کیا جائے، وہ لازماً اس سے زیادہ صحیح اور زیادہ درست ہوگا جو ولایت کے مرتبہ سے حاصل کیا جائے۔

ان معارف میں سے بعض کی تحقیق اس مکتوب میں درج ہوئی ہے جو (فقیر نے) اپنے پیارے فرزند (حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کے نام لکھا ہے۔ اگر کوئی چیز مخفی رہ جائے تو آپ وہاں رجوع فرمائیں۔

عقیدہ (۱۹): ایمان سے مراد اس چیز کی تصدیق کرنا ہے جو دین سے ضرورت اور تواثر کے طریقہ سے ہم تک پہنچا ہے اور زبان سے اقرار کرنے کو بھی ایمان کا رکن کہا گیا ہے، کیونکہ (ایمان) گرنے کا امکان رکھتا ہے۔ اس تصدیق کی نشانی کفر سے تبرئ، کافری اور جو کچھ کافری میں اس کی خصوصیات و لوازمات میں سے ہے، مثلاً زُنا باندھنا اور اس طرح کی دوسری چیزیں، ان (سب) سے بیزار ہونا ہے۔ اللہ سبحانہ کی پناہ اگر کوئی شخص اس تصدیق کے ساتھ کفر سے تبرئ نہ کرے تو وہ دو دینوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو ارتداد کے داغ سے داغدار ہے اور درحقیقت اس کا حکم منافق کے حکم میں ہے۔ لَا اِلٰی ہُوَ لَا اِلٰی ہُوَ لَا اِلٰی ہُوَ لَا۔ (سورة نساء، ۱۴۳) یعنی: نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) اور ان کی جانب۔

پس ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبریٰ کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس کا ادنیٰ (درجہ) دل سے تبریٰ (کرنا) ہے اور اس کا اعلیٰ (درجہ) دل و جسم سے تبریٰ (کرنا) ہے۔ تبریٰ سے مراد حق جل و علا کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی (کرنا) ہے، خواہ (یہ) دشمنی دل سے ہو، جبکہ ان سے نقصان کا کوئی خوف رکھتا ہو اور خواہ دل و جسم دونوں سے ہو جبکہ ان کے ضرر کا خوف نہ ہو۔ (یہ آیت) کریمہ اس مطلب کی تائید کرتی ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. (سورۃ توبہ، ۷۳) یعنی: اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! کافروں اور منافقوں سے لڑائی کریں اور ان پر سختی کریں۔

کیونکہ اللہ عز و جل کی محبت اور اس کے رسول (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی محبت اس کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر کارآمد نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرع صادق آتا ہے:

ع
تو لی بے تبریٰ نیست ممکن

یعنی: دوستی بیزاری کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(لیکن) شیعہ نے جو یہ قاعدہ اہل بیتؑ کی محبت میں جاری کر لیا ہے اور تینوں خلفاءؓ اور ان کے علاوہ (اکثر صحابہ کرامؓ) سے تبریٰ کرنے کو اس دوستی کی شرط بنا رکھا ہے، (یہ) نامناسب ہے۔ کیونکہ دوستوں کی محبت کے لیے شرط ہے کہ ان کے دشمنوں سے تبریٰ کیا جائے، نہ کہ مطلق طور پر (دشمنوں کے سوا) غیروں سے بھی ہو۔ کوئی عقلمند منصف یہ تجویز نہیں کرتا کہ نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے اہل بیتؑ کے دشمن ہوں اور جبکہ ان بزرگواروں نے آپ علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی محبت میں اپنے مالوں اور جانوں کو قربان کر دیا اور مرتبے و سرداری کو بر باد کر دیا۔ پھر کس طرح اہل بیتؑ کی دشمنی ان کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے؟ جبکہ نص قطعی سے آنسرور علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے اہل قربات کی محبت ثابت ہو چکی ہے اور دعوت کا معاوضہ (قربت والوں) کی محبت مقرر ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا. (سورۃ شوریٰ، ۲۳) یعنی: آپ کہہ دیں کہ میں تم سے اس کا کوئی صلہ نہیں مانگتا، مگر قربت داروں کی محبت اور جو شخص نیکی کرے گا تو ہم اس کے ثواب میں اضافہ کریں گے۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ الصلوٰة والسلام نے جو یہ سب بزرگی پائی اور انبیاء کا شجرہ بن گئے، یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے تبریٰ کرنے کی بدولت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٌ وَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّثَهُ. (سورۃ ممتحنہ، ۴) یعنی: تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے، ایک عمدہ نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو، بیزار ہیں اور تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔

(اس) فقیر کی نگاہ میں حق جل و علا کی رضا حاصل کرنے کے لیے کوئی عمل اس تبریٰ کے برابر نہیں ہے۔ (فقیر) سمجھتا

ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو کفر اور کافری کے ساتھ ذاتی عداوت ہے۔ دنیا کے معبود مثلاً لات و عزریٰ اور ان کی عبادت کرنے والے ذاتی طور پر حق جل سلطانہ کے دشمن ہیں اور برے عمل کی جزا جہنم کا دائمی عذاب ہے۔ نفسانی خواہشات کے معبود اور باقی برے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے، کیونکہ عداوت اور غضب ان کی نسبت ذاتی نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو صفات کی جانب منسوب ہے اور عذاب و عتاب ہے تو وہ افعال کی طرف راجع ہے، لہذا ان برے اعمال کی جزا جہنم کا دائمی عذاب نہیں بنا، بلکہ (اللہ تعالیٰ نے) ان کی مغفرت کو اپنی مرضی سے وابستہ رکھا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت ثابت ہوئی تو لازماً رحمت و مہربانی جو جمال کی صفات ہیں، آخرت میں کافروں کو نہیں پہنچیں گی اور رحمت کی صفت ذاتی عداوت کو دور نہیں کرے گی، کیونکہ جو چیز ذات سے تعلق رکھتی ہے وہ اس صفت سے زیادہ مضبوط اور بلند ہے۔ پس صفت کا تقاضا ذات کے تقاضا کو تبدیل نہیں کر سکتا اور یہ جو (اس) حدیث قدسی میں آیا ہے:

سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي. (۷) یعنی: میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔

اس غضب سے مراد غضبِ صفاتی سمجھنا چاہیے جو گناہگار مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے، نہ کہ وہ غضبِ ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال: اگر کہیں کہ دنیا میں کافروں کو رحمت سے (حصہ) نصیب ہے جس طرح کہ تو نے اوپر تحقیق کی ہے تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے عداوتِ ذاتی کو کیسے دور کر دیا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ دنیا میں کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت استدراج اور مکر ہے۔ ان کے بارے میں (یہ آیات) کریمہ اس مطلب پر گواہ ہیں: اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَيْنٍ. نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ط بَلْ لَا يَشْعُرُونَ. (سورۃ مومنوں، ۵۵-۵۶)

یعنی: کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔

نیز (آیت) کریمہ: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ. وَأُمْلِي لَهُمْ اِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ. (سورۃ اعراف، ۱۸۲-۱۸۳) یعنی: ان کو بتدریج اس طریقہ سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا اور میں ان کو مہلت دیے جاتا ہوں۔ میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔

پس تم سمجھ لو۔

فائدہ جلیلہ: دوزخ کا ابدی عذاب کفر کی جزا ہے اور بس۔ پھر اگر پوچھیں کہ ایک شخص ایمان کے باوجود کفر کی رسموں کو بجالاتا ہے اور اہل کفر کے رواجوں کی تعظیم کرتا ہے اور علماء اس پر کفر کا حکم لگاتے ہیں اور اس کو مرتد لوگوں میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ پس علماء کے فتویٰ سے چاہیے کہ یہ شخص آخرت میں ابدی عذاب میں گرفتار ہو۔ جبکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھرا ایمان ہوگا، اس کو دوزخ سے باہر لائیں گے اور ہمیشہ

کے عذاب میں نہیں چھوڑیں گے۔ اس مسئلہ کی تحقیق تیرے نزدیک کیا ہے؟
(جواب میں) ہم کہیں گے کہ اگر وہ شخص کا فرحمن ہے تو ابدی عذاب اس کا نصیب ہے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنْهُ۔
یعنی: اس سے اللہ سبحانہ کی پناہ!

اور اگر وہ کفر کی رسموں کو بجالانے کے باوجود ذرہ بھرا ایمان بھی رکھتا ہے تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوگا، لیکن اس ذرہ بھرا ایمان کی برکت سے امید ہے کہ دائمی عذاب سے خلاصی پالے گا اور ہمیشہ کی گرفتاری سے نجات پائے گا۔
فقیر ایک بار ایک شخص کی عیادت کو گیا تھا، جس کا معاملہ حالتِ نزع کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب میں اس کے حال پر متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اس کا دل بڑی ظلمتیں رکھتا ہے۔ اگرچہ (فقیر) ان ظلمتوں کو دور کرنے میں متوجہ ہوا، لیکن فائدہ نہ ہوا۔
بہت زیادہ توجہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ظلمتیں کفر کی صفات سے پیدا ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں اور ان کدورتوں کا سرچشمہ کفر اور اہل کفر کے ساتھ دوستی ہے، تو جہات کے ذریعے یہ ظلمتیں دور نہیں ہو سکتیں۔ ان ظلمتوں سے اس کی صفائی جہنم کے عذاب سے وابستہ ہے جو کفر کی جزا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ (یہ شخص) ذرہ بھرا ایمان رکھتا ہے جس کی برکت سے آخر کار اسے دوزخ سے باہر لائیں گے۔ جب (فقیر نے) اس میں یہ حال مشاہدہ کیا تو دل میں خیال آیا کہ آیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہ؟ توجہ کے بعد ظاہر ہوا کہ نماز پڑھی جائے۔

پس جو مسلمان ایمان کے باوجود اہل کفر کی رسمیں بجاتے ہیں اور ان کے دنوں کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے اور (ان کو) کافروں کے ساتھ نہیں ملانا چاہیے۔ کَمَا هُوَ الْعَمَلُ الْيَوْمَ۔ یعنی: جیسا کہ آج کل کا معمول ہے۔
اور امید وار رہنا چاہیے کہ آخر کار وہ ایمان کی برکت سے دائمی عذاب سے نجات پائیں گے۔
پس معلوم ہوا کہ اہل کفر کے لیے معافی اور مغفرت نہیں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ۔ (سورۃ نساء، ۴۸)
یعنی: اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔

اگر (کوئی شخص) کافر محض ہے تو اس کے کفر کی جزا دائمی عذاب ہے اور اگر وہ ذرہ بھرا ایمان بھی رکھتا ہے تو اس کی جزا جہنم کا عارضی عذاب ہے اور اس کے تمام کبیرہ گناہوں میں اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔
فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب عارضی ہو یا دائمی (یہ) کفر اور کفر کی صفات سے مخصوص ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق آگے آئے گی۔ کبیرہ گناہ کرنے والے جن لوگوں کے گناہ توبہ یا شفاعت یا صرف عفو و احسان سے مغفرت میں داخل نہیں ہوتے، نیز جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیا کی تکلیفوں اور دُکھوں، یا موت کی سختیوں سے نہیں ہوا، امید ہے کہ ان کے عذاب میں ایک جماعت کو قبر کے عذاب سے کفایت کریں گے اور دوسرے گروہ کو قبر کی سختیوں کے باوجود قیامت کے خوفوں اور اس روز کی مصیبتوں سے کفایت فرمائیں گے اور (ان کے) گناہوں میں سے کوئی ایسا گناہ باقی نہیں چھوڑیں گے جس سے وہ جہنم کے عذاب کے مستحق بنیں۔ (یہ آیت) کریمہ اس مطلب کی تائید کرتی ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ۔ (سورۃ انعام، ۸۲)

یعنی: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے نہیں ملایا ان کے لیے امن ہے۔

کیونکہ ظلم سے مراد شر ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سب امور کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔

اگر کہیں کہ کفر کے علاوہ بعض دوسری برائیوں کی جزا بھی دوزخ بیان ہوئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّقْتَلْ مُؤْمِنًا مَّتَّعِمًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خُلْدًا فِيْهَا۔ (سورۃ نساء، ۹۳)

یعنی: اور جو شخص کسی مومن کو قصداً مار ڈالے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا۔

احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص ایک فرض نماز عمدہ ادا کرے، اسے ایک حقب (۸۰ سال) دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ پس دوزخ کا عذاب صرف کافروں سے مخصوص نہ رہا۔

(اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ عذاب (دوزخ) قتل کو حلال سمجھنے والے قاتل کے لیے ہے اور قتل کو حلال سمجھنے

والا کافر ہے، جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے اور کفر کے علاوہ جن برائیوں کے لیے دوزخ کا عذاب آیا ہے، وہ بھی کفر کی

صفات کے شائبہ سے خالی نہیں ہوں گی جس طرح کہ اس برائی کو ہلکا سمجھنا، اس کے کرتے وقت سوچ بچار نہ کرنا اور شرعی

حکموں اور نواہی کو حقیر سمجھنا وغیرہ۔

حدیث میں آیا ہے: شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكِبَايَرِ مِنْ اُمَّتِيْ۔^(۸)

یعنی: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی۔

نیز ایک دوسری حدیث میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: اُمَّتِيْ اُمَّةٌ مَّرْحُوْمَةٌ لَا عَذَابَ لَهَا فِي

الْآخِرَةِ۔^(۹) یعنی: میری امت مرحومہ ہے، اس کو آخرت کا عذاب نہیں ہوگا۔

(یہ آیت) کریمہ اس مطلب کی تائید کرتی ہے: الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ۔

(سورۃ انعام، ۸۲)

یعنی: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا، ان کے لیے امن ہے۔

جیسا کہ (اوپر) گزرا ہے اور مشرکوں کے بچوں اور پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والوں (کافروں) اور رسولوں کے فترت کے

زمانہ کے مشرکوں کے حالات تفصیل کے ساتھ اس مکتوب (دفتر ۱: ۲۵۹) میں لکھے گئے ہیں جو (فقیر نے) اپنے فرزند محمد سعید

(قدس سرہ) کے نام لکھا ہے۔ آپ وہاں سے معلوم فرمائیں۔

ایمان کے زیادہ اور کم ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کو فی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: الْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا

يَنْقُصُ۔ یعنی: ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں: يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ۔ یعنی: (ایمان) زیادہ ہوتا ہے اور کم۔

اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق اور قلبی یقین ہے جس میں زیادتی اور کمی کی گنجائش نہیں ہے اور جو

کوئی زیادتی اور کمی کو قبول کرے وہ دائرہ ظن میں داخل ہے نہ یقین میں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیک اعمال کا بجالانا اس یقین کو

روشن فرماتا ہے اور برے اعمال (کی بجا آوری) اس یقین کو کمزور بنا ڈالتی ہے۔ پس زیادتی اور کمی اعمال کے اعتبار سے اس

یقین کے روشن ہونے سے ثابت ہوئی، نہ کہ نفس یقین میں۔ ایک گروہ نے یقین کو جب واضح اور روشن پایا تو انہوں نے اس کو اس یقین سے زیادہ کہہ دیا جو چمک اور روشنی زیادہ نہیں رکھتا۔ گویا بعض نے غیر روشن یقین کو یقین نہ سمجھا اور انہی بعض نے روشن کو یقین سمجھ کر ناقص (کم) کہہ دیا۔ ایک دوسری جماعت جس کے لوگ نظر کی تیزی رکھتے تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ یہ زیادتی اور کمی یقین کی صفات کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی جانب، تو انہوں نے (اسے) غیر زائد اور ناقص (کم) کہہ دیا۔ جس طرح کہ دو آئینے آپس میں برابر ہونے کے باوجود روشنی اور نورانیت میں فرق رکھتے ہوں۔ ایک شخص اس آئینے کو دیکھتا ہے جو زیادہ روشنی رکھتا ہے اور اس میں نمائندگی بہت زیادہ ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ آئینہ اس دوسرے آئینہ سے جو روشنی اور نمائندگی نہیں رکھتا، زیادہ ہے اور ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ دونوں آئینے برابر ہیں، زیادتی اور کمی نہیں رکھتے۔ فرق روشنی اور نمائندگی میں ہے جو ان دونوں آئینوں کی صفات میں سے ہیں۔ پس دوسرے شخص کی نظر صائب ہے اور چیز کی حقیقت تک پہنچنے والی ہے اور پہلے شخص کی نظر کا انحصار ظاہر پر ہے اور وہ صفت سے (آگے) ذات تک نہیں گئی۔ يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ. (سورۃ مجادلہ، ۱۱)

یعنی: جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے گا۔ اس تحقیق سے جس کے اظہار کی اس فقیر کو توفیق ملی ہے، مخالفین کے وہ اعتراضات جو انہوں نے ایمان کی زیادتی اور کمی نہ ہونے پر کیے ہیں، ختم ہو گئے۔ عام مومنوں کا ایمان تمام وجوہات میں انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ایمان کی طرح نہیں ہوا، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا ایمان مکمل طور پر روشن اور نورانی ہے، وہ عام مومنوں کے ایمان سے کئی گنا زیادہ ثمرات و نتائج زیادہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان جو زن میں اس امت کے ایمان سے زیادہ ہے، (اسے بھی) روشنی اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہیے اور (اس کی) زیادتی (اضافے) کو کامل صفات کی جانب راجع کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات نفسِ انسانیت میں عام لوگوں کے ساتھ برابر ہیں اور حقیقت اور ذات میں سب آپس میں متحد ہیں، لیکن صفاتِ کاملہ کے اعتبار سے (ایک دوسرے پر) فضیلت رکھتے ہیں۔ جو یہ صفاتِ کاملہ نہیں رکھتا، گویا وہ اس نوع سے خارج ہے اور اس نوع کے فضائل و خواص سے محروم ہے۔ (لیکن) باوجود اس فرق کے نفسِ انسانیت میں زیادتی اور کمی نہیں پاتا اور نہیں کہا جاسکتا کہ انسانیت زیادتی اور کمی کے لائق ہے۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهُمُ لِلصَّوَابِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ! صحیح بات کا الہام فرمانے والا ہے۔

نیز اسی طرح کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے نزدیک تصدیقِ ایمانی سے مراد تصدیقِ منطقی ہے، جس میں ظن اور یقین شامل ہے۔ اس طرح نفسِ ایمان میں زیادتی اور کمی کی گنجائش ہوئی، لیکن درست یہی ہے کہ تصدیق سے یہاں مراد دلی یقین اور قبولیت ہے، نہ کہ عام معنی جس میں ظن بھی شامل ہے۔

(حضرت) امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا. یعنی: میں یقیناً مومن ہوں اور (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءً اللہ تعالیٰ. یعنی: میں مومن ہوں اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔ درحقیقت ان کا یہ نزاع لفظی ہے۔ پہلا مذہب (قول) ایمان کے حال کے اعتبار سے ہے اور دوسرا مذہب (قول) ایمان کے انجام اور

عاقبت کے اعتبار سے ہے، لیکن صورت استثناء (ان شاء اللہ کہنے سے) اجتناب کرنا بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔

كَمَا لَا يَخْفَى عَلَى الْمُنْصِفِ. یعنی: جیسا کہ انصاف کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

عقیدہ (۲۰): اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں اور ان سے خرق عادات کے واقعات کثرت سے واقع ہونے کی وجہ سے یہ بات ان کی دائمی عادت بن گئی ہے اور ان کا منکر علم عادی و ضروری کا انکار کرنے والا ہے۔ نبی کا معجزہ نبوت کے دعویٰ سے جڑا ہوا ہے اور ولی کی کرامت اس چیز سے خالی ہے، بلکہ وہ اس نبی کی متابعت کے اعتراف کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

فَلَا إِشْتِبَاهَ بَيْنَ الْمُعْجَزَةِ وَالْكَرَامَةِ كَمَا زَعَمَ الْمُنْكَرُونَ.

یعنی: پس معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں ہے، جیسا کہ منکرین کا گمان ہے۔

عقیدہ (۲۱): خلفائے راشدینؓ کے درمیان افضلیت کی ترتیب خلافت کی ترتیب (کے لحاظ) سے ہے، لیکن افضلیت شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) صحابہ (کرامؓ) اور تابعین کے اجماع سے ثابت شدہ ہے۔

چنانچہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت جن میں سے ایک (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں، نے اس کو نقل کیا ہے:

قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ الْأَشْعَرِيُّ إِنَّ تَفْضِيلَ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ عَلَى بَقِيَّةِ الْأُمَّةِ قَطْعِيٌّ.

یعنی: شیخ امام ابو الحسن اشعری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ بیشک (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت، پھر (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت باقی تمام امت پر قطعی ہے۔

امام ذہبی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں۔

قَدْ تَوَاتَرَ عَنْ عَلِيٍّ فِي خِلَافَتِهِ وَكُرْسِيِّ مُمْلِكَتِهِ وَبَيْنَ الْحَجَمِ الْغَفِيرِ مِنْ شَيْعَتِهِ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ أَفْضَلُ الْأُمَّةِ. ثُمَّ قَالَ وَرَوَاهُ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى وَجْهَهُ نَيْفٌ وَثَمَانُونَ نَفْسًا وَعَدَّ مِنْهُمْ جَمَاعَةً. ثُمَّ قَالَ فَقَبِّحَ اللَّهُ الرَّافِضَةَ مَا أَجْهَلُ لَهُمْ. یعنی: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت اور مملکت کے زمانے میں ان کے متابعین میں سے ایک جم غفیر کے درمیان تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بلاشبہ (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) تمام امت میں افضل ہیں۔ (امام ذہبیؒ) پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو اسی سے زیادہ صحابہ کرامؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔ اور ان میں سے ایک جماعت کا نام بھی لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے کہ یہ کیسے جاہل ہیں۔

نیز (حضرت) امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ ابْنُهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنْفِيَّةِ، ثُمَّ أَنْتَ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ.

یعنی: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں سے بہتر (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں، پھر (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ)، پھر ایک اور شخص۔ پس (اس پر) آپؐ کے صاحبزادے (حضرت) محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ پھر آپ۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں۔

نیز (حضرت) امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے صحیح سند سے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

أَلَا وَانَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رَجُلًا يُفَضِّلُونَنِي عَلَيْهِمَا وَمَنْ وَجَدْتُهُ فَضَّلَنِي عَلَيْهِمَا فَهُوَ مُفْتَرٍ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُفْتَرِي. یعنی: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) پر فضیلت دیتے ہیں، لہذا جسے میں پاؤں گا کہ وہ مجھے ان پر فضیلت دیتا ہے تو وہ جھوٹا ہے اور اس کی سزا وہی ہے جو جھوٹے کی ہوتی ہے۔

نیز دارقطنی نے آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے: لَا أَحَدًا فَضَّلَنِي عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِلَّا جَلَدْتُهُ جَلْدَ الْمُفْتَرِي. یعنی: جس کو میں پاؤں گا کہ وہ مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے تو میں اسے اتنے کوڑے ماروں گا جو ایک جھوٹے کی سزا ہے۔

اسی طرح کی اور بہت سی روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں جن سے کسی کو بھی انکار کی مجال نہیں ہے، یہاں تک کہ شیعہ اکابرین میں سے عبدالرزاق کہتا ہے:

أَفْضَلُ الشَّيْخَيْنِ تَفْضِيلُ عَلِيٍّ إِيَّاهُمَا عَلَى نَفْسِهِ وَالْأَلَا لَمَّا فَضَّلْتُهُمَا كَفَى بِي وَزْرًا أَنْ أُجِبَّهُ ثُمَّ أَخَالَفَهُ. یعنی: میں شیخین (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو اس لیے فضیلت دیتا ہوں کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے اوپر فضیلت دی ہے، ورنہ میں ان کو کبھی فضیلت نہ دیتا۔ میرے نزدیک یہ گناہ ہے کہ میں آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر آپ کی مخالفت کروں۔

یہ تمام (روایات و عبارات) صواعقِ محرقہ^(۱۰) سے نقل کی گئی ہیں۔

لیکن رہی (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت، تو پس اکثر علمائے اہل سنت اس پر ہیں کہ شیخینؓ کے بعد (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) افضل ہیں اور پھر (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ)۔ اور ائمہ اربعہ مجتہدینؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت میں جو توقف امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کیا گیا ہے اس کے بارے میں قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کی جانب رجوع کر لیا ہے اور قرطبیؒ نے کہا ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہی زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح وہ توقف جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے سمجھا گیا ہے کہ: مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَمَحَبَّةُ الْخَتَنَيْنِ. یعنی: شیخینؓ (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کی فضیلت اور حضرات ختنینؓ (دونوں دامادوں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کی محبت اہل سنت و جماعت کی علامات میں سے ہے۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے کا محل اور ہے، کیونکہ حضرات ختنین (دونوں دامادوں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کی خلافت کے زمانے میں فتنوں کا ظہور اور لوگوں کے امور میں خلل کا وقوع بہت زیادہ ہو گیا تھا اور اس وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ امام (اعظم رحمۃ اللہ علیہ) نے اس مقصد کو ملاحظہ فرماتے ہوئے ان

(حضرات) کے بارے میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو سنت کی علامات میں سے بنایا ہے، بغیر اس کے کہ توقف کا شائبہ ملحوظ ہو۔ توقف کیسے ہو کیونکہ حنفیہ کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں کہ ان (خلفائے راشدینؓ) کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔

الغرض شیخینؓ کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی افضلیت اس سے کم ہے، لیکن زیادہ احتیاط یہ ہے کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی افضلیت کے منکر کو، بلکہ شیخینؓ کی افضلیت کے منکر کے لیے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں اور اسے بدعتی اور گمراہ سمجھیں، کیونکہ اس کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں قیل و قال ہے۔ یہ منکر بے نصیب یزید کا ساتھی ہے، جس پر لعنت کرنے میں (اسی) احتیاط کی وجہ سے توقف کیا گیا ہے۔ وہ اذیت جو حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو خلفائے راشدینؓ کو ایذا پہنچانے کی وجہ سے پہنچتی ہے وہ بالکل اسی طرح کی اذیت ہے جو آپ علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو حضراتِ امائینؓ کو ایذا پہنچانے کی وجہ سے پہنچی ہے۔ نبی کریم علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے:

اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُمْ عَرَضًا مِّنْ بَعْدِي مَن أَحَبَّهُمْ فَبِحَبِيٍّ أَحَبَّهُمْ وَمَن أَبْغَضَهُمْ فَبِغْضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَن آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَن آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ وَمَن آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (۱۲)

یعنی: میرے صحابہ (کرامؓ) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد ان کو نشانہ مت بناؤ۔ جس شخص نے ان کو دوست رکھا، اس نے ان کو میری محبت کی وجہ سے دوست رکھا۔ جس شخص نے ان کے ساتھ بغض رکھا، اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا۔ نیز جس آدمی نے ان کو اذیت پہنچائی پس اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اُس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ کرے گا۔

نیز اللہ عز وجل نے فرمایا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (سورۃ احزاب، ۵۷) یعنی: بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیت پہنچاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اس افضلیت کے بارے میں انصاف سمجھا ہے، وہ انصاف سے دور ہے اور جو تردید انہوں نے کی ہے وہ بے فائدہ ہے، کیونکہ علماء کے ہاں یہ چیز مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو اللہ جل و علا کے نزدیک ثواب کی کثرت کے اعتبار سے ہے، نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل و مناقب کے بکثرت ظاہر ہونے کے لحاظ سے ہے، جو عقلا کے نزدیک اعتبار رکھتی ہے، کیونکہ سلف صحابہ (کرامؓ) اور تابعینؓ نے جتنے فضائل و مناقب حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے نقل کیے ہیں اتنے کسی اور صحابیؓ کے بارے میں منقول نہیں ہوئے، حتیٰ کہ امام احمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے: مَا جَاءَ لِأَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ مِنَ الْفَضَائِلِ مَا جَاءَ لِعَلِيٍّ (رضی اللہ عنہ)۔

یعنی: جو فضائل (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کے منقول ہوئے ہیں، وہ کسی اور صحابیؓ کے بارے میں نہیں آئے ہیں۔

اس کے باوجود انہوں نے خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کا حکم کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے علاوہ کچھ اور ہے اور اس افضلیت کی اطلاع دولتِ وحی کا مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے، جنہوں نے صراحت کے ساتھ یا قرائن سے معلوم کیا ہے اور یہ (ہستیاں) نبی کریم علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) ہیں۔ پس جو چیز عقائد نسفی کے شارح نے کہی ہے کہ اگر افضلیت سے مراد کثرتِ ثواب ہے تو پھر توقف کی جہت ساقط ہے، کیونکہ توقف کی گنجائش اس وقت ہے جب کہ افضلیت کو صاحبِ شریعت کی جانب سے صراحت کے ساتھ اور دلالت سے معلوم نہ کیا گیا ہو اور جب معلوم کر لیا گیا ہو تو پھر توقف کیوں کریں؟ اور اگر معلوم نہ کیا گیا ہو تو پھر افضلیت کا حکم کیوں کریں؟ جو شخص سب کو برابر سمجھے اور ایک کی دوسرے پر فضیلت کو ایک فضول چیز خیال کرے، وہ فضول باتیں کرنے والا ہے۔ وہ ایک ایسا فضول شخص ہے جو اہل حق کے اجماع کو ایک فضول بات سمجھتا ہے۔

شاید لفظ فضل اس کو اس فضولیت کی جانب لے گیا ہے اور جو بات صاحبِ فتوحات مکیہ نے کہی ہے کہ ان (خلفائے راشدینؓ) کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے اور (یہ) فضیلت میں برابری پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ خلافت دوسرا معاملہ ہے اور افضلیت کی بحث اور چیز ہے۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں ان (صاحبِ فتوحات مکیہ) کی شطیحات میں سے ہیں جو قابلِ سند نہیں ہے۔ ان کے اکثر کشفی معارف جو اہل سنت کے علوم سے الگ ہو گئے ہیں، وہ سچائی سے دور ہیں۔ پس ان (باتوں) کی پیروی نہیں کرتا، مگر ایسا شخص جس کا دل بیمار ہے یا وہ مقلدِ محض ہے۔ نیز جو کچھ صحابہ (کرامؓ) کے درمیان لڑائی جھگڑے ہوئے ہیں، ان کی تاویل اچھے معنوں میں کرنی چاہیے اور ان کو نفسانی خواہش اور تعصب سے دور رکھنا چاہیے۔

تفتنازائی نے (حضرت) علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں افراط کرنے کے باوجود فرمایا ہے: وَمَا وَقَعَ مِنَ الْمَخَالَفَاتِ وَالْمُحَارَبَاتِ لَمْ يَكُنْ عَنْ نِزَاعٍ فِي خِلَافَةِ بُلٍّ عَنْ خَطَايَ فِي الْأَجْبِهَادِ۔ یعنی: جو جنگ و جدال ان (صحابہ کرامؓ) کے درمیان ہوئے ہیں، وہ خلافت کے تنازع کی وجہ سے نہیں ہوئے، بلکہ اجتہادی خطا کی بدولت ہوئے ہیں۔

اور اس (شرح عقائد) کے حاشیہ خیالی^(۱۳) میں ہے: فَإِنَّ مُعَاوِيَةَ وَأَخْرَابَهُ بَعُثُوا عَنْ طَاعَتِهِ مَعَ اعْتِرَافِهِمْ بِأَنَّهُ أَفْضَلُ أَهْلِ زَمَانِهِ وَأَنَّهُ الْأَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ مِنْهُ بِشِبْهِهِ هِيَ تَرْكُ الْقِصَاصِ عَنْ قَتْلَةِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ۔ یعنی: (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور ان کے لشکر نے ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی اطاعت سے سرکشی کی، اس اعتراف کے ساتھ کہ بیشک وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اہل زمانہ سے افضل ہیں اور وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) امامت کے ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک شبہ کی وجہ سے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینا تھا۔

نیز حاشیہ قرۃ کمال^(۱۴) میں (حضرت) علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: إِخْوَانُنَا بَعُثُوا عَلَيْنَا وَلَيْسُوا كُفْرَةً وَلَا فَسَقَةً لِمَالِهِمْ مِنَ التَّائِيلِ۔

یعنی: ہمارے جن بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی، وہ کافر اور فاسق نہیں ہیں، کیونکہ ان کے لیے تاویل ہے۔

اور شک نہیں ہے کہ اجتہادی خطا ملامت سے دور ہے اور اس سے طعن و تشنیع برخاست ہے۔ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہوئے تمام صحابہ کرامؓ کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے ان کو دوست رکھنا چاہیے۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا ہے: مَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ۔

ترجمہ: جس شخص نے ان کو دوست رکھا، اس نے ان کو میری محبت کی وجہ سے دوست رکھا۔ جس شخص نے ان کے ساتھ بغض رکھا، اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا۔

یعنی جس محبت نے میرے صحابہ کرامؓ کے ساتھ تعلق بنالیا ہے، وہی محبت ہے جو مجھ سے متعلق ہو گئی ہے۔ اسی طرح جو بغض ان سے تعلق رکھتا ہے، وہی بغض ہے جس نے میرے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے۔ ہمیں حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جنگ کرنے والوں سے کوئی دوستی نہیں ہے، بلکہ درست یہ ہے کہ ہم ان سے اذیت میں ہیں، لیکن چونکہ وہ نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ کرامؓ ہیں، جن سے محبت کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور ان کے بغض و اذیت سے ہمیں منع کیا گیا ہے، لہذا ہم نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے ان سب کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے بغض و اذیت سے دور بھاگتے ہیں، کیونکہ یہ بغض و اذیت آنسور (علیہ الصلوٰات والتسلیمات) کے بغض و اذیت تک پہنچا دیتا ہے، لیکن ہم حقدار کو حقدار اور خطا کار کو خطا کار کہتے ہیں۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) حق پر تھے اور ان کے مخالفین خطا پر، اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔

اس بحث کی تحقیق اس مکتوب (۲۵۱:۱) میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جو (فقیر نے) خواجہ محمد اشرف (رحمۃ اللہ علیہ) کو لکھا ہے، اگر کوئی چیز مخفی رہ گئی ہو تو آپ اس مکتوب کی جانب رجوع فرمائیں۔

عقائد کی تصحیح کے بعد احکام فقہ کو سیکھنے کے سوا چارہ نہیں ہے اور فرض و واجب، حلال و حرام، سنت و مستحب اور مشتبہ و مکروہ کو سمجھے بغیر گزارہ نہیں ہے۔ اس طرح اس علم کے تقاضا کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروریات میں سے شمار کریں اور نیک اعمال کے بجالانے کی کامل کوشش کا لحاظ رکھیں اور نماز جو دین کا ستون ہے، (فقیر) اس کے فضائل و ارکان میں سے تھوڑے سے بیان کرتا ہے، سماعت فرمائیں:

اول کامل وضو کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ ہر عضو کو پوری طرح اور مکمل طور پر تین بار دھونا چاہیے، تاکہ وہ سنت کے مطابق ادا ہو اور سارے سر کا مسح کرنا چاہیے اور کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط فرمانی چاہیے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی جانب خلال کرنے کا لکھا ہے۔ اس کی رعایت فرمائیں، مستحب کی بجائے آوری کو کم (درجہ) نہ سمجھیں۔ مستحب حق جل و علا کا محبوب اور پسندیدہ عمل ہے۔ اگر تمام دنیا کے بدلے حق جل سلطانہ کا ایک پسندیدہ عمل معلوم ہو جائے اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل میسر آجائے تو غنیمت ہے۔ یہ بالکل ایسے کہ کوئی شخص چند ٹھیکروں کے بدلے نفیس ہیرا خرید لے اور بیکار پتھر کے ذریعے اصلی جو ہر حاصل کر لے۔

کامل طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز جو مومن کی معراج ہے، کا ارادہ فرمانا چاہیے اور اہتمام کرنا چاہیے کہ فرض نماز

جماعت کے بغیر ادا نہ ہو، بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ ترک نہ ہو۔ نماز مستحب وقت میں ادا ہو اور قرأت میں سنت کی مقدار کا لحاظ کرنا چاہیے۔ رکوع اور سجدہ سکون قلب کے ساتھ کرنا ضروری ہے، کیونکہ بقول مختار فرض ہے یا واجب۔ قیام میں اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ ہڈیاں اپنی جگہ پر آجائیں اور سیدھا کھڑا ہونے کے بعد سکون قلب درکار ہے۔ کیونکہ (یہ) فرض ہے یا واجب یا سنت، مختلف اقوال سے۔ اسی طرح دو سجدوں کے درمیان جو جلسہ (بیٹھنا) ہے، بیٹھنے کے بعد صحیح سکون قلب بھی درکار ہے جیسا کہ قیام میں۔ رکوع اور سجدہ کی کم از کم تسبیح (پڑھنا) تین بار ہے اور زیادہ سے زیادہ سات بار یا گیارہ مرتبہ، مختلف اقوال سے۔ امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے اندازہ سے ہے۔ شرم کی بات ہے کہ آدمی اکیلا نماز پڑھتے وقت طاقت اور استطاعت کے باوجود کم از کم تسبیحات کو کافی سمجھے۔ اگر زیادہ نہ کر سکتا ہو تو بھی پانچ بار یا سات مرتبہ تو پڑھے۔ سجدہ میں جاتے وقت پہلے وہ عضو زمین پر رکھے جو زمین کے زیادہ قریب ہے۔ پس اول دو گھٹنے زمین پر رکھے، اس کے بعد دونوں ہاتھ، اس کے بعد ناک، اس کے بعد پیشانی کو۔ گھٹنے اور ہاتھ زمین پر رکھتے وقت دائیں جانب سے ابتدا کرنی چاہیے۔ سر اٹھاتے وقت پہلے وہ عضو اٹھانا چاہیے جو آسمان کے نزدیک ہے۔ پس اٹھانے کا آغاز پیشانی سے کرنا چاہیے۔ قیام کے وقت نظر سجدہ کی جگہ پر جمائی چاہیے اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر نظر رکھنی چاہیے اور سجدہ کے وقت ناک کی نوک پر اور بیٹھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف رکھنی چاہیے۔ جب نظر کو منتشر ہونے سے روک لیا جائے اور مذکورہ جگہوں پر جمالیا جائے تو نماز حضور قلب کے ساتھ میسر ہو جاتی ہے اور نماز خشوع کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے، جیسا کہ نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے۔ اسی طرح رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجدہ کے وقت ان انگلیوں کو ملا لینا سنت ہے۔ اس کی بھی رعایت فرمائیں۔ انگلیاں کھولنا یا ملانا بے فائدہ نہیں ہے۔ صاحب شرع نے اس میں فائدے ملاحظہ کر کے ان پر عمل فرمایا ہے۔ ہمارے لیے صاحب شریعت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ یہ سارے احکام تفصیل اور وضاحت کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور ان کے یہاں بیان کرنے سے مقصود علم فقہ کے مطابق اعمال کی بجا آوری کی ترغیب دینا ہے۔ وَفَقْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَآيَاكُمْ عَلَى الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ الْمُوَافَقَةِ لِلْعُلُومِ الشَّرْعِيَّةِ بَعْدَ أَنْ وَفَقْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ لِتَصْحِيحِ الْعُقَايِدِ الدِّينِيَّةِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِ كُلِّ مِنَ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيمَاتِ أَكْمَلُهَا۔

یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقے دینی عقائد کی تصحیح کے بعد علوم شریعت کے مطابق نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اگر آپ اپنے اندر نماز کے فضائل اور اس کے مخصوص کمالات جاننے کا ایک شوق پائیں تو پھر وہ تین مکتوب جو ایک دوسرے سے متصل و قریب ہیں، ان کا مطالعہ فرمائیں۔ پہلا مکتوب (۲۶۰) میرے فرزند محمد صادق (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام لکھا گیا ہے اور دوسرا مکتوب (۲۶۱) میرے محمد نعمان (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام اور تیسرا مکتوب (۲۶۳) مشیخت مآب میاں شیخ تاج (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام ہے۔

ان اعتقادی اور عملی دو پروں کو حاصل کرنے کے بعد اگر اللہ جل سلطانہ کی توفیق رہنمائی فرمائے تو صوفیہ کے بلند

طریقہ کو اختیار کریں، اس غرض کے لیے نہیں کہ اس اعتقاد و عمل سے کوئی اضافی چیز حاصل کریں اور کوئی نئی بات ہاتھ آئے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ معتقدات کے بارے میں ایک ایسا یقین اور اطمینان حاصل کریں جو ہرگز کسی شک میں ڈالنے والی چیز سے زائل نہ ہو اور شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو، کیونکہ استدلال کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں اور مستدل بے وقار ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ. (سورۃ رعد، ۲۸) یعنی: یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔

نیز اعمال کے بارے میں ایک آسانی و سہولت حاصل کریں اور جو سستی اور سرکشی نفسِ امارہ سے پیدا ہوتی ہے اس کو زائل کریں۔ ایسے ہی طریقہ صوفیہ کے اختیار کرنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور انوار اور رنگوں کا معائنہ کریں۔ یہ چیز تو خود کھیل کھود میں داخل ہے۔ حسی صورتیں اور انوار کیا نقصان رکھتے ہیں کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے غیبی صورتوں اور انوار کی تمنا کرے۔ کیونکہ یہ صورتیں اور وہ صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب حق جل و علا کی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔

صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا بہت بہتر اور زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی متابعت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب فرمایا ہے۔ اسی لیے اگر وہ متابعت کی دولت رکھتے ہیں اور احوال میں سے کوئی چیز بھی نہیں رکھتے تو بھی خوش ہیں اور اگر وہ احوال کے باوجود متابعت میں نقصان پائیں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سماع و رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال اس پر مرتب ہوتے ہیں ان کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ ذکرِ جہر کو بدعت سمجھتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے اور جو ثمرات اس پر مرتب ہوتے ہیں ان کی جانب التفات نہیں کیا۔

ایک روز کھانے کی مجلس میں ہم حضرت عالی (خواجه باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر تھے۔ شیخ کمال (رحمۃ اللہ علیہ) جو حضرت خواجه (قدس سرہ) کے مخلصین میں سے تھے، نے کھانا شروع ہونے کے وقت آپ کے حضور میں اسم اللہ کو اونچی آواز میں کہا۔ حضرت عالی (قدس سرہ) کو اچھا نہ لگا، یہاں تک کہ سخت سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ اسے منع کریں کہ ہماری کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوا کرے۔

میں نے حضرت عالی (خواجه باقی باللہ قدس سرہ) سے سنا ہے کہ حضرت خواجه نقشبند (قدس سرہ) بخارا کے علماء کو جمع کر کے حضرت (خواجه) امیر کلال (قدس سرہ) کی خدمت میں لے گئے تھے، تاکہ ان کو ذکرِ جہر سے منع فرمائیں۔ علماء نے حضرت امیر (کلال قدس سرہ) سے عرض کیا کہ (حضرت!) ذکرِ جہر بدعت ہے، آپ نہ کریں۔ حضرت (امیر کلال قدس سرہ) نے فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے۔

اس طریقہ (عالیہ نقشبندیہ) کے اکابر جب ذکرِ جہر کے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں تو پھر (فقیر) سماع و رقص اور وجد و تواجد کے بارے میں کیا کہے؟ جو احوال و مواجید غیر شرعی اسباب پر مرتب ہوتے ہیں، فقیر کے نزدیک وہ استدراج کی قسم میں سے ہیں۔ کیونکہ اہل استدراج کو بھی احوال و اذواق ہاتھ لگتے ہیں اور دنیا کی صورتوں کے آئینے میں توحید کا کشف اور مکاشفہ و معائنہ (ان کو بھی) ظاہر ہو جاتا ہے۔ یونان کے حکماء اور ہندوستان کے جوگی و برہمن اس معاملے میں شریک ہیں۔ احوال کی سچائی کی علامت (ان کا) شرعی علوم کے مطابق ہونا اور حرام اور شبہ والے امور کے کرنے سے رکنا ہے۔

جاننا چاہیے کہ سماع و رقص در حقیقت کھیل و کود میں داخل ہیں۔ (یہ آیت) کریمہ سرود (گانے بجانے) سے منع کرنے کے بارے میں اتری ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ (سورۃ لقمان، ۶) یعنی: اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے۔

چنانچہ مجاہد (رحمۃ اللہ علیہ) جو (حضرت) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کے شاگرد اور اکابر تابعین میں سے ہیں، وہ کہتے ہیں، لَهْوَ الْحَدِيثِ سے مراد سرود ہے اور (تفسیر) مدارک میں ہے: لَهْوَ الْحَدِيثِ السَّمْرُ وَالْغِنَاءُ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَخْلِفَانِ أَنَّهُ الْغِنَاءُ۔

یعنی: ”لَهْوَ الْحَدِيثِ“ سے مراد بیہودہ قصے اور سرود ہے اور (حضرت) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) قسم کھاتے تھے کہ بیشک وہ غنا اور سرود ہے۔

(حضرت) مجاہد (رحمۃ اللہ علیہ) اللہ تعالیٰ کے ارشاد: لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْرَ (یعنی: اور جو لوگ زور میں حاضر نہیں ہوتے۔ سورۃ فرقان، ۷۲) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اُی لَا يَحْضُرُونَ الْغِنَاءَ۔ یعنی: وہ سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے۔

اور امام الہدیٰ ماتریدی (رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کی گئی ہے:

مَنْ قَالَ لِمُقَرَّرٍ زَمَانِنَا أَحْسَنَتْ عِنْدَ قِرَاءَةِ تَهْ يَكْفُرُ وَبَانَتْ مِنْهُ اِمْرَةٌ تَهْ وَاحْبَطَ اللَّهُ تَعَالَى كُلَّ حَسَنَاتِهِ۔ یعنی: جس شخص نے ہمارے زمانے کے کسی قاری سے قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی کو طلاق اور اس کی سب نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ (۱۵)

نیز البوصیرد بوسی (رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ انہوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی (رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کیا ہے: مَنْ سَمِعَ الْغِنَاءَ مِنَ الْمُغَنِيِّ وَغَيْرِهِ أَوْ يَرَى فِعْلًا مِنَ الْحَرَامِ لِيُحْسِنَ ذَلِكَ بِاعْتِقَادٍ أَوْ بِغَيْرِ اعْتِقَادٍ يَصِيرُ مُرْتَدًّا فِي الْحَالِ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ أَبْطَلَ حُكْمَ الشَّرِيعَةِ وَمَنْ أَبْطَلَ حُكْمَ الشَّرِيعَةِ فَلَا يَكُونُ مُؤْمِنًا عِنْدَ كُلِّ مُجْتَهِدٍ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ تَعَالَى طَاعَتَهُ وَاحْبَطَ اللَّهُ تَعَالَى كُلَّ حَسَنَاتِهِ۔ یعنی: جس شخص نے گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا، یا حرام فعل کو دیکھا اور اس کو اچھا سمجھا اور اس کو اعتقاد کی رو سے یا بغیر اعتقاد کے اچھا سمجھا تو وہ اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے، کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جو شریعت کے حکم کو باطل کر دے وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں رہتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس کی طاعت کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ساری نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔

أَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ ذَلِكَ۔ یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اس چیز سے محفوظ فرمائے۔

سرود کی حرمت میں آیات و احادیث اور فقہی روایات بہت زیادہ ہیں، یہاں تک کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کوئی منسوخ حدیث یا غیر معتبر روایت سرود کے جائز ہونے میں پیش کرے تو (اس کا) اعتبار نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ کسی فقیہ نے کسی وقت اور زمانے میں بھی سرود کے جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور رقص و ناچ کو جائز نہیں کیا، جس طرح کہ امام ہام ضیاء الدین شامی (رحمۃ اللہ علیہ) کے رسالہ ملقط میں مذکور ہے۔ صوفہ کا عمل حل و حرمت میں سند نہیں

ہے۔ یہی کافی نہیں ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کے معاملہ کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کریں۔ یہاں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ ابو بکر شیلیؒ اور ابو حسن نورؒی کا عمل۔

اس وقت کے ناپختہ صوفیہ نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود اور رقص کو اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے اور طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے۔ یہی ہیں: **الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا**. (سورة اعراف، ۵۱)

یعنی: وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو تماشا و کھیل بنا رکھا ہے۔

نیز پہلی روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو شخص حرام عمل کو اچھا سمجھے، وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔ پس خیال کرنا چاہیے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا، بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کس قدر برائی رکھتا ہے۔ **لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ** (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ ہمارے پیر اس چیز میں مبتلا نہیں ہوئے اور انہوں نے ہم پیروی کرنے والوں کو اس چیز کی تقلید سے آزاد کر دیا ہے۔

سنا جا رہا ہے کہ مخدوم زادگان سرود کی جانب میلان رکھتے ہیں اور جمعہ کی راتوں میں سرود اور شعر خوانی کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں اور اکثر دوست اس معاملہ میں موافقت کرتے ہیں۔ تعجب ہے، نہایت تعجب! کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر اس معاملہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے ختم کرتے ہیں۔ اگرچہ درحقیقت وہ اس معاملے میں حق پر نہیں ہیں۔ پھر (ہمارے) دوست اس عمل کے کرنے میں کیا عذر پیش فرمائیں گے؟ ایک طرف شرعی حرمت اور دوسری جانب اپنے پیران طریقت کی مخالفت! نہ اہل شریعت اس فعل سے راضی ہیں اور نہ ہی اہل طریقت! اگر شرعی حرمت نہ ہوتی تو بھی طریقت ہی میں اس نئے کام کا کرنا برا ہوتا۔ پھر کس قدر برا ہوگا یہ معاملہ جب حرمت شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے؟

امید ہے کہ جناب مرزا جیو (خواجہ حسام الدین احمد) اس کام سے راضی نہیں ہوں گے، لیکن وہ آپ کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ منع بھی نہیں کرتے ہوں گے اور دوستوں کو بھی اس اجتماع سے منع نہیں کرتے ہوں گے۔ اس فقیر نے جب اپنے آنے میں توقف دیکھا تو چند فقرے جمع کر کے لکھ بیجھے ہیں۔ ان کو پہلے مرزا جیو (خواجہ حسام الدین احمد) کی خدمت میں پیش کریں اور اول سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۶۷)

میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا، اس بیان میں کہ جن اسرار و دقائق سے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) ممتاز ہوئے ہیں اُن میں سے ذرا سا بھی ظاہر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ رمز اور اشارہ سے بھی اس بارے میں بات نہیں کی جا سکتی۔ وہ اسرار نبوت کے چراغ دان سے ماخوذ ہیں۔ ملائکہ علیین بھی اس دولت میں شریک ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: (اللہ تعالیٰ کی) حمد اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر) درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) التماس کرتا ہے کہ آپ کا مکتوب شریف جو مہربانی فرماتے ہوئے اس حقیر کے نام لکھا گیا تھا، (فقیر) اس کے مطالعے سے مشرف ہوا۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ خَيْرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

(فقیر) حق جل سلطانیہ کے انعامات میں سے کیا لکھے؟ اور اس کا شکر کس طرح ادا کرے؟ جن علوم اور معارف کا فیض پہنچتا رہتا ہے، اللہ جل شانہ کی توفیق سے اکثر وہ قید تحریر میں لائے جاتے ہیں اور اہل و نااہل کے کانوں تک پہنچتے رہتے ہیں۔ لیکن جن اسرار و دقائق سے (فقیر) ممتاز ہے ان میں سے ذرا سا بھی ظاہر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ رمز و اشارہ سے بھی اس مقولہ کے بارے میں بات نہیں کی جاسکتی۔ میرے پیارے فرزند (خواجہ محمد صادق قدس سرہ) جو فقیر کے معارف کا مجموعہ ہیں اور سلوک و جذبہ کے مقامات کا نسخہ ہیں، (فقیر) ان کے ساتھ بھی ان دقیق اسرار میں سے کوئی رمز بیان نہیں کرتا اور کامل حرص سے ان کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ جبکہ (فقیر) جانتا ہے کہ میرا فرزند اسرار کے محرموں میں سے ہے اور وہ خطا اور غلطی سے محفوظ ہے، لیکن (فقیر) کیا کرے کہ معافی کی باریکی زبان کو پکڑ لیتی ہے اور اسرار کی لطافت لبوں کو بند کر دیتی ہے۔ (یہ صورت حال) شامل حال ہے: وَيُضَيِّقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي۔ (سورۃ شعراء، ۱۳)

یعنی: اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان نہیں بولتی۔

وہ اسرار اس قسم کے نہیں ہیں کہ بیان نہ ہو سکیں، بلکہ وہ بیان میں لائے نہیں جاتے:

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست^(۱)

یعنی: حافظ کی یہ سب فریاد یہودہ نہیں۔ عجیب قصہ اور ایک نرالی بات ہے۔

یہ دولت جس کے چھپانے کی ہم کوشش کرتے ہیں، یہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی نبوت کے چراغ دان سے ماخوذ ہے اور ملائے اعلیٰ کے فرشتے علی نبینا الصلوٰات والتسلیمات کی پیروی کرنے والوں میں سے جس کسی کو اس دولت سے مشرف فرمائیں (وہ بھی اس دولت میں شریک ہے)۔

(حضرت) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علوم اخذ کیے ہیں۔ ان دو علوم میں سے ایک وہ ہے جو میں نے تمہارے درمیان پھیلا دیا ہے اور اگر میں دوسرے علم کو پھیلا دوں تو میرا گلا کاٹ دیں۔^(۲)

اور یہ دوسرا علم، علم اسرار ہے جس تک ہر آدمی کی سمجھ نہیں پہنچتی۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ (فقیر نے) ایک مکتوب (۲۶۶:۱) حضرات خواجہ زادگان (خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبید اللہ) کو تحریر کیا ہے، وہ آپ کی نظر شریف سے گزرے گا۔

میرے مخدوم مکرم! طریقت میں کوئی نئی بات پیدا کرنا، فقیر کے نزدیک اس بدعت سے کم نہیں ہے جو دین میں پیدا کی جائے۔ طریقت کی برکتیں اس وقت تک جاری ہیں جب تک طریقت میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔ جب طریقت میں کوئی نیا کام پیدا ہو گیا تو اس طریقہ کے فیوض و برکات کا راستہ بند ہو جائے گا۔ پس طریقت کی محافظت کرنا اہم امور میں سے ہے

اور طریقت کی مخالفت سے بچنا طریقت کی ضروریات میں سے ہے۔ پس آپ جس جگہ بھی کسی کو اپنی طریقت کے مخالف دیکھیں تو سرزنش اور سختی سے اس کو منع فرمائیں اور اس طریقت کی ترویج و تقویت کریں۔ والسلام والا کرام۔

مکتوب نمبر (۲۶۸)

(عبدالرحیم) خان خانان کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی وراثت کا علم کونسا ہے؟ اور جو علماء حدیث ”عُلَمَاءُ اُمَّتِي كَاَنْبِيَاءَ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ“ میں آئے ہیں اُن سے مراد کونسے (علماء) ہیں؟ نیز اس بیان میں کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی وراثت سے جو علم اسرار باقی رہ گیا ہے وہ علم توحید و جود کی ان اسرار کے علاوہ ہے جس کے بارے میں امت کے اولیاء نے کلام کیا ہے اور احاطہ و سر بیان اور قرب معیت کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: ساری تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ اس علاقہ کے فقراء کے احوال و کیفیات شکر کے لائق ہیں۔ وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ سَلَامَتُكُمْ وَعَافِيَتُكُمْ وَبَيَاتُكُمْ وَاسْتِقَامَتُكُمْ. یعنی: اور اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور آپ کی عافیت اور آپ کی ثابت قدمی اور آپ کی استقامت کے لیے سوال ہے۔

چونکہ علم وراثت کی بحث درمیان میں تھی، لہذا اس گفتگو میں سے چند کلمات وقت کے تقاضا سے لکھے گئے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے: اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ. (۱) یعنی: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

جو علم انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے باقی رہ گیا ہے وہ دو قسم کا ہے، علم احکام اور علم اسرار۔ وارث عالم وہ آدمی ہے جس کا دونوں قسم کے علم سے حصہ ہو، نہ وہ کہ جس کو ایک قسم کا علم نصیب ہو اور دوسری قسم کا علم اسے نصیب نہ ہو، کہ یہ (چیز) وراثت کے منافی ہے۔ کیونکہ وارث کو مورث کے تمام اقسام کے ترکہ سے (حصہ) نصیب ہوتا ہے، نہ کہ بعض میں سے بعض کو چھوڑ کر۔ جب اس کو بعض مقررہ (حصہ) نصیب ہوتا ہے تو وہ قرض داروں میں داخل ہے جس کا حصہ اس کی جنس سے متعلق ہو گیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: عُلَمَاءُ اُمَّتِي كَاَنْبِيَاءَ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ. (۲) یعنی: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

ان علماء سے مراد وارث علماء ہیں نہ کہ قرض دار جنہوں نے ترکہ سے کچھ حصہ پایا ہے، کیونکہ وارث کو قرب اور جنسیت کے اعتبار سے مورث کی مانند ہی کہا جاسکتا ہے، بخلاف قرض دار کے جو اس تعلق سے خالی ہے۔ پس جو شخص وارث نہیں ہے وہ عالم نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کے علم کو ہم ایک قسم کے ساتھ مقید کریں اور بطور مثال کہیں کہ وہ علم احکام کا عالم ہے۔ عالم مطلق وہ شخص ہے جو وارث ہو اور اسے دونوں قسم کا علم وافر نصیب ہو۔ اکثر لوگ گمان رکھتے ہیں کہ علم اسرار سے مراد توحید و جود کی علوم ہیں اور کثرت میں وحدت کا شہود اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ اور حق تعالیٰ کے احاطہ و سر بیان اور قرب و معیت کے معارف کا کنایہ ہے، جیسا کہ ارباب احوال کے نزدیک مشکوف اور مشہود ہے۔ حَاشَا وَكَأَلَا تُمَّ حَاشَا وَكَأَلَا. یعنی: ہرگز

نہیں! پھر ہرگز نہیں کہ یہ علوم و معارف علم اسرار میں سے ہوں اور نبوت کے مرتبہ کے لائق ہوں، کیونکہ ان معارف کی بنیاد وقت سکرا اور غلبہ حال پر ہے، جو صحو (ہوش) کے منافی ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کا علم خواہ وہ علم احکام ہو اور خواہ علم اسرار ہو، سب ہوش ہی ہوش ہے جس میں ذرہ بھر سکر (مستی) نہیں ملا ہے، بلکہ یہ معارف اس مقام ولایت کے مناسب ہیں جو سکر (مستی) میں راسخ قدم رکھتا ہے۔ پس یہ علوم اسرار ولایت سے ہیں نہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی نبوت کے اسرار میں سے۔ اگرچہ (نبی سے) ولایت بھی ثابت ہے لیکن اس کے احکام مغلوب ہیں اور نبوت کے احکام کے مقابلہ میں ضعیف ہیں:

بلے ہر جا شود مہر آشکارا سہا را جز نہاں بودن چہ یارا

یعنی: ہاں! جہاں سورج روشن ہو، وہاں دھندلا ستارہ چھپنے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔

فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ نبوت کے کمالات دریائے محیط کا حکم رکھتے ہیں اور ولایت کے کمالات ان کے مقابلہ میں ایک ناچیز قطرہ ہیں۔ لیکن کیا کیا جاسکتا ہے، ایک گروہ نے کمالات نبوت تک رسائی نہ رکھتے ہوئے کہہ دیا ہے: **أَلْوَلَايَةُ أَفْضَلُ مِنَ النَّبُوَّةِ**۔ یعنی: ولایت نبوت سے افضل ہے۔

اور ایک دوسری جماعت (کے لوگوں) نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ ”نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔“ ان دونوں فریق نے نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے غائب پر حکم کیا ہے۔ صحو (ہوش) کو سکر (مستی) پر ترجیح دینے کا حکم بھی اسی حکم کے نزدیک ہے۔ اگر وہ صحو (ہوش) کی حقیقت کو جانتے ہوتے تو ہرگز سکر (مستی) کو صحو (ہوش) کے ساتھ نسبت نہ دیتے:

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یعنی: خاک کو عالم پاک کے ساتھ کیا نسبت ہے۔

شاید کہ انہوں نے خواص کے صحو (ہوش) کو عوام کے صحو کی طرح سمجھتے ہوئے سکر (مستی) کو اس پر ترجیح دی ہے۔ کاش کہ وہ خواص کے سکر (مستی) کو بھی عوام کے سکر کی مانند سمجھتے ہوئے اس حکم کی جرأت نہ کرتے، کیونکہ عقلاء کے ہاں ثابت ہے کہ صحو (ہوش) سکر (مستی) سے بہتر ہے۔ اگر صحو اور سکر مجازی ہے تو یہ حکم ثابت ہے اور اگر حقیقی ہے تو پھر ولایت کو نبوت سے افضل کہنا اور سکر کو صحو پر ترجیح دینا اس طرح ہے، جس طرح کوئی شخص کفر کو اسلام پر ترجیح دے اور جہالت کو علم سے بہتر جانے، کیونکہ کفر اور جہل مقام ولایت کے مناسب ہے اور اسلام اور معرفت مرتبہ نبوت کے (مناسب ہے)۔ (حضرت) منصور (حلاج رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں، شعر:

كَفَرْتُ بِدِينِ اللَّهِ وَالْكَفَرُ وَاجِبٌ لَدَيَّ وَ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ قَبِيحٌ

یعنی: میں نے اللہ تعالیٰ کے دین کا انکار کیا اور یہ انکار میرے نزدیک واجب اور مسلمانوں کے نزدیک معیوب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے رسول (حضرت) محمد (مصطفیٰ) علیہ علی آلہ وسلم کفر سے پناہ طلب فرماتے ہیں۔ ^(۳) **قُلْ كُلُّ يَعْمَلْ**

عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ۔ (سورۃ بنی اسرائیل، ۸۴) یعنی: (آپ) کہہ دیں کہ ہر شخص اپنے طریقہ کے مطابق عمل کر رہا ہے۔

جس طرح عالم مجاز میں اسلام کفر سے بہتر ہے، اسی طرح حقیقت میں بھی اسلام کو کفر سے بہتر جاننا چاہیے:

فَإِنَّ الْمَجَازَ قُطْرَةُ الْحَقِيقَةِ. یعنی: پس بیشک مجاز حقیقت کا پل ہے۔

اگر کہیں کہ مقام ولایت میں جس طرح کہ مرتبہ جمع میں کفر و سکر اور جہل ثابت ہے، اسی طرح مرتبہ فرق بعد الجمع میں اسلام و صحو اور معرفت بھی متحقق ہے۔ پھر کفر و سکر اور جہل کو مقام ولایت کے مناسب کہنے کا کیا مطلب ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ صحو وغیرہ کو مرتبہ فرق میں ثابت کرنا مرتبہ جمع کی نسبت سے ہے جو سراسر سکر و استنار (مستی و پوشیدگی) ہے، ورنہ اس مرتبہ کا صحو (ہوش) بھی سکر (مستی) کے ساتھ خلط ملط ہے اور اس کا اسلام کفر سے ملا ہوا ہے اور (اس کی) معرفت جہل سے ملی ہوئی ہے۔ اگر (فقیر) کتابت میں گنجائش پاتا ہے تو مرتبہ فرق کے احوال و معارف کو تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے اس مرتبہ میں سکر وغیرہ کے اختلاط کو بیان کرتا۔ ارباب فراست شاید دانائی کے ذریعے اس مطلب کو سمجھ جائیں۔ اَلْعَجَبُ كُلُّ الْعَجَبِ. یعنی: تعجب ہے، نہایت تعجب!

اس قدر سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات نے یہ سب بزرگی و عظمت جو پائی ہے، وہ نبوت کے راستے سے پائی ہے، نہ کہ ولایت کے راستے سے۔ ولایت نبوت کے لیے ایک خادم سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر ولایت کو نبوت پر فضیلت ہوتی تو ملائے اعلیٰ کے فرشتے جن کی ولایت سب ولایتوں سے افضل ہے، وہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے افضل ہو جاتے۔ صوفیہ کے اس گروہ نے جب ولایت کو نبوت سے افضل سمجھ کر ملائے اعلیٰ (کے فرشتوں) کی ولایت کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت سے افضل خیال کیا تو مجبوراً علیین کے فرشتوں کو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات سے افضل کہا اور جمہور اہل سنت سے الگ جا پڑے۔ كُلُّ ذَنْبٍ لِعَدَمِ الْإِطْلَاعِ عَلَى حَقِيقَةِ النُّبُوَّةِ.

یعنی: (ان سے) یہ سب کچھ نبوت کی حقیقت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔

چونکہ لوگوں کی نظر میں عہد نبوت کی دوری کی وجہ سے نبوت کے کمالات ولایت کے کمالات کے مقابلے میں حقیر دکھائی دیتے ہیں، لہذا (فقیر نے) مجبوراً اس بارے میں کلام کو طوالت دی اور معاملے کی حقیقت سے ذرہ بھر ظاہر کیا ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَأَسْرَفَنَا فِيْ آمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ. (سورۃ آل عمران، ۱۳۷) یعنی: اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں اور زیادتیوں کو جو ہم کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہمیں ثابت قدم فرما اور کافروں پر ہمیں فتح عطا فرما۔

میرے پیارے بھائی میاں شیخ داؤد چونکہ اس علاقے کے لیے فکر مند تھے، لہذا وہ اس دردسر کا باعث بنے ہیں۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۶۹)

مرتضیٰ خان (شیخ فرید) کو تحریر فرمایا۔ دین کے دشمنوں کی اہانت کرنے اور بیوقوفوں اور بد بختوں کے باطل خداؤں کی توہین و خرابی کی ترغیب دینے اور ایک عظیم الشان کام کے لیے اپنی تمنا کا اظہار کرنے میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
 ہر شخص کے دل میں کاموں میں سے کسی کام کی تمنا ہوا کرتی ہے اور اس فقیر کی تمنا اللہ جل و علا کے دشمنوں اور اس کے پیغمبر علیہ وآلہ الصلوٰات والتسلیمات کے دشمنوں کے ساتھ سختی کرنے کی ہے اور ان بے نصیبوں کی اہانت کرنے کی ہے اور ان کو اور ان کے جھوٹے خداؤں کو ذلیل سمجھنے کی ہے۔ (فقیر) سمجھتا ہے کہ حق جل و علا کے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ عمل کوئی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے وہ آپ کو بار بار اس پسندیدہ عمل کی ترغیب دیتا ہے اور آپ اس عمل کو اسلام کے اہم ترین امور میں سے سمجھیں۔ چونکہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف لے گئے ہیں اور اس تاریک جگہ اور وہاں کے رہنے والوں کی تحقیر و اہانت کرنے کے لیے مقرر ہوئے ہیں۔ اول اس نعمت کا شکر بجالانا چاہیے کہ بہت زیادہ لوگ اس مقام اور وہاں کے رہنے والوں کی تعظیم و توقیر کے لیے جاتے ہیں، لِلّٰہِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں اس بلا میں مبتلا نہیں کیا۔ اس نعمتِ عظمیٰ کے شکر کے بعد ان بے نصیبوں اور ان کے باطل معبودوں کی تحقیر و توہین میں پوری سعی فرمائی چاہیے اور جس قدر میسر ہو پوشیدہ یا اعلانیہ اس گروہ کی خرابی کی کوشش کرنی چاہیے اور اس تراشیدہ و ناتراشیدہ بت کی اہانت کی مختلف صورتیں اپنائی چاہیں۔ امید ہے کہ (امورِ دین میں جو) بعض غفلتیں آپ سے سرزد ہوئی ہیں، آپ اس عمل کے ذریعے ان کی تلافی کریں گے اور کفارہ بنائیں گے۔ جسمانی کمزوری اور سردی کی شدت مانع ہے ورنہ (فقیر) آپ کی خدمت میں پہنچ کر اس کام کی ترغیب دیتا اور اس طرح ایک بار اس پتھر پر تھوکتا اور اس کو سعادت کا سرمایہ بناتا۔ اس سے زیادہ کیا مبالغہ کرے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۷۰)

شیخ نور محمد کو تحریر فرمایا۔ بعض صحبتوں کی گوشہ نشینی پر ترجیح کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
 میرے بھائی شیخ نور محمد نے دور پڑے ہوؤں کو اس طرح سے بھلا دیا ہے کہ کسی سلام اور پیغام کے ذریعے ہمیں یاد نہیں کرتے۔ آپ کی تمنا گوشہ نشینی اور تنہائی تھی جو میسر آ گئی، لیکن بعض صحبتیں ایسی ہے جو گوشہ نشینی پر فضیلت رکھتی ہیں۔ آپ (حضرت) اولیں قرنی (رضی اللہ عنہ) کے حال سے قیاس کریں کہ جب انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کی اور خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وآلہ الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت میں نہ پہنچے تو وہ صحبت کے کمالات سے بہرہ ور نہ ہوئے اور تابعین میں سے ہو گئے اور اول درجہ کی بھلائی سے (نکل کر) دوسرے درجہ میں پہنچ گئے۔ بِعِنايَةِ اللّٰہِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کی عنایت سے) ہر روز کی صحبت ایک نئی طرز پر ہے:

مَنْ اسْتَوٰی یَوْمَہٗ فَہُوَ مَغْبُوْنٌ۔^(۱) یعنی: جس کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالتَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہِ الصَّلَوٰثِ وَالتَّسْلِیْمٰثِ۔

یعنی: آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۷۱)

شیخ حسن برکی کو تحریر فرمایا۔ انہوں نے جو واقعہ دیکھا (اور اس کا) حل پوچھا تھا، اس کے بارے میں۔
 اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)
 یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
 میرے پیارے بھائی شیخ حسن اَحَسَّنَ اللہُ سُبْحَانَهُ حَالَهُ وَاَوْصَلَهُ اِلٰی کَمَالِہِ (اللہ سبحانہ ان کے حال کو اچھا بنائے اور ان کو ان کے کمال تک پہنچائے) کا مکتوب شریف پہنچا۔ جو واقعہ رونما ہوا تھا اور آپ نے لکھا تھا، وہ واضح ہوا۔ آپ امیدوار رہیں اور جس چیز پر آپ مامور ہیں، اس کی بجا آوری میں پوری طرح کوشش کریں اور شرعی احکام کے بجالانے سے بال برابر بھی تجاوز تجویز نہ کریں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ سے آراستہ رہیں:
 ع کار ایں است و غیر ایں ہمہ ہیج
 یعنی: کام یہی ہے اور باقی سب بیکار ہے۔

اگر آپ کے والدین تجویز کریں اور اخوند راضی ہوں تو ہندوستان کی سیر کو غنیمت شمار کریں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۷۲)

میر سید محبت اللہ مالکپوری کو تحریر فرمایا۔ ایمان بالغیب اور ایمان شہودی کے بیان میں، اور ان میں سے ہر ایک کے اصحاب کے بیان میں اور ایمان بالغیب کو ایمان شہادت پر فضیلت دینے کا بیان اور توحید شہودی اور توحید وجودی کے بیان میں اور جو چیز فنا کے حاصل کرنے میں درکار ہے، وہ توحید شہودی ہے اور توحید وجودی بالکل درکار نہیں ہے، نیز اس بیان میں کہ پہلا آدمی جس نے توحید وجودی کا اظہار کیا ہے اور اس کی تصریح کی ہے، وہ فتوحات مکیہ کا مصنف ہے، پہلے مشائخ کی عبارتیں اگرچہ توحید اور اتحاد کی خبر دیتی ہیں، لیکن وہ توحید شہودی پر محمول ہیں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ. یعنی: (اللہ تعالیٰ کی) حمد اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر) درود (وسلام) کے بعد۔

سیادت پناہ میرے پیارے بھائی میر محبت اللہ معلوم فرمائیں کہ واجب تعالیٰ کے وجود اور اللہ سبحانہ کی تمام صفات کے ساتھ غیب پر ایمان لانا انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو نصیب ہے اور ان کے صحابہ (کرامؓ) کو نصیب ہے اور ان اولیاء کو نصیب ہے جو پورے کمال کے ساتھ رجوع رکھتے ہیں اور ان کی نسبت صحابہ (کرامؓ) کی نسبت ہے، اگرچہ یہ (لوگ) کم ہیں، بلکہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اور (یہ ایمان بالغیب) علماء کو نصیب ہے اور عام مومنوں کو (بھی) نصیب ہے۔ ایمان شہودی عام صوفیہ کو نصیب ہے، وہ باب عزلت (خلقت سے گوشہ نشینی کرنے والے) ہوں یا باب عشرت (خلقت کے ساتھ مل جل کر رہنے والے)۔ کیونکہ اگرچہ مر جوع ہیں، لیکن انہوں نے کُلّی طور پر رجوع نہیں کیا۔ ان کا باطن اسی طرح

فوق کے لیے فکر مند ہے۔ وہ ظاہر میں خلقت کے ساتھ ہیں اور باطن میں حق جل سلطانہ کے ساتھ ہیں۔ پس ہر وقت ان کو ایمان شہودی نصیب ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات چونکہ کلی طور پر مرجوع ہیں اور ظاہر و باطن میں خلقت کو حق جل و علا کی جانب بلانے میں متوجہ ہیں، لہذا ان کو ایمان بالغیب نصیب ہے۔ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں تحقیق کی ہے کہ باوجود رجوع کے فوق کی فکر مندی نقص کی علامت ہے اور کام کے انجام تک نہ پہنچنا ہے اور کلی طور پر رجوع کرنا نہایت کی انتہا تک پہنچنے کی علامت ہے۔ صوفیہ نے کمال کو دونوں توجہات کے جمع ہونے میں سمجھا ہے اور تشبیہ اور تنزیہ کے جامع کو کاملین میں سے سمجھا ہے:

ع آں ایشاند و من چنیم یارب

یعنی: اے رب! وہ ایسے ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات جب مقام دعوت سے فارغ ہو جاتے ہیں اور عالم بقا کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں اور رجوع کی مصلحت مکمل ہو جاتی ہے تو وہ پورے شوق کے ساتھ الرَّفِیقُ الْأَعْلٰی^(۱) کی ندا لگاتے ہوئے کلی طور پر حق جل و علا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور قرب کے مراتب میں ٹہلنے لگتے ہیں:

هٰنِیْئًا لِّاَرْبَابِ النَّعِیْمِ نَعِیْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْکِیْنِ مَا یَنْبَجِرُ

یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کو رنج و درد کے گھونٹ۔

فقیر کے نزدیک کمال یہ ہے کہ عروج کے وقت کثرت گئی طور پر نظر سے دور ہو جائے، یہاں تک کہ اسماء و صفات بھی ملحوظ نہ رہیں اور احدیت مجردہ کے سوا کوئی چیز مشاہدہ میں نہ رہے۔ ثُمَّ عُوْمِلَ مَعَهُ مَا عُوْمِلَ مَعَهُ۔
یعنی: پھر ان کے ساتھ وہ معاملہ ہوا جو ہوا۔

اور رجوع کے وقت نظر پوری طرح کثرت پر پڑے اور عام مومنوں کی مانند خلقت کے سوا کوئی دوسرا معاملہ اس کے مشاہدہ میں نہ ہوا اور طاعت کے ادا کرنے اور خلقت کو حق جل و علا کی طرف بلانے کے علاوہ اس کا کوئی کام نہ رہے اور جب دعوت کا کام مکمل کر لے اور عالم فانی کو الوداع کہے تو پوری طرح جناب قدس (باری تعالیٰ) کی جانب متوجہ ہو جائے اور سامان کو غیب سے شہادت کی طرف کھینچے اور معاملہ کو گوش سے آغوش کی جانب لے جائے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

کوئی ناقص شخص کلی طور کے رجوع کو نقص خیال نہ کرے اور توجہ باطن کو جو حق جل سلطانہ کی طرف ہے، خلقت کی طرف توجہ سے جو ان کی دعوت و تکمیل کے لیے ہے، بہتر نہ سمجھے، کیونکہ صاحب رجوع اپنے اختیار سے مقام رجوع میں نہیں آیا ہے، بلکہ اس نے حق جل سلطانہ کی مراد (چاہت) سے اعلیٰ سے اسفل کی جانب نزول کیا ہے اور اس نے وصل سے اپنے ہجر کے ساتھ قرار پایا ہے۔ پس صاحب رجوع حق جل شانہ کی مراد (چاہت) سے قائم ہے اور اپنی مراد (چاہت) سے فانی ہے اور صاحب توجہ وصل و شہود سے محفوظ ہے اور قرب و معیت سے شاد ہے:

ہجرے کہ بود مراد محبوب از وصل ہزار بار خوش تر
یعنی: جو جدائی محبوب کی چاہت سے ہو وہ وصل سے ہزار بار بہتر ہے۔

شعر:

لَا تَنِي فِي الْوَصَالِ عُبِيدُ نَفْسِي وَفِي الْهَجْرَانِ مَوْلَى لِّلْمَوَالِي
وَشُغْلِي بِالْحَبِيبِ بِكُلِّ حَالٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شُغْلِي بِحَالِي

یعنی: کیونکہ میں وصال میں اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں اور جدائی میں اپنے مولیٰ کا۔

♦ اور مجھے محبوب کے ساتھ ہر وقت مشغول رہنا اپنے ساتھ ذرہ بھر مشغول رہنے سے زیادہ پیارا ہے۔

رجوع کے فضائل و کمالات بہت زیادہ ہیں۔ صاحب توجہ کو صاحب رجوع کے ساتھ وہ نسبت ہے جو قطرہ دریائے محیط کے ساتھ رکھتا ہے۔ یہ رجوع نبوت کے فضائل میں سے ہے اور وہ توجہ ولایت کے آثار میں سے ہے۔ شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔

یعنی: ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

لیکن ہر شخص کی سمجھ اس کمال تک نہیں پہنچتی۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

(سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

تذریہ اور تشبیہ کے جمع کرنے والوں میں سے بعض (حضرات) کہتے ہیں کہ تذریہ پر ایمان سب مومنوں کو حاصل ہے، عارف وہ ہے جو تشبیہ پر ایمان کو بھی اس کے ساتھ جمع کرے اور خلقت کو خالق کا ظہور سمجھے اور کثرت کو وحدت کا لباس جانے اور صانع کو بنی ہوئی چیز میں مطالعہ کرے۔

الغرض تذریہ صرف کی جانب توجہ کرنا ان کے نزدیک نقص ہے اور وحدت کا مشاہدہ کثرت کے ملاحظہ کے بغیر کرنا عیب ہے۔ اس جماعت کے لوگ احادیث صرف کی جانب متوجہ ہونے والوں کو ناقص شمار کرتے ہیں اور کثرت کے مطالعہ کے بغیر وحدت کے ملاحظہ کو محدود سمجھتے ہیں اور مقید خیال کرتے ہیں۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی دعوت تذریہ صرف کی جانب ہے اور سب آسمانی کتابیں ایمان تذریہ کی ناطق ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات آفاقی اور انفسی جھوٹے خداؤں کی نفی کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کی دعوت فرماتے ہیں اور اس وحدت الوجود کی وحدت کی جانب رہنمائی کرتے ہیں جو بے مثل و بے مثال ہے۔ کبھی تو نے سنا ہے کہ کسی پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایمان تشبیہی کی دعوت دی ہو اور خلقت کو خالق کا ظہور کہا ہو؟ سب انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات وحدت الوجود تعالیٰ و تقدس کی توحید کے کلمہ میں متفق ہیں اور اللہ سبحانہ کے سوا سب جھوٹے خداؤں کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: قُلْ يَاهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ (سورۃ آل عمران، ۶۴) یعنی: آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے

اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو آپ کہہ دیں کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ تعالیٰ کے) فرمانبردار ہیں۔

اس جماعت کے لوگ بے انتہا (جھوٹے) رب ثابت کرتے ہیں اور سب کو رب الارباب کے ظہورات خیال کرتے ہیں اور کتاب و سنت کو اپنے مطلب کی شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

♦ (مثلاً) کتاب (قرآن مجید میں آیا ہے): هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ. (سورۃ حدید، ۳)

یعنی: وہی اوّل و آخر ہے اور وہی ظاہر و باطن ہے۔

نیز (ارشادِ الہی ہے): وَمَا رَمَيْتْ اِذْ رَمَيْتْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی. (سورۃ انفال، ۱۷) یعنی: اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے (کنکریاں) نہیں پھینکی تھیں، جب پھینکی تھیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔

نیز (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے): اِنَّ الَّذِیْنَ یُبٰیِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبٰیِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ. (سورۃ فتح، ۱۰) یعنی: جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

♦ سنت (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں): اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَكَ شَیْءٌ وَّ اَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَكَ شَیْءٌ وَّ اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَیْسَ فَوْقَكَ شَیْءٌ وَّ اَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ ذُوْنَكَ شَیْءٌ. (۲)

یعنی: اے اللہ! تو ہی اوّل ہے اور تجھ سے پہلے کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے اور تیرے بعد کوئی شے نہیں ہے اور تو ہی ظاہر ہے اور تیرے سے زیادہ کوئی شے ظاہر نہیں ہے اور تو ہی باطن ہے اور تیرے سے زیادہ کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

(کتاب و سنت کی مندرجہ بالا آیات اور احادیث میں) کوئی (ایسی) شہادت (موجود) نہیں ہے، کیونکہ یہ عبارتیں مکمل طور پر ماسوائے اللہ کے وجود کے کمال کی نفی کا حصر ہیں، نہ کہ اصل وجود کی نفی۔ جیسا کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا ہے: لَا صَلَوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (۳) یعنی: سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

نیز (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا:

لَا اَیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ. (۴) یعنی: جو شخص امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں ہے۔

اور اس قسم کی مثالیں کتاب و سنت میں بہت زیادہ ہیں۔ یہ توجیہ نصوص (آیات و احادیث) کی تاویل نہیں ہے، جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے، بلکہ نصوص (آیات و احادیث) کو کمالِ بلاغت پر محمول کیا گیا ہے اور چونکہ عرف میں جب کسی شخص کی رسالت کے کام کا اہتمام کرنا ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ اس کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔ اس جگہ مقصود حقیقت نہیں ہے، بلکہ مجاز ہے جو حقیقت سے بھی زیادہ بلیغ ہے۔ جب فائل سے جو کامل قدرت والے مالک کا غلام و بندہ ہے، اس کے قدر و اندازہ سے بڑھ کر کوئی فعل صادر ہو اور اس فعل میں اس مالکِ قادر کی التفات و توجہ پیش نظر ہو تو مالک کو چاہیے کہ وہ کہے کہ یہ فعل میں نے کیا ہے تو نے نہیں! یہ بات نہ تو اتحاد فعل پر کوئی دلالت کرتی ہے اور نہ ہی اتحاد ذات پر۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ غلام بندے کا

فعل عین مالک مقتدر کا فعل ہو اور یا اس (غلام) کی ذات اس (مالک) کی ذات کا عین ہو۔ کیا ان لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے مذاق کو نہیں سمجھا ہے؟ کیونکہ ان (لوگوں) کی دعوت کا مدار دوئی (اثنیت) پر ہے اور غیر کے وجود اور غیرت (پر ہے)۔ ان کی عبارات کو تو حید و اتحاد پر حمل کرنا غیر مقبول تکلفات ہیں۔ اگر حقیقت میں ایک ہی موجود ہے اور اس کے سوا سب اس کے ظہورات ہیں اور اس کے ماسوا کی عبادت اسی کی عبادت ہے، جس طرح کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے تو پھر انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات مبالغہ و تاکید کے ساتھ (ان کی پوجا سے) منع کیوں کرتے اور ماسوی اللہ کی عبادت پر دائمی عذاب مرتب کیوں کرتے اور ان کی پوجا کرنے والوں کو خدا کے دشمن کیوں کہتے۔ جب تک ان لوگوں کی غلطی پر ان کو اطلاع نہ بخشیں، عینیت کی دید جوان کی جہالت سے پیدا ہوگئی ہے، وہ دور نہیں ہو سکتی اور نہ ہی (یہ لوگ) ان (شریکوں) کی عبادت کو حق جل و علا کے غیر کی عبادت جان سکتے ہیں۔

ان لوگوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نے عوام کے فہم کی کمی کی وجہ سے تو حید و وجودی کے اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے اور (اپنی) دعوت کی بنیاد غیر و غیریت پر رکھی ہے اور وحدت کو چھپا کر کثرت پر دلالت کی ہے۔ یہ بات شیعہ کے تفسیر کے تقیہ کی مانند غیر معقول ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نفس الامر کی تبلیغ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں۔ جب نفس الامر میں ایک ہی موجود ہو اور اس کے غیر کا کوئی وجود نہ ہو تو پھر وہ اس کو پوشیدہ رکھ کر نفس الامر کے خلاف کیوں اظہار کریں، خاص کر کہ وہ احکام جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے اظہار و اعلان کے وہ زیادہ حقدار ہیں، خواہ کوتاہ نظر ان کے سمجھنے سے قاصر رہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ قرآنی مشابہات اور مشابہات میں سے جو چیزیں احادیث میں آئی ہیں، ان کے سمجھنے سے عوام ہی نہیں، خواص بھی عاجز ہیں، اس کے باوجود ان کا اظہار کرنے سے ان (انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو منع نہیں کیا گیا اور نہ ہی عوام کی غلطی ان کے اظہار سے مانع بنی ہے۔ یہ لوگ اس شخص کو جو دو وجود کا قائل ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوی کی عبادت سے اجتناب کرتا ہے، مشرک کہتے ہیں اور جو آدمی ایک وجود کا قائل ہے، اس کو موحد کہتے ہیں، خواہ وہ ہزار بتوں کی پوجا کرے۔ اس خیال سے کہ یہ (بت) حق سبحانہ کے ظہورات ہیں اور ان کی عبادت حق تعالیٰ شانہ کی عبادت ہے۔ انصاف کرنا چاہیے کہ ان دو قسم (کے لوگوں میں) سے مشرک کون ہے اور موحد کون؟

انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نے وحدت و وجود کی دعوت نہیں دی ہے اور دو وجود کے قائل کو مشرک نہیں کہا ہے۔ ان کی دعوت ایک معبود جل شانہ کی وحدت پر ہے اور انہوں نے ماسوی (اللہ) کی عبادت کو شرک کہا ہے۔ اگر صوفیہ وجود یہ ماسوی (اللہ) کو غیریت کے عنوان سے نہ سمجھیں تو بھی شرک کو دفع نہیں کر سکتے۔ ماسوا ماسوا ہی ہے خواہ اسے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ ان میں سے بعض متاخرین عالم کو حق جل سلطانہ کا عین نہیں کہتے اور عینیت سے اجتناب کرتے ہیں اور عینیت کے قائلین پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ اس معاملے میں انکار سے پیش آتے ہیں اور ان کو برائی سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اس جماعت کے لوگ عالم کو حق جل سلطانہ کا غیر نہیں کہتے، بلکہ نہ حق کا عین اور نہ ہی حق جل و علا کا غیر سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی صحیح ہونے سے دور ہے۔

کیونکہ حکم موجود ہے کہ: **الْاِثْنَانِ مُتَغَايِرَانِ**۔ یعنی: دو چیزیں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں۔
اثنیت (دوئی) کا منکر عقل کی بے ساختگی کے مخالف ہے۔ مختصر یہ کہ متکلمین نے (حق) جل سلطانہ کی واجبی صفات کے بارے میں کہا ہے کہ **لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ**۔ یعنی: نہ وہ عین ذات ہے اور نہ وہ غیر ذات ہے۔

اور غیر سے غیر اصطلاحی مراد لیتے ہوئے دو متغائر چیزوں کی علیحدگی کے جواز کی رعایت نکالی ہے، کیونکہ (حق) جل سلطانہ کی واجبی صفات حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں ہیں اور حق تعالیٰ و تقدس کی ذات اور صفات قدیمہ کے درمیان علیحدگی متصور نہیں ہے۔ پس **لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ** (نہ وہ عین ذات ہے اور نہ وہ غیر ذات ہے) صفات قدیمہ میں صادق ہے، بخلاف عالم کے کہ یہ نسبت اس میں مفقود ہے۔

كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے موجود نہ تھی۔

پس عالم سے غیریت کی نفی کرنا لغت میں بھی اور اصطلاح میں بھی صدق سے دور ہے۔ اس جماعت کے لوگوں نے اپنی نارسائی کی بنا پر عالم کو صفات قدیمہ کی مانند سمجھا ہے اور اس کے لیے ایک مخصوص حکم کو یہاں اطلاق کیا ہے۔ چونکہ اس جماعت کے لوگ عینیت عالم کی نفی کے قائل ہو گئے ہیں، لہذا ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ غیریت عالم کے قائل ہو جائیں اور ارباب توحید و جودی کے گروہ سے باہر نکل آئیں اور (عالم کے) متعدد وجودوں کے قائل ہو جائیں، کیونکہ توحید و جودی میں عین کہنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ جس طرح کہ شیخ محی الدین (ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے پیروکاروں نے کہا ہے۔ ان کا عین کہنا اس معنی میں نہیں ہے کہ عالم (اپنے) صانع کے ساتھ متحد ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ اس معنی میں ہے کہ عالم معدوم ہے اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس موجود ہے۔ جس طرح کہ اس فقیر نے اپنے بعض رسائل میں اس مطلب کی تحقیق کی ہے۔

سوال: صوفیہ وجود یہ دو وجود کے قائل کو مشرک کہتے ہیں۔ یہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ دو (وجودوں) کو دیکھنے والا ہے اور دو دیکھنے والا طریقت کا مشرک ہے؟

جواب: دو بینی (دو دیکھنے کی صفت) جو کہ طریقت میں شرک ہے، توحید شہودی سے دفع ہو سکتی ہے اور توحید و جودی کی اس مقام میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چاہیے کہ سالک کا مشہود اور اس کا ملحوظ ایک مقدس ذات کے علاوہ کوئی دوسرا امر نہ ہو، تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور طریقت کا شرک دفع ہو جائے۔ دن میں (لوگ) سورج کو تنہا دیکھتے ہیں اور ستاروں کو نہیں دیکھتے اس طرح دو کے دیکھنے سے دوری حاصل ہے۔ جبکہ ہزاروں ستارے دن میں موجود ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایک سورج مشہود ہو، ستارے خواہ معدوم ہوں یا موجود۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ کمال کا فنا اس صورت میں ہے کہ چیزیں موجود ہوں اور سالک جو کمال تعلق مطلوب حقیقی کے ساتھ رکھتا ہے، اس کی وجہ سے کسی شے کی جانب التفات نہ کرے، بلکہ کسی چیز کا مشاہدہ نہ کرے اور کوئی چیز اس کی بصیرت کی آنکھ میں داخل نہ ہو اور اگر چیزیں موجود نہ ہوں تو پھر فنا کس سے متحقق ہوگی؟ اور (سالک) فانی کس سے ہوگا؟ اور کس (چیز) کو فراموش کرے گا؟

پہلا شخص جس نے توحید و جودی کی وضاحت کی ہے، وہ شیخ محی الدین بن العربی (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں، اگرچہ (ان

سے) پہلے مشائخ کی عبارات بھی توحید و اتحاد کی خبر دیتی ہیں، لیکن وہ توحید شہودی پر حمل کرنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ جب (سالم) حق جل شانہ کے غیر کو نہیں دیکھتے تو بعض کہتے ہیں: لَيْسَ فِي جُبَّتِي سِوَى اللَّهِ۔ یعنی: میرے چغہ میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اور بعض سبحانی (میں پاک ہوں) کی ندا لگاتے ہیں اور بعض کہنے لگتے ہیں کہ لَيْسَ فِي الدَّارِ غَيْرُهُ دِيَارٌ۔ یعنی: گھر میں اس کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے۔

یہ سب پھول ہیں جو ایک بنی (ایک کو دیکھنے) کی شاخ سے کھلتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی وحدت وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ جس شخص نے وحدت وجود کے مسئلہ کو ابواب میں اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور صرف ونحو کی صورت میں مرتب کیا ہے، وہ شیخ محی الدین (بن العربی رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔ انہوں نے اس بحث کے بعض دقیق معارف کو اپنے ساتھ مخصوص کیا ہے، حتیٰ کہ کہا ہے کہ خاتم النبوت بعض علوم و معارف کو خاتم الولايت سے اخذ کرتا ہے اور وہ ”خاتم الولايت محمدی“ (صلی اللہ علیہ وسلم) خود کو سمجھتے ہیں۔ شارحین نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ بادشاہ اگر اپنے خزانہ دار سے کوئی چیز لے لے تو کیا نقصان ہے؟

الغرض فنا و بقاء کی تحصیل اور ولایت صغریٰ و کبریٰ کے کمالات کے حاصل کرنے کے لیے توحید و جود کی کوئی ضرورت نہیں ہے، توحید شہودی ہونی چاہیے، تاکہ فنا متحقق ہو جائے اور ماسویٰ اللہ کا نسیان حاصل ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک سالم ابتدا سے انتہا تک سیر کرے اور توحید کے علوم و معارف میں سے کچھ بھی اس پر ظاہر نہ ہو، بلکہ نزدیک ہے کہ وہ ان علوم کا انکار کر دے۔

فقیر کے نزدیک جو راستہ ان ظہور کے معارف کے بغیر سلوک کے ذریعے میسر ہو جائے، وہ اس راستے سے زیادہ قریب ہے جو اس ظہور پر مشتمل ہے۔ نیز اس راستے (توحید شہودی) کے سالکین میں سے اکثر مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں اور اس راستے (توحید و جود) پر چلنے والوں میں سے اکثر راستے ہی میں رہ جاتے ہیں اور دریا کے ایک قطرہ سے سیر ہو جاتے ہیں اور اتحاد کے ہم سے ظل میں گرفتار رہتے ہیں اور اصل سے محروم ہو جاتے ہیں۔ (فقیر نے) اس مطلب کو تجربات سے معلوم کیا ہے۔ وَاللَّهِ سُبْحَانَهُ الْمُطَهَّرُ لِلصَّوَابِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی درست بات کو الہام فرمانے والا ہے۔

فقیر کو اگرچہ دوسرے راستے کی سیر بھی میسر ہوئی ہے اور اس نے توحید (وجودی) کے علوم و معارف کے ظہورات سے وافر حصہ پایا ہے، لیکن چونکہ اللہ جل سلطانہ کی عنایت اس کے شامل حال تھی اور وہ سیر محبوبی رکھتا تھا، لہذا اس نے (توحید و جود کی) راستے کی وادی و صحرا کو فضل و عنایت کی امداد سے طے کیا ہے اور کمال کرم کے ساتھ اسے ظلال سے گزار کر اصل تک پہنچایا گیا ہے اور جب معاملہ مریدوں تک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک دوسرا راستہ وصول کے زیادہ قریب ہے اور حصول کے لیے زیادہ آسان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (سورۃ الاعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

تنبیہ: پہلی تحقیق سے معلوم ہوا کہ خواہ موجودات متعدد ہوں اور ماسویٰ حق جل و علا موجود ہو تو پھر بھی روا ہے کہ فنا و بقا متحقق ہو جائے اور ولایت صغریٰ و کبریٰ حاصل ہو جائے، کیونکہ ماسویٰ کا نسیان (بھلانا) فنا ہے، نہ کہ ماسویٰ کا نابود کرنا اور ماسویٰ کی دید مفقود ہونی چاہیے، نہ یہ کہ ماسویٰ معدوم و نابود ہو جائے۔ یہ بات ظہور کے باوجود اکثر خواص پر پوشیدہ رہی ہے، عوام کے بارے میں (فقیر) کیا کہے۔ انہوں نے تو حید شہودی کو تو حید وجودی کا عین خیال کر کے وحدت وجود کی معرفت کو اس راستے کی شرائط میں سے سمجھا ہے اور دو وجود کے قائل کو گمراہ اور گمراہ کرنے والا تصور کیا ہے، حتیٰ کہ ان میں سے اکثر نے حق جل سلطانہ کی معرفت کو تو حید وجودی کے معارف میں منحصر خیال کیا ہے اور شہود وحدت کو کثرت کے آئینے میں انجام کار تصور کیا ہے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے تصریح کی ہے کہ ہمارے حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ جمیعِ اخوانہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کمالات نبوت کے حاصل ہونے کے بعد کثرت میں وحدت کے شہود کے مقام میں رہے ہیں اور (آیت) کریمہ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْنِ (سورۃ کوثر، ۱) سے اس مقام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں: یقیناً ہم نے آپ کو کثرت میں وحدت کا مشاہدہ عطا کیا ہے۔

شاید انہوں نے کوثر کے ”واو“ کی وجہ سے، جو کہ حروف کثر کے درمیان ہے، یہ اشارہ سمجھا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ اس قسم کے معارف نبوت کے مقام کے لائق ہوں، کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات بے مثل اللہ جل سلطانہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جو چیز مثل کے آئینوں کی گنجائش رکھتی ہے وہ بے مثلی سے بے نصیب ہے اور وہ مثلی اور مقدار و تعداد کے داغ سے داغدار ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف (کی توفیق) دے، (یہ لوگ) انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کو اپنے کمالات کے ترازو پر تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی طرح سمجھتے ہیں: کَثُرَتْ کَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ۔ (سورۃ کہف، ۵) یعنی: یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔

چو آں کرے کہ در سنگے پنہاں است زمین و آسمان او ہماں است

یعنی: جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کا زمین و آسمان وہی (پتھر) ہے۔

آپ (علیہ وآلہ الصلوٰات والتسلیمات) کی امت کے (اس) کمینے کو اس قسم کی معرفت جو اوائل میں حاصل ہوئی تھی، وہ (اس سے) ندامت و استغفار کرتا ہے اور وہ اس شہود کو جو نصاریٰ کے حلول کی طرح ہے، اس ذات پاک سے نفی کرتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں: ”جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور سمجھا گیا، وہ سب اس کا غیر ہے، کلمہ لا کی حقیقت سے اس کی نفی کرنی چاہیے۔“ پس کثرت میں وحدت کا مشاہدہ بھی نفی کے لائق ہوا اور جو چیز نفی کے لائق ہے وہ بھی اس ذات پاک سے نابود (دور) ہے۔

حضرت خواجہ (نقشبند) قدس سرہ کے اس کلام نے مجھے اس شہود سے باہر نکالا ہے اور مشاہدہ و معائنہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی ہے اور (میرے) سامان کو علم سے جہل کی جانب کھینچا ہے اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے۔

جَزَاہُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنِّي خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ان کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں اسی ایک ہی بات سے حضرت خواجہ (نقشبند قدس سرہ) کا مرید ہوں اور ان کا حلقہ بگوش ہوں۔ سچ یہ ہے کہ اولیاء

میں سے بہت کم ہی کسی نے اس کلام کی طرح بات کی ہے اور تمام مشاہدات و معائنات کی اس طریقہ سے نفی کی ہے۔

اس مقام میں ان (حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ) کے اس قول کی حقیقت تلاش کرنی چاہیے جو انہوں نے فرمایا ہے کہ: ”بہاء الدین پر خدا کی معرفت حرام ہے اگر اس کی ابتدا بایزید کی انتہا نہ ہو۔“ کیونکہ (حضرت) بایزید (بسطامی قدس سرہ) اس بزرگی کے باوجود شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے اور انہوں نے سُبْحَانِیَ مَا اَعْظَمَ شَانِیَ (میں پاک ہوں، میری شان کتنی بلند ہے) کے تنگ کوچہ سے قدم باہر نہیں رکھا۔ بخلاف ہمارے حضرت خواجہ (نقشبند قدس سرہ) کے جنہوں نے ایک ہی کلمہ ”لَا“ کے ذریعے ان (حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ) کے تمام مشاہدات کی نفی فرمادی ہے اور سب کو حق جل سلطانہ کا غیر بنایا ہے۔ ان (حضرت خواجہ بایزید قدس سرہ) کا تنزیہ (حضرت) خواجہ (نقشبند قدس سرہ) کے نزدیک تشبیہ ہے اور ان کا بے مثل، مثل اور ان کا کمال، نقص ہے۔ لہذا ان کی انتہا جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھی ہے، وہ ہمارے خواجہ (نقشبند قدس سرہ) کی ابتدا ہے، کیونکہ ابتدا تشبیہ سے ہے اور انتہا تنزیہ کے ساتھ ہے۔ لیکن (حضرت) بایزید (بسطامی قدس سرہ) کو حال کے آخر میں نقص پر اطلاع بخش دی گئی تھی، کیونکہ آپ وفات کے وقت کہہ رہے تھے: مَا ذُکِرْتُكَ إِلَّا عَنْ غَفْلَةٍ وَمَا خَدَمْتُكَ إِلَّا فِتْرَةً۔ یعنی: میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت (عبادت) نہیں کی مگر سستی سے۔

انہوں (بایزید بسطامی قدس سرہ) نے اپنے پہلے حضور کو غفلت سمجھا، کیونکہ وہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا حضور نہ تھا، بلکہ وہ ظلال میں سے ایک ظل کا حضور اور ظہورات میں سے ایک ظہور تھا، لہذا ناچار وہ حق جل سلطانہ سے غافل رہے، کیونکہ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے۔ ظلال و ظہورات سب مبادی و مقدمات ہیں اور زینے اور اسباب و ذرائع ہیں اور جو کچھ حضرت خواجہ (نقشبند قدس سرہ) نے فرمایا ہے: ”ہم انتہا کو ابتدا میں درج کرتے ہیں۔“ (یہ بالکل) واقع کے مطابق ہے، کیونکہ ان (حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ) کی توجہ ابتدا ہی سے احدیت صرف کی جانب ہے اور آپ اسم و صفت سے سوائے ذات تعالیٰ کے اور کچھ نہیں چاہتے۔

اس طریقہ عالیہ کے ہدایت یافتہ مبتدیوں کو یہ دولت اس شیخ مقتدا سے انوکھی طور پر حاصل ہو جاتی ہے جو اس کمال سے مشرف ہوتا ہے (خواہ) وہ اس کو سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ پس لازماً کالمیلین کی انتہا ان بزرگواروں کی ابتدا میں درج ہے۔ مختصر یہ کہ احدیت کی یہ توجہ اگر ان میں غلبہ پیدا کرے اور ظاہر کو بھی باطن کے رنگ میں رنگ دے تو سالک ان سفلی مشاہدات سے جو ممکنات کے آئینوں میں ظاہر ہوتے ہیں، آزاد ہو جاتا ہے اور تشبیہی معارف سے نجات پالیتا ہے۔ اگر یہ توجہ غلبہ پیدا نہ کرے اور باطن تک محدود رہے تو اکثر ایسا ہے کہ بظاہر کثرت میں وحدت کے مشاہدہ کی لذت پاتا ہے اور توحید و اتحاد سے لطف اندوز ہوتا ہے، لیکن یہ شہودان کے حق میں ظاہر تک ہی محدود رہتا ہے اور باطن میں سرایت نہیں کرتا۔ ان کا باطن احدیت صرف کی جانب متوجہ رہتا ہے اور ان کا ظاہر کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اکثر یوں ہوتا ہے ظاہری نسبت کے غلبہ کی وجہ سے باطنی توجہ معلوم نہیں ہوتی اور ظاہری شہود کے سوا کوئی اور معاملہ مفہوم نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ ان سطور کے لکھنے والے کے حال کے آغاز میں تھا کہ وہ ظاہری نسبت کے غلبہ کی بدولت باطنی توجہ سے جو احدیت صرف کی جانب تھی، آگاہی نہیں رکھتا تھا اور اپنے آپ کو کھلی طور پر کثرت میں وحدت کے شہود کی جانب متوجہ پاتا تھا۔ ایک مدت کے بعد حضرت

حق سبحانہ نے باطنی توجہ کی اطلاع بخشی اور باطن کو ظاہر پر نصرت دی اور معاملہ کو یہاں تک پہنچایا۔
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ عَلٰی ذٰلِكَ۔ یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کا شکر ہے۔

جو معارف توحیدی اور مشاہداتِ سفلی اس بزرگ خاندان (نقشبندیہ) کے بعض خلفاء سے سرزد ہوئے ہیں، وہ بھی اسی قسم کے ہیں، یہ نہیں کہ وہ (حضرات) ظاہر و باطن میں اس شہود کی جانب متوجہ اور اسی معرفت میں گرفتار رہے ہیں۔ برخلاف دوسروں کے جو ظاہر و باطن میں اس شہود کے گرفتار ہیں اور وہ اس شہود کو تنزیہ و تشبیہ کا جامع سمجھ کر اس کو کمال جانتے ہیں۔ اس جماعت کے لوگوں کا باطن بھی اگرچہ تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان رکھتا ہے، لیکن گرفتاری اور چیز ہے اور ایمان ایک دوسری شے ہے اور حال ایک اور چیز ہے اور علم ایک دوسری شے ہے۔ جس گروہ کے لوگ تنزیہ صرف کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے اور مشاہدہ سفلی کے سوا کسی دوسرے معاملہ کے معتقد نہیں ہیں وہ بے دینوں میں سے ہیں جو (اس) بحث سے خارج ہیں۔

فقیر کے نزدیک ممکنات کے آئینوں میں حق جلا و علا کا وہ شہود جس کو صوفیہ کی ایک جماعت کمال سمجھتی ہے اور تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان خیال کرتی ہے، یہ شہود حق جلا و علا کا شہود نہیں ہے۔ اس میں ان کا مشہود ان کی خیالی اور من گھڑت چیز کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ جو کچھ ممکن میں دیکھتے ہیں وہ واجب تعالیٰ و تقدس نہیں ہے اور جو کچھ حادث میں پاتے ہیں وہ قدیم نہیں ہے اور جو کچھ تشبیہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ تنزیہ نہیں ہے۔ خبردار! تو صوفیہ کی (ایسی) باطل باتوں پر فریفتہ نہ ہو اور حق جل سلطانہ کے غیر کو خدا نہ سمجھ۔ اگرچہ اس جماعت کے لوگ حال کے غلبہ کی وجہ سے معذور ہیں اور خطا کار مجتہد کی طرح مواخذہ سے بری ہیں، لیکن دیکھنے کی تقلید کرنے والوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں۔ کاش کہ وہ بھی خطا کار مجتہد کی طرح ہوں اور اگر (ان کے ساتھ) اس طرح (کا سلوک) نہ کیا گیا تو کام مشکل ہے۔ قیاس اور اجتہاد شرعی اصولوں میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید پر ہم مامور ہیں، بخلاف کشف اور الہام کے جس کی تقلید کا ہم کو حکم نہیں فرمایا گیا۔ الہام غیر پر حجت نہیں ہے اور اجتہاد مقلد پر حجت ہے۔ پس علمائے مجتہدین کی تقلید کرنی چاہیے اور دین کے اصول کو ان کی آراء کے مطابق تلاش کرنا چاہیے اور صوفیہ علمائے مجتہدین کی آراء کے خلاف جو کچھ کہیں اور کریں، اس کی تقلید نہیں کرنی چاہیے اور حسن ظن کی وجہ سے ان پر طعن کرنے سے لب بند رکھنے چاہئیں اور (ان باتوں کو) ان کی شطحیات میں سے سمجھنا چاہیے اور ظاہر کی جانب موڑا ہوا خیال کرنا چاہیے۔

عجیب ہے کہ بہت سے صوفیہ عوام کو اپنے کشفی والہامی امور، مثلاً وحدت وجود پر ایمان لانے کے لیے دلالت کرتے ہیں اور ان کی تقلید پر ترغیب دیتے ہیں اور اس ایمان کے نہ ہونے پر وعیدیں سناتے ہیں۔ کاش وہ ان امور کے عدم انکار پر دلالت کرتے اور ان کے منکرین کو تہدیدیں فرماتے، کیونکہ ایمان اور چیز ہے اور عدم انکار دوسری شے ہے۔ ان امور پر ایمان لانا لازمی نہیں ہے، لیکن ان کے انکار سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان امور کا انکار ان امور کا انکار کرنے والوں کے انکار تک پہنچا دے اور حق جلا و علا کے اولیاء کے ساتھ بغض اور دشمنی پیدا کر دے۔ اہل حق کے علماء کی آراء کے مطابق کام کرنا چاہیے اور صوفیہ کی کشفی باتوں پر حسن ظن کے ساتھ خاموشی اختیار کرنی چاہیے اور ”نہیں“ اور ”ہاں“ کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

لِیٰذَا هُوَ الْحَقُّ الْمُتَوَسِّطُ بَيْنَ الْإِفْرَاطِ وَالنَّفَرِيطِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُطْلَمُّ لِلصَّوَابِ۔

یعنی: یہی وہ حق ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے اور اللہ سبحانہ ہی درست کی جانب الہام فرمانے والا ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ اس راستے کے مدعی لوگوں میں سے ایک جماعت اس شہود و مشاہدہ پر قناعت نہیں کرتی، بلکہ یہ لوگ اس شہود کو تنزل خیال کرتے ہوئے اس عالم میں رویت بصری کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم واجب الوجود جل سلطانہ کی بے مثل ذات کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو دولت ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج کی رات میں ایک بار میسر ہوئی تھی، وہ ہمیں ہر روز میسر ہے اور جو نور ان کو دکھائی دیتا ہے وہ اس کو صبح کی روشنی سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس نور کو مرتبہ بے کیفی خیال کرتے ہیں اور عروج کے مراتب کی انتہا کو اس نور کے ظہور تک تصور کرتے ہیں: تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے جو ظالم لوگ کہتے ہیں۔

نیز (یہ لوگ) حضرت (حق) جل شانہ کے ساتھ اپنا مکالمہ اور ہم کلام ہونا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اور ایسے فرمایا ہے اور کبھی اپنے دشمنوں کے بارے میں حضرت (حق) عز و شانہ کی جانب سے وعیدیں نقل کرتے ہیں اور کبھی اپنے دوست کو بشارتیں دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ رات کے باقی تہائی یا چوتھائی حصے تک میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام رہا اور ہر معاملے میں باتیں پوچھیں اور جواب پائے۔

لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا۔ (سورۃ فرقان، ۲۱)

یعنی: یہ لوگ اپنے خیال میں تکبر رکھتے ہیں اور (اسی وجہ سے) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔

اس جماعت کی باتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ نظر آنے والے نور کو عین حق جل سلطانہ سمجھتے ہیں اور اس نور کو اللہ تعالیٰ کی ذات تصور کرتے ہیں، نہ یہ کہ وہ (اس کو) اللہ تعالیٰ کے ظہورات میں سے ایک ظہور یا اس کے ظلال میں سے ایک ظلال جانتے ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس نور کو حق جل سلطانہ کی ذات کہنا محض افتراء، الحاد صرف اور خالص بے دینی ہے۔ اللہ جل شانہ کے تحمل کی انتہا ہے کہ وہ اس طرح کے افتراء پر دازوں کو طرح طرح کے عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا اور ان کو تباہ نہیں کرتا۔ سُبْحَانَكَ عَلَىٰ حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ سُبْحَانَكَ عَلَىٰ عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔

یعنی: اے اللہ! تو پاک ہے کہ ہماری برائیوں کو جان کر حلم فرماتا ہے اور قدرت کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم محض رویت کی طلب سے ہلاک ہو گئی اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے رویت کی طلب پر ”لَنْ تَرَانِي“ (۵) کا زخم کھایا اور بیہوش ہو کر گر پڑے اور اس طلب سے تائب ہوئے اور اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم، جو رب العالمین کے محبوب اور اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں، باوجود اس کے کہ معراج بدنی سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے (آگے) گزر گئے اور مکان و زمان سے بالا چلے گئے۔ پھر بھی علماء کا نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت میں قرآنی اشاروں کے باوجود اختلاف ہے۔ اکثر علماء آپ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم رویت کے قائل ہیں۔ امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے: وَالْاَصْحَحُّ اَنَّهُ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم مَا رَاٰ رَبَّہٗ لَبَلَّةَ الْمِعْرَاج۔

یعنی: صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا۔

یہ ناچختہ لوگ اپنے باطل خیال سے ہر روز اللہ جل شانہ کو دیکھتے ہیں، جبکہ علماء اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے ایک بار دیکھنے میں قیل وقال رکھتے ہیں۔ فَضَحَهُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ مَا أَجْهَلُهُمْ۔
یعنی: اللہ سبحانہ ان کو رسوا کرے، یہ کیسے جاہل ہیں۔

نیز اس جماعت کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کلام کو یہ سنتے ہیں، اس کی نسبت کو حضرت حق سبحانہ سے اسی طرح جانتے ہیں جیسی کہ متکلم کے کلام سے ہوتی ہے اور یہ سراسر الحاد ہے۔ حَاشَا وَكَأَلَا (ایسا ہرگز نہیں) کہ حضرت حق سبحانہ سے تکلم کے طریقہ سے کوئی ایسا کلام صادر ہو جس میں ترتیب ہو اور تقدیم و تاخر ہو جو حدوث کی علامت ہے۔ اکابر مشائخ کی باتوں نے ان کو غلطی میں ڈال دیا ہے، کیونکہ مشائخ نے بھی حضرت اللہ جل سلطانہ کے ساتھ کلام اور مکالمہ ثابت کیا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ اکابر مشائخ اس کلام کو حضرت حق سبحانہ کے ساتھ ایسی نسبت سے نہیں سمجھتے جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے، بلکہ وہ اس کو اس نسبت سے ثابت کرتے ہیں جو مخلوق کو (اپنے) خالق کے ساتھ ہے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس درخت مبارک سے حق جل شانہ کا کلام سنا، اس کلام کو حق جل سلطانہ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہوتی ہے، نہ کہ وہ نسبت جو کلام کو اپنے متکلم کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ کلام جو حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنا، اس کلام کو بھی حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے۔

مختصر یہ کہ وہ کلام بھی حق جل سلطانہ کا کلام ہے اور اس کا منکر کافر اور زندیق ہے، گویا کلام حق کلام نفسی اور کلام لفظی کے درمیان مشترک ہے جس کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بلا واسطہ کسی امر کے ایجاد فرماتا ہے۔ پس کلام لفظی بھی حقیقت میں حق جلا و علا کا کلام ہے۔ پھر مجبوراً اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ فَافْهَمُ فَإِنَّ هَذَا التَّحْقِيقَ يَنْفَعُكَ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمَوَاضِعِ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَقِّفُ۔ یعنی: پس سمجھ لے، کیونکہ یہ تحقیق بہت سی جگہوں پر نفع دے گی اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو وجود ہم ممکنات کے لیے ثابت کرتے ہیں، وہ ممکن کی تمام صفات کی مانند ایک ضعیف وجود ہے۔ ممکن کے علم کی واجب تعالیٰ کے مقابلہ میں کیا مقدار ہے اور قدرت قدیمہ کے مقابلہ میں قدرت حادثہ کا کیا اعتبار ہے؟ اسی طرح ممکن کا وجود واجب تعالیٰ کے وجود کے مقابلہ میں محض لاشے ہے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ دیکھنے والا ان دو وجودوں کے فرق مراتب کی وجہ سے شک میں پڑ جائے کہ آیا ان دو فردوں پر وجود کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے یا ایک فرد پر حقیقت کے طریقہ سے اطلاق ہے اور دوسرے پر مجاز کے طریقہ سے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صوفیہ میں سے بہت زیادہ لوگوں نے دوسری شق (طریقہ مجاز) پر یقین کیا ہے اور ممکن کے وجود پر وجود کے اطلاق کو مجاز کے طور پر سمجھا ہے اور ممکنات کے وجود کا اطلاق نہیں کرتے، مگر اخص النواص۔ اخص سے مراد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں اور ان کی امتوں میں سے وہ لوگ جو ان کی ولایتِ اصلیہ سے مشرف ہوئے ہیں اور دائرہ ظلال کو پوری طرح طے کر چکے ہیں۔ عوام ظاہر بین ہیں، وہ واجب تعالیٰ کے وجود اور ممکن کے وجود کو مطلق وجود کی قسموں میں سے سمجھتے ہیں اور دونوں کو موجود تصور کرتے ہیں۔ اخص خواص تیز نظر ہیں، وہ دونوں وجودوں کو مطلق وجود کے افراد میں سے سمجھتے ہیں اور افراد وجود کے مراتب کے فرق کو وجود کی صفات اور اعتبارات کی

طرف موڑتے ہیں، (اور) وجود کی حقیقت اور ذات کی طرف نہیں لوٹاتے ہیں، تاکہ ایک حقیقت ہو اور دوسرا مجاز۔ ایک متوسط جماعت کے لوگ جنہوں نے عوام کے درجہ سے ایک قدم آگے رکھا ہے اور انہیں خواص کے کمالات سے خالی ہیں، ان کے لیے مشکل ہے کہ وہ ممکنات کے وجود کے قائل ہو جائیں اور ممکن کے وجود پر حقیقت کے طریقہ سے وجود کا اطلاق کریں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ممکن کو موجود اس تعلق کی بنا پر کہتے ہیں کہ اس کی وجود کے ساتھ ایک نسبت ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ پانی سورج کی دھوپ سے گرم کیا گیا ہے، نہ یہ کہ اس کا وجود اس (سورج) سے قائم ہے۔ اس جماعت کے بعض لوگ ممکن کے وجود سے خاموش ہیں اور وہ نفی اور اثبات کے ذریعے اس کی وضاحت نہیں کرتے اور بعض دوسرے ممکن سے وجود کی نفی کرتے ہیں اور وہ واجب تعالیٰ کے سوا کسی اور کو موجود نہیں سمجھتے۔ ان میں سے ایک گروہ ممکن کے وجود کو واجب کے وجود کا غیر نہیں جانتا جس طرح کہ وہ (اسے وجود کا) عین نہیں سمجھتا۔ ان میں سے ایک گروہ کے لوگوں نے اس چیز کی تصریح کی ہے کہ جس وجود کے ساتھ واجب تعالیٰ کا وجود موجود ہے، ممکن بھی اسی وجود کے ساتھ موجود ہے۔ یہ عبارت بھی ممکن کے وجود کی نفی کرتی ہے۔ الغرض ممکن کے وجود کے اثبات کے لیے نظرتیز ہونی چاہیے، تاکہ وہ واجب تعالیٰ کے وجود کو اس کے انوار کی روشنی میں دیکھ سکے۔ تیز نظر والے دن میں سورج کی روشنی میں ستاروں کو دیکھ لیتے ہیں اور جس کی نظرتیز نہیں ہے، وہ نہیں دیکھ سکتا۔ پس ممکنات کا وجود ستاروں کی مانند ہے، جو تیز نظر ہے وہ دن میں دیکھ سکتا ہے اور جو کمزور نظر والا ہے، وہ اس دید سے محروم ہے۔

اگر سوال کریں کہ عوام نظر کی کمزوری اور بے بصیرتی کے باوجود ممکنات کے وجود کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں اور جبکہ واجب تعالیٰ کے وجود کے انوار کی روشنی اس کے دیکھنے سے مانع ہے؟ ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ عوام ارباب علم میں سے ہیں، نہ کہ ارباب دید میں سے۔ ہماری گفتگو ارباب دید کے بارے میں ہے، نہ کہ ارباب علم کے بارے میں۔

کیونکہ ارباب علم بحث سے خارج ہیں۔ پس گویا واجب تعالیٰ کے وجود کے انوار کا ظہور ان کے حق میں مفقود ہے۔ لہذا وجود ممکنات کے دیکھنے میں مانع نہ ہوا، یا ہم یہ کہتے ہیں کہ انوار کا ظہور ممکنات کے وجود کے شہود سے مانع ہے، نہ کہ ممکنات کے وجود کے علم سے مانع ہے۔ کیونکہ چیزوں کا علم اکثر اوقات سننے اور تقلید سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور نظر اور استدلال سے تصور میں آ جاتا ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی کے ظہور کے باوجود ستاروں کے وجود کا علم ضعیف نظر والوں کو بھی حاصل ہے، اسی طرح عوام کو ممکنات کے وجود کا علم ہے، نہ کہ ممکنات کے وجود کا شہود، کیونکہ شہود بصیرت کی صفات میں سے ہے اور ان کی بصیرت اندھی ہے، مشہود فرشتہ ہو یا ملکوت، جبروت ہو یا لاہوت۔

اے عزیز! عوام جیسے اس بحث میں انہیں خاص کے ساتھ شریک ہیں، ایسے ہی دوسری جگہوں میں بھی (ان کو) ان کے ساتھ ایک شرکت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بہت سے احکام میں عوام کی مانند زندگی بسر کرتے ہیں اور خلقت اور اہل و عیال کے ساتھ مل جل کر رہتے ہوئے ان کی طرح معاملت فرماتے ہیں۔ خیر البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وسلم الصلوٰۃ والتسلیمات کی اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن معاشرت کی روایات مشہور ہیں۔ منقول ہے کہ ایک روز سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام امین (حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما) کو چوم رہے تھے اور کمال فراخ دلی کے ساتھ ان کے ساتھ سلوک فرما رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا: ”یا رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے گیارہ بیٹے ہیں اور میں نے ہرگز ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔“ حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ رحمت ہے جو اللہ اپنے مہربان بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

چونکہ انحصار خواص بعض اوصاف میں عوام کے ساتھ شریک ہیں، خواہ وہ شراکت ظاہری صورت کے اعتبار سے ہو، لہذا عوام اپنی نارسائی کی وجہ سے ان کے کمالات سے تھوڑا سا حصہ رکھتے ہیں اور وہ ان کو اپنے مانند خیال کرتے ہیں اور جو شخص اوصاف و شمائل میں ان سے مختلف ہو، وہ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور اسے بزرگ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کے ان اوصاف و اخلاق کو، جو ان کے اوصاف و اخلاق سے مختلف ہیں، وہ ان اوصاف و اخلاق سے بہتر جانتے ہیں جو ان کے اوصاف و اخلاق کے مشابہ ہیں، خواہ وہ اخلاق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات میں موجود ہوں۔

سنو! مخدوم شیخ فرید شکر گنج (رحمۃ اللہ علیہ) سے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ جب آپ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا انتقال ہوتا تھا اور اس کی موت کی خبر آپ کو پہنچتی تھی تو آپ میں کوئی تغیر راستہ نہیں پاتا تھا اور آپ فرماتے تھے کہ کتے کا بچہ مر گیا ہے، اسے باہر پھینک دو۔ اور جب سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے (حضرت) ابراہیم (رضی اللہ عنہ) فوت ہوئے تو حضرت نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ان پر روئے اور غمگین ہو گئے اور فرمایا: اِنَّا بِفَرَاغِكَ يَا اِبْرَاهِيْمَ لَمَحْزُوْنَ۔^(۶) یعنی: اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تاکید اور مبالغہ کے ساتھ اپنا غم بیان فرمایا۔ (حضرت) گنج شکر (رحمۃ اللہ علیہ) بہتر ہیں یا سید البشر (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ حیوانوں کی مانند عوام کے نزدیک پہلا معاملہ بہتر ہے اور وہ اس کو بے تعلقی سمجھتے ہیں اور دوسرے کو عین تعلق اور گرفتاری خیال کرتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَنْ مُّعْتَقِدِ اِثْمِ السُّوْءِ۔
یعنی: اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے برے اعتقادات سے اپنی پناہ میں رکھے۔

چونکہ یہ جہان آزمائش اور ابتلا کا مقام ہے، لہذا عوام کو مشتبہ کرنا اور شبہ میں ڈالنا عین حکمت اور مصلحت ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْبَشَرِ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَ مِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔ یعنی: اے اللہ! سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم کو حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی نصیب فرما اور ہمیں باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا ایمان، ان کے صحابہ (کرام) کا ایمان اور اولیاء کا ایمان جو صحابہ (کرام) کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، شہود کے بعد (خلقت کی) دعوت کی جانب رجوع کرنے کی وجہ سے غیب کے ساتھ قرار پایا ہوا ہوتا ہے، جس طرح کہ وہ شخص جو دن کو سورج کو دیکھتا ہے اور سورج کے وجود کے ساتھ ایمان شہودی حاصل کر لیتا ہے اور جب رات ہوتی ہے تو اس کا ایمان شہودی غیب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ علماء کا ایمان اگرچہ غیب کے ساتھ ہے لیکن ان کے غیب نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت کے نور کے ذریعے حدس (فراست) کا حکم پیدا کر لیا ہے اور رائے (و خیال) سے نکل چکا ہے۔

یہاں علماء سے مراد آخرت کے علماء ہیں، دنیا کے علماء نہیں ہیں، کیونکہ دنیا کے علماء عام مومنوں میں داخل ہیں اور ایمان

بالغیب جو عام مومنوں کی جانب منسوب ہے اس کی بہترین اقسام میں سے وہ ایمان ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تقلید سے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ساتھ وابستہ ہے۔

سوال: علماء نے فرمایا ہے کہ ایمان استدلالی ایمان تقلیدی سے بہتر ہے، حتیٰ کہ بہت سے علماء نے استدلال کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے اور انہوں نے ایمان تقلیدی کو معتبر نہیں سمجھا اور تم نے ایمان تقلیدی کو بہتر کہا ہے؟

جواب: جو ایمان انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تقلید سے حاصل ہوتا ہے وہ ایمان استدلالی ہے، کیونکہ تقلید کرنے والا دلیل کے ساتھ جانتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات رسالت کی تبلیغ میں صادق ہیں، کیونکہ جس شخصیت کی تصدیق حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے معجزات سے کی ہے، یقیناً وہ سچا ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات جن کی تائید معجزات سے ہوئی ہے، وہ سب سچے ہیں۔ غیر معتبر تقلید وہ ہے کہ آدمی ایمان میں اپنے آباء کی تقلید کرے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی صداقت اور ان کی تبلیغ کی حقانیت اس کو بالکل منظور نہ ہو۔ یہ ایمان بہت سے علماء کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

باقی رہا وہ استدلالی (ایمان) جو منطقی لوگ اپنے مقدمات سے حاصل کرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ کے لحاظ سے نتیجہ نکالتے ہیں، وہ استدلالی (ایمان) ایک ایسا معاملہ ہے جو امکان کے قریب اور وقوع سے دور ہے۔ مقام استدلال میں واجب تعالیٰ کے اثبات کے لیے ارباب نظر میں سے مولانا جلال الدین دوانی (رحمۃ اللہ علیہ) ^(۷) کی طرح کا کوئی اور آدمی معلوم نہیں جو گزرا ہو، کیونکہ وہ محقق بھی ہیں اور متاخر بھی اور انہوں نے اس بلند مطلب کے اثبات میں بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود استدلالی مقدمات میں سے کوئی ایسا مقدمہ نہیں ہے جس میں ان کے رسائل کے حاشیہ نگار منع یا نقص کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں اور انہوں نے (ان پر) معتبر اعتراضات نہ کیے ہوں۔ بس صاحب استدلال پر افسوس ہے جو ایمان کو فقط استدلال سے ہی حاصل کرے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تقلید اس کی دستگیری نہ کرے۔

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ. (سورۃ آل عمران، ۵۳)

یعنی: اے ہمارے پروردگار! جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے، ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) رسول (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروکار بن گئے ہیں، تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ دے۔

مکتوب نمبر (۲۷۳)

میرزا حسام الدین احمد کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ سالک کو چاہیے کہ اپنے شیخ کے طریقہ کا پابند رہے اور دوسرے مشائخ کے طریقوں کی طرف التفات نہ کرے اور اگر واقعات اس کے برخلاف ظاہر ہوں تو اعتبار نہ کرے کیونکہ شیطان ایک طاقتور دشمن ہے، اس کے مکر و فریب سے غافل نہیں ہونا چاہیے، نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ الاعراف، ۴۳) عَلَيْهِم مِّنَ الصَّلَاةِ اَتَمُّهَا وَمِنَ النَّجِيَّاتِ اَكْمَلُهَا.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔

بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔ ان پر کامل درود اور کامل سلام ہوں۔

آپ نے کرم فرماتے ہوئے جو محبت نامہ اس حقیر کے نام لکھا تھا، وہ اس کے ملنے سے خوش وقت اور مسرور ہوا۔
جَزَاكُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ خَيْرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر دے۔

آپ کے گرامی نامہ میں لکھا گیا تھا کہ ”اگر سماع کے منع ہونے کا مبالغہ ایسے مولود کے منع کو بھی شامل ہے، جس سے مراد نعتیہ قصائد اور غیر نعتیہ اشعار پڑھنا ہے تو پھر میرے پیارے بھائی میر محمد نعمان اور یہاں کے بعض دوست جنہوں نے واقعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس مجلس مولود سے بہت خوش ہیں، ان پر مولود کے سننے کو ترک کرنا بہت زیادہ مشکل ہے۔

میرے مخدوم! اگر واقعات کا اعتبار ہوتا اور خوابوں پر اعتماد ہوتا تو پھر مریدوں کو پیروں کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اور طریقوں میں کسی طریقہ کو لازم پکڑنا بیکار ہو جاتا، کیونکہ ہر ایک مرید اپنے واقعات کے مطابق عمل کر لیتا اور اپنے خوابوں کے مطابق زندگی گزار لیتا، خواہ وہ واقعات اور خواب پیر کے طریقہ کے مطابق ہوتے یا نہ ہوتے، خواہ وہ پیر کو پسند ہوتے یا نہ ہوتے۔ اس طرح پیری و مریدی کا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا اور ہر بوالہوس اپنے طریقہ پر مستقل ہو جاتا۔ جبکہ مرید صادق اپنے پیر کی موجودگی میں ہزاروں واقعات کو آدھے جو کے بدلے نہیں خریدتا اور طالبِ رشد پیر کے حضور کی بدولت خوابوں کو شیطانی اور جھوٹے خواب سمجھتا ہے اور ان کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا۔ شیطان لعین ایک طاقتور دشمن ہے۔ منتہی اس کے فریب سے محفوظ نہیں ہیں اور اس کے مکر سے ڈرا اور کانپ رہے ہیں، مبتدیوں اور متوسطوں کے بارے میں کیا کہا جائے۔

مختصر یہ کہ مبتدیوں اور متوسطوں کے برخلاف منتہی شیطان کے غلبہ سے محفوظ و مامون ہیں۔ پس ان (مبتدیوں اور متوسطوں) کے واقعات قابلِ اعتماد نہیں ہیں اور وہ شیطان کے مکر سے محفوظ نہیں ہیں۔

سوال: جس واقعہ میں حضرت نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہم زیارت کریں، وہ واقعہ سچا ہے اور شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِصُورَتِهِ۔^(۱)

یعنی: بیشک شیطان آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔

پس جن واقعات کا ذکر ہم کر رہے ہیں یہ سچے ہیں اور شیطان کے مکر سے محفوظ ہیں۔

جواب: صاحبِ فتوحات مکیہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خاص صورت میں جو مدینہ (منورہ) میں مدفون ہے، کے ساتھ شیطان کے عدم متمثل کو خصوص کرتے ہیں اور اس متمثل کے عدم کے حکم کو ہر اس صورت پر جو دیکھی جائے تجویز نہیں کرتے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورت (مبارک) کی تشخیص کرنا خاص کر کے خوابوں میں بہت مشکل ہے۔ پھر کس طرح قابلِ اعتماد ہو۔ اگر شیطان کے اس عدم متمثل کو نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خاص صورت (مبارک) کے ساتھ خصوص نہ کریں اور (لوگ) جس صورت میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھیں، اس میں شیطان کے عدم متمثل کو تجویز کریں، جیسا کہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں اور نیز (یہ چیز) آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی رفعتِ شان کے مناسب ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس صورت (مبارک) سے احکام اخذ کرنا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پسند اور ناپسند کا معلوم کرنا مشکلات میں سے ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دشمنِ لعین درمیان میں واسطہ بن گیا ہو اور اس نے خلافِ واقع کو واقع دکھایا ہو اور دیکھنے والے کو شک و شبہ میں ڈال کر اپنی عبارات و اشارات کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس صورت (مبارک) کی عبارات و اشارات میں دکھایا ہو۔

جس طرح کہ مروی ہے کہ ایک روز سید البشر علی آلہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میں تشریف فرما تھے اور قریش کے بڑے اور اہل کفر کے رئیس وہاں حاضر تھے اور صحابہ کرامؓ میں سے بھی بہت سے صاحبان بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ سید البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سامنے سورۃ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے اور جب ان کے باطل خداؤں کے ذکر پر پہنچے تو شیطان لعین نے اس اثناء میں چند فقرے ان کے بتوں کی تعریف میں آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا دیے کہ حاضرین نے اس کو آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام سمجھا اور اس میں تمیز کرنے کی کوئی صورت نہ پائی۔ جو کافر حاضر تھے انہوں نے شور مچا دیا اور کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ صلح کر لی اور ہمارے بتوں کی تعریف کی۔ مسلمان حاضرین بھی اس کلام سے متعجب ہو گئے۔ آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اس لعین کے کلام سے اطلاع نہ رکھتے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ”کیا واقعہ ہے؟“ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کے اثناء میں یہ فقرے ظاہر ہوئے ہیں۔ آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام متفکر اور غمگین ہو گئے۔ اس اثناء میں جبریل امین علیہ السلام آئے اور وحی لائے کہ وہ کلام القاۃ شیطانی تھا اور کوئی نبی اور رسول نہیں گزرا جس کے کلام میں اس نے القا نہ کیا ہو۔ اس کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو رد کیا ہے اور اپنے کلام کو محکم بنایا ہے۔

پس جب آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات (مبارک) کے زمانے میں اور بیداری کی حالت میں اور صحابہ (کرامؓ) کی مجلس میں شیطان لعین آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں اپنے باطل کلام کو ملا دیتا ہے اور کوئی شخص تمیز نہیں کر سکتا تو آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خواب کی حالت میں جو حواس کے معطل ہونے کا محل اور شک و شبہ کی جگہ ہے، باوجود خواب دیکھنے والے کی صرف اکیلی رائے کے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ واقعہ شیطان کے تصرف سے محفوظ اور اس کے فریب سے مامون ہے؟ اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ جب قصائد پڑھنے اور سننے والوں کے ذہنوں میں یہ بات قرار پا چکی تھی کہ آنسو ور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اس عمل سے خوش ہوں گے جس طرح کہ مدوح مدح کرنے والوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اور یہ چیز ان کے تخیل کی قوت میں نقش ہو گئی ہو تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے واقعہ میں اپنی اسی تخیل صورت کو دیکھا ہو، بغیر اس کے کہ اس واقعہ کی کوئی حقیقت ہے یا (یہ) شیطانی تمثیل ہے۔ اسی طرح واقعات اور سچے خواب کبھی ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت وہی ہوتی ہے جو خواب دیکھنے والے نے دیکھی ہے۔ مثلاً زید کی صورت کو خواب میں دیکھا ہے اور اس سے مراد عمر رکھا ہے، اس مناسبت کے تعلق کے اعتبار سے جو زید اور عمر کے درمیان ہے۔

پس دوستوں کے یہ واقعات کس طرح معلوم ہوں کہ ظاہر پر محمول ہیں اور ظاہر سے پھرے ہوئے نہیں ہیں۔ کیسے نہیں ہو سکتا کہ ان واقعات سے مراد تعبیریں ہوں اور یہ واقعات دوسرے امور سے اشارے ہوں، بغیر اس کے کہ شیطانی تمثیل کی

گنجائش ہو۔ الغرض واقعات کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ اشیاء خارج میں موجود ہیں، (لہذا) کوشش کرنی چاہیے کہ چیزوں کو بیداری میں دیکھیں جو اعتماد کے لائق ہے اور (اس میں) تعبیر کی گنجائش نہیں۔ جو چیز خواب و خیال میں دیکھی جائے وہ خواب و خیال ہی ہے۔ ایک مدت ہوئی ہے کہ وہاں کے دوست اپنے ڈھنگ سے زندگی گزار رہے ہیں، اختیار کی لگام ان کے ہاتھ میں ہے، لیکن میر محمد نعمان کو پابندی کے سوا چارہ کہاں ہے، عَيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ (اللہ سبحانہ کی پناہ) کہ منع کرنے کے بعد ایک لمحہ بھی توقف کرے؟ اور اگر بالفرض توقف کرے تو بھی کس کا نقصان کرے گا؟

(اس) منع کرنے میں فقیر کا مبالغہ اپنی طریقت کی مخالفت کی بنا پر ہے۔ طریقت کی مخالفت خواہ سماع و رقص سے ہو اور خواہ مولود اور شعر خوانی سے۔ ہر طریقت کو مطلب خاص کے ساتھ ایک وصول ہے اور اس طریقت (نقشبندیہ) میں مطلب خاص کا وصول ان امور کے ترک کرنے سے وابستہ ہے۔ جس شخص کو اس طریقت کے مطلب کی طلب ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس طریقت کی مخالفت سے دوری اختیار کرے اور دوسرے طریقوں کے مطالب اس کے منظور نظر نہ ہوں۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ”ہم نہ یہ کام کرتے ہیں اور نہ انکار کرتے ہیں۔“ یعنی یہ کام ہمارے طریقت خاص کے خلاف ہے، لہذا ہم نہیں کرتے اور چونکہ دوسرے مشائخ نے کیا ہے اس لیے ہم انکار بھی نہیں کرتے۔

لِكُلِّ وَجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيُّهَا. (سورۃ بقرہ، ۱۲۸)

یعنی: ہر ایک کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے، جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کرتا ہے۔

فیروز آباد جو ہم فقیروں کا بچا اور جائے پناہ ہے اور ہمارے پیروں کا مرکز ہے جب اس میں کوئی ایسا کام جاری ہو جو ہمارے طریقت عالی کے خلاف ہو تو (یہ) ہم فقیروں کے پریشان ہونے کی جگہ ہے۔ مخدوم زادگان اپنے والد بزرگوار (حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) کے طریقت کی حفاظت کے زیادہ مستحق ہیں۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کے فرزندوں نے اپنے والد بزرگوار کے طریقت میں تبدیلی آنے کے بعد ان کے اصلی طریقت کی حفاظت کی اور تبدیلی کرنے والوں کے ساتھ جھگڑا فرمایا، چنانچہ آپ کے مبارک کانوں میں بھی پہنچا ہوگا۔

آپ نے ہمارے حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ قدس سرہ) کے بہت پسندیدہ مشرب کے بارے میں لکھا تھا۔ ہاں! ابتدائے حال میں آپ سلامتی مذہب کے بعض امور کی رعایت کرتے ہوئے نرمی فرمایا کرتے تھے اور ملامت کو ترجیح دے کر بعض چیزوں کی عزیمت کو ترک کر دیا کرتے تھے، لیکن آخر میں ان امور سے اجتناب کرتے تھے اور ملامت و ملامتیہ کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ آپ انصاف کی نظر سے دیکھیں کہ اگر بالفرض حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) اس وقت دنیا میں زندہ ہوتے اور یہ مجلس اور اجتماع منعقد ہوتا تو کیا آپ اس کام سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہ فرماتے؟ فقیر کو یقین ہے کہ آپ ہرگز اس چیز کو جائز نہ فرماتے، بلکہ انکار کر دیتے۔ فقیر کا مقصد آپ کو بتانا ہے، قبول کریں یا نہ کریں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جھگڑے کی گنجائش نہیں۔ اگر مخدوم زادگان اور وہاں کے دوست اسی ڈھنگ پر قائم رہیں تو ہم فقیروں کو ان کی صحبت سے سوائے مایوسی کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس سے زیادہ کیا زحمت دی جائے۔

وَالسَّلَامُ أَوَّلًا وَآخِرًا. یعنی: اور اول و آخر میں سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۷۴)

شیخ یوسف برکی کو تحریر فرمایا۔ بلند ہمتی (کی ترغیب) اور سفلی شہودات جو کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتے ہیں، کی طرف التفات نہ کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

واضح ہو کہ آپ کے تین مکاتیب جو آپ نے ارسال کیے تھے، پہنچ گئے ہیں اور جو واقعات و حالات اور کرامتیں درج کی گئی تھیں، ان سے آگاہی ہوئی۔ جو حالت آپ نے کثرت میں وحدت کے شہود کے آخر حال میں لکھی ہے اور اس عبارت میں بیان کی ہے کہ ”دوسرا اس کی انتہا یہ ہے کہ (بندہ) پہلی حالت میں آجاتا ہے اور گرم ہونا گرم کر دیتا ہے۔ یعنی میں بندہ ہوں اور میں مخلوق ہوں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوں۔“ یہ اصلی حال ہے اور مذکورہ احوال سے برتر ہے، لیکن انتہا ایک اور چیز ہے اور نہایت اس حال سے بھی کئی مرحلے دور ہے:

هنوز ایوان استغنا بلند است مرا فکر رسیدن ناپسند است^(۱)

یعنی: ابھی بے نیازی کا محل بہت بلند ہے اور مجھے (وہاں) پہنچنے کی فکر کرنا ناپسند ہے۔

کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے تکرار کا قصد جو فقیر نے اپنے پہلے مکتوب میں آپ کو لکھا تھا، اس شہود کی نفی (کرنا) تھا جو کثرت سے تعلق رکھتا ہے۔ لِلَّهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ اس کلمہ طیبہ کی برکت سے یہ شہود آپ سے دور ہو گیا ہے۔ آپ ہمت کو بلند رکھیں اور اس راستے کے میوہ اور کشمکش پر اکتفا نہ کریں۔

إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ يُحِبُّ مَعَائِلَ الْهَمَمِ. یعنی: بیشک اللہ سبحانہ بلند ہمت والوں کو پسند فرماتا ہے۔

آپ توحید (وجودی) کے تنگ کوچے سے نکل کر شاہراہ پر آگئے ہیں۔ کتنی بڑی نعمت ہے اگر آپ حالات کا تذکرہ نہ کریں اور کثرت آمیز شہود کی لذتوں کو یاد نہ کریں اور عمر بھر کی استقامت کے ساتھ اس راستے میں جستجو فرمائیں، کیونکہ ہم نے بہت سے پوستیوں کو دیکھا ہے جنہوں نے پوست کو چھوڑ دیا ہے اور وہ اس کام کی قباحت سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ اتفاق سے ایک مدت کے بعد پوست پینے کے حالات کا تذکرہ اور اس حالت کی لذتوں کو یاد کرنا انہیں پھر ان کی اسی پرانی حالت پر لے آیا ہے۔

میرے مخدوم! جو شہود کثرت کے آئینوں سے تعلق رکھتا ہے وہ لذت بخش ہے اور شہود تنزیہی جو جہل (نادانی) کی جانب رُخ رکھتا ہے، وہ لذت لینے سے دور ہے۔ شیخ مقتدا کی مدد کے بغیر اس راستے پر چلنا مشکل ہے۔

میرے پیارے بھائی مولانا احمد برکی جن کو عوام علمائے ظاہر میں سے سمجھتے ہیں اور وہ بھی اپنے حالات اور اپنے دوستوں کے احوال کا علم نہیں رکھتے۔ اس کا راز یہ ہے کہ ان کا باطن شہود تنزیہی کی جانب متوجہ ہے جو جہل (نادانی) کا مقام ہے۔ ان کا ایمان، غیب پر ایمان رکھنے والے علماء کی مانند ہے اور ان کے باطن نے بلند فطرت ہونے کی وجہ سے کثرت آمیز شہود کی طرف کوئی التفات نہیں کیا ہے۔ ان کا ظاہر صوفیہ کی فضول باتوں پر فریفتہ اور مغرور نہیں بنا اور ان کا وجود شریف اس

علاقے میں غنیمت ہے۔ یہ حالت جس کے حاصل ہونے کی خبر آپ نے دی ہے، بڑی مدت ہوئی ہے کہ مولانا اس حالت کے ساتھ متحقق ہیں، وہ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ فقیر کے نزدیک اس جگہ کی صلاح کا مدار مولانا کے وجود پر ہے۔ عجیب ہے کہ اس علاقے کے اہل کشف پر کس طرح یہ چیز مخفی رہی ہے، فقیر کے علم کے مطابق مولانا کی بزرگی سورج کے وجود کی مانند ظاہر اور عیاں ہے۔ (اس سے) زیادہ کیا زحمت دی جائے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۷۵)

ملا احمد برکی کو تحریر فرمایا۔ اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے اپنی قبولیت کے بارے میں کیا تھا اور اپنے دوستوں میں سے ایک دوست کے حالات میں لکھا تھا اور شرعی علوم کی تعلیم اور فقہی احکام کی اشاعت کی ترغیب دینے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (وسلام) اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

واضح ہو کہ آپ نے دو مکتوب شریفہ جو شیخ حسن وغیرہ کے ذریعے ارسال کیے تھے، پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔ ایک مکتوب میں آپ نے خواجہ اولیس (قرنی رحمۃ اللہ علیہ) کے حالات بیان کیے تھے اور دوسرے مکتوب میں اپنی قبولیت کے بارے میں دریافت فرمایا تھا۔

اسی اثناء میں آپ کے حال پر ایک توجہ کی گئی (تو دیکھا) کہ اس علاقے کے سب لوگ آپ کی جانب دوڑ رہے ہیں اور آپ سے التجا کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو اس زمین کا (قطب) مدار بنایا گیا ہے اور اس علاقے کے لوگوں کو آپ سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. یعنی: (اس پر) اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے۔

اس معاملہ کے ظہور کو (خواب کے) ان واقعات میں سے خیال نہ کریں، جن میں شک و شبہ کا گمان ہوتا ہے، بلکہ محسوسات اور مشاہدات میں شمار کریں۔

آپ کے لیے اس دولت کو حاصل کرنے کا عمدہ (ذریعہ) شرعی علوم کی تعلیم (دینا) ہے اور فقہی احکام کی اشاعت (کرنے) ہے، ایک ایسے مقام میں جہاں جہالت جگہ پکڑ چکی ہے اور بدعت نے رسوخ پیدا کر لیا ہے۔ اس محبت و اخلاص کے ساتھ جو آپ کو اپنے دوستوں کے ساتھ ہے، (اللہ نے) آپ کو (یہ ذریعہ) محض (اپنے) فضل سے عطا فرمایا ہے۔ فَعَلَيْكُمْ بِتَعْلِيمِ الْعُلُومِ الدِّينِيَّةِ وَنَشْرِ الْأَحْكَامِ الْفَقْهِيَّةِ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّهُمَا مَلَكَ الْأَمْرِ وَمَنَاطُ الْإِرْتِقَاءِ وَمَدَارُ النَّجَاحِ. یعنی: پس آپ پر لازم ہے کہ دینی علوم کی تعلیم دیں اور اپنی استطاعت کے مطابق فقہی احکام کی اشاعت کریں، کیونکہ یہی دونوں چیزیں اصل مقصود ہیں اور انہی پر ترقی اور نجات کا مدار ہے۔

آپ کمر ہمت کو مضبوط کس کر خود کو علماء کے حلقہ میں (شامل) رکھیں اور امر معروف اور نہی منکر کے ذریعے خلقت کو حق جل سلاطین کے راستے کی رہنمائی فرمائیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا. (سورۃ منزل، ۱۹)

یعنی: بیشک یہ (قرآن مجید) نصیحت ہے، سو جو شخص چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔
ذکر قلبی جس کی آپ کو اجازت دی گئی ہے، وہ بھی شرعی احکام کے بجالانے میں مدد دینے والا ہے اور نفسِ امارہ کی سرکشی کو دور کرنے والا ہے۔ اس طریقہ کو بھی جاری رکھیں۔ اپنے حالات اور اپنے دوستوں کے حالات سے آگاہ نہ ہونے پر افسردہ نہ ہوں اور اس کو اپنی بے حاصلی کی دلیل نہ سمجھیں۔ دوستوں کے حالات آپ کے کمالات کی آئینہ داری کے لیے کافی ہیں، یہ آپ ہی کے احوال ہیں جو منعکس ہو کر دوستوں میں ظاہر ہو گئے ہیں۔

شیخ حسن آپ کے ارکانِ دولت میں سے ایک ہیں اور آپ کے معاملہ کے مددگار اور معاون ہیں۔ اگر بالفرض آپ کو ماوراء النہر کی سیر یا ہندوستان کی سیر کی خواہش پیدا ہو جائے تو وہاں آپ کے جانشین شیخ حسن ہیں۔ آپ ان کے حق میں التفات اور توجہ کی رعایت رکھیں اور پوری طرح کوشش فرمائیں، تاکہ وہ دینی علوم کے حاصل کرنے سے جلدی فارغ ہو جائیں۔ ہندوستان کی یہ سیر ان کے حق میں غنیمت ہو اور آپ کے حق میں بھی۔ رَزَقْنَا اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَاَيُّكُمْ الْاِسْتِقَامَةُ عَلَى مِلَّةِ الْاِسْلَامِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ۔

یعنی: اللہ سبحانہ، ہمیں اور آپ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملتِ اسلام پر استقامت عنایت فرمائے۔
آپ نے لکھا کہ اس دوست کو چھ ماہ ہوئے ہیں کہ ترقی نصیب ہوئی ہے۔ وہ غیبت و بے شعوری (بیخودی و بیہوشی) کی حالت میں ارواحِ طیبات سے جو چیز دیکھا کرتا تھا، اب ہوش میں دیکھتا ہے۔

میرے مخدوم! یہ دیکھنا کسی ترقی کی دلیل نہیں ہے، ہوش میں دیکھے یا بیہوشی میں۔ اس راستے میں پہلا قدم یہ ہے کہ حق سبحانہ کے غیر کو نہ دیکھے اور اللہ سبحانہ کے ماسویٰ میں سے کوئی چیز اس کے خیال کی تہ میں نہ رہے۔ اس طرح نہیں کہ چیزوں کو حق تعالیٰ کا غیر نہ دیکھے اور ان کو ماسویٰ کا عنوان نہ سمجھے، یہ (بات) خود کثرتِ مبنی ہے، بلکہ اللہ سبحانہ کے غیر کو اصلاً نہ دیکھے اور نہ جانے۔ اس حالت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور اس راستے کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

وَبَدْوُيْهَا خَرَطُ الْقَتَادِ۔ یعنی: اس کے بغیر بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے:

ہیچ کس را تا نگرود او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا^(۱)

یعنی: کسی آدمی کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، باری تعالیٰ کی بارگاہ میں راستہ نہیں ملتا۔

جو مکتوبات ان دنوں میں لکھے گئے ہیں، وہ بہت ہی نادر ہیں اور ان میں عجیب فوائد درج ہوئے ہیں۔ ان کی نقل شیخ حسن لائے ہیں، (ان کو) آپ اچھی طرح مطالعہ فرمائیں۔

آپ نے اپنی والدہ مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعا کی التماس کی تھی۔ وہ قبول کی گئی ہے۔ باقی اس علاقے کے حالات شیخ حسن تفصیل سے پیش کریں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ مِنَ الصَّلٰوَاتِ اَفْضَلُہَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُہَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑے اس کو سلامتی نصیب ہو۔

فقیر اور فقیر زادے سلامتی خاتمہ کے لیے دعا کی التماس کرتے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۷۶)

میاں شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ قرآن مجید کی محکم اور متشابہ آیات کے بیان میں اور علمائے راتخین اور ان کے کمالات کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ
الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ جَعَلْنَا اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَإِيَّاكُمْ مِنَ الرَّاسِخِينَ فِي الْعِلْمِ.

یعنی: شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے اور سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک و طاہر آل اور تمام صحابہ (کرام) پر درود (وسلام) ہو۔ اللہ سبحانہ ہمیں اور آپ کو مضبوط علم والوں سے بنائے۔

اے بھائی! حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید (قرآن کریم کی آیات) کو دو اقسام پر (نازل) فرمایا ہے: محکمت اور متشابہات۔

پہلی قسم شرائع اور احکام کے علم کا سرچشمہ ہے اور دوسری قسم حقائق اور اسرار کے علم کا خزانہ ہے۔ قرآن و احادیث میں (اللہ تعالیٰ کے لیے) ہاتھ، چہرے، قدم، پنڈلی، انگلیوں اور پوروں کے جو الفاظ آئے ہیں، وہ متشابہات میں سے ہیں۔ اسی طرح جو حروف مقطعات قرآنی سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں، وہ بھی متشابہات میں سے ہیں، کیونکہ ان کی تاویل سے علمائے راتخین کے علاوہ کسی کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ خیال نہ کریں کہ تاویل سے مراد (وہ) قدرت ہے جس کی تعبیر ہاتھ سے کی گئی ہے، یا وہ ذات ہے جس کو چہرے سے تعبیر کیا گیا ہے، بلکہ ان کی تاویل وہ پوشیدہ راز ہیں جو خاص الخاص لوگوں پر ظاہر کیے گئے ہیں۔

(یہ فقیر) قرآن (مجید) کے حروف مقطعات کی بابت کیا لکھے کہ ان حروف میں سے ہر حرف عاشق و معشوق کے مخفی رازوں کا ایک ٹھائیں مارتا ہوا سمندر ہے اور محبت و محبوب کے دقیق رموز میں سے ایک گہری رمز ہے۔^(۱)

(آیات) محکمت اگرچہ کتاب (قرآن مجید) کی امہات (اصل) ہیں، لیکن ان کے نتائج و ثمرات جو متشابہات ہیں، وہ کتاب (قرآن مجید) کے اصل مقاصد ہیں۔ امہات نتائج کے حاصل کرنے کے لیے ذرائع سے زیادہ نہیں ہیں۔ پس کتاب (قرآن مجید) کا مغز متشابہات ہیں اور کتاب (قرآن مجید) کی محکمت اس مغز کا پوست ہیں۔ متشابہات ہی ہیں جو رمز و اشارہ سے اصل بیان کرتی ہیں اور محکمت کے برخلاف اس مرتبہ کے معاملے کی حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں۔ متشابہات حقائق ہیں اور محکمت متشابہات کی نسبت ان حقائق کی صورتیں ہیں۔ عالم راسخ وہ شخص ہے جو مغز کو پوست کے ساتھ جمع کر سکے اور حقیقت کو صورت میں ظاہر کر سکتا ہو۔

علمائے ظاہر پوست کے ساتھ خوش ہیں اور انہوں نے محکمت پر اکتفا کر رکھا ہے اور علمائے راتخین محکمت کے علم کو حاصل کر کے متشابہات کی تاویل سے بھی حظ وافر حاصل کرتے ہیں اور صورت و حقیقت جو کہ محکم و متشابہ ہیں، کو اکٹھا کر لیتے ہیں۔ لیکن جو شخص محکمت کے علم کے بغیر اور ان محکمت کے تقاضا کے مطابق عمل کے بغیر متشابہات کی تاویل تلاش کرے اور صورت کو چھوڑ کر حقیقت کی جستجو کرے، وہ آدمی ایسا جاہل ہے جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے اور ایسا گمراہ ہے جو اپنی گمراہی

سے نا آگاہ ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ جہان صورت اور حقیقت سے مرکب ہے۔ جب تک یہ دنیا (قائم) ہے کوئی حقیقت صورت سے جدا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ** (سورۃ حجر، ۹۹) اِی الْمَوْتُ کَمَا قَالَ الْمُفْسِّرُونَ۔ ترجمہ: اپنے رب کی عبادت کرتا رہ، یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے۔ یعنی موت آجائے، جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے۔

(اللہ تعالیٰ نے) عبادت کو موت کے وقت تک آخری حد بنایا ہے جو اس دنیا کا آخر ہے، کیونکہ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ۔^(۲) یعنی: جسے موت آگئی اس کے لیے قیامت قائم ہوگئی۔

جہان آخرت جو حقائق کے ظہور کا مقام ہے، وہاں صورتوں کا حقائق سے جدا ہونا ممکن ہے۔ پس ہر جہان کا حکم الگ ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ کوئی شخص خلط ملط نہیں کرتا، مگر جاہل یا زندق جس کا مقصد شرعی احکام کو جھٹلانا ہے، کیونکہ شریعت کا جو حکم مبتدی کے لیے ہے، وہی منتہی کے لیے ہے۔ عام مومنین اور خاص الخاص عرفاء اس چیز میں برابر ہیں۔ صوفیائے خام اور فرومایہ ملحدوں کی یہ کوشش ہے کہ وہ اپنی گردنوں کو شریعت کے بدن سے نکال لیں اور شرعی احکام کو عوام کے ساتھ مخصوص رکھیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت کے مکلف صرف خواص (لوگ) ہیں۔ جس طرح کہ جہالت کی بنا پر وہ امیروں اور بادشاہوں کو عدل و انصاف کے سوا کسی چیز کا مکلف نہیں سمجھتے۔ نیز کہتے ہیں کہ شریعت کے (حکموں کو) بجالانے کا مقصد معرفت کا حاصل کرنا ہے اور جب معرفت میسر ہو جاتی ہے تو شرعی تکلیفات ساقط ہو جاتی ہیں۔ وہ لوگ اس (آیت) کریمہ کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ۔ (سورۃ حجر، ۹۹)

ترجمہ: اپنے رب کی عبادت کرتا رہ، یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے۔

اور یقین کے معنی اللہ کرتے ہیں، جیسا کہ (حضرت) سہل تستری (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے۔ یعنی عبادت کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت کے حاصل ہونے تک ہے۔ ظاہراً جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہ کے کیے ہیں، اس سے اس کی مراد عبادت کی مشقت کی انتہا حق جل و علا کی معرفت حاصل ہونے تک ہی ہوگی، نہ کہ نفس عبادت کی انتہا، کیونکہ یہ امر الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے، نیز خیال کرتے ہیں کہ عارفوں کی عبادات ریاکاری ہے۔ وہ اس لیے (عبادت) کرتے ہیں کہ مبتدی اور پیروکاران کی اس (عمل) میں اقتدا کریں، نہ یہ کہ عارف عبادات کے محتاج ہیں۔ اور اس کی تائید میں مشائخ کا (یہ) قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے: ”جب تک پیر منافق اور ریاکار نہ ہو، مرید اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔“

خَذَلَهُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ مَا أَجْهَلَهُمْ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ان کو رسوا کرے کہ وہ کیسے جاہل ہیں۔

جس قدر عارفوں کو عبادات کی ضرورت ہے، مبتدیوں کو اس کے دسویں حصے کی بھی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان کے عروج و جات، عبادات سے وابستہ ہیں اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کی بجا آوری سے متعلق ہیں۔ عبادتوں کے جن ثمرات کی توقع عوام کو کل قیامت کے روز ہے، عارفوں کو وہ ثمرات آج میسر ہیں، لہذا وہ عبادت (کرنے) کے زیادہ حقدار ہیں اور شریعت کی بجا آوری کے وہ زیادہ محتاج ہیں۔

جاننا چاہیے کہ شریعت سے مراد صورت اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔ صورت شریعت کا ظاہر ہے اور حقیقت شریعت کا باطن ہے۔ پس پوست اور مغز دونوں شریعت کے اجزاء ہیں اور محکم اور متشابہ دونوں اس کے افراد ہیں۔ علمائے ظاہر نے اس کے پوست پر اکتفا کیا ہے اور علمائے راسخین نے اس کے پوست کو مغز کے ساتھ جمع کیا ہے اور انہوں نے صورت اور حقیقت کے مجموعہ سے کامل حصہ حاصل کیا ہے۔ پس شریعت کو اس شخص کی طرح خیال کرنا چاہیے جو صورت اور حقیقت سے مرکب ہے۔ ایک جماعت نے اس کی صورت سے تعلق پیدا کیا اور اس کی حقیقت سے انکار کر دیا اور انہوں نے ”ہدایہ“^(۳) اور ”بزدوی“^(۴) کے سوا کسی کو اپنا پیرِ مقتدانہ سمجھا۔ اس جماعت کے لوگ علمائے پوست ہیں۔ دوسری جماعت اس (شریعت) کی حقیقت میں گرفتار ہوئی، لیکن ان لوگوں نے اس حقیقت و شریعت کی حقیقت کو نہیں سمجھا، بلکہ انہوں نے شریعت کو (ظاہر) صورت پر محدود رکھا اور پوست ہی خیال کیا اور مغز کو اس کے علاوہ تصور کیا۔ اس کے باوجود وہ احکام شریعت کی بجا آوری سے سرمو باز نہ آئے اور صورت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور انہوں نے احکام شریعت میں سے کسی ایک حکم کے ترک کرنے والے کو بیکار اور گمراہ شمار کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ جل سلطانہ کے اولیاء ہیں اور انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اس کے ماسویٰ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

ایک اور جماعت ہے جس کے لوگوں نے شریعت کو صورت اور حقیقت سے مرکب سمجھا ہے اور اسے پوست و مغز کا مجموعہ جانا ہے۔ ان کے نزدیک شریعت کی صورت کا حاصل کرنا اس کی حقیقت کے حاصل ہونے کے بغیر اعتبار کے مقام سے ساقط ہے اور اس کی حقیقت کا حاصل ہونا صورت کے ثبوت کے بغیر نامقام و ناقص ہے، بلکہ وہ صورت کے اس حاصل ہونے کو جو حقیقت کے بغیر ہو، بھی اسلام سمجھتے ہیں اور نجات بخش تصور کرتے ہیں، جیسا کہ علمائے ظاہر اور عام مومنوں کا حال ہے، نیز وہ صورت کے ثبوت کے بغیر حقیقت کے حاصل کو محالات میں سے خیال کرتے ہیں اور اس کے قائل کو زندیق اور گمراہ کہتے ہیں۔

الغرض ظاہری اور معنوی کمالات ان بزرگواروں کے نزدیک شرعی کمالات میں منحصر ہیں اور علوم و معارفِ الہیہ ان عقائدِ کلامیہ سے وابستہ ہیں، اور اہل سنت کی رائے سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ وہ ہزاروں شہود اور مشاہدات کو حق جل و علا کی بے مثلی و بے مثالی کے مسائلِ کلامیہ میں سے ایک مسئلہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور ان احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کو جو شرعی احکام کے کسی حکم کے خلاف ظاہر ہوں، کو آدھے جو سے بھی نہیں خریدتے، نیز اس طرح کے ظہور کو استدراج کے گمانات میں سے شمار کرتے ہیں۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبْهَتُهُمْ اقْتَدِهْ. (سورہ انعام، ۹۰)

یعنی: یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

یہ لوگ علمائے راسخین ہیں جن کو معاملے کی حقیقت سے اطلاع بخشی گئی ہے اور شریعت کے آداب کا لحاظ رکھنے کی برکت سے انہیں شریعت کی حقیقت تک پہنچایا گیا ہے۔ بخلاف دوسرے گروہ کے لوگوں کے، جو اگرچہ حقیقت کی طرف متوجہ ہیں اور حقیقت کے ساتھ گرفتار ہیں اور جہاں تک ممکن ہے وہ شرعی احکام کی بجا آوری سے سرمو متجاوز نہیں کرتے، لیکن چونکہ انہوں نے اس حقیقت کو شریعت سے جدا سمجھا ہے اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کیا ہے، لہذا ناچار حقیقت کے ظلال میں سے کسی ظل میں خستہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس معاملے کی حقیقت تک پہنچنے کا راستہ نہیں پایا، بلاشبہ ان کی ولایت ظلی

ہوئی اور ان کا قرب صفاتی ٹھہرا۔ برخلاف علمائے راسخین کی ولایت کے جو کہ اصلی ہے اور اس (کے حالمین) نے اصل تک پہنچنے کا راستہ پالیا ہے اور وہ ظلال کے سب پردوں کو پوری طرح عبور کر چکے ہیں۔ یقیناً ان کی ولایت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت ہے اور ان اولیاء کی ولایت انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت کا ظل ہے۔

مدتوں یہ فقیر متشابہات کی تاویل کو حضرت حق سبحانہ کے علم کے سپرد کرتا تھا اور علمائے راسخین کے لیے متشابہات پر ایمان رکھنے کے سوا کچھ نصیب نہیں پاتا تھا اور جو تاویلیں علمائے صوفیہ نے بیان کی ہیں، ان کو ان متشابہات کی شان کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور جو اسرار مخفی رکھنے کے قابل ہیں، ان کی تاویلوں کا تصور نہیں کرتا تھا، جیسا کہ عین القصۃ ہمدانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بعض متشابہات کی تاویل میں کہا ہے۔ مثلاً الف، لام، میم سے انہوں نے ”الم“ مراد لیا ہے، جس کے معنی وہ ”در“ ہے جو عشق و محبت کے لیے ضروری ہے، وغیرہ۔

بالآخر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے متشابہات کی تاویلات میں سے ذرہ بھر اس فقیر پر ظاہر فرمایا اور اس بحر محیط سے ایک نہر اس مسکین کی استعداد کی زمین پر جاری فرمادی تو اس کو معلوم ہو گیا کہ علمائے راسخین کو بھی متشابہات کی تاویلوں میں سے بہت زیادہ حصہ نصیب ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیْ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاۤءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ۔ (سورۃ الاعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

لکھے گئے واقعات کی جو تعبیر آپ نے طلب کی تھی، اس کو ملاقات پر منحصر رکھتے ہوئے (فقیر نے) اس گفتگو کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا۔ کیا کرے قلم دوسرے معارف کی طرف چل پڑا اور ایک اور معاملہ سامنے آ گیا۔ امید ہے آپ معاف فرمائیں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ وَعَلٰی اِخْوَانِہِ الصَّلَوٰثِ وَالتَّسْلِیْمٰثِ الْعُلٰی۔ یعنی: اور آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۷۷)

ملا عبدالحی کو تحریر فرمایا۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے بیان میں۔ یہ علوم ان سابقہ علوم میں سے ہیں جو آپ نے حال کے وسط میں لکھے تھے۔ اس معرفت میں شہود کی نہایت شہود انفسی ہے اور جو معارف آپ نے آخر (حال) میں لکھے ہیں، ان میں شہود انفسی کو شہود آفاقی کی مانند لا حاصل سمجھ کر انفس و آفاق سے شہود کو بالاتر ثابت کیا ہے، بلکہ نفس شہود کو وصول کا دروازہ سمجھ کر اُس کے علاوہ علوم و معارف لکھے ہیں، جیسا کہ آپ کی کتب اور رسائل سے یہ چیز واضح ہے۔

اَرَشَدَکَ اللّٰہُ تَعَالٰی (اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت بخشے)، جان لیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات میں علم الیقین ان آیات کے شہود سے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ و تقدس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور ان آیات کے شہود کو سیر آفاقی کہتے ہیں، لیکن شہود اور حضور ذاتی سیر انفسی کے سوا متصور نہیں ہے اور وہ نفس ساک کے علاوہ (کہیں متصور) نہیں ہوتا:

ذّرہ گر بس نیک و ر بس بد بود گرچہ عمرے تگ زند در خور بود

یعنی: ذّرہ خواہ اچھا ہو یا بُد، خواہ عمر بھر کوشش کرے وہ ذّرہ ہی رہتا ہے۔

(سالمک) جو کچھ اپنے باہر سے مشاہدہ کرتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلائل و آثار کے مشاہدہ کی مانند ہوتا ہے، نہ

کہ اللہ جلّ سلطانہ کی ذات کا مشاہدہ۔

قطب الحقیقین سید العارفین ناصر الدین (حضرت) خواجہ عبید اللہ قدس سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ سیر دو طرح کی ہے: سیر مستطیل اور سیر مستدیر (گول سیر)۔ سیر مستطیل دوری ہی دوری ہے اور سیر مستدیر (گول سیر) قرب ہی قرب ہے۔

سیر مستطیل اپنے مقصود کو باہر سے تلاش کرنا ہے اور سیر مستدیر (گول سیر) اپنے دل کے آس پاس ہونا اور مقصود کو اپنے اندر ہی تلاش کرنا ہے۔

پس جو تجلیات حسی اور مثالی صورتوں میں اور ایسے ہی انوار کے پردوں میں ہوتی ہیں، وہ علم الیقین میں داخل ہیں، خواہ وہ کسی صورت میں ہوں اور کسی نور میں بھی ظاہر ہوں۔ وہ نور خواہ رنگین ہو یا بے رنگ ہو، خواہ وہ نور متناہی یا غیر متناہی ہو، کائنات کو محیط ہو یا نہ ہو۔

مخدومی حضرت مولوی عبدالرحمن جامی قدس اللہ سرہ السامی شرح لمعات میں اس شعر کے بیان میں فرماتے ہیں:

اے دوست ترا بہر مکان می جستم ہر دم خبرت ازیں و از آں می جستم

یعنی: اے دوست! میں تجھے ہر مکان میں تلاش کرتا تھا (اور) ہر آن اس سے اور اس سے تیرے بارے میں پوچھتا تھا۔ کہ اس شعر میں مشاہدہ آفاقی کی طرف اشارہ ہے جو علم الیقین کے لیے مفید ہے اور یہ شہود چونکہ مقصود سے کوئی خبر نہیں دیتا اور اس کا حضور نہیں بخشتا، سوائے اس کے کہ اپنے مطلوب کی علامت اور دلیل پیش کرتا ہے، یقیناً وہ دھوئیں اور گرمی کے شہود کی مانند ہے جو آگ کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ شہود دائرہ علم سے باہر نہیں آتا اور علم الیقین کے سوا کچھ مفید نہیں ہوتا اور یہ سالمک کے وجود کو فنا کرنے والا نہیں ہوتا۔

عین الیقین سے مراد حق سبحانہ کا شہود ہے، علم الیقین کی صورت میں معلوم ہونے کے بعد۔ اور یہ شہود سالمک کی فنا کو لازم کرتا ہے۔ اس شہود کے غلبہ میں سالمک کے وجود کا تعین بالکل گم ہو جاتا ہے اور اس کے شہود کی دید میں اس (تعین) کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا اور وہ اپنے مشہود میں فانی و نابود بن جاتا ہے اور یہ شہود ان بلند مرتبہ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ہاں ادراک بسیط سے تعبیر کیا گیا ہے اور (اسے) معرفت بھی کہتے ہیں۔ اس ادراک میں خواص و عوام شریک ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ خاص کو خلقت کا شہود حق جل و علا کے شہود سے مانع نہیں ہے، بلکہ ان کے شہود کی دید میں حق جل و علا کے سوا کچھ اور مشہود نہیں ہوتا۔ اور عوام کو (یہ شہود) مانع ہے، لہذا وہ اس شہود سے بالکل غافل رہتے ہیں اور (اس کے) ادراک کی خبر نہیں رکھتے۔ یہ عین الیقین، علم الیقین کا حجاب ہے۔ جس طرح کہ بیشک علم الیقین اس کا حجاب ہے۔ اس شہود کی تحقیق کے وقت میں سب حیرت و نادانی ہے۔ علم کی اس مقام ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

بعض اکابر قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا کہ علم الیقین عین الیقین کا حجاب ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس شخص

کی علامت جس نے حق تعالیٰ کو اس طرح پہچان لیا جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے، یہ ہے کہ وہ اس کے راز سے آگاہ ہو جاتا ہے، لیکن اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ پس یہ شخص اس معرفت میں کامل ہے جس سے اوپر کوئی معرفت نہیں ہے۔ بعض اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والا شخص وہ ہے جو اس میں سب سے زیادہ حیران و پریشان ہو۔

حق الیقین سے مراد حق سبحانہ کا شہود ہے۔ تعین کے دور ہونے اور متعین کے نابود ہونے کے بعد۔ لیکن عارف کے لیے یہ شہود حق سبحانہ سے حق جل و علا کی جانب ہوتا ہے، نہ کہ عارف کے ساتھ۔ (کیونکہ) وَلَا يَحْمِلُ الْعَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاہُ۔^(۱) یعنی: بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

اور یہ (شہود) بقا باللہ میں حاصل ہوتا ہے جو کہ بِيْ يَسْمَعُ وَ بِيْ يُبْصِرُ^(۲) کا مقام ہے۔ کیونکہ سالک کو فنائے مطلق کی تحقیق کے بعد جو کہ ذات و صفات کی فنا ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ شخص اپنی عنایت سے اپنے پاس سے ایک وجود بخشتا ہے اور حال کے سکرا اور بیخودی سے صحو اور ہوش میں لے آتا ہے اور اس وجود کو حق کا مرحمت فرمایا ہوا وجود کہتے ہیں۔ اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں بنتے۔ (عارف) عین شہود میں عالم ہے اور عین علم میں مشاہد۔ یہی اس کا اپنا تعین ہے جس کو عارف اس مقام میں حق عز شانہ کا عین پاتا ہے، نہ کہ تعین کوئی۔ کیونکہ اس کے شہود کی دید میں اس کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ اور تجلیات صورتیہ جن میں اپنے تعینات اور صورتوں کو حق تعالیٰ شانہ سمجھتے ہیں، سے مراد وہ تعینات کونیہ ہیں، جن کی جانب فنا نے راستہ نہیں پایا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے:

ع مَا لِلثَّرَابِ وَ رَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو پروردگار عالم سے کیا نسبت ہے۔

اگرچہ ظاہری عبارت میں عوام کے نزدیک تجلی صوری، جس میں خود کو حق پاتے ہیں اور حق الیقین کہ اس مقام میں بھی خود کو حق پاتا ہے، کے درمیان کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، لیکن تجلی صوری میں انا صورت پر پڑتا ہے اور حق الیقین میں حقیقت پر۔ نیز تجلی صورت میں (عارف) حق تعالیٰ شانہ کو اپنے ساتھ دیکھتا ہے اور اس مقام میں حق کو حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ دیکھتا ہے، (کیونکہ) حق کو اپنے ساتھ نہیں دیکھا جاسکتا۔ پس تجلی صوری میں شہود کا اطلاق مجاز کے طریقہ پر ہے، کیونکہ حق کو حق کے سوا نہیں دیکھا جاسکتا اور یہ حق الیقین کے مرتبہ میں ہوتا ہے، کیونکہ شہود کی حقیقت اس مقام میں متحقق ہوتی ہے۔ زمانے کے مشائخ جب اس فرق سے آگاہ نہ ہو سکے اور ان کو تعین کوئی کے علاوہ اس تعین کا علم نہ ہوا تو وہ ان اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم پر زبان طعن دراز کرنے لگے جنہوں نے حق الیقین کی ایسی تفسیر کی جو مقرر و ثابت ہو چکی ہے۔ نیز وہ گمان کرنے لگے کہ یہ تعین تجلی صوری میں بھی حاصل ہو جاتا ہے جو سلوک کا پہلا قدم ہے، جبکہ ان اکابر نے اس تعین کی تفسیر حق الیقین کے ساتھ کی ہے جو (سلوک کا) انتہائی قدم ہے۔ ان کا یہ خیال کس طرح درست ہو سکتا ہے جب کہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حق الیقین کو ان کو نہایت میں حاصل ہوتا ہے وہ ہم کو تجلی صوری میں حاصل ہوتا ہے جو ہمارا پہلا قدم ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (سورۃ بقرہ، ۲۱۳) یعنی: اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۷۸)

ملا عبد الکریم سنائی کے نام تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ ہر شخص کے لیے عقائد کو درست کرنے اور روشن شریعت کے تقاضا کے مطابق عمل کرنے کے بعد اپنے قلب کو حق جل و علا کے غیر سے سلامت رکھنا جو کہ نسیان (کھلاتا) ہے، ضروری ہے، نیز طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی ایک تعریف اور مردوں کی امداد و اعانت کی ترغیب دینے میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کے بیان میں)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ میرے پیارے بھائی کا پسندیدہ مکتوب پہنچا۔ خوشی کا سبب بنا۔ دوستوں کو جو نصیحت کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے) کی عقائد کی کتابوں کے مطابق عقائد کو درست کرنے کے بعد اور فقہی احکام، فرض و واجب، سنت و مستحب، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کے اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے بجا آوری کے بعد، دل کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے ماسوا کی گرفتاری سے سلامت رکھنا ضروری ہے۔ اور قلب کی سلامتی اس وقت میسر ہوتی ہے جب قلب میں حق جل و علا کے ماسوا کا گزر نہ ہو۔ بالفرض اگر زندگی ہزار سال وفا کرے تو بھی حق سبحانہ کے غیر کا دل میں گزر نہ ہو۔ اس معنی میں نہیں کہ چیزوں کا دل میں گزر ہو اور (سالک) ان کو حق جل و علا کا غیر نہ جانے، کیونکہ یہ مقصد تو شروع میں تو حید کا مراقبہ کرنے والوں کو بھی میسر ہو جاتا ہے، بلکہ اس معنی میں کہ چیزوں کا دل میں ہرگز گزر نہ ہو۔ ماسوا حق سبحانہ کے (دل میں) گزر نہ کرنے کی یہ حالت ایسے نسیان قلب پر مبنی ہوتی ہے کہ اگر تکلف سے بھی اس کو چیزیں یاد دلانا چاہیں تو بھی وہ (ان کو) یاد نہیں کرتا۔ اس دولت کو فناء قلب سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ اس راستے کا پہلا قدم ہے اور ولایت کے سب کمالات اس دولت کی فرع ہیں:

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا^(۱)

یعنی: کسی آدمی کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، باری تعالیٰ کی بارگاہ میں راستہ نہیں ملتا۔

اس دولت عظمیٰ کو پانے کے لیے سب سے زیادہ قریب راستہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ (کے اکابر) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے سیر کا آغاز عالم امر سے کیا ہے اور انہوں نے قلب سے قلب کے پھیرنے والے (اللہ تعالیٰ) کا راستہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کی بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے: ”ہمارا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے، مگر سنت کا لازم پکڑنا مشکل کام ہے۔“ فَطُوْبٰی لِمَنْ تَوَسَّلَ بِهِمْ وَافْتَدٰی بِهِدِيْهِمْ۔

یعنی: پس اس شخص کے لیے بشارت ہے جو ان کا وسیلہ پکڑے اور ان کی ہدایت کی اتباع کرے۔

مولوی جامی (قدس سرہ) فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند کہ برند از رہ پنہاں بحر م قافلہ را

از دل سالک رہ جاذبہ صحبتِ شاں مے برد و سوسہ خلوت و فکر چلہ را
قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعنِ قصور حاشا للہ کہ بر آرم بزباں ایں گلہ را
ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند رو بہ از حیلہ چساں بکسلد ایں سلسلہ را^(۲)

یعنی: نقشبندی بزرگ قافلے کے عجیب سالار ہیں جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک لے جاتے ہیں۔

- ♦ ان کی صحبت کی کشش سالک کے دل سے خلوت کا وسوسہ اور چلے کی فکر ختم کر دیتی ہے۔
- ♦ اگر کوئی کوتاہ نظر اس گروہ (نقشبندیہ) کو ناکامی کا طعنہ دے تو اللہ کی پناہ کہ میں اس شکایت کو زبان پر لاؤں۔
- ♦ جہان کے سارے شیر اسی سلسلے سے وابستہ ہیں، لومڑی مکر سے اس زنجیر کو کیسے کاٹ سکتی ہے۔

دوسری التماس یہ ہے کہ قاضی محمد شریف کا محبت بھرا مکتوب پہنچا، چونکہ وہ فقرا کی فرط محبت کی خبر دینے والا تھا، لہذا خوشی کا موجب بنا۔ اس فقیر کی دعا ان تک پہنچائیں۔

تیسرے، واضح ہو کہ برادر مرشد شیخ حبیب اللہ کا پسندیدہ مکتوب پہنچا۔ انہوں نے اپنے والد مرحوم کی وفات کا لکھا تھا۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. (سورۃ بقرہ، ۱۵۶)

یعنی: یقیناً ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

فقیر کی جانب سے دعا پیش کر کے مصیبت پر تعزیت کر دیں اور کہیں کہ وہ دعا و فاتحہ اور صدقہ و استغفار سے اپنے والد مرحوم کی مدد اور اعانت کریں۔ فَإِنَّ الْمَيِّتَ كَالْغَرِيقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةَ تَلَحُّفُهُ مِنْ أَبِي أَوْ أُمِّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ.^(۳)

یعنی: پس بیشک مردہ ڈوبنے والے کی طرح ہوتا ہے۔ وہ دعا کا منتظر رہتا ہے جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔

چوتھے، یہ معلوم ہو کہ شیخ احمدی ان بزرگواروں کا طریقہ اخذ کر کے متاثر ہو گیا ہے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ (ان کو) اس پر استقامت کرامت فرمائے۔

موصوف چونکہ اسلام میں نیا داخل ہوا ہے، اس کو عقائد کلامیہ، جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں، کی تعلیم دیں۔ اسی طرح فقہی احکام کی بھی تعلیم دیں، تاکہ وہ فرض و واجب، سنت و مستحب، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ کی پہچان کر لے اور ان کے تقاضا کے مطابق زندگی گزارے۔ کتاب گلستان اور بوستان کا پڑھنا اور پڑھانا اس کے لیے بیکار کام ہے۔

مکتوب نمبر (۲۷۹)

ملاحسن کشمیری کو تحریر فرمایا۔ ان کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے بیان میں کہ انہوں نے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی جانب رہنمائی کی تھی اور حضرت عالی (خواجہ محمد باقی باللہ) قدس سرہ الاقدس کی صحبت و خدمت کا شوق دلایا تھا اور اس کے ضمن میں اللہ جل سلطانہ کی ان نعمتوں کا اظہار ہوا ہے جو ان کے توسط سے نصیب ہوئی ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو گرامی نامہ از روئے کرم والتفات اس فقیر کے نام تحریر کیا تھا وہ جناب مولانا مہدی علی نے پہنچایا۔ بہت زیادہ خوشی کا موجب بنا۔ سلامت رہیں۔

پوچھا گیا تھا کہ شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ کی یہ عبارت: سَبَبُ تَرْقِیْبِ خَلَاْفَتِهِمْ مُدَّةُ اَعْمَارِهِمْ (یعنی: ان کی خلافت کی ترتیب کا سبب ان کی عمروں کی مدت ہے) ان کی تصنیفات میں سے کس کتاب میں درج ہے؟ میرے مخدوم! فقیر نے اس عبارت کو ایک مدت ہوئی ہے کہ فتوحات مکیہ میں دیکھا تھا۔ اب ہر چند تلاش کیا، وہ مقام ملا نہیں۔ اگر دوسری بار نظر آ گیا تو آگاہ کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دوسرے یہ کہ فقیر آپ کی رہنمائی کرنے کی نعمت کے اعتراف میں قصور وار ہے اور آپ کے اس احسان کا بدلہ دینے میں عجز کا معترف ہے۔ یہ سارا کاروبار اسی نعمت پر مبنی ہے اور یہ سب نگاہ و عطا اسی احسان سے وابستہ ہے۔ آپ کے حسنِ توسط سے (فقیر کو) وہ کچھ دیا گیا ہے جو کسی نے کم ہی دیکھا ہے اور آپ کے وسیلہ کی برکت سے وہ کچھ (فقیر کو) بخشا گیا ہے جو کسی نے کم ہی چکھا ہے۔ خاص عطاؤں سے اس قدر عطیے عطا فرمائے گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کو اس طرح کے عام عطیات اس مقدار میں میسر نہیں ہوئے ہیں۔ احوال و مقامات، اذواق و مواجید، علوم و معارف اور تجلیات و ظہورات سب کو عروج کے راستے کے زینے بنا کر قرب کے مدارج اور وصول کی منازل تک پہنچا دیا گیا ہے۔

قرب اور وصول کا لفظ عبارت کے میدان کی تنگی کے پیش نظر اختیار کیا گیا ہے، ورنہ وہاں نہ قرب ہے اور نہ وصول۔ اور نہ عبارت ہے اور نہ اشارت۔ نہ شہود ہے اور نہ حلول۔ نہ اتحاد ہے اور نہ کیف۔ نہ ایں ہے اور نہ آں۔ نہ زمان ہے اور نہ مکان۔ نہ احاطہ ہے اور نہ سریان۔ نہ علم ہے اور نہ معرفت، اور نہ نادانی اور نہ حیرت:

چہ گویم با تو از مرغے نشانه کہ با عنقا بود ہم آشیانه
ز عنقا هست نام پیش مردم ز مرغے من بود آن نام ہم گم

یعنی: میں تجھے اس پرندے کا پتا کیا بتاؤں، کیونکہ وہ عنقا کا ہم گھونسلہ ہے۔

✦ عنقا کا نام تو لوگ جانتے ہیں، میرے اس پرندے کا نام بھی نامعلوم ہے۔

چونکہ اللہ جل سلطانہ کے ان احسانات کے اظہار میں جن کا ظہور عالم اسباب میں آپ کی اسی نعمت کی بدولت ہوا ہے، آپ کی نعمت کا شکر یہ بھی شامل تھا، لہذا چند فقروں کے تحت درج کر کے لکھا گیا ہے، تاکہ ذرہ بھر آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا جائے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ عَلَی سَائِرِ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَ التَّزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوٰتُ وَ التَّسْلِیْمٰتُ۔ یعنی: اور آپ کو اور ان تمام لوگوں کو جو ہدایت کی بات مانیں اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کو لازم پکڑیں، سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۸۰)

حافظ محمود کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ اس گروہ کی محبت سعادتوں کا سرمایہ ہے اور جس شخص کو اس نعمت سے مشرف کریں اور استقامت بخشیں، اسے سب کچھ عطا فرمادیتے ہیں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (وسلام) اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔
واضح ہو کہ آپ نے جو مکتوب شریف جناب مولانا مہدی علی کے ذریعے ارسال کیا تھا، وہ پہنچا (اور) خوشی کا موجب بنا۔ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ۔ (اللہ سبحانہ کی حمد ہے) کہ فقراء کی محبت جو دنیا و آخرت کی سعادتوں کا سرمایہ ہے، وہ (آپ میں) کامل پختگی رکھتی ہے اور زیادہ دنوں کی جدائی نے اس میں کوئی اثر نہیں کیا۔

دو چیزوں کی محافظت لازم ہے، صاحب شریعت (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی فرمانبرداری اور شیخ مقتداء کی محبت و اخلاص۔ ان دو چیزوں کے ساتھ جو کچھ عطا کریں وہ ایک نعمت ہے اور اگر کچھ نہ دیں اور یہ دو چیزیں مضبوط ہوں تو پھر کوئی غم نہیں ہے، آخر کار دے دیں گے۔ اللہ سبحانہ کی پناہ! اگر ان دو چیزوں میں سے ایک میں خلل پڑ گیا اور اس کے باوجود احوال و اذواق اپنے حال پر ہیں تو اس کو استدراج جانا چاہیے اور اپنی خرابی خیال کرنا چاہیے۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفَّقِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔
والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۸۱)

سیادت مآب میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے منتسب ہونے کی نعمت کے شکر میں اور یہ کہ اس طریقہ میں تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر کمالات نبوت کی جانب راستہ کھول دیتے ہیں اور جو شخص اس طریقہ میں اپنے خوابوں اور واقعات کو بنیاد (بنائے) اور (ان پر) بھروسہ کرے اور نئے امور پیدا کرے اور اس کے آداب کی رعایت نہ کرے، وہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہے۔ نیز جو کچھ اس کے مناسب ہے (اس کا بیان)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
(فقیر) اس نعمت عظمیٰ کا شکر کس زبان سے بجالائے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہم فقیروں کو اہل سنت و جماعت شاکر اللہ تعالیٰ سَعِيْهِمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کی صائب آراء کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح کے بعد طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک سے مشرف فرمایا اور اس بزرگ خاندان کے مریدوں اور نسبت رکھنے والوں سے بنایا۔

اس فقیر کے نزدیک اس طریقہ میں ایک قدم رکھنا دوسرے طریقوں کے ساتھ قدموں سے بہتر ہے۔ جو راستہ تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر کمالات نبوت کی جانب کھولا جاتا ہے، وہ اس طریقہ عالیہ سے مخصوص ہے۔ دوسرے طریقوں کی نہایت کمالات ولایت کی انتہا تک ہے۔ وہاں سے کمالات نبوت کی جانب کوئی راستہ نہیں کھولا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسائل میں لکھا ہے کہ ان بزرگوں کا طریقہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ ہے۔ جس طرح صحابہ کرامؓ نے وراثت کے طور پر کمالات نبوت سے بہت زیادہ حصہ حاصل کیا ہے، اسی طرح اس طریقہ کے منتہی بھی تبعیت (پیروی) کے طریقہ سے کامل نصیب پاتے ہیں۔ مبتدی اور متوسط (ساکین) جنہوں نے اس طریقہ کو لازم پکڑ رکھا ہے اور وہ اس

طریقہ کے منتہیوں کے ساتھ کامل محبت رکھتے ہیں، وہ بھی امیدوار ہیں، کیونکہ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. ^(۱) یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

دور پڑے ہوئے لوگوں کے لیے یہ ایک بشارت ہے۔ اس طریقہ میں ناکام اور نقصان اٹھانے والا شخص وہ ہے جو اس طریقہ میں داخل ہو اور اس طریقہ کے آداب کی رعایت نہ کرے اور نئے امور اس طریقہ میں پیدا کرے اور وہ اپنے خوابوں اور واقعات کے بھروسے پر اس طریقہ کے خلاف اقدام کرے۔ اس صورت میں طریقہ کا کیا قصور ہے، وہ اپنے خوابوں اور واقعات کے اس راستے پر چل رہا ہے جو ترکستان کا رخ رکھتا ہے اور اس نے (اپنے) اختیار سے کعبہ کے راستے سے منہ پھیر لیا ہے:

ترسم نری بکعبہ اے اعرابی این راہ کہ تو می روی بترکستان است
یعنی: اے اعرابی! میں ڈر رہا ہوں کہ تو کعبہ نہیں پہنچ پائے گا، (کیونکہ) جس راستے پر تو چل رہا ہے (وہ) ترکستان کو جاتا ہے۔

مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اس راستے کے دوستوں کی جمعیت (اطمینان) اور طالبین کی سرگرمی کے باوجود آپ کو اس جگہ سے بیجا کر دوں۔ اس سے پہلے اگر اس علاقے کی سیر کا اشارہ ہوا تھا تو وہ شرائط سے مشروط تھا، اب بھی شرائط پر مشروط ہے۔ مکرر استخاروں اور شرح قلب کے بعد بغیر شبہ و بلا تردد اور اپنی جگہ کسی شخص کو بٹھانے کے بعد، اس طرح کہ پہلی حالت میں کوئی فتور راہ نہ پائے۔ اگر آپ اس علاقے کی جانب متوجہ ہوں تو گنجائش ہے اور بغیر ان شرائط کے وہاں کے معاملہ کو خراب نہ کریں اور طالبین کی جمعیت (اطمینان) میں فتور نہ ڈالیں۔ (اس سے) زیادہ کیا مبالغہ کروں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۸۲)

میاں شیخ بدیع الدین کو تحریر فرمایا۔ حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کے بیان میں اور تھوڑا سا ان کے حالات کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

ایک مدت ہوئی ہے کہ دوست حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کے بارے میں پوچھتے تھے۔ فقیر کو چونکہ ان کے حالات سے پوری طرح آگاہ نہیں کیا گیا تھا، لہذا وہ جواب میں توقف کیا کرتا تھا۔ اتفاق سے آج صبح کے حلقہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام روحانی صورت میں حاضر ہوئے۔ اور روحانی ملاقات میں حضرت خضر (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہم عالم ارواح میں سے ہیں اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے ارواح کو کامل قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ جسموں کی صورت میں ظاہر ہوں، (لہذا) جو کام جسموں سے وقوع پذیر ہوتے ہیں، وہ جسمانی حرکات و سکنات اور بدنی طاعات و عبادات ہمارے روحوں سے صادر ہوتی ہیں۔

اسی اثناء میں حضرت (خضر علیہ السلام) سے پوچھا گیا کہ آپ (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم شرعی احکام کے مکلف نہیں ہیں، کیونکہ قطب مدار کے اہم کام ہم سے وابستہ

کیے گئے ہیں اور قطب مدار امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مذہب پر ہیں، (لہذا) ہم بھی ان کے پیچھے امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔

اس وقت معلوم ہوا کہ ان کی طاعات پر جزا مرتب نہیں ہے، وہ طاعات کی ادائیگی میں اہل طاعت کی موافقت کرتے ہیں اور عبادت کی صورت کی رعایت کرتے ہیں۔

نیز معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات کی موافقت فقہ شافعی کے ساتھ ہے اور نبوت کے کمالات کی مناسبت فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ بالفرض اگر اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو وہ فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتا۔

اس وقت حضرت خولجہ محمد پارسا قدس سرہ کی اس بات کی حقیقت معلوم ہوئی جو انہوں نے فصول ستہ میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول کے بعد (حضرت) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ اس وقت (فقیر کے) دل میں آیا کہ ان دونوں بزرگواروں سے گدائی کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کی عنایت جس شخص کے شامل حال ہو، وہاں ہمارا کیا دخل ہے۔ گویا انہوں نے خود کو درمیان سے نکال لیا اور حضرت الیاس علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گفتگو میں کوئی بات نہیں فرمائی۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۸۳)

صوفی قربان بیگ کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں کہ معراج کی رات حضرت خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی رویت (باری تعالیٰ) دنیا میں واقع نہیں ہوئی ہے، بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔

آپ نے پوچھا تھا کہ اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ رویت (باری تعالیٰ) دنیا میں واقع نہیں ہے، حتیٰ کہ اکثر علمائے اہل سنت نے معراج کی رات میں حضرت خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی رویت (باری تعالیٰ) سے منع کیا ہے۔ قَالَ حُجَّةُ الْإِسْلَامِ وَالْأَصْحَحُ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا رَأَى رَبَّهُ لَيْلَةَ الْمَعْرَاجِ.

یعنی: حجتہ الاسلام (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معراج کی رات اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا۔

اور آپ (حضرت مجدد قدس سرہ) نے اپنے رسائل میں آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت (باری تعالیٰ) کے دنیا میں واقع ہونے کا اعتراف کیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

(اس کے) جواب میں ہم کہتے ہیں کہ معراج کی رات میں آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت (باری تعالیٰ) دنیا میں واقع نہیں ہوئی، بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رات میں چونکہ مکان و زمان کے دائرہ سے باہر تشریف لے گئے اور مکان کی تنگی سے باہر تشریف فرما ہو گئے تھے، (لہذا) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک آن میں ازل اور ابد کو پالیا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابتدا اور انتہا کو ایک نقطہ میں متحد دیکھا اور جو اہل بہشت کئی ہزار سال بعد بہشت میں جائیں گے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو بہشت میں دیکھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (حضرت) عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہ) کو بہشت میں دیکھا جو فقراء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پانچ سو سال

بعد بہشت میں داخل ہوں گے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ وہ اس مدت کے گزرنے کے بعد بہشت میں داخل ہوئے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے اس توقف کا راز دریافت فرمایا۔

پس وہ رویت (باری تعالیٰ) جو اس مقام میں واقع ہوئی، وہ آخرت کی رویت (باری تعالیٰ) میں داخل ہے اور وہ اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو (دنیا میں) رویت (باری تعالیٰ) کے عدم وقوع پر ہوا ہے اور اس کو (باری تعالیٰ کی) رویت دنیاوی کہنا مجاز پر محمول ہے اور ظاہر پڑتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ۔
یعنی: اور سب امور کی حقیقتوں کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۸۴)

ملا عبد القادر انبالی کو تحریر فرمایا۔ اس بیان میں احوال و مواجید عالم امر کا حصہ ہیں اور ان احوال کا علم عالم خلق سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ معرفت پہلے معارف میں سے ہے۔ معاملے کی حقیقت وہ ہے جو حضرت مخدوم زادہ کلاں (حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کے نام مکتوب (نمبر ۲۶۰) میں طریقت کے بیان میں تحریر ہوئی ہے۔
جاننا چاہیے کہ انسان عالم خلق سے مرکب ہے جو اس کا ظاہر ہے اور عالم امر سے جو اس کا باطن ہے۔ احوال و مواجید اور مشاہدات و تجلیات جو ابتدا اور وسط میں ظاہر ہوتے ہیں وہ انسان کے عالم امر کا حصہ ہیں اور اسی طرح حیرت و نادانی اور عجز و ناامیدی جو انتہا میں حاصل ہوتی ہے، وہ بھی انسان کے عالم امر کا نصیب ہے جو انسان کا باطن ہے۔ ظاہر کو بھی بمطابق:

ع وَ لِلْأَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيبٌ

یعنی: اور کریم لوگوں کے پیالے سے زمین کو بھی (حصہ) نصیب ہوتا ہے۔

واردات کی قوت کے وقت اس چیز سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ اگرچہ (اسے) ثبات اور استقامت نہیں ہے، لیکن ایک طرح کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور بالذات جو کام انسان کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے وہ ان احوال کا علم ہے۔ کیونکہ باطن کو احوال حاصل ہوتے ہیں، نہ کہ ان کا علم۔ احوال اگر ظاہر نہ ہوتے تو دانش و تمیز کا راستہ نہ کھلتا۔ مثالی صورتوں اور معراج کے مقامات کا ظہور، ظاہری ادراک کے لیے ہی ہے۔ پس حال باطن کے لیے اور اس حال کا علم ظاہر کے لیے ہے۔
اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو اولیاء صاحب علم ہیں، اور وہ جو کہ علم سے بے نصیب ہیں، دونوں احوال کے نفس حصول میں کوئی فرق نہیں رکھتے۔ اگر (ان میں) کوئی فرق ہے تو وہ ان احوال کے علم کے راستے سے ہے اور ان (احوال) کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

مثلاً وہ شخص جس پر بھوک کی حالت طاری ہوگئی ہے اور اس نے (اسے) بیقرار اور بے آرام کر دیا ہے، اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس حالت کو بھوک کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرا آدمی جس پر اسی حالت کا طاری ہونا ثابت ہو چکا ہے، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس حالت کو بھوک سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس یہ دونوں شخص اس حالت کے نفس حصول میں برابر ہیں، (ان میں) سوائے جاننے اور نہ جاننے کے کوئی فرق نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ جو جماعت علم نہیں رکھتی، اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو احوال کے نفس حصول کا

علم نہیں رکھتے اور ان کی تلویحات سے اصلاً واقف نہیں ہیں اور دوسرے گروہ (کے لوگ) ایسے ہیں جو احوال کی تلویحات کی خبر رکھتے ہیں، لیکن احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ اگرچہ احوال کی تشخیص نہیں کر سکتے لیکن ارباب علم میں داخل ہیں اور مشیخت کے لائق ہیں۔ احوال کی تشخیص ہر شیخ کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ دولت طویل صدیوں کے بعد ظاہر ہوتی ہے، حتیٰ کہ کسی کو اس دولت سے نوازتے ہیں اور دوسروں کو اس کے علم کے حوالے فرما کر اس کا طفیلی بناتے ہیں۔ اولوالعزم انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیما علیہم بڑی مدتوں کے بعد مبعوث ہوتے تھے اور ان میں سے ہر ایک ممتاز (شرعی) احکام کے ساتھ مخصوص ہوتا تھا اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰات والتحیات ان کی تبعیت (پیروی) پر مامور ہوتے تھے اور دعوت میں انہی احکام پر اکتفا فرماتے تھے:

ع خاص کند بندہ مصلحت عام را

یعنی: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحت عام کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۸۵)

میر سید محبت اللہ مانگپوری کو تحریر فرمایا۔ سماع و وجد اور رقص کے احکام اور بعض ان معارف کے بیان میں جو روح سے متعلق ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ. (سورۃ نمل، ۵۹)
یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔ ساری تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت بخشے اور نیکی کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جان لیں کہ سماع و وجد اس جماعت کے لیے مفید ہے جو حالات کے بدلنے سے موصوف ہیں اور اوقات کی تبدیلی کے ساتھ داغدار ہیں۔ ایک وقت میں حاضر ہیں اور دوسرے وقت میں غائب ہیں۔ کبھی پانے والے ہیں اور کبھی گم کرنے والے ہیں۔ وہ ایسے ارباب قلوب ہیں جو تجلیات صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی جانب اور ایک نام سے دوسرے نام کی طرف منتقل اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ احوال کا تلون (تبدیلی) ان کے شامل حال ہے اور امیدوں کی پراگندگی ان کے مقام کا حاصل ہے۔ حال کا دوام ان کے حق میں محال ہے اور وقت کا ایک ہی کیفیت پر قائم رہنا ان کے شایان شان نہیں۔ وہ ایک زمانہ قبض میں ہیں اور ایک زمانہ بسط میں ہیں۔ یہ لوگ ابن الوقت ہیں اور اس کے مغلوب ہیں۔ ایک بار عروج کرتے ہیں اور دوسری بار نیچے آ جاتے ہیں۔

ارباب ”تجلیات ذاتیہ“ جو پوری طرح مقام قلب سے نکل کر مقلب قلب (حق تعالیٰ شانہ) کے ساتھ جڑ گئے ہیں اور کلی طور پر احوال کی غلامی سے باہر آ کر احوال کے بدلنے والے (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ آزاد بن گئے ہیں، وہ سماع اور وجد کے محتاج نہیں ہیں، کیونکہ ان کا وقت دائمی ہے اور ان کے حال کی شان ابدی ہے۔ (یہ ہی) نہیں، بلکہ ان کے لیے نہ وقت ہے اور نہ حال۔ پس یہ ابوالوقت ہیں اور اصحاب تمکین ہیں۔ اور ایسے واصل ہیں جن کے لیے واپسی بالکل نہیں اور نہ ہی ان کے لیے

عدم یافت ہے، کیونکہ جس شخص کے لیے غیبت اور عدم یافت نہیں ہے، اس کے لیے یافت بھی نہیں ہے۔
ہاں! منتہی لوگوں کی ایک قسم ہے جن کے لیے دوام وقت کے باوجود سماع بھی مفید ہے۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ
اس بحث کے آخر میں لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اگر سوال کریں کہ حضرت خاتم النبیین علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے فرمایا ہے: لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتُ لَا يَسْعُنِيْ فِيْهِ
مَلَكٌ مُّقْرَبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ^(۱)۔

یعنی: میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل شریک نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت دائمی نہیں ہوتا؟

ہم (اس کے) جواب میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں بعض مشائخ نے اس وقت سے دائمی
وقت ہی مراد لیا ہے۔ اُنْ لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتُ مَسْتَمِرٌّ۔ یعنی: مجھے اللہ سبحانہ کے ساتھ ہمیشہ ایسا وقت نصیب ہے۔
پس (اس طرح) کوئی اشکال نہ رہا۔ ہم (اس کا) ایک دوسرا جواب دیتے ہیں کہ ”دائم“ وقت میں کبھی کبھی ایک خاص
کیفیت حاصل ہوتی ہے۔“ ہو سکتا ہے کہ وقت سے ان کی مراد (ایک) نادر وقت ہو اور یہی نادر کیفیت ہو۔ اس طرح بھی یہ
اشکال زائل ہو جاتا ہے۔

اگر سوال کریں کہ نغمہ کے سماع میں ہو سکتا ہے کہ یہ نادر کیفیت کوئی دخل رکھتی ہو۔ لہذا منتہی بھی اس کیفیت کے حاصل
کرنے میں سماع کا محتاج ہے؟

ہم (اس کے) جواب میں کہتے ہیں کہ اس کیفیت کا ثبوت غالباً نماز کی ادائیگی کے وقت (حاصل ہوتا) ہے اور اگر کبھی
نماز سے باہر میسر آتی ہے تو وہ بھی اس کے نتائج و ثمرات میں سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ (اس) حدیث میں اسی نادر کیفیت کی
طرف اشارہ ہو: قُوَّةٌ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔^(۲) یعنی: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

نیز حدیث میں آیا ہے: اقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلٰوةِ۔^(۳)

یعنی: بندہ (اپنے) رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (سورہ علق، ۱۹)

یعنی: اور سجدہ کر اور (اپنے رب کے) قریب ہو جا۔

شک نہیں ہے کہ جس وقت میں اللہ جل شانہ کا قرب زیادہ ہوتا ہے، اس وقت میں حق (تعالیٰ) کے غیر کی نفی کی گنجائش
بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس حدیث اور اس (آیت) کریمہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت نماز میں ہے۔ وقت
کے دوام اور وصل کے دوام پر مشائخ کا اتفاق ہے۔ (حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے:

مَا رَجَعَ مَنْ رَجَعَ اِلَّا مِنَ الطَّرِيقِ وَمَنْ وَصَلَ لَا يَرْجِعُ۔

یعنی: جو شخص بھی واپس لوٹا وہ راستے ہی سے واپس لوٹا اور جو اصل ہو اوہ کبھی واپس نہیں لوٹا۔

یادداشت جس سے مراد جناب قدس خداوندی جل سلطانہ کے ساتھ دوام حضور ہے، حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ

ارواجم کے طریقہ میں مقرر شدہ امر ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دوام وقت کا انکار کرنا نارسائی کی علامت ہے۔ مشائخ کی ایک چھوٹی سی جماعت، جیسے ابن عطا (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان جیسے دوسرے لوگ جو واصل کے لیے صفات بشریت کی طرف رجوع کے جواز کے قائل ہوئے ہیں اور ان کی اس بات سے دوام وقت کا نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے، وہ بھی رجوع کے جواز میں اختلاف رکھتے ہیں، نہ کہ (اس کے) وقوع میں۔ کیونکہ رجوع ہرگز واقع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اس کے ارباب پر مخفی نہیں ہے۔ پس مشائخ کا عدم رجوع پر اجماع ثابت ہو گیا اور بعض کا رجوع کے خلاف جواز بھی ثابت ہو گیا۔ ایسے ہی ہے۔

منتہیوں میں سے ایک گروہ ہے جن کو درجات کمال اور جمال لایزال کا مشاہدہ حاصل ہونے کے بعد سخت سردی میسر ہو جاتی ہے اور کامل تسکین حاصل ہو جاتی ہے جو ان کو وصول کی منزلوں کے عروج سے روکتی ہے، کیونکہ ان کو وصول کی منزلیں ابھی درپیش ہوتی ہیں اور انہوں نے قرب کے درجات کو انتہا تک طے نہیں کیا ہوتا۔ اس سردی کے باوجود وہ عروج کی جانب میل ہوتے ہیں اور مطلوب کے کمال کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس صورت میں سماع ان کے لیے مفید اور حرارت بخشنے والا ہوتا ہے۔ ان کو ہر وقت سماع کی مدد سے قرب کی منازل کا ایک عروج میسر ہوتا ہے۔ تسکین کے بعد وہ ان منازل سے نیچے آ جاتے ہیں، لیکن عروج کے ان مقامات میں سے ایک رنگ ساتھ لاتے ہیں اور اس رنگ سے رنگین ہو جاتے ہیں۔ یہ یافت عدم یافت کے بعد نہیں ہوتی، کیونکہ عدم یافت ان کے حق میں مفقود ہے، بلکہ دوام وصل کے باوجود (یہ یافت) وصول کی منازل کی ترقی کے لیے ہے۔ منتہیوں اور واصلین کا سماع اور وجد اسی قسم کا ہے۔ ہاں! فنا و بقا کے بعد ان کو اگرچہ جذبہ عطا فرماتے ہیں، لیکن چونکہ سردی قوت رکھتی ہے اور تنہا جذبہ عروج کی منزلوں کی ترقی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہوتا، لہذا (یہ لوگ) سماع کے محتاج بن جاتے ہیں۔

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کا ایک دوسرا گروہ ہے جن کے نفوس قدسیہ درجہ ولایت کے وصول کے بعد مقام بندگی میں نیچے آ جاتے ہیں اور ان کی ارواح نفس کی مزاحمت کے بغیر اپنے اصلی مقام میں جناب قدس کی طرف متوجہ ہیں۔ روح کو ہر وقت نفس مطمئنہ کے مقام سے جو مقام بندگی میں متمکن اور راسخ ہو چکا ہے، ایک مدد پہنچتی ہے اور روح کو اس امداد کے ذریعے مطلوب کے ساتھ مناسبت خاصہ پیدا ہو جاتی ہے۔ ان بزرگواروں کا آرام عبادات میں ہے اور تسکین بندگی و طاعات کے حقوق ادا کرنے میں ہے۔ ان کی فطرت میں عروج کی رغبت کم ہے اور ان کے بواطن میں بلندی کی طرف چڑھنے کا شوق تھوڑا ہے۔ ابھی ان کے وقت کی پیشانی شریعت کی متابعت سے روشن ہے اور سنت کی اتباع کے سرمہ سے ان کے باطن کی آنکھ سرگمیں ہے، لہذا وہ تیز نظر ہیں۔ دور سے ایک چیز دیکھ لیتے جس کے دیکھنے سے قریب والوں کی آنکھیں عاجز ہیں۔ اگرچہ وہ عروج کمتر رکھتے ہیں، لیکن نورانی ہیں اور نور اصل سے منور ہیں اور اسی مقام میں شانِ عظیم رکھتے ہیں اور جلیل القدر ہیں۔ ان کو سماع اور وجد کی حاجت نہیں ہے۔ عبادات ان کے لیے سماع کا کام کرتی ہیں اور اصل کی نورانیت عروج سے کفایت کرتی ہے۔

اہل سماع اور وجد میں سے مقلدین کی ایک جماعت جو ان بزرگواروں کی عظمتِ شان سے واقف نہیں ہے، یہ خود کو عشاق میں سے اور ان بزرگواروں کو خشک زادوں میں سے تصور کرتی ہے۔ گویا یہ لوگ عشق و محبت کو رقص اور وجد میں منحصر سمجھتے ہیں۔

منتہیوں میں سے ایک دوسرا گروہ ایسے لوگوں کا ہے جن کو سیر الی اللہ کی منازل طے کرنے اور بقا باللہ کے تحقق ہو جانے

کے بعد قوی جذبہ عنایت فرماتے ہیں اور جذب کے حلقہ سے کھینچتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ سردی کی تاثیر وہاں ممنوع ہے اور تسکین ان کے لیے جائز نہیں ہے (اور) وہ عروج میں عجیب امور کے محتاج نہیں ہیں۔ سماع اور رقص کو ان کی خلوت کے تنگ کوچہ میں دخل نہیں ہے اور وجد تو اجد کا ان کے ساتھ کچھ سر و کار نہیں۔ وہ اس انجدانی عروج کے ساتھ ممکن الوصول کے مرتبہ کی انتہا کے آخر تک پہنچ جاتے ہیں اور آنسور علیہ الصلوٰۃ والتحمیات کی متابعت کے ذریعے اس مقام سے ایک حصہ پاتے ہیں جو آنسور علیہ الصلوٰۃ والتحمیۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس قسم کا وصول لوگوں کے اس گروہ کے ساتھ مخصوص ہے (اور) اقطاب بھی اس مقام سے نصیب نہیں رکھتے۔

اگر محض اللہ جل سلطانہ کے فضل سے (مرتبہ) نہایت نہایت تک اس قسم کے پہنچنے والے کو خلقت کی طرف واپس لوٹائیں اور طالبین حق کی تربیت اس کے حوالے کر دیں تو اس کا نفس بندگی کے مقام میں نیچے آ جاتا ہے اور اس کی روح نفس کی آمیزش کے بغیر جناب مقدس کی جانب متوجہ رہتی ہے۔ یہی شخص نیچے آنے کے کمالات کا جامع اور قطبیت کی تکمیلات کا احاطہ کرنے والا ہے۔ یہاں قطب سے ہماری مراد قطب الارشاد ہے، قطب الاوتاد نہیں۔ اس کو ظلی مقامات کے علوم اور اصلی مدارج کے معارف میسر ہیں، بلکہ جس مقام میں وہ ہے وہاں نہ ظل ہے اور نہ اصل۔ کیونکہ اسے ظل اور اصل سے عبور کرایا گیا ہے۔ اس قسم کا کامل مکمل بہت زیادہ عزیز الوجود ہے۔ اگر طویل صدیوں اور بیشمار زمانوں کے بعد ظاہر ہو تو بھی غنیمت ہے۔ اس سے ایک جہان منور ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ قلبی امراض کے لیے شفا بخش ہے اور اس کی توجہ ناپسندیدہ بیکار اخلاق کو دور کرنے والی ہے۔ کیونکہ وہ عروج کے درجات کی تکمیل کر کے بندگی کے مقام میں نیچے آ گیا ہے اور اس نے عبادات کے ذریعے آرام اور انس حاصل کیا ہے۔

اس گروہ میں سے منتخب کر کے بعض کو اس مقام عبودیت سے مشرف کر دیتے ہیں جس سے اوپر مقاماتِ ولایت میں کوئی مقام نہیں ہے اور محبوبیت کے منصب کی قابلیت بھی ان کے لیے مسلم ہوتی ہے۔ (ایسا شخص) مرتبہ ولایت کے تمام کمالات کا جامع اور درجہ دعوت کے تمام مقامات کا احاطہ کرنے والا ہے، وہ ولایتِ خاصہ اور کمالاتِ نبوت سے بہرہ مند ہے۔ الغرض اس کی شان میں یہ مصرع صادق (آتا) ہے:

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
یعنی: جو کمالات سارے حسین (الگ الگ) رکھتے ہیں تو تنہا ان سب کا مالک ہے۔
اس کو خوب سمجھ لو۔

مبتدی کے لیے سماع و وجد نقصان دہ اور عروج کے منافی ہے خواہ شرائط کے ساتھ ہو۔ سماع کی شرائط میں تھوڑا سا اس مکتوب کے آخر میں لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس (مبتدی) کا وجد علت کے ساتھ ہے، (لہذا) اس کا حال وبال ہے۔ اس کی حرکت طبعی ہے اور اس کے حرکت کرنے میں نفسانی خواہش مخلوط ہے۔ مبتدی سے میری مراد وہ شخص ہے جو اربابِ قلوب میں سے نہ ہو اور اربابِ قلوب مبتدیوں اور منتہیوں کے درمیان ہیں اور منتہی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔ وہ کامل واصل ہے۔ انتہا کے کئی درجات

ہیں، جن میں بعض بعض سے بلند ہیں اور وصول کے اتنے مراتب ہیں کہ ابدالاً باتک طے نہیں ہو سکتے۔

الغرض سماع متوسطین کے لیے مفید ہے اور ایک قسم کے منتہیوں کے لیے بھی، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ اربابِ قلوب بھی سماع کے ہر گز محتاج نہیں ہیں، بلکہ (سماع) ان لوگوں کے لیے ہے جو جذب کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں اور جو سخت ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے مسافت طے کرنا چاہتے ہیں۔ سماع اور وجد اس صورت میں اس جماعت (کے لوگوں) کے لیے مددگار اور معاون ہے۔ اگر اربابِ قلوب مجذوبوں میں سے ہوں تو ان کی سیر کی مسافت کو طے کرنے کے لیے جذبہ کی مدد کی ضرورت ہے، وہ سماع کے محتاج نہیں ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ غیر مجذوب اربابِ قلوب کے لیے بھی سماع ہر گز مفید نہیں ہے، بلکہ اس سے نفع اٹھانا چند شرائط سے مشروط ہے۔ وَبَدْوْنَهَا خَرَطُ الْفِتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

(سماع کی) ان شرائط میں سے ایک شرط اپنے کمال کا اعتقاد نہ ہونا ہے اور اگر وہ اپنی کمالت کا معتقد ہے تو پھر گرفتار ہے۔ ہاں! سماع اس کو ایک قسم کا عروج بخشتا ہے، لیکن وہ تسکین کے بعد اس مقام سے نیچے آ جاتا ہے۔ اس (سماع) کی دوسری شرائط وہ ہیں جو صحیح حالات (رکھنے والے) اکابر کی کتابوں، مثلاً ”عوارف المعارف“ وغیرہ میں واضح ہوئی ہیں۔ جن میں سے اکثر اس زمانے کے لوگوں میں مفقود ہیں، بلکہ اس قسم کا سماع و رقص جو اس وقت جاری ہو چکا ہے اور اس طرح کا اجتماع جو اس زمانے میں مروّج ہو چکا ہے، شک نہیں ہے کہ (یہ) محض نقصان دہ اور بالکل منافی ہے۔ عروج یہاں کوئی معنی نہیں رکھتا اور صعود اس صورت میں متصور نہیں ہے۔ اس مقام میں سماع سے مدد و اعانت مفقود ہے اور نقصان اور منافات موجود ہیں۔

تبصیہ: سماع اور رقص اگرچہ بعض منتہیوں کو بھی درکار ہے، لیکن ان کو چونکہ ابھی عروج کے مراتب درپیش ہیں اور وہ متوسطین میں سے ہیں اور جب تک وہ عروج کے ممکن الحصول مراتب کو پوری طرح طے نہ کر لیں، انتہا کی حقیقت ان سے مفقود ہے۔ اس کو نہایت کہنا سیرالی اللہ کی نہایت کے اعتبار سے ہے اور اس سیر کی نہایت اس اسم تک ہے جس کا سالک مظہر ہے۔ اس کے بعد اس اسم اور اس کے متعلقات میں سیر (ہوتی) ہے۔ جب اس اسم اور اس کے سب متعلقات سے جو ارباب اسم پر منکشف ہوتے ہیں، گزر کر حقیقی مستحیٰ تک پہنچے اور اس مقام میں فنا و بقا پیدا کر لے تو وہ حقیقی منتہی (ہوتا) ہے اور درحقیقت سیرالی اللہ کی نہایت اس صورت میں (ہوتی) ہے۔ (صوفیہ نے) نہایتِ اول، جس کی نہایت اسم تک ہے، کو بھی سیرالی اللہ کی نہایت سے اعتبار کیا ہے اور اس فنا و بقا کے اعتبار سے جو اس مرتبہ میں حاصل ہوتی ہے، ولایت کے اسم کا اطلاق (اس پر) کیا ہے۔ بعض نے جو یہ کہا کہ سیر فی اللہ کی نہایت نہیں ہے۔ یہ (چیز) سیر بقا کے وقت میں ہے اور عروج کی منزلیں طے کرنے کے بعد ہے۔ اس سیر کی بے نہایتی کا معنی یہ ہے کہ اگر سیر اسم میں واقع ہو اور (سالک) تفصیل سے شیوناتِ مندرجہ کے ساتھ متصف ہو جائے تو وہ ہر گز اس کی نہایت تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ ہر اسم بے انتہا شیوناتِ مندرجہ پر مشتمل ہے، لیکن اگر عروج کے وقت اس (سالک) کو اسم سے گزرا نا چاہیں تو ممکن ہے کہ ایک ہی قدم میں (سالک) اس اسم کو طے کر لے اور نہایتِ انتہا تک پہنچ جائے اور اگر اسی مقام میں نابود ہو جائے تو زہے شرافت! اور اگر خلقت کی تربیت کے لیے واپس لے آئیں تو زہے فضیلت!

تو یہ گمان مت کر کہ اس اسم تک رسائی آسان کام ہے۔ ایک مدت تک جان ماری کرنی پڑتی ہے، تب جا کے اس دولت سے مشرف کرتے ہیں۔ دیکھئے کہ ان میں سے کس کو اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور یہ کہ تو جس کو تنزیہ و تقدیس خیال کرتا ہے، اکثر اوقات ایسا ہے کہ وہ عین تشبیہ و تنقیص ہے، بلکہ بہت سے مراتب جن کو تو تنزیہ خیال کرتا ہے وہ مقامِ روح سے بھی زیادہ نیچے ہیں۔ جو تنزیہ تو عرش کے اوپر خیال کرتا ہے وہ بھی تشبیہ کے دائرہ میں داخل ہے اور وہ منزہ مکشوف عالمِ ارواح میں سے ہے، کیونکہ عرش تمام جہتوں کو گھیرے ہوئے اور سب بعدوں کی انتہا ہے۔ عالمِ ارواح، عالمِ جہات و ابعاد سے باہر ہے، کیونکہ روح لامکانی ہے، وہ مکان میں نہیں سمائی۔ اور روح کو عرش کے اوپر ثابت کرنا تجھے وہم میں نہ ڈال دے کہ روح تجھ سے دور ہے اور تیرے اور روح کے درمیان لمبی چوڑی مسافت ہے۔ اس طرح نہیں ہے، بلکہ روح کو باوجود لامکانیت کے سب جگہوں کے ساتھ برابر کی نسبت ہے، ماورائے عرش کہنے کے معنی اور ہیں اور جب تک تو اس مقام میں نہ پہنچے اس کو نہیں سمجھ سکتا۔

صوفیہ کا جو گروہ تنزیہِ روحی تک پہنچ چکا ہے اور انہوں نے اس کو عرش کے اوپر پایا ہے، انہوں نے اسے تنزیہِ الہی جل شانہ تصور کر لیا ہے اور انہوں نے اس مقام کے علوم و معارف کو دقیق علوم کہا ہے اور استواء کے راز کو اس مقام میں حل کیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نورِ روح کا نور ہے۔

اس فقیر کو بھی اس مقام کے حاصل ہونے کے وقت اس قسم کا ایک اشتباہ پیدا ہوا تھا، لیکن جب اللہ جل سلطانہ کی عنایت نے اس بھنور سے نکال دیا تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ نور، نورِ روح تھا، نہ کہ نورِ الہی جل سلطانہ۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللَّهُ. (سورۃ اعراف، ۴۳)

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ چونکہ روح لامکانی ہے اور بے مثلی اور بے کیفی کی صورت میں مخلوق ہے، لہذا غلط فہمی کا سبب بنتی ہے۔ وَاللَّهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ. یعنی: اور اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی جانب ہدایت دیتا ہے۔

ان میں سے ایک جماعت جو اس نورِ روح کو عرش کے اوپر سے لے کر نیچے اتر آتی ہے اور یہ لوگ اس کے ساتھ بقا پیدا کر لیتے ہیں، وہ خود کو تشبیہ و تنزیہ کے درمیان جامع سمجھتے ہیں اور اگر اس نور کو خود سے جدا پاتے ہیں تو اس کو ”فرق بعد الجمع“ کا مقام خیال کرتے ہیں۔ اس قسم کے مغالطے صوفیہ کو بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ وَهُوَ سُبْحَانَهُ الْعَاصِمُ عَنْ مَطَانٍ الْإِغْلَاطِ وَمَحَالٍ الْإِخْتِبَاطِ. یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی غلطیوں کے گمان اور خبط کے مقامات سے بچانے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ روح اگرچہ عالم بے مثل کی جانب نسبت رکھتی ہے لیکن بے مثل حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی نسبت سے مثل کے دائرہ میں داخل ہے۔ گویا وہ عالمِ مثل اور جنابِ قدس بے مثل حقیقی کے درمیان برزخ (واسطہ) ہے۔ پس دونوں طرف کا رنگ رکھتی ہے اور ہر دو اعتبار اس میں درست ہیں، بخلاف بے مثل حقیقی کے کہ مثل کو اس کی طرف راستہ نہیں ہے۔ پس جب تک (سائل) روح کے سب مقامات تک عروج نہ کرے (اس وقت تک) اس اسم تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس پہلے آسمان سے لے کر عرش تک کے سارے طبقات کو عبور کرنا چاہیے اور مکان کے لوازمات سے مکمل طور پر باہر آنا چاہیے، اس کے بعد عالم

ارواح کی لامکانیت کے مراتب کو بھی طے کرنا چاہیے۔ اس وقت (سالک) اس اسم تک پہنچ جاتا ہے:

خواجہ پندارد کہ مردِ واصل است حاصل خواجہ بجز پندار نیست
یعنی: خواجہ خیال کرتے ہیں کہ وہ واصل آدمی ہیں، جبکہ خواجہ کو اس گمان کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔
فَهُوَ سُبْحَانَهُ وَرَأَى الْوَرَاءَ. یعنی: پس اللہ سبحانہ وراء الوراء ہے۔

اس عالم خلق کے اوپر عالم امر ہے اور عالم امر کے اوپر اسماء اور شیونات کے مراتب ہیں، ظلی واصلی اور اجمالی و تفصیلی طور پر۔ اور ان ظلی واصلی، کوئی والہی اور اجمالی و تفصیلی مراتب کے اوپر مطلوب حقیقی کو تلاش کرنا چاہیے۔ دیکھئے! کس کو اس جستجو سے نوازتے ہیں اور کس صاحبِ دولت کو اس سعادت سے مشرف کرتے ہیں! ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

ہمت بلند رکھنی چاہیے اور جو کچھ راستے میں ہاتھ آئے اس پر قناعت نہیں کرنی چاہیے اور (مطلوب کو) وراء الوراء میں تلاش کرنا چاہیے:

كَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادَ وَ دُونَهَا قُلُّ الْجَبَالِ وَ دُونَهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حائل ہیں۔

تنبیہ آخر: دوام اصل اور استمرار وقت اس شخص کے لیے مستم ہے جو فنا کے ثبات ہونے کے بعد بقا باللہ سے مشرف ہو چکا ہو اور اس کا علم حصولی، علم حضوری میں تبدیل ہو گیا ہو۔ ہم اس بحث کو (ایک) بیان سے واضح اور روشن کرتے ہیں: جاننا چاہیے کہ عالم کو جو علم اپنی ذات کے ماسوا سے حاصل ہوتا ہے، اس کے حاصل ہونے کا طریقہ عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حاصل ہونا ہے اور اسے علم حصولی کہتے ہیں۔ اور جو علم صورت کے حصول کا محتاج نہ ہو، وہ علم اپنی ذات کا ہے۔ (اور یہی) علم حضوری ہے۔ کیونکہ ذات بنفسہ عالم کے نزدیک حاضر ہے اور علم حصولی میں جب تک معلوم کی صورت حاصل رہتی ہے، اس وقت تک ذہن معلوم کی جانب متوجہ (رہتا) ہے اور جب وہ صورت ذہن سے زائل ہوئی تو ذہن کی وہ توجہ بھی زائل ہو گئی۔ پس علم حصولی میں توجہ کا دوام عادتاً محال ہے، بخلاف علم حضوری کے کہ اس میں معلوم سے غفلت غیر متصور ہے۔ کیونکہ اس علم کے تحقق کا منشا عالم کی ذات کا حضور ہے اور جب یہ حضور دائمی ہے تو ذات کا علم بھی دائمی ہوگا۔ اس طرح اپنی ذات سے توجہ کا زوال ممکن نہیں اور بقا باللہ میں ایک علم حضوری ہے جس کا زوال متصور نہیں ہے۔

تو گمان نہ کر کہ بقا باللہ سے مراد یہ ہے کہ تو خود کو حق تعالیٰ کا عین سمجھے، جس طرح کہ اس گروہ کے بعض لوگوں نے حق الیقین کی تعبیر اسی عبارت میں کی ہے۔ اس طرح نہیں ہے۔ بقا باللہ جو فنا کے بعد میسر ہوتی ہے وہ اس قسم کے علوم سے مناسبت نہیں رکھتی۔ یہ حق الیقین کہ (جس کے بارے میں) بعض لوگوں نے کہا ہے وہ اس بقا کے مناسب ہے جو جذبہ میں حاصل ہوتی ہے۔ (لیکن) جو بقا ہمارا مقصود ہے وہ دوسری ہے:

ع ذوق ایں مے شناسی بخدا تا بخشی

یعنی: بخدا تو اس شراب کو چکھے بغیر اس کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

پس استمرار توجہ اور دوام حضور بقا باللہ کی صورت میں ثابت ہوا۔ بقا باللہ کے ساتھ متحقق ہونے سے پہلے دوام ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کو اس مقام میں پہنچنے سے پہلے اس چیز کا وہم ہو جاتا ہے، خاص کر کے طریقہ عالیہ نقشبندیہ (کے حضرات) قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں۔ وَالْحَقُّ مَا حَقَّقْتُ وَالصَّوَابُ مَا أَلْهِمْتُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَإِلَيْهِ تَعَالَى الْمَرْجِعُ وَالْمَأْبُت۔ یعنی: اور صحیح وہی ہے جس کی میں نے تحقیق کی ہے اور درست وہی ہے جس کا مجھے الہام ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے اور سب کو لوٹ کر اُسی کی جانب جانا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ دَائِمًا وَسَرْمَدًا۔

یعنی: اور اول و آخر میں ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دائمی وابدی درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۸۶)

مولانا امامان اللہ فقیر کو تحریر فرمایا۔ صحیح اعتقاد جو اہل سنت و جماعت کی صائب آراء کے مطابق کتاب و سنت سے ماخوذ ہے، کے بیان میں اور اس جماعت کا رد جنہوں نے کتاب و سنت سے اہل سنت و جماعت کے اعتقادات کے برخلاف سمجھ لیا ہے، یا جنہوں نے کشف کے ذریعے اہل حق کے خلاف معلوم کیا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت بخشے اور نیکی کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جان لیں کہ سالک کے راستے کی جملہ ضروریات میں سے (ایک چیز) صحیح اعتقاد ہے، جس کو علمائے اہل سنت نے کتاب و سنت اور آثارِ سلف سے استنباط فرمایا ہے۔ نیز کتاب و سنت کو انہی معانی پر محمول رکھنا جن کو جمہور علمائے اہل حق یعنی اہل سنت و جماعت نے کتاب و سنت سے سمجھا ہے، بھی ضروری ہے اور اگر بالفرض کشف والہام کے ذریعے ان سمجھے گئے معانی کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو تو بھی اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

مثلاً وہ آیات و احادیث جن کے ظاہر سے توحید و جود کی کامفہوم نکلتا ہے اور اسی طرح احاطہ و سر بیان اور قرب و معیت ذاتیہ معلوم ہوتا ہے، چونکہ علمائے اہل حق نے ان آیات و احادیث سے یہ معانی نہیں سمجھے ہیں، (لہذا) اگر راستے کے دوران سالک پر یہ معانی منکشف ہوں اور وہ ایک کے سوا کسی کو موجود نہ پائے، یا وہ اس کو بالذات محیط سمجھے اور از روئے ذات قریب پائے، اگرچہ وہ اس وقت حال کے غلبہ اور سکروقت کی بنا پر معذور ہے، لیکن چاہیے کہ وہ ہمیشہ حق سبحانہ و تعالیٰ سے التجا و زاری کرے کہ وہ اسے اس بھنور سے نکالے اور جو امور علمائے حق کی صائب رائے کے مطابق ہیں، وہ اس پر منکشف کر دے اور ایک بال برابر بھی ان کے صحیح اعتقادات کے برخلاف ظاہر نہ کرے۔

الغرض علمائے حق کے سمجھے گئے معانی کو ہی اپنے کشف کا مصداق بنانا چاہیے اور اس کے سوا کسی چیز کو اپنے الہام کی کسوٹی قرار نہیں دینا چاہیے، کیونکہ جو معانی ان کے سمجھے گئے معانی کے خلاف ہیں، وہ اعتبار کے محل سے ساقط ہیں۔ اس لیے

کہ ہر بدعتی و گمراہ اپنے اعتقادات کا رہنما کتاب و سنت ہی کو سمجھتا ہے اور اپنی سطحی سوچ سمجھ کے اندازہ سے ان سے نامناسب معانی سمجھ لیتا ہے۔ **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا**۔ (سورۃ بقرہ، ۲۶) یعنی: اس سے (اللہ تعالیٰ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔

میں نے جو یہ کہا کہ علمائے اہل حق کے سمجھے گئے معانی معتبر ہیں اور ان کے برخلاف معتبر نہیں ہیں، یہ اس وجہ سے کہا ہے کہ انہوں نے ان معانی کو صحابہ (کرام) اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے آثار کی پیروی سے اخذ کیا ہے اور ان کی ہدایت کے ستاروں کے انوار سے حاصل فرمایا ہے، لہذا نجات ابدی ان کے لیے مخصوص ہوگئی اور فلاح دائمی ان کو نصیب ہوئی۔ **أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**۔ (سورۃ مجادلہ، ۲۲) یعنی: یہی گروہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے (اور) سن لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

اگر بعض علماء صحیح اعتقاد کے باوجود اعمال میں سستی کریں اور غلطیوں کے مرتکب ہوں تو اعمال میں مطلق علماء کا انکار کرنا اور سب کو مطعون کرنا محض بے انصافی اور صرف تکبر ہے، بلکہ دین کی اکثر ضروریات کا انکار ہے، کیونکہ ان ضروریات کو نقل کرنے والے وہ ہیں، اور ان کے جید ناقد یہی لوگ ہیں۔ اگر ان کی ہدایت کا نور نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور اگر وہ صحیح کو غلط سے علیحدہ نہ کرتے تو ہم گمراہ ہوتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دینِ قیم کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے ساری کوششیں صرف کر دیں اور کثیر لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلایا۔ پس جس نے ان کی پیروی کی، اس نے نجات پائی اور کامیاب ہو گیا اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

جاننا چاہیے کہ آخر کار صوفیہ کے اعتقادات بھی سلوک کی تمام منزلیں طے کرنے اور ولایت کے بلند درجات پانے کے بعد علمائے حق کے یہی اعتقادات ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ علماء کو (یہ) نقل یا استدلال سے اور صوفیہ کو کشف والہام سے (حاصل ہوتے ہیں)۔ اگرچہ بعض صوفیہ کو اثنائے راہ میں سکر و وقت اور غلبہ حال کے موجب ان اعتقادات کے مخالف امور ظاہر ہوتے ہیں، لیکن اگر ان کو ان مقامات سے گزار کر معاملے کی انتہا تک پہنچا دیں تو وہ مخالفتیں غبار کی مانند اڑ جاتی ہیں، ورنہ وہ اسی مخالفت پر قائم رہتے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ ان کا اس مخالفت پر مواخذہ نہیں کریں گے اور ان کا حکم مجتہد خطی کا ہوگا۔ مجتہد نے استنباط کرنے میں خطا کی اور انہوں نے کشف کرنے میں خطا کی۔ اس گروہ کے لوگوں کی بعض مخالف باتوں میں سے ایک وحدت الوجود اور احاطہ قرب و معیت ذاتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اسی طرح (مخالف باتوں میں سے دوسری) ان کا صفات سبعہ یا ثمانیہ کے وجود سے انکار ہے جو خارج میں ذات (حق) عز و سلطانہ پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود ہیں، کیونکہ علمائے اہل سنت (ان) صفات کو خارج میں ذات (حق) تعالیٰ پر وجودِ زائد کے ساتھ موجود سمجھتے ہیں۔ ان کا انکار اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ اس وقت میں ان کو ان صفات کے آئینہ میں ذات (حق) تعالیٰ و تقدس مشہود ہوتی ہے اور معلوم ہے کہ دیکھنے والے کی نظر سے آئینہ مخفی ہوتا ہے۔ پس اس پوشیدگی کی بنا پر انہوں نے خارج میں ان کے عدم وجود کا حکم کیا ہے اور گمان کیا ہے کہ اگر وہ (صفات خارج میں) موجود ہوتیں تو مشہود بھی ہوتیں۔ پس جب شہود نہیں تو وجود بھی نہیں۔ اور (اس گروہ کے لوگوں نے) علماء پر اس وجہ سے کہ انہوں نے صفات کے وجود کا حکم کیا

ہے، طعن کیا ہے، بلکہ کفر اور دودھاؤں کے ماننے والے کا حکم لگایا ہے۔ اَعَادَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ عَنِ الْجُرْأَتِ فِي الطُّعْنِ۔
یعنی: ہم ان کے طعن کرنے کی جرأت سے اللہ سبحانہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

اگر ان (صوفیہ) کو اس مقام سے ترقی (نصیب) ہو جاتی اور ان کا شہود اس پردہ سے (باہر) نکل آتا اور مرآتیت (صفات کے آئینہ ہونے کی کیفیت) زائل ہو جاتی تو وہ صفات کو جہاد دیکھتے اور ان کے انکار کا حکم نہ کرتے اور ان کا معاملہ اکابر علماء پر طعن کرنے تک نہ پہنچتا۔

ان کی جملہ مخالفتوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ وہ بعض ایسے امور کا حکم کرتے ہیں جو واجب تعالیٰ و تقدس کے ایجاب کو مستلزم ہے۔ اگرچہ وہ ایجاب کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے اور ارادے کو ثابت کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں ارادہ کی نفی کرنے والے ہیں اور حکم میں تمام اہل شرائع کے مخالف ہیں۔ ان سب امور میں سے ایک ان کا یہ حکم ہے کہ حق سبحانہ قدرت کے ساتھ قادر ہے، اس معنی میں کہ اِنْ شَاءَ فَعَلَ وَإِنْ لَّمْ يَشَأْ لَمْ يَفْعَلْ۔ یعنی: اگر وہ چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔
لیکن وہ پہلی شرط کو واجب الصدق جانتے ہیں اور دوسری کو ممتنع الصدق۔ اور یہی قول ایجاب (کی علامت) ہے، بلکہ قدرت کے اس معنی کا بھی انکار ہے جو اہل شرائع کے ہاں ثابت ہے، کیونکہ ان (اہل شرائع) کے نزدیک قدرت کے معنی فعل کی صحت و ترک ہے اور ان (صوفیہ) کے قول سے فعل کا وجوب اور اس کے ترک سے منع کرنا لازم (آتا) ہے۔ پس یہ اس سے کس قدر مختلف ہے۔

اس مسئلہ میں ان کا حکم بالکل فلاسفہ کے مذہب کی مانند ہے۔ اور صدق اولیٰ کے وجوب اور صدق ثانی کے امتناع کے باوجود (ان کا) ارادہ کو ثابت کرنا اور اس اثبات کے ذریعے خود فلاسفہ سے الگ کرنا (ان کے لیے) فائدہ مند نہیں ہے، کیونکہ ارادہ دو برابر چیزوں میں سے ایک کو مخصوص قرار دینے کا نام ہے۔ پھر جب برابری نہیں تو ارادہ بھی نہیں اور یہاں بھی وجوب اور امتناع میں برابری معدوم ہے۔ پس سمجھ لو۔

(صوفیہ کی مخالف باتوں کے) ان سب امور میں سے ایک ان کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے مسئلہ قضا و قدر کی تحقیق اس طرح کی ہے کہ اس کا ظاہر ایجاب ہے اور ان کی ساری عبارات میں بحث یہ ہے کہ اَلْحَاكِمُ مَحْكُومٌ وَالْمَحْكُومُ حَاكِمٌ۔ یعنی: حاکم محکوم ہے اور محکوم حاکم ہے۔

ایجاب سے قطع نظر کر کے حق سبحانہ کو کسی کا محکوم بنانا اور اس پر کسی کو حاکم مقرر کرنا بری بات ہے۔ اِنَّهُمْ لَيَقُولُنَّ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا۔ (یعنی: بیشک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ سورۃ مجادلہ، ۲) اور (ان کی) اس طرح کی مخالفتیں بہت زیادہ ہیں، جیسا کہ: بَعْدَ اِمْكَانِ رُؤْيَا الْحَقِّ سُبْحَانَهُ اِلَّا بِتَحْلِيٍّ صُورِيٍّ۔
یعنی: اللہ سبحانہ کی رویت تجلی صوری کے سوا ناممکن ہے۔

اور ان کا (یہ) قول بھی حق سبحانہ کی رویت کے انکار کو لازم کرتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو رویت تجلی صوری کی شکل میں جائز قرار دی ہے، درحقیقت وہ حق سبحانہ کی رویت نہیں ہے، بلکہ شبہ و مثال کی ایک قسم ہے:

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ بِغَيْرِ كَيْفٍ وَادْرَاكِ وَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ

یعنی: (بہشت میں) مؤمن اللہ تعالیٰ کو بے کیف و ادراک اور بے شبہ و مثال دیکھیں گے۔

اور ان کا یہ کہنا کہ کالمین کی ارواح ازلی (اور قدیمی) ہیں۔ ان کا یہ قول بھی اہل اسلام کے مخالف ہے، کیونکہ ان (اہل اسلام) کے نزدیک عالم اپنے سب اجزا کے ساتھ حادث ہے اور ارواح بھی تمام عالم میں سے ہیں، کیونکہ عالم تمام ماسویٰ اللہ کا نام ہے۔ پس سمجھ لو۔

پس سالک کو چاہیے کہ معاملے کی حقیقت تک پہنچنے سے پہلے اپنے کشف و الہام کی مخالفت کے باوجود علمائے حق کی تقلید کو لازم سمجھے اور علماء کو حق بجانب اور خود کو خطا کرنے والا خیال کرے۔ کیونکہ علماء کی سند انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تقلید ہے جن کی مدد و حجت قطعی سے کی گئی ہے اور وہ خطا اور غلطی سے معصوم ہیں اور اس (سالک) کا کشف و الہام وحی کے ساتھ ثابت شدہ احکام کی مخالفت کی صورت میں خطا اور غلط ہے۔ پس اپنے کشف کو علماء کے قول پر مقدم رکھنا، درحقیقت نازل شدہ قطعی احکام پر مقدم رکھنا ہے اور یہ عین گمراہی اور محض نقصان ہے۔

نیز جس طرح کتاب و سنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے، ایسے ہی عمل بھی ان کے تقاضا کی رو سے کرنا (لازم ہے)، جیسا کہ ائمہ مجتہدین نے کتاب و سنت سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ کے احکام استخراج کیے ہیں اور ان احکام کا علم بھی ضروری ہے۔ مقلد کو حق نہیں حاصل کہ وہ مجتہد کی رائے کے خلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔ وہ عمل میں اس مجتہد کے مذہب کے قول مختار کو اختیار کرے، جس کا خود کو پیروکار بنایا ہے اور رخصت سے اجتناب کرتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔ نیز جہاں تک ہو سکے مجتہدین کے اقوال کو جمع کرنے کی پوری کوشش کرے، تاکہ متفق علیہ قول پر عمل کیا جائے۔

مثلاً (حضرت) امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) وضو میں نیت کو فرض کہتے ہیں، (لہذا) نیت کے بغیر وضو نہ کرے۔ ایسے ہی (امام شافعی وضو میں) اعضاء کے دھونے کی ترتیب اور تواتر کو لازم سمجھتے ہیں، (لہذا) ترتیب اور تواتر کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ (حضرت) امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) اعضاء کے دھونے میں ملنے کو فرض کہتے ہیں، یقیناً (اعضاء کو) ملے۔ اسی طرح عورتوں کو چھونے اور شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کو وضو کا توڑنے والا کہا گیا ہے، (لہذا) عورتوں کے چھونے اور شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کی صورت میں نیا وضو کرے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

ان دو اعتقادی اور عملی پروں کے حاصل ہونے کے بعد حق جل شانہ کے قرب کے درجات کے عروج کی جانب متوجہ ہو جائے اور تاریک منزلوں اور نورانی راستوں کو طے کرنے کا طالب بن جائے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ ان منزلوں اور عروج کے درجات کو طے کرنا ایسے کامل مکمل، راہ داں، راہ بین اور رہنما شیخ کی توجہ و تصرف سے وابستہ ہے جس کی نظر قلبی امراض کو شفا بخشنے والی ہو اور جس کی توجہ ناپسندیدہ بیکار اخلاق کو دفع کرنے والی ہو۔ پس اول شیخ کو تلاش کرے۔ اگر محض فضل الہی جل شانہ سے اسے شیخ سے آگاہ کر دیا جائے تو وہ شیخ کو نعمتِ عظمیٰ تصور کرتے ہوئے خود کو اس کا خادم بنائے اور پوری طرح اس کے تصرفات کا مطیع بن جائے۔

شیخ الاسلام (عبداللہ) ہروی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ”الہی! یہ کیا ہے جو تو نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیا ہے کہ

جس شخص نے ان کو پہچانا، اس نے تجھے پہچان لیا اور جب تک اس نے تجھے نہ پایا، وہ ان کو نہ پہچان سکا۔“ (پس سالک) خود کو مکمل طور پر شیخ کے اختیار میں گم کر دے اور خود کو تمام مرادوں سے خالی کر کے ہمت کے ساتھ اس کی خدمت میں کمر بستہ ہو جائے اور جس چیز کا شیخ حکم فرمائے اُس کو اپنی سعادت کا سرمایہ سمجھ کر اس کی بجا آوری کی کوشش کرے۔ شیخ مقتدا اگر ذکر کو اس کی استعداد کے موافق دیکھے گا تو اُس کا حکم فرمائے گا اور اگر توجہ و مراقبہ مناسب ہو تو اس کا اشارہ کرے گا اور اگر صرف صحبت میں رہنے کو ہی کافی سمجھا تو اس کا حکم کرے گا۔

الغرض شیخ کی صحبت حاصل ہونے کی صورت میں راستے کی شرائط میں سے کسی شرط کے تحت ذکر کی حاجت نہیں ہے۔ (شیخ) جس چیز کو طالب کے حال کے مناسب دیکھے گا، (اس کا) حکم فرما دے گا۔ اگر راستے کے بعض امور میں راستے کی کسی شرط میں کوئی کوتاہی سرزد ہوگئی تو شیخ کی صحبت اس کی تلافی کر دے گی اور اس کی توجہ اس نقصان کو پورا کر دے گی۔ اگر وہ اس طرح کے شیخ مقتدا کی صحبت کے شرف سے مشرف نہ ہوا تو پھر اگر وہ مرادوں میں سے ہے تو اس کو جذب کر لیں گے اور محض بے انتہا عنایت سے اس کا کام پورا کر دیں گے اور جو شرط اور ادب درکار ہوا (اس سے) آگاہ فرما دیں گے اور سلوک کی منزلوں کے طے کرنے میں بعض اکابر کی روحانیت اس کے راستے کے وسائل بنادیں گے، کیونکہ اللہ سبحانہ کی جاری عادت کے طریقہ سے سلوک کے راستے کو طے کرنے میں مشائخ کی روحانیت کا وسیلہ درکار ہوتا ہے۔ نیز اگر وہ (طالب) مریدوں میں سے ہے تو اس کا معاملہ شیخ مقتدا کے وسیلہ کے بغیر خطرہ میں ہے۔ شیخ تک پہنچنے کے زمانے میں چاہیے کہ (طالب) ہمیشہ حق سبحانہ سے التجا و زاری کرتا رہے کہ وہ اسے شیخ مقتدا تک پہنچا دے۔ نیز چاہیے کہ (طالب) راستے کی شرائط کی رعایت کو لازم سمجھے۔ مشائخ کی کتابوں میں شرائط تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، وہاں سے ملاحظہ کر کے ان کا لحاظ رکھے۔

راستے کی شرائط میں سے عظیم شرط نفس کے ساتھ مخالفت کرنا ہے۔ اور وہ ورع و تقویٰ کے مقام کی رعایت پر موقوف ہے، جس سے مراد حرام چیزوں سے بچنا ہے اور حرام سے بچنا نصیب نہیں ہوتا جب تک (طالب) فضول جائز چیزوں سے پرہیز نہ کرے، کیونکہ جائز چیزوں کے ارتکاب میں لگام ڈھیلی رکھنا شبہ والی چیزوں تک پہنچا دیتا ہے اور شبہ والی چیز حرام کے قریب ہے اور اس میں گر پڑنے کا احتمال زیادہ قوی ہے۔ مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيهِ۔^(۱) یعنی: جو شخص چراگاہ کے آس پاس پھرتا ہے، اس کا اس میں گر پڑنے کا احتمال ہے۔

پس حرام چیزوں سے بچنا فضول جائز چیزوں سے بچنے پر موقوف ہوا۔ لہذا پرہیزگاری میں فضول جائز چیزوں سے بچنا بھی ضروری ہوا۔ ترقی اور عروج پرہیزگاری سے وابستہ ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اعمال کے دو جزو ہیں: اوامر کا بجالانا اور مناہی سے رکننا۔ اوامر کو بجالانے میں فرشتے بھی شریک ہیں۔ اگر اوامر کے بجالانے میں ہی ترقی واقع ہوتی تو فرشتوں کو بھی نصیب ہوتی۔ مناہی سے رکننا فرشتوں میں نہیں ہے، کیونکہ وہ ذات کے لحاظ سے معصوم ہیں، مخالفت کی مجال نہیں رکھتے، تاکہ (ان کو) اس سے روکا جائے۔ پس ضروری ہوا کہ ترقی اسی جزو سے وابستہ ہے اور یہ اجتناب سراسر نفس کی مخالفت ہے، کیونکہ شریعت خواہش نفسانی کو دور کرنے اور رسوم ظلمانی (بری عادتوں) کو دفع کرنے کے لیے وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ نفس کی طبیعت کا تقاضا حرام کا ارتکاب ہے، یا کسی فضول (کام)

کا کرنا جو حرام کے انجام دینے تک پہنچا دے۔ پس حرام اور فضول (کام) سے بچنا عین نفس کی مخالفت ہے۔
سوال: اگر سوال کریں کہ اوامر کے بجالانے میں بھی نفس کی مخالفت ہے، کیونکہ نفس نہیں چاہتا کہ عبادتوں میں مشغول ہو۔ پس اوامر کی بجا آوری بھی ترقی کو لازم کرتی ہے اور چونکہ فرشتوں میں بجا آوری میں بھی مخالفت مفقود ہے، لہذا وہ ترقی کا سبب نہ ہوا۔ پس یہ قیاس غلط ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ عبادتوں کی ادائیگی میں نفس کا راضی نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی فراغت کا طالب ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ خود کو کسی چیز کا پابند بنائے اور یہ فراغت اور پابند نہ ہونا بھی حرام یا فضول (کام) میں داخل ہے۔ پس اوامر کی بجا آوری میں نفس امارہ کے ساتھ مخالفت بھی اس حرام یا فضول (کام) سے بچنے کی بنا پر ہے، نہ کہ صرف اوامر کی ادائیگی کی وجہ سے، جو کہ فرشتوں کو بھی حاصل ہے۔ پس یہ قیاس ٹھیک ہے۔ اس طرح ہر وہ طریقہ جس میں نفس کی مخالفت زیادہ ہے، وہ سب طریقوں سے زیادہ نزدیک ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نفس کے ساتھ مخالفت کی رعایت تمام طریقوں سے زیادہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں نے عزیمت پر عمل اختیار کیا ہے اور انہوں نے رخصت سے اجتناب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عزیمت میں حرام اور فضول دونوں جزو (سے اجتناب) کی رعایت کا لحاظ ہے، بخلاف رخصت کے کہ اس میں صرف حرام سے اجتناب ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ باقی (سب) طریقوں نے بھی عزیمت ہی کو اختیار کیا ہو، (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ اکثر طریقوں میں سماع و رقص ہے، جس میں بہت زیادہ حیلے کے بعد معاملہ رخصت تک جا پہنچتا ہے، عزیمت کی اس میں کیا مجال؟ نیز اسی طرح ذکر جہر کہ اس میں بھی رخصت سے زیادہ کچھ متصور نہیں ہے۔

نیز دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے اپنے طریقوں میں بعض سچی نیتوں کے ذریعے نئے نئے کام پیدا کر دیے ہیں، جن کے صحیح ہونے میں بالآخر رخصت ہی کا حکم ہے، برخلاف اس سلسلہ عالیہ (نقشبندیہ) کے اکابر کے کہ انہوں نے سرمو سنت کی مخالفت تجویز نہیں کی اور (اپنی طرف سے) نئی چیز لانے اور نیا کام پیدا کرنے کو روکا نہیں رکھا۔ لہذا نفس کی مخالفت اس طریقہ (نقشبندیہ) میں بھرپور ہے۔ پس یہ سب سے زیادہ قریب ہے، لہذا اس طریقہ کو اختیار کرنا طالب کے لیے بہتر اور زیادہ مناسب ہے، کیونکہ (اس کا) راستہ انتہائی قریب ہے اور مقصد کمال بلندی میں ہے۔ ان کے متاخرین خلفاء کی ایک جماعت (کے لوگوں) نے ان بزرگوں کے اطوار کو چھوڑ کر اس طریقہ میں بعض نئے امور جاری کر لیے ہیں اور سماع و رقص اور (ذکر) جہر کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کی وجہ اس بزرگ خاندان کے اکابر کی نیتوں کی حقیقتوں تک نہ پہنچنا ہے۔ انہوں نے خیال کر لیا ہے کہ وہ ان نئے امور اور بدعتوں سے اس طریقہ کی تکمیل و تنمیم کر رہے ہیں، انہیں سمجھ نہیں آئی کہ وہ اس کو خراب اور ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحَقِّقُ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ.

یعنی: اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت بخشتا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۸۷)

حقائق سے آگاہ برادر حقیقی حضرت میاں غلام محمد کو تحریر فرمایا۔ جذبہ و سلوک اور ان معارف کے بیان میں جوان دو

مقامات کے لائق ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ. (سورہ اعراف، ۴۳) وَخَتَمَهُمْ بِأَفْضَلِهِمْ وَأَكْمَلَهُمْ مُحَمَّدٌ نِ الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ صَلَوَاتُ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَبَرَكَاتُهُ وَتَحِيَّاتُهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى مَنْ تَابَعَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ، آمِينَ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔ اور انبیاء کے سلسلہ کے خاتم ان میں کے افضل اور اکمل (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جو سچائی کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) پر اور تمام انبیاء پر اور جو شخص بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرے ان سب پر قیامت کے دن تک اللہ سبحانہ کا درود، برکات اور سلام ہوں۔

جب دیکھا گیا ہے کہ طالبین ہمت کی کمی، فطرت کی پستی اور شیخ کامل مکمل کی صحبت کے نہ پانے کی وجہ سے لمبے راستے اور بلند مقصد کو چھوٹے راستے اور ادنیٰ مقصد کی طرف نیچے لے آئے ہیں اور ان کو راستے میں جو حقیر اور معمولی چیز میسر آئی اسی کو کافی سمجھ لیا اور اسی کو مقصد خیال کر لیا اور اس کو حاصل کر لینے پر خود کو کامل اور منتہی سمجھ لیا اور جو حالات راستے کے منتہیوں اور درگاہ کے واصلوں نے اپنے کام کی تکمیل اور وقت کی انتہا سے بیان فرمائے ہیں، اس پست فطرت جماعت (کے لوگوں) نے اپنے تخیل کی قوت کے غلبہ سے ان کامل احوال کو اپنے ناقص حالات سے مطابقت دے دی ہے۔ یہ وہی قصہ ہے:

عج بخواب اندر مگر موشتے شتر شد

یعنی: گویا خواب میں ایک چوہا اونٹ بن گیا۔

انہوں نے گہرے سمندر سے ایک قطرہ پر، بلکہ قطرہ کی صورت پر (اور) دریائے عمان سے ایک بوند پر، بلکہ بوند کی شکل پر قناعت کر لی ہے۔ مثل کو بے مثل تصور کر لیا ہے اور بے مثل سے ہٹ کر مثل کے ساتھ آرام حاصل کر لیا ہے۔ وہ مثل کو بے مثل خیال کرتے ہوئے بے مثل کو چھوڑ کر مثل کے گرویدہ بن گئے ہیں۔ اس جماعت (کے لوگوں) کے حالات جو تقلید کی بدولت بے مثل پر ایمان لائے ہیں اور بے مثل کے گرویدہ بن گئے ہیں، ان نامکمل سلوک والے طالبین اور سراب سے آرام پانے والے پیاسوں کے درجات سے بہتر ہیں، (کیونکہ) حق بجانب اور غلط کار اور درست پانے والے اور خطا کار کے درمیان بڑا فرق ہے۔ مقصد تک نہ پہنچنے والے ان طالبین پر افسوس! جو حادث کو قدیم سمجھتے ہیں اور مثل کو بے مثل خیال کرتے ہیں۔ اگر ان کے غلط کشف پر ان کو معذور نہ سمجھیں اور اس خطا اور غلطی پر مواخذہ نہ کریں تو پھر ان کا حال قابلِ افسوس ہے۔

رَبَّنَا لَا تَوَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا. (سورۃ بقرہ، ۲۸۶)

یعنی: اے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

مثلاً ایک شخص کعبہ کا طالب بنا اور شوق سے اس تک پہنچنے کے لیے متوجہ ہوا۔ اتفاق سے اس کے راستے میں ایک مکان خانہ کعبہ کے مشابہ سامنے آیا۔ اگرچہ وہ مشابہت صورت میں ہے۔ اس شخص نے خیال کیا کہ (یہ) کعبہ ہے اور وہیں معتکف ہو

یعنی: وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا، وہ خود ضائع ہوئے اور دوسروں کو بھی ضائع کر دیا۔

کمال کا یہ خیال اور وصال کا یہ وہم سلوک طے نہ کرنے والے مجذوبوں میں جذب تک نہ پہنچنے والے سالکوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ مبتدی اور منتہی جذب کی صورت میں (باہم) شریک ہیں اور ظاہری طور پر عشق و محبت میں برابر ہیں، اگرچہ درحقیقت وہ ایک دوسرے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے اور ان کے حالات ایک دوسرے سے جدا ہیں:

ع چه نسبت خاک را با عالم پاک

یعنی: خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے۔

ابتداء میں جو کچھ ہے وہ علت سے خالی نہیں ہے اور وہ غرض پر محمول ہے اور انتہا میں چونکہ حق سے ہے، (لہذا) حق کے لیے ہے۔ اس بات کی تفصیل عنقریب بیان ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ صوری مشابہت اور یہ ظاہری مناسبت اسی خیال کی بنا پر ہوتی ہے۔ چونکہ طریقہ عالیہ نقشہ بند یہ میں جذبہ، سلوک پر مقدم ہے، (لہذا) اس طریقہ کے مجذوبوں کو جو سلوک کی دولت سے مشرف نہیں ہوئے ہیں، اس طرح کا خیال اور اس قسم کا وہم بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ (کے لوگوں) کو، جن کو مقام جذبہ میں بدلنے والے حالات حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ ایک حال سے دوسرے حال میں چلے جاتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ سلوک کی منزلیں طے ہو گئیں اور سیر الی اللہ کے راستے طے ہو گئے اور ان تبدیلیوں کی وجہ سے وہ خود کو مجذوب سا لک سمجھتے ہیں۔ (لہذا فقیر کی) خاطرِ عاجز میں آیا کہ جذبہ اور سلوک کی حقیقت اور ان دونوں مقامات کے درمیان کے فرق کو ان خاصیتوں کے ساتھ جو ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں، نیز مبتدی کے جذب اور انتہی کے جذب کے درمیان کے فرق، مقام تکمیل و ارشاد کی حقیقت اور دوسرے علوم جو اس مقام کے لائق ہیں، کے بیان میں چند فقرے لکھے جائیں۔

لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ. (سورة انفال، ٨)

یعنی: تاکہ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ (ثابت) کر دے، خواہ مشرک ناخوش ہی ہوں۔

فَسَرَعْتُ فِيهِ بِحُسْنِ تَوْفِيقِهِ سُبْحَانَهُ وَهُوَ سُبْحَانَهُ يَهْدِي السَّبِيلَ وَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

یعنی: اب میں حق سبحانہ کی حسنِ توفیق سے (اس بیان کو) شروع کرتا ہوں اور اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی ہدایت بخشنے والا ہے اور وہ سب سے اچھا کارساز اور سب سے بہتر وکیل ہے۔

یہ مکتوب دو مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقصدِ اوّل ان معارف کے بیان میں ہے جو مقامِ جذبہ سے متعلق ہیں اور مقصدِ دوّم میں وہ معارف ہیں جو سلوک سے تعلق رکھتے ہیں اور خاتمہ میں بعض متفرق معارف و علوم کا بیان ہے جن کا جاننا طالبین کے لیے بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔

مقصدِ اوّل: جاننا چاہیے کہ سلوک مکمل نہ کرنے والے مجذوب خواہ جذبِ قوی رکھتے ہیں، نیز جس راستے سے جذبہ شدہ ہوں، وہ اربابِ قلوب کے گردہ میں داخل ہیں۔ وہ سلوک اور تزکیہ نفس کے بغیر مقامِ قلب سے آگے نہیں گزر سکتے اور دل کے بدلنے والے (اللہ تعالیٰ) تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان کا جذب، قلبی جذب ہے۔ ان کی محبت عرضی ہے، ذاتی نہیں۔ (نیز) غرضی ہے، اصلی نہیں ہے، کیونکہ اس مقام میں نفسِ روح کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اس معاملہ میں ظلمتِ نور کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ مقامِ قلب کی تنگی سے کلی طور پر نکلتا، دل کے بدلنے والے (اللہ تعالیٰ) سے ملنا، مطلوب کی جانب توجہ کرنے کے لیے مطلوب کے ساتھ جذب پیدا کرنا اور نفس کا روح سے جدا ہونا اور اس کا مقامِ بندگی میں نیچے آ جانا روح کی نفس سے آزادی کے بغیر متصور نہیں ہے۔ جس وقت تک یہ دونوں حقیقت میں جمع ہیں (اس وقت تک) حقیقت جامعہ قلبیہ اپنی جگہ محکم اور قائم ہے اور خالص روحی جذب متصور نہیں ہے اور روح کی نفس سے آزادی سلوک کی منزلیں طے کرنے، سیرالی اللہ کے راستے طے کرنے اور سیر فی اللہ کے ثابت ہونے کے بعد، بلکہ مقامِ فرق بعد الجمع جو کہ سیر عن اللہ باللہ سے تعلق رکھتا ہے، کے حاصل ہونے کے بعد نصیب ہوتا ہے:

ہر گدائے مرد میدان کے شود پشہ آخر سلیمان کے شود

یعنی: ہر بھکاری مرد میدان کب بن سکتا ہے، چھڑ آخر (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) کا ہم پایہ) کب بن سکتا ہے۔

پس (اس بیان سے) منتہی کے جذب اور مبتدی کے جذب کے درمیان فرق واضح ہو گیا ہے۔

ان اربابِ قلوب مجذوبوں کا شہود کثرت کے پردہ میں ہے۔ وہ اس مقصد کو معلوم کریں یا نہ کریں، ان کا شہود اس کثرت میں نہیں ہے مگر عالم ارواح میں، جو کہ لطافت اور احاطہ و سر بیان میں اپنے موجد (پیدا کرنے والے) کے ساتھ صورت میں مشابہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔^(۲) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اس مناسبت سے روح کے شہود کو شہودِ حق تعالیٰ و تقدس کہتے ہیں اور احاطہ و سر بیان اور قرب و معیت بھی اسی قیاس پر ہے، کیونکہ سالک کی نظر مقامِ فوق تک عبور کرتی ہے اور مقامِ فوقِ فوق تک نہیں جاسکتی۔ ان کا مقام فوق مقامِ روح ہے۔ پس ان کی نظر مقامِ روح سے اوپر نہیں جاتی اور ان کا مشہود روح کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ روح سے اوپر نظر کا جانا مقامِ روح تک پہنچنے پر موقوف ہے۔ محبت اور جذب بھی شہود کی مانند ہیں۔ حق سبحانہ کا شہود، بلکہ جنابِ قدس (تعالیٰ) کی محبت اور انجذاب فنا کے حاصل ہونے سے وابستہ ہے جس کو سیرالی اللہ کی نہایت سے تعبیر کیا جاتا ہے:

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست راہ در بارگاہِ کبریا^(۳)

یعنی: کسی آدمی کو بھی جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائے، باری تعالیٰ کی بارگاہ میں راستہ نہیں ملتا۔

اس مقام میں شہود کا اطلاق عبارت کے میدان کی تنگی کی وجہ سے ہے، ورنہ ان بزرگواروں کا کارخانہ معارف شہود سے وراء الراء ہے۔ اسی طرح ان کا مقصد بے مثل و بے مثال ہے اور ان کا حق سبحانہ کے ساتھ اتصال بھی بے مثل و بے مثال ہے۔ مثال کو بے مثال کی جانب کوئی راستہ نہیں ہے: لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ۔^(۴)

یعنی: بادشاہ کے عطیات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

اتصالے بے تکلیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس^(۵)

یعنی: خدا کا اپنے بندوں سے ایک ایسا اتصال ہے جس کی کیفیت کا پانا اور سمجھنا محال ہے۔

حق سبحانہ کا احاطہ و سر بیان اور قرب و معیت ان ارباب سلوک کے محققین جو معاملے کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں، کے نزدیک ایک علم ہے، جیسا کہ علمائے حق شَکَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) کے مطابق قرب ذاتی اور اس طرح کی دوسری چیزوں کا حکم کرنا، ان کے نزدیک بے حاصلی اور دوری ہے۔ نزدیک والے قرب (ذاتی) کا حکم نہیں کرتے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں: ”جو شخص کہے کہ میں نزدیک ہوں، وہ دور ہے اور جو کہے کہ وہ دور ہے، وہ نزدیک ہے۔“ تصوف یہ ہے۔

وہ علم جو توحید و جود سے متعلق ہے اُس کا منشا جذب اور محبت قلبی ہے۔ ارباب قلوب جنہوں نے جذبہ پیدا نہیں کیا اور سلوک کے راستے میں منزلوں کو طے کر رہے ہیں، یہ علم ان سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اسی طرح وہ مجذوب جو سلوک میں قلب سے کلی طور پر قلب بدلنے والے (اللہ تعالیٰ) کی جانب متوجہ ہیں، وہ ان علوم سے بیزار کی گواہی دیتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ بعض مجذوب ایسے بھی ہیں جو اگرچہ راہ سلوک میں داخل ہوتے ہیں اور منزلیں طے کرتے ہیں، لیکن ان کی نظر مانوس مقام سے ہٹتی نہیں اور وہ اوپر کی طرف رخ نہیں کرتے۔ اس طرح کے علوم ان کا دامن نہیں چھوڑتے اور وہ اس بھنور سے باہر نہیں نکل سکتے، لہذا وہ قرب کے درجات میں عروج کرنے اور قدس کے زینوں پر چڑھنے سے معذور اور لنگڑے ہیں۔

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا۔ (سورۃ نساء، ۷۵) یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔

نہایت مطلب تک پہنچنے کی علامت (سالک کا) ان علوم سے بیزار ہونا ہے، کیونکہ خواہ (اسے) تنزیہ کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت پیدا ہو جائے، وہ عالم کو صانع (خالق) کے ساتھ زیادہ بے مناسب پاتا ہے۔ اس وقت عالم کو صانع کا عین سمجھنا اور یا صانع کو عالم کا محیط بالذات خیال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا:

ع مَا لِلشَّرَابِ وَرَبِّ الْأَرْبَابِ

یعنی: خاک کو پروردگار سے کیا نسبت ہے۔

معرفت: حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ ”ہم نہایت کو ابتدا میں درج کرتے ہیں۔“

اس عبارت کے معنی یہ ہیں کہ جو جذب و محبت (دوسرے طریقوں کے) منتہیوں کو انتہا میں میسر ہوتی ہے وہ جذب و محبت اس طریقہ (نقشبندیہ) کی ابتدا میں پیدا ہو جاتی ہے، یعنی اس کی ابتدا ہی میں درج ہے، کیونکہ منتہی کا جذب، جذبِ روحی ہے اور مبتدی کا جذب، جذبِ قلبی ہے۔ چونکہ قلب، روح اور نفس کے درمیان برزخ (پل) ہے، لہذا جذبِ قلبی کے ضمن میں جذبِ روحی بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اس اندراج کی اس طریقہ سے تخصیص کرنا، خواہ یہ مطلب تمام جذبات میں حاصل ہے، اس بنا پر ہے کہ اس سلسلہ کے اکابر نے اس مطلب کو حاصل کرنے کے لیے ایک طریقہ وضع کیا ہے اور اس مقصد تک پہنچنے کے لیے ایک راستہ مقرر کیا ہے اور دوسروں کو بھی یہ مطلب اتفاق سے میسر ہو جاتا ہے اور ان کے پاس (اس کا) کوئی ضابطہ نہیں ہے۔ نیز ان بزرگواروں (حضراتِ نقشبندیہ) کا جذبہ کے مقام میں ایک خاص شان ہے جو دوسروں کو (حاصل) نہیں ہے اور اگر ہے تو کم ہے۔ لہذا ان میں سے بعض کو اس مقام میں بغیر اس کے وہ سلوک کی منزلیں طے کریں، اربابِ سلوک کی فنا و بقا کے مشابہ ایک فنا و بقا حاصل ہو جاتی ہے اور مقام تکمیل جو مقام سیر عن اللہ باللہ کے مشابہ ہے، سے تھوڑا سا حصہ بھی ہاتھ آ جاتا ہے، جس کے ذریعے وہ مستعد لوگوں کی تربیت کرتے ہیں۔ اس بحث کی تحقیق عنقریب لکھی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں ایک نکتہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ روح کو بدن کے تعلق سے پہلے (اپنے) مقصود کی توجہ کی ایک قسم حاصل تھی، جب وہ بدن سے متعلق ہوئی تو وہ توجہ زائل ہو گئی۔ اس سلسلہ عالیہ (نقشبندیہ) کے اکابر نے اس سابقہ توجہ کے ظہور کے لیے ایک طریقہ وضع کیا ہے، لیکن روح کا چونکہ بدن سے تعلق ہے، (لہذا) توجہ قلبی حاصل ہوتی ہے، جو نفس اور روح کی توجہ کی جامع ہے اور شک نہیں کہ توجہ روحی، توجہ قلبی میں درج ہے، لیکن توجہ روحی جو منتہیوں کو (حاصل) ہے وہ روح کی فنا کے بعد (حاصل ہوتی) ہے اور حقانی وجود سے اس کی بقا کے بعد ہے، جو بقا باللہ سے تعبیر (ہوتی) ہے اور توجہ روحی جو توجہ قلبی کے ضمن میں (ہوتی) ہے، بلکہ روح کی وہ توجہ جو بدن کے تعلق سے پہلے تھی، بھی ایک ایسی توجہ ہے جو روح کی ہستی ہونے کے باوجود (حاصل ہوتی) ہے (اور) فنا نے اس کی طرف راستہ نہیں پایا ہوتا۔ روح کی ہستی ہونے کے بعد کی توجہ اور روح کے فنا ہونے کے ساتھ کی توجہ کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔ پس اس درج شدہ توجہ روحی کو نہایت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ وہ روح کی توجہ ہے، کیونکہ نہایت میں صرف یہی توجہ باقی رہتی ہے۔ لہذا نہایت کے ابتدا میں درج ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ابتدا میں انتہا کی صورت میں درج ہے، نہ کہ نہایت کی حقیقت جس کا ابتدا میں درج ہونا محال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صورت کے لفظ کا نہ لانا اس طریقہ (نقشبندیہ) کے طالبین کو شوق دلانے کی وجہ ہو۔ وَالْحَقِيقَةُ مَا حَقَّقْتُ بِعَوْنِ اللَّهِ تَعَالَى۔

یعنی: اور حقیقت وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ثابت کی ہے۔

وہ سابقین جن کا جذب کرنا بغیر عمل اور بغیر کسب کے ہے، بلکہ وہ توجہ اور حضور کے ساتھ آئے ہیں، ان کا جذب بھی قلبی ہے اور روح کی اس پہلی توجہ کا ایک اثر ہے جو بدن کے تعلق سے بالکل زائل نہیں ہوا ہے۔ پہلی توجہ کے ظہور کے لیے کسب و عمل اس جماعت کو درکار ہے جس نے اس (بدنی) تعلق کی توجہ سے پہلی توجہ کو بھلا دیا ہے۔ کسب گویا پہلی توجہ پر تنبیہ کے لیے ہے اور اس گم ہونے والی دولت کی یاد دہانی (کے لیے) ہے۔ لیکن پہلی توجہ کو بھول جانے والے مذکورہ سابقین سے (زیادہ) لطیف استعداد (رکھنے والے) ہیں، کیونکہ پہلی توجہ کو بالکل بھلا دینا متوجہ الیہ (بدن) کی جانب حقیقت میں کلی توجہ اور اس میں

گم ہونے کی خبر دیتا ہے اور توجہ کا عدم نسیان ایسا نہیں ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس توجہ کا شمول و سریان سابقین میں پوری طرح پیدا ہو جاتا ہے اور ان کا بدن بھی ان کے روح کا حکم اختیار کر لیتا ہے۔ کَمَا هُوَ شَأْنُ الْمُحِبُّوبِينَ الْمُرَادِينَ۔
یعنی: جیسا کہ محبوبوں اور مرادوں کی شان ہے۔

محبوبوں کے شمول اور سابقین کے شمول کے درمیان فرق چیز کی حقیقت اور شے کی صورت کی مانند ہوتا ہے۔

کَمَا هُوَ الظَّاهِرُ عَلَى أَرْبَابِهِ۔ یعنی: جیسا کہ (اس کے جاننے والے) صاحبان پر ظاہر ہے۔

ہاں! اصل محبوبوں اور کامل مریدوں کے لیے اس قسم کا شمول بھی ثابت ہے، لیکن وہ بجلی کی (چمک کی) مانند ہے، دائمی شمول محبوبوں کا خاصہ ہے۔

معرفت: مجذوبانِ اربابِ قلوب جب مقامِ قلب میں متمکن ہوتے ہیں اور رسوخ پیدا کرتے ہیں اور جو معرفت اور صحو اس مقام کے لائق ہے، وہ ان کو میسر آ جاتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ (اس وقت) طالبین کو فائدہ پہنچائیں۔ ان کی صحبت میں طالبین کی جماعت کو جذب و محبت حاصل ہوتی ہے، اگرچہ ان میں سے (لوگ) کمال کو نہیں پہنچتے، کیونکہ وہ خود ابھی کمال کی حد تک نہیں پہنچے ہیں، (لہذا) دوسرے کے لیے وہ کمال حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ مشہور ہے کہ ناقص کامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان سے جس قدر نفع رسائی ہوتی ہے، وہ اربابِ سلوک سے زیادہ فائدہ پہنچانے والی ہوتی ہے۔ خواہ وہ سلوک کی انتہا کو پہنچ جائیں اور منتہیوں والا جذب پیدا کر لیں، لیکن ان کو سیر عن اللہ باللہ کے راستے سے مقامِ قلب میں نیچے نہیں لایا گیا ہوتا، کیونکہ خلقت کی جانب رجوع نہ کرنے والا منتہی تکمیل و افادہ کا مرتبہ نہیں رکھتا، اس لیے اس کی عالم کے ساتھ کوئی مناسبت اور توجہ نہیں رہی تاکہ نفع رسائی کر سکے۔

شیخ مقتدا کو جو برزخ (پل) کہتے ہیں، یہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ مقامِ برزخیت جو کہ مقامِ قلب ہے، میں نیچے آ چکا ہے اور اس نے روح اور نفس دونوں جہت سے ایک وافر حصہ حاصل کیا ہے۔ وہ روح کی جہت سے اوپر سے استفادہ کرتا ہے اور نفس کی جہت سے اپنے ماتحت کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے حق سبحانہ کی توجہ خلقت کی توجہ کے ساتھ جمع ہو گئی ہے، ان میں سے کوئی ایک دوسری کے لیے حجاب نہیں ہے، لہذا اسے افادہ اور استفادہ (دونوں) ایک ساتھ حاصل ہیں۔ بعض مشائخ اس برزخیت کو خلقت اور خلق کے درمیان کی برزخیت کہتے ہیں اور صاحبِ برزخ شیخ کو جامع بین تشبیہ و تمیز یہ کہتے ہیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ برزخیت کی یہ قسم جس کی بنا سکر پر ہے اس مقامِ شنی کے لائق نہیں ہے جس کی بنیاد صحو پر ہے، کیونکہ ان کا نفس اس مقام میں روح کے غلبات کے انوار میں مندرج ہے اور یہی اندراج سکر کا منشا بنا ہے اور قلب کی برزخیت کے مقام میں نفس اور روح ایک دوسرے سے الگ ہیں، لہذا مجبوراً سکر کی اس میں گنجائش نہیں ہے، بلکہ وہاں سب صحو ہے جو دعوت کے مقام کے لائق ہے۔ اسی طرح ہے۔ شیخ کامل کو جب مقامِ قلب میں نیچے لاتے ہیں تو وہ برزخیت کے ذریعے عالم سے مناسبت پیدا کر لیتا ہے اور کمالات کے لیے سرگرم طالبین کے لیے کمالات حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ مجذوبِ متمکن بھی چونکہ مقامِ قلب میں ہے، لہذا وہ بھی عالم سے مناسبت رکھتا ہے اور وہ بھی ان کو توجہ (دینے) سے دریغ نہیں کرتا اور جذب و محبت خواہ قلبی ہو، سے بھی اس نے ایک حصہ حاصل کر لیا ہے، لہذا یقیناً نفع رسائی کا راستہ اس کے لیے کشادہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے

ہیں کہ مجذوب متمکن کی نفع رسانی کی مقدار (خلقت کی طرف) لوٹائے جانے والے منتہی کے فائدہ پہنچانے کی مقدار سے زیادہ ہوتی ہے اور منتہی کے فائدہ پہنچانے کی کیفیت مجذوب کے فائدہ پہنچانے کی کیفیت سے زیادہ ہے، کیونکہ (خلقت کی طرف) لوٹائے جانے والے منتہی کی اگرچہ عالم کے ساتھ مناسبت پیدا ہوگئی ہے، لیکن (یہ) ظاہری طور پر ہے اور حقیقت میں وہ (عالم سے) الگ ہے اور جہان کے دوسرے لوگوں میں سے ہے، وہ اصل کے رنگ میں رنگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ باقی ہے۔

اس مجذوب کو حقیقت میں اس عالم کے ساتھ مناسبت ہے اور وہ جہان کے افراد میں سے ہے اور اسی بقا کے ساتھ باقی ہے جس کے ساتھ عالم باقی ہے۔ پس لازمی طور پر طالبین حقیقی مناسبت کی وجہ سے مجذوب سے زیادہ فائدہ حاصل کرتے ہیں اور (خلقت کی طرف) لوٹائے ہوئے منتہی سے کم فائدہ پاتے ہیں، لیکن ولایت کے کمالات کے درجات کا فائدہ منتہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پس یقیناً منتہی کا فائدہ پہنچانا کیفیت میں قابل ترجیح ہوگا۔ نیز منتہی کی حقیقت میں ہمت و توجہ نہیں ہے اور مجذوب صاحب ہمت و توجہ ہے، (لہذا) وہ ہمت و توجہ سے طالب کے کام کو آگے بڑھاتا ہے، اگرچہ حد کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔ نیز نہایت توجہ جو طالبین کو مجذوبوں سے حاصل ہوتی ہے، وہی روح کی پہلی توجہ ہے جو انہوں نے بھلا دی تھی اور ان (مجذوبوں) کی صحبت میں ان کو یاد آگئی (اور) اندراج کے طریقہ سے توجہ قلبی میں حاصل ہوگئی۔ برخلاف اس توجہ کے جو منتہیوں کی صحبت میں پیدا ہوتی ہے۔ (یہ) نئی توجہ ہے جو پہلے ہرگز موجود نہ تھی اور روح کے فنا پر موقوف تھی، بلکہ اس کے وجود حقانی سے بقا پر موقوف تھی۔ پس لازماً پہلی توجہ حاصل ہونے میں آسان ہے اور دوسری توجہ وجود کے لحاظ سے دشوار ہے۔ جو چیز آسان ہے وہ بہت زیادہ ہے، اور جو چیز مشکل ہے وہ زیادہ کم ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جذبہ جہت حاصل کرنے میں شیخ مقتدا واسطہ نہیں ہے، کیونکہ یہ نسبت اس (طالب) کو پہلے حاصل ہو چکی تھی اور وہ اسے بھول جانے کی وجہ سے تنبیہ و تعلیم کا محتاج بنا ہے۔ لہذا اس شیخ کو شیخ تعلیم کہتے ہیں، نہ کہ شیخ تربیت۔ جہت سلوک میں سلوک کی منزلیں طے کرنے کے لیے شیخ مقتدا درکار ہے اور اس کی تربیت ضروری ہے۔

شیخ مقتدا کو نہیں چاہیے کہ وہ اس طرح کے مجذوب متمکن کو عام فیض رسانی کی اجازت دے اور تکمیل و شہی کی مسند پر بٹھائے۔ کیونکہ طالبین میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی استعداد بلند ہوتی ہے اور جو کمال و تکمیل کی قابلیت بہت کامل درجے کی رکھتے ہیں، اگر وہ اس مجذوب کی صحبت میں آجائیں تو احتمال ہے کہ (ان کی) وہ استعداد ضائع ہو جائے اور وہ قابلیت برطرف ہو جائے۔ مثلاً ایک زمین جو گندم کی کاشت کے لیے پوری قابلیت رکھتی ہو، اگر اس میں گندم کے بیج کے چند دانے بوئیں تو وہ اس کی اچھی استعداد کے مطابق پھل لاتی ہے اور اگر اس زمین میں ردی گندم یا چنانچہ بیج تو پھل لانے کی امید کہاں! بلکہ (اس زمین کی) قابلیت بھی ضائع ہو جائے گی۔ اگر بالفرض شیخ مقتدا (اسے) اجازت دینے میں مصلحت دیکھے اور نفع رسانی کا مقصد اس میں پائے تو چاہیے کہ اس کے افادہ کو بعض شرائط کے ساتھ مقید کرے۔ مثلاً یہ کہ اس کے افادہ کے طریقہ میں طالب کی مناسبت کا ظاہر ہونا، اور اس کی صحبت میں طالب کی استعداد کا ضائع نہ ہونا، اور اس ریاست و اقتدا (مشائخی و پیری) میں اس کے (اپنے) نفس میں سرکشی نہ ہونا، کیونکہ تزکیہ نفس نہ ہونے کی وجہ سے (ابھی) اس سے خواہش نفسانی زائل نہیں ہوئی ہے۔ جب (مجذوب متمکن کو) معلوم ہو جائے کہ طالب اس سے پہنچنے والے فائدے کی نہایت کو پہنچ

گیا ہے اور ابھی طالب کی استعداد میں (مزید) ترقی کی قابلیت موجود ہے تو اسے چاہیے کہ اس کو اس چیز سے آگاہ کر دے اور اس کو رخصت دے دے، تاکہ وہ کسی دوسرے شیخ سے اپنے کام کو تکمیل تک پہنچائے۔ (محبوب متمکن) خود کو منتہی نہ کہلوائے اور اس حیلہ سے لوگوں (طالبین) پر ڈاکہ نہ ڈالے۔ نیز اس طرح کی دوسری شرائط جو اس کے وقت اور حال کے لیے مناسب سمجھے، ان کو بیان کرے اور ان کی پوری طرح وصیت کر کے رخصت دے دے۔

لیکن (خلقت کی جانب) لوٹا یا جانے والا منتہی افادہ اور تکمیل میں ان شرائط کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ اسے جامعیت کی وجہ سے تمام طریقوں اور استعدادوں سے مناسبت (حاصل) ہے۔ ہر شخص استعداد اور مناسبت کے اندازہ کے مطابق اس سے نصیب پاسکتا ہے، اگرچہ شیوخ اور مقتداؤں کی صحبت میں مناسبت کی قوت وضعف کے لحاظ سے جلدی یا دیر کا فرق بھی متصور ہے، لیکن افادہ میں (تمام شیوخ) برابر ہیں۔

شیخ مقتدا کے لیے طالب کے افادہ کے وقت میں حق سبحانہ کی بارگاہ میں التجا کرنا اور اس کی رسی کو مضبوط تھا مناسوری ہے۔ وہ اس شہرت کے ضمن میں حق سبحانہ کی پوشیدہ پکڑ سے ڈرتا رہے۔ پھر یہ التجا کرنے کی جو توفیق حق سبحانہ و تعالیٰ نے اسے اس کام میں، بلکہ تمام امور میں اور تمام اوقات میں عطا فرمائی ہے، وہ اوقات میں سے کسی وقت میں اور کاموں میں سے کسی کام میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مقصد ثانی: اس چیز کے بیان میں جو سلوک سے تعلق رکھتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ جب ایک طالب سلوک کے طریقہ سے فوق کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اگر وہ اسم تک جو اس کا رب ہے، پہنچتا ہے اور اس میں فانی اور نابود ہو جاتا ہے تو اس پر فنا کا اطلاق درست ہو جاتا ہے اور بقا کے بعد اس اسم کے ساتھ بقا کا اطلاق اس پر مسلم ہو جاتا ہے۔ وہ اس فنا اور بقا کے ساتھ ولایت کے پہلے مرتبہ سے مشرف ہو جاتا ہے، لیکن اس مقام کی ایک تفصیل ہے جس کے لیے تفصیلی بات کرنا ضروری ہے۔

تمہید: جو فیض ذات (حق) تعالیٰ و تقدس سے پہنچتا ہے وہ دو قسم کا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو موجود کرنے، باقی رکھنے، پیدا کرنے، رزق دینے، زندہ کرنے اور مارنے وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور دوسری قسم جو ایمان، معرفت اور ولایت و نبوت کے مراتب کے تمام کمالات سے متعلق ہے۔ فیض کی پہلی قسم صرف صفات کے توسط سے ہے۔ دوسری قسم (میں فیض) بعض کو صفات کے ذریعے سے ہے اور بعض دوسروں کو شیونات کے ذریعے سے۔ صفات اور شیونات کے درمیان بہت دقیق فرق ہے جو محمدی المشرّب اولیاء کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہی معلوم ہے کہ کسی نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے۔ الغرض صفات ذات (حق) تعالیٰ و تقدس پر زائد وجود کے ساتھ خارج میں موجود ہیں اور شیونات ذات (حق) عز سلطانی میں صرف اعتبارات کے درجہ میں ہیں۔

یہ بحث ایک مثال سے واضح ہوتی ہے۔ مثلاً پانی طبعی طور پر اوپر سے نیچے کو آتا ہے۔ یہ طبعی فعل اس میں زندگی، علم، قدرت اور ارادے کا اعتبار پیدا کرتا ہے، کیونکہ ارباب علم اپنے ثقل کے ذریعے اپنے علم کے تقاضا سے اوپر سے نیچے آتے ہیں اور اوپر کی جانب توجہ نہیں کرتے۔ علم زندگی کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے اور قدرت بھی ثابت ہوگئی، کیونکہ ارادہ کا

استعمالِ دو مقدر وروں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی تخصیص کرنا ہے۔ پانی کی ذات میں یہ اعتبارات بمنزلہ شیونات کے ہیں۔ اگر ان اعتبارات کے باوجود پانی کی ذات میں زائد صفات ثابت کی جائیں تو وہ زائد وجود کے ساتھ بمنزلہ صفات موجود ہیں۔ پانی کو پہلے اعتبارات کی بنا پر حی، عالم، قادر اور مرید نہیں کہہ سکتے۔ ان ناموں کے لیے صفاتِ زائدہ کا ثبوت درکار ہے۔ پس بعض مشائخ کی عبارت میں پانی کے لیے مذکورہ ناموں کے ثابت کرنے کے لیے جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کی بنیاد شیون اور صفات میں فرق نہ ہونا ہے۔ اسی طرح صفات کے وجود کی نفی کا حکم بھی اس فرق کے نہ ہونے پر محمول ہے۔ شیون اور صفات کے درمیان دوسرا فرق یہ ہے کہ مقامِ شیون صاحبِ شان کے روبرو ہے اور مقامِ صفات ایسا نہیں ہے۔ اللہ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جو اولیاءِ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے قدم (مبارک) پر ہیں، ان کو دوسرا فیضِ شیونات کے ذریعے پہنچتا ہے اور (باقی) سب انبیاءِ صلوات اللہ تعالیٰ وبرکاتہ علی نبینا وعلیہم وعلی جمیع اتباعہم اور اولیاءِ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی وہ جماعت جو ان کے مبارک قدموں پر ہے، ان کے لیے اس فیض، بلکہ پہلے فیض کا پہنچنا بھی صفات کے ذریعہ سے ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جو اسمِ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رب ہے اور دوسرے فیض کے پہنچنے کا ذریعہ ہے وہ شانِ علم کا ظل ہے اور یہ شانِ تمام اجمالی اور تفصیلی شیون کی جامع ہے اور وہ ظلِ شانِ علم کے لیے ذات (حق) تعالیٰ و تقدس کی قابلیت، بلکہ سب اجمالی و تفصیلی شیون کی (قابلیت) سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن ان کے لیے شانِ علم کی شمولیت کے اعتبار سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ قابلیت اگرچہ ذاتِ عزِ شأنہ اور شانِ علم کے درمیان برزخ (پل) ہے، لیکن چونکہ اس کی ایک جہت بے رنگ ہے اور وہ ذاتِ تعالیٰ شأنہ کی جہت ہے، (لہذا) برزخ میں بھی اس کا رنگ پیدا نہیں ہوتا۔ پس وہ برزخ بھی ایک دوسری جہت جو شانِ علم ہے، کے رنگ میں رنگین ہے۔ لہذا مجبوراً اس کو اس ظل کا شان کہا گیا ہے۔ نیز چیز کے ظل سے مراد اس چیز کا ظہور ہے، خواہ وہ شبہ اور مثال (کی صورت) میں دوسرے مرتبہ میں ہو۔ چونکہ برزخ کا حصول طرفین کے حصول کے بعد ہے، (لہذا) یقیناً یہ برزخ مکاشفہ کے وقت میں اس شان کے تحت مکشف ہوتا ہے۔ پس اس ظہور کے اعتبار سے آخر تک ظلیت کا اطلاق مناسب لگتا ہے۔

اولیاء اللہ میں سے ایک گروہ (کے وہ حضرات) جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک کے قدم (مبارک) پر ہیں (اور) وہ اسماء جو دوسرے فیض کے وصول میں ان کے رب ہیں، وہ اس جامع قابلیت کے ظلال ہیں اور اس ظلِ مجمل کے لیے تفصیل کی مانند ہیں اور سب انبیاءِ صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماۃ علی نبینا وعلیہم کے رب اور ان کے لیے پہلے اور دوسرے فیض کے وصول کا ذریعہ اتصاف ذات (حق) عزِ سلطانہ کی وجودِ زائدہ کے ساتھ موجود قابلیتیں ہیں۔ اور وہ گروہ جو ان کے (مبارک) قدموں پر ہے، پہلے اور دوسرے فیض کے وصول کے ضمن میں ان کے رب صفات ہیں۔ آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے پہلے فیض کے پہنچنے کا ذریعہ تمام صفات کے ساتھ ذات (حق) تعالیٰ و تقدس کی قابلیتِ اتصاف ہے۔ گویا وہ قابلیتیں جو سب انبیاءِ صلوات اللہ وبرکاتہ علی نبینا وعلیہم کے فیوضات کا ذریعہ ہیں، وہ اس جامع قابلیت کے ظلال ہیں اور اس جامع مجمل کے لیے تفصیل کی مانند ہیں۔ وہ گروہ جس کے لوگ آنسور علیہ وسلم الصلوٰۃ والتحیۃ کے قدم (مبارک) پر ہیں، ان کے لیے پہلے

فیض تک پہنچنے کے ذرائع بھی جدا ہیں، جو صفات ہیں۔ پس محمدی مشربوں کے لیے پہلے فیض تک پہنچنے کے وسائل دوسرے فیض تک پہنچنے کے ذرائع سے جدا ہیں، بخلاف دوسروں کے لیے کہ جن کے لیے ایک (ہی جیسے) ہیں۔

بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم جنہوں نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رب کو قابلیت اتصاف میں منحصر کیا ہے، اس کی بنیاد شیون اور صفات کے درمیان فرق کا نہ ہونا، بلکہ مقام شیون میں علم کا نہ ہونا ہے۔ وَاللّٰهُ يُحَقِّقُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ ہی حق کو ظاہر کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی جانب ہدایت بخشتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والحقہ کا رب مقام شیون میں بھی رب الارباب ہے اور خانہ صفات میں بھی۔ اور وہ ہر دو فیض کے وصول کا ذریعہ ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کے کمالات کے مراتب کے فیض کا وصول ذات (حق تعالیٰ) سے امر زائد کے وسیلہ کے بغیر ہے، کیونکہ شیون عین ذات (حق تعالیٰ) ہیں اور ان میں زیادتی کا اعتبار عقلی اعتبارات میں سے ہے، لہذا تجلی ذاتی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے مخصوص ہوئی ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل تا بعد از چونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے راستے سے فیض حاصل کرتے ہیں تو ان کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ہاتھ آتا ہے اور دوسروں کے لیے چونکہ صفاتی ذرائع درمیان میں ہیں اور صفات زائد وجود سے موجود ہیں، لہذا ایک مضبوط مانع درمیان میں آگیا اور تجلی صفاتی ان کے لیے نامزد ہوئی۔

جاننا چاہیے کہ قابلیت اتصاف خواہ ایک اعتبار ہے، لیکن (یہ) وجود زائد نہیں رکھتی، کیونکہ صفات موجود ہیں، نہ کہ ان کی قابلیتیں۔ لیکن چونکہ قابلیتیں ذات اور صفات، بلکہ شیون اور صفات کے درمیان برزخوں کی مانند ہیں اور برزخ اپنی دونوں اطراف کا رنگ اختیار کر لیتا ہے، (لہذا) قابلیتوں نے بھی صفات کا رنگ اختیار کر کے رکاوٹ پیدا کر دی ہے:

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم دوست بسیار است

یعنی: دوست کی جدائی اگر تھوڑی ہے تو بھی بہت ہے، کیونکہ آنکھ میں اگر آدھا بال ہے تو بھی بہت ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ ذات (حق تعالیٰ) و تقدس کا بے پردہ ظہور تجلی شہودی کے منافی نہیں ہے، لیکن تجلی وجودی کے منافی ہے، لہذا آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام والحقہ کے لیے ولایت کے مختلف کمالات کے فیض تک پہنچنے کی جانب میں کوئی رکاوٹ درمیان میں نہیں آئی اور فیض وجود کے فیض تک پہنچنے میں ایک حجاب درمیان میں آگیا جو قابلیت اتصاف ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا۔

نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ شیون اور ان کی قابلیتیں عقل کے اعتبارات میں سے ہیں تو ان کے لیے وجود ذہنی ثابت ہو گیا اور اس سے حجاب علمی لازم ہو گیا۔

مختصر یہ کہ صفات کے حجابات خارجی ہیں اور شیون کے حجابات علمی ہیں، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ موجود ذہنی، دو موجود خارجی کے درمیان پردہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ موجود خارجی کے لیے پردہ نہیں ہو سکتا مگر موجود خارجی۔ اور ایسا تسلیم کر بھی لیا جائے تو بعض معارف کے حاصل ہونے سے علمی حجابات کا درمیان سے اٹھ جانا ممکن ہے، بخلاف خارجی حجاب کے جس کا زائل ہونا ممکن نہیں ہے۔

جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے، تو پھر جان لو کہ اگر (سالک) محمدی (المشرب) ہے تو اس کی سیر کی نہایت جو سیر الی اللہ سے موسوم ہے، شان کے ظل تک ہے، جو اس کا اسم ہے۔ اس اسم میں فنا کے بعد (سالک) فنا فی اللہ سے مشرب ہو جاتا ہے اور اگر وہ اس اسم کے ساتھ باقی ہو گیا تو اسے بقا باللہ بھی میسر ہوگی اور وہ اس فنا و بقا کے ساتھ ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و الخیر کے مرتبہ اولیٰ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ محمدی المشرب نہیں ہے تو صفت کی قابلیت یا نفس صفت تک پہنچ جاتا ہے جو اس کا رب ہے۔ اگر وہ اس اسم میں فانی ہو گیا تو اس پر فانی فی اللہ کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔ نیز اسی طرح اس اسم سے بقا پانے کی صورت میں وہ باقی باللہ (بھی) نہیں ہے۔ کیونکہ اسم ”اللہ“ سے مراد وہ مرتبہ ہے جو سب شیون و صفات کا جامع ہے۔ چونکہ شیون کی جہت میں زیادتی محض اعتباری ہے، (لہذا) وہ عین ذات ہیں اور ایک دوسرے کا عین ہیں۔ پس ایک اعتبار میں فنا (ہونا) سب اعتبار میں فنا (ہونا) ہے، بلکہ ذات (حق) تعالیٰ و تقدس میں فنا (ہونا) ہے۔ اسی طرح ایک اعتبار میں بقا (ہونا) تمام اعتبار میں بقا (ہونا) ہے۔ پس اس صورت میں فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہنا درست ہو جاتا ہے، بخلاف صفات کی جانب میں جو کہ ذات پر وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی مغائرت (مختلف ہونا) ذات (حق) عز سلطانہ کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ امر واقعی ہے (اعتباری نہیں)۔ پس ایک صفت میں فنا ہونا سب میں فنا ہونے کے لیے لازمی نہیں ہے۔ اور بقا میں بھی یہی حال ہے۔ پس مجبوراً اس فانی کو فانی فی اللہ اور باقی کو باقی باللہ نہیں کہنا چاہیے، بلکہ مطلق فانی اور باقی کہا جاسکتا ہے۔ یا کسی صفت کے ساتھ مقید کر کے (کہہ سکتے ہیں)، یعنی صفت علم میں فانی، یا اس صفت کے ساتھ باقی۔ پس لازماً محمدی مشربوں کی فنا زیادہ مکمل اور ان کی بقا زیادہ کامل ہوئی۔

نیز ایسے ہی محمدی مشرب کا عروج چونکہ شیون کی جانب ہے اور شیون کو عالم کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ عالم صفات کا ظل ہے، شیون کا ظل نہیں ہے۔ پس سالک کا ایک شان میں فنا (ہونا) اس کی مطلق فنا (ہونے) کو لازم کرتا ہے، اس طرح کہ سالک کے وجود کی بقا اور اس کا کوئی اثر نہ رہے۔ نیز اسی طرح بقا کی صورت میں وہ اپنے وجود سے اس شان کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے، بخلاف صفت میں فانی (ہونا) کہ وہ اپنے وجود سے باہر نہیں آتا اور اس کا اثر زائل نہیں ہوتا، کیونکہ سالک کا وجود اسی صفت کا اثر اور ظل ہے۔ پس اصل کا ظہور ظل کے وجود کو مٹانے والا بالکل نہیں ہوتا اور بقا فنا کے اندازہ سے ہوتی ہے۔ لہذا محمدی مشرب بشریت کی صفات کے رجوع سے مامون ہوتا ہے اور رد کے خوف سے محفوظ ہوتا ہے، کیونکہ وہ کلی طور پر خود سے باہر نکل چکا ہوتا ہے اور حق سبحانہ سے باقی ہو چکا ہوتا ہے۔ اس مقام میں عود (رجوع) ممنوع ہے، بخلاف فنا کے صفاتی کی صورت میں کہ اس جگہ سالک کے وجود کا اثر باقی رہنے کی وجہ سے عود (رجوع) ممکن ہے۔ (لہذا) ہو سکتا ہے کہ مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے درمیان واصل کے رجوع کرنے کے جواز اور اس کے عدم جواز میں جو اختلاف واقع ہوا ہے، وہ اسی وجہ سے ہو۔ درست یہ ہے کہ اگر (سالک) محمدی مشرب ہے تو عود (رجوع) سے محفوظ ہے، ورنہ خطرہ میں ہے۔

پس اسی طرح وہ اختلاف ہے جو فنا ہونے کے بعد سالک کے وجود کے اثر کے زائل ہونے میں ہے۔ بعض اثر اور عین کے زوال کے قائل ہو گئے ہیں اور بعض دوسروں نے اثر کے زوال کو جائز نہیں جانا ہے۔ اس ضمن میں حق (بات) کی بھی (خاصی) تفصیل ہے۔ اگر (سالک) محمدی (مشرب) ہے تو وہ عین اور اثر دونوں کو گم کر دیتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کا

اثر زائل نہیں ہوتا، کیونکہ صفت جو اس کی اصل ہے وہ باقی ہے، لہذا اس کے ظل کا کلی زوال ممکن نہیں ہے۔

یہاں ایک نکتہ ہے۔ جاننا چاہیے کہ عین اور اثر کے زوال سے مراد شہودی زوال ہے، نہ کہ وجودی زوال۔ کیونکہ وجودی زوال کے اقرار سے الحاد اور زندگی لازم آتی ہے۔ اس گروہ میں سے کچھ لوگوں نے وجودی زوال کا تصور کیا ہے اور وہ ممکن کے اثر کے زوال سے دور بھاگ گئے ہیں اور انہوں نے اس کو الحاد و زندگی سمجھا ہے۔ وَالْحَقُّ مَا حَقَّقْتُ بِأَعْلَامِهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور حق بات وہی ہے جسے میں نے حق سبحانہ کے آگاہ کرنے پر ثابت کیا ہے۔

عجیب ہے کہ یہ لوگ وجودی زوال کے اقرار کے باوجود عین کے زوال کے بھی قائل ہو گئے ہیں، کیونکہ عین وجود کے زوال کا حکم کرنا اثر کے زوال کے حکم کی مانند الحاد و زندگی کو لازم کرتا ہے۔

الغرض زوال وجودی عین اور اثر میں محال ہے اور (زوال) شہودی ہر دو میں ممکن بلکہ واقع (ہے)، لیکن (یہ) محمدی مشرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ محمدی (مشرب) پوری طرح قلب سے نکل آتے ہیں اور قلب کے موڑنے والے (حق تعالیٰ) سے مل جاتے ہیں۔ وہ احوال کے بدلنے سے آزاد ہیں اور ماسویٰ (اللہ) کی غلامی سے کلی طور پر محفوظ ہیں۔ دوسروں کو چونکہ آثار کا وجود دامن گیر ہے اور احوال کا بدلنا ان کے شامل حال ہے (اور) وہ مقام قلب سے چھٹکارا نہیں پاتے۔ کیونکہ آثار کا وجود اور احوال کا بدلنا حقیقت جامعہ قلبیہ کے نور کی شعاعوں میں سے ہے۔ لہذا دوسروں کا شہود ہمیشہ پردہ میں ہے، کیونکہ جتنی سالک کے وجود کی بقا ثابت ہے، اتنا ہی مطلوب کا پردہ ہے اور جب اثر باقی ہے تو پردہ وہی اثر ہے۔

معرفت: اگر سالک سلوک کے غیر متعارف راستے سے کسی اسم کے فوق کے مراتب میں سے اس مرتبہ میں پہنچے جو اس کا رب ہے اور بغیر اس کے کہ اس اسم میں پہنچے، وہ اس مرتبہ میں فانی اور نابود ہو جائے تو اس صورت میں بھی فانی اللہ کہنا درست ہے۔ اور اسی طرح اس مرتبہ میں بقا ہے۔ پس اس اسم کے ساتھ فانی اللہ کی تخصیص اس اعتبار سے ہے کہ سب فناؤں کے مراتب میں سے یہ پہلا مرتبہ ہے۔

معرفت: سلوک چند قسم کا ہے۔ بعض کا سلوک جذبہ پر مقدم ہے، بعض کا جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور ایک جماعت کو سلوک کی منزلیں طے کرنے کے دوران جذبہ حاصل ہوتا ہے۔ ایک گروہ کو منزلیں طے کرنا تو میسر ہو جاتا ہے، لیکن وہ جذبہ کی حد تک نہیں پہنچتے۔ جذبہ کا مقدم ہونا محبوبوں کے لیے ہے اور باقی قسمیں محبین سے تعلق رکھتی ہیں۔ محبوں کے سلوک سے مراد دس مشہور مقامات کا ترتیب و تفصیل سے طے کرنا ہے اور محبوبوں کے سلوک میں دس مقامات کا خلاصہ حاصل ہو جاتا ہے اور انہیں ترتیب و تفصیل سے کوئی سروکار نہیں۔ وحدت وجود اور اس کی طرح احاطہ و سر بیان اور معیت ذاتیہ کا علم جذبہ مقدم یا متوسط سے وابستہ ہے۔ سلوک خالص اور منتہیوں کے جذبہ کو اس طرح کے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اور منتہیوں کے حق الیقین کو بھی توحید وجودی سے تعلق رکھنے والے علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ جس جگہ بھی حق الیقین کا بیان ار باب توحید وجودی کے مقام کے مناسب کیا گیا ہے، وہ مبتدی یا متوسط مجذوبوں کا حق الیقین ہے۔

معرفت: بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب طالب کا کام جذبہ تک پہنچتا ہے تو پھر (اس کا) رہبر صرف وہی جذبہ ہوتا ہے، یعنی (اسے) کسی دوسرے رہبر کے واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی، وہی جذبہ (اس کے لیے) کافی ہے۔ اگر انہوں نے

اس جذبہ سے جذبہ سیر فی اللہ کا ارادہ کیا ہے تو البتہ کافی ہے، لیکن لفظ رہبر اس ارادہ کے منافی ہے، کیونکہ سیر فی اللہ کے بعد کوئی ایسی مسافت نہیں ہے جس کے طے کرنے میں (طالب) رہبر کا محتاج ہو۔ اسی طرح جذبہ مقدم بھی مراد نہیں ہے جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس مجبوراً انہوں نے جذبہ متوسط کا ارادہ کیا ہوگا اور وہ مطلوب کے حصول کی کفالت کرتا دکھائی نہیں دیتا، کیونکہ بہت سے متوسط اس جذبہ کے حصول کے وقت اوپر کی جانب عروج کرنے کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور انہوں نے اسی جذبہ کو جذبہ نہایت خیال کیا ہے۔ اگر (یہ جذبہ) کافی ہوتا تو انہیں راستہ میں نہ چھوڑ دیتا۔ ہاں! چونکہ جذبہ مقدم محبوبوں سے تعلق رکھتا ہے، اگر وہ کافی ہو جائے تو گنجائش رکھتا ہے۔ محبوبوں کو عنایت کے حلقہ سے کھینچ لیں گے اور راستے کے درمیان نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن یہ کفایت سب مقدم جذبات کے حق میں بھی ممنوع ہے، جو جذبہ طالب کے کام کو سلوک تک کھینچ لے جائے، وہی کافی ہے اور اگر سلوک تک نہ پہنچائے تو پھر مجذوب بے نصیب ہے اور محبوبوں میں سے نہیں ہے۔

خاتمہ: مشائخِ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے ایک گروہ نے کہا ہے کہ تجلی ذاتی شعور کو سست کرنے والی اور حس کو معطل کرنے والی ہے۔ ان میں سے بعض نے اپنے حال کے بارے میں یوں کہا ہے کہ اس تجلی ذاتی کے ظہور کے وقت وہ ایک مدت تک بے حس و حرکت پڑے رہے ہیں اور لوگ ان کو مردہ خیال کرتے تھے۔ بعض دوسرے لوگوں نے تجلی ذات میں کلام کرنے سے منع کیا ہے۔ اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ یہ تجلی ذات اسما میں سے ایک اسم کے پردے میں ہے اور پردے کا باقی رہنا صاحبِ تجلی کے وجود کے اثر کی بقا کی وجہ سے ہے اور وہ بے شعوری اس باقی (اثر) کی بنا پر ہے، اگر وہ پوری طرح فنا ہو جاتا اور بقا باللہ سے مشرف ہو جاتا تو وہ تجلی ہرگز اسے بے شعور نہ بناتی:

يُحَرِّقُ بِالنَّارِ مَنْ يَمَسُّ بِهَا وَمَنْ هُوَ النَّارُ كَيْفَ يُحَرِّقُ

یعنی: آگ کو جو چھوتا ہے وہ اسے جلا دیتی ہے اور جو خود آگ ہو وہ کیسے جل سکتا ہے۔

پہلا (شخص) آگ کو چھونے والا ہے، یقیناً وہ جل جائے گا اور نابود ہو جائے گا۔ دوسرا عین آگ ہے، لہذا وہ کیسے جل سکتا ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ وہ تجلی جو پردے میں ہے وہ تجلی ذات نہیں ہے، بلکہ تجلی صفات میں داخل ہے۔ تجلی ذات جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ سے مخصوص ہے، وہ تجلی بے پردہ ہے۔ پردے کی علامت بے شعوری ہے اور بے شعوری دوری کی بدولت ہے اور بے پردگی کی دلیل شعور ہے اور شعور حضور کے کمال میں ہے۔ ایک بزرگ علیہ الغفران نے اس تجلی، جو اصالت اور استقلال کے ساتھ ہے، والے صاحب کے حال سے اس طرح خبر دی، جہاں اس نے کہا ہے کہ:

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پر تو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

یعنی: حضرت موسیٰ علیہ السلام تو صفات کے ایک ہی پر تو سے بے ہوش ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عین ذات کو تبسم فرماتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

اور یہی تجلی ذاتی جو بغیر پردہ کے ہے محبوبوں کے لیے دائمی ہے اور محبوبوں کے لیے برقی (بجلی کی چمک کی مانند) لحظہ بھر کے لیے ہے، کیونکہ محبوبوں کے جسموں نے ان کی روحوں کا رنگ اختیار کر لیا ہے، (لہذا) اس نسبت نے پوری طرح ان میں سرایت کر لی ہے اور محبوبوں میں یہ سرایت شاذ و نادر ہے اور جو چیز حدیث نبوی علیہ و مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ

اَكْمَلُهَا میں بیان ہوئی ہے کہ: لَبِىَّ مَعَ اللّٰهِ وَقُتْ۔^(۶) یعنی: میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے۔ اس وقت سے مراد یہ تجلی برقی نہیں ہے، کیونکہ یہ تجلی آنسو و رعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو مرادوں (محبوبوں) کے بادشاہ ہیں، کے لیے دائمی ہے، بلکہ اس تجلی دائمی میں ایک خاص قسم مراد ہے جو بہت کم واقع ہوئی ہے، جیسا کہ اس کے صاحبان پر مخفی نہیں ہے۔ معرفت: حدیث: لَبِىَّ مَعَ اللّٰهِ وَقُتْ لَا يَسْعَىٰ فِيهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ۔^(۷)

یعنی: میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل شریک نہیں ہوتا۔ کے بیان میں مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے دو گروہ ہیں، ایک جماعت نے وقت سے دائمی وقت مراد لیا ہے اور دوسری جماعت وقت کی قلت کی قائل ہوئی ہے اور درست یہ ہے کہ دائمی وقت کے باوجود قلیل وقت بھی متحقق ہے، جیسا کہ ابھی اس کی جانب اشارہ ہو چکا ہے۔

اس حقیر کے نزدیک اس نادر وقت کا ثبوت نماز کی ادائیگی کے وقت میں ہے، شاید کہ آنسو و رعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے (اس) حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: قُرْءَةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔^(۸) یعنی: میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

نیز آنسو و رعلیہ الصلوٰۃ والسلام والختیہ نے فرمایا ہے: اقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلَاةِ۔^(۹) یعنی: بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب نماز میں ہوتا ہے۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (سورۃ علق، ۱۹) یعنی: سجدہ کر اور قرب حاصل کر۔

پس ہر اس وقت میں جس میں اللہ جل شانہ کا قرب زیادہ ہوتا ہے اس وقت میں غیر کی گنجائش کی نفی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے جو یہ فرمایا ہے اور اس سے اپنے حال کی قوت اور وقت کے دوام کی خبر دی ہے کہ: حَالِي فِي الصَّلَاةِ كَحَالِي قَبْلَ الصَّلَاةِ۔ یعنی: میرا حال نماز میں وہی ہوتا ہے جو نماز سے پہلے ہوتا ہے۔ پس مذکورہ احادیث، بلکہ مذکورہ نص برابری اور دوام کی نفی کرتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ وقت کا دوام ثابت شدہ ہے۔ بات اس میں ہے کہ دوام کے باوجود ایک نادر حالت بھی واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ ایک جماعت جس کو اس نادر وقت کی اطلاع نہیں دی گئی، یہ لوگ اس کی نفی کے قائل ہو گئے ہیں اور ایک دوسری جماعت جس کو اس مقام سے حصہ دیا گیا ہے، انہوں نے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ حقیقت میں جس شخص کو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والختیہ کے طفیل نماز میں جمعیت عطا ہوئی ہے اور اسے اس قرب کی دولت سے ایک تھوڑا سا حصہ عنایت ہوا ہے، وہ بہت ہی کم ہیں۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ بِكَمَالِ كَرَمِهِ نَصِيبًا مِنْ هَذَا الْمَقَامِ بِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَاةُ وَالتَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ۔ یعنی: اللہ سبحانہ اپنے کمال کرم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ہمیں اس مقام سے حصہ عطا فرمائے۔

معرفت: ارباب صفات کے منتہی (حضرات) علوم اور معارف میں مجذوبوں کے نزدیک ہیں اور دولتِ شہود میں بھی

دونوں کی شان ایک جیسی ہے۔ کیونکہ دونوں اربابِ قلوب میں سے ہیں۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ اربابِ صفات تفصیل سے آگاہ ہیں، بخلاف مجذوبوں کے۔ نیز ایسے ہی اربابِ صفات سلوک اور فوق کی جانب عروج کرنے کی وجہ سے عروج نہ کرنے والے مجذوبوں کی نسبت قرب زیادہ رکھتے ہیں، لیکن اصل کی محبت ان کو دامن گیر ہے۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (۱۰) (یعنی: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے) کے مطابق مجذوبوں میں بھی اصل کے قرب اور معیت کا اعتبار کیا جائے تو کوئی عجب نہیں ہے۔ کیونکہ مجذوب محبت میں محمدی (مشرَب حضرات) سے مناسبت رکھتے ہیں، کیونکہ حبِ ذاتی خواہ حجابات کے ساتھ ہو، وہ مجذوبوں میں بھی ثابت ہے۔

معرفت: اس گروہ (صوفیہ) میں سے بعض کی تحریر میں آیا ہے کہ اقطاب کے لیے تجلی صفات ہے اور افراد کے لیے تجلی ذات ہے۔ اس بات میں تامل کی گنجائش ہے، کیونکہ قطب محمدی مشرب ہے اور محمدی (مشرَبوں) کے لیے تجلی ذات ہے۔ ہاں! اس تجلی میں بھی بہت فرق ہے۔ جو قرب افراد کو (نصیب) ہے، وہ اقطاب کے لیے نہیں ہے، لیکن ہر دو کو تجلی ذات نصیب ہے، مگر یہ کہ ہم کہیں (کہ اس) قطب سے مراد قطب ابدال ہے جو کہ حضرت اسرافیل (علیہ السلام) کے قدم پر ہے، نہ کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدم پر۔

معرفت: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ۔ (۱۱) یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ بے مثل و بے مثال ہے۔ اس نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے روح کو جو اس کا خلاصہ ہے، بے مثلی اور بے مثالی کی صورت پر پیدا کیا۔ پس جس طرح کہ حق سبحانہ و تعالیٰ لامکانی ہے، اسی طرح روح بھی لامکانی بنی اور روح کی بدن کے ساتھ نسبت یوں ہے جیسے (حق) تعالیٰ و تقدس کی عالم کے ساتھ نسبت ہے کہ نہ (عالم میں) داخل ہے، نہ خارج، نہ متصل ہے اور نہ منفصل۔ قیومیت (تدبیر و تصرف) کے سوا کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ بدن کے ذرات میں سے ہر ذرے کی منتظم روح ہے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم (مدبر و متصرف) ہے۔ بدن کے لیے اللہ تعالیٰ کی قیومیت روح کی قیومیت کے واسطے سے ہے، جو فیض بھی وارد ہو رہا ہے، اس فیض کے ورود کا ابتدائی مقام روح ہے اور روح کے ذریعے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے۔ چونکہ روح بے مثلی اور بے مثالی کی صورت میں پیدا کی گئی ہے، (لہذا) یقیناً بے مثل و بے مثال حقیقی کی اس میں گنجائش ہوگئی۔ لَا يُسْعِنِي اَرْضِي وَلَا سَمَائِي وَلَكِنْ يَّسْعِنِي فِي قَلْبِ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ۔ (۱۲)

یعنی: میں اپنی زمین اور آسمان میں نہیں سما سکتا، لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں۔

کیونکہ زمین و آسمان وسعت اور کشادگی کے باوجود چونکہ دائرہ مکان میں داخل ہیں اور مثل و مثال کے دھبے سے داغدار ہیں، (لہذا) وہ لامکانی (ذات) مقدس جو کمیت و مقدار سے پاک ہے، کی گنجائش نہیں رکھتے اور بے مثل (ذات) پاک (مثل میں آرام نہیں پاسکتا، (لہذا) ناچار مومن بندے کے دل میں جو کہ لامکانی ہے اور کمیت و مقدار سے پاک ہے، میں (اس کا) سامنا ثابت ہو گیا۔ مومن بندے کے دل کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ غیر مومن کامل کا دل لامکانی کی بلندی سے نیچے آ گیا ہے اور وہ کمیت و مقدار میں گرفتار ہو چکا ہے اور اس کا حکم اختیار کر لیا ہے۔ پس اس نزول اور گرفتاری کی وجہ سے چونکہ وہ دائرہ مکانی میں داخل ہو چکا ہے اور اس نے مقدار پیدا کر لی ہے، (لہذا) اس نے اس قابلیت کو ضائع کر دیا ہے:

أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ. (سورة اعراف، ۱۷۹)

یعنی: یہ لوگ (بالکل) جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔

مشائخ میں سے جس کسی نے اپنے قلب کی وسعت کی خبر دی ہے، اس سے ان کی مراد قلب کی لامکانیت ہوگی، کیونکہ مکان خواہ وسیع ہو پھر بھی تنگ ہے۔ عرش بزرگی اور کشادگی کے باوجود چونکہ مکانی ہے، پس یقیناً لامکانی، جو کہ روح ہے، کے مقابلے میں رائی کے دانے کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ کم۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ قلب چونکہ قدم کے انوار کی تجلی کا محل بن گیا ہے، بلکہ (ذات) قدیم کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے، (لہذا) عرش اور جو کچھ اس میں ہے، اگر وہ اس میں گر پڑیں تو معدوم اور نابود ہو جائیں اور ان میں سے کوئی اثر باقی نہ رہے، جس طرح کہ سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادی قدس سرہ) نے اس مقام کے بارے میں فرمایا ہے: اِنَّ الْمُحَدَّثَ إِذَا قُوِّرَنَ بِالْقَدِيمِ لَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ۔

یعنی: بیشک جب محدث (فانی) قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

یہ ایک ایسا کیتا لباس ہے جو خاص روح کے قدر پر سیا گیا ہے۔ فرشتے بھی یہ خصوصیت نہیں رکھتے، (کیونکہ) وہ دائرہ مکان میں داخل ہیں اور مثل سے متصف ہیں۔ اسی لیے انسان رحمن جل سلطانہ کا خلیفہ قرار پایا۔ ہاں! شے کی صورت ہی شے کا خلیفہ ہوتی ہے، جب تک شے کی صورت مخلوق نہ ہو، وہ شے کی خلافت کے لائق نہیں ہے اور جب تک خلافت کے شایانِ شان نہ ہو (اس وقت تک) اپنی اصل کی امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتی۔

لَا يَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاهُ۔^(۱۳) یعنی: بادشاہ کی عطاؤں کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ (سورة احزاب، ۷۲)

یعنی: ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔

(انسان) اپنے نفس پر زیادہ ظلم کرنے والا اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے وجود اور توابع وجود کا کوئی اثر و حکم باقی نہیں چھوڑتا اور زیادہ جاہل اس بنا پر ہے کہ اسے اپنے مقصود کے تعلق کا کوئی ادراک نہیں ہے، اور نہ ہی اسے اتنا علم ہے کہ وہ اپنے مطلوب کو معلوم کر سکے، بلکہ اس مقام میں ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے اور جہالت کا اعتراف ہی معرفت ہے۔ (عارفوں میں) جس کو اللہ تعالیٰ کی زیادہ معرفت ہو، وہ سب سے زیادہ حیران رہتا ہے۔

تنبیہ: اگر بعض تحریروں میں کوئی ایسا لفظ آیا ہو جس سے (حق) تعالیٰ و تقدس کی شان میں ظرفیت یا مظر و فیت کا وہم ہوتا ہو تو اسے عبارت کے میدان کی تنگی پر محمول کرنا چاہیے اور کلام کی مراد کو اہل سنت کے علماء کی آراء کے مطابق رکھنا چاہیے۔

معرفت: عالم خواہ صغیر (انسان) ہو، چاہے کبیر (مجموعہ کائنات) ہو سب صفاتِ الہیہ تعالیٰ و شأنہ کے اسماء و صفات کے مظاہر ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے شیون و کمالات ذاتیہ کے آئینے ہیں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ایک مخفی خزانہ اور ایک پوشیدہ راز تھا۔ اس نے چاہا کہ خود کو اخفا سے ظہور میں لائے اور اجمال سے تفصیل میں لائے۔ اس نے عالم کو پیدا کیا، تاکہ اپنی اصل پر

دلالت کرے اور اپنی حقیقت پر علامت بنے۔ اس طرح عالم کو اپنے بے مثل خالق کے ساتھ اس کے سوا کوئی نسبت نہیں ہے کہ عالم اس کی مخلوق ہے اور (ذات) تعالیٰ و تقدس کے مخفی کمالات پر دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ہر حکم جو اتحاد و عینیت اور احاطہ و معیت کی قسم سے ہے وہ سکروقت اور غلبہ حال کی وجہ سے ہے۔ درست احوال (کے حامل) اکابر جن کو ان کے صحو کے پیالہ سے گھونٹ بھرا رزانی ہوا ہے، وہ ان علوم سے بیزار ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کو اثنائے راہ میں یہ علوم حاصل ہوتے ہیں، لیکن آخر کار ان کو ان سے گزار دیتے ہیں اور ان پر علوم شریعت کے مطابق علوم لدنی وارد فرماتے ہیں۔

ہم اس بحث کی تحقیق کے لیے ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ ایک زیرک، صاحب کمالات عالم چاہتا ہے کہ وہ اپنے مخفی کمالات کو منصفہ شہود پر لائے اور اپنے پوشیدہ فنون کو برملا ظاہر کرے۔ لہذا وہ حروف و اصوات کو ایجاد کرتا ہے تاکہ ان حروف و اصوات کے پردے میں ان کمالات کو جلوہ گر کرے اور ان فنون کو ظاہر کرے۔ پس اس صورت میں ان دلالت کرنے والے حروف و اصوات کو مخفی معانی کے ساتھ، بلکہ اس عالم موجود سے اس کے سوا کوئی نسبت نہیں ہے کہ وہ عالم ان کا موجود ہے اور وہ اس کے مخفی کمالات پر دلالت کرنے والے ہیں۔ حروف و اصوات کو اس عالم موجود کا عین یا ان معانی کا عین کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایسے ہی احاطہ و معیت کا حکم کرنا اس حادثہ میں غیر واقع ہے۔ معانی اسی پوشیدہ صرافت پر ہیں۔ چونکہ معانی و صاحب معانی اور حروف و اصوات کے درمیان دالیت و مدلولیت کی مناسبت ثابت ہے، (لہذا) بعض غیر واقع زائدہ معانی خیال میں آ جاتے ہیں۔ درحقیقت وہ عالم اور اس کے مخفی معانی اس نسبت زائدہ سے پاک اور مبرا ہیں اور یہ حروف و اصوات خارج میں موجود ہیں، یہ نہیں ہے کہ وہ عالم اور معانی موجود ہیں اور وہ حروف و اصوات اوہام و خیالات ہیں۔ پس عالم جس سے مراد ماسوا اللہ ہے، وہ خارج میں ظنی وجود اور تبعی کون کے ساتھ موجود ہے، یہ نہیں ہے کہ عالم محض اوہام و خیالات ہے۔ یہ بات سوفسطائی مذہب کے عین مطابق ہے جو عالم کو اوہام و خیالات سمجھتے ہیں۔ عالم کی حقیقت کو ثابت کرنا عالم کو اوہام و خیالات سے باہر نہیں نکال سکتا، اس صورت میں حقیقت موجود ہوگی نہ کہ عالم، کیونکہ عالم اس فرضی حقیقت کے علاوہ ہے۔

تنبیہ: عالم کا (حق تعالیٰ) کے اسماء و صفات کا مظہر ہونے اور آئینہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ صورتیں اسماء و صفات کا آئینہ ہیں، یہ نہیں ہے کہ صورتوں کے بغیر وہ صفات و اسماء کا آئینہ و مظہر ہیں۔ کیونکہ اسم بھی مستحکم کی طرح کسی آئینے کے احاطہ میں نہیں آ سکتا اور صفت (اپنے) موصوف کی مانند کسی مظہر میں مقید نہیں ہو سکتی:

در تنکنائے صورت معنی چگونہ گنجدر کلہ گدایان سلطان چہ کار دارد

یعنی: صورت کے تنگ کوچہ میں معنی نہیں سما سکتا ہے، گداگروں کی جھونپڑی میں بادشاہ کا کیا کام ہے؟

معرفت: آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام و التخیۃ کے کامل تابعین کو اگرچہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام و التخیۃ کی اتباع کی بدولت تجلی ذاتی جو بالا صالت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام و التخیۃ کا خاصہ ہے، سے (حصہ) نصیب ہے اور تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتحیات و التسلیمات کو تجلیات صفات (نصیب ہیں)۔ تجلی ذات تجلی صفات سے بلند تر ہے، لیکن جاننا چاہیے کہ انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتحیات و التسلیمات کو تجلیات صفات میں قرب کے وہ مراتب حاصل ہیں جو اس امت کے کامل تابعین کو تبعیت کے طریقہ سے تجلی ذاتی حاصل ہونے کے باوجود نصیب نہیں ہیں۔

مثلاً ایک شخص سورج کے جمال کی محبت میں عروج کے درجات کو طے کر کے سورج تک پہنچ جائے اور سورج اور اس کے درمیان ایک باریک پردے کے علاوہ کچھ نہ رہے اور ایک دوسرا شخص سورج کی ذات سے محبت کے باوجود ان مراتب کے عروج میں عاجز ہے۔ اگرچہ اس اور سورج کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ شک نہیں ہے کہ پہلا شخص سورج کے زیادہ نزدیک ہے اور اس کے کمالات دقیقہ سے زیادہ آگاہ ہے۔ پس جس (شخص) کو زیادہ قرب حاصل ہے وہ معرفت میں زیادہ فاضل تر ہے۔ اس طرح اس امت کے جو خیر الامم ہے، اولیاء میں سے کوئی ولی اپنے پیغمبر کی فضیلت کے باوجود نبیوں میں سے کسی نبی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، خواہ اسے اپنے پیغمبر کی متابعت کی بدولت اس مقام سے جس کے ساتھ اس کو فضیلت حاصل ہے، کچھ نصیب ہو جائے۔ (کیونکہ) کلی فضیلت نبیوں کو حاصل ہے (اور) اولیاء (ان کے) طفیلی ہیں۔ اور کلام (مکتوب) یہاں ختم ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَعَلٰی جَمِیْعِ نِعَمَائِہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَفْضَلِ اَنْبِیَآئِہِ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ۔

یعنی: اس (نعمت) پر اور سب نعمتوں پر اللہ سبحانہ کی حمد ہے اور اس کے نبیوں میں سے افضل نبی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور تمام انبیاء و مرسلین، مقرب فرشتوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین پر درود و سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۲۸۸)

سید انبیاء سارنگپوری کو تحریر فرمایا۔ عاشورا، شب قدر اور شبِ برأت وغیرہ میں نفل نمازوں کو باجماعت ادا کرنے سے منع کرنے (کے بیان) میں، اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِمُتَابَعِہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَجَنَّبَنَا عَنْ اِرْتِکَابِ الْمُبْتَدَعَاتِ فِی الدِّیْنِ وَالصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ قَمَعَ بُنْیَانَ الضَّلَالَةِ وَرَفَعَ اَعْلَامَ الْهُدَایَةِ وَعَلٰی آلِہِ الْاَبْرَارِ وَصَحْبِہِ الْاَخِیَارِ۔

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق وہ ذات ہے جس نے ہمیں سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی متابعت کا شرف بخشا اور دین میں بدعتوں کے ارتکاب سے بچایا اور درود و سلام ہو اُس ہستی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس نے گمراہی کی بنیادوں کو اکھیڑا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند کیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل ابراہیم اور صحابہ اخیار پر۔

جاننا چاہیے کہ خاص و عام میں اکثر لوگ اس زمانے میں نفل کی ادائیگی کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور فرائض میں سستی کرتے ہیں اور ان میں بھی سنتوں اور مستحبات کی رعایت بہت کم کرتے ہیں۔ نفلوں کو عزیز رکھتے ہیں اور فرضوں کو ذلیل و خوار (کرتے ہیں)۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ فرضوں کو مستحب اوقات میں ادا کریں۔ مسنون جماعت کی کثرت میں، بلکہ نفس جماعت میں بھی پابندی نہیں کرتے۔ نفس فرائض کی ادائیگی میں غفلت و سستی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ عاشورا (دسویں محرم) کے روز، شبِ برأت، رجب کی ستائیسویں رات اور اس مہینے کے پہلے جمعہ کو جس کا نام انہوں نے ”لیلۃ الرغائب“ (رجب کی پہلی شب جمعہ) رکھا ہوا ہے، کے کمال اہتمام کی رعایت کرتے ہوئے وہ کثیر تعداد کے ساتھ نفلوں کو باجماعت ادا کرتے ہیں اور اس

کونیک و مستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ شیطان کے دھوکے ہیں کہ وہ براہیوں کو نیکیوں کی صورت میں دکھاتا ہے۔
شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی (رحمۃ اللہ علیہ) حاشیہ شرح وقایہ میں فرماتے ہیں کہ نفلوں کو باجماعت ادا کرنا اور فرض کی جماعت کو ترک کر دینا شیطان کے جالوں میں سے ہے۔

جاننا چاہیے کہ نفلوں کو مکمل جماعت سے ادا کرنا ان مذموم اور مکروہ بدعتوں میں سے ہے، جن کے بارے میں خاتم النبیین علیہ من الصلوٰات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے فرمایا ہے:
مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا هَذَا فَهُوَ رَدٌّ.^(۱)

یعنی: جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی، پس وہ مردود ہے۔

جاننا چاہیے کہ نفلوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا بعض فقہی روایات میں مطلقاً مکروہ ہے اور بعض دوسری روایتوں میں یہ کراہت بلانے اور اجتماع کے ساتھ مشروط ہے۔ پس اگر بغیر بلائے ایک دو آدمی مسجد کے کونے میں جماعت کے ساتھ پڑھیں تو بلا کراہت جائز ہے اور تین آدمیوں کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے اور چار آدمی ہوں تو بعض روایات میں بالاتفاق مکروہ ہے اور بعض دوسری روایتوں میں صحیح تر یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ^(۲) میں (منقول) ہے: كُرِّهَ التَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ بِخِلَافِ التَّرَاوِيحِ وَصَلْوَةِ الْكُسُوفِ.

یعنی: نفل نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے سوائے نماز تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے۔

نیز ”فتاویٰ غیاثیہ“ میں شیخ الاسلام سرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: التَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ خَارِجُ رَمَضَانَ إِنَّمَا يُكْرَهُ إِذَا كَانَ عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي أَمَّا إِذَا اقْتَدَى وَاحِدٌ أَوْ ثَنَانٍ لَا يُكْرَهُ وَفِي الثَّلَاثِ اخْتِلَافٌ وَفِي الْأَرْبَعِ يُكْرَهُ بِإِلَّا خِلَافٍ. یعنی: غیر رمضان میں نوافل باجماعت پڑھنا مکروہ ہے جب اعلان کی صورت میں ہو، لیکن اگر ایک مقتدی ہو یا دو ہوں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار مقتدی ہوں تو بلا اختلاف مکروہ ہے۔

نیز ”خلاصہ“^(۳) میں مذکور ہے: التَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ إِذَا كَانَ عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي يُكْرَهُ أَمَّا إِذَا صَلَّوْا بِالْجَمَاعَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَأَقَامَةٍ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا يُكْرَهُ. یعنی: نوافل کی جماعت اعلان کی صورت میں مکروہ ہے، لیکن اگر اذان و اقامت کے بغیر مسجد کے کونے میں جماعت کے ساتھ ادا کی جائے تو مکروہ نہیں ہے۔

نیز شمس الاممہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: إِذَا كَانَ سِوَا إِمَامٍ ثَلَاثَةٌ لَا يُكْرَهُ بِالْإِتِّفَاقِ وَفِي الْأَرْبَعِ اخْتِلَافٌ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مَكْرُوهٌ. یعنی: جب امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو نوافل کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں ہے اور چار کے بارے میں (فقہاء کا) اختلاف ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

نیز ”فتاویٰ شافعیہ“ میں (مذکور) ہے: وَلَا يُصَلِّي التَّطَوُّعَ بِالْجَمَاعَةِ إِلَّا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ وَذَلِكَ إِنَّمَا يُكْرَهُ إِذَا كَانَ عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي يَعْنِي بِأَذَانٍ وَأَقَامَةٍ أَمَّا لَوْ اقْتَدَى وَاحِدٌ أَوْ ثَنَانٍ لَا عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي فَلَا يُكْرَهُ وَإِذَا اقْتَدَى ثَلَاثَةٌ اخْتَلَفَ الْمَشَائِخَ رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ اقْتَدَى أَرْبَعَةٌ كُرِّهَ إِتِّفَاقًا.

یعنی: کوئی شخص بھی نوافل باجماعت نہ پڑھے، سوائے رمضان کے اور نوافل کی جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے، اور

نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان و اقامت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے اور اگر ایک یا دو شخص اذان و اقامت کے بغیر اقتدا کر لیں تو مکروہ نہیں اور جب تین مقتدی ہوں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

نیز اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔ اگر کوئی ایسی روایت ہو جس میں عدد کا ذکر نہ ہو اور وہ مطلقاً نوافل کو باجماعت ادا کرنے کا جواز پیش کرے تو اسے ان شرائط پر محمول کرنا چاہیے جو دوسری روایات میں واقع ہوئی ہیں اور مطلق سے مشروط ہی مراد لینی چاہیے اور جواز کو دو یا تین (اشخاص) پر ہی منحصر کرنا چاہیے، کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھتے ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے، لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز رکھا ہے، بلکہ (اسے) لازم سمجھا ہے۔ اور اگر بالفرض ہم محال پر عمل نہ کریں اور اطلاق پر ہی رہنے دیں تو یقیناً یہ مطلق اس مقید کے لیے معارض ہوگا، اگر وہ (مطلق) قوت میں (اس مقید کے) برابر ہو۔ اور قوت میں مساوات ممنوع ہے۔ کیونکہ کراہت کی روایات کثرت کے باوجود مختار اور مفتی بہا ہیں، بخلاف اباحت کی روایات کے۔ اگر دونوں کی مساوات تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے کہ کراہت اور اباحت کی دلیلوں کے تعارض کی صورت میں ترجیح کراہت کی جانب ہی ہے، کیونکہ احتیاط اسی میں ہے، جس طرح کہ اصول فقہ کے صاحبان کے ہاں مقرر ہے۔

پس جو لوگ عاشوراء کے روز، شب برأت اور لیلۃ الغائب میں نماز (نفل) باجماعت ادا کرتے ہیں۔ دو دو سو اور تین تین سو آدمی جو مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز، اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں، فقہاء کے باتفاق وہ (لوگ) مکروہ امر کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بھاری گناہوں میں سے ہے، کیونکہ حرام کو مباح سمجھنا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو حسن (اچھا) خیال کرنا اس سے ایک درجہ نیچے ہے۔ اس فعل کی برائی کو خوب ملاحظہ کرنا چاہیے۔ کراہت کو رفع کرنے کے بارے میں ان کے پاس سند عدم تداعی ہے۔ جی ہاں! عدم تداعی بعض روایات کی رو سے کراہت کو دفع کرتی ہے، لیکن (یہ چیز) ایک یا دو (مقتدیوں) کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ مسجد کے کونے میں متحقق ہو۔

وَبَدُّوْهَا خَرْطُ الْقِتَادِ۔ یعنی: اور اس کے بغیر بے فائدہ رنج اٹھانا ہے۔

اس لیے کہ تداعی سے مراد ہے نماز نفل کے لیے ایک دوسرے کو بلانا اور آگاہ کرنا۔ اور یہ چیز ان جماعتوں میں ثابت ہے، کیونکہ قبیلہ قبیلہ عاشوراء کے روز وغیرہ کو ایک دوسرے کو آگاہ کرتا ہے اور (لوگ) بلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہیے اور باجماعت نماز (نفل) پڑھنی چاہیے اور انہوں نے اس فعل کی عادت بنالی ہے۔ اس قسم کا اعلان اذان اور اقامت سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس تداعی بھی ثابت ہوگئی۔ اور اگر ہم تداعی کو اذان و اقامت کے ساتھ مخصوص رکھیں، جس طرح کہ بعض روایات میں آیا ہے اور اس سے اذان و اقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر جواب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے کہ (باجماعت نماز نفل) ایک یا دو (مقتدیوں) کے ساتھ (اور) دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہوئی ہے، مخصوص ہے۔

جاننا چاہیے کہ نوافل کی بنیاد اخفا اور پوشیدگی پر ہے، کیونکہ (ان میں) ریا اور شہرت کا گمان ہے اور جماعت اس (پوشیدگی) کے منافی ہے۔ فرض کی ادائیگی میں اظہار اور اعلان مطلوب ہے، کیونکہ یہ ریا اور شہرت کے شائبہ سے پاک ہے۔ لہذا ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔ اس کے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اجتماع کی کثرت فتنہ کے پیدا ہونے کا مقام

ہے، لہذا نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے بادشاہ (وقت) یا اس کے نائب کے حاضر ہونے کو شرط قرار دیا گیا ہے، تاکہ فتنہ پیدا ہونے سے امن ثابت ہو جائے۔ ان مکروہ جماعتوں میں بھی فتنہ کے جاگ پڑنے کا قوی احتمال ہے، لہذا یہ اجتماع مشروع (شرعی طور پر جائز) نہیں ہے اور ممنوع ہے۔ حدیث نبوی علیہ من الصلوٰات افضلها ومن التسلیمات اکملها ہے: الْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللَّهُ مَنْ أَيقَظَهَا۔^(۴) یعنی: فتنہ سویا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرتا ہے جو اسے جگاتا ہے۔

پس اسلام کے والیوں، قاضیوں اور محستیوں پر لازم ہے کہ وہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارے میں بہت زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کریں، تاکہ اس بدعت کی بیج کئی ثابت ہو جائے جو فتنے تک پہنچانے والی ہے۔ وَاللَّهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔ یعنی: اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت بخشتا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۸۹)

مولانا بدرالدین کوثر پرفرمایا۔ اسرارِ قضا و قدر کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَشَفَ سِرَّ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ عَلَى الْخَوَاصِّ مِنْ عِبَادِهِ وَسَتَرَ عَنِ الْعَوَامِ لِمَكَانِ الضَّلَالِ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَافْتِصَادِهِ وَالصَّلَوةَ وَالسَّلَامَ عَلَى مَنْ أَكْمَلَ بِهِ الْحُجَّةَ الْبَالِغَةَ وَقَطَعَ بِهِ أَعْدَارَ الْعُصَاةِ الْهَالِكَةِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْبَرَّةِ الْآتِقِيَاءِ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَدَرِ وَرَضُوا بِالْقَضَاءِ. یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے قضا و قدر کے راز کو اپنے بندوں میں سے خواص پر منکشف فرمادیا اور عوام سے اس لیے مخفی رکھا تاکہ وہ سیدھے راستے اور اعتدال سے بھٹک نہ جائیں اور درود و سلام ہو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جن کے ساتھ یہ حجت بالغہ کامل ہوئی اور جنہوں نے نافرمانوں کے عذروں کو کاٹ کر رکھ دیا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نیکو کار آل اور پرہیزگار صحابہ پر جو قدر پر ایمان لائے اور قضا پر راضی ہوئے۔

اتما بعد، چونکہ قضا و قدر کے مسئلہ میں اکثر لوگ حیرت و گمراہی کا شکار ہیں اور اس کے اکثر ناظرین پر باطل و ہم و خیال غالب آ گیا ہے، حتیٰ کہ بندے سے جو کچھ اپنے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس میں بعض جبر کے قائل ہو گئے ہیں اور بعض نے بندے کے اس (فعل) کی خدائے واحد قہار کی طرف نسبت کی نفی کر دی ہے اور ایک گروہ نے اس عقیدے میں اعتدال اختیار کیا ہے، جو صراطِ مستقیم اور مضبوط راستہ ہے اور بلاشبہ اس روش کی توفیق فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت رضی اللہ عنہم وعن اسلام و اخلافہم کو نصیب ہوئی۔ پس انہوں نے افراط و تفریط کو ترک کر کے میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کیا۔

(حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے امام اجل (حضرت) جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیٹے! کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی امر بندوں کے سپرد فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اپنی ربوبیت کو اپنے بندوں کے سپرد فرمادے۔“ پھر (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے عرض کیا: ”کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر بندوں کو مجبور بنایا ہے؟“ (حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑا عدل والا ہے کہ وہ پہلے بندوں کو مجبور کرے اور اس کے بعد ان کو عذاب دے۔“

پس (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے) عرض کیا: ”پھر اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟“ (حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: ”اس کے بین بین ہے، نہ جبر ہے اور نہ اختیار اور نہ مجبور کرنا اور نہ (کسی حکم کا) مسلط کرنا۔“

شاید اسی لیے اہل سنت نے کہا ہے کہ بیشک بندوں کے اختیاری افعال پیدا و ایجاد کرنے کے اعتبار سے حق تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہیں اور دوسری صورت کسب و اکتساب کے لحاظ سے بندوں کی قدرت کے تحت ہیں۔ اس طرح بندے کی حرکت کو حق تعالیٰ کی قدرت کی جانب نسبت کے لحاظ سے خلق و ایجاد کہتے ہیں اور بندے کی قدرت کے ساتھ تعلق کے اعتبار سے کسب و اکتساب کہتے ہیں۔ لیکن (امام ابوالحسن) الاشعریؒ اس طرف گئے ہیں کہ بندوں کا اپنے افعال میں ہرگز کوئی اختیار نہیں ہے، مگر یہ ہے کہ حق سبحانہ اپنی جاری عادت کے تحت بندوں کے اختیار کے بعد ان کے افعال کو ایجاد کرتا ہے۔ اس لیے ان (امام اشعریؒ) کے نزدیک قدرت حادثہ (بندے کے اختیار) کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور (یوں) یہ مذہب بھی جبر کی جانب مائل ہے۔ اسی وجہ سے اس کو جبر متوسط کا نام دیا جاتا ہے۔

استاد ابواسحاق اسفرائینی (رحمۃ اللہ علیہ) اصل فعل میں قدرت حادثہ (بندے کے اختیار) کی تاثیر اور دونوں قدرتوں کے مجموعہ سے فعل کے وجود میں آنے کے قائل ہوئے ہیں اور انہوں نے اثر واحد کے لیے دو مختلف سمتوں کے لحاظ سے دو موثرات کا جمع ہونا جائز قرار دیا ہے۔

نیز قاضی ابوبکر باقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) وصف فعل میں قدرت حادثہ (بندے کے اختیار) کی تاثیر کے اس طرح قائل ہوئے ہیں کہ فعل کو طاعت یا معصیت کے ساتھ موصوف کر دیا جائے۔

اس بندہ ضعیف (حضرت مجددؒ) کے نزدیک مختار یہ ہے کہ اصل فعل اور وصف فعل (دونوں) میں قدرت حادثہ (بندے کے اختیار) کی تاثیر ہے، کیونکہ اصل کی تاثیر کے بغیر وصف کی تاثیر کے کچھ معنی نہیں۔ اس لیے کہ وصف اس اصل کا اثر ہے جو اسی پر متفرع ہے، لیکن وہ اصل فعل کی تاثیر پر ایک زائد تاثیر کا محتاج ہے۔ کیونکہ وصف کا وجود اصل کے وجود پر زائد ہے اور بندے کی تاثیر کے قائل ہونے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگرچہ یہ قول اشعریؒ کے لیے گراں ہوگا، کیونکہ بندے کی قدرت میں تاثیر کا وصف بھی حق سبحانہ کی ایجاد ہے، جس طرح کہ نفس قدرت بھی حق تعالیٰ کی ایجاد ہے۔ قدرت حادثہ کی تاثیر کا قول وہی ہے جو صحیح ہونے کے زیادہ قریب ہے۔

لیکن مذہب اشعری درحقیقت دائرہ جبر میں داخل ہے، کیونکہ ان کے ہاں بندے کو حقیقت میں کوئی اختیار نہیں ہے اور اس کی قدرت حادثہ میں کوئی تاثیر نہیں، مگر یہ ہے کہ جبر یہ ہے کہ نزدیک فعل اختیاری کی نسبت فاعل کی جانب حقیقی طور پر نہیں، بلکہ مجازی طور پر ہوتی ہے اور اشعریؒ کے نزدیک فاعل کی طرف حقیقی طور پر (منسوب) کی جاتی ہے، اگرچہ اس (بندے) کو حقیقت میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ فعل حقیقی طور پر بندے کی قدرت کی جانب منسوب ہوتا ہے، خواہ قدرت کم ہی موثر ہو۔ جیسا کہ مذہب اشعری کے علاوہ اہل سنت کا مذہب ہے، یا مدار محض ہو جیسا کہ ان (اشعریؒ) کا مذہب ہے۔ اس فرق سے اہل حق کا مذہب اہل باطل سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کہ فعل کی حقیقی طور پر فاعل سے نفی کرنا اور مجازی طور پر ثابت کرنا جیسا کہ جبر یہ کا قول ہے، واضح کفر ہے اور ضروری امر کا انکار ہے۔

صاحبِ تمہید^(۱) نے فرمایا ہے کہ جبریہ میں بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ فعل کا بندے سے صدور صرف ظاہری اور مجازی طور پر ہے، لیکن درحقیقت اسے کوئی استطاعت حاصل نہیں ہے۔ بندہ درخت کی مانند ہے کہ جب اسے ہوا متحرک کرتی ہے تو وہ حرکت کرتا ہے۔ پس اسی طرح بندہ درخت کی مانند مجبور محض ہے۔ یہ قول کفر ہے اور جس شخص نے ایسا عقیدہ رکھا وہ کافر ہو گیا۔

نیز انہوں (صاحبِ تمہید) نے مذہبِ جبریہ (کے ضمن میں) فرمایا ہے کہ ان کا قول ہے کہ حقیقت میں بندوں کے اپنے افعال کا کوئی وجود نہیں ہے، نہ خیر میں اور نہ شر میں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں پس اس کا فاعل حق سبحانہ ہی ہے اور یہ قول بھی کفر ہے۔ (سوال): اگر تو یہ کہے کہ جب بندے کی قدرت کو اس کے افعال میں کوئی تاثیر حاصل نہیں اور نہ ہی حقیقت میں اس کا کچھ اختیار ہے تو پھر اشعری کا افعال کو بندے کی جانب حقیقی طور پر منسوب کرنا، کیا معنی رکھتا ہے؟

(جواب): ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ (بندے کی) قدرت کی افعال میں کوئی تاثیر ثابت نہیں ہے، مگر پھر بھی یہ ضرور ہے کہ حق سبحانہ نے اس (قدرت) کو افعال کے وجود کا مدار بنایا ہے۔ اس طرح کہ حق تعالیٰ بندوں کو افعال کی جانب قدرت اور اختیار دینے کے بعد افعال کو اپنی جاری عادت کے مطابق پیدا فرماتا ہے۔ نیز بندے کی قدرت افعال کے وجود کے لیے علتِ عادیہ (عادی سبب) بن گئی ہے۔ پس اس طرح افعال کے صادر ہونے میں حسبِ عادت قدرت کا دخل ثابت ہو گیا، کیونکہ افعال بندے کی قدرت کے بغیر عادی طور پر وجود میں نہیں لائے جاتے، اگرچہ اس (قدرت) کو افعال کے صدور میں کوئی تاثیر حاصل نہیں ہے۔ پس علتِ عادیہ (عادی سبب) ہونے کی وجہ سے حقیقت میں بندوں کے افعال کی نسبت ان کی جانب کی جاتی ہے۔ مذہبِ اشعری اور کلام کی تصحیح میں یہ انتہائی کوشش ہے، لیکن ان کے کلام میں ابھی تک تردد کی گنجائش موجود ہے۔

جاننا چاہیے کہ یقیناً اہل سنت قدر (تقدیر) پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ اچھی بری اور میٹھی کڑوی تقدیر سب حق سبحانہ کی طرف سے ہے، کیونکہ تقدیر کے معنی احداث و ایجاد کے ہیں اور معلوم ہے کہ (سب امور کا) محدث اور موجد حق سبحانہ کے سوا کوئی نہیں ہے: لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدْهُ. (سورۃ انعام، ۱۰۲) یعنی: اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) تو اسی کی عبادت کرو۔

(فرقہ) معتزلہ اور قدریہ نے قضا و قدر سے انکار کیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ یقیناً بندوں کے افعال صرف بندے کی قدرت سے وجود میں آتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر حق سبحانہ برائی کو قضا کرتا اور اس کے بعد ان کو اس پر عذاب دیتا تو یقیناً یہ معاملہ حق سبحانہ کی جانب سے ظلم و ستم ہوتا۔ ان کا یہ کہنا جہالت کی وجہ سے ہے کیونکہ حق سبحانہ کی قضا بندے سے قدرت اور اختیار کو سلب نہیں کرتی۔ اس لیے کہ (حق سبحانہ نے) اس طرح قضا فرمائی ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے کام کرے گا یا نہیں کرے گا۔

مختصر یہ ہے کہ اس طرح کی قضا بندے کے اختیار کو واجب اور لازم کرتی ہے اور یہ چیز اختیار کی تائید کرتی ہے، نہ کہ اس کی مخالفت۔ معتزلہ کا قول باری تعالیٰ کے افعال کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ کا فعل قضا کی رو سے واجب ہے یا ممتنع۔ اس لیے کہ قضا اگر وجود سے متعلق ہے تو واجب ہے اور اگر عدم سے (متعلق) ہے تو پھر ممتنع ہے۔ پس اگر فعل اختیاری کا

وجوب اختیار کے منافی ہو تو پھر باری تعالیٰ اپنے افعال میں مختار نہیں رہے گا اور یہ (بات) کفر ہے۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ اس بات کا قائل ہونا کہ بندے کو کمال ضعف کے باوجود اپنے افعال کی ایجاد میں مستقل طور پر قدرت حاصل ہے، انتہائی کم عقلی ہے اور نہایت نادانی کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماوراء النہر کے مشائخ شکر اللہ تعالیٰ سَعِيَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے اس مسئلہ میں ان (قدریہ) کی گمراہی میں مبالغہ کیا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ ان سے مجوسیوں کا حال بہتر ہے، کیونکہ مجوسیوں نے ایک شریک کے سوا کسی اور کا اثبات نہیں کیا ہے اور معتزلہ نے لا تعداد شریک ثابت کر دیے ہیں۔ اور جبریہ نے گمان کیا ہے کہ بندے کا ہرگز کوئی اپنا فعل نہیں ہے، نہ قدرت، نہ ارادہ اور نہ ہی اختیار۔ اور اس کی حرکات جمادات کی مانند ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ یقیناً بندے کو نہ اچھے کام پر کوئی ثواب دیا جائے گا اور نہ ہی اسے برے عمل پر عذاب دیا جائے گا اور کفار اور گناہگار ایسے معذور ہیں جن سے کوئی پوچھ نہیں ہوگی، کیونکہ سب افعال حق سبحانہ کی جانب سے ہیں اور بندہ مجبور محض ہے اور (ان کا) یہ قول کفر ہے۔ اور اس لعنتی گروہ مرجیہ کے لوگ ایسے ہیں جو اس چیز کے قائل ہیں کہ گناہ (کوئی) نقصان نہیں پہنچاتا اور گناہگار کو عذاب نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: لُعِنَتِ الْمَرْجُئَةُ عَلَى لِسَانِ سَبْعِينَ نَبِيًّا۔^(۲)

یعنی: ستر نبیوں کی زبان سے مرجیہ پر لعنت کی گئی ہے۔

ان کا مذہب ظاہری طور پر باطل ہے۔ اپنے اختیار سے حرکت دینے اور ریشہ کی بیماری سے حرکت پیدا ہونے میں فرق ظاہر ہے۔ اور ہم قی طور پر جانتے ہیں کہ پہلی حرکت اس (بندے) کے اختیار سے ہے اور دوسری (اس کے اختیار میں) نہیں ہے۔ قطعی نصوص بھی اس مذہب کی نفی کرتی ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (سورہ واقعہ، ۲۴) یعنی: یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

نیز اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔ (سورہ کہف، ۲۹) وَغَيْرِ ذَلِكَ۔

یعنی: جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔

جاننا چاہیے کہ اکثر لوگ اپنی ہمتوں کی کمزوری اور اپنی نیتوں کے قصور کی وجہ سے بہانہ اور عذر تلاش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ (آخرت کی) باز پرس سے خود کو بچالیں، لہذا وہ مذہب اشعری، بلکہ مذہب جبری کی جانب مائل ہو جاتے ہیں۔ پس وہ کبھی کہتے ہیں کہ بندے کو حقیقت میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور فعل کی اس سے نسبت مجازی ہے اور کبھی وہ بندے کے ضعف اختیار کے قائل ہو جاتے ہیں جو جبر کو لازم کرتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ اس مقام میں بعض صوفیہ کا (یہ) کلام سنتے ہیں کہ افعال کا فاعل صرف ایک ہی ہے اور بندے کے افعال میں اس کی قدرت کا ہرگز کوئی اثر نہیں ہے اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کی مانند ہیں، بلکہ بندے کا وجود ذات و صفات کی رو سے ہموار زمین کی صورت میں ایک سراب کی طرح ہے جس کو پیاسا آدمی پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آتا ہے تو ایسی کوئی چیز نہیں پاتا اور (البتہ) اللہ (کی ذات) کو اپنے قریب پاتا ہے۔ اسی طرح کی باتوں نے ان (لوگوں) کو اقوال و افعال میں مدہانت و غفلت پر زیادہ دلیر بنا ڈالتا ہے۔

پس ہم اس مقام کی تحقیق میں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔ یقیناً اگر بندے کے لیے

حقیقت میں اختیار ثابت نہ ہوتا، جس طرح کہ مذہبِ اشعری ہے تو پھر حق تعالیٰ یقیناً ظلم کی نسبت بندوں کی جانب نہ کرتا، کیونکہ ان کو نہ کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ ہی ان کی قدرت کے لیے کوئی تاثیر ہے، بلکہ اشعری کے نزدیک ان کی قدرت تو مدارِ محض ہے اور بس۔ جبکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید (قرآن) میں متعدد مقامات پر ظلم کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے اور تاثیر کے بغیر صرف مدار ہونا خواہ فی الجملہ درست ہی ہو ظلم کو واجب نہیں کرتا۔ ہاں! حق تعالیٰ کا بندوں کو دکھ یا عذاب دینا بغیر اس امر کے کہ ان کے لیے اختیار ثابت ہو، ہرگز ظلم نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ مطلق طور پر مالک ہے اور وہ اپنے تمام ملک میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، لیکن ظلم کی نسبت بندوں کی طرف کرنا ان کے اختیار کے ثبوت کو لازم کرتا ہے اور اس مسئلہ میں مجاز کا احتمال فوراً ذہن میں آنے والی چیز کے خلاف ہے، ضرورت کے بغیر اس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن رہا ضعف اختیار کا قول تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ اگر ضعف سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے اختیار کی نسبت بندے کا اختیار ضعیف ہے تو یہ مسلم ہے اور اس میں کسی کا جھگڑا نہیں ہے اور اگر ضعف سے یہ مراد ہے کہ افعال کے صادر ہونے میں بندے کا استقلال نہیں ہے تو یہ بھی مسلم ہے۔ لیکن ضعف کا یہ معنی مسلم نہیں ہے کہ افعال کے صادر ہونے میں بندے کے اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ (وہی) پہلا مسئلہ ہے (جس میں نزاع ہے) اور (جس کے) منع کی سند تفصیل کے ساتھ پہلے بیان ہو چکی ہے۔

جاننا چاہیے کہ یقیناً حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے مطابق تکلیف دی ہے اور اس تکلیف میں بھی ان کی خلقت کے ضعف کی بدولت آسانی کی رعایت رکھی ہے، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا. (سورۃ نساء، ۲۸)

یعنی: اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور انسان ضعیف (کمزور) پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ کیونکر آسانی نہ کرے، جبکہ حق سبحانہ حکمت والا، مہربانی کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ اس کی حکمت و لطف اور رحمت کے لائق نہیں ہے کہ وہ بندے کو اس چیز کی تکلیف دے، جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتا۔ لہذا اس نے بندے کو اتنا بڑا پتھر اٹھانے کا حکم نہیں فرمایا جس کو وہ اٹھا نہیں سکتا، بلکہ اس نے اس (چیز) کی تکلیف دی ہے جو بندے کے لیے زیادہ آسان ہے، (مثلاً) پانچ وقت کی نمازیں جو قیام، رکوع، سجود اور آسان قرأت پر مشتمل ہیں اور یہ سب آسان ہیں، انتہائی آسانی کے ساتھ۔ اسی طرح روزہ، مثلاً نہایت سہولت میں ہے۔ زکوٰۃ بھی اسی طرح ہے، کیونکہ (مال کا) چالیسواں حصہ واجب بنایا گیا ہے، اس کا تمام اور آدھا (حصہ) واجب نہیں بنایا گیا، تاکہ بندوں پر دشوار نہ ہو۔ یہ بھی اس کی کمال رحمت ہے کہ اس نے ہر مامور بہ کا اس کے ادا نہ ہونے کی صورت میں بدل اور عوض مقرر فرما دیا۔ جس طرح کہ وضو کا عوض تیمم مشروع بنا دیا اور ایسے ہی حکم فرمایا کہ جو شخص قیام کی قدرت نہ رکھتا ہو، وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور جو بیٹھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، وہ پہلو پر نماز ادا کر لے۔ اسی طرح جو شخص رکوع و سجود کی قدرت نہ رکھتا ہو، اشارے سے نماز پڑھ لے۔ نیز ان کے علاوہ (دوسرے احکام میں بھی) بیشمار آسانیاں اس شخص پر ہر گز مخفی نہیں ہیں جو احکام شرعیہ کو اعتبار و انصاف کی نگاہ سے دیکھنے والا ہے۔ پس (ایسا شخص) سب شرعی احکام میں نہایت آسانی اور نہایت سہولت پائے گا اور ان تکلیفات والے اوراق کے صفحات میں بندوں پر

حق سبحانہ کے کمال لطف کا مطالعہ کر لے گا۔ ان تکلیفات کے آسان ہونے کی گواہی اس سے ملتی ہے کہ عوام زیادہ تکلیفات شرعیہ کی تمنا کرتے ہیں، کیونکہ ان میں سے بعض (لوگ) فرض روزوں اور فرض نمازوں کے زیادہ ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور اس تمنا کی وجہ صرف یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے) کمال آسانی کی رعایت فرمائی ہے۔ بعض لوگوں کو (شرعی) احکام میں آسانی محسوس نہ ہونے کا سبب ان کے وجود کے نفسانی اندھیرے اور طبعی کدورتیں ہیں، جن کا سرچشمہ نفس امارہ کی خواہش ہے، جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی دشمنی میں کھڑا ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ. (سورۃ شوریٰ، ۱۳) یعنی: جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ. (سورۃ بقرہ، ۴۵)

یعنی: اور بیشک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں) نہیں جو عاجز کرنے والے ہیں۔

پس جس طرح ظاہری مرض احکام کی ادائیگی کے لیے دشواری کا موجب ہے اسی طرح باطنی بیماری بھی مشکل کا باعث ہے، جبکہ روشن شریعت نفس امارہ کی انہی رسموں کے مٹانے اور نفس کی خواہشات کو ختم کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اس طرح نفس کی خواہش اور شریعت کی متابعت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یقیناً اس دشواری کا وجود نفس کی خواہش کے موجود ہونے کی دلیل ہے، لہذا دشواری کے اندازہ کے مطابق نفس کی خواہش موجود سمجھی جائے گی اور جب نفس کی خواہش کُلّی طور پر مٹ جائے گی تو (اس وقت) احکام میں دشواری ہرگز نہیں رہے گی۔

لیکن (رہ گیا) بعض صوفیہ کا (بندے کے) نفی اختیار یا ضعف اختیار کا کلام جو پہلے بیان ہوا ہے تو (اس بارے میں) جاننا چاہیے کہ اگر صوفیہ کا کلام شرعی احکام کے مطابق نہ ہو تو اس کا ہرگز کوئی اعتبار نہیں۔ لہذا وہ حجیت اور تقلید کے لائق کیونکر ہو سکتا ہے۔ شان حجیت اور تقلید کے قابل علمائے اہل سنت کے اقوال ہیں اور بس۔ پس صوفیہ کے اقوال میں سے جو چیز ان کے اقوال کے مطابق ہو، وہ مقبول ہے اور جو چیز ان کے مخالف ہو، وہ غیر مقبول ہے۔ اس کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ درست احوال والے صوفیہ شریعت سے تجاوز نہیں کرتے، نہ احوال میں اور نہ اعمال میں، نہ ہی علوم و معارف میں۔ وہ جانتے ہیں کہ شریعت کے ساتھ ذرہ بھر مخالفت کا باقی رہنا حال کی خرابی اور دل کے خلل کی وجہ سے ہوتا ہے، ورنہ شریعت حقہ کی مخالفت ہرگز نہیں ہوتی۔ الغرض شریعت کی مخالفت بے دینی کی دلیل اور الحاد کی علامت ہے۔

مختصر یہ کہ اگر صوفیہ میں سے کسی سے شریعت کے مخالف کوئی بات اس کے غلبہ حال اور سکر وقت کی وجہ سے صادر ہو تو وہ معذور ہے اور اس کا کشف نادرست ہے جو تقلید کے لائق نہیں۔ بلکہ لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کیا جائے (اور) اپنے ظاہر سے پھیرا جائے، کیونکہ اہل سکر کے کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر بہتر معنی پر محمول کیا جاتا ہے۔ ہَذَا مَا يَتَسَّرُ لِي فِي هَذَا الْمَقَامِ بِعَوْنِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ وَحُسْنِ تَوْفِيقِهِ تَعَالَى.

یعنی: یہ وہ چیز ہے جو اللہ سبحانہ کی مدد اور اس کی حسن توفیق سے مجھے اس مقام میں میسر ہوئی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: اور سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

مکتوب نمبر (۲۹۰)

ملاحم ہاشم کو تحریر فرمایا۔ اس طریقہ کے بیان میں جس کے ساتھ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت عالی (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کو ابتدائے حال میں مخصوص فرمایا تھا اور جس پر طالبین کو چلانے کی آپ کو توفیق دی اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے بیان میں اور انتہا کا ابتدا میں درج ہونا جو اس طریقہ کے لوازمات میں سے ہے، اور وہ حضور جو اس طریقہ کے اکابر کے ہاں معتبر ہے اور جس سے مراد نسبتِ نقشبندیہ ہے، اس کے ساتھ بعض احوال و اذواق اور علوم و معارف کا بیان جو طریقہ نقشبندیہ وغیرہ میں حاصل ہوئے ہیں اور ان بزرگواروں کے جذبات کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ. یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور درود و سلام ہو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور صحابہ (کرام) پر جو طیب و طاہر ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جو طریقہ سب سے زیادہ قریب، جلد پہنچانے والا، زیادہ موافق، زیادہ معتبر، زیادہ محفوظ، زیادہ پختہ، زیادہ سچا، زیادہ رہنمائی کرنے والا، سب سے بلند، زیادہ بزرگ، بہت اونچا اور زیادہ کامل ہے، وہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ ہے۔

قَدْ سَلَّ اللَّهُ تَعَالَى أَرْوَاحَ أَهْلِهَا وَأَسْرَارَ مَوَالِيهَا.

یعنی: اللہ تعالیٰ اس کے اہل و موالی (مشائخ عظام) کے ارواح اور اسرار کو پاکیزہ بنائے۔

اس طریقہ کی یہ سب بزرگی اور ان بزرگواروں (مشائخ نقشبندیہ) کی بلندی شان ان کے روشن سنت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کی متابعت کو لازم پکڑنے اور ناپسندیدہ بدعت سے بچنے کی وجہ سے ہے، کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان من الملک المنان کی مانند ان کے کام کی انتہا ان کی ابتدا میں درج ہو چکی ہے۔ اور ان کے حضور آگاہی نے دوام (ہیشگی) پیدا کر لیا ہے اور درجہ کمال تک پہنچنے کے بعد (ان کی آگاہی) دوسروں کی آگاہیوں سے فوقیت لے گئی ہے۔

اے بھائی! ارشادِ اللہ تعالیٰ اِلٰی سَوَاءِ الصِّرَاطِ (یعنی: اللہ تعالیٰ تجھے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے) اس درویش کو جب اس راستے کی دیوانگی پیدا ہوئی تو اللہ جل و علا کی عنایت اس کے کام کی ہادی بنی اور اس نے اسے ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، انتہا کو ابتدا میں درج کرنے والے طریقہ کے ہادی اور ولایت کے درجات تک پہنچانے والے، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے، ہمارے شیخ اور ہمارے امام (حضرت) شیخ محمد باقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی خدمت میں پہنچا دیا، جو اکابر حضرات نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے سلسلہ کے عظیم خلفاء میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اس درویش کو اسم ذات جل سلطانہ کی تعلیم فرمائی اور مقررہ طریقہ سے توجہ فرمائی۔ یہاں تک میرے اندر کامل لذت پیدا ہو گئی اور کمال شوق سے رونا نصیب ہوا۔ ایک روز کے بعد بیخودی کی کیفیت جو ان اکابر کے ہاں معتبر ہے اور غیبت کے نام سے موسوم ہے، وہ طاری ہو گئی۔ میں اس بیخودی میں ایک دریاے محیط دیکھتا تھا اور جہان کی صورتوں اور شکلوں کو سایہ کی طرح اس دریا

میں پاتا تھا اور اس بخود ہی نے آہستہ آہستہ غلبہ پیدا کر لیا اور لمبی ہونے لگی۔ کبھی دن میں ایک پہر تک رہتی تھی اور کبھی دو پہر تک اور بعض اوقات پوری رات طاری رہتی تھی۔ جب میں نے اس قصہ کو حضرت عالی (خواجہ محمد باقی قدس سرہ) تک پہنچایا تو انہوں نے فرمایا: ”فنا کی ایک قسم حاصل ہوگئی ہے۔“ اور ذکر کرنے سے منع فرما دیا اور اس آگاہی کی نگہداشت کا حکم دیا۔

دو روز کے بعد مجھے اصطلاحی ”فنا“ حاصل ہوگئی۔ میں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اپنے کام میں مشغول رہو۔ اس کے بعد ”فنائے فنا“ حاصل ہوئی۔ جب حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تو سارے جہان کو ایک دیکھتا ہے اور (ذات) واحد کے ساتھ متصل پاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! انہوں نے فرمایا کہ ”فنائے فنا“ میں معتبر یہ ہے کہ اس اتصال کو دیکھنے کے باوجود بے شعوری حاصل ہو۔ اسی رات اس طرح کی ”فنائے فنا“ حاصل ہوگئی۔ میں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا اور فنا کے بعد جو حالت حاصل ہوئی تھی، وہ بھی عرض کی۔ نیز میں نے عرض کیا کہ میں اپنے علم کو حق سبحانہ کی نسبت (علم) حضوری پاتا ہوں اور جو اوصاف مجھ سے منسوب تھے، وہ حق سبحانہ کے ساتھ منسوب پاتا ہوں۔ اس کے بعد وہ نور جس نے سب چیزوں کو گھیر رکھا ہے، ظاہر ہوا اور میں نے اس کو حق جل و علا سمجھا۔ یہ نور سیاہ رنگ رکھتا تھا۔ میں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حق جل سلطانہ مشہود ہے، لیکن نور کے پردے میں۔ نیز انہوں نے فرمایا کہ یہ انبساط (کشادگی) جو اس نور میں ظاہر ہوتا ہے وہ (اس) علم میں ہے جو ذات جل شانہ کے متعدد اشیاء کے ساتھ بلندی اور پستی میں واقع ہونے والے تعلق کی وجہ سے پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمہیں (اس) انبساط (کشادگی) کی نفی کرنی چاہیے۔ اس کے بعد وہ پھیلا ہوا سیاہ نور سکڑنے لگا اور تنگ ہونے لگا، یہاں تک کہ ایک نقطہ بن گیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا: ”اس نقطہ کی بھی نفی کرنی چاہیے اور حیرت میں آنا چاہیے۔“ میں نے ایسے ہی کیا۔ وہ موہوم نقطہ بھی درمیان سے زائل ہو گیا اور میں اس مقام حیرت تک جا پہنچا جہاں حق سبحانہ کا شہود خود بخود ہے۔ جب میں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہی حضور، حضور نقشبند یہ ہے اور نسبت نقشبند یہ سے مراد یہی حضور ہے اور اس حضور کو حضور بے غیبت بھی کہتے ہیں۔ انتہا کا ابتدا میں درج ہونا اسی مقام میں صورت پکڑتا ہے۔ اس طریقہ میں طالب کو اس نسبت کا حاصل ہونا اس طرح ہے جس طرح کہ دوسرے سلاسل میں طالب پیر سے اذکار و اوراد اخذ کرتا ہے، تاکہ ان پر عمل کرے اور اپنے مقصود تک پہنچے:

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

یعنی: تو میرے باغ سے میری بہار کا اندازہ کر لے۔

اس درویش کو یہ عزیز الوجود نسبت ذکر کی تعلیم کے ابتدائی زمانہ سے دو ماہ اور کچھ روز کے بعد حاصل ہوگئی تھی۔ اس نسبت کے ثابت ہونے کے بعد ایک دوسری فنا جسے ”فنائے حقیقی“ کہتے ہیں، حاصل ہوئی اور دل میں اس قدر کشادگی پیدا ہو گئی کہ سارا جہان عرش سے مرکوز زمین تک اس کشادگی کے مقابلے میں رائی کے ایک دانے کی مقدار میں بھی نہ تھا۔ اس کے بعد میں خود کو اور جہان کے ہر فرد کو، بلکہ ہر ذرہ کو حق جل و علا دیکھتا تھا۔ بعد ازاں عالم کے ہر ذرہ کو الگ الگ عین خود دیکھا اور خود کو ان سب کا عین پایا، یہاں تک کہ میں نے سارے جہاں کو ایک ذرہ میں گم پایا۔ اس کے بعد خود کو، بلکہ ہر ذرہ کو اس قدر

کشادہ اور وسیع دیکھا جس میں تمام جہان کی، بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ اور جہان کی گنجائش ہو۔ بلکہ میں نے خود کو اور ہر ذرے کو ایک پھیلا ہوا نور پایا جو ہر ذرے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور عالم کی صورتوں اور شکلوں کو اس نور میں نابود اور فنا پایا۔ اس کے بعد خود کو بلکہ ہر ذرے کو سب جہان کا قائم رکھنے والا پایا۔ جب میں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا مرتبہ یہی ہے اور جمع الجمع سے مراد یہی مقام ہے۔

اس کے بعد عالم کی صورتیں اور شکلیں جن کو میں پہلے حق (تعالیٰ) پاتا تھا، کو اس وقت میں نے خیالی دیکھا اور ہر ذرہ جس کو میں حق (تعالیٰ) پاتا تھا، (اب) بغیر کسی فرق اور تمیز کے اسی ذرے کو خیالی پایا۔ انتہائی حیرت حاصل ہوئی۔ اسی اثنا میں والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ سے فصوص الحکم کی جو عبارت میں نے سنی تھی وہ یاد آگئی کہ (مصنف نے) فرمایا ہے: اِنْ شِئْتُ قُلْتُ اِنَّهُ اَيُّ الْعَالَمِ حَقٌّ وَاِنْ شِئْتُ قُلْتُ اِنَّهُ خَلَقٌ وَاِنْ شِئْتُ قُلْتُ اِنَّهُ حَقٌّ مِّنْ وَجْهِ وَّخَلَقٌ مِّنْ وَجْهِ وَاِنْ شِئْتُ قُلْتُ بِالْحَيْرِتِ لِعَدَمِ التَّمْيِيزِ بَيْنَهُمَا۔ یعنی: اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ جہان حق سبحانہ ہے اور اگر تو چاہے تو اس طرح بھی کہہ سکتا ہے کہ جہان مخلوق ہے اور اگر چاہے تو یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک لحاظ سے حق ہے اور ایک لحاظ سے مخلوق ہے اور اگر تو چاہے تو ان دونوں میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے حیرت کہہ دے (تو یہ بھی درست ہے)۔

یہ عبارت قدرے اس اضطراب کی کمی کا ذریعہ بن گئی۔ اس کے بعد میں نے حضرت عالی (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ابھی تیرا حضور صاف نہیں ہوا ہے، اپنے کام میں مشغول رہ، تاکہ موجود کا موہوم سے فرق ظاہر ہو جائے۔ میں نے فصوص کی عبارت، جو عدم تمیز کو ظاہر کرتی تھی، پڑھی تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ”شیخ (ابن العربی) نے کامل (شخص) کا حال بیان نہیں کیا ہے، بعض (اشخاص) کی نسبت عدم تمیز بھی ثابت ہے۔“ میں حکم کے مطابق میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے محض حضرت عالی (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی توجہ شریف سے دو روز کے بعد موجود اور موہوم میں تمیز ظاہر کر دی یہاں تک کہ میں نے موجود حقیقی کو موہوم خیالی سے ممتاز پایا اور جو صفات اور افعال و آثار خیالی نظر آتے تھے، میں نے ان کو حق سبحانہ سے دیکھا اور ان صفات و افعال کو بھی موہوم محض پایا اور خارج میں ایک ذات کے سوا کچھ موجود نہ دیکھا۔ جب اس حالت کو حضرت خواجہ (قدس سرہ) کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مرتبہ فرق بعد الجمع یہی ہے اور نہایت سعی اسی جگہ تک ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ کسی کی طبیعت اور استعداد میں رکھا گیا ہے، وہ ظاہر ہوتا ہے اور مشائخ طریقت نے اس مرتبہ کو مقام تکمیل کہا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس درویش کو مرتبہ اولیٰ میں جب سکر سے صحو میں لایا گیا اور فنا سے بقا کے ساتھ مشرف کیا گیا تو جب اس نے اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے میں نظر کی تو سوائے حق (تعالیٰ) کے کچھ نہ پایا اور اس نے ہر ذرے کو حق تعالیٰ کے شہود کا آئینہ پایا۔ اس مقام سے پھر اس حیرت میں لایا گیا۔ جب ہوش میں لائے تو اس نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرے کے ساتھ پایا، نہ کہ ہر ذرے میں۔ اور پہلا مقام اس دوسرے مقام کی نسبت زیادہ نیچے نظر آیا۔ پھر حیرت میں لے گئے۔ جب ہوش میں لائے تو اس مرتبہ میں اس نے حق سبحانہ کو نہ عالم کے ساتھ متصل پایا اور نہ منفصل۔ اور نہ اس کو عالم میں داخل پایا اور نہ اس سے خارج میں۔ معیت و احاطہ اور سریان جیسا کہ پہلے پاتا تھا، وہ کلی طور پر

زائل ہو گئے۔ اس کے باوجود اسی کیفیت سے مشابہہ ہوا، بلکہ جیسے کہ محسوس ہوا۔ اور جہاں بھی اس وقت مشہود تھا، لیکن حق سبحانہ کے ساتھ اس مذکورہ نسبت سے کچھ نہیں رکھتا تھا۔ پھر حیرت میں لے گئے۔ جب صحو میں لائے تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ایک نسبت ہے جو اس مذکورہ نسبت کے علاوہ ہے اور یہ نسبت مجہول الکلیفیت ہے (اور) اللہ سبحانہ مجہول الکلیفیت نسبت سے مشہود ہوا۔ پھر حیرت میں لے گئے۔ اس مرتبہ میں ایک قسم کی قبض طاری ہوئی۔ جب ہوش میں لائے تو حق سبحانہ اس مجہول الکلیفیت کے بغیر اس طرح مشہود ہوا کہ وہ عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا، نہ ہی معلوم الکلیفیت اور نہ مجہول الکلیفیت۔ اور اس وقت جہاں اسی کیفیت کے ساتھ مشہود تھا۔ اس وقت ایک خاص علم عنایت ہوا کہ اس علم کی وجہ سے ہر دو مشہود حاصل ہونے کے باوجود مخلوق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی مناسبت نہ رہی۔ اس وقت معلوم کرایا گیا کہ اس صفت و تزئین کا مشہود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ نہیں ہے، اس کی ذات اقدس اس سے بلند تر ہے، بلکہ یہ مشہود حق سبحانہ کے تعلق تکوین کی مثالی صورت ہے، کیونکہ حق سبحانہ تعلقات کوئی سے بلند تر ہے، خواہ وہ تعلق معلوم الکلیفیت ہو یا مجہول الکلیفیت۔ ھِیْہَات ھِیْہَات۔ یعنی: ہرگز نہیں، یہ بعید از قیاس ہے۔ شعر:

کَيْفَ الْوُصُولُ إِلَى سَعَادَ وَ دُونَهَا قُلُّ الْجَبَالِ وَ دُونَهُنَّ خُيُوفُ

یعنی: سعادت (محبوبہ) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ درمیان میں پہاڑ کی چوٹیاں اور خوفناک غار حاکل ہیں۔

اے عزیز! اگر میں احوال کی تفصیل اور معارف کی تشریح میں قلم کو مصروف رکھوں تو معاملہ دراز اور بات لمبی ہو جائے گی۔ خاص کر کے توحید و جود کی معارف اور چیزوں کی ظلیت کے علوم اگر بیان کیے جائیں تو جس جماعت نے توحید و جود میں عمریں گزاری ہیں، اسے معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں نے اس بے نہایت دریا سے ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے۔ عجیب یہ ہے کہ یہی جماعت اس درویش کو توحید و جود والوں میں سے خیال نہیں کرتی اور اسے توحید و جود کے منکرین میں شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے خیال کر لیا ہے کہ توحید و جود کی معارف پر اصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے (آگے) ترقی کرنا نقص میں داخل ہے:

بِزْدے چند ز خود بے خبر عیب پسندند بزعم ہنر

یعنی: اپنے آپ سے بے خبر چند بے عقل، عیب کو ہنر سمجھ کر پسند کرتے ہیں۔

اس جماعت کے پاس اس مسئلے میں دلیل پہلے مشائخ کے وہ اقوال ہیں جو توحید و جود کے بارے میں بیان ہوئے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف (کی توفیق) دے، انہوں نے کہاں سے سمجھ لیا ہے کہ ان مشائخ کو اس مقام سے ترقی نصیب نہیں ہوئی ہے اور وہ اسی مقام میں بند رہے ہیں۔ معارف توحید کے نفس حصول میں کلام نہیں ہے، کیونکہ وہ یقیناً واقع ہے، بلکہ بات اس مقام سے (آگے) ترقی کے بارے میں ہے۔ اگر ترقی کرنے والے کو توحید و جود کا منکر کہیں اور یہ اصطلاح قائم کر لیں تو کیا جھگڑا ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تھوڑی چیز کثرت پر دلالت کرتی ہے اور قطرہ بحر بے کنار کی جانب اشارہ کرتا ہے تو پھر میں نے بھی قلیل کو کافی سمجھا ہے اور قطرے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

اے برادر! جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے مجھے کامل مکمل سمجھ کر طریقہ کی تعلیم اجازت (مرحمت) فرمائی اور طالبین کی ایک جماعت کو میرے حوالے کیا تو اس وقت مجھے اپنے کمال و تکمیل میں ایک ترّد تھا۔ (حضرت خواجہ نے) فرمایا کہ ترّد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ مشائخ عظام نے اس مقام کو مقام کمال و تکمیل فرمایا ہے۔ اگر اس مقام میں کوئی ترّد پیدا ہو تو ان مشائخ کی کاملیت میں ایک ترّد لازم آتا ہے۔ حکم کے مطابق میں نے طریقت کی تعلیم دینا شروع کر دیا اور طالبین کے کام میں توجہات کی رعایت کرنے لگا۔ (چنانچہ) مسٹر شمدین میں عظیم اثرات محسوس ہونے لگے، یہاں تک کہ سالوں کا کام گھڑیوں میں ہو گیا۔ کچھ عرصہ میں اس کام میں سرگرم رہا۔ آخر کار پھر اپنے کام کے نقص کا علم ہو گیا اور مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو اکابر نے نہایت کہا ہے، وہ اس راستے میں کچھ بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ نیز ”سیر الی اللہ“ اور ”سیر فی اللہ“ بھی معلوم نہیں ہوئی کہ کیا ہے؟ پس اس قسم کے کمالات کے حاصل کرنے سے چارہ نہ تھا۔ اس وقت اپنے نقص کا علم واضح ہو گیا۔ جو طالبین اپنے گرد تھے، ان کو جمع کر کے میں نے اپنے نقص کی بات بیان کی اور میں نے سب کو رخصت کرنا چاہا، لیکن طالبین اس چیز کو (میری) کسرِ نفسی پر محمول کرتے ہوئے جس چیز پر تھے، اس سے باز نہ آئے۔ کچھ مدت کے بعد حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام و التسلیمات کے صدقے (مجھے) وہ احوال بھی عطا فرمادیے جن کا میں منتظر تھا۔

فصل: جاننا چاہیے کہ حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کے طریقہ کا حاصل اہل سنت و جماعت کا اعتقاد، روشن سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام و الخیر کا اتباع، بدعت و نفسانی خواہشات سے پرہیز، جہاں تک ممکن ہو عزیمت پر عمل اور رخصت کے عمل سے پرہیز کرنا ہے۔ جہتِ جذبہ میں اولاً فنا و نیستی ہے اور اس فنا کو عدم سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو بقا اس جہت میں اس فنا کے بعد پیدا ہو، اس کو وجودِ عدم سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وہ وجود اور وہ بقا جو عدم جو کہ فنا ہے، پر مرتب ہوتا ہے۔ اس فنا و نیستی سے مراد حس سے غیبت نہیں ہے، بلکہ اس فنا سے بعض کو حس سے غیبت کا اتفاق ہو جاتا ہے اور بعض دوسروں کو نہیں ہوتا۔ اس بقا والے کے لیے ممکن ہے کہ وہ صفاتِ بشریہ کی جانب لوٹ آئے اور نفسانی اخلاق کی طرف عود کرے، بخلاف اس بقا کے جو فنا پر مرتب ہوتی ہے، جس سے عود کرنا جائز نہیں ہے۔

ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ (نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے اسی معنی میں فرمایا ہو کہ ”وجودِ عدم، وجودِ بشریت کی جانب عود کرتا ہے، لیکن وجودِ فنا، وجودِ بشریت کی طرف ہرگز عود نہیں کرتا، کیونکہ وجودِ عدم کے ساتھ باقی ہونے والا ابھی راستے میں ہے اور راستے سے رجوع کرنا ممکن ہے اور دوسرا (وجودِ فنا) واصل اور منتہی ہے اور واصل کے لیے رجوع نہیں ہوتا۔“

ایک بزرگ فرماتے ہیں: مَا رَجَعَ مَنْ رَجَعَ إِلَّا مِنَ الطَّرِيقِ وَمَنْ وَصَلَ لَا يَرْجِعُ.

یعنی: جو شخص بھی واپس لوٹا وہ راستے ہی میں تھا اور جو واصل ہو گیا وہ واپس نہیں لوٹتا۔

جاننا چاہیے کہ صاحبِ وجودِ عدم اگرچہ راستے ہی میں ہے، لیکن وہ ”انتہا کے ابتدا میں درج ہونے“ کی رو سے کام کی نہایت سے آگاہ ہے۔ جو چیز منتہی کو آخر میں میسر (آتی) ہے، اس کا خلاصہ اسے اس جہت میں اجمالی طور پر حاصل ہے اور اس کی روحانیت و جسمانیت کو اس کی سرایت حاصل ہو چکی ہے اور وجودِ عدم میں یہ نسبت خلاصہ قلب پر موقوف ہے، خواہ کچھ ہی ہو اور اجمالی طور پر ہی ہو۔

بیشک منتہی صاحب تفصیل ہے اور صفات جسمانیہ کی طرف اس کا لوٹنا ممنوع ہے، کیونکہ اس نسبت نے اس کے مراتب جسمانیہ میں سرایت کر کے اسے ان صفات سے باہر نکال دیا ہے اور فانی بنا ڈالا ہے اور یہ فنا عطیہ محض ہے اور عطیہ محض سے لوٹنا جناب قدس تعالیٰ و تقدس کی بارگاہ کے لائق نہیں ہے۔ بخلاف صاحب وجود عدم کے کہ یہ سرایت اس کے حق میں مفقود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ چونکہ یہ مراتب قلب کے تابع ہیں، (لہذا) وہ نسبت تبعیت کے طور پر ان میں بھی فی الجملہ جاری ہو چکی ہے اور ان کو غلبہ سے روک کر مغلوب کر چکی ہے، لیکن فنا و زوال تک نہیں پہنچ سکی۔ اس بنا پر اس سے لوٹنا ممکن ہے۔ کیونکہ مغلوب شے بعض مرتبہ بعض عوارض کے پیش آنے اور موانع کے لاحق ہونے کی وجہ سے غالب آ جاتی ہے اور زائل ہو جانے والی شے واپس نہیں لوٹ سکتی، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس سلسلہ کے بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم نے مذکورہ فنا و نیستی اور جو بقا ان پر مرتب ہے، پر فنا و بقا کا اطلاق کیا ہے اور تجلی ذاتی اور شہود ذاتی کا بھی اس مرتبہ میں اثبات کیا ہے۔ اور اس باقی کو واصل کہا ہے اور ”یادداشت“ جس سے مراد جناب قدس سبحانہ کی بارگاہ میں ”دوام آگاہی“ ہے، کو بھی اسی مقام میں متحقق سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ انتہا کے ابتدا میں درج ہونے کے اعتبار سے ہے، ورنہ فنا اور بقا منتہی کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے اور تجلی ذاتی بھی اس کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ سبحانہ کے ساتھ دوام حضور بھی منتہی واصل کو حاصل ہے، کیونکہ اس کے لیے رجوع ہرگز نہیں ہے۔ لیکن یہ اطلاقی اوّل بھی مذکورہ اعتبار سے درست ہے اور ایک عمدہ وجہ پر مبنی ہے۔ فنا و بقا، تجلی ذاتی و شہود ذاتی، اور واصل و یادداشت جو حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی کتاب ”فقرات“ میں بیان ہوا ہے، وہ اسی قسم میں سے ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ اس کتاب (فقرات) کی بنیاد جو مکتوبات و رسائل کی صورت میں ہے، حضرت عالی (خواجہ احرار قدس سرہ) کے بعض ان مخلصین کی عقل و معرفت کے مطابق ہے، جن کو وہ لکھے گئے ہیں۔ ان میں (اس حدیث شریف) کی رعایت رکھی گئی ہے کہ: تَكَلِّمُوا النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عَقُولِهِمْ^(۱)۔ یعنی: لوگوں کے ساتھ ان کے عقل کے اندازہ کے مطابق بات کرو۔

نیز رسالہ ”سلسلۃ الاحرار“ جو حضرت خواجہ احرار (قدس سرہ) کے کلام کے طریقہ پر لکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ ”شرح رباعیات“ جو ہمارے خواجہ مؤید الدین رضی (پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے) ہمارے شیخ اور مولانا (حضرت خواجہ) محمد باقی سلمہ اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے، (یہ) بھی اسی قسم میں سے ہیں۔

اور اس مذکورہ بقا، بلکہ ہر اس بقا، جو اس جذبہ کے تحت پیدا ہو، کا رخ توحید و جود کی جانب ہے۔ اسی لیے بعض مشائخ نے حق البقین کو اس طرح سے بیان کیا ہے کہ اس کا انجام توحید و جود پر ہوتا ہے اور بعض کو اسی بیان نے شبہ میں ڈال دیا ہے کہ ان کے حق البقین سے مراد تجلی صوری ہے اور معاملہ طعن و تشنیع تک پہنچ گیا ہے۔ درست یہ ہے کہ ان کا یہ حق البقین جذبہ کے تحت پیدا ہوا ہے اور یہ معرفت اس مقام کے لائق ہے۔ تجلی صوری ایک دوسری چیز ہے۔ جو اس کے صاحبان پر واضح ہے۔ کثرت کے آئینے میں وحدت کا اس طرح شہود کہ آئینہ بالکل پوشیدہ ہو جائے اور اس باقی (ذات حق تعالیٰ) کے سوا کوئی شے مشہود نہ رہے، اس مقام کو ”یادداشت“ (یاد رکھنے کی علامت) کے مناسب سمجھ کر، اس مرتبہ پر ”یادداشت“ کا اطلاق کیا گیا ہے اور اس کو تجلی

ذاتی اور شہود ذاتی بھی کہتے ہیں اور اس مقام کو ”مقام احسان“ فرماتے ہیں اور اس گم ہونے کو انہوں نے وصل سے تعبیر کیا ہے:

ع تو درو گم شو وصال اینست و بس
یعنی: تو اس میں گم ہو جا بس یہی وصال ہے۔

یہ اصطلاح حضرت ناصر الدین خواجہ عبید اللہ (احرارِ قدس سرہ) کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سلسلہ (نقشبندیہ) کے مشائخ متقدمین میں سے کسی نے بھی یہ اصطلاح بیان نہیں کی:

ع ہر چہ خواہاں کنند خوب کنند
یعنی: حسین (لوگ) جو کچھ کرتے ہیں اچھا ہی کرتے ہیں۔

آپ (خواجہ احرارِ قدس سرہ) کے قدسی صفات کلمات میں سے ہے کہ ”ہماری زبان دل کا آئینہ ہے اور دل روح کا اور روح حقیقتِ انسانی کا آئینہ ہے اور حقیقتِ انسانی حق سبحانہ و تعالیٰ کا آئینہ ہے۔ غیبی حقائق غیبی ذات سے بڑی دور کی مسافتیں طے کر کے زبان پر آتے ہیں اور وہاں سے لفظی صورت اختیار کر کے مستعد لوگوں کے کانوں تک پہنچتے ہیں۔“ نیز (حضرت خواجہ احرارِ قدس سرہ نے) فرمایا ہے کہ ”میں جن بعض اکابر کی خدمت میں رہا، انہوں نے مجھے دو چیزیں کرامت فرمائیں۔ ایک یہ کہ میں جو کچھ لکھوں وہ نیا ہو، پرانا نہ ہو۔ دوسری یہ کہ میں جو کچھ کہوں وہ مقبول ہو، مردود نہ ہو۔“ ان کلماتِ قدسیہ سے آپ کی بزرگی اور آپ کے معارف کی بلندی مرتبت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ واضح ہوتا ہے کہ آپ ان باتوں کے درمیان نہیں ہیں اور آئینہ سے زیادہ نہیں ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ حَالِهِ وَمَا عِنْدَهُ مِنْ غُلُوِّ دَرَجَتِهِ وَمَنْزِلِهِ كَمَالِهِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بزرگ کا جو بلند درجہ اور مرتبہ کمال ہے اس کو بھی وہی بہتر جانتا ہے۔

آپ مثنوی (مولانا روم) کے ان اشعار کو اپنے حال کے مناسب پڑھا کرتے تھے:

ہر کسے از ظن خود شد یار من از درون من نہ جست اسرار من
سرّ من از نالہ من دور نیست لیک گوش و چشم را ایں نور نیست^(۲)

یعنی: ہر شخص اپنے گمان سے میرا یار بنا، لیکن اس نے میرے اندر سے میرے اسرار کو نہ پایا۔

♦ میرا از میری آہ وزاری سے دور نہیں ہے، لیکن (ظاہری) کان اور آنکھ اس نور کو پا نہیں سکتے۔

یہ حقیر آپ (خواجہ احرارِ قدس سرہ) کے علوم و معارف کی حقیقت سے تھوڑا سا اس مکتوب کے آخر میں اپنی عاجز سمجھ کے مطابق لکھے گا۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ۔ یعنی: اور معاملہ اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

اگر حق سبحانہ اپنی کمال عنایت سے ان (بزرگوں) میں سے بعض کو جذبہ حاصل ہونے اور اس جہت کی تکمیل کے بعد دولتِ سلوک سے مشرف فرمائے تو جذبہ کی مدد سے لمبی مسافت جس کی مقدار کا اندازہ پچاس ہزار سال کیا گیا ہے اور (اس آیت) کریمہ میں اس کی مقدار کی طرف اشارہ ہے: تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔ (سورۃ معارج، ۴) یعنی: جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں (اور) اس روز (نازل ہوگا) جس

کا اندازہ پچاس ہزار برس ہوگا۔

تھوڑی سی مدت میں (یہ مقدار) طے کی جاسکتی ہے اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی حقیقت تک پہنچا جاسکتا ہے۔ سلوک کی انتہا سیرالی اللہ کی نہایت تک ہے، جسے فنائے مطلق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر مقام جذبہ ہے جسے سیرالی اللہ اور بقا باللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سیرالی اللہ سے مراد وہ سیر ہے جو اس اسم تک ہے جس کا مظہر سالک ہے اور سیر فی اللہ بھی اسی اسم کی سیر ہے، کیونکہ ہر اسم بے انتہا اسماء کا جامع ہے۔ لہذا اس میں سیر بھی بے انتہا ہوگی۔ اس درویش کو اس مقام میں خاص معرفت (حاصل) ہے۔ جلد ہی اس کا ذکر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ اسم عروج کے مراتب میں عین ثابتہ کے اوپر ہے، کیونکہ سالک کا عین ثابتہ اسی اسم کا ظل اور اس کی صورتِ علمیہ ہے۔ جو جماعت اللہ جل شانہ کے فضل کے ساتھ مخصوص ہے، اُس کے لوگ اس اسم سے بھی (آگے) عروج فرما جاتے ہیں اور بے انتہا ترقیاں جہاں تک اللہ چاہتا ہے کر جاتے ہیں۔ شعر:

وَمِنْ بَعْدِ هَذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهُ وَ مَا كَتَمَهُ أَحْطَى لَدَيْهِ وَأَجْمَلُ

یعنی: اور اس کے بعد وہ ہے جس کی صفات دقیق ہیں اور جس کا چھپانا ہی اس کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔

اگرچہ دوسرے (سلاسل) کے سالکین واصل جہتِ ثانی میں ان حضرات (نقشبندیہ) کے ساتھ شریک ہیں اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ساتھ موصوف ہیں، لیکن جو مسافت (دوسرے) ارباب سلوک ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے طے کرتے ہیں اور لمبی مدتوں کے بعد اس کی انتہا تک پہنچتے ہیں، اس بزرگ سلسلہ (نقشبندیہ) کے اکابر شہود کی دولت کی لذت اور مقصود کا ذوق حاصل ہونے کی وجہ سے اس مسافت کو کم عرصے میں طے فرما لیتے ہیں اور کعبہ مطلوب تک پہنچ جاتے ہیں اور (مقصود تک) پہنچنے کے بعد بے انتہا ترقیاں کرتے ہیں، جبکہ (دوسرے) ارباب سلوک کے منتہیوں کو اس ترقی اور قرب سے بہت کم حصہ نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ سلوک پر جذبے کا مقدم ہونا ایک قسم کی محبوبیت کے معنی چاہتا ہے، جب تک (طالب) مراد نہ بن جائے (اسے) جذب نہیں کرتے اور جب کھینچتے ہیں تو یقیناً زیادہ نزدیک جا گرتا ہے اور زیادہ قرب پیدا کر لیتا ہے، چاہے ہوئے (مطلوب و مراد) اور چاہنے والے (طالب و مرید) میں بڑا فرق ہے۔

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۱)

یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔
مثنوی:

عشق معشوقاں نہاں است و سیر عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند عشق معشوقاں خوش و فرہ کند (۳)

یعنی: معشوقوں کا عشق مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے، عاشق کا عشق دوسو ڈھول اور اعلان کے ساتھ ہوتا ہے۔

♦ لیکن عاشقوں کا عشق جسم کو لاغر کرتا ہے اور معشوقوں کا عشق خوش اور موٹا کرتا ہے۔

اگر یہ کہیں کہ دوسرے سلاسل کے مراد والے (ارباب طریقت) بھی اس ترقی اور قرب میں شریک ہیں، کیونکہ جذبہ ان کے سلوک پر بھی مقدم ہے تو پھر اس طریقہ کی دوسرے طریقوں پر فضیلت کیسے ہوئی اور اس کو سب سے زیادہ قریب طریقہ

کس لیے کہا جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے طریقے اس مقصد کے حصول کے لیے وضع نہیں ہیں، بلکہ ان میں سے بعض کو بطور اتفاق یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ طریقہ (نقشبندیہ) اس دولت کے حصول کے لیے وضع ہوا ہے۔ اور ”یادداشت“ جو اس طریقہ عالیہ کے اکابر کی عبارت میں واقع ہے، وہ جذبہ اور سلوک کی ہر دو جہت کے متحقق ہونے پر صورت پذیر ہوتی ہے اور اس کو نہایت کہنا شہود اور آگاہی کے مراتب کی انتہا کے اعتبار سے ہے، ورنہ نہایت مطلق وراء الوراہ ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہود یا تو صورت کے آئینہ میں ہے اور یا معنی کے آئینہ میں، یا صورت و معنی سے وراء ہے۔ اس بے پردہ شہود کو برقی کہا گیا ہے، یعنی اس شہود کا حصول بجلی کی مانند ہے۔ پھر یہی شہود پردہ میں ہوتا ہے۔ اگر محض اللہ جل سلطانہ کے فضل سے دوام اختیار کر لے اور مکمل طور پر پردوں کی تنگی سے باہر آ جائے تو اس کی تعبیر ”یادداشت“ سے فرماتے ہیں جو بے غیبت حضور ہے۔ کیونکہ جب شہود پردے میں آ گیا تو غیبت ثابت ہو گئی۔ جب تک دائمی بے پردگی پیدا نہ کرے، اس پر ”یادداشت“ کے نام کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یہاں ایک دقیق نکتہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ ہر واصل کے سر (باطن) کو رجوع حاصل نہیں ہوتا اور اس کی آگاہی دائمی نہیں ہوتی، لیکن اس نسبت کا سر بیان اس کے بدن میں بجلی کی مانند ہے، بخلاف محبوبوں کے جن کا جذبہ سلوک پر مقدم ہے اور یہ سر بیان دائمی ہے اور ان کے بدن نے سر (باطن) کا حکم اختیار کر لیا ہے اور وہ سر (باطن) کا کام کرتا ہے۔ جس طرح کہ اس کے بارے میں (پہلے) اشارہ کیا جا چکا ہے۔ (یعنی) ان کے جسم اس طرح نرم ہو چکے ہیں، جس طرح ان کی رو میں نرم ہیں، یہاں تک کہ ان کے ظاہر ان کے باطن کی مانند ہو جاتے ہیں اور ان کے باطن ان کے ظاہر کی طرح ہو جاتے ہیں۔ پس یقیناً غیبت کی ان کی آگاہی میں گنجائش نہیں ہوتی۔ لہذا یہ نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے اور یہی معنی ان حضرات (نقشبندیہ) کی کتب اور رسائل میں (موجود) اس عبارت سے واضح ہوتے ہیں۔ کیونکہ نسبت سے مراد آگاہی ہے اور آگاہی کے مراتب کی انتہا یہ ہے کہ بے پردہ میسر ہو اور دوام اختیار کرے۔ اس طریقہ (نقشبندیہ) کے مشائخ اس نسبت کو اپنے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ یہ طریقہ (نقشبندیہ) اپنی وضع کے اعتبار سے اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے ہے۔ جیسا کہ (پہلے) بیان ہو چکا ہے۔ اگر دوسرے سلاسل کے بعض اکابر میں کو بھی میسر ہو جائے تو جائز ہے، بلکہ (ان کو بھی) حاصل ہے۔

اکابر اہل اللہ کے پیشوا (حضرت) شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ تعالیٰ سرہ اس آگاہی کی جانب ایک اشارہ کرتے ہیں اور اپنے استاد^(۴) سے اس کی تحقیق فرماتے ہیں، جس جگہ ان سے دریافت کرتے ہیں کہ ”کیا یہ کیفیت دائمی ہوتی ہے؟“ تو استاد جواب میں فرماتے ہیں: ”نہیں ہوتی۔“ شیخ (ابوسعید) دوبارہ اس مسئلے کا تکرار کرتے ہیں اور وہی جواب پاتے ہیں۔ نیز تیسری بار اس سوال کو دہراتے ہیں تو ان کے استاد جواب میں فرماتے ہیں کہ ”اگر ہو تو نادر (ہوتی) ہے۔“ شیخ (ابوسعید) رقص میں آ گئے اور فرمایا کہ ”یہ بھی انہیں نوادرات میں سے ہے۔“

میں نے جو یہ کہا تھا کہ ”نہایت مطلق وراء الوراہ ہے“، اس کا بیان یہ ہے اس آگاہی کے بعد اگر ایک عروج واقع ہو تو (سالک) حیرت کے بھنور میں گر پڑتا ہے اور وہ اس آگاہی کو باقی مراتب عروج کی مانند (اپنے) پیچھے چھوڑ آتا ہے۔ یہی وہ حیرت ہے جس کا نام ”حیرت کبریٰ“ ہے، جو اکابرین کے اکابر کے ساتھ مخصوص ہے، جس طرح کہ صوفیہ کی کتابوں میں آیا

ہے۔ ایک بزرگ اس مقام میں فرماتے ہیں:

حسن تو مرا کرد چناں زیر و زبر کز خال و خط و زلف توام نیست خبر
یعنی: تیرے حسن نے مجھے یوں نڈھال کر دیا کہ مجھے تیرے خال و خط اور زلف کی کوئی خبر نہیں رہی۔
ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں:

عشق بالائے کفر و دیں دیدم بر تر از شک و از یقین دیدم
کفر و دین و یقین و شک ہر چار ہمہ با عقل ہمنشین دیدم
چوں گزشتہ ز عقل صد عالم چوں بگویم کہ کفر و دیں دیدم
ہر چہ ہستند سد راہ تو اند سد سکندری ہمیں دیدم
یعنی: میں نے عشق کو کفر اور دین سے بلند دیکھا، شک اور یقین سے برتر دیکھا۔

- ♦ میں نے کفر و دین اور شک و یقین چاروں کو عقل کا ہمنشین دیکھا۔
 - ♦ جب میں سو جہان سے مصروف رہنے والی عقل سے آگے گزر گیا تو میں کس طرح کہوں کہ میں نے کفر و دین دیکھا۔
 - ♦ جو کچھ بھی تیرے راستے کی رکاوٹ ہے، میں نے تو سکندر کی دیوار سے ہی سمجھا۔
- ایک اور بزرگ فرماتے ہیں:

لا و ہو زال سرا روز بھی باز گشتند جیب و کیسہ تہی
یعنی: لا اور ہو (نفی و اثبات) اس مبارک سرا سے واپس آگئے اور ان کی جیب اور کیسہ خالی تھا۔

اس حیرت کے حاصل ہونے کے بعد مقام معرفت ہے، دیکھئے کہ اس دولت سے مشرف فرماتے ہیں اور ”کفر حقیقی“ جو کہ مقام حیرت ہے، کے بعد ”ایمان حقیقی“ کے حصول سے کس کو نوازتے ہیں۔ محققین کے مطلوب کی نہایت اسی ایمان میں ہے۔ اور حضرت صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام و اتحیٰ کی دعوت اور کمال متابعت کا مرتبہ، جو اس آیت میں بیان ہوا ہے: اذْعُوْا اِلٰی اللّٰهِ عَلٰی بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعْنٰی (سورۃ یوسف، ۱۰۸۔ یعنی: میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں) (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر۔ میں بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی) بھی اسی مقام میں ہے اور دین و دنیا کے سردار (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ایمان کو طلب فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ اِيْمَانًا صَادِقًا وَيَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ^(۵)۔ یعنی: اے اللہ! تو مجھے سچا ایمان عطا فرما جس کے بعد کفر نہ ہو۔

اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ”کفر حقیقی“ جو کہ ”مقام حیرت“ ہے، سے پناہ مانگتے ہیں اور فرماتے ہیں: اَعُوْذُبْكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْكُفْرِ^(۶)۔ یعنی: (اے اللہ!) میں فقر اور کفر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

یہ مرتبہ حق یقین کے مراتب کی انتہا ہے، اس مقام میں علم اور عین ایک دوسرے کا حجاب نہیں ہیں۔ شعر:
هٰنِيْئًا لِاَرْبَابِ النِّعَمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِيْنِ مَا يَنْجُوْعُ
یعنی: نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور عاشق مسکین کے لیے خون کے گھونٹ۔

دوسری قسم وہ ہے جس کے اس طریقہ میں ظاہر ہونے کا مبدأ حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہ) ہیں اور وہ معیت ذاتیہ کے راستے سے ابھرتا ہے اور یہ جذبہ حضرت خواجہ (نقشبند قدس سرہ) سے ان کے پہلے خلیفہ (حضرت) خواجہ علاؤ الدین (عطار قدس سرہ) کو پہنچا ہے۔ چونکہ وہ اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے، (لہذا) انہوں نے اس قسم کے جذبہ کے حاصل کرنے کے لیے ایک طریقہ بھی وضع کیا اور یہ طریقہ ان کے سلسلہ کے خلفاء میں ”طریقہ علائیہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی تحریر میں آیا ہے کہ سب طریقوں سے زیادہ قریب طریقہ عالیہ علائیہ ہے۔ اگرچہ اس جذبے کی اصل (بنیاد) حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہ) سے ہے، لیکن اس جذبے کو حاصل کرنے کے لیے طریقہ کا وضع کرنا (حضرت) خواجہ علاؤ الدین (عطار) قدس سرہ اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور سچ ہے کہ یہ طریقہ بہت زیادہ برکت والا ہے۔ اس طریقہ کا تھوڑا سا حصہ بھی دوسرے طریقوں سے زیادہ مفید ہے۔

جذبہ کی پہلی قسم جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے، اس کے حاصل کرنے کے لیے ایک الگ طریقہ مقرر ہے اور وہ ”وقوف عددی“ کا طریقہ ہے اور جو سلوک اس جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد متحقق ہوتا ہے وہ بھی دو قسم کا ہے، بلکہ کئی قسموں کا ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کے طریقہ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ مقصود تک پہنچے ہیں اور حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ بھی جذبہ کے اسی خانہ سے اسی طریقہ سے پہنچے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کمال اخلاص کا جو پہلو آنسور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے رکھتے تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں فانی تھے، تمام صحابہ (کرام) رضوان اللہ تعالیٰ و تقدس علیہم اجمعین میں سے (اس کی بدولت) اس خاص طریقہ کے ساتھ مخصوص ہوئے ہیں۔ جذبہ و سلوک کی یہی نسبت حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک اسی خصوصیت سے پہنچی ہے اور چونکہ (حضرت) امام (رضی اللہ عنہ) کی والدہ (ماجدة) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد کرام میں سے ہیں، (لہذا حضرت) امام (رضی اللہ عنہ) نے ان دو پہلوؤں کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ وَلَكِنِّي أَبُو بَكْرٍ مَرَّتَيْنِ۔ یعنی: مجھے ابو بکرؓ نے دو بار جنا۔

چونکہ حضرت امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) نے اپنے آبائے کرامؑ سے ایک دوسری نسبت بھی حاصل کی ہے، (لہذا) آپ ان دونوں طریقوں کے جامع ہوئے ہیں اور آپ نے اس جذبہ کو ان کے سلوک کے ساتھ جمع فرمایا اور اس سلوک کے ساتھ مقصود تک پہنچے ہیں۔ ان دو سلوک کے درمیان فرق یہ ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کا سلوک سیر آفاقی سے طے

ہوتا ہے اور حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کا سلوک (سیر) آفاقی سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا۔ ایسے لگتا ہے کہ جذبہ کے خانہ میں ایک سرنگ کھودی گئی ہے اور مطلوب تک پہنچایا گیا ہے۔ سلوکِ اول (حضرت علی رضی اللہ عنہ) میں معارف کا حصول (ہوتا) ہے اور سلوکِ دوم (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) میں غلبہِ محبت ہے۔ (لہذا) یقیناً حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) علم کے شہر بنے^(۷) اور حضرت صدیق (اکبر رضی اللہ عنہ) نے آنسور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلت (دستی) کی قابلیت پیدا کی۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا أَحَدًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا^(۸)۔ یعنی: اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا۔

حضرت امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) نے جہتِ جذبہ کی جامعیت جو اس محبت کی بنیاد ہے، کے اعتبار سے اور سلوکِ آفاقی کی جہت جو علوم و معارف کا منشا ہے (کی رُو) سے محبت اور معرفت سے ایک وافر نصیب حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد (حضرت) امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) نے اس ’نسبتِ مرکبہ‘ کو امانت کے طور پر سلطان العارفین (بایزید بسطامی) قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے سپرد فرمایا ہے۔ گویا یہ بارِ امانت آپ کی پیٹھ پر رکھا گیا ہے، تاکہ اسے بتدریج اس کے اہل تک پہنچائیں۔ (ورنہ) ان کی توجہ کا رخ اس امانت کے اٹھانے سے پہلے دوسری جانب تھا۔ وہ اس نسبت سے مناسبت نہیں رکھتے تھے اور اس اٹھانے میں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ اگرچہ اس نسبت کے اٹھانے والوں نے اس نسبت سے بہت کم حصہ پایا ہے، لیکن اس نسبت کو ان بزرگواروں کے انوار سے وافر (حصہ) نصیب ہوا ہے۔ مثلاً سکر کی ایک قسم جو اس نسبت میں ملی ہوئی ہے، وہ سلطان العارفین (بایزید بسطامی قدس سرہ) کے انوار کے آثار میں سے ہے۔ یہ سکر مبتدئیوں کو جس سے غائب کر دیتا ہے اور بے ہوش کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ (یہ سکر) پوشیدہ ہونے لگتا ہے اور غلبہٴ صحو کے اعتبار سے یہ نسبت صحو کے مراتب میں مل جاتی ہے۔ ظاہر میں صحو (ہوتا) ہے تو باطن میں سکر (ہوتا) ہے۔ یہ شعران کے حال کے بیان میں ہے:

از دروں شو آشنا و از بروں بیگانہ وش ایں زیبا روش کم مے بود اندر جہاں

یعنی: اندر سے آگاہ رہ اور باہر سے بیگانہ رہ۔ اس طرح کی خوبصورت روش جہاں میں کم ہے۔

اسی قیاس پر اس نسبت نے ہر بزرگ سے ایک نور حاصل کیا، یہاں تک کہ اپنے اہل تک پہنچ گئی اور وہ عارف ربانی حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی (قدس سرہ) ہیں جو حضرات خواجگان قدس اللہ تعالیٰ و تبارک اسرارہم کے سلسلہ کے پیشوا ہیں، اس زمانے میں یہ بلند نسبت نئے سرے سے تازگی حاصل کر کے منصفہ شہود پر آگئی۔ ان کے بعد اس سلسلہ میں سلوکِ آفاقی کا پہلو دوبارہ پوشیدہ ہو گیا اور (مشائخ) جذبہ کے حاصل ہونے کے بعد دوسرے راستوں پر سلوک کرنے لگے اور عروج پیدا کر لیا، یہاں تک کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس عالمِ ظہور میں آئے تو وہ نسبت اسی جذبہ اور سلوکِ آفاقی کے ساتھ دوبارہ ظاہر ہو گئی اور آپ ان دونوں جہتوں معرفت و محبت کے کمال کے جامع بن گئے۔ اس (جامعیت) کے باوجود جذبہ کی ایک دوسری قسم جو معیت کے راستے سے نمودار ہوتی ہے، وہ بھی آپ کو عطا فرمائی گئی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے۔ آپ کے کمالات میں سے آپ کے جانشین حضرت خواجہ علاء الحق والدین (عطار قدس سرہ) کو وافر حصہ حاصل ہوا اور وہ جذبہ اور سلوکِ آفاقی کی دونوں دولتوں سے مشرف ہوئے اور قطب ارشاد کے مقام پر پہنچے۔

اسی طرح حضرت خواجہ محمد پارسا (قدس سرہ) نے بھی آپ کے کمالات سے کامل حصہ پایا اور حضرت خواجہ (نقشبند قدس سرہ) نے زندگی کے آخر میں ان کے بارے میں فرمایا کہ ”جو شخص میری طرح کا (بزرگ) دیکھنا چاہے وہ محمد (پارسا) کو دیکھ لے۔“ نیز آپ (حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ) سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”بہاء الدین کے وجود سے مقصود محمد (پارسا) کا ظہور ہے۔“ حضرت خواجہ محمد پارسا (قدس سرہ) کو ان کمالات کے باوجود فردیت کی نسبت حضرت مولانا عارف دیگ گرائی (قدس سرہ) نے اپنی زندگی کے آخر میں عطا فرمائی اور اسی نسبت کا غلبہ آپ کے لیے شیخ بننے اور طالبین کی تکمیل کرانے میں رکاوٹ بن گیا، ورنہ آپ کمال و تکمیل میں ایک بلند درجہ رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہ) نے ان کی شان میں فرمایا تھا: ”اگر وہ شیخی (پیری) کرے تو سارا جہاں ان سے منور ہو جائے۔“ (حضرت) مولانا عارف نے اس نسبتِ فردیت کو (حضرت) مولانا بہاء الدین (رحمۃ اللہ علیہ) سے، جو ان کے دادا (بزرگوار) تھے، حاصل کیا تھا۔

جاننا چاہیے کہ نسبتِ فردیت کا رخ پوری طرح حق سبحانہ کی جانب (ہوتا) ہے اور وہ شیخی (پیری) اور تکمیل و دعوت سے کوئی سروکار نہیں رکھتی اور اگر یہ نسبت قطب ارشاد جس کا تعلق خلقت کی دعوت و تکمیل کے مقام سے ہے، کی نسبت کے ساتھ جمع ہو جائے تو دیکھنا چاہیے کہ اگر نسبتِ فردیت غالب ہے تو اس صورت میں ارشاد و تکمیل کا پلہ کمزور ہو جائے گا، ورنہ ان دونوں (کے رکھنے) والا اعتدال کی حد میں ہوگا۔ اس کا ظاہر پوری طرح خلقت کے ساتھ ہے اور اس کا باطن مکمل طور پر حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ (ہوتا) ہے۔ خلقت کو دعوت دینے کے مقام میں بلند ترین درجہ ان دونوں والا رکھتا ہے۔ اگرچہ قطب ارشاد کی نسبت تنہا بھی دعوت میں کفایت کرتی ہے لیکن ان بزرگواروں کو اس مقام میں ایک دوسرا مرتبہ حاصل ہے۔ ان کی نظر قلبی بیماری کے لیے شفا بخش ہے اور ان کی صحبت ناپسندیدہ اخلاق کو دور کرنے والی ہے۔

(حضرت) سید الطائفہ جنید بغدادی (قدس سرہ) اس دولتِ عظمیٰ سے سعادتمند بنے ہیں اور اس مرتبہ سے مشرف ہوئے ہیں۔ ان کو قطب کی نسبت (حضرت) شیخ سری سقطی (قدس سرہ) سے حاصل ہوئی تھی اور نسبتِ فردیت (حضرت) شیخ محمد قصاب (قدس سرہ) سے (ملی تھی)۔ آپ کے پاکیزہ اقوال میں سے ہے: ”لوگ سمجھتے ہیں کہ میں سری (سقطی) کا مرید ہوں (جبکہ) میں محمد قصاب کا مرید ہوں۔“ (گویا) انہوں نے نسبتِ فردیت کو غالب بنا کر نسبتِ قطبیت کو بھلا دیا اور اسے اس (نسبتِ فردیت) کے پہلو میں معدوم سمجھا ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہ) کے خلفاء کے بعد اس بزرگ سلسلہ (نقشبندیہ) کے چراغِ حضرت خواجہ احرار (قدس سرہ) تھے۔ وہ خواجگان کے جذبہ کو مکمل کر کے سیرِ آفاقی کی جانب متوجہ ہوئے اور اسم تک سیر کو پہنچا کر بغیر اس بات کے کہ اسم میں داخل ہو کر اس میں نیستی و فنا پیدا کریں، دوبارہ جذبہ کے خانہ میں آگئے اور نیستی و استغراق خاص اسی جہت میں پیدا کیا اور اسی جہت میں ایک بقا بھی پائی۔ الغرض وہ اس جہت میں عظیم شان رکھتے تھے اور جو علوم و معارف فنا و بقا سے حاصل ہوتے ہیں، وہ ان کو اسی مقام میں میسر ہوئے۔ اگرچہ جہتوں میں فرق کی وجہ سے علوم میں تفاوت ظاہر ہے۔ ان میں سے ایک تفاوت توحید و جود کا اثبات اور اس کا عدم ہے۔ نیز اسی طرح ان امور کا اثبات ہے جو توحید و جود کی کے مناسب مذکور ہوئے ہیں (مثلاً): احاطہ و سر بیان اور معیتِ ذات اور کثرت کے کلی طور پر پوشیدہ ہونے کے باوجود کثرت میں وحدت کا شہود، اس طرح

کہ سالک (کی زبان) پر کلمہ انا ہرگز لوٹ کر نہ آئے، وغیرہ۔ بخلاف ان علوم کے جو اس بقا پر مرتب ہوتے ہیں جو فنائے مطلق کے بعد ہے، کیونکہ وہ اس طرح سے نہیں ہیں، بلکہ ان کے علوم شریعت حقہ کے علوم سے مطابقت رکھتے ہیں اور وہ اس طرح کے حیلوں، بہانوں، تکلفات اور سوالات و جوابات کے محتاج نہیں ہیں۔

الغرض جو بقا جذبہ کی جہت میں ہے، وہ جذبہ خواہ کسی قسم کا ہو، سکر سے باہر نہیں لاتا اور صحو میں نہیں لاتا۔ لہذا بقا کے باوجود (کلمہ) انا کے باقی (رہنے) پر رجوع نہیں کرتا اور اس کی طرف اشارہ نہیں ہوتا، کیونکہ جذبہ میں محبت کا غلبہ ہے اور محبت کے غلبہ کے لیے سکر لازم ہے۔ لہذا کسی طرح بھی سکر اس سے جدا نہیں ہوتا۔ پس مجبوراً اس کے علوم بھی سکر آمیز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ وحدت وجودی کا قائل ہونا، کیونکہ یہ سکر اور غلبہ محبت پر مبنی ہے، اس طرح کہ اس کی نظر میں محبوب کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی، لہذا وہ ماسوا کی نفی کا حکم کرتا ہے۔ اگر ایسا (سالک) صحو میں آجاتا تو محبوب کا شہود اس کے لیے ماسوا کے شہود کا مانع نہ ہوتا اور وہ وحدت وجودی کا حکم نہ کرتا۔ جو بقا فنائے مطلق کے بعد ہے اور سلوک کی انتہا ہے، وہ صحو کا منشا اور معرفت کا مبدأ (ہوتی) ہے۔ سکر کو اس مقام میں کوئی دخل نہیں ہے۔ سالک سے جو کچھ فنا کی حالت میں گم ہو گیا تھا، وہ سب واپس لوٹ آتا ہے، لیکن اصل کے رنگ سے رنگین ہوتا ہے۔ اور بقا باللہ سے مراد یہی ہے۔ لہذا مجبوراً ان کے علوم میں سکر کی گنجائش نہیں ہے۔ پس ان کے علوم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات والتحیات والبرکات الی یوم الدین کے علوم کے مطابق ہوتے ہیں۔

نیز ایسے ہی میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ (احرار قدس سرہ) نے اپنے مادری آبا و اجداد سے جو کہ عجیب احوال کے صاحب تھے اور قومی جذبہ رکھتے تھے، بھی ایک نسبت حاصل کی تھی اور بارہ اقطاب کے مقام سے، جن سے دین کی تائید وابستہ ہے اور وہ محبت میں عظیم شان رکھتے ہیں، سے بھی حضرت خواجہ (احرار قدس سرہ) کو وافر نصیب حاصل تھا، شریعت کی تائید اور دین کی نصرت انہیں (خواجہ احرار قدس سرہ کو) اسی جگہ سے حاصل تھی۔ ان کے گرامی احوال میں سے تھوڑا سا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ان بزرگواروں کے طریقہ کا احیاء اور ان عزیزوں کے آداب کی اشاعت ہے، جو خاص کر ہندوستان کے ممالک میں، جن کے باشندے ان کے کمالات سے بے بہرہ تھے، ارشاد پناہی معارف آگاہی پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولانا محمد الباقی سلمہ اللہ تعالیٰ کے ظہور سے ثابت ہو چکی ہے۔ (فقیر نے) چاہا کہ ان کے کمالات میں سے بھی تھوڑا سا اس مکتوب میں درج کرے، جب اس بارے میں ان کی رضامندی معلوم نہ ہوئی تو (بندہ) اس ضمن میں جرأت کرنے سے باز رہا۔

مکتوب نمبر (۲۹۱)

مولانا عبدالحی کو تحریر فرمایا۔ توحید و جود و شہودی اور ان کے متعلقہ معارف کے بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِیْنَ۔ یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور درود و سلام ہو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ کی آل (اطہار) اور سب صحابہ (کرام) پر۔

جان لو! اَرَشَدَكَ اللهُ تَعَالَى (اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت بخشنے) کہ ایک جماعت کے لیے توحید و جود کی کا منشا مراقبات توحیدی کی کثرت سے مشق کرنا اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے معنی میں لا مَوْجُودَ اِلَّا اللہ کے ساتھ غور و فکر کرنا ہے۔ اس قسم کی توحید حیلہ، تامل اور تخیل کے بعد سلطانِ خیال کے غلبہ کی بدولت (ہوتی) ہے، کیونکہ توحید کے معنی کی کثرت کے ساتھ مشق کرنے سے یہ معرفت تخیل میں نقش باندھ لیتی ہے اور چونکہ یہ توحید موجود کی ایجاد سے وجود میں آئی ہے، لہذا وہ علت سے خالی نہیں ہے۔ اس توحید والا (سالک) اربابِ احوال میں سے نہیں ہے، کیونکہ اربابِ احوال، اربابِ قلوب (ہوتے) ہیں (اور) وہ اس وقت مقامِ قلب سے کوئی خبر نہیں رکھتا۔ (یہ توحید) علمی سے زیادہ کچھ نہیں ہے، لیکن علم میں بھی بعض کے درجات بعض سے اوپر ہیں۔

ایک دوسری جماعت کے لیے توحید و جود کی کا منشا جذب و محبت قلبی ہے، کیونکہ انہوں نے شروع میں اذکار و مراقبات جو توحید کے معنی سے خالی ہیں، سے مشغولیت رکھی ہے اور پھر جدوجہد یا محض عنایتِ ازلی سے مقامِ قلب تک پہنچ گئے ہیں اور ایک جذب پیدا کر لیا ہے۔ اس مقام میں اگر ان پر توحید و جود کی کا جمال ظاہر ہو جائے تو اس کا سبب محبوب کی محبت کا غلبہ ہوگا، جس نے محبوب کے ماسوا کو ان کی نظر سے پوشیدہ کر دیا ہے اور مخفی بنا ڈالا ہے۔ چونکہ وہ محبوب کے ماسوا کو نہیں دیکھتے اور نہیں پاتے، (لہذا) یقیناً محبوب کے سوا کوئی موجود نہیں سمجھتے۔ اس قسم کی توحید حال سے ہے اور تخیل کی علت اور وہم کے شبہ سے پاک و مبرا ہے۔

اگر اس طرح کے اربابِ قلوب کی جماعت کو اسی مقام سے جہان کی طرف دوبارہ لوٹائیں تو وہ اپنے محبوب کا جہان کے ذرات میں سے ہر ذرے کے اندر مشاہدہ کرتے ہیں اور موجودات کو محبوب کے حسن و جمال کے آئینے اور مظاہر سمجھتے ہیں۔ اگر وہ محض اللہ جلِ سلطانہ کے فضل سے مقامِ قلب سے باہر آ کر قلب کے پھیرنے والے کی ذاتِ پاک کی جانب متوجہ ہو جائیں تو یہ معرفتِ توحیدی جو مقامِ قلب میں پیدا ہوئی تھی، زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ اگرچہ وہ عروج کے زینوں پر چڑھتے جاتے ہیں، لیکن وہ خود کو اس معرفت کے ساتھ زیادہ نامناسب پاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جماعت تو اس معرفت کے ارباب پر رکن الدین ابوالمکارم (حضرت) شیخ علاء الدولہ سمنانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی مانند انکار و طعن تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض دوسرے لوگوں (سالکین) کے لیے اس معرفت کے زوال کے بعد اس کے نفی و اثبات سے کوئی کام نہیں رہتا۔

ان سطور کے لکھنے والا اس معرفت کے ارباب کے انکار سے اجتناب کرتا ہے اور ان پر طعن کرنے سے خود کو دور رکھتا ہے۔ انکار اور طعن کی اس وقت گنجائش ہوتی ہے جب اس حال والوں کا اس حال کے ظہور میں کوئی ارادہ و اختیار ہو۔ ان کے ارادہ کے بغیر یہ چیز ان میں ظاہر ہوگئی ہے۔ وہ اس حال کے مغلوب ہیں، لہذا یقیناً معذور ہیں اور معذور پر ردِ طعن کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن (یہ فقیر) اس قدر جانتا ہے کہ اس معرفت کے اوپر ایک اور معرفت ہے اور اس حال سے بالاتر ایک دوسری حالت ثابت ہے۔ اس مقام میں قید (سالکین) زیادہ کمالات سے رکے ہوئے ہیں اور بیشمار مقامات سے محروم ہیں۔ اس بے سرو سامان حقیر کو بغیر اس کے کہ مراقبات و اذکار کے ضمن میں توحید کے معنی کی مشق کرے، بلکہ بغیر اس کے کہ جدوجہد کرے، محض فضلِ الہی سے ہدایت اور افاضت پناہی، حقائق و معارف آگاہی، پسندیدہ دین کی تائید کرنے والے ہمارے شیخ و مولانا محمد باقی قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی صحبت میں ذکر کی تعلیم کے بعد ان کی توجہ و التفات کے ذریعے مقامِ قلب میں لا کر

اس پر اس معرفت کا دروازہ کھول دیا گیا اور اس مقام کے بہت زیادہ علوم و معارف عطا فرمائے گئے اور ان معارف کے دقائقِ مشکف کیے گئے اور ایک مدت تک اس مقام میں رکھا گیا۔ آخر کار کمال بندہ نوازی سے مقامِ قلب سے باہر نکلا گیا۔ اس دوران وہ معرفت زوال پذیر ہونے لگی اور آہستہ آہستہ مکمل طور پر معدوم ہو گئی۔

اپنے حالات کے اظہار سے مقصود یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اس مضمون کو (فقیر نے) کشف و ذوق کی رو سے لکھا ہے، ظن و تقلید کی رو سے نہیں لکھا۔ جو معارف تو حیدی بعض اولیاء اللہ سے ظاہر ہوئے ہیں وہ ابتدائے حال میں اور مقامِ قلب ہی میں سرزد ہوئے ہوں گے، لہذا ان (سائلین) کو اس راستے سے کوئی نقصان لاحق نہیں ہوتا۔

اس حقیر نے بھی اس زمانے میں معارفِ تو حیدی کے بارے میں رسائل لکھے ہیں اور جب ان کو بعض دوستوں نے منتشر کر دیا تو ان کا جمع کرنا مشکل سمجھ کر ان رسائل کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ نقصان اس وقت لازم آتا ہے جب اس مقام سے آگے نہ لے جائیں۔

اربابِ تو حید میں سے ایک دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اپنے مشہود میں مکمل طور پر نیستی و استغراق پیدا کر لیا ہے اور ان کی ہمت یہ ہے کہ مشہود میں ہمیشہ نیست و نابود رہیں اور ان کے وجود کے لوازمات میں سے کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔ وہ اپنے اوپر کلمہ ”انا“ کے رجوع کو کفر سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں کام کی انتہا فنا نیستی ہے۔ وہ مشاہدہ کو بھی گرفتاری سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بعض فرماتے ہیں: اَشْتَهِي عَدَمًا لَا اَعُوذُ اَبَدًا۔ (یعنی) میں ایسے عدم کی تمنا کرتا ہوں جس کا وجود ہرگز نہ ہو۔ یہ لوگ محبت کے مارے ہوئے ہیں اور (یہ) حدیثِ قدسی انہی کی شان میں ثابت ہے: مَنْ قَتَلْتُهُ فَاَنَا ذِيْتُهُ۔^(۱) یعنی: جس کو میں قتل کرتا ہوں، اس کا خون بہا بھی میں ہی ہوں۔

یہ لوگ ہمیشہ وجود کے بوجھ کے نیچے ہیں اور لمحہ بھر آسائش نہیں رکھتے۔ کیونکہ آسائش غفلت میں (ہوتی) ہے۔ دائمی فنا میں غفلت کی گنجائش نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ہرودی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ”جو شخص مجھے حق سبحانہ سے گھڑی بھر غافل بناتا ہے، امید ہے کہ اس کے گناہوں کو بخش دیں گے۔“

بشریت کے وجود کے لیے غفلت درکار ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے ان میں سے ہر ایک کے ظاہر کو اس کی استعداد کے مطابق ان امور میں مشغول کر دیا ہے جو غفلت کے لیے لازمی ہیں، تاکہ وہ بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ ایک جماعت (کے لوگوں) کے دل میں سماع اور رقص کی اُلفت ڈال دی ہے اور ایک گروہ کا شعار کتب اور علوم و معارف کی تصنیف بنا دیا ہے اور ایک گروہ کو بعض مباح امور میں مشغول کر رکھا ہے۔

(حضرت) عبداللہ اصطری (رحمۃ اللہ علیہ) کتوں والوں کے ساتھ صحرا میں چلے جاتے تھے۔ ایک شخص نے کسی بزرگ سے اس کا راز پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ”(اس لیے) تاکہ وہ سانس بھر وجود کے بوجھ سے چھٹکارا پائے۔“ بعض (لوگوں) کو تو حید و جود کے علوم اور وحدت میں کثرت کے شہود سے آرام دیا گیا ہے، تاکہ وہ اس بوجھ سے گھڑی بھر آرام پالیں۔ جو تو حید (وجودی) مشائخ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے بعض اکابر سے ظاہر ہوئی ہے وہ اسی قسم کی ہے۔ ان بزرگواروں کی نسبت تنزیہ صرف کی

جانب کھینچ لے جاتی ہے، وہ عالم اور عالم میں شہود سے کوئی کام نہیں رکھتے۔ جو معارف ارشاد پناہی حقائق و معارف دستگاہی ناصر الدین خواجہ عبید اللہ (احرار قدس سرہ) نے توحید و جودی اور کثرت میں وحدت کے شہود کے مناسب لکھے ہیں، وہ توحید (وجودی) کی اس آخری قسم میں سے ہیں۔ ان کی کتاب ”فقرات“ جو بعض علوم توحید و غیرہ پر مشتمل ہے، اس کتاب کا منشا اور ان معارف کا مقصود اس عالم کے ساتھ انس و الفت پیدا کرنا ہے۔ اسی طرح ہمارے خواجہ (محمد باقی قدس سرہ) کے معارف ہیں جو کتاب ”فقرات“ کے کلام کے مطابق بعض رسائل میں تحریر ہوئے ہیں۔ ان علوم توحید کا منشا جذبہ ہے اور نہ غلبہ محبت۔ نیز ان کے شہود کو عالم کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ انہیں جو کچھ عالم میں دکھایا جاتا ہے وہ ان کے مشہود حقیقی کا شبہ و مثال ہے۔ مثلاً ایک آدمی سورج کے جمال میں گرفتار ہے اور اس نے محبت کے کمال سے خود کو سورج میں گم کر لیا ہے اور خود سے کوئی نام اور نشان نہیں چھوڑا۔ وہ اس طرح گم ہو گیا ہے کہ اگر چاہیں کہ اسے واپس لے آئیں اور اس کے اندر سورج کے ماسوا کی ایک انس اور اُلفت پیدا کر دیں، تاکہ وہ ایک گھڑی کے لیے سورج کے انوار کی شعاعوں سے سانس بھر راحت پائے اور ایک لمحہ کے لیے آرام کر لے تو اسی سورج کو اس عالم کے آئینوں میں اس پر ظاہر کرتے ہیں اور اس تعلق سے اس کو اس عالم کے ساتھ ایک انس و الفت عطا کرتے ہیں اور کبھی اس کو اُمید دلاتے ہیں کہ یہ عالم عین سورج ہے اور سورج کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے اور کبھی اس کو عالم کے ذرات کے آئینوں میں سورج کا جمال دکھاتے ہیں۔

یہاں کوئی (شخص) یہ سوال نہ کرے کہ چونکہ نفس الامر عالم میں سورج کا عین نہیں ہے، لہذا اس (عالم) کو سورج بتانا خلاف واقع ہوگا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عالم کے افراد بعض امور میں ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں اور بعض دوسرے (امور) میں امتیاز (رکھتے ہیں)۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے کمال قدرت سے بعض ایسے امور کو، جو امتیاز کا باعث ہیں، بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے ان کی نظر سے مخفی کر دیتا ہے اور صرف مشترکہ اجزا کا مشاہدہ کراتا ہے۔ لہذا مجبوراً ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد کے حکم میں آ جاتے ہیں۔ پھر وہ (شخص) سورج کو بھی اسی تعلق سے عالم کا عین پاتا ہے۔ اسی طرح حق سبحانہ کو عالم کے ساتھ درحقیقت کوئی مناسبت نہیں ہے، لیکن اسی مشابہت اس اتحاد کو صحیح بنا دیتی ہے۔ مثلاً حق سبحانہ و تعالیٰ موجود ہے اور عالم بھی موجود ہے، اگرچہ درحقیقت ان دو وجودوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ عالم، سمیع، بصیر، حی، قادر اور مرید ہے اور عالم کے بعض افراد بھی ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔ اگرچہ ان (حق تعالیٰ اور بندوں) کی صفات ایک دوسرے سے جدا ہیں، لیکن چونکہ وجود امکانی کی خصوصیت اور محدثات کی صفات کے نقائص کو ان (لوگوں) کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا گیا ہے، لہذا اگر اتحاد کا حکم کریں تو گنجائش موجود ہے۔

توحید کی یہ آخر قسم توحید کی قسموں میں سب سے اعلیٰ ہے، بلکہ درحقیقت اس معرفت کے ارباب اس حال کے مغلوب نہیں ہیں اور ان کا سکر اس معرفت کا باعث نہیں ہوا ہے، بلکہ اس حال کو ان پر کسی مصلحت سے لائے ہیں اور چاہا گیا ہے کہ اس معرفت کے وسیلہ سے انہیں سکر سے صحو میں لائیں اور تسلی دیں۔ جس طرح کہ ایک جماعت کو سماع و رقص سے اور ایک گروہ کو بعض مباح امور میں مشغول کر کے تسلی دی گئی ہے۔

جاننا چاہیے کہ ان گروہوں میں سے سب لوگ بعض ایسے امور میں مشغول ہو جاتے ہیں جو ان کے مشاہد کے مغائر

(خلاف) ہوتے ہیں اور وہ ان سے تسلی پاتے ہیں، بخلاف ان بزرگواروں کے کہ جو چیز ان کے مشہود کے مغائر (خلاف) ہوتی ہے، وہ اس کی جانب التفات نہیں کرتے اور (اس کے) تابع نہیں ہوتے۔ لہذا مجبوراً عالم کو ان کے مشہود کا عین ظاہر کرتے ہیں یا اس کو عالم کے آئینے میں جلوہ گر کرتے ہیں، تاکہ وہ گھڑی بھر کے لیے اس بوجھ میں کمی پائیں۔

اس آخری قسم کی توحید کا منشا اس حقیر کو کشف و ذوق کے طریقہ سے معلوم نہیں تھا، وہ انہی دو پہلی قسموں کو جانتا تھا اور اس قسم کی جانب صرف گمان رکھتا تھا۔ اسی لیے اس نے رسائل اور مکتوبات میں وہی دو قسمیں، بلکہ قسم دوم کو لکھا ہے اور توحید وجودی کو اس میں منحصر بنایا ہے۔ لیکن جب ارشاد پناہی قبلہ گا ہی (خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ) کی رحلت کے بعد آپ کے مزار کی زیارت کی غرض سے محفوظ شہر دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ (فقیر) عید کے روز آپ کے مزار کی زیارت کے لیے گیا تھا، تو مزار مبارک کی جانب توجہ کے دوران آپ کی روحانیت مقدسہ مکمل التفات کے ساتھ ظاہر ہوئی اور (آپ نے) کمال غریب نوازی سے اپنی نسبت خاصہ جو کہ حضرت خواجہ احرار (قدس سرہ) کی طرف منسوب تھی، (فقیر کو) مرحمت فرمائی۔ جب (فقیر نے) اس نسبت کو خود میں پایا تو ضرورت سے ان علوم و معارف کی حقیقت کو ذوق کے طریقہ سے حاصل کیا اور معلوم ہوا کہ آپ کے اندر توحید وجودی کا منشا قلبی جذب اور محبت کا غلبہ نہیں ہے، بلکہ اس معرفت سے مقصود اس غلبہ کو کم کرنا ہے۔ (فقیر) ایک مدت تک اس معنی کو ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن چونکہ بعض رسائل میں وہ دو پہلی قسمیں بیان ہو چکی تھیں، لہذا کم فہم لوگ اس کی وجہ سے وہم میں پڑ گئے کہ اس بیان سے ان دو اکابر (خواجہ احرار قدس سرہ اور خواجہ محمد باقی قدس سرہ) کی تنقیص لازم آتی ہے، کیونکہ ان کا طریقہ ارباب توحید کا طریقہ ہے۔ اس وجہ سے لوگوں نے (فقیر کے حق میں) فتنہ انگیزی کی زبان درازی کی۔ یہاں تک کہ یہ وہم (فقیر کے) بعض کم ارادت والے مریدوں کے احوال میں فتور کا سبب بن گیا، لہذا (فقیر نے) ضرورت کے تحت توحید کی اس (تیسری) قسم کے اظہار میں مصلحت سمجھی اور شہادت کے لیے اس واقعے کا ذکر بھی مناسب سمجھتے ہوئے تحریر کر دیا۔

ہمارے خواجہ (محمد باقی قدس سرہ) کے مخلص درویشوں میں سے ایک نے نقل کیا کہ آپ فرمایا کرتے تھے: ”لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ارباب توحید کی کتابوں کے مطالعہ سے ایک نسبت حاصل کر لیتے ہیں (جبکہ) ایسا نہیں ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہم گھڑی بھر کے لیے خود کو غافل کریں۔“ یہ بات پہلے کلام کی تائید کرتی ہے۔

فضیلت پناہی شیخ عبدالحق (محدث دہلوی) جو ہمارے خواجہ (محمد باقی باللہ قدس سرہ) کے مخلصین میں سے ہیں، نے نقل کیا ہے کہ حضرت خواجہ (قدس سرہ) رحلت کے دنوں سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ ”ہمیں یقین یقین سے معلوم ہو گیا ہے کہ توحید تنگ کوچہ ہے، شاہراہ اور ہے۔ اگرچہ ہم اس سے پہلے بھی جانتے تھے، لیکن اس قسم کا یقین اب ظہور پذیر ہوا ہے۔“ اس بات سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ بالآخر آپ (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کا مشرب بھی توحید (وجودی) سے مناسبت نہیں رکھتا تھا، (لہذا) ابتدائے حال میں اگر اس قسم کی توحید بھی ظاہر ہوئی ہو تو کوئی باک نہیں ہے، بلکہ بہت سے مشائخ کے لیے ابتدائے حال میں اس قسم کی توحید ظاہر ہوئی ہے اور بالآخر وہ اس سے (باہر) نکل آئے ہیں۔

نیز ایسے ہی جذبہ نقشبندیہ کے مقام میں پہنچنے کے بعد حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہ) کا طریقہ اور حضرت خواجہ احرار

(قدس سرہ) کا طریقہ ایک دوسرے سے جدا ہے اور علوم و معارف بھی ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ حضرت خواجہ احرار (قدس سرہ) کی توجہ کا غلبہ اس کے بعد اپنے مادری آباؤ اجداد کی باطنی نسبت کی جانب ہے جو پشت در پشت بزرگ چلے آ رہے ہیں اور یہ فنا و نیستی جو اوپر مذکور ہوئی ہے، ان بزرگواروں کی نسبت کے لوازمات میں سے ہے۔ اس حقیر نے اس زمانے کے لوگوں کی مصلحت کے پیش نظر طالبین کی تربیت کے لیے حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہ) کا طریقہ اختیار کیا ہے اور اس طریقہ کے ان علوم و معارف کو جو شریعت کے ظاہری علوم کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں، اس طرح کے فاسد زمانے میں جب ارکان شریعت نے اس میں مکمل سستی پیدا کر لی ہے، ان کے ظہور کو مناسب سمجھتے ہوئے طالبین کے افادہ کے لیے اسی طریقہ کا تعین کیا ہے۔ اگر حق سبحانہ اس حقیر کے ذریعے طریقہ احراریہ کی ترویج چاہتا تو عالم کو ان انوار سے منور بنا دیتا، کیونکہ اس نے ان دونوں بزرگواروں کے انوار (فقیر کو) کامل طور پر عطا فرمائے ہیں اور ہر دوا کا ہر کے طریقوں کی تکمیل کو اس پر ظاہر فرمایا ہے: اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ. (سورۃ حدید، ۲۹)

یعنی: اور فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

بادشاہے ست کز عنایت خویش ہر دو عالم بیک گدائے بخشد

اگر بادشہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبست مکن

یعنی: اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ ہے جو اپنی عنایت سے دونوں جہاں ایک گدا کو بخش دیتا ہے۔

♦ اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آجائے تو اے خواجہ تو حسد سے اپنی داڑھی مت فوج۔

اور وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ. (سورۃ ضحیٰ، ۱۱) یعنی: اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا۔

کے حکم سے (یہ فقیر) بعض پوشیدہ اسرار کو معرض ظہور میں لایا ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ طالبین حق کو ان سے بہرہ مند فرمائے۔ اگرچہ (یہ فقیر) جانتا ہے کہ اس سے منکرین کو اضافہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا، لیکن مقصود طالبین کو نفع پہنچانا ہے، کیونکہ منکرین بحث سے خارج اور محض نظر سے باہر ہیں۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا. (سورۃ بقرہ، ۲۶)

یعنی: اس سے (اللہ تعالیٰ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔

ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ کسی مصلحت کے تحت ایک طریقے کو اختیار کرنے سے، اس طریقے کی دوسرے طریقے پر فضیلت لازم نہیں آتی اور اس دوسرے طریقے کا نقص ظاہر نہیں ہوتا۔

دروازہ شہر را توں بست نتواں دہن مخالفان را بست

یعنی: شہر کا دروازہ بند کیا جاسکتا ہے، مخالفوں کا منہ بند نہیں کیا جاسکتا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ ذِي الْأَنْعَامِ وَالْمَنَّةِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ عَلَى رَسُولِهِ سَرْمَدًا وَعَلَى آلِهِ الْأَخْيَارِ وَأَصْحَابِهِ الْأَبْرَارِ. یعنی: اول و آخر میں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بڑے انعام اور احسان کا مالک ہے اور ہمیشہ درود و سلام اور رحمت ہو اُس کے رسول (مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بزرگ آل (اطہار) اور نیکو کار صحابہ (کرام) پر۔

مکتوب نمبر (۲۹۲)

شیخ عبدالحمید بنگالی کو تحریر فرمایا۔ مریدوں کے لیے ضروری آداب اور ان کے بعض شبہات کو دور کرنے کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي آدَبَنَا بِالْأَدَابِ النَّبَوِيَّةِ وَهَدَانَا بِالْأَخْلَاقِ الْمُصْطَفَوِيَّةِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا. یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہم کو آداب نبوی کے ساتھ مودب بنایا اور اخلاق مصطفویہ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا کی جانب ہدایت بخشی۔

جاننا چاہیے کہ اس راستے کے سالکین دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ وہ مرید ہیں یا مراد۔ اگر وہ مراد ہیں تو ان کو مبارک ہو۔ ان کو جذب اور محبت کے راستے سے کشاں کشاں لے جائیں گے اور اعلیٰ مقصد تک پہنچا دیں گے۔ جو ادب بھی درکار ہو، وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کو سکھا دیں گے اور اگر کوئی لغزش واقع ہوگئی تو جلد ہی آگاہ فرما دیں گے اور اس پر مواخذہ نہیں کریں گے۔ اگر انہیں ظاہری پیر کی کوئی ضرورت ہوئی تو بغیر کوشش کے ان کو اس دولت کی جانب رہنمائی فرما دیں گے۔ الغرض اللہ جل سلطانہ کی ازلی عنایت ان بزرگواروں کے حال کی کفیل (ہوتی) ہے، سبب اور سبب کے بغیر ان کے کام کی کفایت کریں گے۔ وَاللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ. (سورۃ شوریٰ، ۱۳) یعنی: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے لیے برگزیدہ بنا لیتا ہے۔

اگر وہ مرید ہیں تو ان کا کام کامل مکمل پیر کے توسط کے بغیر دشوار ہے۔ ایسا پیر چاہیے جو جذبہ و سلوک کی دولت سے مشرف ہو چکا ہو اور فنا و بقا کی سعادت سے سعادتمند بن چکا ہو اور سیرالی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ کو مکمل طور پر طے کر چکا ہو۔ اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو اور وہ مرادوں کی تربیت سے پروردہ شدہ ہو تو پھر وہ سرخ گندھک کی مانند (اکسیر) ہے۔ اس کا کلام دوا ہے اور اس کی نظر شفا ہے۔ مردہ دلوں کو زندہ کرنا اس کی توجہ شریف سے وابستہ ہے اور مرجھائی ہوئی جانوں کی تازگی اس کے التفات لطیف سے متعلق ہے۔ اگر اس طرح کا صاحب دولت نہ ملے تو سالک مجذوب بھی غنیمت ہے اور ناقصوں کی تربیت اس سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے ذریعے فنا و بقا کی دولت تک پہنچ سکتے ہیں:

آسمان نسبت بعرش آمد فرود ورنہ بس عالی ست پیش خاک تود

یعنی: آسمان اگرچہ عرش سے نیچے ہے لیکن وہ زمین سے بلند ہے۔

اگر اللہ جل سلطانہ کی عنایت سے کسی طالب کو اس طرح کے کامل مکمل پیر کی جانب رہنمائی فرمائی جائے تو چاہیے کہ وہ اس کے وجود شریف کو غنیمت سمجھے اور خود کو پوری طرح اس کے سپرد کر دے اور اپنی سعادت کو اس کی رضامندی میں جانے اور اس کی مرضی کی مخالفت کو اپنی بد قسمتی سمجھے۔ الغرض اپنی خواہش کو اس کی رضا کے تابع بنائے۔ نبی (کریم) عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا کی حدیث (پاک) میں ہے: لَنْ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جُنْتُ بِهِ. (۱) یعنی: تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے نفس کی خواہش کو اُس چیز کے تابع نہ بنائے جو میں نے لے کر آیا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ صحبت کے آداب کی رعایت اور شرائط کا لحاظ رکھنا اس راستے کی ضروریات میں سے ہے، تاکہ افادہ اور استفادہ کا راستہ کھل جائے اور اس کے بغیر صحبت کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا اور مجلس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بعض ضروری آداب اور شرائط بیان کی جاتی ہیں، گوشِ ہوش سے سننی چاہئیں۔

جاننا چاہیے کہ طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کے رخ کو تمام سمتوں سے موڑ کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی کی طرف التفات نہ کرے اور خود کو مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ کر کے بیٹھے، حتیٰ کہ ذکر میں بھی مشغول نہ ہو، مگر یہ کہ وہ حکم دے۔ اس کے حضور میں فرض و سنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

نقل کیا گیا ہے کہ اس زمانے کے بادشاہ (جہانگیر) کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس اثناء میں اتفاقاً یہ وزیر اپنے لباس کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے ہاتھ سے اس کے ایک بند کو درست کرنے لگا۔ اس حال میں بادشاہ کی نظر اُس پر پڑی تو اُس نے دیکھا کہ وہ اس کے غیر کی جانب متوجہ ہے۔ اس نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ ”میں اس کو ہضم نہیں کر سکتا کہ تو میرا وزیر ہو اور میرے حضور میں کپڑے کے بند کی طرف متوجہ ہو۔“ سوچنا چاہیے کہ جب کمینہ دنیا کے وسائل کے لیے اتنے باریک آداب درکار ہیں تو پھر وصول الی اللہ کے وسائل (مرشد) کے لیے تو ان آداب کی انتہائی کامل و مکمل رعایت کرنا لازم ہوگا۔ جہاں تک ممکن ہو کسی ایسی جگہ میں کھڑا نہ ہو جہاں اس کا سایہ پیر کے کپڑے پر یا پیر کے سایہ پر پڑے اور اس کے مصلیٰ پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ پر وضو نہ کرے اور اس کے خاص برتن استعمال نہ کرے اور اس کے حضور میں پانی نہ پیئے اور کھانا نہ کھائے اور کسی سے بات نہ کرے، بلکہ کسی کی جانب بھی متوجہ نہ ہو۔ اور پیر کی غیر موجودگی میں بھی جہاں پیر ہے اُس طرف پاؤں نہ کرے اور اس جانب نہ تھو کے۔ جو کچھ پیر سے صادر ہو اُسے درست سمجھے، خواہ ظاہر میں درست نہ لگے۔ (کیونکہ) پیر جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اذن سے کام کرتا ہے، اس وجہ سے اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے تو خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی مانند ہے، اس پر ملامت اور اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز ایسے ہی جب اس مرید میں اپنے پیر کی محبت پیدا ہوگئی ہے تو پھر محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ محبت کی نظر میں محبوب ہوتا ہے۔ لہذا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ کُلی اور جزوی (معاملات) میں پیر کی اقتدا کرے کیا کھانے میں اور کیا پینے میں۔ نیز کیا سونے میں اور اطاعت کرنے میں۔ نماز کو بھی اسی کی طرز پر ادا کرے اور فقہ کو بھی اسی کے عمل سے اخذ کرنا چاہیے:

آن را کہ در سرانے نگار نیست فارغ است از باغ و بوستان و تماشاے لاله زار

یعنی: جس کے گھر میں ایک معشوق ہے وہ باغ و بوستان اور لاله زار کے تماشاے (اور سیر) سے فارغ ہے۔

نیز پیر کی حرکات و سکنات میں کسی اعتراض کو موقع نہ دے، خواہ وہ اعتراض رائی کے دانے کے برابر ہو، کیونکہ اعتراض کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بے سعادت وہ آدمی ہے جو اس بلند گروہ کے عیب تلاش کرے۔ نَجَّانَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ هَذَا الْبَلَاءِ الْعَظِيمِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اس بہت بڑی بلا سے نجات دے۔

نیز اپنے پیر سے خوارق اور کرامات طلب نہ کرے، خواہ یہ طلب دل کے خیالات اور وسوسوں کی صورت میں ہو۔ کبھی تو

نے سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو۔ معجزہ طلب کرنے والے لوگ کافر اور منکر تھے:

معجزات از بہر قہر دشمن است بوئے جنسیت پئے دل بردن است

موجبِ ایمان نباشد معجزات بوئے جنسیت کند جذبِ صفات

یعنی: معجزے دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے ہیں اور دل قابو کرنے کے لیے جنسیت (اپنائیت) کی خوشبودار ہے۔

♦ معجزے ایمان کا موجب نہیں ہیں، بلکہ جنسیت (اپنائیت) کی خوشبو صفات کو جذب کرتی ہے۔

اگر دل میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو بلا توقف (پیر کی خدمت میں) عرض کر دے۔ اگر وہ حل نہ ہو تو (اسے) اپنی تقصیر تصور کرے اور جناب پیر کی طرف کوئی نقص منسوب نہ کرے۔ جو واقعہ بھی ظاہر ہو، پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اُس سے پوچھے۔ نیز جو تعبیر طالب پر منکشف ہو وہ بھی عرض کرے اور درست اور غلط اسی سے طلب کرے اور اپنے کشوف پر ہرگز اعتماد نہ کرے، کیونکہ اس دنیا میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور درست غلط کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ بغیر ضرورت اور بلا اجازت اس سے جدا نہ ہو، کیونکہ اس کی بجائے غیر کو اختیار کرنا ارادت کے منافی ہے۔ اپنی آواز کو اُس کی آواز سے بلند نہ کرے اور اس کے ساتھ اونچی (آواز میں) بات نہ کرے، کیونکہ (یہ) بے ادبی ہے۔ جو فیض اور جوفتوح بھی نصیب ہو اُس کو پیر کے ہی ذریعے سے تصور کرے۔ اگر کسی واقعہ میں دیکھے کہ دوسرے مشائخ سے فیض پہنچا ہے تو اس کو بھی پیر ہی سے سمجھے۔ نیز سمجھے کہ چونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے، لہذا پیر کا خاص فیض مرید کی خاص استعداد کے مطابق مشائخ میں سے ایک شیخ کے کمال کے موافق ظاہر ہوا ہے اور مرید کو پہنچا ہے۔ اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اُس فیض سے مناسبت رکھتا ہے، وہ اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ آزمائش کی بنا پر مرید نے اس لطیفہ کو دوسرا شیخ خیال کر لیا ہے اور فیض کو اس کی جانب سے سمجھ لیا ہے۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔ حق سبحانہ قدم کی لغزش سے محفوظ رکھے اور پیر پر اعتقاد و محبت کو مضبوط رکھے، سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے۔

الغرض مثل مشہور ہے کہ الطَّرِيقُ كُلُّهُ اَدَبٌ. یعنی: طریقت سب ادب ہے۔

کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر مرید بعض آداب کی رعایت میں خود کو عاجز سمجھے اور ان کو کما حقہ ادا نہ کر سکے اور اگر کوشش کے باوجود بھی ان سے عہدہ برانہ ہو سکے تو قابلِ معافی ہے، لیکن اسے اپنی کوتاہی کا اعتراف ضرور کرنا چاہیے اور اگر عیناً بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ (اللہ کی پناہ!) آداب کی رعایت نہ کرے اور خود کو قصور وار بھی نہ سمجھے تو پھر وہ ان بزرگواروں کی برکات سے محروم ہے:

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ بود دیدنِ روئے نبی سود نہ بود

یعنی: جس شخص کو اپنی بھلائی کا خیال نہ ہو، اس کے لیے نبی (علیہ السلام) کا چہرہ انور دیکھنا بھی فائدہ مند نہیں ہے۔

ہاں! جو مرید پیر کی توجہ کی برکت سے مرتبہ فنا و بقا پہنچ جائے اور الہام و فراست کا راستہ اس پر ظاہر ہو جائے اور پیر اس کو مسلم رکھے اور اس کے کمال کی گواہی دے۔ اس مرید کے لیے گنجائش ہے کہ وہ بعض الہامی امور میں پیر کے خلاف کرے اور اپنے الہام کی رو سے عمل کرے، خواہ پیر کے ہاں اس کے خلاف ثابت ہو، کیونکہ یہ مرید اس وقت میں پیر کی تقلید کے حلقہ سے باہر آچکا ہے اور تقلید اس کے لیے خطا ہے۔ تو نہیں دیکھتا کہ نبی (کریم) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الصلوٰات والتسلیمات

کے صحابہ (کرامؓ) نے اجتہادی امور اور غیر آسمانی احکام میں آنسور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے اختلاف کیا ہے اور بعض اوقات صحیح ہونا صحابہ (کرامؓ) کی جانب ظاہر ہوا ہے۔ کَمَا لَا يَخْفَى عَلَىٰ أَرْبَابِ الْعِلْمِ۔ یعنی: جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مرتبہ کمال پر پہنچنے کے بعد مرید کو پیر سے اختلاف کرنا روا ہے اور (یہ) بے ادبی سے مبرا ہے، بلکہ یہاں یہی ادب ہے، ورنہ نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) جو کہ کمال ادب سے آراستہ تھے، وہ آنحضرت (علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات) کی تقلید کے سوا دوسرا کام نہ کرتے۔

(حضرت امام) ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے لیے مرتبہ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد (حضرت امام) ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرنا خطا ہے، صواب (صحیح) اپنی رائے کی پیروی میں ہے نہ کہ ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے (پر چلنے میں)۔ (حضرت) امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ علیہ) کا مشہور قول ہے کہ: نَاَزَعْتُ أَبَا حَنِيفَةَ فِي مَسْأَلَةِ خُلُقِ الْقُرْآنِ سِتَّةَ أَشْهُرٍ۔ یعنی: میں (حضرت امام) ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ خلقِ قرآن کے مسئلہ میں چھ ماہ تک جھگڑا کرتا رہا۔ تو نے سنا ہوگا کہ فن کی تکمیل بہت سے افکار ملنے کے بعد ہوتی ہے، اگر وہ ایک ہی فکر پر رہتا تو اس میں اضافہ نہ ہوتا۔ (علم) نحو جو (امام) سیبویہ کے زمانے میں تھا، اس میں آراء کے اختلاف اور غور و فکر (کی مثالیں) ملنے کے بعد آج ہزاروں گنا اضافہ اور کمال پیدا ہو چکا ہے، لیکن چونکہ اس کی بنیاد انہوں (امام سیبویہ) نے رکھی ہے، لہذا فضیلت انہی کے لیے ہے، کیونکہ الْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِينَ۔ یعنی: فضیلت متقدمین ہی کے لیے ہے۔

لیکن کمال ان (متاخرین) کے لیے ہے۔ حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہے: مَثَلُ أُمَّتِي كَمَثَلِ اللَّمْطَرِ لَا يُدْرِي أَوَّلُهُمْ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُمْ۔^(۲)

یعنی: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اوّل اچھا ہے یا آخر۔

تتمہ: بعض مریدوں کے شبہ کو دور کرنے کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ کہا گیا ہے: الشَّيْخُ يُحْيِي وَيُمِيتُ۔ یعنی: شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

زندہ کرنا اور مارنا مقامِ شیخی کے لوازمات میں سے ہے۔ لیکن اس زندہ کرنے سے مراد روحانی زندگی ہے، جسمانی (زندگی) نہیں ہے۔ اور اسی طرح اس مارنے سے مراد روحانی موت ہے، جسمانی (موت) نہیں ہے۔ (اس) زندگی و موت سے مراد فنا و بقا ہے جو مقامِ ولایت اور کمال تک پہنچاتی ہے اور شیخ مقتدا اللہ سبحانہ کے اذن سے ان دونوں کاموں کا کفیل ہے۔ پس شیخ کو زندہ کرنے اور مارنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ يُحْيِي وَيُمِيتُ (زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) کے معنی يُبْقِي وَيُفْنِي (باقی بناتا ہے اور فانی بناتا ہے) ہیں۔ جسمانی (طور) پر زندہ کرنے اور مارنے کا منصب شیخی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیخ مقتدا مقناطیس کی مانند ہے۔ جس شخص کو اس سے مناسبت ہے وہ خس و خاشاک (تکلوں) کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا ہے اور اپنا نصیب اس سے حاصل کرتا ہے۔ خوارق و کرامات مریدوں کی جذب (کشش) کے لیے نہیں ہیں، مرید روحانی مناسبت کی کشش سے کچھ آتے ہیں۔ جو شخص ان بزرگوں سے مناسبت نہیں رکھتا اور ان کے کمالات کی دولت سے محروم (رہتا) ہے، خواہ وہ ہزاروں معجزات اور خوارق و کرامات دیکھ لے، ابو جہل اور ابولہب کو اس چیز کی دلیل بنانا چاہیے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ

کافروں کے بارے میں فرماتا ہے: وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ. (سورہ انعام، ۲۵) یعنی: یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آپ سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں کہتے ہیں یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۹۳)

شیخ محمد چتری کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے کہ لَمَّا مَعَ اللَّهِ وَقْتُ حَدِيثِ نَبِيِّ عَلَيْهِ عَلَى آله الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ میں آیا ہے اور (حضرت) ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) نے بھی اسی طرح کہا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے پوچھا تھا کہ قَدِمْتُ هَذِهِ عَلَى رَقَبَةٍ كُلِّ وَلِيٍّ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ (جیلانی قدس سرہ) نے فرمایا ہے اور ایک دوسرے (ولی اللہ) نے بھی اسی طرح کہا ہے، اس معاملے کی حقیقت کیا ہے؟ اور انہوں نے پوچھا تھا کہ جن اولیاء کی گردن پر ان کا قدم ہے، یہ اسی زمانے کے اولیاء ہیں یا مطلقاً اولیاء مراد ہیں؟

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى. (سورہ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

آپ نے جو مکتوب شریف ارسال کیا تھا اُس کے موصول ہونے پر (فقیر) خوش اور مسرور ہوا۔ کتنی بڑی نعمت ہے کہ حق جل و علا کے دوست دور پڑے ہوؤں کو یاد فرمائیں۔ لکھا گیا تھا کہ حضرت رسالت پناہ علیہ علی آله الصلوٰات والتسلیمات نے فرمایا ہے: لَمَّا مَعَ اللَّهِ وَقْتُ. ^(۱) یعنی: میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے۔

نیز حضرت ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ حضرت میرا محی الدین (شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) نے کہا ہے کہ میرا پاؤں تمام اولیاء کی گردن پر ہے اور ایک دوسرے (ولی اللہ) نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ کبھی کبھار ان دو لفظوں پر ایک شور ہونے لگتا ہے عنایت کرتے ہوئے تحریر کریں کہ ان دو باتوں کے کیا معنی ہیں؟ اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ مہربانی فرما کر سب کو واضح تحریر کر کے جو اس غریب کی سمجھ کے قریب ہو، ارسال فرمائیں۔

میرے مخدوم! اس فقیر نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ آنسور (علیہ علی آله الصلوٰات والسلام) کو دائمی حضوری کے ساتھ ایک نادر وقت بھی حاصل تھا اور وہ وقت نماز کی ادائیگی کے دوران تھا۔ آپ نے (یہ حدیث) سنی ہوگی: الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ. یعنی: نماز مومن کی معراج ہے۔

نیز (یہ حدیث) اس معنی کے ثبوت میں عادل گواہ ہے: اِرْحَنِي يَا بَلَالُ. ^(۲) یعنی: اے بلال! مجھے راحت پہنچاؤ۔

(حضرت) ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) بھی وراثت اور تبعیت سے اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، کیونکہ آنسور علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے کامل تابعداروں کو وراثت و تبعیت کے طریقہ سے وافر اور کامل حصہ نصیب ہے۔

نیز جو چیز حضرت شیخ عبدالقادر (جیلانی) قدس سرہ نے فرمائی ہے: قَدِمْتُ هَذِهِ عَلَى رَقَبَةٍ كُلِّ وَلِيٍّ اللّٰهِ.

یعنی: میرا یہ قدم سب اولیاء کی گردنوں پر ہے۔

صاحب ^(۳) معارف المعارف جو (حضرت) شیخ ابوالنجیب سہروردی (قدس سرہ) کے مرید اور تربیت یافتہ ہیں، جو حضرت

شیخ عبدالقادر (جیلانی قدس سرہ) کے محرموں اور مصاحبوں میں سے ہوئے ہیں، انہوں نے اس کلمہ کو ان کلمات میں شامل کیا ہے جو خود بینی کو ظاہر کرتے ہیں اور جو مشائخ سے احوال کی ابتداء میں سکر کے باقی ماندہ اثرات کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں۔

نجات میں (حضرت) شیخ حماد بن اس (رحمۃ اللہ علیہ) ^(۴) جو حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) کے شیوخ میں سے ہیں، سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فراست کے طور پر فرمایا کہ اس عجمی کا قدم ایسا ہے جو اس کے وقت کے تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا اور یقیناً وہ اس پر مامور ہوگا کہ کہے: قَدَمِيْ هَذِهِ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيٍّ اللّٰهِ (میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے) اور یقیناً وہ یہ (کلمہ) کہے گا اور تمام اولیاء گردن جھکا لیں گے۔ بہر صورت شیخ (عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) اس بات میں حق بجانب ہیں۔ یہ بات خواہ ان کے باقی ماندہ سکر کی وجہ سے صادر ہوئی ہو اور خواہ وہ اس بات کے اظہار پر مامور ہوں، بہر حال ان کا قدم اس وقت کے تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوا ہے اور اس زمانے کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے رہے ہیں۔ لیکن جاننا چاہیے کہ یہ حکم اس وقت کے اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان سے پہلے اور ان کے بعد کے (اولیاء) اس حکم سے خارج ہیں۔ جس طرح کہ (حضرت) شیخ حماد (رحمۃ اللہ علیہ) کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ”ان کا قدم ان کے وقت کے سب اولیاء کی گردن پر ہوگا۔“

نیز ایک غوث جو بغداد میں تھے اور حضرت شیخ عبدالقادر (جیلانی قدس سرہ) اور (حضرت) ابن سقا عبداللہ (رحمۃ اللہ علیہ) اس کی زیارت کو گئے تھے۔ اس غوث نے اپنی فراست کے طور پر (حضرت) شیخ (عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) کے بارے میں کہا کہ ”میں تجھے بغداد میں دیکھ رہا ہوں کہ تو منبر پر بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے: قَدَمِيْ هَذِهِ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيٍّ اللّٰهِ۔ (میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے) اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے وقت کے سب اولیاء نے تیرے اجلال و اکرام کی وجہ سے اپنی گردنیں جھکا لی ہیں۔ اس بزرگ کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ (یہ) حکم اس وقت کے زمانے کے اولیاء کے ساتھ مخصوص ہوا ہے۔ اس وقت میں بھی اگر حق سبحانہ و تعالیٰ کسی کو چشمِ بینا عطا فرمائے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ جس طرح اس غوث نے دیکھا تھا کہ اس وقت کے اولیاء کی گردنیں اس کے قدم کے نیچے ہیں اور اس حکم نے اس وقت کے اولیاء کے علاوہ کسی اور جانب تجاوز نہیں کیا ہے۔ ان سے پہلے کے اولیاء کے لیے یہ حکم کیسے جائز ہو سکتا ہے، کیونکہ ان میں صحابہ کرام شامل ہیں جو یقیناً حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) سے افضل ہیں اور ان کے بعد آنے والوں میں بھی (یہ حکم) کیسے جاری ہو سکتا ہے کہ ان میں حضرت مہدی (رضوان اللہ علیہ) شامل ہیں، کیونکہ آنسور علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے تشریف لانے کی بشارت دی ہے اور امت کو ان کے وجود سے مبشر بنایا ہے اور ان کو خلیفۃ اللہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیٰ مینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام، جو اولو العزم انبیاء میں سے ہیں، کے صحابہ (کرام) جو سابقین میں سے ہیں اور اس شریعت کی متابعت کی وجہ سے خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ (کرام) کے ساتھ ملحق ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس امت کے متاخرین کی بزرگی کی وجہ سے ہی آنسور علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے (یہ) فرمایا ہو: لَا يُدْرِيْ اَوَّلُهُمْ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهُمْ۔ ^(۵)

یعنی: نہیں معلوم کہ اس امت کے پہلے لوگ بہتر ہیں یا ان کے آخری لوگ۔

الغرض حضرت شیخ عبدالقادر (جیلانی قدس سرہ) کو ولایت میں عظیم شان اور بلند درجہ حاصل ہے۔ انہوں نے ولایت

خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو (لطیفہ) سر کے راستے سے آخری نقطہ تک پہنچایا ہے اور اس دائرہ کے سر حلقہ بنے ہیں۔ یہاں سے کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ چونکہ شیخ (عبد القادر جیلانی قدس سرہ) ولایت محمدیہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے دائرہ کے سر حلقہ تھے، لہذا وہ سب اولیاء سے افضل ہیں، کیونکہ ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انبیاء علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والتحيات کی ولایتوں سے اوپر ہے۔ اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ وہ (حضرت شیخ عبد القادر قدس سرہ) اس ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سر حلقہ ہیں جو (لطیفہ) سر کے راستے سے حاصل ہوئی ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ نہ کہ وہ (شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ) اس ولایت کے مطلق سر حلقہ ہیں، جس سے افضلیت لازم آئے۔ یا یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطلق سر حلقہ ہونا افضلیت کو لازم نہیں کرتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بھی نبوت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کمالات میں تبعیت اور وراثت کے طریقہ سے پیش قدم ہو اور اس کی افضلیت ان کمالات کے راستے سے ثابت ہو۔

حضرت شیخ عبد القادر (جیلانی قدس سرہ) کے مریدوں میں سے ایک جماعت کے لوگ (حضرت) شیخ کے بارے میں بہت زیادہ غلو کرتے ہیں اور محبت میں افراط (حد سے گزرنے) کا پہلو اختیار کر لیتے ہیں، جس طرح کہ حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ کے محب افراط کرتے ہیں۔ اس جماعت کی بات اور کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شیخ (عبد القادر جیلانی قدس سرہ) کو ان سے پہلے اور ان کے بعد کے تمام اولیاء سے افضل سمجھتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسليمات کے علاوہ کوئی دوسرا معلوم نہیں ہے، جس کو وہ حضرت شیخ (عبد القادر جیلانی قدس سرہ) سے افضل قرار دیتے ہوں۔ یہ چیز محبت میں افراط کی وجہ سے ہے۔

اگر وہ لوگ کہیں کہ جس قدر کثرت سے خوارق (کرامات) حضرت شیخ (عبد القادر جیلانی قدس سرہ) سے ظہور میں آئے ہیں، کسی اور ولی سے ہرگز ظاہر نہیں ہوئے، لہذا افضلیت انہی کو حاصل ہے؟ تو (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ کثرت سے خوارق (کرامات) کا ظاہر ہونا افضلیت کی دلالت نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک ولی ایسا ہو جس سے کوئی کرامت بھی ظاہر نہ ہو (اور) وہ اس ولی سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات ظہور میں آئی ہوں۔

(حضرت) شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی قدس سرہ) نے مشائخ کی خوارق و کرامات کے بعد فرمایا ہے: ”یہ سب (خوارق و کرامات) اللہ تعالیٰ کی عطائیں ہیں جو وہ اولیاء پر کشف کرتا ہے اور ان کو عطا کرتا ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو رتبہ اور فضیلت میں ان سے بلند ہوتے ہیں لیکن ان کو ان (کرامات) میں سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ یہ سب چیزیں یقین کی تقویت کے لیے ہیں اور جس کو ویسے ہی یقین عطا کیا گیا ہو، اسے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ سب چیزیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، ذکر قلبی کے رسوخ اور ذکر ذات کے وجود سے کم درجہ ہیں۔“ (۶)

کثرت سے خوارق (کرامات) کے ظہور کو افضلیت کی دلیل بنانا اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص حضرت امیر (علی) رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی کثرت کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی افضلیت کی دلیل بنائے کہ اس قدر فضائل و مناقب ان (حضرت صدیق رضی اللہ عنہ) سے ظہور پذیر نہیں ہوئے۔

اے برادر! سن لے کہ خوارق عادات دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم، وہ علوم و معارف الہی جل سلطانہ ہیں جو اللہ جل و علا کی

ذات اور صفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور عقل کی نظر کے دائرے سے بالاتر ہیں اور متعارف اور عرف و عادات کے خلاف ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ممتاز فرمایا ہے۔ دوسری قسم مخلوقات کی صورتوں کا کشف کرنا اور ان پوشیدہ چیزوں کی اطلاعات ہیں جو عالم سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلی قسم اہل حق اور ارباب معرفت کے لیے مخصوص ہے اور دوسری قسم میں سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں، کیونکہ اہل استدراج کو بھی دوسری قسم حاصل ہے۔

پہلی قسم اللہ جل و علا کے ہاں شرف اور اعتبار رکھتی ہے، کیونکہ اس نے اسے اپنے اولیاء کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا۔ دوسری قسم عام خلقت کے نزدیک معتبر ہے اور ان کی نظروں میں معزز و محترم ہے۔

یہی چیزیں (خوارق عادات) اگر اہل استدراج سے ظہور میں آئیں تو نزدیک ہے کہ عوام نادانی کی وجہ سے ان کی پرستش کرنے لگیں اور ہر بھلے اور برے میں جس کی ان کو تکلیف دیں، لوگ ان کے مطیع اور فرمانبردار بن جائیں، بلکہ یہ محبوب پہلی قسم کو خوارق میں سے نہیں سمجھتے اور کرامات میں شمار نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک کرامت دوسری قسم میں منحصر ہے اور ان مجوبوں کے گمان میں کرامات ان کے مخلوقات کی صورتوں کے کشف کرنے اور غیب کی خبریں دینے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ان بے عقلوں پر افسوس! جو علم حاضر یا غائب مخلوقات کے حالات سے تعلق رکھتا ہے، اس سے کوئی شرافت و کرامت حاصل ہے؟ بلکہ یہ علم تو اس لائق ہے کہ وہ جہالت میں بدل جائے، تاکہ مخلوقات اور ان کے حالات سے نسیان (فراموشی) حاصل ہو جائے۔ واجب تعالیٰ و تقدس کی معرفت ہی شرافت و کرامت کے لائق ہے اور اعزاز و احترام بھی اسی کے شایانِ شان ہے:

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بواجبی است (۷)

یعنی: پری نے چہرہ چھپا لیا اور دیو ناز و ادا کرنے لگا، حیرت سے ہوش جاتی رہی کہ یہ کیسا عجیب و غریب (معاملہ) ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ اس کے قریب ہے جو شیخ الاسلام ہروی اور امام انصاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب منازل السائرین اور اس کے شارح^(۸) نے فرمایا ہے کہ ”جو چیز میرے نزدیک تجربہ سے ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ یقیناً اہل معرفت کی دانائی اور فراست یہی ہے کہ وہ تمیز کر لیتے ہیں کہ کونسا شخص حق جل و علا کی بارگاہ کے لائق ہے اور کون اس کے لائق نہیں اور وہ ان اہل استعداد کو پہچان لیتے ہیں جو حق سبحانہ کے ساتھ مشغول ہیں اور حق سبحانہ (کی بارگاہ) تک پہنچ چکے ہیں۔ اہل معرفت کی فراست یہی ہے۔ لیکن وہ لوگ جو بھوک، گوشہ نشینی اور تصفیہ باطن کی ریاضت میں حق تعالیٰ کے وصول کے بغیر مشغول ہیں، ان کو مخلوقات کی صورتیں کشف کرنے اور غیب کی خبریں، جو خلقت کے ساتھ مخصوص ہیں، دینے کی ایک فراست حاصل ہے۔ لہذا یہ لوگ صرف خلقت کی خبریں دیتے ہیں، کیونکہ وہ حق سبحانہ سے محبوب ہیں۔ لیکن اہل معرفت حق تعالیٰ کی جانب سے خبریں دیتے ہیں، کیونکہ ان کی مشغولیت حق تعالیٰ کے معارف کی ان چیزوں سے ہوتی ہے، جو ان پر وارد ہوتی ہیں۔ چونکہ عالم کے اکثر لوگ حق سبحانہ سے کٹ چکے ہیں اور دنیا میں مشغول ہیں، لہذا ان کے دل ارباب کشف اور مخلوقات کے غیبی حالات کی خبریں دینے والوں کی جانب مائل ہو گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے اہل کشف اور (غیبی حالات کی) خبریں دینے والوں کو بزرگ سمجھا ہے اور اعتقاد بنایا ہے کہ یہ اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں۔ انہوں

نے اہل حقیقت کے کشف سے منہ موڑ لیا ہے اور اہل حقیقت حق سبحانہ کے متعلق جو کچھ ان لوگوں کو بتاتے ہیں اس پر وہ ان (اہل حقیقت) کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اہل حق ہوتے جیسا کہ گمان کرتے ہیں تو یقیناً ہم کو ہمارے حالات اور مخلوقات کے حالات کی خبر دیتے۔ اور جب یہ مخلوقات کے حالات کے کشف کی قدرت نہیں رکھتے تو پھر اس سے اعلیٰ امور کے کشف پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں؟ پس انہوں نے اس فاسد خیال سے ان (اہل حقیقت) کو جھوٹا کہا ہے۔ اس طرح ان لوگوں پر صحیح باتیں پوشیدہ رہیں اور وہ نہ سمجھ سکے کہ حق تعالیٰ نے ان (اہل حقیقت) کو خلقت کے ملاحظہ سے محفوظ رکھا ہے اور اپنا خاص (بندہ) بنایا ہے اور ان کی حمایت کرتے ہوئے اور اپنی غیرت کی وجہ سے، ان کو اپنے ماسوا سے ہٹا لیا ہے۔ اگر وہ (اہل حقیقت) خلقت کی طرف میلان رکھنے والوں میں سے ہوتے تو حق سبحانہ کی بارگاہ کے لائق نہ ہوتے۔ یقیناً ہم نے اہل حق کو دیکھا ہے کہ جب انہوں نے صورتوں کے کشف کی جانب ادنیٰ سی توجہ کی ہے تو اس فراست کے ساتھ جس کو اہل معرفت ثابت کرتے ہیں، انہوں نے ایسی چیز کو پالیا ہے جس کے ادراک کی قدرت ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں رکھتا۔ یہ وہ فراست ہے جو حق سبحانہ اور ان چیزوں سے جو اس کے قریب ہیں، تعلق رکھتی ہے۔ لیکن جو اباب صفا (اس خصوصیت) سے خارج ہیں اور خلقت سے متعلق ہیں، ان کی فراست نہ تو حضرت حق سبحانہ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ ہی اللہ جل سلطانہ سے قرب رکھنے والی چیزوں سے۔ اس میں اہل اسلام، نصاریٰ، یہود اور خلقت کے دوسرے گروہ شامل ہیں، کیونکہ اس (فراست) کو حق سبحانہ کے نزدیک کوئی بزرگی نہیں ہے کہ وہ اپنے بندوں (اہل حقیقت) کو اس سے مخصوص فرمائے۔

مکتوب نمبر (۲۹۴)

علوم ظاہری اور معارف و اسرار باطنی کے جامع مخدوم زادہ مجدد الدین (حضرت) خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا، ان معارف کے بیان میں جو واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی آٹھ صفات سے تعلق رکھتے ہیں، اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے مبادی تعینات اور تمام مخلوقات کے مبادی تعینات کی تحقیق (کے بیان) میں، نیز جزئیات کے اپنی کلی کے ساتھ ملے ہوئے ہونے اور جزئیات کے ایک کلی سے دوسرے کلی کی طرف ہونے کے عدم جواز کے بیان میں، اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی تجلی اور شہود کے فرق کے بیان میں، نیز انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے توسط کے باوجود کامل تابعداروں کو وصل عریاں حاصل ہونے کے بیان میں، اور لفظ محو و اضمحلال کی تحقیق (کے بیان) میں جو مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی تحریر میں آئی ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی صفات حقیقیہ آٹھ ہیں، جن میں سے پہلی شان ”صفت حیات“ ہے اور آخری شان ”صفت تکوین“ ہے۔

ان (آٹھ صفات) کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم ہے جس کا تعلق عالم کے ساتھ غالب ہے اور اس کی اضافت و نسبت مخلوق کے ساتھ بہت زیادہ ہے، جیسے کہ تکوین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کے ایک گروہ نے اس کے وجود کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ تکوین اضافی صفات میں سے ہے۔ سچ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ حقیقی صفات میں سے ہے، جس میں اضافت غالب ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو اضافت رکھتی ہے، لیکن پہلی صفت سے زیادہ کم، جیسے کہ علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ تیسری قسم ان تینوں اقسام سے اعلیٰ ہے، کیونکہ اس کا عالم کے ساتھ کسی وجہ سے بھی تعلق نہیں ہے اور وہ اضافت کی بُرائی نہیں رکھتی، جیسے کہ حیات۔ یہ صفت تمام صفات کی اُم ہے اور ان سب کی اصل اور سب سے اسبق (ثابت) ہے۔ اس صفت کے سب سے زیادہ قریب ”صفت علم“ ہے جو خاتم النبیین علیہم الصلوٰات والتسلیمات اتمہا واکملہا کا مبداءُ تعین ہے۔ اور دوسری صفت دوسری مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہیں۔ چونکہ ہر صفت متعدد تعلقات کے اعتبار سے کئی جزئیات رکھتی ہے۔ جیسا کہ تکوین کہ اس سے متعدد تعلقات کے اعتبار سے پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا اور مارنا کی جزئیات پیدا ہوئی ہیں۔ یہ جزئیات بھی اپنے کلیات کی مانند مخلوقات کے تعینات کی مبادی ہیں اور جس شخص کا مبداءُ تعین کلی ہے، دوسرے تعینات جن کے مبادی اس کلی کے جزئیات ہیں، وہ اس شخص کے تابع ہوں گے اور اس کے قدم کے نیچے زندگی گزاریں گے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حضرت محمد علیہ الصلوٰات والتسلیمات کے قدم کے نیچے ہے اور فلاں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰات والتسلیمات کے قدم کے نیچے ہے اور فلاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰات والتسلیمات کے قدم کے نیچے ہے۔ جب ان جزئیات کو سلوک کے طریقہ سے ترقی حاصل ہوگی تو یہ اپنے کلیات سے ملحق ہو جائیں گی اور جزئیات کا شہود کلیات کا شہود ہو جائے گا۔ فرق صرف اصالت اور تبعیت کا رہ جائے گا اور امتیاز صرف توسط اور عدم توسط سے ہوگا۔ کیونکہ تابع جو کچھ پاتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے، وہ اصل کے توسط کے بغیر ناممکن ہے۔ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ تابع اپنے تصور کی وجہ سے اصل کو متوسط نہیں سمجھتا، لیکن درحقیقت اصل تابع اور اس کے شہود کے درمیان حائل ہوتا ہے، ایک ایسا حائل نہیں جو شہود کے مانع ہو، بلکہ صاف عینک کی مانند شہود کا باعث ہوتا ہے۔ (یہ) جائز نہیں ہے کہ ایک کلی کی جزئیات ترقی کر کے اپنے کلی سے نکل کر دوسرے کلی کے نیچے آجائیں اور ان کا مشہود اس دوسرے کلی کا مشہود بن جائے۔ مثلاً جو جماعت حضرت موسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زیرِ قدم ہے، یہ لوگ انتقال کر کے حضرت عیسیٰ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زیرِ قدم آجائیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ حضرت محمد علیہ علیہم وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم آجائیں، بلکہ ہمیشہ آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زیرِ قدم ہیں، کیونکہ حضرت محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا رب، رب الارباب ہے اور ان تمام کلیات کی اصل ہے۔ اس لیے اس کی نسبت ان جزئیات کے لیے اصل الاصل کی ہوگی اور یہ ترقی گویا اصل الاصل کے ساتھ ہوگی، نہ کہ اصل کے ساتھ جو کہ ان کی اصل کے مخالف ہے۔ ان کی جزئیات اور کلیات کے درمیان اس قدر فرق رہ جائے گا کہ جزئی کے لیے دو حائل ہیں۔ ایک (حائل) اپنی اصل جو اس کی کلی ہے اور دوسرا حائل اصل الاصل ہے۔ اس کی کلی کے لیے حجاب اصل الاصل ہے۔ پس اس طرح معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شہود تعینات کے پردہ کے بغیر ہے اور دوسروں کا شہود تعینات کے پردہ میں ہے، کم از کم تعین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پردہ تو حائل ہے۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ تجلی ذات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے اور دوسروں کی تجلی صفات کے پردہ میں ہے، کم از کم رب الارباب کے پردہ میں ہے جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب ہے (اور) جو ”صفت حیات“ کے سوا تمام اسماء و صفات سے برتر ہے۔

اگر کہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کا شہود تعین محمدی (صلی اللہ علیہ

وسلم) کے مبداء کے پردہ میں ہے جو ان کا رب ہے اور آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی امت کے اولیاء جو بالاصالت (بلا واسطہ) آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زیر قدم ہیں، ان کا شہود بھی دوسرے انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے شہود کی طرح رب الارباب کے پردہ میں ہوگا تو پھر دوسرے انبیاء علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والتحیات اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے اولیاء کے درمیان فرق کیا ہوگا؟ (اس کے) جواب میں ہم کہتے ہیں کہ انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے لیے اس شہود کے علاوہ جو حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پردہ میں ہے، ایک اور شہود بھی ہے جو ان کے تعینات کے مبادی کے راستے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ بالاصالت (بلا واسطہ) اپنی مخصوص عینکوں کو اپنی بصیرت کی آنکھوں پر رکھ کر غیب الغیب کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ یہ دو شہود اس معنی میں نہیں ہیں کہ دونوں ایک ساتھ متحقق ہوتے ہیں، بلکہ اس معنی میں ہیں کہ اگر (سالم) ترقی کر کے اصل الاصل تک پہنچ جائے تو اس کا شہود حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پردہ میں ہے، حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مانند جو (آسمان سے) نزول کے بعد اس دولت سے مشرف ہوں گے۔ اس طرح کی ترقی بڑی مشکل ہے (اور) محال ہونے کے قریب ہے۔ اللہ جل سلطانہ کا فضل عظیم درکار ہے اور عالم اسباب میں محمدی مشرب پیر کی شفقت کی ضرورت ہے۔ اگر (سالم) نے اپنی اصل سے ترقی نہ کی اور اپنی حقیقت سے حقیقۃ الحقائق تک نہ پہنچا تو پھر اس کا شہود اپنی مخصوص حقیقت کے پردہ میں ہے۔

جان لو اور آگاہ رہو کہ جس طرح حقیقۃ الحقائق سے حضرت ذات (حق) تعالیٰ و تقدس کی جانب ایک راستہ ہے کہ بہت زیادہ منزلیں طے کرنے کے بعد (اس تک) پہنچنا میسر ہوتا ہے، اسی طرح تمام حقائق کلیات سے بھی حضرت (حق) تعالیٰ و تقدس کی جانب ایک راستہ ہے جس تک پہنچنا بہت زیادہ مراحل طے کرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ حقیقۃ الحقائق کے راستے میں وصل عریاں ہے اور دوسرے طریقوں میں بھی اگرچہ وصل ذات میسر ہوتا ہے، لیکن حقیقۃ الحقائق کے بلند اصول کی انتہا سے ایک باریک پیراہن جو کہ حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، درمیان میں حائل (ہوتا) ہے۔ اگرچہ قوی رکاوٹ نہیں ہے اور مضبوط مانع نہیں ہے۔ اسی قدر رکاوٹ ہے کہ تجلی ذات کے اطلاق کا مانع بن گیا ہے، ورنہ دوسرے انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے لیے بھی بالاصالت (بلا واسطہ) ذات (حق) تعالیٰ سے (حصہ) نصیب ہے اور ان بزرگواروں علیہم علیٰ امہم الصلوٰۃ والتحیات کی امتوں کے کالمین کو بھی ان کی متابعت کی بدولت (حصہ) نصیب ہے۔

سوال: جب ”حقیقت حیات“، ”صفت علم“ سے اوپر ہے تو پھر حقیقۃ الحقائق کے راستے میں بھی ”صفت حیات“ کا تعین حائل ہوگا۔ پس وصل عریاں کس طرح ہوا اور (اس کو) تجلی ذات کیوں کہتے ہیں؟

جواب: وہ تعین، لاتعین کی طرح ہے، کیونکہ فوق کے مراتب میں وہ تعین نیست و معدوم ہو جاتا ہے اور حضرت ذات تعالیٰ کے مرتبہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ اگرچہ دوسری صفات کے لیے بھی مرتبہ ذات تعالیٰ میں کوئی اعتبار نہیں ہے، لیکن وہ مرتبہ ذات میں اس طرح نہیں پہنچتیں کہ معدوم ہو جائیں، بخلاف ”صفت حیات“ کے جو وہاں پہنچتی ہے، اور لاشے ہو جاتی ہے، لہذا حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تعین اور دوسری مخلوقات کے تمام تعینات دائمی ہیں اور مراتب میں سے کسی

مرتبہ میں بھی ان کا زوال محال ہے۔ ہاں! کسی چیز تک پہنچنا اور بات ہے اور کسی شے میں فنا ہونا دوسرا امر ہے۔ بعض مشائخ قدس اللہ ارواحہم کی عبارت میں لفظ محو و اضمحلال (نیست و نابود) آتا ہے۔ اس سے مراد نظری طور پر نیست ہونا ہے، یعنی طور پر نیست ہونا نہیں ہے۔ یعنی سالک کا تعین اس کی نظر سے زائل ہو جاتا ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ فی الواقع مٹ جاتا ہے، کیونکہ یہ الحاد اور زندگی ہے۔ اس راستے کے ناقصوں کی ایک جماعت نے وہم میں ڈالنے والے ان الفاظ سے محو و اضمحلال (نیست و نابود) یعنی سمجھا ہے اور زندگی میں پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے آخرت کے عذاب و ثواب سے انکار کر دیا ہے اور خیال کیا ہے کہ جس طرح وحدت سے کثرت میں آئے ہیں، دوسری مرتبہ اس طرح کثرت سے وحدت میں آجائیں گے اور یہ کثرت اس وحدت میں نابود ہو جائے گی۔ ان زندگیوں میں سے ایک جماعت نے اس محو (نیست) ہونے کو قیامتِ کبریٰ خیال کیا ہے اور انہوں نے حشر و نشر، حساب اور صراط و میزان سے انکار کر دیا ہے۔ صَلُّوْا فَاصْلُوْا کَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (۱)۔

یعنی: یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر دیا۔

(فقیر نے) اس جماعت میں سے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے مطلب میں مولانا عبد الرحمن جامی قدس اللہ سرہ کے (اس) شعر کو شہادت کے طور پر پیش کر رہا تھا:

جامی معاد و مبدأ ما وحدت است و بس ما درمیانہ کثرت موہوم والسلام

یعنی: اے جامی! ہمارا مبدأ و معاد صرف وحدت ہے اور ہم اس موہوم کثرت میں ہیں، والسلام۔

یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ مولانا (جامیؒ) کی مراد اس شعر سے وحدت کی طرف عود و رجوع کرنا نظر و شہود کے اعتبار سے ہے۔ ایک ذات کے سوا کوئی دوسری چیز ان کا مشہود نہیں رہتی اور کثرتیں کلی طور پر ان کی نظر سے پوشیدہ ہو جاتی ہیں، (اس سے) رجوع یعنی اور وجودی مراد نہیں ہے۔

کیا یہ لوگ اندھے ہیں! نہیں دیکھتے کہ کسی کامل سے عجز، نقص اور احتیاج زائل نہیں ہوئے ہیں۔ پھر وحدت کی جانب رجوع و جودی کے کیا معنی ہیں؟ اور اگر انہوں نے وحدت کی طرف رجوع کرنا موت کے بعد خیال کیا ہے تو وہ ایسے کافر و زندیق ہیں جو آخرت کے عذاب سے انکار کرتے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اتمہا و اکملہا کی دعوت کو باطل سمجھتے ہیں۔

سوال: تو نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ فناء اُٹھلی ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس بات کے معنی کیا ہیں؟

جواب: گزشتہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وصلِ عریاں ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مخصوص ہے، دوسروں کے لیے اگر چہ حجاب اٹھ جاتے ہیں، لیکن باریک پیرا ہن کی طرح حاکمیت (پردے) کے رہنے سے چارہ نہیں ہے جو حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے توسط کے راستے سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس (لطیفہ) اُٹھلی سے جو مراتب انسانی کی نہایت ہے، اس حاکمیت (پردے) کے اندازہ کے مطابق بلندی میں بقیہ رہ جاتا ہے، لہذا اس بقیہ کے لحاظ سے فناء مطلق جائز نہیں ہوگا۔ محمدی (مشرّب) کے علاوہ کون ہے جو اس بقیہ کو معلوم کرے اور ہزاروں محمدی مشرب میں سے اگر ایک میں بھی نظر کی یہ تیزی پیدا ہو جائے تو غنیمت ہے۔ مشائخ طبقات میں سے اکثر نے (لطیفہ) روح

سے (لطیفہ) سر تک بات کی ہے۔ کم ہی ہوں گے جنہوں نے (لطیفہ) خفی کا کوئی راز بیان کیا ہو۔ پھر وہ (لطیفہ) انہی سے کس طرح بیان کر سکتے ہیں۔ جس شخص نے دریائے انہی میں غوطہ لگایا ہو اور اس کے ذرات میں سے ہر ذرے تک پہنچا ہو اور اطلاع پائی ہو، وہ سرخ گندھک (کی طرح نایاب) ہے۔ ذَلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

سوال: تیرا اعتقاد یہ ہے کہ جو کچھ نبی (کریم) علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کو کمالات میں سے حاصل ہوا ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل تابعداروں کو بھی پیروی کی بدولت ان کمالات سے (حصہ) نصیب ہے۔ پھر لازم ہوا کہ (ان کو) وصل عریاں سے بھی (حصہ) نصیب ہو، جبکہ وہی نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) درمیان میں حائل ہیں؟

جواب: نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حاکمیت (پردہ) وصل عریاں میں کوئی ضرر نہیں رکھتی، کیونکہ یہ وصل پیروی کرنے سے (حاصل) ہے، اصالت کے طور پر نہیں ہے۔ لہذا نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حاکمیت (پردہ) پیروی کی تاکید کرے گی، اس کے منافی نہیں ہوگی۔ کیونکہ پیروی کرنے کا مطلب درمیانی واسطہ کا حاصل ہونا ہے، نہ کہ درمیانی واسطے کا اٹھ جانا، کیونکہ وہ مقام اصالت کے مناسب ہے۔ پس حاکمیت بھی ہوگی اور تبعیت (تابع ہونے) کی وجہ سے وصل عریاں بھی میسر ہوگا۔ فَافْهَمْ۔ پس خوب سمجھ لو۔

سوال: کیا فرق ہے کہ نبی (کریم) علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے کامل تابعداروں کے مادہ میں تو وصل عریاں اور تجلی ذات کا اطلاق کرتے ہیں اور دوسرے انبیاء صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وتسلیمات علی نبینا وعلیہم کے مادہ میں یہ اطلاق تجویز نہیں کرتے، جبکہ ہمارے نبی (کریم) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حاکمیت ہر دو مادہ میں حاصل ہے؟

جواب: کامل تابعداروں کے مادہ میں اس تجویز کا اطلاق تبعیت (تابع ہونے) کے اعتبار سے ہے، کیونکہ نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وسط اس اطلاق کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ (اوپر) بیان ہوا ہے۔ اور دوسرے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات میں اگر یہ اطلاق تجویز کیا جائے تو (یہ) اصالت کے اعتبار سے ہوگا۔ کیونکہ یہ بزرگوار بلا واسطہ منازل طے فرما کر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچے ہیں۔ اور شک نہیں ہے کہ اصالت کی صورت میں درمیانی واسطے کا موجود ہونا اس اطلاق کے منافی ہوگا۔ پس فرق واضح ہو گیا۔

جاننا چاہیے کہ پہلے انبیاء علی نبینا وعلیہم علیٰ مہم الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ اور اس امت کے کامل تابعداروں کے درمیان اصالت اور تبعیت کا فرق انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی افضلیت کا موجب ہے، کیونکہ اصل مقصودی ہے اور تابع طفیلی ہے۔ اگرچہ پیروی کرنے والوں پر وصل عریاں اور تجلی ذات کا اطلاق درست ہے اور متبوعین (جن کی پیروی کی جائے) میں یہ اطلاق جائز نہیں ہے۔ لیکن طفیلی کی کیا طاقت کہ وہ مقصودی کے ساتھ برابری کرے۔ برابری کس طرح میسر ہو، کیونکہ (قرب حق کی) یہ دولت اصل (متبوع) میں اتم واکمل طور پر ہے اور تابع میں اسم در اسم کے طور پر ہے۔ لیکن اس قدر ہے کہ یہ مناسبت تشبیہ کو درست کر دیتی ہے اور تابع کو متبوع کی طرح بنا ڈالتی ہے، لہذا خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کی مانند فرمایا ہے۔^(۲)

پس اس بیان سے لازم ہوا کہ اس امت کے اولیاء کو تجلی ذاتی کا حاصل ہونا ان انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر جن کو تجلی ذات حاصل نہیں ہے، فضیلت کا موجب نہیں ہے۔ پس سمجھ لو، کیونکہ بیشک یہ قدموں کے پھسلنے کی جگہ ہے اور انصاف سے کام لو، کیونکہ اللہ سبحانہ نے اپنے حبیب (حضرت) محمد علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے اس (ضعیف) بندے کو ان علوم کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے۔

سوال: ثابت شدہ ہے کہ کائنات کی پیدائش سے مقصود خاتم النبیین علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں اور دوسرے سب نفس وجود اور کمالات کے حاصل کرنے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیلی ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبعیت (پیروی) سے بلند درجات تک پہنچتے ہیں، لہذا قیامت کے روز حضرت آدم (علیہ السلام) اور دوسرے سب (انبیاء) آپ علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ اور آپ (حضرت مجدد قدس سرہ) نے کہا ہے کہ سب انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دولت وصول کی دولت اصالت کے طریقہ سے حاصل ہے، تبعیت کے طریقہ سے نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: جس طرح کہ اللہ کے رسول (حضرت) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ علی آلہ وسلم کے لیے اپنی حقیقت (کی جہت) سے حضرت ذات (حق) تعالیٰ و تقدس کی جانب ایک راستہ ہے، اسی طرح دوسرے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے بھی اپنی حقیقتوں (کی جہت) سے حضرت ذات (حق) تعالیٰ شانہ کی طرف راستے ہیں اور اس وصول میں کوئی تبعیت (پیروی) نہیں ہے، بخلاف امتیوں کے جو انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی پیروی کے ذریعے اپنی حقیقتوں کے راستے سے جو ان میں ہر ایک کی استعداد کے مطابق ہے، مطلب تک پہنچتے ہیں۔ اصالت ان کے حق میں مفقود ہے۔

مختصر یہ کہ چونکہ دوسروں کا وصل اگرچہ اصالت کے طور پر ہو تو بھی وصل عریانی نہیں ہے، کیونکہ (حضرت) خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی حقیقت مطلوب کا بار یک پیرا ہن بن گئی ہے، لہذا مجبوراً جو پہلا فیض پہنچتا ہے وہ اس حقیقت سے متصل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے توسط سے دوسروں تک پہنچتا ہے۔ تبعیت (تابع ہونے) کے معنی اسی توسط کا حاصل ہونا ہے۔ اس طرح وہ اصالت اس تبعیت کے خلاف نہیں ہے۔ اچھی طرح جاننا چاہیے کہ جو تبعیت (پیروی) امتیوں کے بارے میں کہی گئی ہے، وہ اس تبعیت کے علاوہ ہے جو اصالت کے منافی ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے کئی بار بیان ہو چکا ہے۔

اگر کہیں کہ مراتب عروج میں مرتبہ ”صفت حیات“ سے کالمین کو (حصہ) نصیب ہے یا نہیں؟ (تو جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ (نصیب) ہے۔

اگر کہیں کہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ یہ صفت (حیات) انتہا میں پہنچ کر حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے حضور میں نیست و معدوم ہو جاتی ہے اور مقام نیست و معدوم سے کالمین کو کیا نصیب ہوتا ہے؟ جبکہ آپ (حضرت مجدد قدس سرہ) نے اوپر کہا ہے کہ حقائق کے تعینات کے لیے اضمحلال عینی (نابود ہونا) نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ نظری ہے، کیونکہ اضمحلال عینی (نابود ہونا) الحاد اور بے دینی تک پہنچا دیتا ہے۔

جواب: اضمحلال عینی (نابود ہونا) کی کیا ضرورت ہے؟ اضمحلال نظری کافی ہے۔ اگرچہ اس اضمحلال (نابود ہونے)

میں مختلف درجات ہیں۔ پس سمجھ لو۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقت حال کو خوب جانتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی (سورہ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمٰتُ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے، اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۹۵)

حاجی یوسف کشمیری کو تحریر فرمایا۔ نظر بر قدم، ہوش در دم، سفر در وطن اور خلوت در انجمن کے بیان میں جو طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار مشائخہا مقررہ اصول ہیں۔

جاننا چاہیے کہ طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار مشائخہا (اللہ تعالیٰ ان کے مشائخ کے اسرار کو پاکیزہ بنائے) کے مقررہ اصولوں میں سے ایک اصول ”نظر بر قدم“ ہے۔ ”نظر بر قدم“ سے مراد یہ نہیں ہے کہ نظر قدم سے تجاوز نہ کرے اور قدم سے آگے اوپر نہ اٹھے، کیونکہ (یہ) خلاف واقع ہے، بلکہ نظر ہمیشہ قدم سے آگے بڑھتی ہے اور قدم کو اپنے پیچھے آنے والا بناتی ہے، کیونکہ بلند زینوں پر پہلے نظر چڑھتی ہے اس کے بعد قدم (ان پر) چڑھتا ہے اور جب قدم نظر کی جگہ پر پہنچتا ہے تو نظر وہاں سے اوپر کے زینہ پر آ جاتی ہے اور (پھر) قدم اس کی پیروی میں اوپر چڑھ جاتا ہے۔ اس کے بعد نظر اس مقام سے (آگے) ترقی کرتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اگر (نظر بر قدم سے) مراد یہ ہے کہ نظر کو چاہیے کہ اس مقام سے ترقی نہ کرے، جہاں قدم کی گنجائش نہ ہو، تو یہ بات بھی خلاف واقع ہے، کیونکہ قدم کے تمام ہونے کے بعد اگر نظر تنہا نہ ہو تو کمال کے بہت سے مراتب فوت ہو جاتے ہیں۔

اس کا (واضح) بیان یہ ہے کہ قدم کی انتہا سا لک کی استعداد کے مراتب کی انتہا ہے، بلکہ اس نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی استعداد کی انتہا تک ہے جس کے قدم پر سا لک ہے، لیکن پہلا قدم باصالت (بلا واسطہ) ہے اور دوسرا قدم اس نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تبعیت (پیروی) میں ہے۔ ان دو استعدادوں کے مراتب سے اوپر اس کا قدم نہیں جاسکتا، لیکن نظر جاسکتی ہے۔ یہ نظر جب تیزی پیدا کر لے تو اس کی انتہا اس نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مراتب کی انتہا ہوتی ہے، جس کے قدم پر وہ سا لک ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے کامل تابعداروں کو اس کے جملہ کمالات سے (حصہ) نصیب (ہوتا) ہے، لیکن استعداد کے مراتب کی انتہا جو سا لک کی اصالت و تبعیت سے ہے، تک نظر اور قدم موافقت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد قدم کوتاہی کرتا ہے اور نظر تنہا اوپر چڑھتی ہے اور اس نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی نظر کے مراتب کی انتہا تک ترقی فرماتی ہے۔ پس معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی نظر بھی ان کے قدموں سے اوپر صعود فرماتی ہے اور ان بزرگوں کے کامل تابعداروں کو بھی ان کی نظروں کے مقامات سے (حصہ) نصیب (ہوتا) ہے، جس طرح کہ ان کے قدموں کے مقامات سے (حصہ) نصیب ہے۔ اور خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے قدم (مبارک) کے اوپر مقام رویت ہے، جس کا دوسروں کے ساتھ وعدہ آخرت کا ہے۔ جو چیز دوسروں کے لیے ادھار ہے وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

لیے نقد ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل تابعداروں کو اس مقام سے (حصہ) نصیب ہے، اگرچہ رویت نہیں ہے:

فرياد حافظ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست^(۱)

یعنی: حافظ کی یہ سب فریاد بیہودہ نہیں، بلکہ عجیب قصہ اور ایک نرالی کہانی ہے۔

ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر (نظر بر قدم سے) مراد یہ ہے کہ قدم کو چاہیے کہ نظر سے پیچھے نہ رہے۔ اس طرح کہ اوقات میں سے کسی وقت بھی مقام نظر تک نہ پہنچے تو صحیح ہے۔ کیونکہ یہ چیز ترقی کے مانع ہے۔ اسی طرح اگر نظر اور قدم سے قدم اور ظاہری نظر مراد لی جائے تو بھی گنجائش ہے، کیونکہ راستہ چلتے وقت نظر پر اگندہ ہو جاتی ہے اور مختلف محسوسات کی وجہ سے انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور اگر نظر قدم پر جمائی جائے تو (یہ) جمعیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ یہ مراد ایک دوسرے کلمہ کے معنی کے مناسب ہے جو اس کے نزدیک ہے اور وہ کلمہ یہ ہے: ”ہوشِ دردم“۔

مختصر یہ ہے کہ پہلا کلمہ پراگندگی کو دفع کرنے کے لیے ہے جو آفاق (باہر کی چیزوں) سے پیدا ہوتی ہے اور دوسرا کلمہ انفس (اندر کی چیزوں) کو دور کرتا ہے اور تیسرا کلمہ جو ان دو کلموں کے نزدیک ہے، (وہ) کلمہ ”سفرِ در وطن“ ہے اور اس سے مراد انفس کی سیر ہے، جس کا منشا ”انتہا کے ابتدا میں درج ہونے“ کا حاصل ہونا ہے جو اس بلند طریقہ (نقشبندیہ) کے ساتھ مخصوص ہے۔

اگرچہ ”سیرِ انفسی“ تمام طریقوں میں ہے لیکن ”سیرِ آفاقی“ کے حاصل ہونے کے بعد ہے۔ اس طریقہ (نقشبندیہ) میں ابتدا ہی اس سیر سے ہوتی ہے اور ”سیرِ آفاقی“ اس سیر (انفسی) کے ضمن میں درج ہے اور اس اعتبار سے اگر ہم کہیں کہ اس بلند طریقہ میں ”انتہا ابتدا میں درج ہے“ تو بھی گنجائش موجود ہے۔

چوتھا کلمہ جو ان تین کلمات کے قریب ہے وہ کلمہ ”خلوت در انجمن“ ہے۔ جب ”سفرِ در وطن“ میسر ہو جائے تو (سالم) انجمن میں بھی خلوت خانہ وطن میں سفر کرتا ہے اور آفاق کی پراگندگی انفس کے حجرے میں راہ نہیں پاسکتی۔ یہ بھی اس صورت میں ہے جب حجرے کے دروازوں کو بند کیا ہو اور سوراخوں کو بند کیا ہو۔ پس چاہیے کہ انجمن میں متکلم اور مخاطب کا تفرقہ (پراگندگی) نہ ہو اور (سالم) کسی کی جانب متوجہ نہ ہو۔ یہ سب حیلے اور تکلفات (سیر کی) ابتدا میں اور وسط میں ہیں اور انتہا میں ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ عین تفرقہ (پراگندگی) میں بھی جمعیت ہوتی ہے اور عین غفلت میں حضور ہوتا ہے۔ اس جگہ سے کوئی شخص گمان نہ کرے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ منتہی کے حق میں مطلقاً برابر ہیں۔ ایسا نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ تفرقہ اور عدم تفرقہ سالم کی باطنی جمعیت میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود اگر ظاہر کو باطن کے ساتھ جمع کر لے اور تفرقہ کو ظاہر سے بھی دفع کرے تو زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہوگا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا ہے: **وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبْتَغِ إِلَيْهِ تَبَتُّلاً**۔ (سورۃ مزمل، ۸)

یعنی: اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں اور سب سے بے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

جاننا چاہیے کہ بعض اوقات ظاہری تفرقہ (پراگندگی) سے چارہ نہیں ہوتا تا کہ خلقت کے حقوق ادا ہوں۔ پس ظاہری تفرقہ بھی بعض اوقات میں اچھا ہوتا ہے، لیکن باطن کا تفرقہ (پراگندگی) کسی وقت بھی مستحسن نہیں ہے، کیونکہ وہ خالص حق سبحانہ کے لیے ہے۔ پس بندوں کے تین حصے حق جل شانہ کے لیے مسلم ہیں۔ باطن مکمل طور پر اور ظاہر سے آدھا حصہ (اللہ

کے لیے ہے) اور (ظاہر کا) دوسرا آدھا خلقت کے حقوق ادا کرنے کے لیے ہے۔ ان حقوق کے ادا کرنے میں چونکہ حق سبحانہ کے حکموں کی بجا آوری ہے، لہذا یہ دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ و تقدس کی جانب لوٹ گیا۔ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهُ فَاَعْبُدْهُ۔ (سورۃ ہود، ۱۲۳) یعنی: تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے تو اسی کی عبادت کرو۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۲۹۶)

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاۃ کو تحریر فرمایا۔ حق جل و علا کی صفات کے بسیط ہونے اور چیزوں کے ساتھ کثرت تعلق کی نفی کے بیان میں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ أَجْمَعِينَ۔
یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے اور درود و سلام ہو سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمام آل اطہار پر۔

اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت مند بنائے، جان لو! کہ واجب الوجود جل سلطانہ کی صفات اس کی بلند ذات کی مانند بے مثل اور بے کیف ہیں اور حقیقی بساطت پر ہیں۔ مثلاً ایک بسیط انکشاف ہے کہ اسی ایک انکشاف سے ازل اور ابد کی معلومات منکشف ہوتی ہیں اور ایک ہی بسیط قدرتِ کاملہ ہے جس کے وسیلے سے اولین اور آخرین کے مقدمات وجود میں آتے ہیں اور ایک ہی بسیط کلام ہے جس کے ساتھ ازل سے ابد تک کلام فرما رہا ہے۔ اسی قیاس کے مطابق باقی صفات حقیقیہ ہیں۔ جو تعدد معلومات اور مقدمات کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے، وہ بھی اس مرتبہ میں مفقود ہے۔ اشیاء حق سبحانہ کی معلوم اور مقدور ہیں، لیکن صفت علم و قدرت کا اشیاء کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ معرفت عقل کی نظر کے احاطہ سے برتر ہے۔ اہل فلسفہ اس چیز کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے اور محال جانتے ہیں کہ اشیاء حق جل شانہ کے علم میں ہوں (اور) حق تعالیٰ کے علم کا ان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور اسی طرح وہ (حق تعالیٰ) کے مقدور میں ہوں اور قدرت ان سے متعلق نہ ہو۔ (یہ لوگ) نہیں دیکھتے کہ اس مرتبہ میں ازل و ابد آن واحد میں حاضر ہیں، بلکہ آن کی بھی گنجائش نہیں اور شے کے زیادہ قریب اور اس کی زیادہ موافقت کے سوا (اس کی کوئی) تعبیر نہیں ہے اور ازل و ابد کی موجودات اس آن حاضر میں موجود ہیں۔ وہ اسی آن حاضر میں زید معدوم بھی جانتا ہے اور موجود بھی، نیز اسے جنین بھی جانتا ہے اور بچہ بھی۔ اور جوان بھی جانتا ہے اور بوڑھا بھی۔ نیز اسے زندہ بھی جانتا ہے اور مردہ بھی۔ اور اسے برزخ میں جانتا ہے اور حشر و حساب میں بھی۔ اور معلوم ہے اس آن کا اس موجودات کی آن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر (یہ) تعلق پیدا کر لے تو اس آئیت سے نکل جائے گا اور زمانہ نام پائے گا اور ماضی اور مستقبل بن جائے گا۔ پس یہ موجودات اس آن (واحد) میں ثابت بھی ہیں اور غیر ثابت بھی ہیں۔ لہذا اگر بسیط حقیقی کے ایک ایسے انکشاف کو ثابت کیا جائے جس کا معلومات میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی تعلق نہ ہو اور تمام معلومات اس ایک انکشاف سے معلوم ہو جائیں تو کیا تعجب ہے! کیونکہ اس مقام میں ضدین کا جمع ہو جانا محال نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے کیونکہ وہ اتحادِ زمان اور اتحادِ جہت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس جگہ زمان کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ پر زمانے کے احکام جاری نہیں ہو سکتے اور اتحادِ جہت بھی مفقود ہے، اس لیے کہ (اس میں) اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ جس طرح کہ کلمہ کے مرتبہ میں کوئی شخص کہے کہ اسم و فعل اور

حرف جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں، میں (ان) سب کو اس مرتبہ میں آنِ واحد میں متحد دیکھتا ہوں اور منصرف کو عین غیر منصرف پاتا ہوں اور مثنیٰ کو عین مُعرّب سمجھتا ہوں اور کہے کہ اس جامعیت کے باوجود (اس) کلمے کا ان اقسام میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں ہے، وہ ان سب سے مستغنی ہے تو اہل عقل میں کوئی بھی اس شخص کا انکار نہیں کرتا۔ اور اسے بعید نہیں سمجھتا۔ تو پھر جس چیز کو ہم بیان کر رہے ہیں: **وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی**۔ (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اعلیٰ مثال اللہ ہی کے لیے ہے۔

(لوگ اسے) کیوں بعید جانیں اور کیوں توقف کریں۔

اگر (لوگ) کہیں کہ اس طرح کی بات کسی شخص نے نہیں کی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر بات نہیں کہی تو کیا ہوا؟ لیکن یہ دوسروں کی بات کے مخالف نہیں ہے اور مرتبہ وجوب تعالیٰ و تقدس کے نامناسب بھی نہیں:

ع خربوزہ بخور ثرا بفالیز چہ کار

یعنی: تو خربوزہ کھا کھیت سے تیرا کیا کام ہے؟

جو مثال اس معرفت کی تشریح کے لیے مخلوقات میں دی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ: ”علت کا علم معلول کے علم کو لازم کرتا ہے اور اس صورت میں بالذات قوتِ مدرکہ علت کی جانب متوجہ ہے اور (اس نے) علت کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے اور معلول کا علم علت کے علم کے تابع ہے، بغیر اس کے کہ وہ معلول کے ساتھ کوئی دوسرا تعلق پیدا کرے۔“

لیکن اہل فلسفہ اس صورت میں علم کے تعلق کے بغیر دوسرے مرتبہ میں معلوم کی معلومیت کو جائز قرار نہیں دیں گے، اگرچہ وہ تعلق بالاصالت نہ ہو، لیکن اس مثال سے قریب تر کوئی مثال معلوم نہیں ہے جو مل سکے۔ (ہمارا) مقصود تشریح کرنا ہے، نہ کہ ثابت کرنا۔ **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ كُلِّهَا**۔ یعنی: اور اللہ تعالیٰ ہی سب کاموں کے حقائق کو خوب جانتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷) **وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ الصَّلٰوٰتُ وَالتَّحٰیٰتِ الْمُبَارَکَاتِ اَتَمُّهَا وَاکْمَلُهَا**۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۹۷)

مولانا بدرالدین سرہندی کو تحریر فرمایا۔ حق سبحانہ کے احاطہ و سر بیان کی تحقیق میں اور مثالوں کے ساتھ اس کی تشریح اور

وجوبی و امکانی مراتب کی حفاظت کی رعایت (کے بیان) میں۔

جان لو کہ حق سبحانہ کا اشیاء کے ساتھ احاطہ اور اس کا ان میں ہونا (سریان) ایسا ہے، جیسا مجمل کا احاطہ مفصل کے ساتھ ہے اور اس کا سریان (ان اشیاء میں ہونا) اس طرح ہے، جس طرح کلمہ اپنی تمام اقسام مثلاً اسم و فعل اور حرف میں جاری ہے۔ اور اپنی اقسام کی قسموں مثلاً ماضی، مضارع، امر و نہی، مصدر، اسم فاعل و مفعول، مستثنیٰ، متصل و منقطع، حال، تمیز، ثلاثی، رباعی، خماسی، حروف جارہ و ناصبہ، افعال سے مخصوص حروف، اسماء کے ساتھ مخصوص حروف، ان پر داخل ہونے والے حروف اور ان کے علاوہ ان اقسام سے حاصل ہونے والی دوسری قسمیں جو ناقتنا ہی تقسیم سے ظاہر ہوتی ہیں، میں موجود ہے۔ پس یہ تمام اقسام کلمہ کے ساتھ مغایرت (مخالفت) نہیں رکھتیں، بلکہ یہ سب اعتبارات کلمہ میں درج ہیں، اور کلمہ سے تفصیل و تمیز پانے اور

بعض کے بعض سے ممتاز ہونے میں اعتبار کے سوا کسی شے کا اضافہ نہیں ہوا۔ اور خارج میں ایک کلمہ کے سوا کچھ موجود نہیں اور اسی وجہ سے (یہ) حمل صحیح ہے جس کے ساتھ وہ مخصوص ہے۔ لیکن مراتب میں سے ہر مرتبہ میں کلمہ کا ایک مخصوص نام ہے اور خاص احکام ہیں۔ مثلاً اقتران زمانہ کے ساتھ معنی مستقل پر دلالت کرنے والا کلمہ فعل کلمہ کہلاتا ہے اور اقتران کے بغیر اسم اور معنی مستقل پر دلالت کرنے والا کلمہ حرف کہلاتا ہے۔ ایسے ہی گذشتہ زمانے سے تعلق رکھنے والا کلمہ فعل ماضی ہے اور جس زمانے میں حال اور مستقبل پایا جائے، وہ مضارع ہے۔ جس زمانے میں نومشہور علتوں میں سے دو علتیں پائی جائیں، وہ غیر منصرف ہے، ورنہ منصرف ہے۔ جو حرف جر کا عمل کرتے ہیں وہ حروف جارہ ہیں اور جن حروف کا عمل نصیب ہے، وہ ناصبہ ہیں۔ اس طرح ایک مرتبہ کے اسم کا اطلاق دوسرے مرتبہ کے اسم پر کرنا اور ایک کے احکام کو دوسرے پر جاری کرنا یونہی ہے جیسے فعل ماضی کو مضارع پر اور منصرف کو غیر منصرف پر اور جارہ کو ناصبہ پر اطلاق کریں، جبکہ حقیقت میں یہ سب مراتب میں اپنی اپنی جگہ کلمہ ہی کہلاتے ہیں۔ پس ایک کے احکام کو دوسرے پر جاری کرنا محض گمراہی اور سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے۔

پس ہم کہتے ہیں اور اللہ سبحانہ ہی خوب جانتا ہے کہ حق سبحانہ کے تنزل وجود کے مراتب میں ہر مرتبہ کے لیے ایک خاص اسم ہے اور مخصوص احکام ہیں جو اس (مرتبہ) کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے۔ چنانچہ وجوب ذاتی اور استغنائے ذاتی مرتبہ جمع اور الوہیت کے ساتھ خاص ہیں اور امکان ذاتی اور افتقار ذاتی مرتبہ کون و فساد (دنیا) کے ساتھ مخصوص ہیں اور پہلا مرتبہ، مرتبہ ربوبیت اور خالقیت ہے اور دوسرا مرتبہ، مرتبہ عبودیت اور مخلوقیت ہے۔ پھر اگر ان دو میں سے کسی ایک مرتبہ کے اسم کا اطلاق دوسرے مرتبہ پر کیا جائے اور ایک مرتبہ کے ساتھ مخصوص احکام کو دوسرے مرتبہ پر جاری کیا جائے تو (یہ) یقیناً خالص بے دینی اور سراسر کفر ہوگا۔ تعجب ہے کہ بعض ملاحد اور بے دین لوگ مراتب کو کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کرتے ہیں۔ پس وہ ممکن کو واجب کی صفات سے موصوف کر دیتے ہیں اور واجب کو ممکن کی صفات سے ملادیتے ہیں، جبکہ وہ جانتے ہیں کہ ممکن کی صفات ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ان کے احکام میں بھی اختلاف ہے۔ نیز وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مرتبہ کونیہ میں آپس میں متحد ہونے کے باوجود بھی ان کا ایک دوسرے سے امتیاز اور ان کے احکام کا باہمی اختلاف ہر گز ختم نہیں ہوتا، کیونکہ وہ واضح طور پر جانتے ہیں کہ مثلاً گرمی اور روشنی جو آگ کی مخصوص صفات ہیں، ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی پانی میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی پانی کو ان دو صفات سے موصوف کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی سردی جو پانی کے ساتھ مخصوص ہے، وہ آگ میں موجود نہیں ہے۔ نیز وہ اپنی بیویوں اور ماؤں میں بھی قطعی طور پر امتیاز کرتے ہیں اور ان کے احکام کے الگ الگ ہونے کا حکم کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْهَادِيْ اِلَى سَبِيْلِ الرَّشَادِ۔

یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی سیدھے راستے کی ہدایت بخشنے والا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷) یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اُسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۹۸)

میر سید محبت اللہ مالکپوری کو تحریر فرمایا۔ خفیہ اشارات اور لطیف عبارات کے ذریعے کام کی انتہا تک پہنچنے کے بیان میں اور اس معما کے راز میں جس سے مخدوم زادہ کلاں (حضرت خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ الرضوان کے سوا دوستوں میں

سے کسی نے اطلاع نہیں پائی۔

اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت مند بنائے، جان لو! کہ مدتوں تک جب (یہ فقیر) ظلال میں سیر کرتا تھا تو ظل کے وصول کو عین حصول سمجھتا تھا۔ جبکہ وصول اصل سے میسر ہوا ہے، ظل کے سوا کچھ حصول نہیں رکھتا۔ جیسے کہ آئینہ جو کسی شخص کے ہاتھ میں ہو تو آئینے کے لیے اس شخص کے ظل کے سوا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ پس خوب سمجھ لو، کیونکہ ہماری بات رمز ہے۔

جاننا چاہیے کہ طریقہ کے بیان کے مناسب جو عبارت رمز و اشارات کے طور پر لکھی گئی تھی، (فقیر نے) اس کو اس مقام کے مناسب سمجھ کر اس مکتوب میں درج کر دیا ہے، پس (اسے) اچھی طرح سمجھ لو (وہ عبارت یہ ہے):

”اس طرح کا ذکر (قلبی) جو راستے کو جاننے والے پیر سے سیکھا ہو، اس پر استقامت رکھنا، (پھر) بازگشت (حاصل ہونا)، اس کے بعد حضرت رحمان کے فضل سے وصل عریاں (نصیب ہونا)، اس کے علاوہ سب کچھ وہم و گمان ہے۔“

وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالتَّزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَىٰ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَكْمَلُهَا. یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۲۹۹)

شیخ فرید انہونی کو تحریف فرمایا۔ مصیبت کے آنے اور اس پر صبر کرنے اور قضا پر راضی رہنے کی تلقین اور طاعون کی موت کی فضیلت (کے بیان) میں۔ نیز اس بیان میں کہ طاعون کی جگہ سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے اور جہاد کے روز میدان جنگ سے بھاگنے کی طرح ہے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔ (فقیر) عرض کرتا ہے کہ آپ کا مکتوب شریف پہنچا۔ آپ نے مصیبتوں کے بارے میں لکھا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ. (سورۃ بقرہ، ۱۵۶) یعنی: ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ صبر اور تحمل (اختیار) کرنا چاہیے، قضا پر راضی رہنا چاہیے:

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری
یعنی: میں تجھ سے منہ نہیں موڑوں گا خواہ تو مجھے دکھ ہی دے، کیونکہ عزیزوں سے دکھ اٹھانا اور خوار ہونا بڑی اچھی بات ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ. (سورۃ شوریٰ، ۳۰)

یعنی: جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے فعلوں سے ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کر دیتا ہے۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ. (سورۃ روم، ۴۱)

یعنی: خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے۔

اس وبا میں ہمارے اعمال کی بد نصیبی سے پہلے چوہے ہلاک ہوئے جو ہمارے ساتھ زیادہ اختلاط رکھتے تھے۔ پھر عورتیں جن کے وجود سے نوع انسان کی نسل و بقا کا مدار ہے، وہ مردوں سے زیادہ فوت ہوئیں۔ جو شخص اس وباء میں موت سے بھاگا اور سلامت رہا اس کی زندگی پر خاک ہو اور جو نہ بھاگا اور مر گیا، اسے مبارک ہو اور اس کے لیے شہادت کی بشارت ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر (رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب ”بذل الماعون فی فضل الطاعون“ میں بڑے وثوق سے یہ لکھا ہے کہ جو شخص طاعون سے مرے گا اُس سے قبر میں سوال نہیں ہوگا، کیونکہ وہ جہاد میں مارے جانے والے کی طرح ہے اور یہ کہ طاعون میں صبر کرنے والا جو یہ سمجھتا ہو کہ مجھے وہی پہنچے گا جو میرے نصیب میں لکھا ہوا ہے تو وہ شخص اگر طاعون کے علاوہ کسی اور بیماری (یا عذر) سے فوت ہو گیا تو وہ بھی فتنہ قبر (عذاب) سے محفوظ رہے گا، کیونکہ وہ جہاد کے موقع پر پہرہ دینے والے شخص کی مانند ہے۔

اسی طرح شیخ اجل (جلال الدین) سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) نے کتاب ”شرح الصدور بشرح احوال الموتی والقبور“ میں لکھا ہے اور کہا ہے کہ ”یہ بہت ہی درست توجیہ ہے۔“

ایسے ہی جو شخص نہ بھاگا اور نہ مرا، وہ غازیوں اور مجاہدوں میں سے ہے اور صابروں اور مصیبتیں برداشت کرنے والے گروہ میں سے ہے۔ ہر شخص کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس میں جلدی اور تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔ اکثر بھاگنے والے جو سلامت رہے، وہ اس وجہ سے کہ ان کی موت کا وقت نہیں آیا تھا، یہ نہیں ہے کہ بھاگنے نے ان کو موت سے نجات دی ہے۔ اکثر صبر کرنے والے جو ہلاک ہو گئے، وہ بھی اپنی موت کے وقت سے ہلاک ہوئے ہیں۔ فَلَيْسَ الْفِرَارُ يُنْجِي وَلَا الْإِسْتِقْرَارُ يُهْلِكُ۔ یعنی: نہ تو بھاگنا (موت سے) بچاتا ہے اور نہ مقیم رہنا ہلاک کرتا ہے۔

یہ بھاگنا جہاد کے روز بھاگنے کی مانند ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ جل سلطانہ کی خفیہ تدبیر ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہیں اور صبر کرنے والے ہلاک ہو جائیں۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا۔ (سورۃ بقرہ، ۲۶)

یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔

آپ کے صبر و تحمل اور آپ کے مسلمانوں کی مدد اور اعانت کرنے کے بارے میں سنا جاتا تھا۔

جَزَاكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَهُ خَيْرًا۔ یعنی: اللہ سبحانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

بچوں کی تربیت اور ان کی تکلیف اٹھانے سے آپ دل تنگ نہ ہوں، کیونکہ اس پر بہت زیادہ صلہ ملنے کی امید ہے۔

(فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۰۰)

جامع علوم عقلی و نقلی، مجدد الدین مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ رمز اور اشارہ کی زبان میں دقیق

اسرار اور عجیب معارف کے بیان میں۔ نیز مقام قَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَذْنَىٰ سے بھی ایک اشارہ تحریر کیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔ (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

انسان کامل جب اسماء و صفات کی تفصیلی سیر طے کر کے مکمل جامعیت پیدا کر لیتا ہے اور اسماء و صفات الہی جل سلطانہ کے کمالات کا آئینہ بن جاتا ہے اور اس کا عدم ذاتی، جو ان کمالات کا آئینہ ہے، پوری طرح پوشیدگی اختیار کر لیتا ہے اور ان کمالات کے علاوہ اس میں کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی تو اس وقت وہ مکمل فنا حاصل ہونے کے بعد جو اس کے عدم کے پوشیدہ ہونے پر وابستہ تھی، ایک خاص بقا کے ساتھ جو ان کمالات سے متعلق ہے، مشرف ہو جاتا ہے اور ولایت کا نام اس پر صادق آتا ہے۔ اس کے بعد اگر عنایتِ ازلی جل سلطانہ اس کے شامل حال ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ دوسری بار یہ کمالات جن کے ساتھ عارف نے بقا پائی تھی، حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے آئینے میں منعکس ہو جائیں اور اس جگہ ظہور پیدا کر لیں تو اس وقت قَابِ قَوْسَیْن (یعنی: تو وہ دو کمان کے فاصلے پر تھا۔ سورۃ نجم، ۹) کا راز ظاہر ہو جاتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس مقام میں آئینہ میں کسی شے کا ظہور اس آئینہ میں شے کے لیے نسبت بے کیف کے حصول سے کنایہ ہے، نہ یہ کہ وہاں آئینے کی حقیقت (موجود) ہے اور اس میں شے کا حصول ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی۔ (سورۃ نحل، ۶۰) یعنی: اور اللہ تعالیٰ کو صفتِ اعلیٰ زیب دیتی ہے۔

اور جب وہ کمالات جن سے عارف نے بقا پائی ہوتی ہے، جنابِ قدس کے آئینے میں حقیقت اور اصلت کے طور پر منعکس ہوتے ہیں اور وہاں ظہور پذیر ہو جاتے ہیں اور نسبت بے کیف اس کو وہاں حاصل ہو جاتی ہے تو یقیناً (لفظ) اَنَا جو عارف سے تعلق رکھتا تھا، وہاں اطلاق پاتا ہے اور وہ خود کو وہاں ان کمالات ظاہرہ کا عین دیکھتا ہے۔ قَابِ قَوْسَیْن کے مقام میں ”اَنَا“ کے عروج کی انتہا اس جگہ تک ہے۔

اے فرزند! سن لے صورت کا آئینہ جس میں حسن و جمال منعکس ہوتا ہے۔ اگر بالفرض وہ آئینہ حیات اور علم کی صورت پیدا کر لے تو لازماً وہ اس حسن و جمال کے ظہور سے لذت پانے والا بن جائے گا اور بہت زیادہ حصہ پائے گا۔ حقیقت کے آئینے میں اگر چہ لذت اور دکھ مفقود ہے، کیونکہ یہ صفات امکانی میں سے ہے، لیکن جو چیز اس بلند مرتبہ کے شایانِ شان ہے، وہ نقص اور حدوث کے نشانات سے پاک اور موجود و ثابت ہے:

فَریادِ حافظِ ایں ہمہ آخر بہر زہ نیست ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست^(۱)

یعنی: حافظ کی یہ سب فریاد بیہودہ نہیں، بلکہ عجیب قصہ اور زریں کہانی ہے۔

یہ کمالات ظاہرہ جو اس نسبت بے کیف کے مرتبہ میں ظاہر ہو گئے ہیں، ان کا حکم اسی طرح ہے جیسے انسان کے عالمِ خلق کو عالمِ امر کے ساتھ ہے۔ اس مقام میں تو (اس حدیث کا) راز پالے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ۔^(۲) یعنی: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

جب ان کمالات ظاہرہ، جو حضرت ذات تعالیٰ و تقدس کے اجمال کی تفصیل ہیں، نے حضرت اجمال کے ساتھ نسبت بے کیف پیدا کر لی اور بلا کیف اتصال کو حاصل کر لیا اور حضرت اجمال کی آئینہ داری کی تولدِ اجمال میں صرف اعتبار اور محض ہم سے تفصیل بھی پیدا ہو گئی جو عارف کی ”اَنَا“ کے عروج کا سبب بن گئی۔ یہ کمال مقام اَوَّاذُنِی (سورۃ نجم، ۹) سے وابستہ ہے:

قلم اینجا رسید و سر بشکست

ع

یعنی: قلم اس جگہ پہنچا اور (اس کا) سر ٹوٹ گیا۔

یہ ہے نہایت النہایت اور غایت الغایت کا بیان جس کا سمجھنا خواص کے ادراک سے بھی منزلوں دور ہے۔ (فقیر) عوام کے بارے میں کیا کہے؟ خواص الخاص لوگوں میں سے بھی انتہائی قلیل لوگ ہیں جنہوں نے اس دولت و معرفت کا راستہ پایا ہے:

اگر بادشہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبک ممکن

یعنی: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آئے تو اے خواجہ! تو حسد سے اپنی داڑھی مت نوچ۔

یہ نہایت ظہورات و تجلیات کے اعتبار سے ہے، جس کے بعد کسی قسم کی تجلی و ظہور متصور نہیں ہے:

وَمِنْ بَعْدِ هَذَا مَا يَدُقُّ صِفَاتُهُ وَ مَا كَتُمُهُ أَحْطَى لَدَيْهِ وَأَجْمَلُ

یعنی: اس کے بعد وہ ہے جس کی صفات دقیق ہیں اور جس کا چھپانا ہی اس کے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَعَلَى جَمِيعِ

الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِ كُلِّ وَعَلَى مَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِيمَاتِ وَالتَّحِيَّاتِ وَالْبَرَكَاتِ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا وَأَوْلَاهَا وَأَعْلَاهَا وَأَذْوَمُهَا وَأَبْقَاهَا وَأَعْمُهَا وَأَشْمَلُهَا.

یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے اسے

سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۳۰۱)

مولانا امان اللہ کو تحریر فرمایا۔ قرب نبوت، قرب ولایت اور جو راستے قرب نبوت تک پہنچانے والے ہیں، ان کے

بیان میں۔ اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور (اس کے حبیب

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) درود (سلام) کے بعد۔

میرے فرزند مولانا امان اللہ کو معلوم ہو کہ نبوت سے وہ قرب الہی جل سلطانہ مراد ہے جو ظلیت کا شائبہ نہیں رکھتا۔ اس کا

عروج حق جل و علا کی جانب رخ رکھتا ہے اور اس کا نزول خلقت کی طرف رخ رکھتا ہے۔ یہ قرب بالاصالت انبیاء علیہم

الصلوات والتسلیمات کو نصیب ہے اور یہ منصب ان بزرگواروں علیہم الصلوات والبرکات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس منصب

کے خاتم سید البشر (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علی آلہ الصلوہ والسلام ہیں۔ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتحیۃ نزول کے بعد

خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت کی متابعت کریں گے۔

مختصر یہ کہ پیروی کرنے والوں اور خادموں کو (اپنے) صاحبوں کی دولت اور پس خوردہ سے (حصہ) نصیب ہے، لہذا

انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے قرب سے کامل تابعداروں کو بھی (حصہ) نصیب ہے اور اس مقام کے علوم و معارف اور

کمالات وراثت کے طور پر اتباع کرنے والوں کو بھی نصیب ہوتے ہیں:

خاص کند بندہ مصلحتِ عام را

ع

یعنی: اللہ تعالیٰ ایک بندے کو مصلحتِ عام کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

اس طرح خاتم النبیین علیہ وعلی آلہ وعلی جمیع الانبیاء والرسل الصلوٰۃ والتَّحِیَّات کی بعثت کے بعد وراثت اور تبعیت (پیروی) کے طور پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروکاروں کو کمالاتِ نبوت کا حاصل ہونا آپ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔
یعنی: پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت مند بنائے، جان لو کہ جو راستے کمالاتِ نبوت تک پہنچانے والے ہیں، وہ دو ہیں۔ ایک راستہ ہے جو مقامِ ولایت کے مفصل کمالات طے کرنے سے متعلق ہے اور ان تجلیاتِ ظلیہ اور معارفِ سکرّیہ کے حاصل ہونے پر وابستہ ہے جو مرتبہ ولایت کے مناسب ہیں۔ ان کمالات کے طے کرنے اور ان تجلیات کے حاصل ہونے کے بعد کمالاتِ نبوت میں قدم رکھا جاتا ہے۔ اس مقام میں اصل کا وصول ہوتا ہے اور ظلیت کی جانب التفات کرنا گناہ ہے۔

دوسرا راستہ وہ ہے جس میں ان کمالاتِ ولایت کے حاصل ہونے کے بغیر ہی کمالاتِ نبوت تک پہنچنا میسر ہو جاتا ہے اور یہ دوسرا راستہ شاہراہ ہے اور وصول کے بہت زیادہ قریب ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے صحابہ کرام علیہم وعلیٰ اصحابہم الصلوٰۃ والسلام والختیہ میں سے جو بھی ان کی وراثت اور تبعیت (پیروی) کے طور پر ان کمالات تک پہنچا ہے، الا ماشاء اللہ تعالیٰ، وہ اسی راستے کے ذریعے پہنچا ہے۔ پہلا راستہ دور و دراز والا ہے، اس کا حصول مشکل اور وصول محال ہے۔

اولیاء کی ایک جماعت جو مقامِ ولایت میں نزول کے شرف سے مشرف ہوئی ہے، ان لوگوں کا مقام نزول میں جن کمالات سے تعلق رہا ہے، انہوں نے ان کو کمالاتِ نبوت خیال کر لیا ہے اور مخلوق کی جانب متوجہ ہونا جو کہ مقامِ دعوت کے مناسب ہے، کو انہوں نے مقامِ نبوت کی خصوصیات میں سے گمان کر لیا ہے۔ (جبکہ) اس طرح نہیں ہے، بلکہ یہ نزول اس کے عروج کی مانند دونوں ولایتوں سے متعلق ہے۔ ایک دوسرا عروج و نزول مقامِ ولایت کے اوپر ہے جو نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔ مخلوق کی جانب یہ توجہ، مخلوق کی طرف اس توجہ کے علاوہ ہے جو نبوت کے مناسب ہے اور یہ دعوت اس دعوت کے علاوہ ہے جسے کمالاتِ نبوت میں سے سمجھا گیا ہے۔ (یہ لوگ) کیا کریں کہ انہوں نے دائرہ ولایت سے قدم باہر نہیں رکھا اور انہوں نے نبوت کے کمالات کی حقیقت کو بھی نہیں پایا ہے، بلکہ انہوں نے نصف ولایت کو جو اس کے عروج کی طرف ہے، کامل ولایت خیال کر لیا ہے اور اس کے دوسرے نصف کو جو اس کے نزول کی جانب ہے، مقامِ نبوت تصور کر لیا ہے:

چو آں کرے کہ در سگے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است

یعنی: جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں پوشیدہ ہے، اس کا زمین اور آسمان وہی (پتھر) ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص پہلے راستے کے ذریعے بھی وصول حاصل کر لے اور ولایت و نبوت کے مفصل کمالات کو جمع کر لے، نیز ان دونوں مقامات کے کما حقہ کمالات حاصل فرما لے اور عروج و نزول ہر ایک کو جدا کر لے اور اس کا حکم کرے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے بہتر ہے۔

جاننا چاہیے کہ دوسرے راستے سے وصول کے بعد اگرچہ مقام نبوت کے مفصل کمالات حاصل نہیں ہوتے، لیکن ولایت کا نچوڑ اور خلاصہ احسن طریقے سے میسر ہو جاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ اہل ولایت نے ولایت کے کمالات سے چھلکا حاصل کر لیا ہے اور اس واصل نے اس کا مغز حاصل کر لیا ہے۔ ہاں! بعض علوم سکر یہ اور ظہورات ظلیہ جو اباب ولایت کو حاصل ہوئے ہیں، یہ واصل ان علوم اور ظہورات سے کم حصہ حاصل کرتا ہے۔ یہ چیز فضیلت کا موجب نہیں ہے، بلکہ اس واصل کو ان علوم اور ظہورات سے شرم و عار آتی ہے۔ حالت یہ ہے کہ وہ ان کو گناہ اور بے ادبی سمجھتا ہے۔ ہاں! اصل تک پہنچنے والا اس اصل کے ظلال سے بھاگنے والا اور پناہ مانگنے والا ہے۔ ظل سے گرفتاری اس ظل کے اصل تک نہ پہنچنے کے وقت تک ہے۔ اصل کے وصول کے بعد ظل بے فائدہ ہوتا ہے اور ظل کی جانب توجہ کرنا بے ادبی ہے۔

اے فرزند! نبوت کے کمالات کا حاصل ہونا محض بخشش سے وابستہ ہے اور صرف کرم نوازی سے متعلق ہے۔ کسب اور عمل کرنے کا اس دولت عظمیٰ کے حاصل کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے۔ کونسا عمل اور کسب ہے جو اس دولت عظمیٰ کا نتیجہ بنے اور کونسی ریاضت اور مجاہدہ ہے جو اس روشن تر نعمت کا پھل دے سکے، بخلاف کمالات ولایت کے جن کے مبادی اور مقدمات کسی ہیں اور ان کا حاصل ہونا ریاضت و مجاہدہ سے متعلق ہے۔ اگرچہ روا ہے کہ بعض کو کسب و عمل کی مشقت کے بغیر بھی اس دولت کے قابل بنا ڈالیں۔ فنا اور بقا جن سے ولایت مراد ہے، بھی بخشش ہی ہیں، کیونکہ مقدمات کے کسب کے بعد (محض) فضل و کرم سے جسے چاہیں، فنا و بقا کی دولت سے مشرف فرمادیتے ہیں۔

آنسرو علیہ و علی جمیع الانبیاء والمرسلین و علی ملئکۃ المقربین و علی اہل طاعتہ اجمعین الصلوٰت والتسلیمات کی ریاضتیں اور مجاہدے بعثت سے پہلے اور بعد اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے نہیں تھے، بلکہ ان سے دوسرے منافع و فوائد منظور تھے، جیسے حساب کی کمی، بشری لغزشوں کی تلافی، ترقی درجات، مرسل فرشتہ کی صحبت کی رعایت جو کھانے پینے سے پاک ہیں اور خوارق کے ظہور کی کثرت جو نبوت کے مقام کے مناسب ہے۔ اور ایسے ہی (دوسری چیزیں)۔

جاننا چاہیے کہ اس بخشش کا حاصل ہونا انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے حق میں بلا واسطہ ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے صحابہ (کرام) کے حق میں جو تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے توسط سے ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اور ان کے صحابہ (کرام) کے بعد کم ہی کوئی شخص اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ اگرچہ جائز ہے کہ کسی دوسرے کو بھی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طریقہ سے اس دولت سے سرفراز فرمادیں:

فیض روح القدس از باز مدد فرماید دیگر اہل ہم بکنند آنچہ مسیحی کرد^(۱)

یعنی: اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہی کام کریں جو (حضرت) مسیح (علیہ السلام) کرتے تھے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اس دولت نے اکابر تابعین پر بھی پرتو ڈالا ہے اور اکابر تبع تابعین پر سایہ کیا ہے۔ اس کے بعد پوشیدگی اختیار کر لی ہے، یہاں تک کہ آنسرو علیہ و علی آہ الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت سے الف ثانی (دوسرے ہزار سال) کی باری آ پچھی اور اس وقت میں بھی یہ دولت تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر ظاہر ہوگئی:

اگر بادشہ بر درِ پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبَلت ممکن

یعنی: اگر بادشاہ بڑھیا کے دروازے پر آئے تو اے خواجہ! تو حسد سے اپنی داڑھی مت نوچ۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالنَّزَمَ مُتَابِعَةً الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰتِ
وَالتَّسْلِیْمٰتِ اَتَمَّہَا وَاکْمَلُہَا. یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
متابعت کو لازم پکڑے اسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۳۰۲)

جامع علوم ظاہری اور اسرار و معارف باطنی مخدوم زادہ مجدد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ ولایت کی
تین قسموں کے بیان میں، جو ولایتِ اولیاء، ولایتِ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات اور ولایتِ ملائعہ علیٰ مینا وعلیہم
الصلوات والتسلیمات ہیں، نیز اس بیان میں نبوت ولایت سے افضل ہے، اور بعض خصوصی معارف جو نبوت سے
متعلق ہیں اور جو کچھ ان کے مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو رشد و ہدایت عطا فرمائے، جان لیں کہ ولایت سے مراد قرب الہی جل سلطانہ ہے جو ظلیت کے شانہ
کے بغیر صورت نہیں پکڑتا اور پردوں کی حاکمیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اولیاء کی ولایت ہے تو بلاشبہ ظلیت کے داغ سے
داغدار ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت اگرچہ ظلیت سے باہر نکل چکی ہے، لیکن اسماء و صفات کے پردوں کی
حاکمیت کے بغیر متحقق نہیں ہے۔ ولایتِ ملائعہ علیٰ مینا وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات اگرچہ اسماء و صفات کے پردوں سے بلند
ہو چکی ہے، لیکن شیون و اعتبارات ذاتیہ کے پردوں سے چارہ نہیں رکھتی۔ نبوت و رسالت ہے جس میں ظلیت کے شانہ نے
راستہ نہیں پایا اور اس نے صفات و اعتبارات کے پردوں کو راستے ہی میں چھوڑ دیا ہے۔ لہذا لازماً نبوت ولایت سے افضل ہے
اور نبوت کا قرب ذاتی واصلی ہے۔ جو شخص ان دونوں کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوا، اس نے اس کے برعکس حکم لگایا ہے اور یقین
بنایا ہے۔ پس وصول مرتبہ نبوت میں ہے اور حصول مرتبہ ولایت میں ہے۔ کیونکہ حصول ظلیت کے ملاحظہ کے بغیر صورت نہیں
پکڑتا، بخلاف وصول کے۔ نیز حصول کے کمال میں دوئی رفع ہو جاتی ہے اور وصول کے کمال میں دوئی باقی رہتی ہے۔ پس
دوئی کا دور ہونا مقام ولایت کے مناسب ہے اور دوئی کا بقا مرتبہ نبوت کے لائق ہے، لہذا ناچار ہر وقت کا سکر مقام ولایت کے
لیے لازم ہوا۔ مرتبہ نبوت میں چونکہ دوئی کا بقا ہے، لہذا اصحوا اس مرتبہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ نیز تجلیات کا حصول خواہ
صورتوں اور شکلوں کے لباس میں ہو اور خواہ رنگوں اور انوار میں ہو، (یہ) سب ولایت کے مقامات میں اور اس کے مقدمات و
مبادی کے طے کرنے میں ہے۔ بخلاف مرتبہ نبوت کے کہ اس مقام میں اصل کے ساتھ وصول ہے اور تجلیات و ظہورات سے
لاپرواہی ہے جو اس اصل کے ظلال ہیں۔ اسی طرح اس مرتبہ (نبوت) کے مقدمات و مبادی طے کرنے کے وقت بھی ان
تجلیات کی ضرورت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو۔ اس وقت بھی ان تجلیات کا حصول
ولایت کے واسطے سے ہوتا ہے، نہ کہ وصول نبوت کے راستے کی مسافت کے طے کرنے کی وجہ سے۔ الغرض تجلیات اور
ظہورات ظلال کی خبر دیتے ہیں اور جو شخص ظلال کی گرفتاری سے گزر چکا ہے وہ تجلیات سے آزاد ہو گیا ہے۔ مَازَاغِ الْبَصْرِ

(یعنی: ان کی آنکھ دوسری طرف مائل نہ ہوئی۔ سورۃ نجم، ۱۷) کا راز اس جگہ طلب کرنا چاہیے۔

اے فرزند! عشق کا ولولہ، محبت کا رعب و دبدبہ، شوق ابھارنے والے نعرے، درد بھری چیخ و پکار، وجد و تواجد اور رقص سب ظلال کے مقامات میں اور ظہورات و تجلیات ظلیہ کے اوقات میں ہیں۔ اصل تک پہنچنے کے بعد ان امور کا حاصل ہونا متصور نہیں ہے۔ اس مقام میں محبت کا معنی اطاعت کا ارادہ ہے، جس طرح کہ علماء نے فرمایا ہے۔ اس سے زائد کوئی اور معنی جو ذوق و شوق کا منشا ہیں، ہرگز نہیں، جیسا کہ صوفیہ نے گمان کیا ہے۔

اے فرزند! سنو، چونکہ مقام ولایت میں دوئی کا دور ہونا مقصود ہے، مجبوراً اولیاء ارادہ کے زوال کی کوشش کرتے ہیں۔ شیخ بسطام (بایزید قدس سرہ) فرماتے ہیں: اُرِيدُ اَنْ لَا اُرِيدَ۔ یعنی: میرا ارادہ (یہ) ہے کہ میرا کوئی ارادہ نہ رہے۔ چونکہ مرتبہ نبوت میں دوئی کا دور کرنا درکار نہیں ہے، (لہذا) نفس ارادہ کا زوال مطلوب نہیں۔ کیسے مطلوب ہو؟ جبکہ ارادہ اپنی حد کی ذات میں ایک کامل صفت ہے۔ اگر کسی نقص نے اس میں راہ پالی ہے تو وہ اس کے متعلق کے خبث کی وجہ سے ہے۔ لہذا چاہیے کہ اس کا متعلق خبث اور ناپسندیدہ امر نہ ہو، بلکہ اس کی تمام مرادیں حق جل و علا کی پسندیدہ چیزیں ہوں۔

ایسے ہی مقام ولایت میں سب بشری صفات کی نفی میں کوشش کرتے ہیں اور مرتبہ نبوت میں ان صفات کے برے متعلقات کی نفی مطلوب ہوتی ہے، نہ کہ ان صفات کے اصل کی نفی جو اپنی ذات کی حد میں کامل ہیں۔ مثلاً صفت علم جو اپنی ذات کی حد میں کامل ہے۔ اگر اس میں کسی نقص نے راہ پالی ہے تو وہ اس کے برے متعلق کی وجہ سے ہے۔ لہذا اس برے متعلق کی نفی ضروری ہے، نہ کہ اس صفت کے اصل کی نفی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

پس جو شخص مقام نبوت میں ولایت کے راستے سے آیا ہے، اسے راستے کے دوران اصل صفات کی نفی سے چارہ نہیں ہے اور جو شخص ولایت کے توسط کے بغیر اس مقام تک پہنچا ہے، اس کا اصل صفات کی نفی سے کوئی کام نہیں ہے۔ ان صفات کے برے متعلقات کی نفی کرنی چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ اس ولایت سے مراد جس کا (ابھی) ذکر ہوا ہے، ولایت ظلی ہے جس کو ولایت صغریٰ اور ولایت اولیاء سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن ولایت انبیاء، جو ظل سے گزر چکی ہے، وہ اور ہے۔ اس مقام میں بشری صفات کے برے متعلقات کی نفی مطلوب ہوتی ہے، نہ کہ ان صفات کے اصل کی۔ جب صفات کے برے متعلقات کی نفی حاصل ہوگئی تو انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی ولایت حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد جو عروج واقع ہوگا وہ کمالات نبوت سے متعلق ہوگا۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ نبوت کے لیے اصل ولایت کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ ولایت اس کے مبادی اور مقدمات میں سے ہے، لیکن کمالات نبوت تک پہنچنے کے لیے ولایت ظلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بعض کو اتفاق ہو جاتا ہے اور بعض دوسروں کو اس جانب ہرگز گزرنے نہیں ہوتا۔ پس خوب سمجھ لو۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اصل صفات کی نفی ان صفات کے برے متعلقات کی نفی کی نسبت مشکل ہے، لہذا کمالات نبوت کا حصول، کمالات ولایت کے حصول کی نسبت زیادہ آسان اور زیادہ قریب ہے اور ہر کام میں آسانی اور قرب کی یہی نسبت ہے جو اصل تک پہنچ رکھتا ہے، برخلاف ان کاموں کے جو اصل سے جدا ہو گئے ہیں۔ تو نہیں دیکھتا کہ اصل کیمیا آسان

عمل سے میسر ہے اور سب سے زیادہ قریب طریقہ سے حاصل ہو جاتا ہے اور جو شخص اس کی اصل سے جدا ہو گیا ہے، وہ مشقت میں پڑ گیا اور ایک عمر اس کو حاصل کرنے میں فنا کرتا ہے۔ اس کے باوجود محرومی اس کے شامل حال رہتی ہے اور جو چیز محبتِ شائقہ کے بعد حاصل ہوئی وہ اصل سے صرف مشابہت رکھتی ہے۔ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ وہ عارضی شبابہت بھی اس سے زائل ہو جاتی ہے اور اپنے اصل کی جانب لوٹ آتا ہے اور جعل سازی و مکاری تک نوبت پہنچ جاتی ہے، بخلاف اس اصل سے واصل شخص کے جو عمل کی سہولت اور راستے کی نزدیکی کے باوجود جعل سازی و مکاری سے محفوظ ہے۔

اس راستے کے سالکین میں سے ایک جماعت جو سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں کے ذریعے ضلال میں سے ایک ظل تک پہنچی ہے، ان لوگوں نے گمان کر لیا ہے کہ مطلب تک پہنچنا سخت ریاضتوں اور مشکل مجاہدوں پر موقوف ہے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ایک دوسرا راستہ اس راستے سے زیادہ قریب ہے، جو نہایت انتہائی تک پہنچانے والا ہے اور وہ راستہ برگزیدگی کا ہے جو محض فضل و کرم سے وابستہ ہے۔ جو راستہ انہوں نے اختیار کیا ہے وہ انابت کا راستہ ہے جو مجاہدات سے وابستہ ہے۔ اس راستے کے واصلین انتہائی قلیل ہیں اور برگزیدگی کے راستے کے واصلین جم غفیر ہیں۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات برگزیدگی کے راستے پر چلے ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے صحابہ (کرامؓ) بھی تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر برگزیدگی کے راستے سے واصل ہوئے ہیں۔ برگزیدگی کے راستے والوں کی ریاضتیں اس نعمت کے وصول کا شکر ادا کرنے کے لیے ہیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰہ والسلام نے اپنے پہلے اور پچھلے گناہ بخشے ہوئے ہونے کے باوجود اپنی سخت ریاضات کے بارے میں سوال کرنے والے کے جواب میں ارشاد فرمایا: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا^(۱)۔

یعنی: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

اہلِ انابت کے مجاہدے وصول کے حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ برگزیدگی کا راستہ لے جانے (طے کرانے) کا راستہ ہے اور انابت کا راستہ (خود) چلنے کا راستہ ہے۔ لے جانے (طے کرانے) اور (خود) چلنے میں بڑا فرق ہے۔ جلدی لے جاتے ہیں اور دور پہنچا دیتے ہیں (خود جانے والے) دیر سے چلتے ہیں اور راستے ہی میں رہ جاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے: ”ہم فضلی (فضل والے لوگ) ہیں۔“ جی ہاں! جب تک فضل نہ ہو، دوسروں کی انتہا ان کی ابتدا میں کس طرح درج ہو سکتی ہے۔ ذلک فضلُ اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضلِ العظیم۔ (سورۃ حدید، ۲۱) یعنی: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

اب ہم اصل بات کی جانب آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس فقیر نے جو عریضے اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کو لکھے ہیں، ان میں لکھا ہے کہ تمام مرادیں ختم ہو چکی ہیں، لیکن ابھی نفس ارادہ قائم ہے۔ ایک مدت کے بعد لکھا کہ وہ ارادہ بھی مرادوں کی طرح ختم ہو چکا ہے۔ جب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے (فقیر کو) انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی وراثت سے مشرف فرمایا تو سمجھ آئی کہ مقصود اس ارادہ کی برائی کے متعلق کو ختم کرنا تھا، نہ کہ اس نفس ارادہ کو زائل کرنا۔ (کیونکہ) ضروری نہیں ہے کہ اصل کے زائل ہونے کے بعد بُرے متعلق کا دور ہو جانا پوری طرح اور مکمل طور پر حاصل ہو جائے، بلکہ اکثریوں ہوتا ہے کہ محض فضل سے وہ کچھ میسر ہو جاتا ہے جس کا عشرِ عشر بھی عمل و محنت سے نصیب نہیں ہوتا۔

اے فرزند! مقام ولایت میں دنیا اور آخرت سے ہاتھ دھونے چاہئیں اور آخرت کی گرفتاری کو بھی دنیا کی گرفتاری کی مانند شمار کرنا چاہیے اور آخرت کو دنیا کے درد کی طرح قابلِ تعریف نہیں سمجھنا چاہیے۔

(حضرت) امام داؤد طائی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: اِنْ اَرَدْتُ السَّلَامَةَ سَلِّمْ عَلَى الدُّنْيَا وَاِنْ اَرَدْتُ الْكَرَامَةَ كَبِّرْ عَلَى الْآخِرَةِ۔

یعنی: اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو سلام کہہ دے اور اگر کرامت چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر کہہ دے۔
اس گروہ میں سے ایک دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ (اس آیت) کریمہ میں دونوں فریقوں سے شکایت ہے:
مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ۔ (سورۃ آل عمران، ۱۵۲)
یعنی: بعض تو تم میں دنیا کے خواستگار تھے اور بعض آخرت کے طالب۔

الغرض فنا جس سے مراد حق جل و علا کے سوا ہر چیز کو بھلا دینا ہے، وہ دنیا و آخرت (دونوں) کو شامل ہے اور فنا و بقا دونوں ولایت کے اجزاء ہیں، لہذا ولایت میں آخرت کی فراموشی سے چارہ نہیں ہے۔ کمالات نبوت کے مرتبہ میں آخرت کی گرفتاری محمود اور آخری کا درد پسندیدہ اور مقبول ہے، بلکہ اس مقام میں درد، آخرت کا درد ہے اور گرفتاری، آخرت کی گرفتاری ہے۔ (آیت) کریمہ: يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا۔ (سورۃ سجدہ، ۱۶)

یعنی: وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔
اور (آیت) کریمہ: وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔ (سورۃ رعد، ۲۱) یعنی: وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔
نیز: وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ۔ (سورۃ بنی اسرائیل، ۵۷) یعنی: اور (وہ) اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں۔
اور (آیت) کریمہ: الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ۔ (سورۃ انبیاء، ۴۹)
یعنی: (وہ لوگ) جو غیب دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں۔

(یہ سب آیات) اس مقام کے صاحبان کے لیے سرمایہ وقت ہیں۔ ان کا رونا اور زاری آخرت کے حالات کو یاد کرنے سے ہے اور ان کا درد اور دکھ قیامت کی ہولناکیوں سے ہے۔ وہ ہمیشہ قبر کے فتنہ سے پناہ مانگتے ہیں اور ہمیشہ آگ کے عذاب سے پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق جلا و علا کا درد آخرت کا درد ہے اور ان کا شوق و محبت آخرت کا شوق و محبت ہے، کیونکہ اگر دیدار (الہی) ہے تو اس کا وعدہ بھی آخرت کا ہی ہے اور اگر رضا ہے تو اس کا کمال بھی آخرت پر ہی موقوف ہے۔ دنیا حق جلا و علا کی ناپسندیدہ ہے اور آخرت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہے۔ ناپسندیدہ کو پسندیدہ کے ساتھ کسی کام میں برابر نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ ناپسندیدہ منہ موڑ لینے کے لائق ہے اور پسندیدہ توجہ کر لینے کے لائق ہے۔ پسندیدہ سے منہ موڑنا عین سکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے بلا وے اور مرضی کے خلاف ہے۔ (یہ آیت) کریمہ اس معنی کی گواہ ہے:

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ۔ (سورۃ یونس، ۲۵) یعنی: اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مبالغہ اور تاکید کے ساتھ آخرت کی ترغیب فرماتا ہے، لہذا آخرت سے منہ موڑنا درحقیقت حق جلا و علا سے مقابلہ کرنا ہے اور اس کی مرضی کو مٹانے کی کوشش کرنا ہے۔ (حضرت) امام داؤد طائی (قدس سرہ) نے باوجود اس

بزرگی کے، کہ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے، ترکِ آخرت کو کرامت کہا ہے، مگر نہیں سمجھے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سب دردِ آخرت میں مبتلا تھے اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے۔

ایک روز حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہو کر گلی سے گزر رہے تھے۔ (کسی) قاری نے یہ (آیت) کریمہ پڑھی: إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ. مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ. (سورۃ طور، ۷-۸)

یعنی: بیشک تمہارے پروردگار کا عذاب واقع ہو کر رہے گا (اور) اس کو کوئی روک نہیں سکے گا۔

اس آیت کو سنتے ہی آپ بیہوش ہو گئے اور بیہوشی میں اونٹ سے گر پڑے۔ آپ کو اس جگہ سے اٹھا کر گھر لایا گیا اور ایک مدت تک آپ اس درد سے یوں بیمار رہے کہ لوگ آپ کی عیادت کو آیا کرتے تھے۔

ہاں! مقامِ فنا میں دنیا اور آخرت کی فراوانی میسر ہو جاتی ہے اور (ساک) آخرت کی گرفتاری کو دنیا کی گرفتاری کی مانند سمجھتا ہے، لیکن جب وہ مقام بقا سے مشرف ہوتا ہے اور کام کو تکمیل تک پہنچاتا ہے اور کمالاتِ نبوت اس پر پڑ تو ڈالتے ہیں تو اس مقام میں سب کچھ آخرت کا درد ہی ہوتا ہے اور دوزخ سے پناہ مانگنا ہوتا ہے اور بہشت کی تمنا کرنا ہوتی ہے۔ بہشت کے باغات، نہریں اور حور و غلمان کو دنیا کی چیزوں سے کوئی مناسبت نہیں ہے، بلکہ یہ دونوں غصے اور خوشی کی مانند ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ باغات اور نہریں اور جو کچھ بہشت میں ہے وہ نیک اعمال کے نتائج اور پھل ہیں۔

نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بہشت میں درخت نہیں ہیں، تم وہاں درخت لگاؤ۔ (صحابہ کرامؓ نے) دریافت کیا کہ (وہاں) کس طرح درخت لگائیں؟ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تسبیح و تحمید اور تجید و تہلیل کے ساتھ، یعنی تم سبحان اللہ پڑھو، تاکہ تمہارے لیے بہشت میں ایک درخت کا پودا لگایا جائے۔ پس بہشت کا درخت تسبیح کا نتیجہ ہوا۔ تزیہی کمالات جیسے اس کلمہ (سبحان اللہ) میں حروف اور اصوات کے لباس میں درج کیے گئے ہیں، ایسے ہی بہشت میں ان کمالات کو درخت کے لبادے میں تیار فرماتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ جو کچھ بہشت میں ہے وہ نیک عمل کا نتیجہ ہے اور جو کچھ کمالات و جوبی تعالیٰ و تقدس سے قول و عمل صالح کے لباس میں درج ہوا ہے، بہشت میں (یہ سب) کمالات لذتوں اور نعمتوں کے پردے میں ظہور فرمائیں گے۔ لہذا لازمی طور پر وہ لذتیں اور نعمتیں پسندیدہ اور مقبول ہیں اور دیدار تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

رابعہ (بصری رحمۃ اللہ علیہا) بیچاری اگر اس راز سے آگاہ ہو جاتیں تو بہشت کو جلانے کی فکر نہ کرتیں اور اس کی گرفتاری کو حق جلا و علا کی گرفتاری کے سوانہ سمجھتیں۔ بخلاف دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کے جن کا منشاءِ خبث اور شرارت ہے اور جن کا نتیجہ آخرت کی محرومی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْهُ. یعنی: اللہ سبحانہ ہم کو اس سے محفوظ رکھے۔

یہ لذت اٹھانا اگر شرعی طور پر مباح ہے تو اس کا حساب و کتاب بھی درپیش ہے۔ اگر رحمت و تسکیری نہ فرمائے تو افسوس، صد افسوس! اور اگر شرعی طور پر مباح نہیں ہے تو موردِ وعید ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (سورۃ اعراف، ۲۳) یعنی: اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔

پھر اس لذت اٹھانے کی اُس لذت اٹھانے کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ یہ لذت اٹھانا زہرِ قاتل ہے اور وہ لذت اٹھانا مفید تریاق ہے، لہذا آخرت کا دردِ عام مومنین کو نصیب ہے یا خاص الخاص (لوگوں) کو نصیب ہے۔ خواص اس درد سے پرہیز کرتے ہیں اور کرامت اور بزرگی اس کے خلاف میں سمجھتے ہیں:

ع آں ایشانند من چنینم یارب

یعنی: اے رب! وہ ایسے ہیں اور میں اس طرح ہوں۔

مکتوب نمبر (۳۰۳)

حاجی یوسف مؤذن کے نام تحریر فرمایا۔ اذان کے کلمات کے معانی کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور (اس کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) درود (وسلام) کے بعد۔

جاننا چاہیے کہ نماز کی اذان کے سات کلمات ہیں:

(۱) اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ (اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے، اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اسے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت کی حاجت ہو۔ اس عظیم الشان معنی کی تاکید کے لیے اس کلمہ کو چار بار دہرایا جاتا ہے۔

(۲) اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں)۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی اور ہر عبادت گزار کی عبادت سے بے نیاز ہے اور اللہ سبحانہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(۳) اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)۔

یعنی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اللہ سبحانہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کا طریقہ بناتے والے ہیں۔ حق تعالیٰ کی جنابِ قدس کے لائق صرف وہی عبادت ہے جو آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی تبلیغ اور رسالت سے حاصل ہوئی ہے۔

(۴) حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ (آؤ نماز کی جانب)۔

(۵) حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ (آؤ فلاح کی جانب)۔

یہ دو کلمات نماز کو فلاح سے ہمکنار کرنے والی فرض نماز کی ادائیگی کی جانب بلانے کے لیے ہیں۔

(۶) اَللّٰهُ اَكْبَرُ (اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے)۔

یعنی: اللہ تعالیٰ اس سے بزرگ و برتر ہے کہ کسی کی عبادت اس کی جنابِ قدس کے لائق ہو۔

(۷) لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں)۔

یعنی: صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے، اگرچہ کسی سے ایسی عبادت نہیں ہو سکتی جو اس کی جنابِ قدس کے لائق ہو۔

شانِ نماز کی بزرگی ان کلمات کی عظمت سے معلوم کرنی چاہیے جو نماز کے اعلان کے لیے مقرر ہیں:

ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

یعنی: جو سال اچھا ہوتا ہے وہ اپنی بہار ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُصَلِّينَ الْمُفْلِحِينَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ
وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا. یعنی: اے اللہ! سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات اتہا
واکملہا کے صدقے مجھے فلاح پانے والے نمازیوں میں سے بنادے۔

مکتوب نمبر (۳۰۴)

مولانا عبدالحی کو تحریر فرمایا۔ ان اعمالِ صالحہ کے بیان میں جن سے اللہ تعالیٰ وتقّس نے قرآن (مجید) کی اکثر آیات
میں بہشت میں داخل ہونے کا وعدہ وابستہ کیا ہے۔ نیز شکر کی ادائیگی کے بیان میں اور نماز کے بعض معانی اور اسرار
کے بیان میں۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور (اس کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) درود (وسلام) کے بعد۔
اللہ تعالیٰ تجھے سعادت مند بنائے، جان لو! (فقیر) مدتوں تردد میں تھا کہ وہ اعمالِ صالحہ جن سے حضرت حق سبحانہ و
تعالیٰ نے قرآن (مجید) کی اکثر آیات میں بہشت میں داخل ہونے کا وعدہ وابستہ کیا ہے، آیا یہ سب اعمالِ صالحہ ہیں یا بعض؟
اگر (یہ) سب (مراد) ہیں تو مشکل ہے، کیونکہ کم ہی کوئی آدمی تمام کے بجالانے میں کامیاب ہوا ہوگا اور اگر بعض (مراد) ہیں
تو (یہ) غیر معلوم ہیں اور ان کا تعین نہیں ہوا۔ آخر محض فضل الہی جل سلطانہ سے دل میں آیا کہ شاید اعمالِ صالحہ سے مراد اسلام
کے پانچ ارکان ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ امید ہے کہ اگر یہ پنجگانہ اصولِ کامل طور پر ادا ہو جائیں تو نجات اور فلاح
شامل حال ہوگی، کیونکہ یہ اپنی ذات کی حد تک اعمالِ صالحہ ہیں۔ اور برائیوں اور منکرات سے روکنے والے ہیں۔ (یہ آیت)
کریمہ اس معنی کی گواہ ہے: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ. (سورۃ عنکبوت، ۴۵)
یعنی: بلاشبہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

جب اسلام کے ان پانچ ارکان کی بجا آوری میسر ہو جائے تو اُمید ہے کہ شکر ادا ہو گیا، اور جب شکر ادا ہو گیا تو عذاب
سے ایک نجات حاصل ہوگئی۔ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ. (سورۃ نساء، ۱۴)

یعنی: اور اگر تم (اللہ تعالیٰ کے) شکر گزار رہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔
ان پانچ ارکان کی ادائیگی میں دل و جان سے کوشش کرنی چاہیے۔ خاص کر کے نماز کے قائم کرنے میں، جو دین کا
ستون ہے۔ حتی المقدور اس کے آداب میں سے کسی ادب کے ترک کرنے پر راضی نہیں ہونا چاہیے۔ اگر نماز مکمل کر لی تو اسلام
کا عظیم رکن ہاتھ آ گیا اور نجات کے لیے مضبوط رسی مل گئی۔ وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمُؤَفِّقُ.
یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

جاننا چاہیے کہ نماز میں تکبیر اولیٰ حق تعالیٰ و تقدس کی عبادوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے بے نیازی اور شان کبریائی کی جانب اشارہ ہے اور جو تکبیریں ارکان کے بعد (نماز کے) اندر موجود ہیں وہ اس امر کے رموز و اشارات ہیں کہ یہ رکن جو ادا ہوا ہے، حق تعالیٰ و تقدس کی پاک بارگاہ کی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ رکوع کی تسبیح میں چونکہ تکبیر کے معنی ملحوظ ہیں، (لہذا) رکوع کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم نہیں فرمایا، بخلاف دو سجدوں کے کہ ان کی تسبیحات کے باوجود ان کے اوّل و آخر میں تکبیر کہنے کا حکم فرمایا، تاکہ کوئی آدمی اس وہم میں نہ پڑے کہ سجدے میں چونکہ نہایت عاجزی و انکساری ہے، (لہذا) عبادات کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لیے سجدے کی تسبیح میں لفظ اعلیٰ اختیار کیا ہے اور تکبیر کا تکرار بھی مسنون قرار پایا ہے۔

چونکہ نماز مومن کی معراج ہے، لہذا نماز کے آخر میں ان کلمات کے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے جن سے آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام معراج کی رات مشرف ہوئے تھے۔ پس نماز کی کو چاہیے کہ نماز کو اپنی معراج بنائے اور قرب کی انتہا نماز میں تلاش کرے۔ نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِي الصَّلَاةِ^(۱) یعنی: بندے کو اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب نماز میں نصیب ہوتا ہے۔

نماز کی چونکہ پروردگار عز شائے سے التجا کرنے والا ہے اور حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کرنے والا ہے، لہذا نماز کی ادائیگی کے وقت ضروری ہے کہ اس میں ایک رعب اور ایک ہیبت پیدا ہو جائے، لہذا اس کی تسلی کے لیے نماز کو دو سلاموں پر ختم فرمایا۔

نیز یہ جو حدیث نبویہ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں فرض نماز کے بعد سو بار تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل کا ارشاد ہوا ہے، فقیر کے علم میں اس کا راز یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی میں جو قصور اور کوتاہی واقع ہوئی ہے، اس کی تلافی تسبیح اور تکبیر سے کرنی چاہیے اور نالائق اور اپنی عبادت کے نامکمل ہونے کا اعتراف فرمانا چاہیے۔ چونکہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت کی ادائیگی میسر ہوئی ہے، لہذا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق نہیں بنانا چاہیے۔

امید ہے کہ جب نماز کی ادائیگی شرائط و آداب کے ساتھ واقع ہوگی اور اس کے بعد کوتاہی کی تلافی اور شکر نعمت کی توفیق اور حق تعالیٰ کے سوا کسی کے لائق عبادت ہونے کی نفی ان پاکیزہ کلمات کے ساتھ صمیم قلب سے کی جائے گی تو وہ نماز اللہ جل سلطانہ کی بارگاہ میں قبولیت کے لائق بن جائے گی اور اس نماز والا فلاح پانے والا نمازی ہوگا۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُصَلِّينَ الْمُفْلِحِينَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ. یعنی: اے اللہ! سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ علیہم وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے صدقے مجھے فلاح پانے والے نمازیوں میں سے بنادے۔

مکتوب نمبر (۳۰۵)

میر محبت اللہ کو تحریر فرمایا۔ نماز کے اسرار، مبتدی اور عام آدمی کی نماز اور انتہی کی نماز کے درمیان فرق کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بجد مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ تجھے سعادتمند بنائے، جان لو! کہ فقیر کے نزدیک نماز کے کامل ہونے اور اس کے کمال سے مراد نماز کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات، جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں بیان ہوئی ہے، کو ادا کرنا ہے۔ ان چار اُمور کے علاوہ کوئی اور اُمور نہیں ہے جس کا نماز کے کامل ہونے میں دخل ہو۔ نماز کا خشوع بھی انہی چار اُمور میں درج ہے اور خضوع قلب بھی انہی سے وابستہ ہے۔

ایک جماعت نے ان امور کے علم پر کفایت کر لی ہے اور انہوں نے عمل میں سستی اور غفلت اختیار کی ہے۔ یقیناً وہ نماز کے کمالات سے کم نصیب بن گئے ہیں۔

ایک دوسری جماعت کے لوگ حق سبحانہ کے ساتھ حضور قلب کا اہتمام رکھتے ہوئے ظاہری اعضا سے تعلق رکھنے والے مستحبات میں کم مشغول ہوتے ہیں اور فرائض و سنن پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوئے اور انہوں نے نماز کے کمال کو غیر نماز میں تلاش کیا ہے، کیونکہ انہوں نے حضور قلب کو نماز کے احکام میں سے شمار نہیں کیا۔ جو چیز حدیث میں آئی ہے کہ: لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ^(۱) یعنی: نماز نہیں (کامل ہوتی) مگر حضور قلب سے۔

ہو سکتا ہے کہ اس حضور سے مراد ان چار اُمور کی جانب دل کا حاضر رہنا ہو، تاکہ ان امور میں سے کسی امر کے بجالانے میں کوئی فتور واقع نہ ہو۔ اس حضور کے علاوہ کوئی دوسرا حضور اس وقت اس فقیر کے ذہن میں نہیں آتا۔

سوال: جب نماز کا کامل ہونا اور کمال ان چار اُمور کے بجالانے سے وابستہ ہوا اور ان امور کے علاوہ کوئی دوسرا امر اس کے کمال میں ملحوظ نہیں تو پھر منتہی کی نماز اور مبتدی کی نماز، بلکہ عام آدمی کی نماز، جس میں ان امور کو بجالایا جائے، کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب: فرق عمل کرنے والے کی طرف سے ہے، نہ کہ عمل کی رو سے۔ کیونکہ ایک عمل کا اجر عمل کرنے والوں کے فرق سے مختلف ہوتا ہے۔ جو عمل کسی مقبول اور محبوب عمل کرنے والے سے واقع ہوتا ہے، اس کا اجر اس عمل کے اجر سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے جو اس عمل کرنے والے کے علاوہ کسی غیر کے (ایسے) عمل پر واقع ہوتا ہے، کیونکہ جس قدر عمل کرنے والا عظیم ہوگا، اس کا عمل بھی اتنا ہی زیادہ اجر والا ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ عارف کا دکھلاوے والا عمل مرید کے اخلاص والے عمل سے بہتر ہے۔ پھر کیا (درجہ) ہوگا جب عارف کا عمل اخلاص سے پُر ہو۔ اسی لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو کو اپنے صواب اور قصد سے بہتر سمجھتے ہوئے آنحضرت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کے سہو کی طلب فرماتے ہیں۔ اس مقام میں جہاں کہتے ہیں: يَا لَيْتَنِي كُنْتُ سَهْوً مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

یعنی: اے کاش کہ میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سہو ہوتا۔

گویا یہی آرزو رکھتے تھے کہ مکمل طور پر آنسرو علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا سہو ہوں۔ پس اپنے اعمال و احوال کی تکمیل کو آنسرو علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام و التحیۃ کے عمل سہو سے کم سمجھتے تھے اور پوری تمنا کے ساتھ اپنی تمام نیکیوں کے لیے آنسرو علیہ

وَعَلَىٰ آلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کے سہو کے درجہ میں ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سہو کی مثال آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا چار رکعت والی فرض نماز میں بطور سہو دو رکعت پر سلام پھیرنا ہے، جیسا کہ مروی ہے۔^(۲)

پس منتهی کی نماز پر دنیاوی نتائج و ثمرات کے باوجود آخرت کا بہت زیادہ اجر مرتب ہوتا ہے، بخلاف مبتدی اور عام آدمی کی نماز کے:

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک
یعنی: خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے۔

(فقیر) منتهی کی نماز کی خصوصیات میں سے تھوڑا سا بیان کرتا ہے، اس سے قیاس کر لیں۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ (منتهی) نماز میں قرآن کی قرأت کے وقت اور تسبیحات و تکبیرات کی ادائیگی میں اپنی زبان کو (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے درخت کی مانند پاتا ہے اور اپنے قویٰ اور اعضاء کو آلات اور وسائل سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا اور کبھی اس طرح محسوس کرتا ہے کہ وہ نماز ادا کرتے وقت باطن اور حقیقت کا ظاہر و صورت سے تعلق توڑ کر عالم غیب سے مل گیا ہے اور (اس نے) عالم غیب کے ساتھ مجہول الکفایت نسبت پیدا کر لی ہے اور جب وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو دوبارہ (اس کی جانب) لوٹ آتا ہے۔

یا ہم اصل سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ مذکورہ چار امور کا پوری طرح اور کمال کے ساتھ بجالانا منتهی کو نصیب ہے۔ مبتدی اور عام آدمی اس سے دور ہے کہ اسے ان امور کو کامل اور مکمل طور پر ادا کرنے کی توفیق ملے۔ اگرچہ ممکن اور جائز بھی ہے، لیکن: **إِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ**. (سورۃ بقرہ، ۲۵)

یعنی: بیشک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر گراں نہیں جو عجز کرنے والے ہیں۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اُس پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۰۶)

مولانا صالح کو تحریر فرمایا۔ حقائق آگاہ معارف دستگاہ مخدوم زادہ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ والغفران اور دونوں چھوٹے مخدومزادوں مرحوم و مغفور محمد فرخ اور محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے بعض مناقب و کمالات کے بیان میں۔ نیز اس مکتوب کے آخر میں ارباب ولایت کی فنا کا بیان ہے اور اس چیز کا بیان کہ قرب نبوت میں اس فنا کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. (سورۃ نمل، ۵۹)

یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا۔

میرے بھائی ملا صالح نے سرہند کے لوگوں کے واقعات سن لیے ہوں گے۔ میرے بڑے فرزند (محمد صادق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ (رحمۃ اللہ علیہم) کے ساتھ سفر آخرت اختیار فرمایا۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**. (سورۃ بقرہ، ۱۵۶) یعنی: ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ اوّل اس نے باقی رہ جانے والوں کو صبر کی طاقت عطا فرمائی اور پھر اس مصیبت کو ختم فرمادیا۔

(کسی نے) خوب کہا ہے:

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری
یعنی: میں تجھ سے منہ نہیں موڑوں گا خواہ تو مجھ دکھ ہی دے، کیونکہ عزیزوں سے دکھ اٹھانا اور خوار ہونا بڑی اچھی بات ہے۔
میرا مرحوم فرزند (حضرت محمد صادق قدس سرہ) حق جل و علا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا اور پروردگار عالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ اس چوبیس سالہ عمر میں اس نے وہ کچھ پایا جو کم ہی کسی نے پایا ہوگا۔ اس نے مولویت اور عقلی و نقلی علوم کی تدریس کے مرتبہ کو حد کمال تک پہنچایا تھا، یہاں تک کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح موافق وغیرہ کے پڑھانے کی کامل قدرت رکھتے ہیں۔ اس کی معرفت و عرفان کی حکایتیں اور شہود و کشف کے قصے اس سے بے نیاز ہیں کہ (فقیر) ان کو بیان کرے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ آٹھ سال کی عمر میں اس طرح مغلوب الحال ہو گئے تھے کہ ہمارے حضرت خواجہ (محمد باقی) قدس سرہ ان کے حال کی تسکین کا علاج بازاری کھانوں سے کیا کرتے تھے جو مشکوک اور مشتبہ ہوتے ہیں اور فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے جو محبت محمد صادق سے ہے وہ کسی شخص کے ساتھ نہیں ہے اور اسے جو محبت ہم سے ہے وہ کسی کے ساتھ نہیں ہے۔“ اس بات سے ان (محمد صادق قدس سرہ) کی بزرگی کو پانا چاہیے۔ انہوں نے ولایتِ موسوی (علیہ السلام) کو آخری نقطہ تک پہنچایا تھا اور اس بلند ولایت کے عجائب و غرائب کو بیان فرماتے تھے۔ ہمیشہ عاجز و اطاعت گزار، التجا کرنے والا، زاری کرنے والا، خود کو خوار رکھنے والا اور شکستہ دل رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ”اولیاء میں سے ہر ایک نے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے ایک چیز مانگی ہے اور میں نے التجا اور زاری مانگی ہے۔“

(فقیر) محمد فرخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں کیا لکھے؟ جو گیارہ سال کی عمر میں طالب اور کافیہ خوان بنا تھا۔ سمجھ کے ساتھ سبق پڑھتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دعا کرتا تھا کہ لڑکپن ہی میں کمینی دنیا کو الوداع کہے، تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات پائے۔ مرضِ موت میں جو دوست اس کی عیادت کرتے تھے، انہوں نے اس سے عجائب و غرائب مشاہدہ کیے۔ نیز لوگوں نے جو کرامتیں اور خوارقِ محمد عیسیٰ (رحمۃ اللہ علیہ) سے آٹھ سال کی عمر تک ملاحظہ کی ہیں، ان کے بارے میں (فقیر) کیا لکھے؟ الغرض (تینوں) نفیس جواہر تھے جو امانت کے طور پر (ہمارے) سپرد ہوئے تھے۔
لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ (اللہ سبحانہ کی حمد اور احسان ہے) کہ ہم نے امانت والوں کی امانتوں کو بلا جبر واکراہ ان کے حوالے کر دیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَخْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔ یعنی: اے اللہ! سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے صدقے ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کر اور ان کے بعد فتنہ میں نہ ڈال:

ع از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

یعنی: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو وہ بہت بھلی ہے۔

جاننا چاہیے کہ فنا، جس سے مراد حق سبحانہ کے ماسوا کی فراموشی ہے، وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ماسوا کی محبت و گرفتاری ختم ہو جائے۔ کیونکہ جب چیزوں کی ذوات و صفات اور افعال نگاہ و علم سے زائل ہو جائیں تو لازمی طور پر ان کی گرفتاری و محبت بھی

زوال پذیر ہو جائے گی۔ ولایت کے راستے میں حق جل وعلا کے ماسوا کی گرفتاری کے زوال کے لیے ماسوا کی فراموشی سے چارہ نہیں ہے۔ قربِ نبوت کے درجات میں چیزوں کی گرفتاری کے زوال کے لیے چیزوں کی فراموشی کی ہرگز ضرورت نہیں ہے، کیونکہ قربِ نبوت میں اصل کے ساتھ گرفتاری بذاتِ خود حسین اور جمیل ہے، وہ نہیں چھوڑتی کہ چیزوں کے ساتھ گرفتاری جو اپنی حد میں نہایت بری اور غیر مستحسن ہے، اس کا کوئی نام و نشان بھی (باقی) رہے، خواہ چیزیں فراموش ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ چیزوں کے علم نے چیزوں کے ساتھ گرفتاری، جو کہ جنابِ قدس تعالیٰ کی بارگاہ سے اعراض ہے، کی وجہ سے برائی کی صفت پیدا کر لی تھی اور جب چیزوں کی گرفتاری زائل ہوگئی تو پھر چیزوں کا علم بھی مذموم نہ رہا۔ چیزوں کا علم کس طرح مذموم ہو سکتا ہے، جبکہ تمام چیزیں حق جل سلطانہ کے علم میں ہیں اور ان کا علم صفاتِ کاملہ میں سے ہے۔

(سوال): اگر کہیں کہ جب حق جل وعلا کے ماسوا کا علم زائل نہیں ہوتا تو پھر حق جل وعلا کا علم، حق جل وعلا کے علم ماسوا کے ساتھ ایک وقت میں کس طرح جمع ہو سکتا ہے؟ پس حق تعالیٰ کے ماسوا کی فراموشی سے چارہ نہیں ہے۔

(جواب): ہم کہتے ہیں کہ جو علم چیزوں سے تعلق رکھتا ہے وہ علم حصولی کی قسم میں سے ہے، اور جو علم حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے وہ علم حضوری کے مشابہ ہے۔ پس ہر دو علم ایک وقت میں جمع ہو سکتے ہیں اور کوئی مشکل لازم نہیں آتی۔ مشکل اس وقت لازم آتی ہے جب ہر دو علم حصولی ہوں۔ ہم نے جو یہ کہا کہ وہ علم حصولی کی قسم میں سے ہے اور علم حضوری کے مشابہ ہے، اس لیے کہا ہے کہ اس جگہ نہ حصول کی حقیقت ہے اور نہ حضور کی گنجائش۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کا علم جو اشیاء سے تعلق رکھتا ہے، وہ حصولی نہیں ہے۔ کیونکہ حوادث (ممکنات) کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں کوئی حلول اور حصول نہیں ہے اور اس عارف کا علم اس علم کا پر تو ہے۔ جو علم حضرت حق سبحانہ سے متعلق ہے اُس کو حضوری بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ حق تعالیٰ مدرک کے ادراک سے بھی زیادہ قریب ہے۔ علم حضور کو اس علم کے ساتھ وہی نسبت ہے جو علم حصولی کو علم حضوری کے ساتھ ہے۔ یہ معرفت عقل و فکر کی نظر سے بالاتر ہے۔ مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَقْدِرْ^(۱)۔ یعنی: جس نے نہیں چکھا اُس نے نہیں پایا۔

پس ثابت ہوا کہ چیزوں کا علم حق (تعالیٰ) کے علم کے منافی نہیں۔ لہذا چیزوں کی فراموشی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بخلاف ولایت کے راستے کے، جس میں چیزوں کی گرفتاری کا زوال چیزوں کی فراموشی کے بغیر متصور نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت میں ظلال کے ساتھ گرفتاری ہے۔ ظلال کے ساتھ گرفتاری کو اس قدر قوت (حاصل) نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے علم کے باوجود، چیزوں کی گرفتاری کو زائل کر سکے، اس لیے اول چیزوں کی فراموشی سے چارہ نہیں ہے، تاکہ گرفتاری زائل ہو جائے۔ یہ ایک ایسی معرفت ہے جو اس درویش (حضرت مجددِ قدس سرہ) کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور (شخص) نے اس کے بارے میں بات نہیں کی ہے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

مکتوب نمبر (۳۰۷)

مولانا عبدالواحد لاہوری کو تحریر فرمایا۔ کلمہ طیبہ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ کے معنی کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور (اس کے رسول مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) درود (وسلام) کے بعد۔

جاننا چاہیے کہ عبادت کرنے والا عبادت ادا کرتے وقت اپنی عبادت میں حسن و کمال کی قسم سے جو کچھ پاتا ہے وہ سب حق جلِ سلطٰنہ کی توفیق کی جانب لوٹتا ہے اور حق تعالیٰ کے حسنِ تربیت اور احسان میں سے ہے۔ اور وہ جو کچھ اپنی عبادت میں قصور اور کوتاہی کی قسم سے پاتا ہے وہ سب کچھ اس کے نفس کی جانب لوٹتا ہے اور اس کی فطری شرارت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہِ پاک میں نقص و قصور کی قسم سے کوئی چیز نہیں لوٹ سکتی۔ وہاں سب خیر اور کمال ہی ہے۔ اس طرح جو کچھ عالم میں واقع ہوتا ہے اس کا حسن اور کمال حق تعالیٰ کی بارگاہِ پاک کی جانب لوٹتا ہے اور اس کا شر اور نقص ممکنات کے دائرہ کی جانب عود کرتا ہے جو نیستی میں قدم راسخ رکھتا ہے، کیونکہ عدم ہر شر اور نقص کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔

کلمہ طیبہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ (اللہ پاک ہے اور اُسی کے لیے حمد ہے) بڑی بلاغت سے ان دو چیزوں کو بیان فرماتا ہے اور شرور و نقائص میں سے جو کچھ حق تعالیٰ کی پاک بارگاہ کے شایانِ شان نہیں ہے، اس سے حق تعالیٰ کے تنزیہ و تقدیس کے کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی صفات و افعالِ جمیلہ اور انعامات و احساناتِ جزیلہ پر شکر حمد کی عبارت میں ادا کرتا ہے جو ہر شکر کی اصل ہے۔

اسی وجہ سے حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات میں آیا ہے کہ جو شخص اس کلمہ طیبہ کو دن یا رات میں ایک سو بار پڑھے تو کوئی شخص بھی عمل میں اس دن یا اس رات میں اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا، مگر صرف وہ شخص جو اس کی طرح اس کلمہ طیبہ کو پڑھے۔ برابری کس طرح کر سکتا ہے، کیونکہ اس کا ہر عمل اور عبادت حق جلِ سلطٰنہ کے شکروں میں سے ایک شکر کی ادائیگی ہے جو اس کلمہ طیبہ کے ایک جزو سے ادا ہو گیا ہے اور اس کا دوسرا جزو جو حق تعالیٰ کے تنزیہ و تقدیس کو بیان کرتا ہے، وہ (اس کے علاوہ ہے۔ پس تم پر اس کلمہ طیبہ کو دن اور رات میں ایک سو بار پڑھنا لازم ہے اور اللہ سبحانہ توفیق بخشنے والا ہے۔

سوال: حدیث نبوی علیہ علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات میں آیا ہے: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمَدَادَ كَلِمَاتِهِ^(۱) یعنی: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اسی کے لیے سب تعریفیں ہیں، اس کی مخلوق کی تعداد میں اور ایسی عمدہ تسبیح جو اس کی رضا کے مطابق ہو اور عرش کے وزن کے برابر ہو اور اس کے کلمات کی مقدار کے برابر ہو۔

نیز (حدیث میں) آیا ہے: سُبْحَانَ اللَّهِ مِلًّا الْمِيزَانِ^(۲) یعنی: سبحان اللہ میزان کو بھر دیتا ہے۔

نیز (حدیث میں) آیا ہے: اَلْحَمْدُ لِلَّهِ اَضْعَافَ مَا حَمَدَهُ جَمِيعُ خَلْقِهِ^(۳)۔

یعنی: اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، اس سے کئی گنا زیادہ جو اس کی سب مخلوق نے کی ہیں۔

(جبکہ) کہنے والے نے ایک بار سے زیادہ نہیں کہا ہے اور ایک بار سے زیادہ تعداد واقع نہیں ہوئی، اس کو ”تمام مخلوق کی تعداد“ میں کس اعتبار سے کہتے ہیں؟ اور ”اس کی رضا کے مطابق“ کس معنی میں کہا جاتا ہے؟ اور وہ ”عرش کے وزن کے برابر“ کس طرح ہے؟ اور ”اس کے کلمات کی مقدار کے برابر“ کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اور میزان کو کس طرح پُر کر سکتا ہے؟ اور اس کی تمام تعریفوں کے برابر کس معنی میں کہا جاسکتا ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ انسان عالم خلق اور عالم امر کا جامع ہے، (لہذا) جو کچھ (عالم) خلق اور (عالم) امر میں ہے وہ انسان میں زائید شے کے ساتھ موجود ہے اور وہ اس کی ہیئت وحدانی ہے جو خلق و امر کی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے اور یہ ہیئت وحدانی انسان کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہوئی ہے۔ یہ ہیئت ایک عجیب چیز اور ایک نادر نمونہ ہے، لہذا جو حمد انسان سے واقع ہوتی ہے وہ تمام مخلوق سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ اسی قیاس پر دوسرے سوالوں کا حل سمجھ لو۔

پس تمام مخلوق سے مراد انسان کے علاوہ (دوسری مخلوق) یعنی چاہیے اور اگر انسان کو بھی داخل کریں تو ہم کہتے ہیں کہ انسان کامل جس طرح عالم کے سب افراد کو اپنے اجزا پاتا ہے اور انسان کو بھی اسی طرح اپنے اجزا پاتا ہے اور خود کو سب کا گل جانتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنی حمد کو تمام جہان کی حمد سے کئی گنا زیادہ پاتا ہے اور سب افراد انسانی کی حمد سے بھی کئی گنا زیادہ پائے گا۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ مِنَ الصَّلٰوٰتِ اَتْمَہَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ اَکْمَلُہَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے، اُسے سلامتی نصیب ہو۔

مکتوب نمبر (۳۰۸)

مولانا فیض اللہ پانی پتی کو تحریر فرمایا۔ حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام: کَلِمَتَانِ خَفِیَّتَانِ عَلٰی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلٰی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ کے معنی کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت بخشے۔ آپ علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے (ارشاد) فرمایا ہے: کَلِمَتَانِ خَفِیَّتَانِ عَلٰی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلٰی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔^(۱)

یعنی: دو کلمات ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے، میزان میں بھاری (اور) رحمن (اللہ تعالیٰ) کو محبوب ہیں (اور وہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ (اللہ پاک ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے، اللہ پاک اور بہت عظیم ہے)۔

ان کے زبان پر ہلکا ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے حروف کم ہیں، لیکن میزان میں بھاری ہونا اور رحمن (اللہ تعالیٰ) کو محبوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کلمہ کا پہلا حصہ ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ ان سب چیزوں سے پاک و منزہ ہے جو اللہ سبحانہ کی بارگاہ مقدس کے لائق نہیں ہیں اور اس کی ذات کبریٰ نقص کی صفات اور حدوث و زوال کے نشانات سے مبرا اور پاک ہے۔ (اور اس کلمہ کا) دوسرا حصہ ثابت کرتا ہے کہ سب صفات کمال اور شیونات جمال حق تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، چاہے وہ صفات و شیونات فضائل میں سے ہوں یا فواضل میں سے۔ دونوں حصوں میں اضافت استغراق کے لیے ہے، تاکہ کسب تزیہات اور

تقدیسات اور سب صفات کمال و جمال حق سبحانہ و تعالیٰ ہی کے اثبات کا فائدہ دیں۔ پس کلمہ کے پہلے دو حصوں کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ سب تمزیہات اور تقدیسات اللہ سبحانہ ہی کی طرف لوٹی ہیں اور اس کے ساتھ عظمت و کبریائی کا ثبوت بھی اللہ عزوجل کے لیے ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ سب نقائص کا اللہ سبحانہ سے مسلوب ہونا اس کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے ہے۔ پس یقیناً یہ کلمات میزان میں بھاری اور رحمن (اللہ تعالیٰ) کے ہاں محبوب ہیں۔

اسی طرح تسبیح توبہ کی کنجی ہے، بلکہ توبہ کا نچوڑ اور خلاصہ ہے جیسا کہ میں نے (اپنے) بعض مکتوبات میں ثابت کیا ہے۔ پس تسبیح گناہوں کو مٹانے اور برائیوں کی معافی کا وسیلہ ہوئی۔ پس یقیناً یہ میزان میں بھاری اور نیکیوں کے پلڑے کو جھکانے والی ہوئی اور رحمن (اللہ تعالیٰ) کو پیاری ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

ایسے ہی تسبیح (اور) حمد کرنے والا جب حق تعالیٰ کی ذات مقدس کو ان چیزوں سے پاک ظاہر کرتا ہے جو اس کے لائق نہیں ہیں اور کمال و جمال کی سب صفات کو حق تعالیٰ کے لیے ثابت کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ کریم اور وہاب جل شانہ بھی تسبیح کرنے والے کو بھی ان سب باتوں سے پاک کر دے گا جو اس کے لیے شائستہ نہیں اور حمد کرنے والے میں کمال کی صفات پیدا فرمادے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ. (سورۃ رحمن، ۶۰) یعنی: نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں۔

پس یقیناً (یہ) دونوں کلمات میزان میں بھاری ہیں، کیونکہ ان کے تکرار کی وجہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں (اور یہ) رحمن (اللہ تعالیٰ) کو محبوب ہیں، کیونکہ ان کے ذریعے پسندیدہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۰۹)

مولانا حاجی محمد فرقتی کو تحریر فرمایا۔ دن رات کے محاسبہ کے بیان میں، جیسا کہ آیا ہے: حَاسِبُوا قَبْلَ أَنْ تُحَاسِبُوا.

(اپنا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے)۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ وَتَبْلِيغِ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام و دعا پیش کرنے کے بعد۔

(فقیر) التماس کرتا ہے کہ مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ایک جماعت نے محاسبہ کا طریقہ اختیار کیا ہے اور وہ رات کو سونے سے پہلے دن بھر کے اپنے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کے دفتر کا ملاحظہ کرتے ہیں اور ہر ایک کی حقیقت کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا توبہ و استغفار اور التجا و زاری سے تدارک فرماتے ہیں۔ اور اپنے نیک اعمال و افعال کو حق تعالیٰ کی توفیق سمجھتے ہوئے اللہ جل سلطانہ کی حمد اور شکر میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

صاحب ”فتوحات مکیہ“ (شیخ ابن عربی) قدس سرہ محاسبہ کرنے والوں میں شامل ہو کر فرماتے ہیں: ”میں نے اپنا محاسبہ کرنے میں دوسرے مشائخ سے اضافہ کیا ہے اور میں نے اپنے وسوسوں اور نیتوں کا بھی محاسبہ کیا ہے۔“

(اس) فقیر کے نزدیک سونے سے پہلے ایک سو بار تسبیح (سبحان اللہ)، تجمید (الحمد للہ) اور تکبیر (اللہ اکبر) کا اس طرح پڑھنا جس طرح کہ مخبر صادق (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہ و علی آلہ الصلوٰات والتسلیمات سے ثابت ہوا ہے، محاسبہ کا حکم رکھتا ہے

اور محاسبہ کا کام کرتا ہے۔ گویا (بندہ) کلمہ تسبیح جو توبہ کی چابی ہے، کے تکرار سے اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی عذرخواہی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات مقدس اس کو اس سے صادر ہونے والے گناہوں سے پاک و صاف فرمادیتا ہے، کیونکہ برائیوں کا ارتکاب کرنے والا اگر امر و نواہی کے حکم فرمانے والی ذات مقدس کی عظمت و کبریائی کو ملحوظ خاطر اور پیش نظر رکھتا تو ہر گز حق تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی میں جلدی نہ کرتا۔ جب اس نے جلدی کی تو معلوم ہوا کہ ارتکاب کرنے والے کے نزدیک حق تعالیٰ کے امر و نواہی کا کوئی شمار اور اعتبار نہ تھا۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ سُبْحَانَهُ مِنْ ذَلِكَ۔ یعنی: اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

پس (بندہ) اس کلمہ تزییہ (پاک کرنے والے کلمہ) کی تکرار کر کے اس (مذکورہ) کوتاہی کی تلافی کرتا ہے۔
جاننا چاہیے کہ استغفار میں گناہ کی پردہ پوشی کی طلب ہے اور کلمہ تزییہ (پاک کرنے والے کلمہ) کے تکرار میں گناہ کو جڑ سے اکھیڑنے کی طلب ہے۔ پس یہ اس جیسا کیسے ہو سکتا ہے؟ سبحان اللہ ایک عجیب کلمہ ہے جس کے الفاظ انتہائی کم اور اس کے معانی اور منافع بہت ہی زیادہ ہیں۔

کلمہ تحمید (الحمد للہ) کی تکرار سے (بندہ) اللہ جل سلطانہ کی توفیق کے شکر کو بجالاتا ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا فرماتا ہے اور کلمہ تکبیر (اللہ اکبر) کے تکرار میں اس جانب اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات مقدس اس سے بلند تر ہے کہ یہ عذرخواہی اور شکر اللہ جل شانہ کے شایان شان ہو، کیونکہ اس کی عذرخواہی اور استغفار بہت ہی زیادہ عذرخواہیوں اور استغفارات کا محتاج ہے اور بندے کا شکر کرنا اور حمد کرنا خود اس کی اپنی ذات کی طرف لوٹتا ہے۔ سُبْحَنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ۔ وَسَلِّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (سورۃ صافات، ۱۸۰-۱۸۲)

یعنی: یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار، جو صاحب عزت ہے، اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام ہو اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے۔

محاسبہ کرنے والے استغفار اور شکر پر اکتفا کرتے ہیں اور ان کلمات قدسیہ سے بھی استغفار کا کام حاصل ہوتا ہے اور شکر بھی ادا ہو جاتا ہے اور نیز استغفار اور شکر کے نقص کے اظہار کی جانب اشارہ بھی میسر ہو جاتا ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (سورۃ بقرہ، ۱۲۷) وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ الطَّاهِرِينَ وَسَلِّمَ وَبَارَكَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ۔ یعنی: اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اور ہمارے سردار (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل (اطہار) اور پاکیزہ صحابہ (کرام) پر درود و سلام اور برکت نازل ہو۔

مکتوب نمبر (۳۱۰)

مولانا محمد ہاشم کو تحریر فرمایا۔ انسان کی جامعیت اور بعض پوشیدہ اسرار جو اس مقام سے متعلق ہیں، کے بیان میں اور جو کچھ اس کے مناسب ہے۔

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ۔

یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد اور (اس کے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) درود (وسلام) کے بعد۔

(فقیر) واضح کرتا ہے کہ انسان میں جو بھی کمالات ہیں وہ تمام مرتبہ وجوبِ تعالیٰ و تقدس سے مستفاد ہیں۔ اگر علم ہے تو وہ بھی اسی مرتبہ سے مستفاد ہے اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اسی مرتبہ کی قدرت سے ماخوذ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن ہر مرتبہ کا کمال اس مرتبہ کے اندازہ کے مطابق ہے۔ انسان کا علم واجبِ تعالیٰ و تقدس کے علم کے سامنے مردے کا حکم رکھتا ہے جو اس زندے کی نسبت محض لاشے ہے جس نے ابدی زندگی پالی ہو۔ اسی طرح انسان کی قدرت واجبِ تعالیٰ و تقدس کے سامنے اس مکڑی کا حکم رکھتی ہے جو اپنا گھر (جالا) بناتی ہے اُس شخص کے مقابلے میں جس کے ایک پھونک مارنے سے (سارے) آسمان وزمین اور پہاڑ و سمندر پارہ پارہ ہو جائیں اور ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی مانند اڑ جائیں۔ دوسرے کمالات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ یہ فرق عبارت کی تنگی کی وجہ سے بیان کیا جاتا ہے، ورنہ:

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک
یعنی: خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے۔

پس انسان کے کمالات مرتبہ وجوبِ تعالیٰ و تقدس کے کمالات کی صورت میں ہوئے اور ان کمالات نے اس مرتبہ کے کمالات سے نام کی مشارکت کے سوا کوئی اور چیز حاصل نہیں کی ہے۔ اسی مقام سے ہے: إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ^(۱) یعنی: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

اور اس (حدیث) کے معنی اس بیان سے واضح ہو جاتے ہیں: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ^(۲)۔

یعنی: جس شخص نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

کیونکہ جو کچھ نفس میں ہے اگرچہ وہ صورت میں ہے اور وہی کچھ ہے جس کی حقیقت مرتبہ وجوبِ تعالیٰ و تقدس میں حاصل ہے۔ اس جگہ سے انسان کی خلافت کا راز معلوم کرنا چاہیے، کیونکہ شے کی صورت ہی شے کا خلیفہ ہے۔ اس مقام میں زندیقوں اور (خدا کے) جسم کے قائل لوگوں نے گمان کیا ہے کہ اللہ عز و جل سلطانہ انسان کی صورت میں ہے اور انہوں نے اپنی بے عقلی سے انسانی قویٰ و اعضا کو حضرت حق جل سلطانہ کے لیے ثابت کیا ہے۔ ضَلُّوا فَاصْلُوا^(۳)۔

یعنی: یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرے کو بھی گمراہ کیا ہے۔

وہ نہیں سمجھے کہ حضرت (حق سبحانہ) کے لیے صورت و مثل کا اطلاق کرنا تشبیہ و تمثیل کی قسم سے ہے، نہ کہ تحقیق اور ثبوت

کے طور پر۔

کیونکہ اس کی صورت کی حقیقت ترکیب چاہتی ہے اور تجبُّض اور تجرُّی (ٹکڑے ٹکڑے اور اجزا اجزا ہونا) چاہتی ہے جو وجوب کے منافی اور قدم (ہیئگی) کے مانع ہے۔ قرآنی تشابہات بھی ظاہری معنوں سے پھیر کر تاویل کرنے پر محمول ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ. (آل عمران، ۷)

یعنی: اس تشابہ کی تاویل اللہ عز و جل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پس معلوم ہوا کہ تشابہ اللہ جل و علا کے نزدیک بھی تاویل پر محمول ہے اور ظاہری معنی پر محمول نہیں ہے۔ (اللہ تعالیٰ) راسخ علماء کو بھی اس تاویل کے علم سے ایک حصہ عطا فرماتا ہے۔ جس طرح کہ علم غیب سے جو حق سبحانہ سے مخصوص ہے،

(اپنے) خاص رسولوں کو اطلاع بخشتا ہے۔ اس تاویل کو تو اس طرح خیال نہ کر کہ جس طرح ید (ہاتھ) کی تاویل قدرت سے ہے اور وجہ (چہرہ) کی تاویل ذات سے ہے۔ حاشا وکلاً (ہرگز ایسا نہیں ہے)۔ بلکہ یہ تاویل ان اسرار میں سے ہے، جن کا علم (اللہ تعالیٰ) خاص الخاص لوگوں کو عطا فرماتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ صاحب فتوحات مکیہ اور ان کے پیروکار کہتے ہیں کہ جس طرح واجب تعالیٰ و تقدس کی صفات واجب تعالیٰ کی ذات کا عین ہیں، اسی طرح یہ صفات بھی ایک دوسرے کا عین ہیں۔ مثلاً علم جس طرح ذات کا عین ہے اُسی طرح قدرت کا عین ہے اور عین ارادت بھی ہے اور عین سمع اور عین بصر بھی۔ عَلٰی هَذَا الْقِيَاسِ سَائِرُ الصِّفَاتِ۔
یعنی: دوسری صفات کو بھی اس طرح قیاس کرو۔

فقیر کے نزدیک یہ بات سچائی سے دور ہے، کیونکہ یہ بات صفات زائدہ کے وجود کی نفی پر مبنی ہے جو اہل سنت و جماعت کے مذہب کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ صفات ثمانیہ یا سبغہ (آٹھ صفات یا سات) ان بزرگواروں کی آراء کے مطابق خارج میں موجود ہیں، شاید کہ ذات و صفات واجب تعالیٰ و تقدس کی عینیت کا وہم ان لوگوں کو اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ انہوں نے اس مقام کے فرق و تضاد کو اس مقام کے فرق و تضاد کی صورت میں خیال کر لیا ہے، اور جب اس کو اس مقام کی مانند نہ پایا جو ہماری ذات و صفات کی مانند ہے اور اس کے امتیاز کو اس کے امتیاز کے مشابہ نہ دیکھا تو ناچار انہوں نے فرق اور امتیاز کی نفی کر دی اور ایک دوسرے کی عینیت کے قائل ہو گئے اور انہوں نے نہ سمجھا کہ اس مقام کے امتیاز و تضاد ذات و صفات واجب تعالیٰ و تقدس کی مانند بے مثل و بے کیف ہیں اور اس امتیاز کو اس امتیاز سے کوئی نسبت نہیں ہے، مگر صرف صورت اور نام میں۔ پس تضاد اور امتیاز اس مقام میں متحقق ہے اور ہم اس کے ادراک سے عاجز ہیں، نہ یہ کہ جو کچھ ہم درک نہیں کر سکتے، اس کی نفی کر دیں اور اہل حق کے مخالف ہو جائیں۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُطَهِّرُ لِلصَّوَابِ۔
یعنی: اور اللہ سبحانہ صحیح بات کا الہام کرنے والا ہے۔

مکتوب نمبر (۳۱۱)

فیض الہی کے مظہر اور نائتا ہی اسرار کے منبع، مخدوم زادہ (حضرت) خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔ دقیق اسرار اور نادر حقائق کو رمز و اشارہ کے طور پر بیان کرنے میں۔
یہ اسرار حروف مقطعات سے تعلق رکھتے ہیں جو قرآنی مشابہات میں سے ہیں، جن کی تاویل سے راسخ علماء کو اطلاع دی گئی ہے۔ مثلاً ”اللّٰهُمَّ“ کے بارے میں:

ہائے دو چشمی است مربی ما ہجو الف رب حبیب خدا
لام مربی خلیل اللہ است میم ز تدبیر کلیم آگہ است

یعنی: ہائے دو چشمی ہماری مربی ہے، جس طرح الف حبیب خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مربی ہے۔

♦ لام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا مربی ہے اور میم حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی تدبیر سے آگاہ ہے۔

حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ کا مبداء الف کی حقیقت ہے اور اس حقیر کے معاملہ کا مبداء بھی تبعیت

(پیروی) اور وراثت کے طور پر یہی الف کی حقیقت ہے۔ لیکن حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بازگشت (رجوع) میم کی حقیقت کی جانب ہے اور اس حقیر کی بازگشت (رجوع) ہائے دوچشمی کی طرف ہے۔ اس وقت میرا مرجع اور جائے پناہ یہی ”ہا“ کی حقیقت ہے۔ یہ حقیقت وہی ہے جسے ”غیب ہویت“ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حقیقت رحمت کا خزانہ ہے۔ ایک رحمت جو دنیا میں پھیلائی گئی ہے اور ننانوے رحمتیں جو آخرت کے لیے ذخیرہ ہوئی ہیں، ان سب کی جائے قرار اور امانت گاہ یہی حقیقت ہے۔ گویا اس کا ایک چشمہ دنیا کی رحمت کا مخزن ہے اور دوسرا چشمہ آخرت کا خزانہ ہے۔ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ (نہایت رحم کرنے والے) کی صفت اسی حقیقت سے عیاں ہوتی ہے۔

اس مقام میں صرف جمال کا ظہور ہے جس میں جلال کے شائبہ نے راہ نہیں پائی ہے۔ دوستوں کو دنیا میں محنت اور غم کی قسم سے جو کچھ دیتے ہیں وہ جمال کی تربیت ہے جو جلال کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے اور دشمنوں کو جو کچھ نعمت اور خوشی کی قسم سے دیتے ہیں وہ جلال کا ظہور ہے جو جمال کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی اللہ جل سلطانہ کی خفیہ تدبیر ہے:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ (سورۃ بقرہ، ۲۶)

یعنی: اس سے (اللہ تعالیٰ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔

حضرت خاتم النبیین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات کے کاروبار کا مبداء وہ حقیقت ہے جو الف کی حقیقت کے اوپر ہے اور اسی طرح حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء بھی وہی فوقانی حقیقت ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات اتمہا واکملہا کے مبداء کی حقیقت اس حقیقت کا اجمال ہے اور حضرت علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبداء کی حقیقت اس کی تفصیل ہے۔ حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات اتمہا واکملہا کی بازگشت (رجوع) الف کی حقیقت ہے اور حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی بازگشت (رجوع) لام کی حقیقت ہے۔ ہاں! اجمال کو وحدت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے، لہذا لازمی طور پر اس کو الف کی طرف رجوع میسر ہوا جو وحدت کے قریب ہے۔ اور تفصیل کثرت سے زیادہ مناسبت رکھتی تھی، لہذا لازمی طور پر بازگشت (رجوع) لام کی جانب حاصل ہوا جو کثرت کے نزدیک ہے۔ پس حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبداء بھی کثیر البرکت ہیں اور معاد اور مرجع میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ سید البشر علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام درود اور برکت حضرت خلیل علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے درود اور برکت جیسا طلب فرماتے ہیں۔ اللہ کے اسماء میں ان کا مرتبہ صفات کے مرتبہ سے بلند ہے۔ حضرت خاتم الرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تسلیمات کا رُب اسم مبارک ”اللہ“ تعالیٰ شانہ ہے اور اس حقیر کا رُب اسم مبارک ”الرحمن“ جل وعلا ہے۔ چونکہ اس حقیر کو مبداء کے اعتبار سے حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مناسبت ہے، لہذا لازمی طور حضرت (کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے بہت زیادہ برکات حقیر کو نصیب ہوئی ہیں۔ اگرچہ اس حقیر کی ولایت، ولایت موسوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نہیں ہے، لیکن (یہ) اس ولایت کی برکات سے لبریز ہے اور اس سے بہت زیادہ ترقیاں حاصل ہوئی ہیں۔ جو استفادہ اس حقیر نے اس ولایت سے کیا ہے، وہ اس ولایت کے جمال کے راستے سے کیا ہے اور میرے بڑے فرزند (محمد صادق) رحمۃ اللہ علیہ نے اس ولایت سے تفصیل کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ اس فقیر کی ولایت جو ولایت موسوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

سے مستفاد ہے وہ اس مومن آدمی کی ولایت کے مشابہ ہے جو آلِ فرعون سے تھا اور میرے فرزند (محمد صادق) رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت فرعون کے ان جادوگروں کے مشابہ ہے جو ایمان لے آئے تھے۔ والسلام۔

مکتوب نمبر (۳۱۲)

میر محمد نعمان کو تحریر فرمایا۔ ان سوالات کے جواب میں جو انہوں نے پوچھے تھے اور اس جگہ شہادت کی انگلی کے اشارہ کی تحقیق ہے اور اس بارے میں علمائے حنفیہ کا جو مختار (مذہب) ہے (اس کا بیان)۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلَى إِخْوَانِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَعَلَى عِبَادِ الصَّالِحِينَ أَجْمَعِينَ. یعنی: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ سید المرسلین (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب بھائیوں انبیاء والمرسلین اور مقربین فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر درود و سلام ہو۔

جو مکتوب شریف آپ نے ملا محمود کے ذریعے ارسال کیا تھا وہ پہنچا۔ اس نے بہت زیادہ خوشی پہنچائی۔ آپ نے پوچھا تھا کہ علماء کہتے ہیں کہ مدینہ (منورہ) میں روضہ متبرکہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی زمین مکہ معظمہ سے بزرگ تر (افضل) ہے۔ باوجود اس کے کعبہ معظمہ کی صورت و حقیقت، صورت و حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی مسجود الیہ ہے، لہذا روضہ متبرکہ کی زمین کس طرح بزرگ تر (افضل) ہوئی؟

میرے مخدوم! جو کچھ اس فقیر کے نزدیک ثابت ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ سب جگہوں سے بہتر جگہ کعبہ معظمہ ہے، اس کے بعد مدینہ (منورہ) میں روضہ متبرکہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والختیہ، اس کے بعد حرم مکہ حَرَسَهَا اللَّهُ تَعَالَى عَنِ الْآفَاتِ (اللہ اسے آفتوں سے محفوظ فرمائے) کی زمین۔ اگر علماء نے روضہ متبرکہ کو مکہ معظمہ سے بہتر کہا ہے تو اس سے ان کی مراد کعبہ مقدسہ کے علاوہ مکہ معظمہ کی (دوسری) زمین ہوگی۔

ایسے ہی آپ نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کے جائز ہونے کے متعلق پوچھا تھا (اور) حضرت مولانا علم اللہ مرحوم نے (اس ضمن میں) جو رسالہ لکھا ہے وہ بھیجا ہے کہ اس بارے میں آپ کا حکم کیا ہے؟

میرے مخدوم! احادیث نبویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام شہادت کی انگلی کے اشارہ کے جائز ہونے کے بارے میں بہت زیادہ وارد ہوئی ہیں اور فقہ حنفیہ کی بعض روایات بھی اس ضمن میں آئی ہیں، جیسا کہ مولانا نے ان کو نقل کیا ہے۔ جب فقہ حنفی کی کتابوں میں اچھی طرح ملاحظہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے روا ہونے کی روایتیں اصول روایات کے خلاف ہیں اور ظاہر مذہب کے بھی خلاف ہیں۔ اور امام محمد شیبانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو کہا ہے کہ: ”رسول صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے اور ہم بھی ایسے ہی کرتے ہیں جیسے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے۔“ بعد ازاں وہ (حضرت امام محمدؒ) کہتے ہیں کہ ”یہی میرا قول ہے اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔“ (یہ) نادر روایات میں سے ہیں، روایاتِ اصول میں سے نہیں ہے۔ فتاویٰ غرائب میں ہے کہ محیط میں آیا ہے کہ ”کیا نمازی اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟“ (لیکن امام) محمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے اصل (مبسوط) میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں کیا اور مشائخ کا اس میں

اختلاف رہا ہے۔ ان میں کچھ ہیں جنہوں نے کہا کہ اشارہ نہ کرے اور کچھ نے کہا ہے کہ کرے۔ (امام) محمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے روایت اصول کے علاوہ نبی (کریم) صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اشارہ کرتے تھے۔ بعد ازاں (حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے) کہا ہے کہ ”یہی میرا قول ہے اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔“ نیز (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ بلاشبہ (اشارہ کرنا) سنت ہے۔ اور (یہ بھی) کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ یہ وہ ہے جو اس (فتاویٰ غرائب) میں علماء نے لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ (کرنا) حرام ہے۔ نیز (فتاویٰ) ”سراجیہ“ میں ہے کہ: ”اور نماز میں اَشْهَدَانِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا مکروہ ہے۔“ اور یہی مختار (مذہب) ہے۔

نیز ”کبریٰ“ میں بھی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے۔ ”فتاویٰ غیاثیہ“ میں ہے کہ تشہد کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے۔ مختار یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

نیز ”جامع الرموز“ میں ہے کہ نہ اشارہ کرے اور نہ گرہ لگائے اور ہمارے اصحاب کا یہی ظاہر اصول ہے، جیسا کہ ”زاہدی“ میں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، جس طرح کہ ”مضمرات“، ”ولوالجی“ اور ”خلاصہ“ وغیرہ میں ہے اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ یہ سنت ہے۔ خزانہ الروایات میں ”تاتارخانیہ“ سے منقول ہے کہ پھر جب تشہد شروع کرے اور کلمہ لا الہ الا اللہ کے آخر میں پہنچے تو کیا دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے؟ (جواب): ”امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل (مبسوط) میں اس کا ذکر نہیں کیا اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرے اور ”کبریٰ“ میں ہے کہ ”اسی پر فتویٰ ہے۔“ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اشارہ کرے اور ”غیاثیہ“ میں ہے کہ ”اور تشہد کے قریب شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے، یہی مختار ہے۔“ جب معتبر روایتوں میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہے اور (اس کی) کراہت پر فتویٰ دیا گیا ہے اور اشارہ و گرہ سے منع کیا گیا ہے اور اس کو اصحاب کا ظاہر اصول کہتے ہیں تو پھر ہم تقلید کرنے والوں کو حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے تقاضا سے عمل کرتے ہوئے جرأت اور اشارہ کریں اور اتنے علمائے مجتہدین کے فتاویٰ کے باوجود ایک حرام، مکروہ اور ممنوع کام کے مرتکب بنیں۔^(۱)

حنفیہ میں سے اس کام کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا یہ ہے کہ وہ ان علمائے مجتہدین کو جواز اشارہ کی معروف احادیث کا علم ہونے کا قائل نہیں، یا یہ کہ ان کو ان احادیث کا عالم سمجھتا ہے، لیکن ان احادیث کی رو سے عمل کرنا ان بزرگواروں کے حق میں جائز نہیں سمجھتا۔ اور خیال کرتا ہے کہ انہوں نے برخلاف احادیث اپنی آرا کے مطابق حرمت و کراہت کا حکم (صادر) کر دیا ہے۔ (یہ) ہر دو شق فاسد ہیں، ان کو نادان اور دشمن کے سوا کوئی جائز نہیں سمجھتا۔ ”ترغیب الصلوٰۃ“ میں جو آیا ہے کہ تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھانا علمائے متقدمین کی سنت ہے، لیکن علمائے متاخرین نے منع کیا ہے۔ اس لیے کہ جب رافضیوں نے اس میں مبالغہ کیا تو سنیوں نے ترک کر دیا۔ سنی سے رافضی کی تہمت کا دور کرنا معتبر کتابوں کی روایتوں کے خلاف ہے، کیونکہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول عدم اشارہ اور عدم عقد (گرہ) پر ہے۔ پس عدم اشارہ علمائے متقدمین کی سنت ٹھہری اور ترک نفی کی وجہ تہمت نہ ہوئی۔ دین کے ان اکابرین کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ جس وقت تک اس بارے

میں حرمت یا کراہت کی دلیل ان (اکابرین) پر ظاہر نہیں ہوگئی، اس وقت تک انہوں نے حرمت یا کراہت کا حکم (صادر) نہیں کیا۔ کیونکہ وہ اشارہ کے سنت اور مستحب ہونے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: ”یہ وہ ہے جو فقہاء نے ذکر کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ کے سنت اور مستحب ہونے کے دلائل ان بزرگواروں کے نزدیک درجہ صحت تک نہیں پہنچے ہیں، بلکہ درجہ صحت کے خلاف ثابت ہوئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ چیز اکابرین کے عیب کو لازم نہیں کرتی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ تقلید کرنے والے کا علم حلال و حرام کے ثبوت میں معتبر نہیں ہے، اس بارے میں مجتہد کا گمان معتبر ہے۔ مجتہدین کے دلائل کو کمزوری کے جالے سے بھی زیادہ کمزور کہنا بہت بڑی جرأت کرنا ہے اور اپنے علم کو ان اکابر کے علم پر ترجیح دینا ہے، نیز علمائے حنفیہ کے ظاہر اصول کو باطل بنانا اور معتبر روایتوں میں مفتیٰ بہا کو درہم برہم کرنا اور شاذ (کیاب) کہنا ہے۔ یہ اکابر عہد (نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرب، علم کی زیادتی اور ورع و تقویٰ کے حاصل ہونے کی وجہ سے احادیث کو ہم دور پڑے ہوؤں سے زیادہ بہتر جانتے تھے اور صحت و سقم اور نسخ و عدم نسخ کی ان کو ہم سے زیادہ بہتر شناخت تھی اور ان احادیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق عمل کو ترک کرنے میں یقیناً ان کے پاس کوئی معتبر دلیل ضرورتی اور ہم کم فہم اتنا سمجھتے ہیں کہ راویوں میں اشارہ و عقد (گرہ) کی کیفیت کے بارے میں بڑا اختلاف ہے اور ان کے اختلاف کی کثرت نے نفس اشارہ میں اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اشارہ عقد (گرہ) کے بغیر فرمایا ہے اور یہ جو عقد (گرہ) کے ساتھ کہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ عقد (گرہ) ۵۳ طرح ہو۔ بعض دوسروں نے روایت کیا ہے کہ عقد (گرہ) ۲۳ جیسی ہو۔ بعض نے چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بند کرنے اور انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنا کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے کی روایت کی ہے۔ ایک روایت میں صرف انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھ دینے کو ہی اشارہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) دائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ کر اور بائیں ہاتھ کو دائیں پاؤں پر رکھ کر اشارہ فرماتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر اور پینچے کو پینچے پر اور کلائی کو کلائی پر رکھ کر اشارہ فرماتے تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انگلیوں کو بند کر کے اشارہ فرماتے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ شہادت کی انگلی کی حرکت کے بغیر ہوتا تھا اور بعض دوسری روایتیں حرکت کا ثبوت بھی ظاہر کرتی ہیں۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) تشہد پڑھتے وقت کسی تعین کے بغیر اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ بعض دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ اشارہ کلمہ شہادت کے الفاظ پڑھتے وقت ہوتا تھا۔ بعض دوسری روایتوں میں دعا کے وقت کی پابندی لگائی گئی ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا کرتے تھے: يَامُقَلَّبَ الْفُلُوبِ ثَبِّثْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ^(۲) یعنی: اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

جب علمائے حنفیہ نے اشارہ کے بجالانے میں راویوں کا اضطراب دیکھا تو نماز میں ایک زائد فعل کو قیاس کے خلاف ثابت نہیں کیا، کیونکہ نماز کی بنا سکون و وقار پر ہے۔ ایسے ہی انگلیوں کو جہاں تک ممکن ہو قبلہ کی جانب رکھنا سنت ہے۔ جیسا کہ

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: فَلْيُؤَجِّهْ مِنْ أَعْضَائِهِ الْقِبْلَةَ مَا اسْتَطَاعَ.

یعنی: پس چاہیے کہ (نمازی) اپنے اعضاء کو اپنی استطاعت کے مطابق قبلہ کی جانب رکھے۔

(سوال) اگر یہ کہیں کہ اختلاف کی کثرت اس وقت مضطرب کرتی ہے جب روایات کے درمیان موافقت ممکن نہ ہو اور

جو موضوع ہمارے پیش نظر ہے اس میں موافقت ممکن ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سب روایتوں کو مختلف اوقات میں کیا ہو؟

(جواب) ہم کہتے ہیں کہ بہت سی روایتوں میں لفظ ”کان“ آیا ہے جو غیر منطقیوں کے نزدیک ادواتِ کلیہ (آلات

کلیہ، حروفِ کلیہ) میں سے ہے۔ پس موافقت ممکن نہیں ہے۔

جو یہ بات امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) سے منقول ہے کہ ”اگر تم کوئی حدیث میرے قول کے خلاف پاؤ تو میرے قول کو

ترک کر دو اور حدیث پر عمل کرو۔“ اس حدیث سے مراد ایسی حدیث ہے جو حضرت امام (ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کو نہیں پہنچی ہے

اور اس حدیث کا علم نہ ہونے کی بنا پر آپ نے اس کے خلاف حکم فرمایا ہے۔ اور (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کی احادیث اس

قسم کی نہیں ہیں۔ (یہ) معروف حدیثیں ہیں اور ان کے نہ جانے کا احتمال نہیں ہے۔

(سوال) اگر کہیں کہ علمائے حنفیہ نے (شہادت کی انگلی سے) اشارہ کے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے۔ اس لیے متعارض

فتوؤں کی رو سے جس پر بھی عمل کیا جائے، وہ جائز ہے؟

(جواب) ہم کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدم جواز، اور حلال و حرام میں تعارض (ٹکراؤ) واقع ہو جائے تو ترجیح عدم جواز

اور حرمت کی جانب ہوگی۔

اسی طرح شیخ ابن ہمام (رحمۃ اللہ علیہ) نے رفع یدین کے بارے میں کہا ہے کہ رفع اور عدم رفع کی احادیث متعارض

ہیں، ہم قیاس کے ساتھ عدم رفع کی احادیث کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ نماز کی بنا سکون اور خشوع پر ہے جو بطور اجماع مطلوب

اور پسندیدہ ہے۔ شیخ ابن ہمام (رحمۃ اللہ علیہ) پر تعجب ہے کہ انہوں نے کہا ہے: ”اور بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ منقول

ہے اور یہ روایت و درایت کے خلاف ہے۔“ انہوں (شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ) نے کس طرح اس قیاس کے ساتھ علمائے

مجتہدین کی جانب جہالت کی نسبت کر دی جو شرع کا چوتھا اصل ہے اور وہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے،

جبکہ انہیں شیخ (ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ) نے (حدیث کے) رواہوں کے کثرت اختلاف سے حاصل ہونے والے اضطراب کی

بنا پر حدیثِ قلتین کو ضعیف قرار دیا ہے۔

میرے سعادتمند فرزند محمد سعید (قدس سرہ) اس بارے میں ایک رسالہ لکھ رہے ہیں، جب تیار ہو گیا تو بھیج دیا جائے

گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نیز آپ نے پوچھا تھا کہ آپ کے طریقہ کے طالبین ہر طرف سے جمع ہو چکے ہیں اور کسی جگہ بھی جرأت نہیں کی اور کسی سے نہیں

کہا کہ سر حلقہ بن جائے؟ جس طرف اشارہ ہوا اور جسے اس کے لائق سمجھیں، (حکم) فرمائیں تاکہ وہ جماعت کا سر حلقہ بن جائے۔

(میرے مخدوم!) یہ کام آپ کی صلاح کے سپرد ہے۔ استخارہ اور توجہ کے بعد عمل کر لیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى

مَنْ لَدَيْكُمْ۔ یعنی: اور آپ پر اور جو آپ کے پاس ہے اس پر سلام ہو۔

مکتوب نمبر (۳۱۳)

خواجہ محمد ہاشم کو تحریر فرمایا۔ ان کے سوالات کے جواب میں جو انہوں نے لکھے تھے۔ سوال اول: یہ کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے کمالات فنا و بقا اور سلوک و جذبہ سے تعلق رکھتے تھے یا نہیں؟ سوال دوم: یہ کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں اور مضر سمجھتے ہیں، جبکہ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے سخت ریاضتیں برداشت فرمائی ہیں؟ سوال سوم: یہ کہ یہ طریقہ (نقشبندیہ) حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیوں منسوب ہوا ہے؟ سوال چہارم: یہ کہ آپ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ طالب ولایت موسوی (علیہ السلام) سے ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تصرف سے نہیں لایا جاسکتا اور آپ نے (ایک) دوسرے مکتوب میں لکھا ہے کہ (فقیر) تم کو ولایت موسوی (علیہ السلام) سے ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لایا ہے۔ ان میں موافقت کا سبب کیا ہے؟ سوال پنجم: یہ کہ پیراہن پیش چاک پہننا چاہیے یا پیراہن حلقہ گریان؟ سوال ششم: یہ کہ نفی و اثبات کی توجہ احدیت کی توجہ کے ساتھ کس طرح جمع ہو سکتی ہے؟ سوال ہفتم: یہ کہ نفی و اثبات جودل سے کیا جاتا ہے، کے وقت ”لا“ کو اوپر کیوں لے جاتے ہیں اور ”الہ“ کو دائیں جانب کیوں لے جاتے ہیں؟ اور آپ نے اسی مکتوب کے آخر میں پیر کے آداب کی مراعات کو بیان فرمایا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا ہے کہ اس دفتر (اول) کو اسی مکتوب پر ختم کریں اور ۳۱۳ کے عدد کا لحاظ رکھیں جو انبیائے مرسلین کے عدد اور نیز اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عدد کے مطابق ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے اس مکتوب کے اختتام پر حضرت مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) علیہ الرحمۃ والغفران نے جو عرض داشتیں لکھی ہیں، وہ شامل کر دیں، تاکہ پڑھنے والے ان کو دعا اور فاتحہ کے ساتھ یاد کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. بَعْدَ الْحَمْدِ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوۃُ وَتَبْلِیْغُ الدَّعَوَاتِ.

یعنی: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (وسلام) اور دعا پیش کرنے کے بعد۔

میرے بھائی جناب خواجہ محمد ہاشم پر واضح ہو کہ جن سوالات کا جواب آپ نے میرے سید محبت اللہ کے مکتوب میں طلب کیا تھا، ان کے جواب میں جو کچھ (فقیر کو) معلوم تھا، وہ لکھ کر بھیجا جا رہا ہے۔

سوال اول کا حاصل یہ ہے کہ قرب الہی جل سلطانہ فنا فی اللہ، بقا باللہ اور جذبہ و سلوک کے سبب مقامات طے کرنے کے مطابق ہے، لیکن صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جو خیر الانام (حضرت محمد مصطفیٰ) علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ایک ہی صحبت سے امت کے اولیاء سے افضل ہو گئے، کیا یہ سب سیر و سلوک اور فنا و بقا ان کو اسی ایک صحبت میں میسر ہو گئے یا صرف وہی ایک صحبت تمام سیر و سلوک سے افضل تھی؟ دوسرا یہ کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو آنحضرت علیہم الصلوٰۃ والتحیۃ کی توجہ و تصرف سے فنا و بقا حاصل تھی، یا محض اسلام سے۔ نیز یہ کہ انہیں سلوک و جذبہ کا علم حالاً اور مقاماً حاصل تھا یا نہیں؟ اور اگر تھا تو کس نام سے تعبیر کرتے تھے اور اگر سلوک اور تصرف کا طریقہ نہ تھا تو پھر کیا ان کو بدعت حسنہ کہا جاسکتا ہے؟

جواب: جاننا چاہیے کہ اس مشکل کا حل صحبت سے متعلق ہے اور خدمت پر موقوف ہے، کیونکہ جوابات اس مدت میں کسی

نے نہیں کہی ہے، وہ ایک ہی دفعہ لکھنے سے آپ کی سمجھ میں کیسے آئے گی۔ لیکن چونکہ آپ نے سوال کیا ہے، لہذا (فقیر) جواب دینے کے بغیر چارہ نہیں رکھتا اور ضرورت کے تحت مختصر طور پر اس کو حل کرتا ہے۔ غور سے سنیں: جو قرب فنا و بقا اور سلوک و جذبہ سے متعلق ہے وہ اس ولایت کا قرب ہے جس سے امت کے اولیاء مشرف ہوئے ہیں اور جو قرب صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو خیر الانام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے میسر ہوتا تھا، وہ نبوت کا قرب ہے جو تبعیت (پیروی) اور وراثت کے طور پر انہیں حاصل ہوتا تھا۔ اس قرب میں نہ فنا ہے اور نہ بقا، نہ جذبہ ہے اور نہ سلوک، اور یہ قرب مراتب میں ولایت کے قرب سے اعلیٰ و افضل ہے، کیونکہ یہ قرب، قرب اصالت ہے اور وہ قرب، قرب ظلیت ہے۔ شَتَانٌ مَا بَيْنَهُمَا۔
یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

لیکن ہر شخص کی سمجھ اس معرفت کے ادراک تک نہیں پہنچتی۔ قریب ہے کہ خواص اس معرفت کے سمجھنے میں عوام کے ساتھ شریک ہوں:

گر بو علیٰ نوائے قلندر نواختے صوفی بدے ہر آنکہ بعالم قلندر است

یعنی: اگر بو علی قلندر انداز سے نغمہ سرائی کرتے تو دنیا کا ہر قلندر صوفی ہوتا۔

ہاں! اگر قرب نبوت کے کمالات کی بلندی کی جانب قرب ولایت کے راستے سے عروج واقع ہو تو پھر فنا و بقا اور جذبہ و سلوک سے چارہ نہیں، کیونکہ یہ اس قرب کے مبادی اور اسباب ہیں اور اگر اس راستے پر نہ چلا جائے اور قرب نبوت کی شاہراہ اختیار کی جائے تو پھر فنا و بقا اور جذبہ و سلوک کی کوئی ضرورت نہیں۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) قرب نبوت کی شاہراہ پر چلے ہیں، لہذا وہ جذبہ و سلوک اور فنا و بقا سے سروکار نہیں رکھتے۔ اس معرفت کا بیان آپ اس مکتوب سے طلب کریں جو (فقیر نے) مولانا امان اللہ کے نام لکھا ہے۔

اس فقیر نے مکتوبات و رسائل میں ہر جگہ لکھا ہے کہ میرا معاملہ سلوک و جذبہ سے بالاتر ہے اور تجلیات و ظہورات سے بھی بالاتر ہے۔ اس سے مراد یہی قرب ہے۔ میں اپنے خواجہ (باقی باللہ) قدس سرہ کی خدمت میں تھا کہ یہ دولت ظاہر ہوئی تھی۔ میں نے اس عبارت میں حضرت (خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ”مجھ پر ایک معاملہ ظاہر ہوا ہے کہ سیر نفسی کو اس معاملے کے ساتھ وہ نسبت ہے جو سیر آفاقی کو سیر نفسی کے ساتھ ہے۔“ میں اس عبارت سے زیادہ اس دولت کی تعبیر کے لیے اپنے اندر طاقت نہیں پا رہا تھا۔ کئی سالوں کے بعد یہ عجیب معاملہ صاف اور واضح ہوا تو (فقیر نے) مختصر عبارات میں تحریر کیا۔ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ. (سورۃ اعراف، ۴۳) یعنی: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہمیں اس طرف کا راستہ دکھایا۔ اگر وہ ہم کو ہدایت نہ بخشا تو ہم ہرگز راستہ نہ پاتے۔ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔

پس فنا و بقا اور جذبہ و سلوک کی عبارت نئی پیدا شدہ اور مشائخ کی ایجاد کردہ ہے۔ مولوی جامی رحمۃ اللہ علیہ فحاشات میں لکھتے ہیں کہ پہلے شخص جنہوں نے فنا و بقا کا نام لیا ہے وہ ابو سعید خراز قدس سرہ ہیں۔

سوال دوم کا حاصل یہ ہے کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں سنت کی پیروی لازم ہے، جبکہ آنسور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام

نے عجیب ریاضتیں اور سخت فاقہ کشیاں برداشت کی ہیں۔ اور اس طریقہ (نقشبندیہ) میں ریاضتوں سے منع کرتے ہیں، بلکہ صورتوں کے کشوف کے ظہور کی وجہ سے مضرت سمجھتے ہیں۔ عجیب دکھائی دیتا ہے کہ سنت کی پیروی میں ضرر کا احتمال کس طرح متصور ہو سکتا ہے؟

جواب: اے محبت آثار! کس نے کہا ہے کہ ریاضتیں اس طریقہ میں ممنوع ہیں اور آپ نے کہاں سے سنا ہے کہ ریاضتوں کو مضرت سمجھتے ہیں؟ اس طریقہ میں نسبت کی دائمی حفاظت اور سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی پیروی کو لازم پکڑنا، احوال کے چھپانے کی کوشش کرنا، درمیانی حال اختیار کرنا، کھانے پینے اور لباس میں میانہ روی کا لحاظ رکھنا ہی مشکل ریاضتیں اور سخت مجاہدے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ حیوان صفت عوام ان امور کو ریاضتیں شمار نہیں کرتے اور مجاہدات میں سے نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک ریاضت و مجاہدہ فاقہ کشی پر منحصر ہے اور بھوک کی کثرت ان کی نگاہ میں بڑی قدر والی چیز ہے، کیونکہ ان درندہ صفت لوگوں کے نزدیک کھانا انتہائی اہم امور اور عظیم مقاصد میں سے ہے۔ لہذا مجبوراً اس کا چھوڑنا مشکل ریاضت اور سخت مجاہدہ ہے، بخلاف نسبت کی دائمی حفاظت کرنے اور سنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی سنت کو لازم پکڑنے کے۔ اور اس طرح کے دوسرے کاموں کی عوام کی نگاہ میں کوئی قدر نہیں اور نہ ہی کوئی شمار ہے کہ وہ ان کے ترک کرنے کو برا سمجھیں اور ان امور کے حاصل کرنے کو ریاضتوں میں شمار کریں۔ پس اس طریقت کے اکابرین پر لازم ہے کہ وہ احوال کے چھپانے کی کوشش کریں اور اس ریاضت کو ترک کر دیں جو عوام کی نظر میں بڑی قدر والی ہے اور خلقت کی قبولیت کا باعث ہے اور اس شہرت کو لازم کرتی ہے جس میں آفت ہے اور جو فتنہ انگیزی کا پھل دیتی ہے۔

نبی کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بِحَسَبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يُشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِي دِينٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ۔^(۱)

یعنی: آدمی کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ دین و دنیا میں لوگ اس کی طرف انگلی اٹھائیں، مگر جسے اللہ محفوظ رکھے۔ اس فقیر کے نزدیک لمبی چوڑی فاقہ کشیاں، کھانے پینے کی چیزوں میں حد اعتدال کا لحاظ رکھنے سے زیادہ آسان ہیں اور کامل آسانی رکھتی ہیں اور (فقیر) دیکھتا ہے کہ میانہ روی کی رعایت والی ریاضت بھوک کی کثرت والی ریاضت سے زیادہ (درجے والی) ہے۔ حضرت والد بزرگوار قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علم سلوک میں ایک رسالہ دیکھا ہے جس میں لکھا ہوا تھا کہ ”کھانے پینے کی چیزوں میں اعتدال کا لحاظ رکھنا اور میانہ روی کی حفاظت کرنا مطلوب تک پہنچنے کے لیے کافی ہے، اس رعایت کے ساتھ کسی ذکر و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔“ اور سچ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں اور لباس، بلکہ تمام امور میں اعتدال اور میانہ روی بڑی زیبا چیز ہے:

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید نہ چنداں از ضعف جانت برآید

یعنی: نہ اس قدر کھا کہ تیرے منہ سے باہر نکل پڑے اور اتنا کم کھا کہ کمزوری سے تیری جان نکل جائے۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کو چالیس مردوں کی قوت عطا فرمائی تھی جس

کی وجہ سے آپ سخت فاقوں کا بوجھ برداشت کرتے تھے اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بھی خیر البشر علیہ وسلم الصلوٰۃ والسلام والختیہ کی صحبت کی برکت سے اس بوجھ کو برداشت فرماتے تھے اور ان کے اعمال و افعال میں کوئی فتور اور خلل واقع نہیں ہوتا تھا۔ بھوک کے باوجود دشمنوں کے ساتھ جنگ کی ایسی قدرت رکھتے تھے کہ پیٹ بھر کر کھانے والے اس کے دسویں حصے تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صبر کرنے والوں میں سے بیس آدمی کافروں کے دو سو آدمیوں پر غالب آ جاتے تھے اور سو آدمی ہزار آدمیوں پر غالب آ جاتے تھے۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے علاوہ دوسرے بھوک برداشت کرنے والے قریب ہے کہ آداب و سنن کی بجا آوری سے عاجز آ جائیں، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی سے بھی بمشکل عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ بغیر قدرت کے اس معاملے میں صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی تقلید کرنا خود کو سنن و فرائض کی بجا آوری سے عاجز بنانا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تقلید کرتے ہوئے بغیر افطار لگاتا روزے رکھنے شروع کیے اور ضعف و ناتوانی سے بے اختیار ہو کر زمین پر گر پڑے۔ آنسور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور اعتراض فرمایا: ”تم میں سے میری طرح کون ہو سکتا ہے، میں رات کو اپنے پروردگار کے پاس ہوتا ہوں اور میں کھانا پینا وہاں سے کھاتا ہوں۔“ پس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) قدرت کے بغیر تقلید کرنا مستحسن نہیں سمجھتے تھے۔

اسی طرح صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) خیر الانام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے بھوک کی زیادتی کے پوشیدہ نقصانوں سے محفوظ و مامون تھے اور دوسروں کو یہ حفاظت اور امن میسر نہیں ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ بھوک کی کثرت یقیناً پاکیزگی بخشنے والی ہے۔ ایک جماعت کو قلب کی پاکیزگی بخشتی ہے اور دوسری جماعت کو نفس کی پاکیزگی (عطا کرتی ہے)۔ قلب کی پاکیزگی ہدایت کو بڑھاتی اور نور بخشتی ہے اور نفس کی صفائی گمراہ کرنے والی اور تاریکی کو بڑھانے والی ہے۔ یونان کے فلسفیوں، برہمنوں اور سب جوگیوں کو بھوک نے نفس کی صفائی بخش کر گمراہی اور نقصان کا راستہ دکھایا ہے۔ بے عقل افلاطون نے اپنے نفس کی صفائی پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی خیالی کشتی صورتوں کو اپنا پیشوا بنا کر تکبر اختیار کیا اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام، جو اس وقت مبعوث ہوئے تھے، ان پر ایمان نہ لایا اور اس نے کہا: نَحْنُ قَوْمٌ مَّهْدِيُونَ لَا حَاجَةَ بِنَا إِلَهِی مَنْ يَهْدِينَا۔ یعنی: ہم ہدایت یافتہ قوم ہیں، ہم کو کسی ہدایت دینے والے کی ضرورت نہیں۔

اگر یہ (افلاطون) تاریکی بڑھانے والی صفائی نہ رکھتا تو اس کی خیالی کشتی صورتیں اس کے راستے کی رکاوٹ نہ بنتیں اور اسے مطلب (حقیقی) تک پہنچنے سے نہ روکتیں۔ اس نے اس صفائی کے گمان میں خود کو نورانی سمجھا۔ وہ نہیں سمجھا کہ یہ صفائی اس کے (نفس) امارہ کی باریک کھال سے آگے نہیں گئی ہے اور اس کا (نفس) امارہ اپنی اسی گندگی اور نجاست پر (قائم) ہے۔ اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سخت غلیظ نجاست کو شکر کے باریک غلاف میں رکھ دیں۔ قلب جو اپنی ذات کی حد تک پاکیزہ اور نورانی ہے، اس کے چہرے پر نفسِ ظلمانی کی ہمسائیگی سے ایک زنگ بیٹھ گیا ہے جو تھوڑے سے تصفیہ سے اصلی حالت پر واپس آ جاتا ہے اور نورانی ہو جاتا ہے اور برخلاف نفس کے، جو اپنی ذات کی حد تک خبیث ہے اور ظلمت اس کی ذاتی صفت ہے، جب تک وہ قلب کی سیاست سے، بلکہ سنت کی متابعت اور اتباعِ شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والختیہ سے، بلکہ محض فضل

خداوندی جل سلطانہ سے پاک و صاف نہ بن جائے، (اس وقت تک) اس کا ذاتی حبث ختم نہیں ہوتا اور فلاح و بہبود اس سے متصور نہیں ہے۔ افلاطون نے کمال جہالت کی وجہ سے اپنی صفائی کو، جو اس کے نفسِ امارہ سے تعلق رکھتی تھی، قلبِ عیسوی (علیہ السلام) کی صفائی کی طرح خیال کیا۔ (لہذا) مجبوراً وہ خود کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مانند مہذب و مطہر (تہذیب یافتہ اور پاک) خیال کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کی دولت سے محروم رہا اور ابدی نقصان کے داغ سے داغدار ہو گیا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ مِنْ هَذَا الْبَلَاءِ۔ یعنی: اللہ سبحانہ ہمیں اس بلا سے محفوظ رکھے۔

چونکہ یہ نقصان بھوک کی فطرت میں پوشیدہ تھا، (لہذا) اس طریقہ کے اکابرین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے بھوک کی ریاضت کو ترک کرتے ہوئے کھانے پینے کی چیزوں میں اعتدال کی ریاضت اور میانہ روی کے مجاہدہ کی جانب رہنمائی کی اور بھوک کے فائدوں کو اس کے عظیم خطرہ والے نقصان کے احتمال کی وجہ سے ترک کر دیا اور دوسروں نے بھوک کے فائدوں کو ملاحظہ کرتے ہوئے اس کے نقصانات سے آنکھیں بند کر لیں اور بھوک کی ترغیب دی۔ اہل عقل کے ہاں (یہ بات) ثابت ہے کہ نقصان کے احتمال کی وجہ سے بہت زیادہ فائدوں کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ اسی کلام کے قریب وہ بات ہے جو علماء شکر اللہ تعالیٰ سَعِیْہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو مشکور فرمائے) نے فرمائی ہے کہ اگر کوئی امر سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو بدعت کا ترک کر دینا سنت کے ادا کرنے سے بہتر ہے۔ یعنی بدعت میں ضرر کا احتمال ہے اور سنت میں منافع کی توقع ہے۔ پس ضرر کے احتمال کو منافع کی توقع پر ترجیح دیتے ہوئے بدعت کو ترک کر دینا چاہیے۔ لہذا عجیب نہیں ہے کہ سنت کی بجا آوری میں دوسری طرف سے نقصان ہو جائے۔ اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ جو سنت گویا وقت کے لحاظ سے اس قرن (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے) کے ساتھ ملی ہوئی ہے، چونکہ (اس کی) نزاکت و پوشیدگی کی وجہ سے ایک جماعت نے اس کے تعین کو نہیں پایا اور (اس کے لوگ) اس کی تقلید میں سبقت کرنے لگے ہیں، جبکہ ایک دوسرے گروہ (کے لوگوں) نے اس کے تعین کو سمجھ کر تقلید اختیار نہیں کی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔ یعنی: اور اللہ سبحانہ ہی حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔

سوال سوم کا حاصل یہ ہے کہ اس طریقہ عالیہ کے اکابرین کی کتابوں میں ہے کہ ہماری نسبت حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی جانب منسوب ہے، برخلاف دوسرے طریقوں کے۔ اگر مدعی یہ کہے کہ اکثر طریقے امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) تک پہنچتے ہیں اور حضرت امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب ہیں، پھر دوسرے طریقے حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب کیوں نہیں ہیں؟

جواب یہ ہے کہ حضرت امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) ایک نسبت حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) سے بھی رکھتے ہیں اور دوسری حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے بھی اور حضرت امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) میں ان دو بلند نسبتوں کے جمع ہونے کے باوجود ہر نسبت کے کمالات جدا اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ ایک جماعت نے مناسبتِ صدیقی کے واسطے سے حضرت امام (جعفر صادق رضی اللہ عنہ) سے نسبتِ صدیقی اخذ کی ہے اور وہ حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) سے منسوب ہو گئے ہیں۔ ایک دوسری جماعت نے مناسبتِ امیری (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے واسطے سے حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی نسبت اخذ کی ہے اور حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے منسوب ہو گئے ہیں۔

یہ فقیر ایک تقریب (کی غرض) سے بنارس کے علاقہ میں گیا ہوا تھا، جہاں دریائے گنگا اور دریائے جمنا کا پانی اکٹھا ہے اور اس اجتماع کے باوجود محسوس ہوتا ہے کہ دریائے گنگا کا پانی علیحدہ ہے اور دریائے جمنا کا پانی الگ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ گویا درمیان میں کوئی چیز حائل ہے جس کی وجہ سے ایک کا پانی دوسرے سے نہیں ملتا۔ جو لوگ دریائے گنگا کی جانب واقع ہیں وہ اس جمع ہونے والے پانی سے دریائے گنگا کا پانی پیتے ہیں اور جو لوگ دریائے جمنا کی طرف ہیں وہ دریائے جمنا کا پانی پیتے ہیں۔

(سوال) اگر کہیں کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ نے رسالہ قدسیہ میں تحقیق کی ہے کہ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) نے جس طرح حضرت رسالت خاتمیت علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ سے تربیت پائی ہے اُسی طرح حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) سے بھی تربیت پائی ہے۔ لہذا حضرت امیر (رضی اللہ عنہ) کی نسبت، عین حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی نسبت ہے، پھر (ان دونوں میں) فرق کیا ہوا؟

(جواب) ہم کہتے ہیں کہ نسبت کے متحد ہونے کے باوجود محل و مقام کی تعداد کی خصوصیات اپنے حال پر ہیں۔ ایک ہی پانی متعدد مقامات (سے گزرنے) کی وجہ سے مختلف امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے، لہذا جائز ہے کہ ہر ایک کی خصوصیت کی نظر سے ایک طریقہ اس کی طرف منسوب کیا جائے۔

سوال چہارم کا حاصل یہ ہے کہ (آپ نے) ملا محمد صدیق کے مکتوب میں لکھا ہے کہ جو شخص ولایت موسوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی استعداد رکھتا ہے، معلوم نہیں ہے کہ صاحب تصرف اس کو ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی استعداد میں لاسکتا ہے اور درویش زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) قدس سرہ کی جانب لکھے گئے مکتوب میں (آپ نے) تحریر کیا ہے کہ (فقیر) تم کو ولایت موسوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لے آیا ہے۔ ان (دونوں باتوں) میں موافقت کس طرح ہو سکتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ ملا محمد صدیق کے مکتوب میں لکھا ہے کہ ولایت موسوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ولایت سے ولایت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب لے جانا علم میں نہیں آیا ہے۔ اس وقت تک اس معاملہ کے واقع ہونے کا علم نہیں تھا۔ اس کے بعد جب اس معاملہ سے آگاہ کر دیا گیا اور تغیر و تبدیلی کی قدرت عطا کی گئی تو (فقیر نے) لکھا کہ (فقیر) تمہیں اس ولایت سے اُس ولایت کی طرف لے گیا ہے۔“ (ان دونوں باتوں کی تحریر کا) زمانہ ایک نہیں ہے کہ اس میں تضاد کا تصور کیا جائے۔

سوال پنجم کا حاصل یہ ہے کہ یہاں کے صوفی سامنے سے چاک (والا) گرتا پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے اور حضرت میر (محمد نعمان) کے خادم گرتے کا چاک حلقہ (گول) کی صورت میں بناتے ہیں۔ اس کی تحقیق کیا ہے؟

جواب: جاننا چاہیے کہ ہم بھی اس بارے میں تردد رکھتے ہیں۔ عرب کے لوگ سامنے سے چاک (والا) گرتا پہنتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں۔ (فقہ) حنفیہ کی بعض معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے سے چاک (والا) گرتا مردوں کو نہیں پہننا چاہیے، کیونکہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد (حضرت) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: لُعِنَ الرَّجُلُ يَلْبَسُ لُبْسَ الْمَرْءَةِ وَالْمَرْءَةُ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ. (یعنی: اس مرد پر لعنت ہے جو عورت جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مرد جیسا لباس پہنے۔)

نیز مطالب المؤمنین میں ہے کہ عورت مردوں کی مشابہت (اختیار) نہ کرے اور نہ مرد عورتوں کی مشابہت (اختیار) کرے، کیونکہ دونوں فریق پر لعنت ہوئی ہے۔

بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ سامنے سے چاک (والا) گرتا اہل دین اور اہل علم کا لباس نہیں ہے، لہذا ذمیوں (غیر مسلموں) کے لیے یہ لباس تجویز کیا گیا ہے۔

”جامع الرموز“ میں ”محیط“ سے نقل کرتے ہیں: ”پس جو لباس اہل دین اور (اہل) علم کے ساتھ مخصوص ہے، وہ ذمی نہ پہنے، جیسے چادر اور پگڑی ہیں، بلکہ (وہ) موٹے کپڑے کی قمیض پہنے، جس کے سینے پر عورتوں (کی قمیض) جیسا چاک ہو۔ اسی طرح بعض علماء کے بقول سامنے سے چاک (والی) قمیض نہیں ہے، بلکہ درع ہے، ان کے نزدیک قمیض وہ ہے جس کا چاک کندھوں کی جانب ہو۔ جامع الرموز میں عورت کے کفن کے بیان میں اور ہدایہ میں (بھی) لکھا ہے کہ قمیض کا بدل درع ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ درع کا چاک سینے میں ہوتا ہے اور قمیض کا چاک کندھے کی جانب ہوتا ہے اور دونوں کو ایک جیسا کہا ہے۔

فقیر کے نزدیک صحیح یہ دکھائی دیتا ہے کہ چونکہ مردوں کے لیے عورتوں کے لباس کی مشابہت ممنوع قرار پائی ہے، لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں عورتیں سامنے سے چاک (والا) گرتا پہنتی ہیں، وہاں چاہیے کہ مرد عورتوں کی مشابہت کو ترک کر کے گول چاک والا گرتا پہنیں اور، جس جگہ عورتیں گول چاک والا گرتا پہنیں (وہاں) چاہیے کہ مرد ضرورت کے تحت سامنے سے چاک والا گرتا استعمال کریں۔ عرب میں عورتیں گول چاک والا گرتا پہنیں ہیں (اور) مرد ضرورت کے تحت سامنے سے چاک والا گرتا پہننے ہیں۔ ماوراء النہر اور ہندوستان میں عورتوں کا لباس سامنے سے چاک والا گرتا ہے، (لہذا) مجبوراً مرد گول چاک والا گرتا استعمال کریں۔

میاں شیخ عبدالحق دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کہتے تھے کہ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ نظام الدین نارولی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مریدوں میں سے ایک شخص گول چاک والا گرتا پہن کر کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور عربوں کی ایک جماعت کے لوگ اس پر تعجب کر رہے ہیں کہ اس نے عورتوں کا لباس پہن رکھا ہے۔ پس عرف اور عادت کے اعتبار سے اہل عرب کا عمل بھی صحیح ہے اور ہندوستان اور ماوراء النہر (کے لوگوں) کا بھی۔ لِكُلِّ وَجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيٰهَا۔ (سورۃ بقرۃ، ۱۴۸) یعنی: ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں۔

اگر سامنے سے چاک (والے) گرتے کا سنت ہونا ثابت ہوتا تو علمائے حنفیہ اس لباس کو ذمیوں کے لیے تجویز نہ کرتے اور اس کو اہل دین اور اہل علم کے ساتھ مخصوص رکھتے۔ چونکہ عورتیں اس لباس میں پیش پیش ہیں، (لہذا) اس جگہ مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا ہے۔

سوال ششم کا حاصل یہ ہے کہ جب ابتداء ہی سے اس طریقہ (نقشبندیہ) کے طالبوں کی توجہ احادیث صرف کی طرف ہے تو پھر چاہیے کہ نفی و اثبات اس توجہ کے ساتھ جمع نہ ہو، کیونکہ نفی کے وقت توجہ غیر کی جانب (ہوتی) ہے۔ جواب یہ ہے کہ غیر کی طرف توجہ کرنا توجہ احادیث کی تقویت اور تربیت کے لیے ہوتا ہے اور غیر کی نفی سے مقصود غیروں

کی مزاحمت کے بغیر اس توجہ کا دائمی طور پر حاصل کرنا ہے، لہذا غیر کی نفی کی جانب توجہ کرنا، توجہ احدیت کے منافی نہیں ہے، اور توجہ احدیت کے منافی غیر کی توجہ ہے نہ کہ غیر کی نفی کی توجہ۔ شَتَانٌ مَا بَيْنَهُمَا۔ یعنی: ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

سوال ہفتم کا حاصل یہ ہے کہ اس طریقہ (نقشبندیہ) کا مبتدی جو ذکر کرتا اور زبان سے کرتا ہے، قلب بھی وہی ذکر کرتا ہے۔ کیا نفی و اثبات میں بھی قلب پوری طور پر ایسا ذکر کرتا ہے یا نہیں؟ اور پورے طور پر ذکر کرتا ہے تو پھر ”لا“ کو اوپر کی جانب اور ”الہ“ کو دائیں طرف کیوں لے جاتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ قلب اگر پوری طرح ذکر کرے تو کیا نقصان ہے کہ (طالب) ”لا“ کو اوپر کی جانب لے جائے اور ”الہ“ کو دائیں طرف پھیرے اور ”اللہ“ کو اپنی جانب کھینچے۔ اس لیے کہ اس طریقہ (نقشبندیہ) میں نفی و اثبات کو تخیل سے ادا کرتے ہیں اور تا لو اور زبان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، تاکہ دل اور قول کی موافقت کی شرط کو پورا کریں۔ آپ کے یہ دو آخری سوالات فخر الدین رازی (رحمۃ اللہ علیہ) کے شبہات کی مانند ہیں۔ اگر آپ اچھی طرح متوجہ ہوتے تو یہ دور ہو جاتے۔

باقی مقصود یہ ہے کہ اس علاقے کے بعض دوستوں نے دوبارہ لکھا ہے کہ حضرت میر (محمد نعمان) ان دنوں طالبین کے احوال کی طرف کم مشغول ہوتے ہیں اور عمارت بنانے میں گرفتار ہیں اور فتوحات (ہدیوں) کی رقم عمارت پر خرچ ہو رہی ہے اور فقراء بے نصیب (محروم) رہ جاتے ہیں۔ انہوں نے مقدمات کو ایک ایسی صورت میں لکھا کہ اس سے اعتراض کا شبہ مفہوم ہوتا تھا اور انکار کی یو آتی تھی۔

جاننا چاہیے کہ اس گروہ کا انکار زہر قاتل ہے اور ان بزرگواروں کے افعال و اقوال پر اعتراض سانپ کا زہر ہے جو ابھی موت تک پہنچاتا ہے اور دائمی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ پس کتنا (برا) ہوگا جب یہ اعتراض پیر پر کیا جائے اور پیر کی ایذا کا سبب بنے۔ اس گروہ کا منکران کی دولت سے محروم ہے اور ان پر اعتراض کرنے والا ہمیشہ ناکام اور نقصان اٹھانے والا ہے۔ جب تک پیر کی سب حرکات و سکنات مرید کی نظر میں مستحسن اور خوبصورت نہ ہو جائیں، (اس وقت) وہ پیر کے کمالات سے حصہ نہیں پاتا اور اگر پا بھی لے تو وہ استدرراج ہے جس کا انجام خرابی اور رسوائی ہے۔ مرید اس کمالِ محبت اور اخلاص کے باوجود جو وہ پیر کے ساتھ رکھتا ہے، اگر اپنے اندر بال برابر بھی پیر پر اعتراض کی گنجائش پائے تو اسے اپنی خرابی کے سوا کچھ نہ سمجھے اور، (اس صورت میں) وہ پیر کے کمالات سے بے نصیب رہتا ہے۔ اگر بالفرض مرید کو پیر کے افعال میں سے کسی فعل کے اندر شبہ پیدا ہو جائے اور وہ دور نہ ہو تو چاہیے کہ اس کو اس طرح دریافت کرے کہ اعتراض کے شبہ سے پاک ہو اور انکار کے گمان سے مبرا ہو۔ اس دنیا میں چونکہ حق و باطل ملے ہوئے ہیں، (لہذا) اگر اتفاقاً پیر سے کوئی عمل شریعت کے خلاف ظاہر ہو تو چاہیے کہ مرید اس عمل میں پیر کی تقلید نہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو حسنِ ظن سے اس کو نیک وجہ پر محمول کرے اور اس کی درستی کی وجہ تلاش کرے۔ اگر درستی کی وجہ نہ ملے تو چاہیے کہ اس مصیبت سے بچنے کے لیے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے حضور التجا و زاری کرے اور گریہ و زاری کے ساتھ اپنے پیر کی سلامتی طلب کرے۔ اگر مرید کو پیر کے بارے میں جائز کام کے انجام دینے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس شبہ کا اعتبار نہ کرے۔ جب مالک الامور (اللہ) جلِ سلطٰنہ نے جائز کام کرنے سے منع نہیں فرمایا

اور اعتراض نہیں کیا تو دوسرے کو کیا حق ہے کہ وہ اپنے پاس سے اعتراض کرے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض جگہوں پر بہتر کا ترک کر دینا بہتر کے بجالانے سے بہتر ہوتا ہے۔

نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث میں آیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَمَا يُحِبُّ اَنْ يُؤْتِيَ بِالْعَزِيْمَةِ يُحِبُّ اَنْ يُؤْتِيَ بِالرُّخْصَةِ^(۳)۔ یعنی: بلاشبہ جس طرح اللہ پسند فرماتا ہے کہ عزیمت پر عمل کیا جائے، اسی طرح پسند فرماتا ہے کہ رخصت پر عمل کیا جائے۔

حضرت میر (محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ) چونکہ زیادہ قبضیں رکھتے ہیں، اگر وہ قبض کے دنوں میں مریدوں کے احوال میں مشغول نہ ہوں اور بعض مباح امور سے اپنی تسلی کریں تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟ اس حالت میں (حضرت) عبد اللہ اصطخری (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی تسلی کے لیے کتوں کے شکاریوں کے ساتھ جنگل میں شکار کے لیے جاتے تھے اور ایسے وقت میں بعض مشائخ اپنی تسلی سماع و نغمہ سے کرتے تھے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی. (سورۃ طہ، ۴۷) وَالْتَزَمَ مُتَابِعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوٰثِ وَالتَّسْلِيْمٰثِ اَتَمُّہَا وَاکْمَلُہَا۔ یعنی: اور جو شخص ہدایت کی بات مانے اور (حضرت محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑے اسے سلامتی نصیب ہو۔

خاتمہ: وہ عرض داشتیں جو حضرت مغفرت پناہ مخدوم زادہ کلاں (خواجہ محمد صادق) قدس سرہ نے (حضرت مجدد قدس سرہ کی خدمت میں) تحریر فرمائی تھیں۔

عرض داشت اول: کمترین بندہ محمد صادق خدمت عالی میں التماس کرتا ہے کہ اس علاقے کے احوال اور کیفیات (آپ کی) بلند توجہات کی برکت سے ظاہری و باطنی جمعیت (سکون) کے ساتھ بسر ہو رہے ہیں۔ ایک مدت ہوئی ہے کہ حضرت کے خادموں کی جانب سے دل متفکر اور پریشان رہتا تھا۔ عریضہ لکھنے کے روز میاں بدر الدین پہنچے اور انہوں نے مکمل خیر و عافیت سے آگاہ کیا۔ بحد خوشی اور بیشمار مسرت حاصل ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانِہٖ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ یعنی: اس پر اللہ سبحانہ کی بہت ہی زیادہ تعریف اور حمد ہے۔

میرے قبلہ گاہ! حافظ بہاء الدین (رحمۃ اللہ علیہ) نے تیرہویں کی رات کو قرآن مجید کا ختم کیا۔ چودہویں کی رات سے حافظ موسیٰ نے شروع کیا ہے۔ پانچ پانچ سیپارے پڑھ رہے ہیں۔ آئندہ رات جو انیسویں کی رات ہے، ختم کریں گے۔ آخری عشرہ کے لیے حافظ بہاء الدین مقرر ہوئے ہیں جو ختم کریں گے۔

حضرت سلامت ایک رات نماز تراویح میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ ایک وسیع مقام بہت ہی نورانی ظاہر ہوا، گویا کہ حقیقت قرآنی کا مقام تھا۔ اگرچہ (فقیر) اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ حقیقت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس مقام کا اجمال ہے۔ گویا کہ دریائے عظیم کو ایک کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ اور یہ مقام حقیقت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تفصیل ہے۔ اکثر انبیاء اور کامل اولیاء اپنی قدر کے مطابق اس مقام میں سے حصہ رکھتے ہیں اور اس مقام سے کامل حصہ ہمارے نبی (کریم) علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور کے لیے معلوم نہیں ہوا۔ اس حقیر نے بھی اس سے حصہ پایا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ توجہ عالی کے ساتھ کامل (حصہ) نصیب فرمائے۔ یہ مقام ابھی خوب واضح نہیں ہوا ہے۔

باقی حالات جمعیت سے بسر ہو رہے ہیں۔ اس ماہِ معظم میں بہت برکت معلوم ہو رہی ہے۔ میرے بھائی محمد سعید کے احوال بہت اچھے ہیں اور وہ (اپنے) اوقات جمعیت و ذکر میں گزار رہے ہیں۔ شہر کے دوست بھی پورے ذوق کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔

حقیر نے فی الحال چار سیدپاروں سے کچھ اوپر حفظ کر لیا ہے، عید کے روز تک ظاہر پانچ سیدپارے یاد کر لے گا۔ آداب و سلام۔

عرض داشت دوم: کمترین بندہ محمد صادق بہت ہی بلند خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس علاقے کے احوال اور کیفیات شکر کے لائق ہیں۔ آپ کی ذاتِ کعبہ مرادات کی خیریت سب خدام اور مخلصین کے ساتھ مطلوب اور درکار ہے۔ آپ نے جو باوقار مکتوب اور گرامی نامہ اسماعیل کے ذریعے ارسال فرمایا تھا، (فقیر) اس کے مطالعہ سے مشرف اور مسرور ہوا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نبی امی (حضرت محمد مصطفیٰ) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلٰوٰتِ اٰمَہٗمَّا وَمِنْ التَّسْلِیْمٰتِ اٰکْمَلُہَا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آلِ امجاد کے صدقے جہانوں کے قبلہ (مجدد الف ثانی قدس سرہ) کا سایہ عاطفت سب اہل اسلام پر باقی اور قائم رکھے۔

میرے قبلہ گاہ! (فقیر) اپنے احوال کی خرابی کے بارے میں کیا لکھے؟ کیونکہ وہ (اپنے) برے اعمال اور ماضی و حال کے احوال کے ضائع کرنے پر حسرت اور ندامت کے علاوہ ہاتھ میں کوئی سرمایہ نہیں رکھتا اور آرزو یہ ہے کہ کوئی لحظہ اور گھڑی حق تعالیٰ و تقدس کی رضا کے خلاف نہ گزرے، اور یہ (چیز) میسر نہیں ہو سکتی، جب تک کہ اس درگاہ کے خدام کی توجہ مدد اور دستگیری نہ فرمائے:

ع با کریمیاں کارہا دشوار نیست
یعنی: کریم لوگوں کے لیے کام مشکل نہیں ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃُ (اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر ہے) کہ اب تک (آپ کی) توجہ شریف کی برکت سے (فقیر کو) جس طریقہ پر آپ نے حکم فرمایا تھا، استقامت حاصل ہے اور اس میں سستی کم ہی راستہ پاتی ہے، بلکہ روز بروز (فقیر) ترقی اور زیادتی کا اُمیدوار ہے۔

(فقیر) فجر، ظہر اور عصر کے بعد حلقہ میں بیٹھتا ہے اور حافظ بہاء الدین جب کاموں سے فارغ ہوتے ہیں تو قرآن بھی پڑھتے ہیں اور یہ فقیر بعض اوقات (حالت) قبض میں ہے اور کبھی بسط میں۔ قبض و بسط، توجہ و ذوق اور آرام وغیرہ سب بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے اور لطائفِ ستّہ نہ متوجہ ہیں اور نہ غافل۔ اگر وہ متوجہ (ہوتے) ہیں تو ان کی توجہ علم حضوری کی مانند (ہوتی) ہے، بلکہ عین توجہ (ہوتی ہے) اور (فقیر) توجہ و ذوق وغیرہ کو ظلال میں داخل سمجھتا ہے اور ظل سے متجاوز نہیں پاتا۔ لطائف ابتدا میں بدن کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور بصیرت کی نظر میں بدن کے علاوہ کوئی دوسری چیز معلوم نہیں ہوتی تھی، جیسا کہ آپ کے پُر مسرت حضور میں عرض کیا تھا اور اب بدن سے ممتاز نظر آتے ہیں اور (فقیر) اس مقام کو مقامِ بقا سمجھتا ہے۔ بقا کے بعد دوبارہ فنا کی ایک اور قسم لطائف سے ظاہر ہوئی اور اس طرح معلوم ہوا کہ اس فنا کے بغیر جو کہ بقا

کے بعد ظاہر ہوتی ہے، کام (کی تکمیل) میسر نہیں ہوئی ہے۔

فی الحال چند روز ہوئے ہیں کہ (فقیر) قبض کی حالت میں ہے اور سرور کا معاملہ کم ہے، دیکھئے کیا ظاہر ہوتا ہے، لیکن اب تک توجہ عالم کی جانب نہیں آئی ہے۔ چونکہ عرض حال ضروری تھا، (لہذا فقیر نے) چند کلمات (لکھنے) کی جرأت کی ہے۔ میرے قبلہ گاہ! فقیر ہر رات حضرت کو خواب میں دیکھتا ہے۔ الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔ (فقیر اس سے) زیادہ کیا لکھے کہ رسمی تکلفات میں داخل ہے؟ وَالْعُبُودِيَّةُ۔ یعنی: اور آدابِ بندگی۔

عرض داشت سوم: کمترین بندہ محمد صادق خدمت عالی میں عرض کرتا ہے کہ ایک مدت ہوئی ہے کہ یہ فقیر قبض اور غم کی حالت میں رہتا تھا، آخر کار محض (آپ کی) توجہ اقدس سے اللہ جل سلطانہ کی عنایت شامل حال ہوئی اور ایک عظیم بسط ظاہر ہوا اور اس بسط میں یوں معلوم ہوا کہ جس طرح پہلے یاد اور توجہ مثال کے طور پر اس شخص کی جانب سے ہوتی تھی، اب جو کچھ ہے وہ حق تعالیٰ و تقدس کی طرف سے ہے اور (فقیر) اپنے اندر قبول کی قابلیت کے علاوہ کچھ نہیں پاتا تھا۔ اس آئینہ کی مانند جس پر سورج طلوع ہو تو اس کے اس نکلنے کی وجہ سے بدن اور لطائف کی سب ظلمت اور کدورت جل جاتی ہے اور اس کو پوری طرح نور اور برکت حاصل ہو جاتی ہے۔ پس اس سے سید کھل گیا اور قلب وسیع ہو گیا اور بدن نورانی ہو گیا اور (لطائف) روح و سر، جو پہلے روشن تھے اب اور زیادہ روشن اور لطیف ہو گئے۔ میں نے لطائف کے درمیان سب سے زیادہ کامل تجلی قلب پر پائی۔ پس جب میں نے قلب کی طرف نگاہ کی تو معلوم ہوا کہ بلاشبہ قلب میں ایک اور قلب ہے اور اس پر تجلی طاری ہوئی۔ اس کے بعد میں نے قلب کے قلب پر نگاہ ڈالی تو اس میں ایک اور قلب ظاہر ہوا اور اس پر تجلی طاری ہوئی۔ نیز اسی طرح بے انتہا قلب ظاہر ہوئے اور کوئی ایسا قلب بسیط ظاہر نہ ہوا جس میں ایک اور قلب ظاہر نہ ہوا ہو۔ لیکن اب مجھے وہم ہوتا ہے کہ معاملہ قلب بسیط تک پہنچ گیا ہے، مگر یہ بات یقینی نہیں ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ اس حالت سے پہلے کے سب حالات محض تکلفات تھے اور اس مقام کا نام بھی دل میں آتا تھا، لیکن بے ادبی کے خوف کی وجہ سے میں نے اسے نہیں لکھا۔

میرے قبلہ گاہ! یہ سب کچھ آپ کی توجہ پاک کے (بلند ترین) اثرات میں سے کمترین اثر ہے:

گر برتن من زباں شود ہر موئے یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

یعنی: اگر میرے بدن کا ہر بال زبان بن جائے تو میں تیرے ہزار (احسانوں) میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ حضرت سلامت! آپ کی درگاہ کے خدام کی خدمت میں حاضر ہونے کی جو خواہش ہے، (فقیر) اس کی کیا شرح کرے اور (اس کے بارے میں) کیا لکھے؟ رات اور دن بلکہ ہر گھڑی اس تصور میں ہے کہ کونسا نیک وقت اور بھلی ساعت ہو گی جس میں یہ اعلیٰ مطلب اور بلند مقصد حاصل ہوگا؟ اور اس کے علاوہ کوئی تمنا اور آرزو تصور میں نہیں آتی۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نبی (کریم) عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ مِنْ الصَّلٰوٰتِ اَتَمُّہَا وَمِنْ التَّسْلِیْمٰتِ اَكْمَلُہَا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آلِ امجاد کے صدقے احسن وجوہات اور عمدہ ترین اطوار سے یہ دولتِ عظمیٰ عطا فرمائے۔ وَالْعُبُودِيَّةُ۔ یعنی: اور آدابِ بندگی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَاٰخَرًا۔

حواشی و تعلیقات دفترِ اول

مکتوب نمبر (۲)

۱۔ مثنوی ۳: ۳۱۳

مکتوب نمبر (۵)

۱۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ نے اپنی رباعیات کی شرح خود تحریر فرمائی اور اس کا نام ”سلسلۃ الاحرار“ رکھا۔ (دیکھئے: حاشیہ مکتوبات امام ربائی، فارسی و اردو)

مکتوب نمبر (۶)

۱۔ دیوان حافظ، ص ۲۷۲

مکتوب نمبر (۷)

۱۔ رشحات عین الحیات، تالیف مولانا فخر الدین علی بن حسین واعظ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۳۹ھ/ ۱۵۳۲ء)

مکتوب نمبر (۸)

۱۔ یوسف وزلیخا حضرت مولانا عبد الرحمن جامی قدس سرہ (م ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء) کی تصنیف ہے۔
۲۔ تلوح تالیف حضرت سعد الدین بن مسعود بن عمر المعروف علامہ تفتازانی رحمہ اللہ (م ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء)، اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے۔
۳۔ تلوح کی مشکل بحث اور دقیق مقام۔

۴۔ ہدایہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب۔ تالیف حضرت برہان الدین ابوبکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۷ء)

۵۔ یعنی: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام کی صفات۔

مکتوب نمبر (۹)

۱۔ دیکھئے: احیاء العلوم، اتحاف: ۲۴۸
۲۔ مسند احمد: ۲: ۴۴۱، مشکاۃ: ۲: ۲۰۱۴، سنن الدارمی: ۲: ۳۰۱

مکتوب نمبر (۱۰)

۱۔ شامک ترمذی، ص ۱۶۶، نیز شعب الایمان، دلائل النبوة، معجم الکبیر وابن عساکر
۲۔ فتح الباری، ۷: ۱۶۶، کشف الخفاء، ۲: ۲۵۳، میزان الاعتدال، ۷: ۶۸۸، الکامل، ۷: ۳۶۳، حلیۃ الاولیاء، ۶: ۳۳۳، کنز العمال، ۳۲۶۱، ۵۸۲۸، نیز ابن عساکر، احمد، ترمذی وابن حبان

مکتوب نمبر (۱۱)

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین

۲۔ مثنوی ۶: ۵۳۶

۳۔ نفحات الانس، تصنیف حضرت مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ یعنی: تجلی ذاتی برقی جو حضرات نقشبندیہ کے نزدیک دائمی اور دوسرے کے نزدیک برقی ہے۔ (مکتوب ۱: ۲۶)

۵۔ تنزلات مراتب خمسہ، ان کو حضرات خمسہ اور تعینات بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے: دفتر دوم، مکتوب اول

۶۔ مسند احمد، ۵: ۲۹۳، موارد الظمان، ۲۴۶۰

۷۔ صحیح البخاری، ۴: ۱۲۹، ۲: ۱۵۲، اتحاف، ۲: ۱۰۵، نیز مشکوٰۃ اور مرقاہ شرح مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۱۲)

- ۱۔ اتحاف، ۶: ۴۰، عمل الیوم واللیلۃ، ۴۴، ۴۰
- ۲۔ المعجم الکبیر، ۱۲: ۳۶۳، صحیح البخاری، ۱: ۱۵۹
- ۳۔ فنائی اللہ اور بقا باللہ کی وضاحت کے لیے دیکھئے: دفتر ۲: مکتوب ۴، مکتوب ۶ اور اقسام سیر دفتر ۱: مکتوب ۱۴

مکتوب نمبر (۱۳)

- ۱۔ مشنوی، ۱: ۵۰

مکتوب نمبر (۱۵)

- ۱۔ مشنوی، ۳: ۳۱۳

مکتوب نمبر (۱۶)

- ۱۔ گمان ہے کہ اس سے مراد دفتر اول کا مکتوب ۲۶۶ ہے۔ (حاشیہ مکتوب امام ربائی از مولانا سید زوار حسین شاہ)
- ۲۔ مشنوی، ۱: ۱

مکتوب نمبر (۱۸)

- ۱۔ یعنی جو فکر و نظر پر موقوف ہو (حاشیہ مکتوبات امام ربائی از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ)
- ۲۔ یعنی جو بدیہی و ظاہر ہو اور نظر و فکر پر موقوف نہ ہو (حاشیہ مکتوبات امام ربائی)
- ۳۔ مرصاد العباد، ص ۲۳۸
- ۴۔ حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء) حضرت مجدد قدس سرہ کے گرامی قدر صاحبزادے
- ۵۔ غالباً حضرت شیخ نور محمد پٹنی رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب نمبر (۲۱)

- ۱۔ اشارہ بہ آیت کریمہ: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ. (سورۃ النجم، ۱۷)
- ۲۔ یعنی: هُمُوتُوا قَبْلَ أَنْ تَمُوتُوا. (لؤلؤ المرصوع، ص ۹۴، المنج القوی، ۴: ۳۱۳، احادیث مشنوی، ۱۱۶)
- ۳۔ حضرت مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء)
- ۴۔ حضرت مولانا جلال الدین محمد پٹنی رومی قدس سرہ (م ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۳ء)

مکتوب نمبر (۲۲)

- ۱۔ اشارہ بہ آیت کریمہ: فَاصْحَبْ الْمَيْمَنَةَ. (سورہ واقعہ، ۸)
- ۲۔ اشارہ بہ آیت کریمہ: وَاصْحَبْ الْمَشْأَمَةَ. (سورہ واقعہ، ۹)
- ۳۔ اشارہ بہ آیت کریمہ: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ. (سورۃ الانبیاء، ۱۰۱)
- ۴۔ صحیح مسلم، جامع الترمذی
- ۵۔ یعنی صنوبر کی صورت میں گوشت کا ٹکڑا (دل) جو انسانی جسم میں بائیں جانب واقع ہے۔

مکتوب نمبر (۲۳)

- ۱۔ سورۃ ابراہیم کی آیات ۲۲، ۲۶ کی طرف اشارہ ہے۔
- ۲۔ اتحاف، ۷: ۲۸۳، کشف الخفاء، ۱: ۴۵

مکتوب نمبر (۲۴)

- ۱۔ صحیح مسلم، ۲: ۳۳۲
- ۲۔ اتحاف، ۸: ۶۰۸، کشف الخفاء، ۱: ۲۲۸
- ۳۔ بخاری ادب، ۹۶، مسلم بر ۱۶۵، جامع الترمذی زہد، ۵۰، سنن الدارمی رقائق، ۷۱، مسند احمد، ۲۹۲، ۳: ۱۰۴، ۱۱: ۱۰۷

مکتوب نمبر (۲۵)

- ۱۔ اشارہ بہ حدیث: أَصْحَابِي كَالنَّجُومِ بِيَهُمْ أَفْتَدَيْتُمْ إِهْتَدَيْتُمْ. (میزان الاعتدال، ۱۵۱۱، ۲۲۹۹، لسان المیزان، ۲: ۴۸۸)

یعنی میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

مکتوب نمبر (۲۶)

۱۔ تذکرہ، ص ۱۹۶، نیز احیاء العلوم

مکتوب نمبر (۲۷)

۱۔ یہ اشعار مولانا جانیؒ کے ہیں۔

مکتوب نمبر (۳۰)

۱۔ مثنوی ۳: ۳۳۳ ۲۔ مثنوی ۳: ۳۱۳

مکتوب نمبر (۳۲)

۱۔ دیوان حافظ، ص ۲۱۶

۲۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ مناوی نے اس حدیث کو صحیح اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کو حدیث حسن کہا ہے۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانیؒ)

۳۔ عمرو بن عثمان شیرازی ملقب بہ سیدہ، جو نوحہ صرف کے مشہور امام گزرے ہیں۔

مکتوب نمبر (۳۳)

۱۔ صحیح البخاری، ۳۰۶۲

۲۔ اتحاف، ۱: ۳۲۸، کنز العمال ۲۹۰۹۹، میزان الاعتدال، ۵۵۶۸، لسان المیزان، ۴: ۳۶۴، الکامل، ۵: ۱۸۰۷، نیز دارمی

۳۔ رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ

۴۔ کنوز الحقائق، ص ۱۴۰، الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ، جامع الصغیر، جلد ۲: ۱۲۷

۵۔ مسند احمد و بیہقی عن ابوموسیٰ اشعریؒ، نیز شرح تعرف، ۲: ۱۱۱، ۳: ۴۷

مکتوب نمبر (۳۴)

۱۔ اہل فلسفہ کے جواہر خمسہ سے مراد (۱) حال، (۲) محل، (۳) ان دونوں سے مرکب، (۴) نفس، (۵) عقل ہے۔ یعنی: (۱) صورت خواہ جسمیہ ہو یا نوعیہ، (۲) بیہولی، (۳) جسم، (۴) نفس، (۵) عقل۔

۲۔ صوفیائے کرام نے لطائف کو انسان کے جسم میں یوں متعین فرمایا ہے (۱) لطیفہ قلب کا مقام بائیں پستان سے دو انگلی نیچے مائل بہ پہلو ہے اور اس کا نور سرخ ہے، (۲) لطیفہ روح کا مقام دائیں پستان سے دو انگلی نیچے مائل بہ پہلو ہے اور اس کا نور سفید ہے، (۳) لطیفہ سر کا مقام بائیں پستان کے برابر دو انگلی کے فاصلہ پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔ بعض (صوفیہ) کے نزدیک اس کا مقام سینہ کے درمیان میں ہے اور اس کا نور سبز ہے۔ (۴) لطیفہ خفی کا مقام دائیں پستان کے برابر دو انگلی کے فاصلہ پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔ بعض (صوفیہ) کے نزدیک اس کا مقام ابرو کے اوپر ہے اور اس کا نور نیلگوں ہے۔ (۵) لطیفہ انہی کا مقام عین وسط سینہ ہے۔ بعض (صوفیہ) کے نزدیک اس کا مقام ام الدماغ ہے اور اس کا نور سیاہ آنکھ کی سیاہ پتلی کی مانند ہے۔ (دیکھئے: حاشیہ مکتوبات امام ربانیؒ، فارسی و اردو)

۳۔ ارشاد الہی ہے: اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ (سورۃ الاعراف، ۵۴) یعنی: یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے، خالق ہونا اور حاکم ہونا۔ صوفیہ کا قول ہے کہ الخلق سے مراد ہے عالم خلق۔ یعنی عالم جسمانی، عرش، تمام انسان اور زمینیں اور آسمان و زمین کی تمام مادی کائنات اور سارے عناصر اور عناصر سے بنائی ہوئی نباتی، معدنی اور حیوانی مخلوق کے نفوس، یعنی وہ لطیف اجسام جو کثیف اجسام میں جاری و ساری ہیں اور الامر سے مراد ہے عالم امر۔ یعنی مجردات قلب، روح، سر، خفی، انہی۔ یہ تمام مجردات عرش سے بالاتر ہیں، مگر انسانی اور ملکی اور شیطانی نفوس میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہیں، جیسے آئینہ کے اندر سورج۔ چونکہ اللہ نے ان کو بغیر مادہ کے صرف لفظ لگن سے پیدا کیا ہے، اس لیے ان کو عالم امر کہا جاتا ہے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا: ”خلق اور امر میں فرق ہے، جس نے دونوں

کواکب کھاوہ کافر ہو گیا۔“ (دیکھئے تفسیر مظہری اردو، جلد ۴: ۳۱۵-۳۱۶، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

۴- دیوان حافظ، ص ۱۱۷

۵- صفات اضافی یعنی پیدا کرنا، رزق دینا، مارنا، زندہ کرنا، رنج و الم دینا، انعام کرنا وغیرہ

۶- صفات حقیقیہ یعنی (۱) ارادہ، (۲) قدرت، (۳) سمیع، (۴) بصر، (۵) کلام، (۶) علم، (۷) حیوۃ، (۸) تمکون

مکتوب نمبر (۳۵)

۱- مثنوی، ۶۹: ۵

مکتوب نمبر (۳۷)

۱- جیسا کہ ترمذی شریف میں آیا ہے: عن ام فروة: قالت سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل قال الصلوة لاول وقتها وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوقت الاول عن الصلوة رضوان اللہ والوقت الآخر عفو اللہ.

۲- جیسا کہ ترمذی شریف، مسند احمد بن حنبل اور ابن ماجہ شریف میں آیا ہے: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو لا ان شق علی امتی لامرتہم ان یوخر والعشاء الی ثلث اللیل او نصفہ.

مکتوب نمبر (۳۸)

۱- مثنوی، ۶: ۶

۲- دیوان حافظ، ص ۸۸

۳- مثنوی، ۴: ۳۲۳

۵- صحیح البخاری، ۳: ۱۳۹، ۴: ۹۳، صحیح مسلم، ۸: ۴۷، مسند احمد، ۶: ۸۲، ۱۲۹، جامع الصغیر، ۲: ۹۳

۶- مقامات عشرہ یعنی راہ سلوک کے دس مقامات، جو یہ ہیں: (۱) توبہ، (۲) زہد، (۳) توکل، (۴) صبر، (۵) قناعت، (۶) شکر، (۷) خوف، (۸) رجا، (۹) فقر، (۱۰) رضا۔ ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، عوارف المعارف اور قوت القلوب۔ مراتب کمال میں مقام رضا سے اور کوئی مقام متصور نہیں اور اس میں کماتہ حقیقت آخر میں ظاہر ہوگی۔

مکتوب نمبر (۴۱)

۱- صحیح مسلم، الجمعۃ، ب، ۱۳، رقم ۴۳، مسند احمد، ۳: ۳۷۱، السنن الکبریٰ، ۳: ۲۱۴، السنۃ لابن ابی عاصم، ۱: ۱۶

۲- ادب الاملاء ابن سمعان، عن ابن مسعود، نیز جامع صغیر سیوطی

۳- اس کی تحقیق حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے مکتوب نمبر ۲۶۶ (جلد اول) میں درج ہے۔

۴- تاریخ بغداد، ۱۳: ۴۹۳

مکتوب نمبر (۴۲)

۱- جاننا چاہیے کہ قلب صنوبری (جسمانی دل) قلب حقیقی کا آشیانہ ہے، جو عالم امر سے ہے اور جس کا نام حقیقت جامع ہے۔

مکتوب نمبر (۴۳)

۱- علم الیقین کا مطلب تفصیل کے ساتھ اور عین الیقین اور حق الیقین کا مختصر طور پر حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ نے دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۴ میں بیان فرمایا ہے۔

۲- جس طرح کہ بعض عرفاء کا قول ہے کہ اگر کوئی عارف اپنے شعور سے بالکل بے خبر ہو جائے اور خود کو وہی دیکھے اور ہو ہو کہے تو وہ معذور ہے، کیونکہ اسے اپنے حال کی حقیقت سے آگاہی نہیں۔ جب وہ ہوشیاری میں آتا ہے اور اپنے حال کی حقیقت سے باخبر ہوتا ہے تو پھر خود ہی کہہ اٹھتا ہے کہ میرا کمال اس میں ہے کہ میں عبد اللہ (اللہ کا بندہ) ہوں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اگر میں نے کبھی ”سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَآئِئِی“ کہا تو میں کافر مجوسی تھا، میں آج ہی اپنی زنا توڑتا ہوں اور کہتا ہوں: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. (ماخوذ از رسالہ عقائد صوفیہ، نیز از حواشی مکتوبات امام ربانی، فارسی و اردو)

۳۔ غالباً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء) مراد ہیں۔

مکتوب نمبر (۴۴)

- ۱۔ دیکھئے: صحیح البخاری ۴: ۱۶۳، ۶: ۱۰۵، صحیح مسلم، ۱۸۴، ۱۸۶، مسند احمد، ۲: ۵۴۰، جامع الترمذی، ۳۱۴۸
- ۲۔ مناقب الصفاء، ۲۹، اتحاف، ۱۰: ۴۹۷
- ۳۔ سنن ابی داؤد، ۳: ۶۷۷، مسند احمد، ۲: ۵۴۰
- ۴۔ اتحاف، ۱۰: ۴۹۶، الشفاء، ۱: ۴۰۰
- ۵۔ صحیح البخاری، ۸: ۱۵۹، مسند احمد، ۲: ۲۳۹، صحیح مسلم، ۵۸۵
- ۶۔ صحیح مسلم الفضائل، ۲۲، جامع الترمذی، ۲۲۱۹
- ۷۔ صحیح البخاری، ۲: ۲۴۲، صحیح مسلم الجہاد، ۷، جامع الترمذی، ۳۵۳۲، مسند احمد، ۲۱۰
- ۸۔ جامع الترمذی، ۳۱۴۸، سنن النسائی، ۴: ۴۳۰، مسند احمد، ۲۸۱
- ۹۔ الدر المنثور، ۶: ۳۰۱، مشکوٰۃ، ۶: ۵۷، مجمع الزوائد، ۸: ۲۵۴
- ۱۰۔ کنز العمال، ۱۶۶۳۳، ۳۲۰۳۹، المستدرک، ۲: ۶۰۴
- ۱۱۔ کشف الخفاء، ۲: ۲۳۲، اسرار المرفوعہ، ۲۹۵، الفوائد المجموعہ، ۳۲۶
- ۱۲۔ در المنثور، فی الاحادیث المشہورۃ، ۱۲۶، تنزیہ الشریعۃ، ۲: ۳۴۱، کشف الخفاء، ۲: ۱۹۱، اسرار المرفوعہ، ۲: ۲۷۲، نیز مشکوٰۃ، و شرح السنۃ

مکتوب نمبر (۴۵)

- ۱۔ صحیح مسلم، ۲: ۳۳۲
- ۲۔ شعب الایمان بنبیہ، مشکوٰۃ
- ۳۔ ایضاً
- ۴۔ مشکوٰۃ، ترمذی وابن ماجہ و احمد بن حنبل
- ۵۔ مشکوٰۃ و ترمذی و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ
- ۶۔ مسند احمد و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ
- ۷۔ السنن الکبریٰ، ۴: ۲۳۹، مستدرک حاکم، ۱: ۴۲۲، سنن ابی داؤد، ۲: ۳۵۷، شرح السنۃ، ۶: ۲۶۵، مشکوٰۃ، ۱۹۹۳، سنن الدارقطنی، ۲: ۱۸۵، کنز العمال، ۱۸۰۵۵

مکتوب نمبر (۴۷)

- ۱۔ المطالب العالیہ، ۱۶۰۵، نصب الراية، ۴: ۲۴۶، اتحاف، ۶: ۱۲۸، کنز العمال، ۳۵: ۳۴۷، کشف الخفاء، ۲: ۳۷۸

مکتوب نمبر (۵۱)

- ۱۔ مستدرک حاکم، ۲: ۲۴۳، جامع صغیر، ۲: ۱۵۴، المعجم الکبیر، ۳: ۳۷، ۳۸، کنز العمال، ۳۴۱۵۱، حلیۃ الاولیاء، ۴: ۳۰۶، مجمع الزوائد، ۹: ۱۶۸

مکتوب نمبر (۵۲)

- ۱۔ مسند احمد، ۲: ۲۴۸، ۴: ۴۲۷، جامع صغیر، ۲: ۸۱، احیاء العلوم، ۱: ۳۴
- ۲۔ مسند احمد، ۵: ۲۳۹، حلیۃ، ۲: ۳۵۷، مجمع الزوائد، ۱: ۵۲، ۲: ۲۱۱، ۱۰: ۸۱
- ۳۔ سنن النسائی

مکتوب نمبر (۵۳)

- ۱۔ مشکوٰۃ، رواہ الداری

مکتوب نمبر (۵۴)

- ۱۔ جامع الترمذی، ۱۹۵۵، مسند احمد، ۲: ۲۵۸، ۳: ۳۲، ۴: ۲۷۸، مجمع الزوائد، ۵: ۲۱۷، ۸: ۱۸۱، ۱۸۲، مشکوٰۃ، ۳۰۲۵، کنز العمال، ۶۴۴۳، جامع صغیر، ۱: ۱۴۳
- ۲۔ دیوان حافظ، ص ۵۶

مکتوب نمبر (۵۵)

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”إِنَّ أَسْرَعَ الدُّعَاءِ أَجَابَةٌ دَعْوَةُ غَائِبٍ لِعَائِبٍ.“ (سنن ابی داؤد، الدعاء، ب ۷، کنز العمال ۲۳۰۶) نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ آمِينَ وَلَكَ بِحَسْبٍ. (سنن ابی داؤد ۱۵۳۴، اتحاف ۶: ۲۲۳، کنز العمال ۳۳۶)

۲۔ امام احمدؒ نے مسند میں، امام بخاریؒ نے ادب المفرد (ص ۵۶۶) میں، امام ترمذیؒ نے ”زہد“ میں نقل کی ہے۔ نیز مصنف ابن حبان اور مستدرک حاکم میں بھی مذکور ہے۔ (شرح جامع الصغیر)، نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: کنز العمال ۳۴۷۱۶

مکتوب نمبر (۵۸)

۱۔ (۱) لطیفہ قلب، (۲) لطیفہ روح، (۳) لطیفہ سر، (۴) لطیفہ خفی، (۵) لطیفہ خفی، (۶) لطیفہ قلب، (۷) لطیفہ نفس

۲۔ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جاننا چاہیے کہ ظلمانی پردوں سے مراد غفلت کے پردے ہیں جو انسان کے دس لطائف کی کدورت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ نورانی پردوں سے مراد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے پردے ہیں۔ لطائف عشرہ کو لطائف سبعہ کی جانب راجع کرتے ہیں۔ یعنی پانچ عالم امر کے اور دو عالم خلق کے۔ پس ان سات لطائف میں سے ہر ایک کے حصے میں دس ہزار حجاب ہوئے۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانیؒ)

۳۔ اتحاف ۲: ۷۲، ۵: ۱۳۷، المغنی ۱: ۱۰۱، الفوائد المجموعہ ۲۵۰، مشکوٰۃ، اہمۃ الدعوات، ص ۷۷، ۷۸

۴۔ یہ اشعار مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے ہیں۔

مکتوب نمبر (۵۹)

۱۔ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی تحقیق اور تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں: مکتوب نمبر ۱۴۴، دفتر اول۔

مکتوب نمبر (۶۰)

۱۔ ”یاد کرد“ سے مراد لسانی (زبانی) اور قلبی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کو دور کرنا۔ جاننا چاہیے کہ جب تک سالک طریقت اور بناوٹ (تصنع) میں ہے اور اسے حقیقت اور حضور کا ملکہ نصیب نہیں ہوا، اس وقت تک وہ ”یاد کرد“ کے مقام میں ہے اور جب حضور و دوام نصیب ہو جائے اور وہ ”یاد کرد“ کے تکلف سے رہائی پالے اور اسے ایسا ملکہ نصیب ہو جائے کہ نفی کرنے سے بھی اس کی نفی نہ ہو سکے تو (اس وقت) مقام یادداشت نصیب ہو جاتا ہے۔ (ماخوذ از مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ، حاشیہ مکتوبات امام ربانیؒ)

۲۔ ”یادداشت“ سے مراد ہے ہر وقت اور ہر حالت میں بطریق فوق اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا۔ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ”یادداشت“ بے غیبت حضور کو کہتے ہیں اور محققین صوفیہ کے نزدیک حب ذاتی کے توسط سے شہود حق کا دل پر غلبہ ہونا حصول یادداشت کہلاتا ہے، جسے مشاہدہ کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس مقام میں کامل توجہ اللہ تعالیٰ کی جانب ہو جاتی ہے، وہ کامل فنا اور کامل بقا کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ (ماخوذ از ضیاء القلوب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی قدس سرہ، حاشیہ مکتوبات امام ربانیؒ)

۳۔ مثنوی ۴: ۳۲۵

مکتوب نمبر (۶۱)

۱۔ مشکوٰۃ، ۵۸۶۵، الترغیب والترہیب ۴: ۲۹۳، شرح السنۃ ۳: ۱۳۰، مجمع الزوائد، ۱۰: ۳۹۱، المطالب العالیہ، ۳: ۶۷۷

۲۔ مرید عالم سفلی میں گرفتار ہونے کی وجہ سے عالم علوی سے مناسبت نہیں رکھتا، تا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے بلا واسطہ فیوض و برکات اخذ کر سکے، لہذا اس کو ایک ایسے واسطہ کی ضرورت ہوتی ہے، جو دونوں طرف سے تعلق رکھتا ہو، یعنی وہ عالم علوی سے وافر حصہ حاصل کر کے مخلوق کی دعوت و ارشاد کے لیے عالم سفلی کی جانب رجوع کر چکا ہو، تا کہ وہ عالم علوی سے مناسبت کی بنا پر عالم غیب سے فیوضات اخذ کر کے عالم سفلی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے طالبین کو وہ فیوضات منتقل کر سکے۔

مکتوب نمبر (۶۲)

۱۔ سیر فی اللہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں مکتوب نمبر ۱۴۴، دفتر اول بنام حافظ محمود لاہوری رحمۃ اللہ علیہ۔

۲۔ یہ دفترِ اوّل کا مکتوب نمبر ۲۸۷ ہے، جو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے برادر گرامی حضرت میاں غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے۔ نیز ملاحظہ فرمائیں مکتوب نمبر ۴۲، دفترِ دوم، بنام خواجہ جمال الدین حسین رحمۃ اللہ علیہ۔

مکتوب نمبر (۶۳)

۱۔ مسند احمد ۲: ۱۶۲، ۱۹۰، نیز مجمع الکبیر

مکتوب نمبر (۶۴)

۱۔ حدیث پاک ہے: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ. (صحیح مسلم، الزہد المقدمہ، جامع الترمذی ۲۳۳۴، مسند احمد ۲: ۱۹۷، مجمع الزوائد ۱۰: ۲۸۸، ۲۸۹، اتحاف ۷۷: ۴۱۲، مشکوٰۃ ۵۱۵۸، ۵۱۵۹) یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

مکتوب نمبر (۶۵)

۱۔ صحیح مسلم وابن ماجہ وطبرانی
۲۔ دیوان حافظ ص ۷۸
۳۔ مسند احمد بن حنبل
۴۔ کنز العمال ۱۶: ۲۴۷، ادب المفرد ص ۵۴۶

مکتوب نمبر (۶۶)

۱۔ اس حدیث کی جانب اشارہ ہے: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُ أُمَّتِي قُرْبَى ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ. (صحیح البخاری ۵: ۲، شرح السنۃ ۱: ۴۰۴، مشکوٰۃ ۶۰۰۱) یعنی: میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں (یعنی صحابہ کرامؓ) پھر وہ جو ان سے ملیں (یعنی تابعینؓ) پھر وہ جو ان سے ملیں (یعنی تابعینؓ)۔

مکتوب نمبر (۶۷)

۱۔ مسند احمد ۲: ۱۷۳، الاسماء والصفات ص ۳۴۱، السنۃ لابن ابی عاصم ۱: ۹۹، نیز مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۶۸)

۱۔ صحیح مسلم، نمبر ۶۶۸۳ ص ۱۱۴۴، کنز العمال، نمبر ۵۹۲۴، اتحاف ص ۲۲۵، نیز مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۶۹)

۱۔ مشکوٰۃ نمبر ۵۱۹، حلیۃ الاولیاء ۷: ۱۲۹، فتح الباری ۱۱: ۳۴۷، مجمع الزوائد ۸: ۸۲

مکتوب نمبر (۷۰)

۱۔ دیکھئے: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح ۹: ۳۹۴، حاشیہ احیاء العلوم ۲: ۲۵۰، احیاء العلوم ۳: ۱۲، اتحاف ۷: ۲۳۴
۲۔ مشکوٰۃ نمبر ۵۸۶۵، الترغیب والترہیب ۴: ۴۹۳، شرح السنۃ ۳: ۱۳۰، مجمع الزوائد ۱۰: ۳۹۱، المطالب العالیہ، نمبر ۴۶۷۷

مکتوب نمبر (۷۱)

۱۔ جامع الترمذی و سنن ابن ماجہ صحیح مسلم

مکتوب نمبر (۷۳)

۱۔ شرح تعرف ۲: ۱۱۱، ۴۷، نیز دیکھئے: مسند احمد بن حنبل، نیز حاکم وطبرانی وابن حبان
۲۔ مسند احمد ۱: ۲۰، کنز العمال ۳: ۸۲۹۱، مجمع الزوائد ۸: ۱۸، الکامل ۳: ۹۰۷، ۱۵۸۸، ۲۳۴۱
۳۔ مسند احمد ۵: ۲۳۹، مجمع الزوائد ۱: ۵۲، ۲۱۱، ۸۱، حلیۃ الاولیاء ۲: ۳۵۷
۴۔ اشارہ بہ آیت ۸، سورۃ التحریم
۵۔ صحیح البخاری و صحیح مسلم
۶۔ اتحاف ۱: ۵۷، ۸: ۴۴۷، الترغیب والترہیب ۱: ۱۲، مجمع الزوائد ۱: ۱۸۵، کنز العمال، نمبر ۲۸۹۷، نیز دیکھئے: مستدرک حاکم و دارمی و ابن عساکر و شعب الایمان

۷۔ مثنوی، جلد ۵: ۱۶

مکتوب نمبر (۷۳)

۱۔ هُمْ الْجُلَسَاءُ اللَّهُ لَا يَشْفِي جَلِيسُهُمْ (بخاری) وَهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْفِي جَلِيسُهُمْ. (فتح الباری ۱۱: ۲۰۹، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۲۷، کشف الخفاء ۲: ۴۶۲، نیز بخاری و مسلم)

۲۔ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِي بَصْعَاتِكَ الْمُهَاجِرِينَ. (مشکوٰۃ و شرح السنہ)

۳۔ صحیح مسلم، نمبر ۶۸۲، ص ۱۱۴۳، نیز مشکوٰۃ

مکتوب نمبر (۷۶)

۱۔ جامع الترمذی مشکوٰۃ، نیز بیہقی

۳۔ اتحاف، ۴: ۱۵۹، ۷: ۳۷۵، نیز صحیح البخاری و صحیح مسلم

۴۔ صحیح البخاری، ۳: ۱۷۰، مشکوٰۃ، نمبر ۵۱۲۹، فتح الباری، ۵: ۱۰۱، مشکل الآثار، ۱: ۱۱۰

۵۔ صحیح مسلم، البر والصلۃ ۵۹، جامع الترمذی، نمبر ۲۳۱۸، مشکوٰۃ، ۵۱۲۷، شرح السنہ، ۱۴: ۳۶۰

۶۔ سنن ابن ماجہ، نمبر ۱۰، السنن الکبریٰ، ۲۲۶: ۹، نیز مستدرک حاکم و سنن ابی داؤد

مکتوب نمبر (۷۸)

۱۔ اسرار المرفوعہ، ۱۸۰، کشف الخفاء، ۱: ۴۱۳، درر المنقذۃ فی الاحادیث المشتملہ، ۴

۲۔ حصن حصین، نیز مسند احمد، ۵: ۳۹۵، مجمع الزوائد، ۱: ۵۲، ۲: ۲۱۱، ۸: ۱۰، حلیۃ الاولیاء، ۲: ۳۵۷، نیز مشکوٰۃ و شرح السنہ

۳۔ مسند الفردوس دیلمی

مکتوب نمبر (۷۹)

۱۔ رواہ ملا علی قاری، دیکھئے: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

۲۔ قاضی شریح بن حارث بن قیس کو فی نخعی (م تقریباً ۸۰ھ/ ۷۰۰-۶۹۹ء)

مکتوب نمبر (۸۰)

۱۔ رواہ الترمذی و نیز دیکھئے: مشکوٰۃ

۲۔ مشکوٰۃ و جامع الترمذی

۳۔ تاریخ الخلفاء، ص ۴۵

مکتوب نمبر (۸۵)

۱۔ دیلمی عن علیؑ، نیز شعب الایمان بیہقی

۲۔ الترغیب والترہیب، ۴: ۱۲۶، کنز العمال، نمبر ۳۰۹۲۲

۳۔ الدرر المنقذۃ فی احادیث المشتملہ، ص ۱۵۷، اسرار المرفوعہ، ص ۳۳۹، کشف الخفاء، ص ۳۳۴، نیز شعب الایمان للبیہقی

مکتوب نمبر (۸۷)

۱۔ فتح الباری، ۱۱: ۲۰۹، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۲۷، کشف الخفاء، ۲: ۴۶۲، نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ، بخاری و مسلم

مکتوب نمبر (۸۸)

۱۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: سنن النسائی، ۵: ۲۷، مصنف ابی شیبہ، ۵: ۳۳۴، ۸: ۴۹۰، کنز العمال، ۸: ۴۲۶، جامع الترمذی، نمبر

۱۶۳۴، ۱۶۳۵، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۶۱، ۱۶۲، مشکوٰۃ، ۴: ۵۹، مجمع الزوائد، ۵: ۱۵۸

مکتوب نمبر (۸۹)

۱۔ مشکوٰۃ، نمبر ۲۲۷، احادیث صحیحہ، ۱۸۳۶، کنز العمال، ۴: ۳۲۶، اتحاف، ۷: ۳۳۸، ۱۰: ۱۲۰، شرح السنہ، ۵: ۱۱۶، نیز رواہ الطبرانی والبیہقی

فی الحلیۃ وترندی وداری

۲- مشکوٰۃ، ۲۳۵۵، کنز العمال، ۴۲۹۷۱، اتحاف، ۱۰: ۳۶۷، میزان الاعتدال، ۳۰۰، لسان المیزان، ۵: ۳۳۹

مکتوب نمبر (۹۵)

۱- صحیح مسلم البر والصلة، ۱۱۵، مسند احمد، ۲: ۲۴۴، فتح الباری، ۱۱: ۳- نیز رواہ البخاری و مشکوٰۃ باب الاسلام- تشدید

۲- مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ۹: ۳۹۴، حاشیہ احیاء العلوم، ۲: ۲۵۰، احیاء العلوم، ۳: ۱۲، اتحاف، ۷: ۲۳۴

مکتوب نمبر (۹۸)

۱- صحیح مسلم، البر والصلة، ۷: ۷، صحیح البخاری، ۸: ۱۴، ۷: ۱۰۴، سنن ابوداؤد، ۷: ۴۸۰، مسند احمد، ۱: ۱۱۲، ۷: ۸۷، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۹۳، مجمع

الزوائد، ۸: ۳۱۳

۲- صحیح البخاری، ۸: ۱۵، ۱۰: ۱۰۶، صحیح مسلم، البر والصلة، ۷: ۷، کنز العمال، ۵۳۶۲

۳- علل الحدیث، ۲۳۲۲

۴- مسند احمد، ۲: ۱۸۹، مشکوٰۃ، نمبر ۷: ۷، کنز العمال، نمبر ۵۱۵۴، فتح الباری، ۷: ۱۰۲، احادیث صحیحہ، نمبر ۷۹۲

۵- مسند احمد، ۶: ۱۵۹، ۴: ۴۵۱، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۹۳، جامع الترمذی، نمبر ۲۰۱۳، امالی الشجر، ۲: ۱۳۸، نیز شرح السنۃ

۶- صحیح مسلم، الایمان، ۵۹، جامع الترمذی، نمبر ۲۰۰۹، ۲: ۲۶۱۵، سنن ابن ماجہ، ۴: ۱۸۴، مسند احمد، ۲: ۵۰۱، مستدرک الحاکم، ۱: ۵۲، ۵۳، مشکل

الآثار، ۴: ۲۳۸، مجمع الزوائد، ۱: ۱۹۱

۷- السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۹۳، المعجم الکبیر، ۱: ۱۳۰، موارد الطمان، نمبر ۱۹۲، مسند الحمیدی، ۲۹۴، جمع الجوامع، نمبر ۵۱۸، نیز ترمذی

۸- احمد و ترمذی

۹- مشکوٰۃ، نمبر ۸۶، ۵۰، شرح السنۃ، ۳: ۸۶، الزبد، نمبر ۱۳۰، کنز العمال، نمبر ۶۹۳، احادیث صحیحہ، نمبر ۹۳۶، کشف الخفاء، ۲: ۴۰۲، ترمذی

۱۰- جامع الترمذی، نمبر ۲۲۹۳، اتحاف، ۸: ۲۵، مشکوٰۃ، نمبر ۵۰۸۸، ۵۰۸۹

۱۱- صحیح البخاری، ۸: ۳۵، جامع الترمذی، نمبر ۲۰۲۰، مسند احمد، ۲: ۱۷۵، ۳: ۲۶۲، ۴: ۴۸۴، ۵: ۳۴، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۰۵، احادیث صحیحہ، نمبر

۱۳۲۷، مجمع الزوائد، ۸: ۱۶۹، مستدرک الحاکم، ۳: ۶۱۵

۱۲- مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۶، نیز متفق علیہ

۱۳- سنن ابوداؤد، نمبر ۷۷۸، مسند احمد، ۵: ۱۵۲، شرح السنۃ، ۳: ۱۶۲، مشکوٰۃ، نمبر ۵۱۱، اتحاف، ۸: ۲۳، موارد الطمان، نمبر ۱۹۷۳، مجمع

الزوائد، ۸: ۷۰

۱۴- مسند الربیع بن حبیب، ۲: ۶۸، مجمع الزوائد، ۸: ۸۲، ۱۰: ۳۵، مشکوٰۃ، نمبر ۵۱۱۹، اتحاف، ۱: ۲۹۵، ۷: ۱۲۶، فتح الباری، ۱۱: ۳۲۷

۱۵- بیہقی، نیز اتحافات، نمبر ۵۶، المغنی عن حمل الاسفار، ۳: ۷۸، الدر المنثور، ۶: ۱۱

۱۶- بیہقی، نیز مجمع الزوائد، ۸: ۷۰، کنز العمال، نمبر ۴۳۳۷، الترغیب والترہیب، ۳: ۴۴۹، ۵۲۵

۱۷- صحیح البخاری، ۳: ۷۰، تفسیر القرطبی، ۹: ۲۶۲، ۱۵: ۲۵۵، ۳۳۸

۱۸- صحیح مسلم، البر والصلة، ۵۹، جامع الترمذی، نمبر ۲۴۱۸، شرح السنۃ، ۱۴: ۳۶۰، مشکوٰۃ، نمبر ۵۱۲، احادیث صحیحہ، نمبر ۸۴۷، تفسیر الطبری،

۹۹: ۲۸

۱۹- جامع الترمذی، نمبر ۲۴۱۴، مجمع الزوائد، ۱۰: ۲۲۵، الترغیب والترہیب، ۳: ۴۰، اتحاف، ۸: ۶۲۱، موارد الطمان، ۱۵۴۲، المغنی عن حمل

الاسفار، ۴: ۵۵، کنز العمال، نمبر ۴۳۰۳

مکتوب نمبر (۹۹)

۱- صحیح البخاری، ۶: ۱۸، ۸: ۹۴، صحیح مسلم، نمبر ۱۸۹، مسند احمد، ۶: ۸۹، موطا، نمبر ۲۳۹، تفسیر القرطبی، ۵: ۲۷۱، طبقات الکبریٰ، ۲: ۲۷، ۲۸

۲۔ صحیح البخاری، ۲: ۲۳۲، مسند احمد، ۲: ۲۵۱، ۴۳۸، المثنیٰ، نمبر ۱۲، احادیث صحیحہ، نمبر ۶۹۶، مصنف عبدالرزاق، نمبر ۳۸۶۴، صحیح ابن خزیمہ، نمبر ۴۸، مناہل الصفا، نمبر ۱۳

۳۔ کشف الخفاء، ۲: ۲۳۲، اسرار المرفوعہ، ص ۲۹۹

مکتوب نمبر (۱۰۰)

۱۔ یہ دونوں کتابیں حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کی تصانیف ہیں۔

مکتوب نمبر (۱۰۲)

۱۔ ”فقہ المذنب“ فقہ حنفی میں شیخ امام ابی رجا نجم الدین محمود زاہدی حنفی (م ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء) کی تصنیف ہے اور علماء میں ضعف روایت کے ساتھ معروف ہے اور اس کے مصنف معزلی ہیں۔ (دیکھئے: کشف الظنون، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

مکتوب نمبر (۱۰۴)

۱۔ مشکوٰۃ، نمبر ۲۳۵۵، کنز العمال، ۴۲۹۷، اتحاف، ۱۰: ۳۶۷، میزان الاعتدال، ۷: ۳۰۰، لسان المیزان، ۳۳۹: ۵، نیز شعب الایمان

مکتوب نمبر (۱۰۵)

۱۔ احیاء العلوم

۲۔ سنن ابن ماجہ، نمبر ۱۶۹۰، الترغیب والترہیب، ۲: ۱۴۸، امالی الشجر، ۲: ۱۰۶، ۱۱۲، کشف الخفاء، ۱: ۵۱۳

مکتوب نمبر (۱۰۶)

۱۔ مثنوی، ۱: ۵۰

مکتوب نمبر (۱۰۷)

۱۔ حدیث شریف میں آیا ہے: مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِئِي. یعنی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔ (دیکھئے: صحیح البخاری، ۲: ۱۳۵، صحیح مسلم، ۷: ۵۴، جامع صغیر، ۲: ۱۷۰)

۲۔ احیاء العلوم، ۲: ۲۱۸

مکتوب نمبر (۱۰۹)

۱۔ فتح الباری، ۱: ۲۰۹، الحاوی للفتاویٰ، ۲: ۲۷، کشف الخفاء، ۲: ۶۲، نیز صحیح البخاری و صحیح مسلم

۲۔ صحیح مسلم، الاعیان، ۵۸، ۵۷، سنن ابی داؤد، السنۃ، ۱۴، سنن النسائی، ۸: ۱۱۰، مسند احمد، ۲: ۴۱۴، ۴۳۳، احادیث صحیحہ، ۳۷: ۳، فتح الباری، ۱: ۵۱

۳۔ مثنوی، ۶: ۵۲۶

مکتوب نمبر (۱۱۰)

۱۔ سنن ابن ماجہ، ۴۱۱۲، مجمع الزوائد، ۱: ۱۲۲، شرح السنۃ، ۱۴: ۲۳۰، الترغیب والترہیب، ۱: ۹۸، المغنی عن حمل الاسفار، ۱۱: ۳، ۱۹۷، نیز ترمذی

مکتوب نمبر (۱۱۳)

۱۔ صحیح مسلم، البر والصلة، ۱۱۵، الجنت، ۲۸، مسند احمد، ۲: ۲۴۴، ۲۵۱، فتح الباری، ۱۱: ۳، سنن الحمیدی، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، المغنی عن حمل الاسفار، ۲: ۱۶۶،

احادیث صحیحہ، ۱۰۷۷

۳۔ مرصاد العباد، ص ۲۳۸

۲۔ مثنوی، ۶: ۵۲۶

مکتوب نمبر (۱۱۴)

۱۔ مثنوی، ۱: ۴۳

مکتوب نمبر (۱۱۸)

۱۔ دیوان حافظ، ص ۱۴

مکتوب نمبر (۱۱۹)

۱۔ مسند احمد بن حنبل

مکتوب نمبر (۱۲۳)

۱۔ دیکھئے: الفاظ کی کمی و بیشی سے، جامع الترمذی و سنن ابن ماجہ

۲۔ قول حضرت عبدالخالق عجد وائی، دیکھئے: آگاہی سید امیر کلال، ص ۱۰۳

مکتوب نمبر (۱۲۵)

۱۔ المغنی عن حمل الاسفار، جلد ۲: ۳۶۶

۲۔ یعنی: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ساتھ مل کر مخلوق کو عین حق کر لیا ہے اور مخلوق کا احاطہ کر کے اس میں سرایت ہو کر ذات حق بنالیا ہے۔

۳۔ اس مذہب کی اصل وہم پرستی پر مبنی ہے۔ مزید تحقیق کے لیے دیکھئے: مکتوب ۴۴: ۱

مکتوب نمبر (۱۲۷)

۱۔ اتخاف ۸: ۶۰۸، کشف الخفاء: ۴۲۸، الفوائد ص ۲۵۰

مکتوب نمبر (۱۲۸)

۱۔ بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵، جامع الترمذی زہد ۵، سنن الدارمی رقاق ۷، مسند احمد ۱۹۲: ۳، ۱۰۴: ۱۱۱، ۱۰۷: ۴

مکتوب نمبر (۱۳۱)

۱۔ یہ شعر مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

مکتوب نمبر (۱۳۵)

۱۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح مذہب یہی ہے۔ وجود اسری و معراج سب کچھ بحالتِ بیداری اور جسم

کے ساتھ تھا۔ صحابہ (کرامؓ) تابعین اور اتباع کے مشاہیر علماء اور ان کے بعد محدثین، جمہور فقہاء و متکلمین و صوفیاء کا مذہب اسی پر ہے۔ اسی

پر احادیث صحیحہ اور اخبار صریحہ متواتر ہیں۔ (مدارج النبوت، جلد ۱: ۲۸۷، حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

مکتوب نمبر (۱۳۶)

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے پاس اگر دو وادیاں ہوں تو تیسری

چاہے گا اور آدمی کا پیٹ (قبر کی) مٹی کے علاوہ کسی چیز سے نہیں بھرتا اور اللہ توبہ کی توفیق جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (متفق علیہ)

مکتوب نمبر (۱۳۸)

۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بدن کو پکڑا اور ارشاد فرمایا: ”دنیا کے اندر ایسے رہو

جیسے کہ مسافر ہو، یا راستہ چلنے والے کی مانند اور خود کو مردوں میں شمار کرو۔“ (صحیح البخاری و مشکوٰۃ)

۲۔ قول سید امیر کلال، دیکھئے: آگاہی سید امیر کلال

۳۔ درر المنقثرۃ فی الاحادیث المشہورۃ، ۱۵۷، اسرار المفوض، ۳۳۹، کشف الخفاء، ۳۳۴: ۲

مکتوب نمبر (۱۳۹)

۱۔ دیکھئے: مشکوٰۃ، رواہ مسلم

مکتوب نمبر (۱۵۵)

۱۔ اسرار المفوض، ۱۸۰، کشف الخفاء، ۴۱۳، درر المنقثرۃ، ۷

مکتوب نمبر (۱۵۶)

۱۔ بخاری ادب ۹۶، مسلم بر ۱۶۵

مکتوب نمبر (۱۵۷)

- ۱۔ مسند احمد: ۲۰، کنز العمال: ۳، ۸۲۹۱، مجمع الزوائد: ۸، ۱۸، اکامل: ۳، ۹۰۷، ۱۵۸۸، ۶، ۲۳۴۱، نیز سنن ابن ماجہ، جامع الترمذی، مشکوٰۃ، شعب الایمان

مکتوب نمبر (۱۵۹)

- ۱۔ مشکوٰۃ: ۲۳۵۵، کنز العمال: ۴۲۹۷، اتحاف: ۱۰، ۳۶۷، میزان الاعتدال: ۳۰۰، لسان المیزان، ۳۳۹، نیز شعب الایمان

مکتوب نمبر (۱۶۲)

- ۱۔ جامع الترمذی نمبر ۶۵۸، ۶۹۵، سنن ابن ماجہ، ۱۶۹۹، مسند احمد: ۴، ۷، سنن الدارمی: ۷، مصنف عبدالرزاق: ۵۸۶، المعجم الکبیر: ۶، ۲۳۴، شرح السنہ: ۶، ۱۹۲، مشکوٰۃ: ۱۹۹، کنز العمال: ۲۳۸۷، ۲۳۷۸، الترغیب والترہیب: ۲، ۱۴۲، موارد الطمان، ۸۹۲، مسند الحمیدی: ۸۲۳، اکامل: ۲، ۵۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳، ۱۰۷

- ۲۔ اکامل: ۶، ۲۳۲۴، درر المنقذہ فی الاحادیث المشتملہ: ۴۲

- ۳۔ سنن ابی داؤد، ۲۳۴۵، السنن الکبریٰ، ۴، ۲۳۷، کنز العمال، ۲۳۹۸، الترغیب، ۲، ۱۳۹، مشکوٰۃ، ۱۹۹۸، احادیث صحیحہ، ۵۶۲

مکتوب نمبر (۱۶۳)

- ۱۔ ارشاد الہی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ. (سورۃ الممتحنہ، ۱) یعنی: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

- ۲۔ مسند احمد: ۱، ۳۹۲

- ۳۔ سنن ابی داؤد، ۲۳۲۵، سنن ابن ماجہ، ۳۸۷۰، مسند احمد: ۳، ۱۰۷، فتح الباری، ۱۳، ۲۶۵

مکتوب نمبر (۱۶۵)

- ۱۔ اتحاف: ۶، ۱۹۶، مشکوٰۃ، ۱۸۹، کنز العمال، ۱۱۰۲، اکامل، ۲، ۳۶۷، المغنی عن حمل الاسفار: ۲، ۸۸

مکتوب نمبر (۱۶۷)

- ۱۔ تمام مکتوبات شریف میں صرف یہ ایک مکتوب شریف کسی غیر مسلم کے نام ہے۔

- ۲۔ مسند احمد: ۲، ۱۶۲، ۱۹۰، نیز رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر

- ۳۔ دیوان حافظ، ص ۸

مکتوب نمبر (۱۶۸)

- ۱۔ یہ اشعار مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

- ۲۔ دیوان حافظ، ص ۵۶

مکتوب نمبر (۱۷۰)

- ۱۔ دیکھئے: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ

مکتوب نمبر (۱۷۱)

- ۱۔ شعب الایمان بہیقی، نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ، دیکھئے: جامع الترمذی، ۲۳۵۳، مشکوٰۃ، ۵۳۲۶، اتحاف، ۸، ۲۳۲، مجمع الزوائد، ۲۹۹۱۰

- ۲۔ صحیح البخاری، ۴، ۵۸۸، صحیح مسلم، الایمان ۸، ۱۷۸، مسند احمد: ۲، ۳۰۹، سنن الدارمی، ۲، ۲۴۱، کنز العمال، ۲۸۹۵۶، اتحاف، ۱، ۳۰۴، ۷، ۱۷۹، کشف الخفاء، ۲، ۶۵، المسند ابی عوانہ، ۱، ۴۶، الفوائد المجموعہ، ۲۱۲، المغنی عن حمل الاسفار، ۱، ۴۸، المعجم الصغیر، ۱، ۱۲۱، دلائل النبوة، ۱، ۱۲۱

- ۳۔ اتحاف، ۳، ۱۳۱، کنز العمال، ۶۱۱۴، جلد ۲، ۱۹۴، نیز دیکھئے: شعب الایمان بہیقی

مکتوب نمبر (۱۷۲)

- ۱۔ دیکھئے: مسند احمد: ۲، ۱۶۲، ۱۹۰، نیز المعجم الکبیر، للطبرانی

مکتوب نمبر (۱۷۳)

- ۱۔ بخاری ادب، ۹۶، مسلم بر، ۱۶۵

- ۲۔ صحیح البخاری، ۱، ۱۵۹، مسند احمد: ۲، ۵۲۰

مکتوب نمبر (۱۷۵)

۱۔ کشف الخفاء، ۲: ۲۲۴، اسرار المرفوعہ، ص ۲۹۹

مکتوب نمبر (۱۷۶)

۱۔ مسند احمد، ۱: ۲۰، کنز العمال، ۳: ۸۲۹۱، مجمع الزوائد، ۸: ۱۸، اکامل، ۳: ۹۰۷، ۱۵۸۸: ۶، ۲۳۴۱

مکتوب نمبر (۱۸۲)

۱۔ رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ

مکتوب نمبر (۱۸۶)

۱۔ صحیح البخاری، ۳: ۲۴۱، صحیح مسلم، الاقصیۃ، ۷، مسند احمد، ۶: ۲۲۰، سنن ابن ماجہ، ۴، سنن ابی داؤد، السنن الکبریٰ، ۵: ۱۱۹، ۱۵۰، مشکوٰۃ، ۱۴۰، فتح الباری، ۵: ۳۰۱، ۱۳: ۲۵۳، سنن الدارقطنی، ۴: ۲۲۵

۲۔ صحیح مسلم، الجمعۃ، ب، ۱۳، رقم، ۴۳، مسند احمد، ۳: ۳۷۱، السنن الکبریٰ، ۳: ۲۱۴، السنن لابن ابی عاصم، ۱: ۱۶

۳۔ سنن ابی داؤد، ۷: ۴۶، جامع الترمذی، ۶: ۲۶۷، مسند احمد، ۴: ۱۲۶، سنن الدارمی، ۱: ۴۴، السنن الکبریٰ، ۱۰: ۱۱۴، مستدرک الحاکم، ۱: ۹۶، ۹۷، ۳۸۰: ۳، المعجم الکبیر، ۱۸: ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، موارد الظمان، ۱۰۲، شرح السنۃ، ۲: ۲۰۶، السنن لابن ابی عاصم، ۲: ۴۹۶، مشکوٰۃ، ۱۶۵، کنز

العمال، ۸۷

۴۔ مسند احمد، ۴: ۱۰۵، مجمع الزوائد، ۱: ۱۸۸، مشکوٰۃ، ۷: ۱۸۷، کنز العمال، ۱۰۹۸، الترغیب والترہیب، ۱: ۸۶، فتح الباری، ۱۳: ۲۵۴، تحذیر

الخواص، ۳۵

۵۔ رواہ الترمذی

۶۔ میزان الاعتدال، ۱۵۱۱، لسان المیزان، ۲: ۲۸۸، ۵۹۴، کشف الخفاء، ۱: ۱۴۷، احتاف، ۲: ۲۲۳، تلخیص الحیر، ۴: ۱۹۰، الکاف

الشاف، ۹۴

مکتوب نمبر (۱۹۲)

۱۔ دیکھئے: مسند احمد، ۴: ۳۶۱، مجمع الزوائد، ۱: ۱۶۷، صحیح ابن خزیمہ، ۲: ۲۴۷

مکتوب نمبر (۱۹۳)

۱۔ رواہ الترمذی

۲۔ فتح الباری، ۷: ۱۶۶، کنز العمال، ۳۲۶۱، ۵۸۱۷، ۵۸۱۸، کشف الخفاء، ۲: ۲۵۳، حلیۃ الاولیاء، ۶: ۳۳۳، میزان الاعتدال، ۷: ۶۲۴،

۹۸۸۴، اکامل، ۷: ۲۶۱۳

مکتوب نمبر (۱۹۴)

۱۔ رواہ الدارمی، نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: الترغیب والترہیب، ۱: ۱۲۶، کنز العمال، ۲۹۰۰۶، ۲۹۱۱۴

مکتوب نمبر (۱۹۵)

۱۔ احتاف، ۹: ۵۵۴، کنز العمال، ۴۴۱۰۲، علل الحدیث، ۲۵۲۳، اکامل، ۷: ۷۰۱، القوائد المجموعہ، ۸۲، کشف الخفاء، ۱: ۳۹۵، حلیۃ الاولیاء، ۴: ۱۲۱، اسرار المرفوعہ، ۷: ۱۷۰، درر المنثور فی الاحادیث المشتملۃ، ۶۷، بدایۃ والنہایۃ، ۱۱: ۵۸، ۱۲: ۱۳، تاریخ بغداد، ۴: ۷۷، ۱۱: ۹۴

۲۔ الفاظ کی کمی و بیشی سے دیکھئے: اللؤلؤ المرصوع، ص ۹۵، احادیث مثنوی، ص ۲۸

مکتوب نمبر (۱۹۷)

۱۔ حب الدنیا راس کل حطیۃ. (دیکھئے: کنز العمال، ۶۱۱۴، مشکوٰۃ، ۵۲۱۳، الحاوی للفتاویٰ، ۲: ۴۸، اسرار المرفوعہ، ۹: ۷۷، کشف الخفاء، ۱: ۴۱۲)

۲۔ ان اللہ لم یخلق خلقا ابغض الیہ من الدنیا. (دیکھئے: جمع الجوامع، ۴: ۹۶۶، کنز العمال، ۱۵۱۳۵، الاحتافات السنیۃ، ۱۳۵، نیز

رواہ ابن ابی الدنیا والبیہقی والحاکم وابن عساکر)

- ۳۔ سنن ابن ماجہ، ۴/۱۱۲، التہجد، ۱: ۳۱۷، اتحاف، ۸: ۸۰، ۸۱، الترغیب، ۱: ۹۸، کنز العمال، ۶۰۸۳، ۶۰۸۴، ۶۰۸۵، ۶۰۸۸، ۶۰۸۹، امالی الشجر، ۱: ۱۶۱، الدر المنثور، ۴: ۲۵۶، المغنی عن حمل الاسفار، ۱: ۱۱، ۱۹: ۳، العلل المتناہیۃ، ۲: ۳۱۲

مکتوب نمبر (۲۰۲)

- ۱۔ اس عبارت سے مراد دفتر اول کا مکتوب ۱۱ ہے۔

مکتوب نمبر (۲۰۳)

- ۱۔ بخاری ادب، ۹۶، مسلم، ۱۶۵
۲۔ صحیح بخاری صحیح مسلم، عن ابو ہریرہ
۳۔ کشف الخفاء، ۱: ۲۳۲، اتحاف، ۶: ۲۸۷، در المنثور، فی الاحادیث المستثناة، ۲: ۲۴

مکتوب نمبر (۲۰۹)

- ۱۔ مبداء و معاد، ص ۲۸
۲۔ در المنثور، فی الاحادیث المستثناة، ۱۲۶، تنزیہ الشریعہ، ۲: ۲۳۱، احادیث القصص، ۲۹، کشف الخفاء، ۲: ۱۹۱، اسرار المرفوعہ، ۱: ۲۷۲، ۲۷۳
۳۔ شمائل ترمذی، عن انسؓ وایضاً اخرج الدارمی
۴۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ: رواہ الترمذی عن انسؓ، و احمد عن عمارؓ، وابو یعلیٰ عن علیؓ وطبرانی عن عمر بن عثمانؓ
۵۔ جامع الترمذی، ۲۳۰۳، فتح الباری، ۶: ۱۳، ۲۱: ۱۳، اتحاف، ۲: ۲۲۳، تلخیص، ۴: ۲۰۳، بدایہ، ۶: ۲۸۶، اسرار المرفوعہ، ۱: ۲۷۱
۶۔ ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تسبوا اصحابی فالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل احد ذہباً ما بلغ مد احدکم ولا نصیفہ۔“ دیکھئے: سنن ابی داؤد، ۴: ۶۵۸، جامع الترمذی، ۳۸۶۱، سنن ابن ماجہ، ۱: ۱۶۱، مستدرک الحاکم، ۲: ۴۷۸، ۴۷۹، مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۲: ۱۷۵، کنز العمال، ۳۲۴۶۳، حاشیہ مکتوبات، رواہ الشیخان، مشکوٰۃ
۷۔ مسند احمد، ۵: ۲۹۳، موارد الطمان، ۲: ۲۴۶، عمل الیوم واللیلہ، ۳۵۷، کنز العمال، ۳۹۷۰، تہذیب تارخ دمشق، ۲: ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰

مکتوب نمبر (۲۱۳)

- ۱۔ مسند احمد بن حنبل، نیز رواہ ابن حبان وابو یعلیٰ وابن اسنی عن ابوسعید خدریؓ، ماخوذ از حاشیہ مکتوبات
۲۔ الفاظ کی کمی و بیشی سے دیکھئے: عاصم، ۱: ۱۲۸

مکتوب نمبر (۲۱۴)

- ۱۔ الفاظ کی کمی و بیشی سے دیکھئے: عاصم، ۱: ۱۲۸

مکتوب نمبر (۲۱۶)

- ۱۔ مسند احمد، ۲: ۳۱۵، ۴: ۱۰۶، فتح الباری، ۳: ۳۸۴، اتحاف، ۵: ۵، ۶: ۷، الترغیب والترہیب، ۲: ۳۹۳، ۴: ۴۷۷، ۲۶۹، نیز حاشیہ مکتوبات میں دیکھئے: بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

مکتوب نمبر (۲۲۱)

- ۱۔ مرصاد العباد، ص ۲۳۸
۲۔ مثنوی، ۴: ۳۴۳
۳۔ قول خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ، دیکھئے: آگاہی سید امیر کلالؒ، ص ۱۰۳
۴۔ یہ شعر مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔
۵۔ شرح خواجہ ایوب، المنج القوی، ۲: ۵۸، بحوالہ احادیث مثنوی، ص ۶۷، نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ، دیکھئے: تاریخ بغداد، ۲: ۳۶۲، نیز دیکھئے حاشیہ مکتوبات امام ربانیؒ (فارسی وارد) کہ وہاں اسے حضرت جنید بغدادیؒ کا مقولہ کہا گیا ہے۔

مکتوب نمبر (۲۲۲)

- ۱۔ کنز العمال، ۳۷۳، کشف الخفاء، ۱: ۲۲۱، الترغیب والترہیب، ۲: ۴۷۷، اذکار، ۳۵۱

مکتوب نمبر (۲۲۳)

۱۔ کنز العمال، ۴۲۶۳۳، المغنی عن حمل الاسفار، ۸۲:۱، اللآئی المصنوعہ، ۸۰:۱، کشف الخفاء، ۱۲:۲، الفوائد المجموعہ، ۴۸۸، اسرار المرفوعہ، ۳۳۹، ۲۲۹، اللؤلؤ المرصوع، ص ۴۵

مکتوب نمبر (۲۲۶)

۱۔ السلسلۃ الصحیحہ، ۳۷۰، ۶۹، ۱۷۹، صحیح مسلم، الایمان ۵۷، ۵۸، سنن ابی داؤد، السنن ۱۴، سنن النسائی، ۱۱۰:۸، تاریخ بغداد، ۴:۱۱۵، ۳۳۸، ۶:۲۹۲، ۱۹۳، سنن ابن ماجہ، ۵۷، مسند احمد، ۴:۲۱۴، مصنف ابن شیبہ، ۸:۳۳۴، اتحاف، ۸:۳۰۷، ۱۵:۹، فتح الباری، ۱:۵۱، شرح السنۃ، ۱:۲۹، الایمان لابن ابی شیبہ، ۶۶، مکارم الاخلاق، ۴۹، التہذیب، ۹:۲۳۵

مکتوب نمبر (۲۳۲)

۱۔ اتحاف، ۳:۱۳۱، ۷:۳۵۴، ۸:۸۱، ۲۹۵، ۴۹۴، کنز العمال، ۶۱۱۴، مشکوٰۃ، ۵۲۱۳، الدرر المنثور، ۶:۳۴۱، حادی للفتاویٰ، ۲:۴۸، الترغیب والترہیب، ۳:۲۵۷، تاریخ الکبیر، ۳:۴۷۳، المغنی عن حمل الاسفار، ۳:۱۹۷، ۴۰۱، درر المنثور، فی الاحادیث المشتملہ، ۷۰:۷۰، اسرار المرفوعہ، ۱۷۹، احادیث القصاص، ۷، کشف الخفاء، ۱:۴۱۴، ۴۱۳، نیز شعب الایمان عن رزین

مکتوب نمبر (۲۳۳)

۱۔ دیوان حافظ، ص ۱۵۵

مکتوب نمبر (۲۳۴)

- ۱۔ قال العرب: مسلم نے اسے عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ نیز دیکھئے: مشکوٰۃ
- ۲۔ الحادی للفتاویٰ، ۲:۴۱۴، کشف الخفاء، ۲:۳۶۲، اسرار المرفوعہ، ۳۵۱، درر المنثور، فی الاحادیث المشتملہ، ۱۵۳، اللؤلؤ المرصوع، ص ۸۶، کنوز الحقائق، ص ۹
- ۳۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: اتحاف، ۱:۲۵۷، ۴:۵۲۶، الفوائد المجموعہ، ۳۱۷، کنز العمال، ۲۸۷۱، المغنی عن حمل الاسفار، ۳۸:۳۸، تنزیہ الشریعۃ، ۱:۲۷
- ۴۔ مسند احمد و طبرانی وابن حبان و بیہقی عن ابو موسیٰ اشعری۔ نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ، دیکھئے: کشف الخفاء، ۱:۴۹۱
- ۵۔ ان اللہ لم یخلق خلقاً ابغض الیہ من الدنیا و ما نظر الیہا منذ خلقاً بغضا لہا۔ دیکھئے: جمع الجوامع، ۴:۴۹۶، کنز العمال، ۱۵۱۳۵، الاتحافات السنیۃ، ۱۳۵، نیز رواہ ابن ابی الدنیا و البیہقی و الحاکم و ابن عساکر
- ۶۔ شرح خواجہ ایوب، ص ۵، احادیث مثنوی، ص ۴۵
- ۷۔ دیوان حافظ، ص ۲۱۶
- ۸۔ دیوان حافظ، ص ۲۴۴

مکتوب نمبر (۲۳۸)

۱۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ۳۷۰، صحیح مسلم، ۵۷، ۵۸، سنن ابی داؤد و السنن ۱۴، سنن النسائی، ۱۱۰:۸، تاریخ بغداد، ۴:۲۳۸، ۲۹۲، ۱۹۳، سنن ابن ماجہ، ۵۷، مسند احمد، ۴:۲۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ، ۸:۳۳۴، اتحاف، ۸:۳۰۷، ۱۵:۹، ۳۰۸، ۱۵:۹، فتح الباری، ۱:۵۱، شرح السنۃ، ۱:۲۹، الایمان، ۶۶، مکارم الاخلاق، ۴۹، التہذیب، ۹:۲۳۵

مکتوب نمبر (۲۳۵)

۱۔ قول حکیم سنائی، دیکھئے: مثنوی، ۱:۱۹۷

مکتوب نمبر (۲۳۶)

- ۱۔ اس مطابقت کا بیان مکتوبات کی دوسری جلد کے مکتوب ۴۴ میں فرمایا گیا ہے۔
- ۲۔ غالباً مخدوم زادہ خواجہ محمد صادق قدس سرہ مراد ہیں اور یہ دفتر اول کا مکتوب ۲۳۴ ہے۔

مکتوب نمبر (۲۴۷)

- ۱۔ شرح بیج البلاغہ: ۴: ۳۵۰۔ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ
- ۲۔ برہان ”کئی“ یہ ہے کہ علت سے معلول کی طرف دلیل پکڑیں اور ”انی“ یہ ہے کہ معلول سے علت کی جانب دلیل پکڑیں۔

مکتوب نمبر (۲۴۹)

- ۱۔ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي. (رواہ احمد والبیہقی عن جابر، مشکوٰۃ، نیز اسرار المرفوعہ ۸۳: ۲۹۲، نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: مختصر العلواء، ۶۱: ۲، درامثو ۲: ۴۸، ۵: ۱۴۷، تفسیر قرطبی ۱۳: ۳۵۵، مسند احمد ۳: ۳۳۸)

مکتوب نمبر (۲۵۱)

- ۱۔ دیوان حافظ، ص ۳۷۷
- ۲۔ سنن الترمذی ۳۶۸۶، مستدرک الحاکم ۳: ۸۵، المعجم الکبیر ۱: ۱۸۰، ۲۹۸، ۳۱۰، مجمع الزوائد ۹: ۶۸، کنز العمال ۴۵: ۳۲۷، مشکوٰۃ ۳۵: ۶۰۳، فتح القدیر ۵: ۵۱، زاد المسیر ۸: ۳۰۸، السلسلۃ الصحیحہ، ۳۲۷، المغنی عن حمل الاسفار، ۳: ۱۵۷، تہذیب تاریخ دمشق ۳: ۳۹۰، ۱۰: ۲۵۳، اکال ۳: ۱۰۱۳، ۱۰۷۱، اسرار المرفوعہ ۲۹۲، کشف الخفاء ۲: ۲۱۹، ۲۲۳، مسند احمد ۴: ۱۵۴
- ۳۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات میں نے آسمان پر ستاروں کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”نعم عمرو له من الحسنات عدد نجوم السما“ الی آخر۔ یعنی: ہاں! عمرؓ کی۔ میں نے کہا، پھر ابوبکرؓ کی حسنات کہاں ہیں؟ فرمایا: عمرؓ کی تمام عمر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ، ۶۰۵۹، عن زرین)
- ۴۔ عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم ودخل المسجد و ابو بکر وعمر احدهما عن یمینہ والآخر عن شمالہ وهو اخذهما یدیهما فقال: هكذا نبعث یوم القیمة. (سنن الترمذی ۳۶۳۹، ۳۶۶۹، سنن ابن ماجہ ۹۹، مستدرک الحاکم ۳: ۶۸، ۴: ۲۸۰، مجمع الزوائد ۹: ۵۳، السنۃ لابن ابی عاصم ۲: ۶۱۶، مشکوٰۃ ۴: ۶۰۵، تہذیب تاریخ دمشق ۶: ۱۷۵، کنز العمال ۱۳۱۰: ۳۶۸۹، تاریخ بغداد ۴: ۱۲، ۱۳: ۱۳۷، علل الحدیث ۲۶۵۳) یعنی: ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف اور دوسرے بائیں طرف تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم قیامت کے روز اسی طرح اٹھیں گے۔
- ۵۔ تاریخ بغداد ۴: ۹۹، ۱۲۲، ۱۳: ۴۲۳، مستدرک الحاکم ۳: ۶۳۲، مجمع الزوائد ۱۰: ۱۷۰، جمع الجوامع ۲۹: ۴۶۱، ۴۶۳۱، ۴۶۳۲، ۴۶۳۳، السنۃ لابن ابی عاصم ۲: ۴۸۳، کنز العمال ۶۶: ۳۲۲، ۳۲۲۶، ۳۲۲۷، ۳۲۲۸، ۳۲۲۹، المعجم الکبیر ۱: ۱۴۰، تفسیر قرطبی ۱۶: ۲۹۷
- ۶۔ المعجم الکبیر ۱۲: ۱۴۲، مجمع الزوائد ۱۰: ۲۱، کنز العمال ۷: ۳۲۷، حلیۃ الاولیاء ۷: ۱۰۳، تاریخ بغداد ۴: ۲۴۱، السنۃ لابن ابی عاصم ۲: ۴۸۳، تاریخ جرجان ۲۵: ۵، اکال ۵: ۱۸۵۵
- ۷۔ کنز العمال، ۳۲۴۸۵
- ۸۔ موافق علم کلام کی بلند مرتبہ کتاب ہے، جس کے مصنف عضد الدین عبدالرحمن بن احمد قاضی ہیں۔
- ۹۔ سید شریف، ابوالحسن بن محمد جرجانی، عالم دین، اصولی و فقیہ۔ ۸۱۶ھ/ ۱۳۶۵ء میں فوت ہوئے۔ (دیکھئے: کارنامہ بزرگان ایران، ص ۲۵۴-۲۵۵)
- ۱۰۔ علی بن ابی علی بن محمد تغلشی، سیف الدین آمدی، عالم دین اور فلسفی ہیں۔ ۸۳۰ھ/ ۱۲۳۳ء میں فوت ہوئے۔ (دیکھئے: شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۵۶)
- ۱۱۔ ابوشکور محمد بن اسید بن شعیب کشمی حنفی
- ۱۲۔ اصول معرفت توحید میں ایک مختصر رسالہ
- ۱۳۔ شیخ شہاب الدین احمد ابن بیٹھی، نزہل مکہ مکرمہ

۱۶۔ قال المعرب: اس کو مسلم... اور طبرانی نے الحکم الکبیر میں انہی الفاظ سے نقل کیا ہے۔ نیز الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱: ۱۲۸، ولائل النبوۃ ۶: ۴۴۶، المطالب العالیہ ۸۵: ۴۰، کنز العمال ۳۳۶۵: ۳۳۶۵، البدایہ والنہایہ ۸: ۲۰، مسند احمد ۱۰۱: ۱، مجمع الزوائد ۵: ۱۸۶، ۳۵۵۔

١٩- سنن الترمذی ٣٨٦٢، مسند احمد ٥: ٥٣، كنز العمال ٣٢٨٣، حلیۃ الاولیاء ٨: ٢٨٤، اتحاف ٢: ٢٢٣، شرح السنۃ ٦: ١٢٤، ٥٠، الکامل ٥: ١٨٨، جمع الجوامع ٩٦٥، ٩٦٨، تاریخ بغداد ١٣٣، موارد الظمآن ٢٢٨، المغنی عن جمل الاسفار ٩٣، الشفا ٢: ٦٠، ١١٨، ٦٥١، مشکوٰۃ ٦٠٥، میزان الاعتدال ٢٢١، لسان الکریم ٣: ١٢٦٩

۲۰۔ میز ان الاعتدال، ۷۸۸، لسان المیزان ۵: ۹۱۱، کنز العمال ۹۰۳، ۲۹۱۴۰، قال المعرب: اس کو ابن حجر مکیؒ نے ”الصواعق“ میں خطیب بغدادیؒ سے نقل کیا ہے۔

۱۔ اس کی توضیح و تفصیل آگے آنے والے مکتوب ۲۵۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ تلوینات یعنی رنگ اور گونا گوں بنا دینا۔ صوفیہ کی اصطلاح میں فقر کے ایک مقام کا نام ہے۔

۱۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: اتحاف: ۳۲۳: ۷، ۵۷۲: ۷، المغنی عن حمل الاسفار: ۵۲: ۴، الکامل: ۱۵۱۸: ۴، درر المنثور: ۱۱۱: ۱۱۱، المستدرک: ۱۳۳: ۱۳۳، تذکرہ: ۹۳: ۹۳، کشف الخفا: ۲۳۴: ۲۳۴، الفوائد المجموعہ: ۳۳۵: ۳۳۵، احادیث القصص: ۲۵: ۲۵، قال المغرب: اسے معاذ بن ثنی نے زیادات منسب میں، نیز سخاوی نے سند مرفوع سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور حکیم ترمذی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

۲۔ جیسے مذکور ہے: یوم الاربعاء نحس مستمر۔ (الموضوعات ۳: ۷۳، الجامع الکبیر ۲: ۱۲۱، تذکرۃ الموضوعات ۱۰۳۴)، نیز یوم الاربعاء یوم نحس متمر (السنن الکبریٰ ۱۰: ۵۷، تفسیر القرطبی ۱۷: ۱۳۵، الدر المنثور ۶: ۱۳۵، تذکرہ ۱۳۵، اللآلی المصنوعہ ۱: ۲۵۲)، نیز: یوم السبت یوم مکر (الفوائد ۳۳، تذکرہ ۱۱۵، اللآلی ۱۰: ۲۵۰، کشف الخفاء ۲: ۱۲، ۵۵۶، میزان الاعتدال ۲۳۳۶، شرح السنہ ۳۹۶)

۳۔ کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: التمهید ۷: ۲۰۸

۳۔ ارشادِ الہی ہے: فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَجَسَاتٍ. (سورۃ حم السجدة، ۱۶) یعنی: تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں آندھی چلائی، نیز: إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ. (سورۃ قمر، ۱۹) یعنی: ہم نے ان پر سخت منجوس دن میں آندھی چلائی۔

۱۔ احادیثِ مشنوی، ص ۶۷ بحوالہ شرح خواجہ ایوب، المنہج القوی ۲: ۵۸۰

ساتھ دیکھئے: مستدرک الحاکم ۱: ۶۹، اتحاف ۹: ۱۸۴، ۱۰: ۲۹۵، الشریعہ ۳۳۸، الکامل ۳: ۲۴۳، ۱۰: ۲۵۱، کشف الخفاء ۲: ۱۴۔
 ۹۔ الفاظ کے معمولی اختلاف سے دیکھئے: احادیث صحیحہ ۹۵۹، مستدرک الحاکم ۴: ۲۴۴، کنز العمال ۳۴۵۲۲، ۳۴۴۵۴، ۳۴۹۰۶، تذکرہ ۹۲، اتحاف ۵: ۱۰۷، ۵۵۸، ۵۵۹، لسان المیزان ۶: ۱۰۱۹، جمع الجوامع ۳۹۳، التاریخ الصغیر: ۲۴۸، کشف الخفاء ۱: ۲۲۹، المغنی عن جمل الاسفار ۴: ۵۲۹، معجم الصغیر: ۱۰، العلل المتناہیہ: ۲، ۲۴۵، نیز دیکھئے: المعرب، وہاں لکھا ہے کہ اسے خطیب اور ابن النجار نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

۱۰۔ الصواعق المحرقة فی الرد علی اهل البدع والزندقة، از امام علامہ فقیہ محدث شہاب الدین احمد بن حجرؒ مکی رحمۃ اللہ علیہ
 ۱۱۔ یعنی: فقہ کے چار امام حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
 ۱۲۔ سنن الترمذی ۳۸۶۲، مسند احمد ۵: ۵۴، کنز العمال ۳۲۸۳، ۳۲۵۳۰، شرح السنۃ ۶: ۲۱۷، ۷۰: ۱۴، الکامل ۴: ۱۲۸۵، جمع الجوامع ۹۶۵۸، ۹۶۵۷، تاریخ بغداد ۹: ۱۲۳، موارد الطمان ۲۲۸۳، المغنی عن جمل الاسفار: ۹۳، الشفاء ۲: ۶۰، ۱۱۸، ۶۵۱، مشکوٰۃ ۶۰۰۵، میزان الاعتدال ۴۳۱۲، لسان المیزان ۳: ۱۲۶۹

۱۳۔ احمد بن موسیٰ المعروف ”خیالی“۔ ۸۶۰ھ/۱۴۵۶ء میں فوت ہوئے۔ (دیکھئے: کشف الظنون)
 ۱۴۔ کمال الدین اسماعیل الفرہانی المعروف قرۃ کمال۔ (کشف الظنون)
 ۱۵۔ در مختار میں ہے کہ قرآن مجید اور اذان میں آواز کو خوبصورتی سے پھیرنا اچھا ہے، لیکن حروف میں تبدیلی واقع نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اگر تبدیلی واقع ہوگئی تو اس کے لیے بھی اور سننے والے کے لیے بھی مکروہ ہے اور اس کو کہنا کہ تو نے اچھا کیا اس کے خاموش ہونے کی وجہ سے (دعا کی غرض سے) کہا تو اچھا ہے اور اگر اس کی (گانے جیسی قرأت) کی وجہ سے کہا تو اس پر کفر کا خوف ہے۔ (حاشیہ مکتوبات امام ربانی)

مکتوب نمبر (۲۶۷)

۱۔ دیوان حافظ ص ۸۸
 ۲۔ دیکھئے: مشکوٰۃ بحوالہ بخاری

مکتوب نمبر (۲۶۸)

۱۔ صحیح البخاری، علم، ۱۰، سنن ابوداؤد، علم، ۱، سنن ابن ماجہ، مقدمہ ۷، سنن الدارمی، مقدمہ ۱۲، مسند احمد: ۱۹۶، مشکوٰۃ
 ۲۔ اسرار المرفوعہ ۲: ۲۴۷، کشف الخفاء ۲: ۸۳، فوائد المجموعہ ۲۸۶، الدرر المنشرۃ فی الاحادیث المشترکہ ۱۱۳، ضعیفہ ۶۶۶، تذکرہ ۲۰
 ۳۔ نبی کریم دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (دیکھئے: سنن النسائی ۸: ۳۶۷، مسند احمد ۵: ۳۶، ۳۹، ۴۲، ۴۴، المستدرک الحاکم ۱: ۲۵۲)

مکتوب نمبر (۲۷۰)

۱۔ اتحاف ۱: ۷۹، ۵: ۱۵۰، ۷: ۲۳۱، ۹: ۶۲۸، ۱۰: ۴۳۹، المغنی عن جمل الاسفار ۴: ۳۲۶، تذکرہ ۲۲، درر المنشرۃ فی الاحادیث المشترکہ ۱۴۶، اسرار المرفوعہ ۳: ۳۲۷، کشف الخفاء ۲: ۳۲۳

مکتوب نمبر (۲۷۲)

۱۔ یعنی: اب رفیق اعلیٰ کی آرزو ہے۔ (دیکھئے: مسند احمد ۶: ۴۸، المستدرک الحاکم ۴: ۷، اتحاف ۱۰: ۲۸۸، فتح الباری ۸: ۱۳۷، ۱۰: ۵۹۶، المطالب العالیہ ۳۳۹، البدایہ والنہایہ ۵: ۲۴۰)
 ۲۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: صحیح مسلم ۲۰۸، المستدرک الحاکم ۱: ۵۲۴، کنز العمال ۳۸۲۰، جمع الجوامع ۱۰۰۳۱، الاسماء والصفات ۱۰: ۲۲۶، مجمع الزوائد ۱۰: ۱۷۵، ۱۷۶، اتحاف ۵: ۱۰۰، تہذیب تاریخ دمشق ۲: ۸۰، تفسیر القرطبی ۱: ۲۳۶، الدر المنثور ۶: ۱۷۱
 ۳۔ اتحاف ۳: ۴۷، فتح الباری ۲: ۲۵۲، مجمع الزوائد ۱۱۵، المسند ابونعوانہ ۲: ۱۲۵، حلیۃ الاولیاء ۷: ۱۲۴، الاذکار ۴: ۴۶، الکامل ۴: ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، نصب الرایۃ ۳: ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۴: ۳۶۷، جامع مسانید: ۳۱۵، جامع الترمذی، مواقیف ۶۹، الدارمی، صلاۃ ۳۶۲، مسند احمد ۳: ۱۳۵، ۱۵۴، ۲۱۰، ۲۵۱، المعجم الکبیر ۸: ۲۳۰، ۱۰: ۲۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱: ۱۱، مجمع الزوائد ۹۶: ۲۹۲، ۸۳: ۳، التہذیب ۹: ۲۵۵

- شرح النبیۃ: ۵: ۷، الکافی والاسماء: ۲: ۱۵۴، مشکوٰۃ: ۳۵، الدر المنثور: ۱: ۲۳، ۲: ۲۹۵، ۵: ۱۷۵، کنز العمال: ۵۵۰۱، مکارم الاخلاق: ۲، امالی الشجر: ۳۶: ۱، الایمان: ۷، تاریخ جرجان: ۱۰۵، حلیۃ الاولیاء: ۳: ۲۲۰، الکامل: ۳: ۱۱۹۲، ۶: ۲۲۲۱، علل الحدیث: ۱۹۳۶، کشف الخفاء: ۲: ۲۸۵، ۵۔ سورۃ اعراف: ۱۴۳۔ یعنی: تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳: ۳۹۳، الجامع الکبیر: ۲: ۵۷۔ ۷۔ محمد بن اسعد الصدیقی (م ۹۸۰ھ/ ۷۳-۱۵۷۲ء) شارح عقائد العصدیہ (کشف الظنون) مکتوب نمبر (۲۷۳)
- ۱۔ صحیح البخاری: ۹: ۴۳، صحیح مسلم: ۵: ۱۷۷، جامع الترمذی: ۲۲۸۰، مسند احمد: ۵: ۳۰۶، شمائل: ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، مجمع الزوائد: ۷: ۱۷۷، ۱۸۱، مکتوب نمبر (۲۷۴)
- ۱۔ یہ شعر حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا ہے۔ مکتوب نمبر (۲۷۵)
- ۱۔ مثنوی: ۶: ۵۳۶، مکتوب نمبر (۲۷۶)
- ۱۔ نیز دیکھئے: دفتر اول مکتوب ۳۱۱، کہ وہاں بھی ایسے رموز بیان ہوئے ہیں۔ ۲۔ اتحاف: ۱۰: ۱۱۱، ۱۰: ۳۸۰، المغنی عن حمل الاسفار: ۴: ۶۳، ۹: ۴۷، تذکرہ: ۲۱۵، کشف الخفاء: ۲: ۲۸۶، الفوائد المجموعہ: ۷: ۲۶، نیز رواہ الدیلمی عن انسؓ ۳۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ تصنیف برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی (م ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۷ء)، دیکھئے: کشف الظنون ۴۔ علم اصول فقہ کی معروف کتاب بزدوی تصنیف علی بن محمد بزدوی حنفی (م ۸۸۳ھ/ ۱۰۹۰ء)، دیکھئے: کشف الظنون مکتوب نمبر (۲۷۷)
- ۱۔ مرصاد العباد: ص ۲۳۸ ۲۔ یعنی: وہ میرے ذریعے سنتا ہے اور میرے ذریعے دیکھتا ہے۔ (اشارہ بہ حدیث، دیکھئے صحیح البخاری: ۶: ۲۵۶، مسند احمد: ۶: ۲۵۶) مکتوب نمبر (۲۷۸)
- ۱۔ مثنوی: ۶: ۵۳۶ ۲۔ یہ اشعار مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ۳۔ باختلاف الفاظ دیکھئے: مشکوٰۃ: ۲۳۵۵، کنز العمال: ۴۲۹۷، اتحاف: ۱۰: ۳۶۷، میزان الاعتدال: ۷: ۳۰۰، لسان المیزان: ۵: ۳۳۹، نیز شعب الایمان
- مکتوب نمبر (۲۸۱)
- ۱۔ بخاری ادب: ۹۶، مسلم بر: ۱۶۵، جامع الترمذی زہد: ۵۰، دعوات: ۹۸، سنن الدارمی رقائق: ۷، مسند احمد: ۱: ۲۹۲، ۳: ۱۰۴، ۴: ۱۱۱، ۷: ۱۰۷، مکتوب نمبر (۲۸۵)
- ۱۔ کشف الخفاء: ۲: ۲۴۴، اسرار المرفوعہ: ص ۲۹۹ ۲۔ اتحاف: ۵: ۳۱۱، ۳۱۲، تذکرہ: ۸۷ ۳۔ صحیح مسلم صلاۃ: ۲۱۵، سنن النسائی موافیت: ۳۵، تطبیق: ۷۸، جامع الترمذی دعوات: ۱۱۸، مسند احمد: ۲: ۴۲۱، مکتوب نمبر (۲۸۶)
- ۱۔ اتحاف: ۲: ۱۵۹، ۷: ۲۷۵، نیز بخاری و مسلم مکتوب نمبر (۲۸۷)
- ۱۔ صحیح مسلم علم: ۱۳، جامع الترمذی علم: ۵، سنن ابن ماجہ مقدمہ: ۸، سنن الدارمی مقدمہ: ۲۶، مسند احمد: ۲: ۱۶۲، ۱۹۰ ۲۔ صحیح مسلم البر والصلا: ۱۱۵، الحجۃ: ۲۸، مسند احمد: ۲: ۲۴۴، ۲۵۱، ۳۲۳، ۴۳۴، ۴۶۳، ۵۱۹، مسند الحمیدی: ۱۱۲۱، ۱۱۲۰، تہذیب تاریخ دمشق: ۱: ۳۹۵، فتح الباری: ۱۱: ۳، المغنی عن حمل الاسفار: ۲: ۱۶۶، السلسلۃ الصحیحہ: ۷: ۱۰۷، شرح النبیۃ: ۱: ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، الاسماء والصفات: ۲۹۰، ۲۹۱

- ۳- مثنوی: ۶: ۵۳۶
۴- مرصاد العباد، ص ۲۳۸
۵- مثنوی: ۴: ۳۴۳
۶- کشف الخفاء: ۲: ۲۴۴، اسرار المرفوع، ص ۲۹۹
۷- ایضاً
۸- اتحاف: ۵: ۳۱۱، تذکرہ ۸۷
۹- صحیح مسلم صلاۃ: ۲۱۵، سنن النسائی موافقت: ۳۵، تطبیق: ۷۸، جامع الترمذی دعوات: ۱۱۸، مسند احمد: ۲: ۴۲۱
۱۰- صحیح البخاری ادب: ۹۶، صحیح مسلم بر: ۱۶۵، جامع الترمذی زہد: ۵۰، دعوات: ۹۸، سنن الدارمی رقائق: ۷۱، مسند احمد: ۱: ۲۹۲، ۳: ۱۰۴، ۱۱: ۱۰۷
۱۱- صحیح مسلم البر والصلة: ۱۱۵، الجہۃ: ۲۸، مسند احمد: ۲: ۲۴۴، مسند الحمیدی: ۱۱۲۰، تہذیب تاریخ دمشق: ۱: ۳۹۵، فتح الباری: ۱۱: ۳، المغنی: ۲: ۱۶۶، السلسلۃ الصحیحہ: ۱۰۷، شرح السنۃ: ۱: ۲۲۸، الاسماء والصفات: ۲۹۰
۱۲- اتحاف: ۷: ۲۴۴، کشف الخفاء: ۲: ۲۷۳، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۹: ۳۹۴
۱۳- مرصاد العباد، ص ۲۳۸
- مکتوب نمبر (۲۸۸)**
- ۱- شرح السنۃ: ۱: ۲۱۱، الفاظ کی کمی و زیادتی کے ساتھ دیکھئے: صحیح البخاری صلح: ۵، صحیح مسلم قضیہ: ۱، سنن ابن ماجہ مقدمہ: ۲، مسند احمد: ۶: ۲۷، ۲۴۰، ۲۷۰
۲- فتاویٰ سراجیہ کے مصنف سراج الدین اوشی بن عثمان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مرم ۹۶۵ھ / ۱۵۵۷ء میں اپنی کتاب اوش میں مکمل کی۔
۳- فقہ کی مشہور کتاب۔ (دیکھئے: کشف الظنون)
۴- الفاظ کی کمی و زیادتی کے ساتھ دیکھئے: صحیح مسلم فتن: ۱۲، مسند احمد: ۱: ۴۴۸
- مکتوب نمبر (۲۸۹)**
- ۱- ابوالعین معون بن محمد بنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۸ھ / ۱۱۱۴ء)۔ (دیکھئے: کشف الظنون)
۲- بلفظ ”القدریۃ“ (لعنت القدریۃ...)۔ دیکھئے: العلل المتناہیہ: ۱: ۱۴۳
- مکتوب نمبر (۲۹۰)**
- ۱- اتحاف: ۲: ۶۵، احوال و تخان خواجہ عبید اللہ احرار: ۱۵۹، ۴۰۱
۲- مثنوی: ۱: ۴
۳- مثنوی: ۳: ۳۱۲
۴- حضرت شیخ ابوعلی دقاق نیشاپوری قدس سرہ (م ۴۰۵ھ / ۱۰۱۵ء) حضرت نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: امام وقت، شیخ عہد، سلطان طریقت، بادشاہ حقیقت اور زبان حق تھے۔ احادیث و تفسیر، بیان و تقریر، وعظ و تذکیر میں عظیم شان رکھتے تھے۔ (دیکھئے: تذکرۃ الاولیاء، ص ۶۲۶)
۵- کنز العمال: ۳۶۰۸، تہذیب تاریخ دمشق: ۵: ۲۰۷، اتحاف: ۵: ۶۳، الاسماء والصفات: ۶۰، المعجم الکبیر: ۱۰: ۳۴۳
۶- الکامل: ۵: ۱۸۱۹، نیز سنن النسائی: ۸: ۲۶۱، ۲۶۷، مسند احمد: ۲: ۳۰۵، ۳۶۶، سنن الکبیر: ۷: ۱۲، مستدرک: ۱: ۲۵۲، ۵۴۰، مشکاۃ: ۷: ۲۶۷
۷- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینۃ العلم و علی بابہا (دیکھئے: المستدرک: ۳: ۱۲۶، الحاوی للفتاویٰ: ۲: ۱۱۷، اتحاف: ۶: ۲۴۴، احادیث القصص: ۱۵، اسرار المرفوعہ: ۱۱۸، میزان الاعتدال: ۴۲۹)، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انا دار الحکمۃ و علی بابہا“ (دیکھئے: جامع الترمذی: ۳۷۲، مشکاۃ: ۷: ۶۰۸، اتحاف: ۶: ۲۴۴، کنز العمال: ۳۲۸۸۹)، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انا دار العلم و علی بابہا“ (دیکھئے: میزان الاعتدال: ۳۸۶۰، ۸۰۰۲، المعجم الکبیر: ۲: ۹۴، ۹۵، ۹۶)
۸- صحیح مسلم الصحاب: ۱، رقم: ۲-۵، جامع الترمذی: ۳۶۵۹، ۳۶۶۰، سنن ابن ماجہ: ۹۳، مسند احمد: ۱: ۳۷۷، ۴۳۳، ۴۳۹، ۴۶۳، سنن الکبریٰ: ۶: ۲۴۶، المعجم الکبیر: ۳: ۲۷۸، ۱۰: ۱۲۹، ۱۳۰، مجمع الزوائد: ۹: ۴۵، مشکاۃ: ۱۱: ۶۰، اتحاف: ۹: ۶۸۰، کنز العمال: ۶۳: ۳۲۵
- مکتوب نمبر (۲۹۱)**
- ۱- کنز الہدایات: ۱۶۳، وسیلۃ القبول: ۱۴۵، المنج القوی: ۴: ۲۹۸، ان الفاظ میں: مَنْ قَتَلْتُهُ فَأَنَا ذَنْبُهُ۔

مکتوب نمبر (۲۹۲)

- ۱۔ شرح السنۃ، مشکاة
- ۲۔ جامع الترمذی ۲۸۶۹، مسند احمد ۳: ۱۴۳، موارد الظمان ۷: ۲۳۰، مجمع الزوائد ۱۰: ۶۸، المطالب العالیہ ۲۲۱۶، شرح السنۃ ۱: ۴۰۵، الحاوی للفتاویٰ ۲: ۱۹۵، کنز العمال ۳۴۳۸۵، مشکاة ۷: ۶۲، فتح الباری ۷: ۶، تفسیر ابن کثیر ۷: ۴۹۳، تفسیر القرطبی ۴: ۱۷۲، تاریخ بغداد ۱۱: ۱۱۳، کشف الخفاء ۲: ۲۷

مکتوب نمبر (۲۹۳)

- ۱۔ کشف الخفاء ۲: ۲۴۴، اسرار المرفوعہ، ص ۲۹۹
- ۲۔ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ دیکھئے: مسند احمد ۵: ۳۶۴، ۱: ۳۷۱، المعجم الکبیر ۶: ۳۴۰، مجمع الزوائد ۱: ۱۴۵، تفسیر ابن کثیر ۵: ۴۵۶، تاریخ بغداد ۱۰: ۴۴۳، ۴: ۴۴۴، المغنی عن حمل الاسفار ۱: ۱۶۵، تحذیر الخواص ۳۳، اسرار المرفوعہ، ۱۶، اتحاف ۳: ۱۳۷
- ۳۔ یعنی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ۔ سہروردی میں رجب یا شعبان ۵۲۶ھ/۱۱۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ فراغت کے بعد شیخ ابو نجیب سہروردی قدس سرہ سے خلافت پائی اور یکم محرم ۶۳۲ھ/۲۶ ستمبر ۱۲۳۴ء میں بغداد میں وصال فرمایا۔
- ۴۔ جامع الترمذی ۲۸۶۹، مشکاة ۷: ۶۲
- ۵۔ عوارف المعارف، جلد ۲: باب ۲۷
- ۶۔ دیوان حافظ، ص ۷۸
- ۷۔ حنبلی صوفی (م ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء)۔ (دیکھئے: کشف الظنون)
- ۸۔ یعنی: شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشانی (م ۳۰۷ھ/۱۳۳۰ء)۔ (دیکھئے: کشف الظنون)

مکتوب نمبر (۲۹۴)

- ۱۔ اشارہ بہ حدیث، دیکھئے: صحیح مسلم علم ۱۳، جامع الترمذی علم ۵، سنن ابن ماجہ مقدمہ ۸، سنن الدارمی مقدمہ ۲۶، مسند احمد ۲: ۱۶۲، ۱۹۰
- ۲۔ عَلَمَاءُ أُمَّتِي كَاتِبِيَاءُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ۔ (اسرار المرفوعہ ۲: ۲۴، فوائد المجموعہ ۲۸۶)

مکتوب نمبر (۲۹۵)

- ۱۔ دیوان حافظ، ص ۸۸
- مکتوب نمبر (۳۰۰)
- ۱۔ دیوان حافظ، ص ۸۸
- ۲۔ الحاوی للفتاویٰ ۲: ۴۱۲، کشف الخفاء ۲: ۳۶۲، اسرار المرفوعہ، ص ۳۵۱، درر المنثور فی الاحادیث المشترکہ ۱۵۲

مکتوب نمبر (۳۰۱)

- ۱۔ دیوان حافظ، ص ۲۱۶
- مکتوب نمبر (۳۰۲)
- ۱۔ صحیح البخاری ۲: ۶۳، ۶: ۱۶۹، صحیح مسلم صفات المنافقین ۹، ۸۰، ۸۱، جامع الترمذی ۴۱۲، سنن النسائی ۳: ۲۱۹، ابن ماجہ ۱۴۱۹، مسند احمد ۴: ۲۵۱، ۶: ۱۱۵، سنن الکبریٰ ۲: ۴۹، ۱۶: ۳، مجمع الزوائد ۱: ۱۷۱، مشکوٰۃ ۱۲۴۰، میزان الاعتدال ۳۱: ۴۷

مکتوب نمبر (۳۰۳)

- ۱۔ صحیح مسلم صلاۃ ۲۱۵، سنن النسائی مواقیف ۳۵، تطبیق ۸، جامع الترمذی دعوات ۱۱۸، مسند احمد ۲: ۴۲۱

مکتوب نمبر (۳۰۵)

- ۱۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: احیاء العلوم ۱: ۱۱
- ۲۔ دیکھئے: بخاری و مسلم، عن ابی ہریرۃؓ، نیز مشکاة

مکتوب نمبر (۳۰۶)

- ۱۔ رسالۃ الغوثیہ، ص ۶۶

مکتوب نمبر (۳۰۷)

- ۱۔ صحیح مسلم الذکر والدعاء، رقم ۷۹، مسند الحمیدی ۴۹۶، الترغیب والترہیب ۲: ۴۳۸، کنز العمال ۱۹: ۳۷۱، شرح السنۃ ۵: ۲۰۵، ادب المفرد ۶۲۷
- ۲۔ کنز العمال ۴۹۵۵
- ۳۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: مسند احمد ۲۹۹: ۵

مکتوب نمبر (۳۰۸)

- ۱۔ صحیح البخاری ۸: ۱۰۷، ۱۷۳، ۱۹۹: ۹، صحیح مسلم الذکر والدعاء ۱۰، رقم ۳۱، جامع الترمذی ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ ۳۸۰۶، مسند احمد ۲: ۲۳۲، شرح السنۃ ۵: ۴۲، ۲۰۵: ۷، اتحاف ۱۵: ۵، الترغیب والترہیب ۲: ۴۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰: ۲۸۹، ۱۳، ۴۳۹، کنز العمال ۲۰۰۷، ۲۰۴۹، در المنثور ۱: ۷۱، مشکاۃ ۲۲۹۸، زاد المسیر ۸: ۱۵۹، الاسماء والصفات ۴۹۹، الاذکار ۱۶، تفسیر ابن کثیر ۸: ۲۹، تفسیر القرطبی ۱: ۶۷، الکلم الطیب ۸، حلیۃ الاولیاء ۱: ۴۰۰، فتح الباری ۱۱: ۲۰۶، ۵۶۶، المغنی عن حمل الاسفار ۳۰۱: ۳۰۱

مکتوب نمبر (۳۱۰)

- ۱۔ صحیح مسلم البر والصلہ ۱۱۵، مسند احمد ۲: ۲۳۲، مسند الحمیدی ۱۱۲۰، تہذیب تاریخ دمشق ۳۹۵، فتح الباری ۱۱: ۳، الاسماء والصفات ۲۹۰، المغنی ۲: ۱۶۶، السلسلۃ الصحیحہ ۱۰۷، شرح السنۃ ۲۲۸
- ۲۔ الحاوی للفتاویٰ ۲: ۴۱۲، کشف الخفاء ۲: ۳۶۲، اسرار المرفوعہ ص ۳۵۱، درر المنثور فی الاحادیث المشترکہ ۱۵۲
- ۳۔ صحیح مسلم علم ۱۳، جامع الترمذی علم ۵، سنن ابن ماجہ مقدمہ ۸، سنن الدارمی مقدمہ ۲۶، مسند احمد ۲: ۱۶۲، ۱۹۰

مکتوب نمبر (۳۱۲)

- ۱۔ یہ سطور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے تقلید میں رسوخ و پختگی کی واضح دلیل پیش کرتی ہیں۔
- ۲۔ جامع الترمذی ۲۱۴، ۳۵۲۲، ۳۵۸۷، مسند احمد ۳: ۱۱۲، ۲۵۷، ۹۱: ۶، ۲۵۱، ۲۹۴، ۳۱۵، المستدرک ۲: ۲۸۸، ۲۸۹، المعجم الکبیر ۱: ۲۳۴، ۷: ۳۷۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰: ۳۶، ۳۷، ۲۰۹، ۲۱۰، ۱۱: ۳۷، کنز العمال ۱۶۸۲، ۱۶۸۴، ۱۶۹۴، ۳۷۷، ۱۸۰۹، ۱۸۰۹، المغنی ۳: ۴۴، تہذیب تاریخ دمشق ۱۰: ۱۵، السنۃ ۱: ۱۰۴، فتح الباری ۱۳: ۳۳۷، اتحاف ۷: ۳۰۲، مجمع الزوائد ۷: ۲۱۰، ۱۰: ۱۷۶، المطالب العالیہ ۶۲، ۴۹۴۰، سنۃ ۱: ۱۶۵، ۱۶۶، زاد المسیر ۳: ۳۴۰، الاذکار ۳۴۹، حاصم ۱: ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۴، الایمان ۵۵-۵۸، الکامل ۶: ۲۲۵۲، تفسیر ابن کثیر ۲: ۱۳، ۳: ۵۷، تفسیر القرطبی ۴: ۲۰، تفسیر الطبری ۳: ۱۲۵، البدایہ والنہایہ ۱۰: ۳۰۵

مکتوب نمبر (۳۱۳)

- ۱۔ جامع الترمذی ۲۲۵۳، مشکاۃ ۵۳۲۶، اتحاف ۸: ۲۳۲، المغنی ۳: ۳۶۹، مجمع الزوائد ۱: ۲۹۶، کنز العمال ۵۹۳۶، ۵۹۴۸، الکامل ۶: ۲۰۹۲
- ۲۔ مسند احمد ۲: ۳۲۵، نیز سنن ابی داؤد ۴۰۹۸، موارد الظمان ۱۲۵۵، شرح السنۃ ۱۲: ۱۲۱، مشکاۃ ۴۶۹، الترغیب والترہیب ۳: ۱۰۴، فتح الباری ۱۰: ۲۶۳، کشف الخفاء ۲: ۲۰۶
- ۳۔ الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ دیکھئے: المعجم الکبیر ۱۱: ۳۲۳، صحیح ابن خذیمہ ۹۵۰، مجمع الزوائد ۳: ۱۶۳، مجمع الجوامع ۲: ۵۲۰، کنز العمال ۵۳۴۱، الکاف الشاف ۱۳۰، نصب الراية ۱۶۹